شہر دہلی کی نئی پرانی کل عمارتوں کا مفصل بیان مع نقشہ جات کے

واقعات دار الحکومت دہلی

۱۳۳۷ھ

مشتمل بر سہ حصص

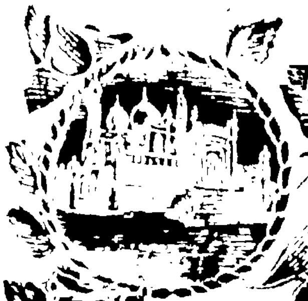
(حصہ سوم)

۱۳۳۷ھ

مصنفہ بشیر الدین احمد دہلوی

۱۹۱۹ء

شمسی مشین پریس آگرہ میں محمد بشیر الدین خان و محمد شمس الدین خان کے اہتمام سے چھپی

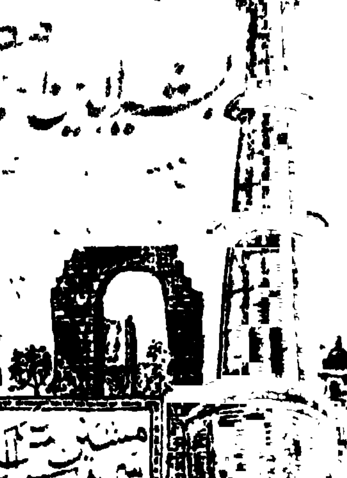


بیاد نقش عمارات شہریاراں بیں * کہ ایں سپہر جفا پیشہ چوں بہ بست و شکست

واقعات دار الحکومت دہلی

حصہ سوم

مصنفہ



طبع اول ایک ہزار جلد (جملہ حقوق محفوظ ہیں) قیمت

فہرست مضامین حصۂ سوم واقعات دارالحکومت دہلی

باب	مضمون	از صفحہ	تا صفحہ
۱	۲	۳	۴
	نامعلوم گنبد ۔ حوض خاص کے گرد و نواح کے متعدد مقبرے (۱۲۷) کھڑیڑے کی حدود کے مقبرے (۱۲۷) بیوی باندی کے مقبرے ۱۲۷/۱۲۸ بارہ کھمبا ستونوں کے دو مٹھ (۱۲۸) گمزی اور دو نامعلوم گنبد (۱۲۹) گنبد عظام یعنی شیخ شہاب الدین تاج خاں اور سلطان ابوسعید کا مقبرہ ۱۲۹/۱۲۹ ۔ قناتی مسجد ایک اور قناتی مسجد ۔ توپوں والا گنبد (۱۳۰) حوض علائی یا حوض خاص اور مدرسہ ۱۳۰/۱۳۱ ۔ فیروز شاہ تغلق کا مقبرہ ۱۳۱/۱۳۲ ۔ حوض خاص کی اور عمارتیں (۱۳۵) دو گنبد (۱۳۵) مدرسے کے مکانات ۱۳۵/۱۳۶ ۔ فیروز شاہ کے مقبرے کے شرقی جانب کے برج دو دالان (۱۳۶) تالاب کے کنارے کی مسجد ۱۳۶/۱۳۷ ۔ نگینہ گمٹی ۔ بجلی خاں کا گنبد (۱۳۷) چھوٹا گنبد ۔ حاجی لنگیا کا مقبرہ اور مسجد ۔ ایک گمزی ۔ موضع منیرکہ کے حدود کے گنبد قناتی مسجد (۱۳۸) ۔ موضع منیرکہ کے کئی گنبد ۔ بستی کا اندر والا گنبد (۱۳۹) مرادآباد پہاڑی کے چار گنبد ۱۳۹/۱۴۰ ۔ وزیر کے مقبروں کا گروپ ۔ دو قناتی مسجدیں (۱۴۰) موضع محمد پور کے تین مقبرے (۱۴۰) محمد خاں کا مقبرہ ۱۴۰/۱۴۲ ۔ گاؤں کے اندر ایک اور گنبد اور مسجد ۔ ایک اور گنبد (۱۴۲) ہمایوں پور کا مقبرہ ۔ موضع کھریڑہ (۱۴۳) مسجد ۱۴۳/۱۴۴ ۔ دروازہ فصیل نیلی مسجد (۱۴۴) عیدگاہ (۱۴۵) عیدگاہ کے پیچھے کی دو عمارتیں ۱۴۵/۱۴۶ ۔ ایک برج اور قناتی مسجد (۱۴۶) شاہ پور ۔ ۱۴۶/۱۴۷ ۔ چوکھنڈی اور مسجد حضرت مخدوم سبزواری ۱۴۷/۱۴۹ ۔ بیگم پور کی عمارتیں ۔ ہردم خیالی کی درگاہ (۱۴۹) بیگم پور کی مسجد ۱۴۹/۱۵۱ ۔ مقبرۂ شیخ فرید بخاری ۱۵۱/۱۵۲ ۔ بنگلہ اور چھوٹی بارہ دری (۱۵۲) بارہ کھمبا اور نکی کوٹھی ۱۵۲/۱۵۳ ۔ بیجے منڈل یا بیڑی منزل یا بدیع منزل ۱۵۳/۱۵۴ ۔ بیجے منڈل کے دامن میں ایک گنبد ۱۵۴/۱۵۵ ۔ کالو سرائے کی مسجد (۱۵۵) شیخ ضیاء الدین رومی کا گنبد ۱۵۵/۱۵۶ ۔ ادھ چینی یا بی بی کی مسجد ۱۵۶/۱۵۷ ۔ بی بی فاطمہ سام کا حال ۱۵۷/۱۵۹ ۔ حضرت نجیب الدین متوکل		

فہرست نقشہ جات عمارات وغیرہ بہ قید صفحہ

غلط نامہ

کاتب بالعموم جیسے کم سواد ہوتے ہیں محتاج بیان نہیں اُن میں بھی جو جتنے زیادہ خوش قلم
اُتنے ہی زیادہ بد رقم ۔ کاتب کتابت کی دُھن میں عبارت کی طرف توجہ نہیں کرتا ۔ پروف

کی غلطیاں سنگ ساز کے سر ماری جاتی ہیں لبڑ بڑ بنا بنو چھٹی پائی - بہرحال اسباب کچھ بھی غلطیاں بہت رہ جاتی ہیں - لوگ ان مشکلات پر تو نظر کرتے نہیں کتاب کو دھبّہ ضرور لگ جاتا اگر غلط نامہ غور سے بنایا جائے تو ناظرین اُکتا جائیں - چھوٹی چھوٹی غلطیاں نون غنہ پر نقطہ دینے ایک آدھ نقطہ یا کہیں کہیں شوشہ یا مرکز چٹ کر جانے کی نظرانداز کی گئی ہیں سیاق عبارت اور طرز کتابت دونوں رہنمائی کرتے ہیں باقی رہیں بڑی بڑی غلطیاں جن سے نفس کتاب کے مضمون پر اثر پڑتا ہے اُن کو کسی طرح دیدہ و دانستہ چھوڑا نہیں جا ہاں سہو ہی نظر اُن پر نہ پڑے تو دوسری بات ہے - متوقع ہوں کہ ناظرین با تمکین اگر اس کتاب کو اس طرح ملاحظہ فرماتے ہیں جس طرح کہ ایک تاریخ کی کتاب کو نظر غائر سے دیکھنا چاہیئے تب تو ضرور ہے کہ کتاب شروع کرنے سے پہلے ان غلطیوں کو درست فرمالیں اور اگر محض قصہ کہانی سمجھ کر سرسری نظر مدنظر ہے تو یہ غلطیاں تو درکنار اتنی ہی اور ہوں تو بھی - ایں ہم بر سر علم

صفحہ	سطر	غلط	صحیح	صفحہ	سطر	غلط	صحیح
۱	۲	۳	۴	۱	۲	۳	۴
۳	۱۵	ذُوق	ذَوق	۱۶	۲	جائیں لے	جائیں گے
″	۱۹	مجر رکھے	حی ر کھے	۲۳	۶	مطرہ	مطرا
۴	آخر	بیچ	بیچ	″	۱۶	مسعد	مسجد
۷	۷	رغیت	رغبت	″	۲۱	دوائر الطفل	دوائر النقل
″	۸	کتشش	کشش	۲۴	۱	سمرت مینتر	سمرت منتر
۱۱	۱۲	قطع	قطعے	۲۶	۷	گمے	گئے
″	″	اسی	اتنی	۳۰	۲۱	لشانات	نشانات
″	۱۵	صیغہ	صیغہ	۳۳	۷	تھوا	تھوا
″	۱۹	تصیٹر	تھیٹر	۳۸	۴	او	اور
۱۳	۳	جو تیر	جیونیر	۴۰	۳	صَرسح	صرح
″	۸	چیقلش	چپقلش	″	۱۱	کیسے	کیئے
۱۴	۱۷	فزیپالوجی	فزیالوجی	۴۲	۹	بریں	بریں نا
۱۵	″	حالبات	حالبات	″	۱۲	اوکی	اونچی

صفحہ	سطر	غلط	صحیح	صفحہ	سطر	غلط	صحیح
۱	۲	۳	۴	۱	۲	۳	۴
۴۲	۱۴	نقشنر	نقش	۹۰	"	ہوایا	ہوا یا ۱۴۰۱
"	۱۹	زبیتہ	زیبتے	۹۳	۵	عاملہ	علمیہ
۴۶	۵	ہیں	ہے	"	۱۱	چرھا	چڑھا
"	۱۱	نیچ محراب	نیچ کی محراب	۹۴	۲	قبرس	قبریں
۴۸	۲	حیرپور	خیرپور	"	"	علاقہ	علاّمہ
"	۸	جیندیا	چندیا	۹۷	۳	نعمیرالدین	نعیرالدین
۴۹	۲۲	دیپالپ	دیپال پور	"	۱۸	طعنڈری	طھنڈری
۵۲	۱۱	بڑھ	بڑھ کر	"	آخر	کئیں	گئیں
۵۸	۱۰	گنند	گنبد	۹۸	۸	دستے	دیتے
"	۸	گنبدیاں	گمزیاں	"	۱۶	سے	سا
۵۹	۱۱	پونچتے	پہونچتے	"	۲۱	مسجد	آبادی
۶۳	۱۴	ربالین	زبالین	۹۹	۱۶	[illegible]	[illegible]
"	۱۵	انا	اتنا	"	۲۰	ظرف	طرف
۶۴	۱۷	دیواریں	دیواریں	۱۰۰	۲۲	نالے	نالے
۶۹	۱۲	کی بنا	کی بھی بنا	۱۰۲	۱۲	تبریریں	محرابیں
۷۳	۱۰	دوائی	ووائی	"	۱۸	ہوتا	ہوتا تھا
۷۴	۱۶	مرزا نجف	مرزا نجف خاں	۱۰۳	۱۰	لے	نے
"	۲۲	کا خاتمہ	کا بھی خاتمہ	"	۱۳	فیروز شاہی	فیروز شاہی نے
۷۹	۱۳	ان	آں	"	۱۴	سنہ ۶۸۹ھ / ۱۳۰۰ء	سنہ ۶۸۹ھ / ۱۲۸۷ء
۸۱	۶	سنہ ۲۳-۱۲۲۱ء	سنہ ۲۳-۱۴۲۱ء	۱۰۷	۸	سنہ ۸۱۰ھ	سنہ ۸۱۳ھ / ۱۴۱۰ء
"	۱۴	کرڈالا	کروا ڈالا	۱۰۹	۱۴	کوکول	کولوں
۸۵	۲۴	کھسلی	کھسکی	"	۲۲	ووبرجی	دوبرجی
۸۸	۱۰	وَلَقَدْ	وَلَقَدْ	۱۱۰	۱۷	شیخ صسا	شیخ صلا
۸۹	۱۹	منقوش ہیں	منقوش ہے	۱۱۱	"	نفیس صعرے	نفیس طغرے

صفحہ	سطر	غلط	صحیح	صفحہ	سطر	غلط	صحیح
۱	۲	۳	۴	۱	۲	۳	۴
۱۱۷	۶	ولا	ویاقائماً بلا	۱۵۵	۱۴	لاپروائی	سلےپروائی
محاذی ۱۱	نقشہ	کنگرخاں	لنگرخاں	۱۵۷	۱۳	با	بابا
۱۱۵	۱۲	بووہ	بودا	۱۵۸	۲	ادیاں	ادباں
۱۲۰	۴	چیرھ	چڑھ	״	۱۱و۱۲	سید	سید.
۱۲۱	۲	کھنڈموں	کھنڈروں	״	۱۱	وو	وورود
״	۱۰و۲۲	پیچ	پیچ	״	۱۳	فرود	فرد
۱۲۲	۴	باقی	ہاقی	״	۱۵	وار	دار
۱۲۳	۱۵	گرزو	گرد	۱۶۲	۳	الضمرار	الصحزاء
۱۲۴	۱۸	سپاٹ ہی گر	سپاٹ ہی	״	۲۴	ماند	ماندند
״	۲۱	پر	پڑ	۱۶۳	۳	(دوکان)	(دوکان)
۱۲۵	۹	بنایا	بتایا	״	۴	سنگیت	سنگیست
۱۲۹	۵	فیق	رفیق	״	״	دور	درو
۱۳۴	۷	ظاہر	ظاہرہی	״	۱۷	اشرا	اثر
۱۳۷	۲۰	۸ أ	۱۸	״	۱۹	زیازت	زیارت
״	״	کو	کا	۱۶۴	۱	غازی	غاری
۱۴۲	۶	کیوں	کیوں	״	۲	یاسہ	باسہ
۱۴۳	۸	وقت	وقت بائیں طرف	״	۵	نبض	ہنص
۱۴۷	۲	دودو	دو	۱۶۶	۲۰	لستہ	بستہ
۱۴۸	۷	یَسِفوُنَ	یَصِفوُنَ	۱۶۷	۱۴	اُرسی	اُسی
״	۲	اوبچی	اونچی	۱۷۰	۲	زرہ	دہ
״	آخر	اور	او	״	۱۲	حالت	حالت میں
۱۵۱	۲۲	عدلت	عدالت	״	۱۶	بار	بارہ
۱۵۲	۱۰	کچھ قبریں	ایک قبر	״	۱۹	سگین	سنگین
۱۵۳	۱۵	جنگ	چنگ	۱۷۲	۱۸	ماکیوں	پاکھوں

صفحہ	سطر	غلط	صحیح	صفحہ	سطر	غلط	صحیح
۱	۲	۳	۴	۱	۲	۳	۴
۱۸۳	۵	جو	×	۱۸۴	۱۸	سلطانہ	سلطانہ
۱۸۵	۱۸	دسئے	دیئے	۱۸۵	۲	حسروان	خسروان
"	۲۰	برھائی	بڑھائی	"	۳	الغادل	العادل
"	۲۱	سجد	مسجد	۱۹۶	۱۴	سیرھی	سیڑھی
۱۸۶	۱۲	وروزے	دروازے	"	۱۶	وہیں	وہاں
"	۲۳	چوکوں	چوکون	۱۹۰	۱۷	الغالم	العالم
۱۸۰	۲	بہ	یہ	۱۹۱	آخر	المعبد	المعید
۱۸۲	۱۷	اعلی	علی	۱۹۲	۱۲	فی	تا
"	۲۰	محمادی	محمادی ثوی	۱۹۴	۱۳	العمارۃ	العمارۃ الملک
"	۲۱	مبجد	مساجد	۱۹۵	۱۴	۱۳۸۳۰	۱۳۸۲
"	۲۳	رافع	رفع فی	۱۹۷	۳	پرجی	برجی
۱۸۳	۴	محمد شا	محمد شاہ السلطان	۱۹۸	۵	چگدار	چکردار
"	۸	الخلافۃ	الخلافۃ	"	۹	اور	×
"	۱۰	بتوفیق	بتوفیق ایزد	۱۹۹	۱۲	بادشا	بادشاہ
"	۱۳	اللھد	اللہ	۲۰۰	۱۶	اکر	اکبر
"	۱۵	معابر	منابر	۲۰۱	۱	بانی	بانی نے
"	۱۹	فلاع	قلاع	۲۰۳	۹	لیا	کیا
"	"	فجرہ	فجرۃ	۲۰۵	۲-۲۳	چوکوں	چوکون
"	۲۰	لجلال	بجلال	"	۲۳	یہ	ان
۱۸۸	۴	مشہور	مشہور باللہ ثانی [illegible]	۲۰۶	۸	چھتیں	چھتیں
"	۵	علاء	علاو	۲۰۷	آخر	پیچھے	آگے
"	۶	بصدف	بصدق	۲۰۹	۵	ہٹا	ہٹا
"	۱۱	ہر	×	"	۱۶-۱۷	کے لی الفاظ [illegible] جو کسی	×
"	۱۲،۱۴	و	×	"	۱۶	معمولی	[illegible] کسی معمولی

صفحہ	سطر	غلط	صحیح	صفحہ	سطر	غلط	صحیح
١	١	٣	٤	١	٢	٣	٤
٢١٠	٧	فیرو	فیروز	٢٤٥	٩	متبرت	متبرول
٢١٢	٢٢	ماکہ	بالمہ	؍؍	١٠	محمد قلی خاں	؍؍
٢١٦	١٠	تو	تو	٢٤٦	٩	سیذر	سندر
٢١٧	٣	سخستنی	سختش	٢٤٧	٨	پران	پُران
٢٢٠	٦	لسا	لک	٢٤٨	١٢	ونکا	ٹکا
٢٢١	٢٣	لے	ستے	٢٥٤	٣	بگفر	بکفر
٢٢٥	١٨	سنہ ١٣	سنہ ١٢٢ھ	٢٥٥	٩	گروے	گیروے
؍؍	٢٢	کال	کان تا ١١	٢٥٧	آخر	سنہ ١٣١١ھ	سنہ ١٣١١ھ میں
؍؍	آخر	سالیوہیں	سالیواہن	٢٥٨	١	دورا	دورہ
٢٢٧	آخر	+	سے دیکھو بر صفحہ بندرہ — ١٢	؍؍	٤	بالاتزام	بالالتزام
٢٢٨	؍؍	کولی	کوئی	؍؍	١٠	ویلی	دہلی
٢٢٩	٢	جو مالک	جو	؍؍	؍؍	شاہل	شامل
٢٣١	١٩	سمت ١٨٣٨	سمت ١٨٨٣	٢٥٩	١٢	کے	سے
؍؍	٢٠	کا ہی	کا ہی جو حساب سے (٩٩) برس قبل از وقت ہوتا ہی	٢٦٠	٢١	کے	کا
٢٣١	١٢	بشحض	بشخص	؍؍	٢٤	یہ عبارت رہ گئی ہے: —	
٢٣٢	٢٠	ساتھ تھے	ساتھ بنے تھے	ایک دفعہ شیر شاہ بادشاہ (سنہ ٩٤٧-٩٥٢ھ / ١٥٤٠-٤٥ع)			
٢٣٤	١٢	دور	دوز	میر شکار کو اس طرف آیا اور زیارت مزار مبارک سے			
؍؍	١٤	٣ ١/٢	٣ ١/٢ ایک	مشرف ہوا دیکھا کہ آپ کے مزار مبارک میں کچھ			
٢٣٥	٢٣	الرسل	الرسل تا آخر رکوع	تکلف نہیں ہے چاہا کہ مزار شریف کے گرد ایک			
؍؍	٢٤	لکمل	لکمہ	چار دیواری بنوا دے اور ایک حد مقرر کی جائے جہاں			
٢٣٦	٩	قلیلاً	قیلاً	سے لوگ جوتیاں اتار کر حاضر ہوا کریں اس خیال سے اس نے			
٢٤١	٢	سنہ ٩٦٥ھ	سنہ ٩٦٩ھ	چاروں طرف تیر پھینکے اور جہاں جہاں تیر گرے وہاں			
٢٤٣	٢٣	واش	وارش	ایک ایک دروازہ بنا کر چار دیواری کھنچوا دی جو بہت			
٢٤٥	٩	عمر خاں	عمر خاں اور محمد علی خاں	وسیع تھی جس کا نشان اب بھی ایک [illegible] طرف کو پایا جاتا			

صفحہ	سطر	غلط	صحیح	صفحہ	سطر	غلط	صحیح
۱	۲	۳	۴	۱	۲	۳	۴
[illegible]	[illegible]	[illegible]	دوسرے بادشاہ [illegible]	۲۸۵	۱۲	آئم	آئیم
[illegible]	[illegible]	[illegible] کو مختصر کر کے [illegible]	[illegible] بنوا دیئے	۲۸۶	۴	غـالم	عالم
۲۶۱	۱۴	رعدوشن	دوشن	"	۶	تخت	نخست
"	۲۳	بجازی	بہازی بازی	۲۸۸	۳	سنہ ۹۲۴ء	سنہ ۹۲۴ھ
۲۶۵	۱۰	دونیں	دریں	"	۲۰	اب	لوگ اب
۲۶۶	۱۴	چبوترترا	چبوترا	۲۹۰	۶	طرح	طرح کے
"	۱۷	عتل	عقل	۲۹۱	۹	دیکھا	دیکھیے
۲۶۹	۲۴	رفت	رخت	۲۹۳	۵	سنہ ۹۶۲ء	سنہ ۹۶۲ھ
۲۷۰	۳	سکے	کی	۲۹۴	حاشیہ	حضرت تہ	حضرت تک
"	۹	از سعی کمترین غلامان	از سعی کمترین غلامان	۲۹۵	۲۱	۹	۹
۲۷۲	آخر	گوارا کیا	گوارا نہ کیا	۲۹۶	۹	جنت	جنت کی
۲۷۳	۷	ہمراد	ہمرا	۲۹۵	۱۵	نہر	ابہر
"	۱۰	اور	او	۲۹۹	۱۹	بچھ بچھ	بچھے بچھ
"	۱۶	معتزی	مقری	۳۰۱	۶	ادکھ	رودکھ
۲۷۴	۱۸	باولی او اور	باولی اور	۳۰۲	۳	آپ	اب
۲۷۷	۳	بہادر شاہ	شاہ عالم بہادر شاہ	۳۰۳	۲۴	کہرا	اکہرا
۲۷۸	۱۰	خنجر	جنر	"	"	گرداز	گرد طرز
۲۸۰	۱۳	ذکریا	زکریا	۳۰۴	۱۹	دملی	دہلی
۲۸۳	۱	کشتی	گشتی	"	"	بناورسکے	بناورسکے لیئے
"	۶	حدیتش	حدیثش	"	۲۳	دلّی میں	آپکی اولاد دلّی میں
۲۸۴	۱۳	منوبست ور بر	منو بیست و بہ	۳۰۵	۱۰	مدسلے	مدسے
"	۱۴	کن	مکن	۳۰۶	۱۱	غربیہ	غریبہ
۲۸۵	۵	مولیتا	مولینا	"	۱۶	گفت	گفت
[illegible]	۱۲	قرآنی	قرآنی	۳۰۷	۲۳	دآب	آب

صفحہ	سطر	غلط	صحیح	صفحہ	سطر	غلط	صحیح
۱	۲	۳	۴	۱	۲	۳	۴
۳۰۶	۲۲	روی لبیک گو شنید	رو و بستہ زو شدہ	۳۲۳	۲۲	شمس	تخمیں
۳۰۸	۱	آوار	آواز	۳۲۴	۲	میں	ہیں
۳۰۹	۵	جمہرسنے	جمہرسنے	〃	۵	کہاں	گماں
〃	۱۳	سی	ہی	۳۲۵	۱۴	احاطے	احاطے
〃	۱۷	باغ	باغ	〃	۲۰	قلعے	قلعے
۳۱۰	۳	سیڑھیاں	سیڑھیاں	〃	۲۱	گئے	کے
〃	۱۵	مہتی	مہتّی	〃	۲۲	الرچہ	اگرچہ
۳۱۱	۲	خطیرہ	حظیرہ	۳۲۶	۳	میں قتل	میں بھی قتل
〃	۲۱	اِبدال	ابدال	〃	۱۲	بتایا	بنایا
۳۱۳	۱۷	وغیرہ آں	وغیر آں	۳۲۸	۷	ہیں	میں
۳۱۵	۳	لرایک	کرایک	〃	۸	خاص	خاص میں
۳۱۶	۱۴	ہی دور	ہی اور	۳۲۹	۱۵	خور	خود
۳۱۷	۸	حالت میں	〃	〃	۲۳	سی	تھی
〃	۲۲	پلٹنا	پلٹا	۳۳۲	۱۷	شکم	شکم کو
۳۱۸	۱۷	ساتھ	ساتھ ہی	〃	۲۳	تا	〃
〃	۲۲	دودو	دو	۳۳۴	۱۷	یچھے	بچہ
۳۲۰	۲	جاسے	دسے	۳۳۹	۱۲	اندپت	اندپت
〃	۱۴	سے	سے آیا	〃	۲۳	سکتا	سکتے
۳۲۱	۱	یرانی	پرانی	〃	〃	ضرور	ضرور شہر
〃	۱۳	ناسے	بناسے	〃	۲۴	ہوگا	ہوں گے
〃	۲۴	سے	کے	۳۴۰	۱۸	آبا	آباد
۳۲۲	۱۹	بتلاسے تھے	بتلاتے ہیں	۳۴۱	۱	اور	میں
〃	۲۰	درست	درخت	۳۴۳	۴	ذبل	ذیل
۳۲۳	۱۰	بھی	×	〃	۵	لکھے	لکھتے

صفحہ	سطر	غلط	صحیح	صفحہ	سطر	غلط	صحیح
۱	۲	۳	۴	۱	۲	۳	۴
۳۴۴	۱۸	غانزی	غازی	۳۹۶	۵	اللیام	اللیالی
۳۵۰	۲	بھوبۃ	بمحبوحۃ	"	۶	نناسلوا	تناسلوا
غانزی ۳۵۴	نقشہ	غانزی	غازی	"	۱۴	موبل	موجل
۳۵۸	۱۴	عزت	حضرت رب العزت	"	۱۸	ناغذ	نافذاً
"	۱۶	لوک	لوگ	"	۱۹	علی الطریق	علی طریق
۳۵۹	۱	ہرگر	ہرگز	۳۹۷	۸	عوالیم تب	عوالیم تمت
۳۶۰	۹	بہ	×	"	۱۱	مجلص	مخلص
۳۶۲	۱۲	یہ	یا	۳۹۸	۲	مزبو را	مزبور را
۳۶۴	۱۴	پائدار	پائدار رہے	"	آخر	دریصورت	دریں صورت
۳۶۴	آخر	شیر منڈال	شیر منڈل	۴۰۱	۱۳	سمہ	سنہ
۳۶۵	۱۱	سما	سماں	"	۲۲	بتصرف	بیتصرف
۳۶۷	۱۳	قلعہ	قلعہ	۴۰۲	۱۳	بابستہ	بائستہ
۳۶۸	۶	طلائی	طلاقی	"	۱۹	مفخر	مغفر
۳۷۵	۲۰	ہرہز	ہرہر	"	۱۲	۱۴ار	۴ر
۳۷۶	۷	عظما	عظیماً	۴۰۵	۱۴	سلطنت کے	سلطنت کے بعد
۳۸۴	۱۳	؛	و	۴۰۶	۳	خط	خطہ
"	۱۴	خورداں	خودوراں	۴۰۷	۱۱	کی تقویر	کے تصور
"	۲۲	بندہ راسموا	بندۂ مسموم	"	۱۳	افرور	افروز
۳۸۵	۱۲	بدایوان	بدیوان	۴۰۸	۸	وینم	ذمیم
۳۸۷	۳	نوازد	نورزد	"	۹	وخم	وخیم
۳۸۹	آخر	ازاد	آزاد	"	"	غر	غرر
۳۹۰	۴	غالیشان	عالیشان	۴۰۹	۴	محامع	مجامع
۳۹۴	۱	دوام	وام	"	۱۰	نالق	خالق
"	۱۴	تنیغ	تیغ	۴۱۳	۲۰	اودو	اردو

صفحہ	سطر	غلط	صحیح	صفحہ	سطر	غلط	صحیح
۱	۲	۳	۴	۱	۲	۳	۴
۴۱۷	۱۰	کرونی	کرنی	۴۴۰	۱۳	سنے	ـ
״	۲۲	سمجھے	سمجھے کہ	״	۱۵	بجایا	بجائی
۴۱۹	۴	انقال	انتقال	۴۴۳	۴	ولی عہد	ولی عہد کے
״	۱۹	نہ جاسے	جاسے	۴۴۵	۳	مانسٹرٹیل	مانسٹرٹیل
۴۲۰	۱۷	کوبرک	کوبرگ	״	۱۳	لومبر	نومبر
۴۲۱	۱۳	ایرڑجش	ایئرمش	۴۴۶	۱۸	چبانچہ	چنانچہ
״	۲۳	متول	سمتول	۴۴۹	۱۴	خفیف	خفیف سی
۴۲۲	۸	واقع	واقعے	۴۵۰	״	بیروشلم	یروشلم
״	۲۰	سنہ ۱۹ء کی	سنہ ۱۹ء میں	״	۲۲	سلطنت	سلطنت مغلیہ
۴۲۳	۱	داماد	اولاد	۴۵۲	۱۱	نربیت	تربیت
״	۸	بیاگرس	بیاطرس	۴۵۳	۱۸	اس	×
״	۱۰	ہوسے	ہوسکتے ہیں	۴۶۱	۲۲	ولایا	ولایا
۴۲۵	۱۲	گرس	کرئیں	۴۶۳	۵	ے	ـ
۴۲۶	۱۸	تو تو	تو	״	۶	اپ	آپ
۴۲۷	۱۲	بدولت	×	۴۶۳	۱	شعفت	شغفت
״	۱۹	پروگرام	پروگرام کا	۴۶۰	۱۶	آرچ بشپ	آرچ بشپ
۴۳۱	۷	آسمان	اکثر آسمان	۴۶۶	۱۰	غم	غم
״	۱۵	تھا	تھا کہ	۴۶۹	۱۴	کومستحق	کو اس کے مستحق
۴۳۲	۱۵	بادشاہوں کو	بادشاہوں سے	۴۷۰	۴	چنانچہ	چنانچہ
۴۳۳	۵	شعب	شغب	۴۷۱	۳	عائد	عمائد
״	۲۱	جو مذاہب	جو دیگر مذاہب	״	۸	خواب	خواب
۴۳۴	۲۲	ہوگیا	ہوگئے	״	۹	ابی	ابھی
۴۳۶	۲۴	دوسرے	دوسرے دن	״	۲۲	دفغہ	دفعہ
۴۳۸	۱۰	کیا	کیا تھا	۴۷۲	۸	ولادت مسیح ثانی	ولادت

صفحہ	سطر	غلط	صحیح	صفحہ	سطر	غلط	صحیح
۱	۲	۳	۴	۱	۲	۳	۴
	۱۵	آرچ بسپ	آرچ بشپ				
۴۷۴	۲۴	سہزادوں	شہزادوں	۴۹۹	۱۲	ہی	ہیں
۴۷۵	۱۱	اسٹریلیا	آسٹریلیا	؍؍	۲۱	سرزمین	تو سرزمین
۴۷۶	۱۴	احرام مصر	اہرام مصر	۵۰۲	۴	وئے	ویئے
؍؍	۲۰	گو	کو	۵۰۴	؍؍	مطالعہ لے	مطالعہ نے
۴۷۷	۳	کا	گا	۵۰۶	۱۱	انباعهم	اتباعهم
؍؍	۱۳	شکریہ	شکریہ ادا	۵۰۷	۱۰	انیند	اینڈ
۴۷۸	؍؍	و	×	۵۱۰	۱۸	مائیڑا	مائیرا
۴۸۱	۲۲	رستے	رستے لوگوں سے	۵۱۹	۲۳	سوری	سواری
۴۸۵	۴	لمبورن	ملبورن	۵۲۰	۸	و رتی	وتری
؍؍	۲۴	گہ	گا	؍؍	۹	وَغلَ	وَخَلَق
۴۸۶	۱۱	نا	بنا	؍؍	۱۳	رالبشری	والبشری
؍؍	آخر	گلڈ ہال	گلڈ ہال	۵۲۸	۱	سقوهم	سبقوهم
۴۸۹	۳	رکھدوی	رکھ دی	؍؍	۶	الامصاء	الاحصاء
۴۹۰	۳	بڑی	کی بڑی	؍؍	۸	فی ا	فی
۴۹۱	۱	دوسرے	دوسرے دن	؍؍	۹	الجابیها	لعجائبها
؍؍	۵	محنت	محبت	؍؍	۱۶	الجبنا	الحبنا
۴۹۳	۱۳	کو	×	؍؍	۲۰	بعصنها	بعضها
۴۹۵	۱۰	ہم	ہم	؍؍	۲۲	تمکنوا	تمکنوا
؍؍	۱۱	ہوگئے	×	۵۲۲	۲	اَجَلَہٗ	اَجَلَہٗ
۴۹۶	۶	کابوں	سکاٹوں	؍؍	۷	بشیر الدین صاحب	بشیر الدین احمد
؍؍	۱۳	پنا	اپنا	۱۲۷ ۵۲۹	۳ ۷	وہر ۱۳۴۸	دہر ۱۳۲۸
۴۹۸	آخر	لھل	کھل	؍؍	۱۸	انتستار	انتشار
۴۹۹	[redacted]	ضرور	اہم	۵۲۷	۱۴	خبس	جس

-غلط نامہ تمام ہوا-

التماس

کس چہ شناسد کہ چہ خوں خوردہ ام — کیں گہر از حُقّہ برآوردہ ام
ساختہ ام ایں ہمہ لعل و گہر — از خوے پیشانی و خونِ جگر
تا نہم از فکرت پنہانیش — گر بہ گہر گاہ بہ پیشانیش

جس وقت دلی کی تاریخ لکھنے کا ارادہ کیا یہ کام بہت آسان معلوم ہوا کہ سر سید مرحوم کی کتاب لاجواب **آثار الصنادید** اندھے کی لکڑی تھی اور خیال تھا کہ کچھ تھوڑی بہت کتر بیونت اور اضافہ سے بیڑا پار ہو جائے گا مگر تصورات اور واقعات میں آسمان زمین کا فرق ہے۔ انسان سوچتا کچھ ہے اور ہوتا کچھ ہے۔ میں تاریخ کی کتاب لکھنے کی مشکلات سے واقف تھا کہ اس فن میں میری یہ تیسری تالیف ہے امتداد زمانے کی وجہ سے کچھ تو اُن تکالیف کا جو میں جھیل چکا تھا احساس کم ہو گیا تھا اور کچھ شوقِ تالیف نے بڑھاوے چڑھاوے دے کر ہمت بندھائی اور سمجھا کہ جب ملازمت کی بیڑی پڑی تھی تب تو باوجود ہجوم مشاغل تو نے دفتر کے دفتر لکھ ڈالے اور اب کہ پنشن لے کر خانہ نشین ہے اور ہاتھ بھر سے خالی بیٹھا ہے تیرا ہچر مچر کرنا محض خدعِ نفس اور کم ہمتی ہے۔ غرضکہ ع - ہر چہ بادا باد ما کشتی در آب انداختیم۔ دو برس سے اس جھنجھٹ میں پھنسا ہوں۔ کسی دن کی چھٹی نہ لی۔ کوئی تیر تہوار نہ منایا۔ اپنے سارے مشاغل تہ کر کے رکھ دیئے۔ باہر کا آنا جانا۔ سیر تماشہ ہوا خوری۔ لوگوں سے ملنا جلنا سب ترک۔ دن کا سونا چھوڑ دیا۔ رات کا بھی ایک حصہ اس کے لیئے وقف کر دیا۔ خلاصہ یہ کہ ہر طرف سے منہ موڑ لیا اور اسی ایک مشغلے میں سارا وقت کھپایا۔ جان لڑا دی مگر اب تک بھی اس بحرِ ذخار

اور دریائے ناپیدا کنار کا ساحل مراد نظر نہ آیا۔ پہلے خیال تھا کہ دو حصوں میں کتاب تمام ہو جائے گی۔ اب معلوم ہوا کہ دلی میں اس کثرت سے آثار قدیمہ کا وجود ہے کہ اگر اس کو لا انتہا ہی کہوں تو بجا ہے۔ دوسرا حصہ جس میں عمارات کا ذکر ہے بڑھتے بڑھتے ایک طومار ہو گیا سانپ کے منہ کی چھچھوندر ہو نہ نگلی جائے نہ اگلی جائے نہ کتاب کو چھوڑتے بن پڑتا ہے نہ ختم ہونے ہی کی صورت نظر آتی ہے۔ چوں کہ حصہ دوم کی ضخامت خلاف توقع بہت بڑھ گئی اس لیے اس کے دو ٹکڑے کرنے پڑے اور اس طرح دو حصوں کے او نام سے یہ تیسرا بچہ پیدا ہوا۔ ناظرین خود ملاحظہ فرما لیں گے کہ آیا اس میں نری آخور کی بھرتی ہے یا یہ کہ کام کی باتیں ہیں ؎

لازم نہیں اپنے منہ سے تعریف انیس
خالص ہے جو مشک آپ بو دیتا ہے

آثار الصنادید اور دیگر کتب کے مطالعہ سے نہ تو میرے ذہن میں عمارت کا نقشہ کما حقہ جمتا ہے نہ میری تشفی خاطر ہوتی ہے ع۔ شنیدہ کے بود مانند دیدہ۔ یہ بڑی ہٹ دھرمی ہوگی اگر میں یہ کہوں کہ دوسرے لائق مصنفین کی بے بہا تصانیف سے مجھے مدد نہیں ملی۔ میں تو ہانکے پکار سے کہتا ہوں کہ میں تو ان کا نام لیوا انہیں کے نقش قدم پر چلنے والا اور نقال محض ہوں۔ اصل وہ ہیں اور نقل میں۔ اپنے شوق کو پورا کرنے اور کتاب کو تا بہ امکان مکمل کرنے کی غرض سے ایک دفعہ نہیں کئی کئی دفعہ مجھے ان ساری عمارتوں کو نظر غور اور تعمق سے دیکھنا پڑا اور جب دیکھا کچھ نہ کچھ موتی جھولی میں بھر لایا۔ بہت سی عمارتیں تو ایسی ملیں جن کا ذکر کسی کتاب میں ڈھونڈے بھی نہیں ملتا مگر زمین پر وہ کھڑی آسمان سے باتیں کر رہی ہیں ان کا ذکر نہ کرنا ایک صریح ظلم کے علاوہ کتاب کے نقص کا بھی باعث ہوگا۔ حجم بڑھے تو بڑھے۔ وقت زیادہ صرف ہو تو ہو۔ دوا دوش کی زحمت ہو تو ہو چشم ما روشن دل ما شاد مگر محنت کی داد ملے کتاب پروان چڑھے۔ کتاب جس قدر چھپ گئی ہے بعض صاحبوں کی رائے ہے کہ اس میں سارے کے سارے اف لاٹن نوٹ ہونے تھے میں جانتا ہوں کہ جتنا گڑ ڈالو اتنا ہی میٹھا ہوتا ہے میں ہاف ٹون نوٹ تو وہ کنار ان تمام عمارتوں کے نقشے ہونے کے پتھر پہ چھپوانے کو طیار ہوں مگر مشکل یہ آن پڑی

کو قیمت کون دے گا اور مول کون لے گا ؟ - ناچار یہ طریقہ اختیار کیا کہ ان کے بہترین مصور سے نقشے بنوائے جو ہاف ٹون کو نہیں پہونچتے مگر ان کے لگ بھگ ضرور ہیں اور مقصود اصلی یعنی عمارت کا نقشہ پیش نظر ہونا جو ہے وہ اس سے بھی بہ احسن الوجوہ حاصل ہوتا ہے - پھر بھی اس میں چند ہاف ٹون بلاک بھی ہیں - کاغذ لکھائی چھپائی - غرض یہ کہ ہر چیز کی گرانی نے میری ہمت پست کر دی ہے خریدار تو اپنی جگہ رہے - ؎

شد سخن ختم قبولے کہ خدایش دادہ است ۔۔۔ تا ابد باقی باد او مباد ش پایاں

خاکسار بشیر الدین احمد غفرلہ

دہلی - دسمبر ۱۹۱۹ء

قطعۂ تاریخ از جناب مولوی حکیم لطیف احمد صاحب رئیس قصبۂ تہلی ضلع سارن صوبہ بہار

کیوں چھپائیں ہم جو سچی بات ہے ۔۔۔ حق کے کہنے میں نہ کچھ ڈر ہے نہ بھی

واقعی گایا ہوا یہ گیت ہے ۔۔۔ لیکن اس کی اور دُھن ہے اور لے

ہیں بہت اس کے قلم فرسا نیاں ۔۔۔ پر یہ کچھ ہے اور شے وہ اور شے

تصفیہ کر لیں گے خود اہل تمیز ۔۔۔ کیا مؤصافی ہے کیا ہے نا مے

ایک ہی گھر کے ہیں گویہ واقعات ۔۔۔ لکھتے آئے لوگ جس کو پے بہ پے

تاہم اتنا تو کہیں گے ہم ضرور ۔۔۔ وہ بھی زیر لب نہیں با دف و نے

کامیاب اس میں اگر پورے ہوئے ۔۔۔ تو بشیر و ہو ی فرخندہ پے

ایک بھاری مرحلہ چھپنے کا تھا ۔۔۔ کر دیا بارے خدا نے وہ بھی طے

کیا ہے لکھنا ان کا کیا حسن بیاں ۔۔۔ آفریں صد آفریں بر ذات وے

ہے بہت کچھ اور لکھنے کو ابھی ۔۔۔ عمر[1] کھے اُن کو ابھی تا دیر حی

حد بھی کچھ ہے فکر سال طبع کی ۔۔۔ رہیئے گا یوں سر بزانو تا بہ کے

آیئے ہم آپ سے کہہ دیں لطیف ۔۔۔ "یہ جہان آباد کی تاریخ ہے"

۱۳۳۸ھ

---

[1] حی پہلا حی خدا کا نام ہے اور دوسرے کے معنی زندہ ۔ لفظ حی بفتح اول و تشدید ثانی لفظ عربی ہے مگر فارسی میں بغیر تشدید جائز و مستعمل ہے - حی اور پے کا قافیہ بظاہر نادرست معلوم ہوتا ہے مگر ذیل کے دو شعر جن میں کا پہلا بدر الدین عنایا کا اور دوسرا شیخ سعدی رحمۃ اللہ علیہما کا ہے جواز کی معتبر سند ہے -

(۱) مردہ صد سالہ را حی می کند ۔۔۔ این ہنر زان دیگرے کے می کند

(۲) چہ کم گردد ای صدر فرخندہ پے ۔۔۔ ز قدر بر فیعت بدرگاہ حی - ۱۲

۳۱

بسم اللہ الرحمن الرحیم

پہلا باب دلی سے قطب تک

آب ہم پہاڑ گنج کے کنارے سے قطب روڈ کے شارع عام پر چلے جا رہے ہیں۔

کوئلے کی منڈی پہلے داہنے ہاتھ کو ایک بڑا وسیع احاطہ ملتا ہے جس کا مشرق رویہ ایک بڑا پھاٹک چوبی پٹوں کا سڑک سے ملا ہوا ہے یہ کوئلوں کی منڈی کہلاتی ہے۔ اس میں پہلے کوئلے پکا کرتے تھے اب تو نیچ لوگ کھپریل اور جھو پڑیاں ڈال کر رہتے ہیں اور ایک کٹڑے کی شکل اختیار کر لی ہے۔ دلی شہر کی نفاست سے پہلو بہ پہلو یہاں کی غلاظت بھی ملاحظہ طلب ہے۔

رنگریزوں کی مسجد کوئلوں کی منڈی کے مقابل یہ ایک پختہ تین گنبدوں اور تین دروں کی قدیم مسجد ہے جو رنگریزوں کی مسجد کہلاتی ہے۔ بیچ کا برج بڑا ہے ادھر ادھر کے چھوٹے کلس سب کے ٹوٹ گئے کیونکہ مسجد شاہی زمانے کی بنی ہوئی ہے۔ طول و عرض ۲۴ فٹ × ۱۳ فٹ ہے۔ سامنے کا چبوترا ۲۴ فٹ × ۵ فٹ ۱ انچ - ۳ ½ بلند ہے جس پر چوکے بچھے ہوئے ہیں بیچ کا در ۷ فٹ ۶ انچ اونچا اور ۴ فٹ ۱۰ انچ چوڑا ہے۔ چبوترے کے کنارے ایک نیم کا پرانا درخت ہے اور صحن کے سامنے ایک کنواں بھی ہے اور یہیں چند قبریں ہیں جن میں سے ایک کا یہ کتبہ ہے:-

(۱) بسم اللہ - کلمہ -

فکر تاریخ فوت دختر بود　　ناگہاں گفت ہاتف اے مغموم

دہ و دو کم کن و بگو تاریخ　　مرقد نعمت النساء مرحوم

نعمت النساء خانم بتاریخ ۱۰ ماہ شعبان المعظم ۱۳۲۸ھ ہجری مطابق ۱۹ اگست ۱۹۱۰ء

یوم شنبہ از جہان فانی رحلت نمود

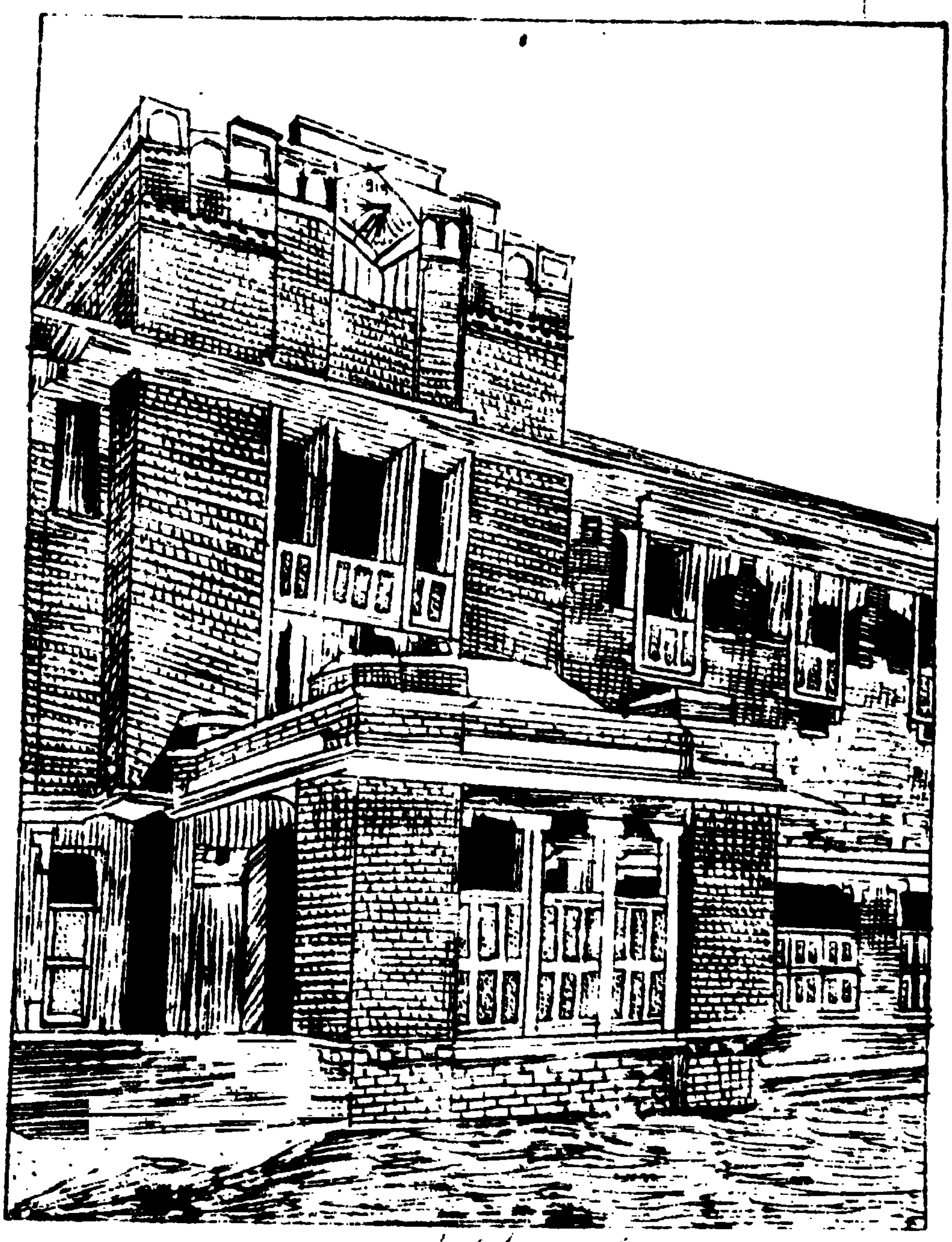
(۲) داہنی طرف مسجد کے چبوترے سے ملی ہوئی۔ ھوالباقی کلمہ

گیا دنیا سے جب حاجی خدابخش　　سکتا سا تھا شور و شیون

لکھا سنہ یاس نے زروے زار　　بنا خلد بریں میں اس کا مسکن

(۳) اسی مسجد کے تکیہ میں قبرستان بھی ہے کلمہ اور کل من علیھا فان۔

رفیق النساء بعمر تریح سال و دو ماہ بست یوم ۱۲ ماہ ربیع الاول ۱۳۲۶ھ روز شنبہ وفات یافت



لیڈی ہارڈنگ زنانہ مڈیکل کالج کا صدر دروازہ

دہم مسجد کے پچھواڑے سڑک کے کنارے۔ کلمہ۔

ہوا جب شور ماتم مرگ مرزا — ہر اک فرو بشر تھا یاس غمناک
لکھا یوں سال نے با آہ سرآہ — گیا دنیا سے عوض بیگ بیباک

چونے والوں کا گنبد سڑک سے ہٹا ہوا داہنی طرف ایک بہت پرانا گنبد ہے جس پر پی ڈبلیو ڈی نمبر پڑا ہوا ہے۔ یہ گنبد ۲۳ مربع ہے کلس ٹوٹ گیا۔ چاروں طرف دروازے تھے۔ جنوبی رخ کا دروازہ مع اس طرف کے حصے کے بیٹھ گیا باقی تین طرف کے دروازے بھی دھنس گئے ہیں سمجھتے ہیں کہ اندر دو قبریں سیدوں کی ہیں جو بھرتی ڈال دینے سے دب گئی ہیں۔ اب اس میں فرش بھی نہیں رہا۔ مٹی پتھر اور گوبر کے ڈھیر لگے ہوئے ہیں پاس چونے کی بھٹیاں ہیں چونے والوں کا قبضہ اس پر ایسا ہی قبضہ ہے جیسے کہ خانہ خالی را دیو می گیرد۔

نئی بنی ہوئی مسجد سڑک کی داہنی طرف۔ یہ مسجد بہت چھوٹی سی ہے۔ چوں کہ حاجی عبدالغنی صاحب نے از سر نو تعمیر کرائی ہے لہذا پہلے کیا حیثیت تھی معلوم نہیں ہو سکتا۔ طول و عرض ۲۰ × ۹ ½ فٹ ہے۔ چبوترا ۲۲ × ۸ فٹ۔ صحن۔ سپاٹ چھت۔ داہنی طرف ایک حجرہ۔ کنواں غسل خانہ اور بیچ کی محراب کے ادھر ادھر دو مینار نما برجیاں۔

شیرامل کی باغیچی بڑا عالی شان دروازہ اور کمپونڈ سڑک سے ملا ہوا بائیں طرف۔

رائے بابو رام کا باغ عالی شان دروازہ اور وسیع کمپونڈ سڑک کی داہنی طرف۔

لیڈی ہارڈنگ کا طبیہ کالج سنہ ۱۹۱۳ء لیڈی ہارڈنگ[1] میڈیکل کالج کا بہت مختصر ذکر ہم یہاں گنج کے ضمن میں کر آئے ہیں اب ڈاکٹر کیٹ اے۔ پلیٹ ایم ڈی (لندن) ڈبلیو۔ ایم ایس پرنسپل نے اپنی بڑی مہربانی سے کالج کی سالانہ رپورٹ بابتہ سنہ ۱۹۱۸ء (۲۸)

---

[1] پورا نام اس کا "لیڈی ہارڈنگ کا میڈیکل (دہلی) کالج و ہسپتال مستورات اور اطفال کے لئے" ہے۔
"Lady Hardinge Medical College and Hospital for Women and Children"

صفحہ کی بالتصویر بھیج دی ہے جو بہت دلچسپ ہے اور اس میں اس کالج کی بناکی غرض وغایت وحالات بالتفصیل لکھی ہے اور کالج کا ایک رخ قطب روڈ کی طرف بھی ہے لہذا یہ بیان بطور ضمیمہ لکھا جاتا ہے۔

گورننگ باڈی کی رپورٹ

مورخہ ۱۲ رمئی ۱۹۱۹ء

سب سے اول اس کالج کے گورننگ باڈی یعنی منتظمین اینچ۔ ڈی کریک صاحب بہادر آئی۔ سی۔ ایس اور لفٹنٹ کرنل اینچ آسٹن سمتھ سی۔ آئی۔ ای۔ آئی۔ ایم۔ اس جائنٹ سکرٹریوں کی تمہید کا ملخص پیش کرتا ہوں۔ پرنسپل کی رپورٹ پڑھنے سے سال بہ سال طلباء کی تعداد میں مستقل ترقی پائی جاتی ہے۔ جس میں مختلف ذاتوں اور مذاہب کا شمول ہے اور امتحانوں کی کامیابی آیندہ کی ترقی کی ترغیب و تحریص دیتی ہے۔ کالج کی زندگی کے سال دوم میں کلینیکل کام (تیمارداری) نے ہماری توقعات سے زیادہ ترقی کی ہے اور پنجاب یونیورسٹی کی جانب سے جو ایک خاص کمیٹی کالج کے معائنہ کے لیئے مقرر کی گئی تھی اُس کی سب سے آخری رپورٹ میں لوازمات ساز وسامان وآلات۔ عمارات اور تعلیمی سہولتوں کی بڑی تعریف کی ہے۔ اس کمیٹی کے ایک ممبر ڈاکٹر ایگنس اسکاٹ نے یہاں کے بیوتات کے انتظام کو بغور دیکھ کر یہ نوٹ دیا ہو کہ یہاں کے طلباء تندرست اور خوش ہیں اور ان کی پرداخت خوب کی جاتی ہے۔ ہندوستان کے زنانہ طبی کالج کا مسئلہ بڑی خوش گوار اُمیدوں کے ساتھ لیڈی ہارڈنگ نے (پہلے پہل) ۱۹۱۲ء میں چھیڑا لیکن خصوصاً ۱۹۱۴ء میں جنگ یورپ کے چھوٹ پڑنے سے بڑی بڑی مشکلات کا سامنا کرنا پڑا۔ نظم ونسق کی کمیٹی نے ہندوستان کے لیئے زنانہ ڈاکٹروں کی سخت ضرورت کا احساس کرکے باوجود سخت مشکلات پیش آنے کے بھی (قدم) آگے بڑھانے کا مصمم ارادہ کرلیا اور ہم جب پنج سالہ گزشتہ (حالات) پر نظر کرتے ہیں تو اس میں کچھ بھی مبالغہ نہیں کہ جن مشکلات کو ہم نے پہلے سے تاڑ لیا تھا وہ بجائے کم ہونے کے اور بڑھ گئیں۔ گورمنٹ پیپر (یہ میسری نوٹوں) کی قیمت کے انحطاط نے ہماری حالت کو بہت گھٹادیا اور اسی کے ساتھ ساتھ سامان عمارتی کی گرانی اُن نقشجات کی

تکمیل کو جن پر وہ لوگ اول میں کالج اور ہسپتال کا بنانا قرار پایا تھا خارج از امکان کر دیا۔ کام کرنے والی مستورات کی مانگ اور کارہائے جنگ کے لیئے خصوصاً ڈاکٹری جاننے والی عورتوں کی ضرورت نے اعلیٰ درجے کے سٹاف کے بھرتی کرنے میں سال بہ سال زیادہ دقتیں ڈالیں۔ سامان خواہ سائنس کا ہو یا کارہائے ہسپتال کے متعلق روز بروز زیادہ کم یاب ہوتا گیا۔ آخری مگر سب سے زیادہ مصیبت جس پر ہماری کامیابی کا دارومدار تھا وہ لوگوں کی نظروں میں ایسی بڑی ہسپتال کی طرف جو نئی اور ایک غیر آباد مقام میں واقع ہو رغبت دلانا اور اس کی طرف لوگوں کے دلوں کی کشش قائم کرنا تھا۔ ان مشکلات کے علاوہ سارے ہندوستان کے لیئے ایک ہی میڈیکل کالج بنانے اور اس کے چلانے میں یہ دقتیں تھیں کہ ہر صوبے کی یونیورسٹیاں جدا جدا ہیں ہر جگہ کی ابتدائی تعلیم کے مدارج بھی جداگانہ ہیں۔ طالبات کے رہنے سہنے انتظامات خانہ داری کی ضروریات ہی نہ صرف ہندوستان کے ہر حصے میں مختلف ہیں جہاں سے کہ وہ آتی تھیں بلکہ ان کے قومی اور ذات کے حالات بھی اسی طرح جدا جدا ہیں۔ لیکن جماعت منتظمین مطمئن ہے کہ بڑی بھاری بھاری مشکلات پر ہم غالب آ گئے ہیں اور کالج اب ایک کارآمد اور ترقی کے وسیع زمانے میں قدم دھر رہا ہے ارکان کمیٹی کا یہ خیال بھی ہے کہ جو کامیابی حاصل ہوئی ہے وہ زیادہ تر کالج کی پہلی پرنسپل ڈاکٹر کیٹ پلیٹ کی مستعدی۔ سرگرمی اور دل بستگی کا نتیجہ ہے۔ کافی تعداد استادوں کی عدم موجودگی میں کام کی سنبھال۔ عمارتوں کی نامکمل حالت سامان آلات واوزار کی فراہمی کی دقتیں اور اسٹاف کی طرف سے ہر وقت کی پریشانی یہ سب باتیں پرنسپل کے سر پر ایک بڑا بھاری بوجھ تھا یہ اور زیادہ گراں اس وجہ سے ہو گیا کہ ڈاکٹر پلیٹ نے کبھی کالج کی خدمت گزاری میں ڈھیل نہ دی ہم اس رپورٹ کو مرحوم سر پارڈی لیوکس کی کالج کے متعلق گراں بہا خدمات کا ذکر کیئے بغیر ختم نہیں کر سکتے۔ بڑی حد تک یہ آپ ہی کے مشورے اور تجربہ کی وجہ تھی کہ لیڈی ہارڈنگ کا ابتدائی خیال صورت حالیہ میں پختہ ہوا۔ ہندوستان کے لوگوں پر لیڈی ہارڈنگ۔ سر پارڈی لیوکس اور ڈاکٹر کیٹ پلیٹ کے احسان کا بار گراں ہے جن صاحبوں نے ہندوستانی مستورات

کی بہبودی (اور فلاح) کے لیئے کیا ہے۔

کالج کے حالات

یہ کالج ہسپتال نرسوں اور کمپونڈروں کا ٹریننگ سکول حضور ملکۂ معظمہ قیصرۂ ہند کے سنہ ۱۹۱۱ء میں ہندوستان کی تشریف آوری کی یادگار میں بنایا گیا ہے۔ سنہ ۱۹۱۲ء میں لیڈی ہارڈنگ نے عورتوں کے طبی پیشہ میں اس قدر کم داخل ہونے کی وجہ یہ دریافت کی کہ ہندوستان میں ان کا کوئی خاص کالج موجود نہ تھا اس لیئے جناب ممدوحہ نے ایک کالج اور ہسپتال کالیۂ مستورات طالبات کے لیئے بنانے کی سکیم (تجویز) کی جس کے سٹاف میں بھی تمام عورتیں ہی ہوں کالج میں سو طالبات ہسپتال میں ڈیڑھ سو مریضوں کے بستر اور ٹریننگ سکول میں پچاس نرسوں کی گنجائش رکھنا مرکوز خاطر تھا۔ اس کالج کو اس طرز پر بنانا مقصود تھا کہ طالبات مرضا پردے اور ذات کے دستور کو برقرار رکھ سکیں۔ اس کے بعد لیڈی ہارڈنگ نے والیان ملک سے جن کو آپ (کی ذات مستجمع الصفات) سے ارتباط تھا اپیل (درخواست) کی جنہوں نے فیاضی سے اس (کار خیر) میں شرکت کی اور بہت سے وعدے کیئے گئے جن کی تعداد پندرہ لاکھ کے قریب (حسب ذیل) ہو گئی۔

مہاراجہ جے پور	مہاراجہ گوالیار	مہاراجہ پٹیالہ	حضور نظام حیدرآباد	مہاراجہ بڑودہ
تین لاکھ	دو لاکھ	سوا لاکھ	ایک لاکھ	ایک لاکھ
مہاراجہ اودے پور	مہاراجہ جودھپور	مہاراجہ کوٹا	مہارانی صاحبہ تہوا	مہاراجہ بہادر بھنگہ
ایک لاکھ	ایک لاکھ	ایک لاکھ	ایک لاکھ	[illegible]
مہاراجہ اندور	بیگم صاحبہ بھوپال	بیوہ مہارانی صاحبہ گوالیار	ان۔ایم۔وانڈیا ٹرسٹ	
پچاس ہزار	تیس ہزار	تیس ہزار	پچیس ہزار	

بیوہ بیگم آغا خان ۔ وغیرہ معطیان۔ مذکورہ بالا چندوں کے سوا مہاراجہ جموں و کشمیر نے سنہ [illegible] سے تین ہزار روپیہ سالانہ مقرر کیا اور گورنمنٹ کی طرف سے خرچ کے لیئے سالانہ ایک لاکھ کا عطیہ (مرحمت) ہوا۔ کیونٹس آف ڈفرن فنڈ نے پانچ طبی پروفیسروں کی ماہوار کا خرچ اپنے ذمے لیا۔ فنڈ مذکور کی طرف سے اٹھارہ وظائف پچیس روپیہ ماہانہ کے جن میں سے تین چھ

سال کے لیئے تھے۔ دیئے۔ جن کی مقدار اب تیس روپیہ کردی گئی ہے عطیہ بالا گویا بیس ہزار روپیہ سالانہ کے معادل ہے۔ رای بہادر نارائن سنگھ نے سکھ ہوسٹل کی طرف سے سترہ ہزار روپیہ اور ایک پیانو طالبات کامن روم (کمرۂ عام) کے لیئے دیا۔ مہارانی صاحبہ اور رانی صاحبہ بھرت پور نے ساڑھے سات ہزار روپیہ کالج کے داخلی ہال میں سنگ مرمر کے فرش کے لیئے بیادگار آن مخلصانہ تعلقات کے جو ان دونوں رانیوں کو لیڈی ہارڈنگ کی (ذات) سے تھے۔ دیئے کالج کی بنا کے بعد حسب ذیل اور چندے وصول ہوئے ہیں:-

سر سروپ چند و حکم چند اندور۔ حضور پر نور اعلیٰ حضرت نظام حیدر آباد۔ گیکوار آف بڑودہ
چار لاکھ ایک لاکھ باسٹھ ہزار

مہاراجہ گوالیار۔ مہاراجہ پٹیالہ۔ بیگم صاحبہ بھوپال۔ مہاراجہ صاحب بیکانیر مہاراجہ صاحب اندور
پچاس ہزار پچیس ہزار تیس ہزار بارہ ہزار دس ہزار

ہز ہائنس خان قلات۔ مہاراؤ آف کوٹہ۔ راجہ کملیشوری پرشاد۔ لارڈ ہارڈنگ کا پہلا عطیہ
دس ہزار دس ہزار دس ہزار پانسو

لارڈ ہارڈنگ کا دوسرا عطیہ۔ میور بھنج سٹیٹ۔ مہارانی ڈوگر پور۔ مالامنڈی سٹیٹ۔
دس ہزار پانچ ہزار پانچ ہزار تین ہزار

مہارانی صاحبہ بیتا۔ مہارانی صاحبہ ڈمراؤں۔ راجہ کلانند سنگھ اور راجہ کرتیانند سنگھ بنیلی جاگیردار
دو ہزار دو ہزار دو ہزار

مسز آئی شور۔ سر جان اور لیڈی ریمزی۔ رانی صاحبہ کنیکا۔ مہارانی صاحبہ سون پور۔
پندرہ سو ایک ہزار ایک ہزار ایک ہزار

مہارانی صاحبہ ٹینہ (اڑیسہ) لالہ گوپی ناتھ دہلی ہز ایکسلنسی لارڈ چیمسفورڈ۔ بابو رگھوناتھ پرشاد زمیندار چھپرا
دس ہزار ساڑھے سات سو پانسو

خان بہادر قاضی فرزند احمد گیا۔ سر وی۔ چرال۔ بی بی خدیجۃ الکبریٰ کداری۔ گیا۔
ڈھائی سو ساڑھے سات سو سوا سو

مسز ہارون براون دہلی۔ مسز شادی رام گوکل چند۔ انسپکٹر جناب محمد امیر خاں ہزارہ پولیس۔
سو روپیہ سو روپیہ پچاس روپیہ

صوبۂ بمبئی۔ عام چندہ۔ گورنمنٹ تھیسنس آف بمبئی مسٹر ہرمزجی وکیل اور ٹرسٹ فنڈ۔
باسٹھ ہزار ایک لاکھ ساٹھ ڈیڑھ لاکھ

پنجاب لیڈی ہارڈنگ موریل فنڈ ۔ بہار واڑیسہ ہارڈنگ موریل فنڈ صوبہ سرحد
ایک لاکھ تیس ہزار باون ہزار

بلوچستان ۔ گورنمنٹ آف انڈیا کا سالانہ عطیہ جو حسب ذیل سالانہ بڑھتا رہا :-
ساڑھے چار ہزار

سنہ ۱۹۱۷-۱۸ء ۔ سنہ ۱۹۱۸-۱۹ء ۔ سنہ ۱۹۱۹-۲۰ء ۔ سنین مابعد ۔
سوا لاکھ ڈیڑھ لاکھ پونے دو لاکھ دو لاکھ

سالانہ چندے ۔ فریدکوٹ دربار ۔ نواب صاحب مالیر کوٹلہ ۔
پندرہ سو بارہ سو

کالج اور ہسپتال کی عمارت کے لیئے جو مقام[1] خاص طور پر منتخب کیا گیا وہ پرانی اور نئی دہلی کے شہروں کے بیچ میں آیندہ بننے والے ریلوے سٹیشن کے پاس ہو جس سے شفاخانے میں آنے جانے کی بڑی آسانی ہو جائے گی ۔

کالج کا نقشہ اور تعمیر کا کام مسٹر بیگ ماہر فن تعمیر کی زیر نگرانی بڑی مستعدی سے ہوتا رہا ۔ اُن کی اور مسٹر گلن اگزیکٹیو انجنیر اور سردار نارائن سنگھ کی ہمدردانہ محنتوں کا شکریہ ادا کیا جاتا ہے کہ کالج اس قابل ہو گیا کہ فروری سنہ ۱۹۱۶ء میں لارڈ ہارڈنگ نے کالج اور ہز اکسلنسی لیڈی چیمسفورڈ نے سنہ ۱۹۱۷ء میں ہسپتال کا افتتاح فرمایا ۔

کالج اور ہسپتال کی عمارتیں مع طبی طالبات کے ہوسٹل اور مکانات سکونتی تعلیمی اور طبی سٹاف کے سب ایک بڑے احاطے میں ہیں جو تقریباً ساٹھ ایکڑ کا ہے کالج کی عمارت میں ایک بڑے بلاک میں ایک بڑا لکچر تھیٹر یا کانووکیشن ہال ۔ کتبخانہ عجائب خانہ ۔ دفاتر کے مکان ۔ طالبات اور پروفیسروں کے کامن رومز (کمرے) ہیں ۔ اس بلاک کے ہر دو جانب بائی آلوجی (علم موجودات زندہ) کمسٹری (کیمیا) فزکس (علم طبعی) فزی آلوجی (حیوانات و نباتات کی زلیست کی حقیقت کا علم) اینا ٹمی (تشریح) پے تھالوجی (تشخیص امراض) کے ساز و سامان سے بخوبی آراستہ لیبارٹیریز (علم کیمیا کے امتحان کے کمرے) ہیں ۔ کالج کی عمارت کے پیچھے سو طالبات

---

[1] بہاڑ گنج کے متصل اراضی گورنمنٹ نے باغراض سرکاری معاوضہ دے کر لے لی ہو راجہ کا بازار جسے جے سنگھ پورہ بھی کہتے ہیں اور بانسس کولی کی آبادی یہ سب مقامات رائسینا دنئی دلی میں آگئے ہیں ۱۲ اور یہ کالج بھی اسی سرزمین پر قطب روڈ پر بنا ہے ۱۲

لیے ہوسٹل (دارالاقامہ) کی عمارتیں ہیں جن میں ہر طالب کے لیے ایک جداگانہ کمرہ ہے۔ ہندو، سکھ۔ اور مسلمانوں کے لیے علیحدہ علیحدہ ہوسٹل ہیں جن میں ڈائننگ روم (کھانے کے کمرے) بھی بنائے گئے ہیں سکین تفریح کا وسیع کمرہ جو ہوسٹل کے چوک کے بیچ میں ہے وہ سب طالبات کے کام آتا ہے لیڈی ہارڈنگ آنجہانی کی یادگار میں ایک فوارہ جسکے بنوا دینے کا وعدہ مسٹر جارج ایلین نے کیا تھا تعمیر کیا گیا ہے۔

اس کا نقشہ مسٹر بیکر کا مجوزہ ہے اور یہ فوارہ یورپین ہوسٹل اور کامن روم کے بیچ میں ہے جس سے ہوسٹل کے چوک کی رونق بہت زیادہ بڑھ گئی ہے۔

ہسپتال کی عمارات علیحدہ علیحدہ قطعات میں منقسم ہیں جو اپنی اپنی جگہ ہر طرح مکمل ہیں جن میں دو تو بڑے جنرل وارڈ مع وسیع اور کشادہ برآمدوں کے ہیں۔ دو چھوٹے وارڈ ان کے علاوہ ہیں اور بیچ میں ایک عمارت انتظامی کام اور تعلیم کے لیے بنائی گئی ہے جس میں ایک لکچر روم۔ ایک شورہ کمیٹی کا کمرہ اور ایک کلینیکل پے تھالوجی روم (تیمارداری و تشخیص امراض کا کمرہ) ہے۔ ایسے ایسے دو قطع تو بن چکے ہیں جو دو منزلہ عمارتیں ہیں جس میں اسی بیماروں کی رہائش کی گنجائش رکھی گئی ہے۔ اس کے علاوہ دو بڑے لیبر وارڈز (زچگی خانے) اور بارہ کاٹج وارڈز (چھوٹے قطعات) ہیں جو تین تین ملا کر ایک قطعہ ہے جن کے ساتھ ایک ایک باورچی خانہ اور حمام خانہ بھی ہے آوٹ پیشینٹس ڈپارٹمنٹ (باہر سے آنیوالے مریضوں کا صیغہ) ہسپتال کے صدر دروازے کے پاس ہے یہاں ایک ویٹنگ روم اور کئی مشورے اور معائنے کے کمرے ہیں اور اس طرح بنائے گئے ہیں کہ مریضوں کی بے پردگی نہ ہو اور باہر سے بالکل نظر نہ ہو۔ اس مقام اور اصل شفا خانے کے درمیان باہر سے آنے والے مریضوں[1] کے عمل جراحی کا تھیٹر اور برقی صیغہ ہے۔

سنہ ۲۲-۱۹۱۹ء میں عمارات ذیل اور بننے والی ہیں:-

ایک ائی سولیشن بلاک (جس میں امراض متعدی کے لوگ سب سے الگ تھلگ رکھے جاتے ہیں)

ایک اکس ریز روم (اکس شعاعوں کا کمرہ جس سے جسم کے اندر کا حال معلوم ہوتا ہے)

ایک ایڈمنسٹریشن بلاک (انتظامی قطعہ) جس میں دو عمل جراحی کے تھیٹر، دفتر کے کمرے

---

[1] مریض دو قسم کے ہوتے ہیں جو دواخانے میں رہ کر علاج کراتے ہیں وہ ان پیشینٹ کہلاتے ہیں اور جو دوا لے کر اپنے ٹھکانے پر چلے جاتے ہیں وہ آؤٹ پیشینٹ کہلاتے ہیں ۱۲-

پھر اور دستور روم (گودام) ہوگا اور دو قطعے اور اسی طرح کے ہوں گے جیسے کہ اب بنے ہیں۔ ان چار بڑے وارڈوں کے علاوہ اور بارہ مزید کلرجی وارڈ ہوں گے۔

اس کالج کا الحاق پنجاب یونیورسٹی سے یکم ستمبر ۱۹۱۵ء سے ہوا ہے۔

(۱) سائنس کی میڈیکل فیکلٹی میں انٹرمیڈیٹ کورس۔ بیالوجی۔ کیمسٹری اور فزکس کا اور مزید ٹسٹ کیمسٹری

(۲) میڈیکل فیکلٹی میں فرسٹ پروفیشنل امتحان کا کورس ڈگری بیچلر آف مڈلین (ادویہ) اور بیچلر آف سرجری (جراحی) کے لیئے۔

کالج نے واقعی طور پر اپنا کام انٹرمیڈیٹ سائنس کا ستمبر ۱۹۱۶ء سے شروع کیا ہسپتال میں باہر کے مریض اپریل ۱۹۱۶ء سے آنے لگے اور رہائشی مریض مارچ ۱۹۱۷ء سے۔

اب جب کہ کالج اور ہسپتال خوب چلنے لگے تو اب ہم اُن لوگوں کی طرف جن کی بدولت یہ مہم سر ہوئی بنظر احسان مندی دیکھتے ہیں سب سے پہلے تو ہمارے کالج کی بانیہ لیڈی ہارڈنگ مرحومہ ہیں جنھوں نے اس کی بنا ڈالی اُن کی دل سوزی اور سرگرمی اور ہزارہا مصیبت زدہ عورتوں اور بچوں سے اُن کی ہمدردی ہی سے اس سکیم نے نشو ونما پایا۔ اس کے بعد سر پارڈی لیوکس کالج کے ایک دوسرے سچے ہی خواہ تھے جن کی انتظامی قابلیت۔ تجربہ اور دانشمندانہ مشورت ہی کی بدولت اس انسٹی ٹیوشن کا آغاز کامیابی سے ہوا۔ سر پارڈی اپنا بہت سا وقت (عزیز) اور محنت اسپر صرف کرتے تھے۔ خواہ وہ کتنے بھی مصروف ہوں مگر وہ ہمیشہ (کالج کے متعلق) صلاح مشورہ دینے کو تیار تھے۔ اور اس کی بہتری کی ہر جزئیات میں بڑی دلچسپی لیتے تھے۔

وہ صاحب بھی جنھوں نے عمارتوں کے نقشے بنائے اور عمارتیں بنا کر کھڑی کردیں اور وہ بہت سے دوست جنھوں نے ضروری فنڈ مہیا کر دیئے اور وہ اصحاب جنھوں نے کالج کے کھلنے کے وقت سے ہم کو مدد دی ہے۔ (سب) کا شکریہ ہمپر واجب ہے ہم خصوصاً ہز اکسلنسی لیڈی چیمسفورڈ کے بدرجہ غایت ممنون احسان ہیں جنھوں نے اپنے زمانہ قیام ہندوستان میں طالبات کی نگرانی اور بہی خواہی میں بڑی دلچسپی لی ہے اور کئی طریقوں سے ہماری مدد فرمائی

سال زیر رپورٹ (۱۹۱۸ء) میں کالج نے خاطر خواہ ترقی کی ہے۔ تعداد طالبات کی ۰۰ سے نئے سیشن ستمبر ۱۹۱۸ء میں ساٹھ تک پہونچی۔ جنگ کی گراں قیمتوں کے سبب تعمیر کے کام میں بڑی مشکلیں پڑیں لیکن پھر بھی ہم نے کئی عمارتیں بنائیں جن کا بنانا سٹاف

کی بڑھتی ہوئی تعداد کے لئے ناگزیر تھا کیونکہ ضرورت کے لحاظ سے طالبات کے کوارٹر اس کام میں لائے جارہے تھے۔ اس سال یہ عمارتیں مکمل ہوئیں:-

ایک دوسرا دو منزلہ بنگلہ پروفیسروں کے لئے۔ جونیر اسٹاف بنگلے میں تین کمروں کا اضافہ۔ اور طالبات کے ہوسٹل میں ایک گرم آبہ۔ اُمید ہے کہ سال آئندہ ہم ایک اور دو منزلہ بنگلہ پروفیسروں کے لئے بنا سکیں گے اور ایک نیا باورچی خانہ یورپین ہوسٹل کے لئے کالج کے بڑے کمپونڈ کے باہر بابو کلارکوں کے لئے ایک آفس اور جن مکانوں میں چھت پر چڑھنے کی سیڑھیاں نہیں ہیں وہ بھی بنائی جائیں گی۔ کیونکہ موسم گرما میں اس ملک کی گرم وخشک ہوا۔ ایک عجیب تکلیف کی حالت ہے ضرور ہے کہ اس اشتداد میں کچھ کمی کی کوشش کی جائے۔

طالبات میں تیرہ ہندو۔ بارہ انگلو انڈین۔ گیارہ دیسی عیسائی۔ چھ سکھ۔ چھ یورپین۔ پانچ مسلمان تین سیرئین عیسائی۔ دو پرتگیز۔ ایک آرمن عیسائی اور ایک یہودی ہیں۔ یہ بات اطمینان بخش ہے کہ موجودہ طالبات ساٹھ کی تعداد میں سے بیالیس خالص مشرقی النسل ہیں اس سے متبادر ہے کہ کالج جس غرض سے بنایا گیا تھا اب وہ مقصود اصلی حاصل ہو رہا ہے۔ یعنی ہندوستانی مستورات کی طبی تعلیم۔ مسلمان طالبات کی تعداد بالنسبۃ کم ہے وہ سوائے ابتدائی تعلیم کے زیادہ تعلیم یافتہ نہیں ہوتیں لیکن یہ ظاہر ہے کہ فی زمانناً ہندوستان میں بالعموم مستورات ترقی کی طرف قدم بڑھا رہی ہیں اور اس سے توقع کیجاتی ہے کہ آئندہ چند سالوں میں تعلیم یافتہ عورتوں کی تعداد بہت سرعت سے ترقی کرے گی ہندوستانی مستورات فطرتاً بیمار اور درماندوں کی ضروریات میں مدد دینے کا مادہ رکھتی ہیں اور اُن کا احساس ذمہ داری مشتعل ہو رہا ہے جس سے اُن میں اس بات کی تحریک پیدا ہو گئی ہے کہ مصیبت زدہ بہنوں اور بچوں کی بلا وجہ تکلیفوں کو تا بہ امکان گھٹایا جائے اس کالج میں متعدد وظائف طالبات کو دیئے جاتے ہیں جن کی تفصیل بخوف طوالت ترک کر دی گئی ہے۔ علاوہ وظائف کے ذیل کے طلائی تمغے بھی دیئے جاتے ہیں۔

کوئین امپرس میڈل۔ لیڈی ہارڈنگ میڈل۔ لیڈی چیمسفورڈ میڈل

امتحانات اپریل ۱۹۱۸ء میں لاہور یونیورسٹی کے انٹرمیڈیٹ سائنس (طبی) امتحان میں

(۲۴) طالبات بھیجی گئیں جن میں سے نو پاس ہوئیں۔ (۵) ایک مضمون میں رہ گئی تھیں جس میں انہوں نے دسمبر سال مذکور میں کامیابی حاصل کی تین آرگینک کمسٹری میں فیل تھیں انہوں نے بھی پاس کر لیا اور چھ ناکامیاب رہیں۔ مس مارشل انٹرمڈیٹ سائنس کے امتحان میں (۳۸۹) مرد اور عورتوں میں دوسرے نمبر پر آئیں اور اس لیے اُن کو لیڈی ہارڈنگ کا طلائی تمغہ دیا گیا اور دوسری بہت سی طالبات نے انٹرمڈیٹ سائنس (طبی) کے امتحان میں اچھی جگہ پائی سنہ ۱۹۱۸ء میں لیڈی چیمسفورڈ کا طلائی تمغہ مس طامس کو اور نقرئی تمغہ لی بلونت کور کو ملا۔ سنہ ۱۹۱۹ء میں لیڈی چیمسفورڈ کا طلائی تمغہ مس اینی کارپ کو ملا۔ کالج کے امتحانات سال میں دو مرتبہ سشن کے خاتمے پر ہوتے ہیں۔ ہر مضمون میں ترقی کے انعامات ہر اکسلنسی لیڈی چیمسفورڈ صاحبہ نے بانیہ کالج کی (برسی) کے دن ۱۷ مارچ سنہ ۱۹۱۸ء کو تقسیم فرمائے

سٹاف

اگرچہ سٹاف میں بہت کچھ ردوبدل ہوا ہے مگر موجودہ سٹاف حسب ذیل ہے:۔ پرنسپل اور پروفیسر یا مڈیکا کی لکچرار۔ مس کے۔ اے۔ پلیٹ۔ ایم۔ ڈی۔ بی۔ اس (لندن) ویمنز مڈیکل سروس انڈیا۔ پروفیسر عینی کالوجی اینڈ مڈوفری مس سی۔ ال ہولٹن۔ ایم۔ ڈی۔ بی۔ اس (لندن) ویمنز مڈیکل سروس انڈیا۔ پروفیسر آف اناٹمی۔ مس۔ ایم۔ مرفی۔ ایم۔ بی (کلکتہ) ال۔ آر۔ سی۔ پی (لندن) ایم۔ آر۔ سی۔ اس (انگلینڈ) ویمنز مڈیکل سروس انڈیا۔ پروفیسر آف فزیالوجی مس ایم۔ آر۔ ان ہومر۔ ایم۔ اے (ڈبلن) نیچرل سائنس ٹرائی پوس (کنٹیب) ڈپلوما۔ (آکسن) اسسٹنٹ پروفیسر آف فزیالوجی مس جے پٹیل۔ ایم۔ بی۔ بی۔ اس۔ بمبئی۔ پروفیسر آف کیمسٹری مس اے۔ بین۔ ایم۔ اے۔ بی۔ اس۔ سی (ایبرڈین) اسسٹنٹ پروفیسر کیمسٹری مس۔ آر۔ کرسٹی۔ بی۔ اس۔ سی (بمبئی) پروفیسر آف بیالوجی مسز سٹم بی۔ اس۔ سی (ڈبلن) پروفیسر ریاضیات وانگریزی مس ای۔ ایم فن۔ ایم اے ڈبلن۔ ریاضیات ٹرائی پوس (کنٹیب) لکچرار فزکس مس۔ پی۔ بارتھوک۔ بی۔ اس۔ سی۔ (لندن) ایم۔ اس سی (برسٹل) لکچرار انگریزی مس ایم سینکچو اری۔ بی۔ اے (لندن) سکریٹری اور وارڈن مس۔ ایم۔ ڈبلیو جیس سٹن۔ ریاضیات ٹرائی پوس (کنٹیب) سیٹوارڈ مس اے۔ میکنزی مس ایم۔ آر۔ ان۔ ہومر۔ ایم۔ اے۔ پروفیسر فزیالوجی پنجاب یونیورسٹی کی وئیس چانسلر مقرر کی گئی ہیں۔ کالج کو اس بات کا فخر حاصل ہے کہ یہ پہلا موقع ہے کہ

کوئی عورت کسی یونیورسٹی کمینسمنٹ میں شامل ہوئی ہو۔

طالبات

طالبات کو اپنے کام اور کھیل دونوں کا شوق ہے۔ ان کے کام کی بابت ایک میم صاحب نے جو ابھی ولایت سے اس سٹاف میں آئی ہیں اور جو لڑکیوں کے ایک بڑے کالج میں تعلیم دیتی تھیں کہا کہ اُن کو یہاں کی طالبات کا شوق اور سوز و نیت دیکھکر ایک تعجب آمیز خوشی ہوئی اور یہ کہ وہ میری سابق کے طالبات کے بخوبی ہم پلہ ہیں۔ ہم علمی حصہ کار پر زیادہ زور دیتے ہیں اور ہر طرح کی کوشش راستی اور تکمیل کے صفاتی جذبات کے اُبھارنے کی کر رہے ہیں جو بہت ضروری ہیں۔

بانیۂ کالج کے دن ۱۷ مارچ کو لیڈی چیمسفورڈ صاحبہ نے نہایت مہربانی سے قدم رنجہ فرماکر کامیاب طالبات کو انعام تقسیم فرمایا۔ انعامی کتابوں کی جلدیں ہم نے نہایت خوشنما بنوائی تھیں جن پر ہمارے کالج کا طلائی ٹھپہ منقوش تھا۔ گیمز کلب کھیل اور تفریح خوب ترقی کر رہا ہے اور اس کے کل انتظام طالبات خود کرتی ہیں۔ بدقسمتی سے ان کو میچ کھیلنے کا موقعہ نہیں ملتا کہ کوئی اور باقاعدہ ٹیم ہمارے مقابلے کی نہیں ہے لیکن آئندہ سال کے لیئے یہ بات قرار پا گئی ہے کہ مختلف مدارج تعلیمی کے طالبات آپس ہی میں مختلف کھیلوں کے میچ کھیلا کریں گے بلیسکٹ بال۔ ہاکی ٹینس بیڈمنٹن یہ سب کھیل ہمارے ہاں کھیلے جاتے ہیں۔ اول الذکر (کھیل) بہت پسند کیا گیا ہے اور آخرالذکر کی دلدادہ بہت سی ہندوستانی طالبات ہیں۔ اب ہمارے کالج کی زندگی کا تیسرا سال چل رہا ہے اور طالبات میں یک جہتی (و اتحاد) اور پبلک سپرٹ ترقی کرتی جاتی ہے اور ہم اُمید کرتے ہیں کہ جب وہ وقت آئے گا کہ ہمارے کالج کی تعلیم یافتہ عورتیں اپنے کام کے وسیع حلقے میں چلی جائیں گی تو ہم اُن پر فخر کرینگے اور وہ اس کالج پر ناز کریں گی جہاں کہ اُنہوں نے تعلیم پائی ہے۔

ہاسپٹل کی رپورٹ ۱۹۱۸ء

عمارات۔ ۱۹۱۸ء میں ذیل کی عمارتوں کی تکمیل ہوئی: نرسز ہوسٹل کا ایک دوسرا ضلع جس میں سوپرنٹنڈنٹ اور یورپین اسٹاف کے کوارٹرز ہیں۔ صیغہ مریض ہائے بیرونی کے مکان کی اینٹوں کی جالی دیواروں کے پردے کے لئے۔ چار گھوڑوں کے لیئے اصطبل معہ سائیسوں کی کوٹھریوں کے اور ایک موٹر ہوس۔ ۱۹۱۹ء میں اُمید ہے کہ ایک ای سولیشن بلاک (امراض متعدی

کے مریضوں کو علیحدہ رکھنے کا مکان) اور ایک کمرہ اکس ریز (شعاعے اکس) جو اس شفاخانے کے لئے بڑی جائداد ہوگی بن جائیں۔ حالات جنگ کی وجہ سے شفاخانے کے سامان میں بہت تھوڑا اضافہ ہوسکا ہے اور اس وجہ سے ابھی ساز و سامان کی حالت پوری نہیں۔ سال زیر رپورٹ میں ان پیشنٹ ۱۲۳۸۔ آوٹ پیشنٹ ۱۵۹۱ کی تعداد تھی۔ باہر کے مریضوں میں ۶۲۰۶۔ نئے کیس تھے ۳۸۷ عمل جراحی کیئے گئے جن میں سے ۲۷ میجر (بڑے) آپریشن تھے۔ اور اسی میں ۱۵ پیٹ کے عمل جراحی شامل ہیں۔

اکتوبر اور نومبر کے مہینوں میں دلی میں وبائی بخار **انفلوائنزا** پھیلا۔ یہ مرض بڑی شدید قسم کا تھا۔ اکثر کیسوں میں **نیومونیا** اور برنیکونیومونیا (سوزش ورم شش) کا انضمام تھا۔ ہمارے نرسنگ سٹاف پر بھی اس بیماری کی بڑی مصیبت پڑی اور ہمکو افسوس ہے کہ ہمارے ہاں کی ایک سب سے بہتر اور ہونہار پروبیشنر نے انفلوائنزا اور نیومونیا سے انتقال کیا اس مصیبت کے وقت میں جبکہ ہمارا نرسنگ اسٹاف ایسا گھٹ گیا تھا گویا کہ تھا ہی نہیں ہمکو نہایت قابلیت سے دہلی کی دو لیڈی ڈاکٹروں (مسز ایڈی اور مس الٹن) نے مدد دی۔ ایک بہت نازک وقت میں یہ لیڈیاں ہمکو مخلصی دینے کو آئیں اور ہم کو ایک بڑی آزمائش کی حالت سے بچایا۔

زچگی کے کیس۔ اندور (۵۰) باہر کے (۱۲) ان میں سے ۴۳ معمولی اور (۱۹) غیر معمولی تھے اوپر کی تعداد بہت تشفی بخش ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ شفاخانے کا کام اب شہرت پکڑتا جاتا ہے اور اس کی قدر کیجاتی ہے۔ کاٹیج وارڈ کو لوگ بہت پسند کرتے ہیں اچھے اچھے ہندو مسلمان اور متوسط و ادنیٰ حالت کے لوگ جو تھوڑی سی فیس ایک روپیہ اور دو روپیہ روزانہ کے دینے کی استطاعت رکھتے ہیں سب اس میں رہتے ہیں۔ ہم کو اس بات سے بہت اطمینان ہے کہ بہت سی اونچی اونچی ذات والی مستورات ہسپتال میں زچگی کے واسطے آئیں جس سے معلوم ہوتا ہے کہ شفاخانوں کی نسبت جو بے پردگی کا خیال تھا وہ اب ٹوٹتا جاتا ہے۔

میڈیکل سٹاف

(۱) طبیب۔ مس ہلپیٹ۔ ایم ڈی۔ بی۔ اس سی وغیرہ (۲) مس سی ال ہولٹن۔ ایم ڈی۔ بی اس۔ سی۔ وغیرہ جینیو کالوجسٹ اور آسسٹنٹ میڈیکل سرجن۔ (۳) مس ایم سی مرفی۔ ایم۔ بی وغیرہ۔ برقی محکمہ

(۴) مس ال ای میکنزی۔ نرسوں کی سوپرنٹنڈنٹ۔ (۵) مس جی ای منڈن۔ ایم بی۔ بی ایس سی۔ ہوس فزیشن (۶) مس ایم اے کلسال۔ ایم پی اس۔ (صیغہ دوا سازی)
ڈاکٹر ہوسٹن نے علاوہ اپنے جنیوکالوجسٹ (امراض نسوانی) اور آبسٹٹریکل (زچہ خانہ) سرجن کے وہ سارے برس شفاخانے کے عمل جراحی بھی کرتی رہیں۔ ڈاکٹر سیمن سین نے مارچ سے کے مہینوں میں شفاخانے کی کلینیکل پیتھالوجی کا کام اور کالج کے پیتھالوجیکل ڈپارٹمنٹ کا کام مفت کیا۔ اس مضمون پر طالبات کی تعلیم سال آئندہ شروع کیجائے گی۔ انفلوانزا کے وبائی ایام میں جب کہ کام کا سخت ہجوم تھا اور سٹاف کی قلت تھی ڈاکٹر وسٹرن نے بھی دست امداد بڑھایا۔

نرسنگ اسٹاف۔ اس سٹاف میں تین انگلش سسٹرز ہونی چاہئیں لیکن بلحاظ حالات جنگ کسی وقت بھی دو سے زیادہ نہ مل سکیں۔ اب سٹاف میں چھ نرسیں اور گیارہ پروبیشنرز (جو امیدوارانہ کام کرتی ہیں) ہیں ان کام سیکھنے والیوں میں چھ اینگلو انڈین ہیں اور پانچ ہندوستانی۔ اعلیٰ درجے تک تعلیم پائی ہوئی ہندوستانی کام سیکھنے والی نرسوں کا ملنا بہت مشکل ہے۔ یہ امر نہایت ضروری ہے کہ نرسوں کے پیشے کی معیار کو ہندوستان میں بڑھا دیا جائے اور جب تک کہ نرس کا پیشہ سب سے اعلیٰ اور نہایت باعزت مشغلہ نہ سمجھا جائے گا جیسا کہ انگلینڈ میں سمجھا جاتا ہے تب تک اچھے خاندان اور اچھی تعلیم یافتہ نرسوں کا اس قدر کافی تعداد میں میسر آنا جو نرسوں کے پیشے کی ضروریات کو پورا کر سکے ناممکن ہے۔

ایک اور چھوٹی سی مسجد یہ بھی سڑک کی داہنی طرف ہے۔ تین در کی اینٹ چونے سے بنی ہوئی مسجد ہے۔ اس کو بھی حاجی عبد الغنی صاحب آزیری مجسٹریٹ نے درست کرایا ہے۔ عرض وطول ۲۲ x ۹ $\frac{1}{2}$ فٹ۔ اسی مسجد سے کھیت کی دیوار سے ملی ہوئی عبد السلام صاحب کی درگاہ ہے۔ یہ مسجد اور درگاہ دونوں لیڈی ہارڈنگ کے کالج کے کمپونڈ سے ملی ہوئی ہیں۔

گلشن شاہ صاحب کا مزار سنہ ۱۱۵۳ھ سڑک کے بائیں طرف۔ (۲۰) مربع اور دو فیٹ اونچے گول چبوترے پر آپ کا مزار ہے آپ کے سرہانے ایک بہت پرانا نیم کا درخت سایہ کئے ہوئے کھڑا ہے

ہیں۔ آپ خواجہ عبداللہ الاحد صاحب نقشبندی کے خلیفہ تھے قبر پختہ ہے۔ تعویذ ۶ فٹ×۳×۲ ہے یہ کتبہ حال میں لگا دیا گیا ہے:۔

"شاہ سعد اللہ گلشن مجددی رحمۃ اللہ علیہ۔ جامع بود میان کمالات ظاہری و باطنی وزہد و تقوی و تجرید و تفرید ریاضت شاقہ کشید طعام بعد از سہ روز زیادہ از سہ لقمہ تناول نکردے و تا سی سال خود و بیک گلیم گزرانید۔ آخر در ۱۱۵۳ھ وفات یافت"

درگاہ حضرت عبدالسلام رح اور مسجد ۱۳۱۲ھ

جہاں یہ درگاہ اور مسجد ایک وسیع اور پختہ ۱۳۱×۶۲ فٹ مستطیل احاطے کے اندر واقع ہے۔ جو ۹ انچ اونچا ہے۔ وہ مقام بالنس کوٹی کہلاتا ہے پنڈت کے کوچے میں، جو پیر جی عبدالصمد صاحب ایک بزرگ رہتے ہیں اُن کے والد ماجد کا یہ مدفن ہے۔ پیر جی صاحب نے ایک نفیس مسجد اور درگاہ بنوا دی ہے جو عبدالغنی صاحب کی مسجد کی چھت کی دیوار سے ملی ہوئی ہے۔ اور اسی سبب سے یہ مسجد اس درگاہ اور سڑک کے بیچ میں حائل ہے اور راہ رووں کو معلوم نہیں ہوتا کہ اس چھوٹی سی مسجد کے پیچھے کیسی خوش منظر عمارت بنی ہوئی ہے۔ لیڈی ہارڈنگ کے میڈیکل کالج کے کمپونڈ سے یہ درگاہ ملی ہوئی ہے جو ایک بڑی مشکل کا سامنا ہے۔ وہ ٹھیری شاہی عمارت اور یہ درگاہ۔ لیکن آفریں ہے پیر جی صاحب پر کہ اُنھوں نے ایسی خوش قطع اور پختہ عمارت بنوائی ہے کہ پہلے تو میں اس کو بھی کالج ہی کا ایک حصہ سمجھا۔ اب ہم درگاہ کا بیان کرتے ہیں۔

سماع خانہ

مسجد کے مشرق میں سماع خانے کا ایک تین بنگڑی دار دروں کا دالان ہے جس کے دونوں جانب ایک ایک حجرہ ہے۔ سارے کمپونڈ کے اندر متعدد نیم کے درخت گھنے سایہ کے ہیں جس سے یہ مقام گرمیوں میں بہت ٹھنڈا رہتا ہوگا۔

چوکھنڈی

سماع خانے کے سامنے ۱۳ فٹ مربع (۲) ۱ فٹ اونچے پختہ چبوترے پر ایک سنگ مرمر کی چوکھنڈی ۱۱ فٹ مربع دس انچ اونچے سنگ مرمر کے چبوترے پر کھڑی ہے۔ سہ دری سرتاپا سنگ مرمر کی ہے جس کے ستون نہایت نازک اور خوب صورت ہیں۔ کہتے ہیں کہ پیر جی صاحب کو بنی بنائی مل گئی۔ اس زمانے میں ایسی سہ دری کا مل جانا پیر جی صاحب کا حسن نیت اور خوش عقیدتی کی دلیل ہے۔ اس کے

اندر تین دیوار دوز طاق نما محراب بنا ہیں اور متعدد چھوٹے چھوٹے طاق بنے ہوئے ہیں۔ اس چبوترے پر دو قبریں پختہ ہیں سے خام زیرہ دوز ہیں کیونکہ شرع شریف میں قبر کو پختہ کرنا منع ہے۔ دونوں قبروں کے سرہانے ایک رنگین دائرے میں سنہ زمین پر سفید حروف میں نہایت عمدہ طغرے نما خط نسخ میں یہ عبارت نقش کی ہوئی ہے۔

(۱) شاہ عبدالسلام حق پرست ۱۱۸۱ھ ۔ ۱۲۳۰ھ (۲) شاہ فریدالدین فخری ۱۲۱۵ھ ۱۳۔

چوکھنڈی کا ارتفاع دس فیٹ ہے اور سوائے جنوب کے تینوں طرف افضل الذکر لا الہ الا اللہ محمد الرسول اللہ کندہ ہے۔

سنگ مرمر کی دوہری چوکھنڈی

چوکھنڈی ۶-۸ × ۵-۸ ۔ چبوترے کی اونچائی ایک فٹ ۔ چار در سنگ مرمر کے چاروں کونوں پر ہیں بیچ میں سنگ مرمر کا قبر کا تعویذ ہے چبوترے سمیت اس چوکھنڈی کی بلندی ۱۰ فٹ ہے۔ قبر پر کوئی کتبہ نہیں یہاں جو ایک صاحب مدت سے رہتے ہیں لکھے پڑھے حافظ ہیں تیس سپارے اُن کو حفظ ہیں مگر یہ بھول گئے کہ یہ کس بیوی کی قبر ہے بس اتنا ہی اُن کو معلوم ہے کہ حیدرآباد دکن کی کوئی بیگم تھیں اُن کی بیٹی اُن کو یہاں لائی تھی وہ یہاں آسودہ ہیں ؎

دو چیز آدمی را کشد زور زور — یکے آب و دانہ دوم خاکِ گور

احاطے کے شمال کی طرف چھ چھپروں کا دالان ہے جو ٹوٹ گیا ہے اور اسی کے محاذی جنوب کی طرف احاطے کی دیوار میں ایک معمولی سادہ دروازہ جو ٹوٹ گیا ہے کیواڑ لگا دیئے ہیں

شمس العلماء منشی ذکاء اللہ خاں کی قبر ۱۳۲۸ھ

مسجد کی پچھت کی دیوار سے ملا ہوا شہدوالے کے زمانہ حال کے مشہور مصنف اور مورخ کا مزار ہے۔ اسی جگہ ان کی بیوی آرام کرتی ہیں رحمۃ اللہ کہتے قول کے اور بات کے سچے لوگ تھے۔ ایک چبوترہ [illegible] ہے [illegible] ہیں۔ کیا ہے لمبا چوڑا تھا سنگ باقی [illegible] ۸ × ۲ [illegible] فیٹ اونچا کٹہرا کھڑا ہوا ہے۔ دو قبریں ہیں۔ [illegible] منشی صاحب مرحوم و مغفور کی قبر ہے کہ جس کے سرہانے سنگ مرمر کی لوح پر [illegible] خوش خط کتبہ ہے اور اسی کے

پاس اُن کی زوجہ محترمہ آسودہ ہیں:۔ کُلُّ مَنْ عَلَيْهَا فَانٍ۔

صاحب ایں قبر خان بہادر شمس العلماء منشی محمد ذکاء اللہ از مشاہیر فضلائے ایں دیار است مردے مستقیم الحال و مجموعۂ فضل و کمال بود۔ در علوم قدیمہ و شیرہ۔ فنون جدید ید طولیٰ داشت۔ تا زیست ہمت بر خدمت طلاب علم گماشت و در تالیف و تصنیف قصب السبق از اقران و امثال بربود چندیں کتب از مولفاتش بین الطلاب است چوں ہشتاد و یک منزل از منازل عمر پیمود۔ چہارم ماہ ذیقعد ۱۳۲۸ھ ہجری روحش بفرمان اِرْجِعِي إِلَىٰ رَبِّكِ نقل آخرت فرمود۔ و پیکر خاکیش زیر خاک بیاسود۔

اللھم اغفر لہ

دو کتبے (۱) مسجد کی چھت کی دیوار میں پیش طاق کے پیچھے بالکل نیچے یہ کتبہ ہے: "تعمیر کرسی منجانب حاجی احمد حسین مرحوم ۱۳۱۷ھ"

(۲) مسجد کے بائیں طرف دو منزلہ حجرے کے اوپر:۔

"تعمیر منجانب محمدی بیگم مرحومہ"

مسجد مسجد ۳۲-۹ × ۱۳-۹ ایک دالان کی ہے ایک حجرہ ادھر ایک ادھر ہے صحن میں سنگ سرخ کے چوکے بچھے ہوئے ہیں صحن ۷۴ × ۲۴ ہے۔ مسجد کی چھت ڈاٹ کی ہے جس میں چار آہنی گرڈر پڑے ہوئے ہیں۔ بیچ میں تین در ہیں اور ان کے ادھر اُدھر ایک ایک پشتہ اور اس طرح پانچ در ہوئے۔ مسجد کا دروازہ لداوی ڈیوڑھی دار جنوب کی طرف ہے جس کے دونوں جانب حجرے ہیں۔ بائیں ہاتھ کی طرف کے حجروں میں غسل خانہ اور طہارت خانہ ہے۔ داہنے ہاتھ کی طرف کے حجرے کی دو کھڑکیاں صحن مسجد میں نکلی ہوئی ہیں اور ایک دروازہ ڈیوڑھی میں نکلتا ہے۔ دروازہ مسجد اور درگاہ کا بلحاظ اندرونی عمارتوں کے کچھ زیادہ عالی شان نہیں کیوں کہ موقع ہی ایسا کڈھب واقع ہوا ہے۔

ہنومان جی کا مندر رائے سینا کے حدود میں یہ ایک بہت پرانا اور قدیم مندر راجہ کے بازار میں ہے جو جے سنگھ پورہ بھی کہلاتا ہے۔ اب یہ تمام جائے رائے سینا کی نئی دلی میں گھیر لی گئی ہے۔ یہ مندر چوں کہ مذہبی اور قدیم عمارت تھی علیٰ حالہ چھوڑ دیا گیا۔ اس پر پبلک ورکس کا پی ۷/۱۲ نمبر پڑا ہوا ہے۔ سڑک کے کنارے بائیں طرف ہے پہلے اس مندر کا تعلق مہاراجہ صاحب جے پور سے تھا کیوں کہ جے سنگھ پورے میں تھا

مندر کے دروازے پر کے کواڑوں کی جوڑی پر پیتل کے پتر منڈھے ہوئے ہیں اُس پر یہ عبارت بخط ناگری دونوں طرف کھُدی ہوئی ہے:-

"یہ جوڑی لالہ جگل کشور وگنپت رائے حلوائی کھر کھودے والا نے بنوائی۔ تتی۔ مہاساودی چھٹی سمبت ۱۹۷۲"

اندر مندر کے چوطرفہ سنگین اور لداوی چھت کے دالان ہیں جن میں سنگ سرخ کے چوکے لگے ہوئے ہیں۔ اور صحن کا فرش بھی چوکوں ہی کا ہے۔ جنوب اور شمال کی طرف تیج درے۔ مغرب میں تیرہ سیڑھیوں کا زینہ اُس کے بعد سہ دری ہے۔ مغرب میں اصل مندر کی عمارت ہے جس میں سنگ مرمر کا فرش ہے چوپڑ کا یعنی ایک چوکہ سنگ مرمر کا ایک سیاہ کا۔ ہنومان کی مورت کے گرد سنگ مرمر کا خوش نما کٹہرا ہے۔ مندر کے اندر طلائی اور شیشے کا بہت عمدہ اور کثرت سے کام کیا ہوا ہے۔ صحن کے بیچوں بیچ ایک بڑا بھاری پرانا نیم کا درخت ہے اور شمال رخ کے تیج درے میں ایک سمادھی بھی بنا ہوا ہے۔ مسجد کا گو بدم (مخروطی قبہ) بہت بلند ہے جس کے اوپر کلس چڑھا کر ہلال لگا دیا ہے۔

گنیش کی گمٹی کا برج اس مندر کے پچھواڑے ایک چھوٹی سی ۱۲ فٹ مربع بُرجی بلا کلس کے کھڑی ہے جو گنیش کی گمٹی کہلاتی ہے۔ اس کے اندر اب کوئی مورت بھی نہیں ہے۔

راجہ کے بازار کی مسجد مندر کے محاذی سڑک کی داہنی جانب ایک چھوٹی سی پرانی مسجد بہت خراب و خستہ حالت میں سڑک سے ملی ہوئی کھڑی ہے جس کی ایک منارے نما برجی ہے دوسری گر گئی۔ مسجد کا دالان ۲۵ فٹ × ۹ فٹ ہے۔ تین در ۶ فٹ لے اونچے ۳ فٹ چوڑے ہیں چھت چوبی کڑیوں کی ہے۔ صحن ۲۰ فٹ × ۱۵ ہے جس میں ایک چھوٹا سا کنواں بھی ہے۔ گرد (۷ فٹ) اونچی کمپونڈ وال ہے چوں کہ حدود چھاؤنی رائے سینا میں گھر گئی ہے لوگ کہتے ہیں کہ مسجد کی مرمت کرنے کا بھی حکم نہیں۔ خدا جانے سچ کہتے ہیں یا جھوٹ۔ کیوں کہ انگریزوں کو خود معابد کا احترام ملحوظ ہے اور بہت سی مسجدوں کو محفوظ کر دیا ہے۔

کھنڈیل وال جینیوں کا بڑا مندر نمبر تلی ۹ بسلمان کو اندر گھسنے نہیں دیتے ایک بڑے بھاری حصار کے اندر بہت سے مکانات ہیں۔ کہتے ہیں کہ اس احاطے کی ساری عمارتیں پچاس ہزار میں سراوگیوں نے

خرید لی ہیں۔ دوسرے مکانات سے ہم کو بحث نہیں ہم صرف اصل مندر کا ذکر لکھتے ہیں۔ اندر چوطرفہ پختہ سنگ بست دالان ہیں۔ صحن کے بیچ میں ایک بڑا سایہ دار نیم کا درخت ہے۔ بڑی وسیع عمارت ہے اور باہر کا احاطہ بھی بڑا لمبا چوڑا ہے جس میں متعدد مکانات ہیں)۔ مندر کا صدر دروازہ شمال رویہ ہے اور اسی کے سامنے احاطے کا بڑا عالی شان پھاٹک ہے جس کے دونوں جانب خوش نما نشیمن بنے ہوئے ہیں۔ غرض یہ عمارت بھی پرانے زمانے کی ہے۔

شوالا اس مندر کے مغرب میں لب سڑک ایک چھوٹا شوالا ہے جس کا ایک برج کھڑا ہوا ہے۔ اس میں کوئی خاص بات نہیں جو لکھی جاوے۔

تال کٹورا قطب روڈ پر اس نام کا ایک باغ تھا۔ درخت کٹ گئے نام رہ گیا ؎

وہ دل نہ رہا امید کیسی جڑ کٹ گئی نخل آرزو کی

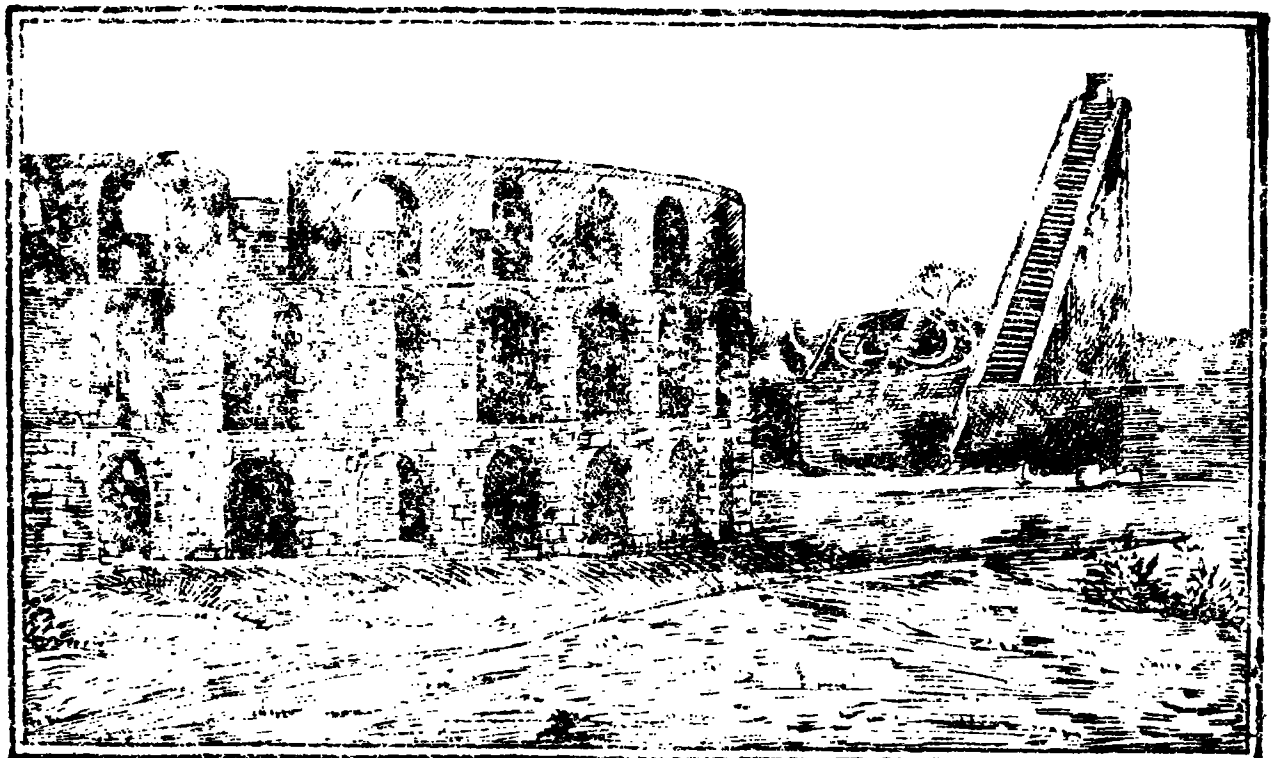
اگروال جینیوں کا چھوٹا مندر جینیوں کے بڑے مندر کے احاطے سے نکلنے کے بعد مغرب کی طرف ایک اور مندر اگروال جینیوں کا ہے جو چھوٹے مندر کے نام سے مشہور ہے یہ بھی نئے سنگھ پورے اور راجہ کے بازار میں ہے۔ یہ بھی بہت پرانا اور قدیم مندر ہے۔ جس پر ایک کوٹھی دار گنبد ہے اور اوپر پتھر کا کلس ہے۔ کیا مجال کہ مسلمان اندر پر مار سکے اور مسلمانوں کی یہ حالت کہ سوامی شردھانند مہاتما کو جامع مسجد کے منبر[1] پہ چڑھا دیا۔ ع

ببیں تفاوت رہ از کجاست تا بکجا

ہم کو اس سے بحث نہیں کہ مسلمانوں نے اچھا کیا یا برا۔ وہ جانیں ان کا کام۔ مجھ کو ہندو صاحبان کا طرز عمل ظاہر کرنا مقصود تھا اور بس۔ اس جھگڑے میں کون پڑے اپنی اوقات عزیز ضائع کرے۔ ہمارا مسلک تو یہ ہے کہ لَكُمْ دِينُكُمْ وَلِيَ دِينِ (تم کو تمہارا دین اور مجھ کو میرا دین)۔ باہر سے ہم نے اس کا رقبہ ناپ لیا ۶۷ × ۸۴ کی عمارت ہے اور مندر سے لگا ہوا پجاری کے رہنے کا مکان ہے وہ بھی قریب قریب مندر ہی کے برابر دکھائی دیتا ہے یہ مندر لالہ گنگن چند کا بنوایا ہوا ہے جن کا بنوایا ہوا ایک بڑا مندر مالیواڑے میں بھی ہے۔

---

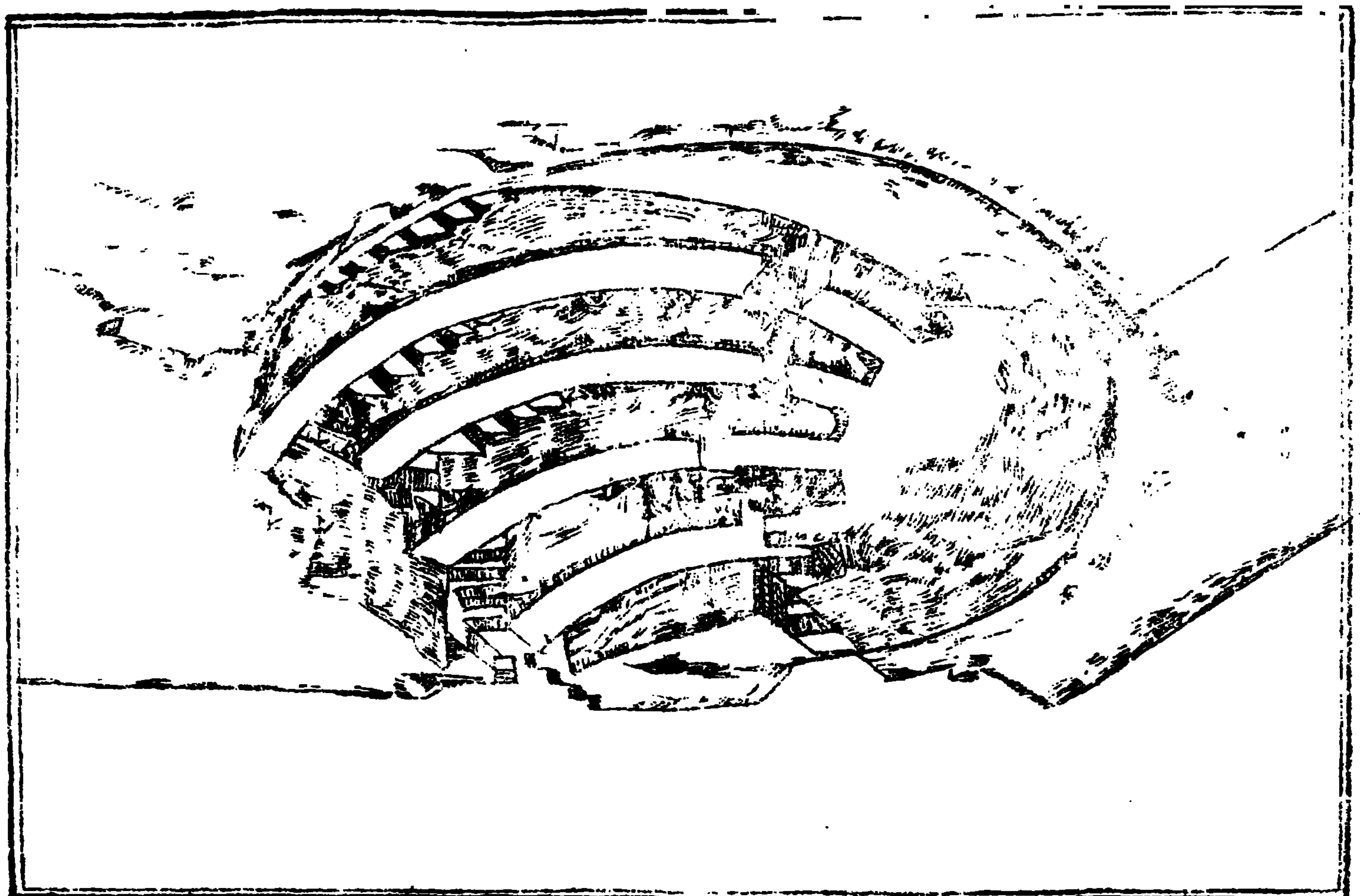
[1] مسلمانوں کو تو ایک بات ہاتھ لگ گئی تماشا ہے جو ہونا تھا سو ہو گیا تم تو کہہ دیتے ہو کیا تماشا ہے۔ رسالہ ... اعظم گڈھ ... جون ۱۹... میں اس بحث نے ... صفحے بھر لیے اور پھر اس قضیہ نامرضیہ کو جناب شیخ عمر بخش صاحب وکیل ہائی کورٹ پنجاب نے باریک چھلنی سے چھان ڈالا ہے ہوئے (۲۸) صفحے کے رسالے کی شکل میں "مساجد اور غیر مسلم" کے نام سے شائع فرمایا ہے یہ مضمون دراصل مولینا ابوالکلام صاحب کا ہے اور اس فعل کا جواز ثابت کیا ہے جن صاحبوں کے مزاج میں کرید ہو وہ اس رسالہ کو ملاحظہ فرما سکتے ہیں۔



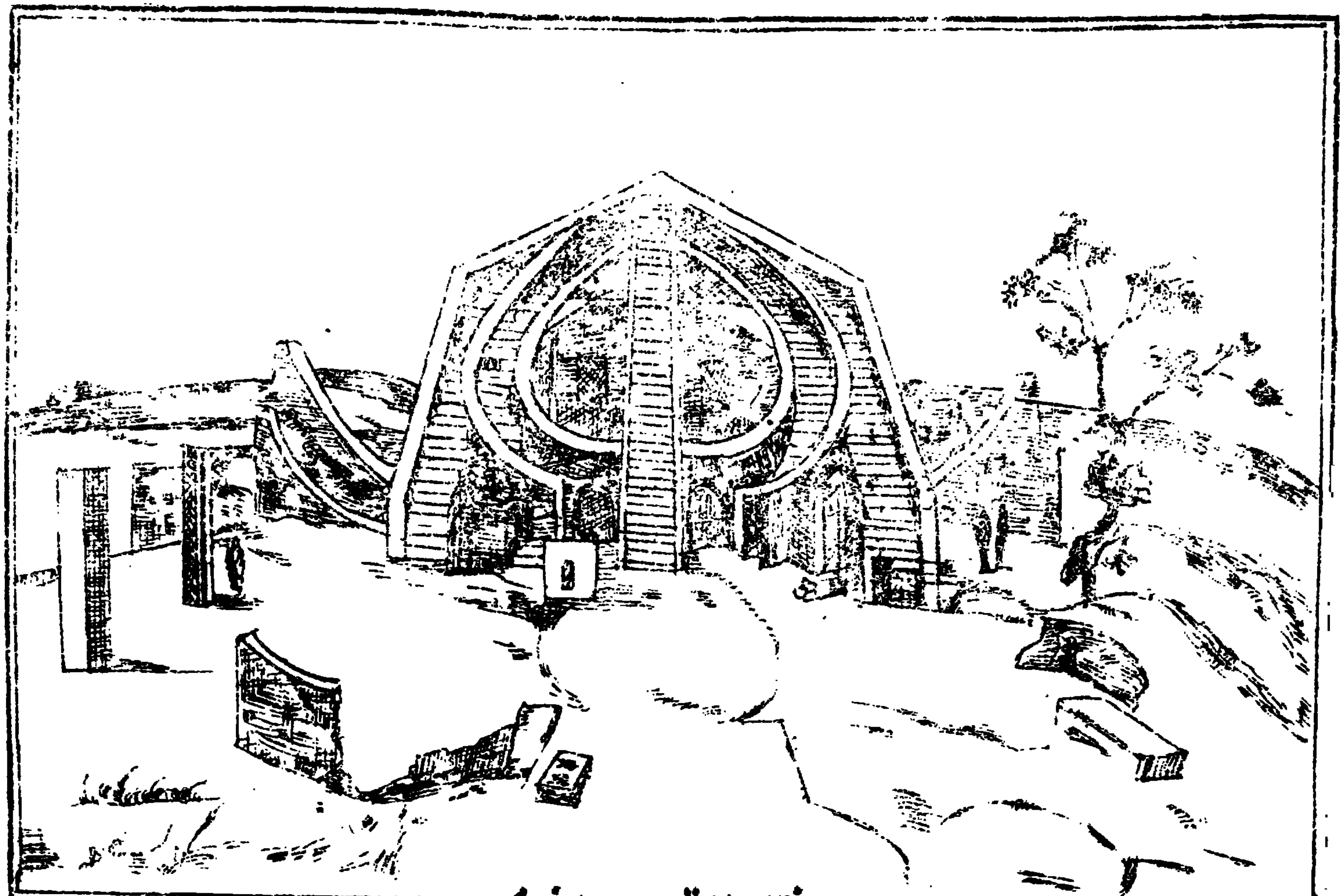
جنتر منتر زیجی جی سنگك رصدگاهی

مطبعهٔ ابوالضیا

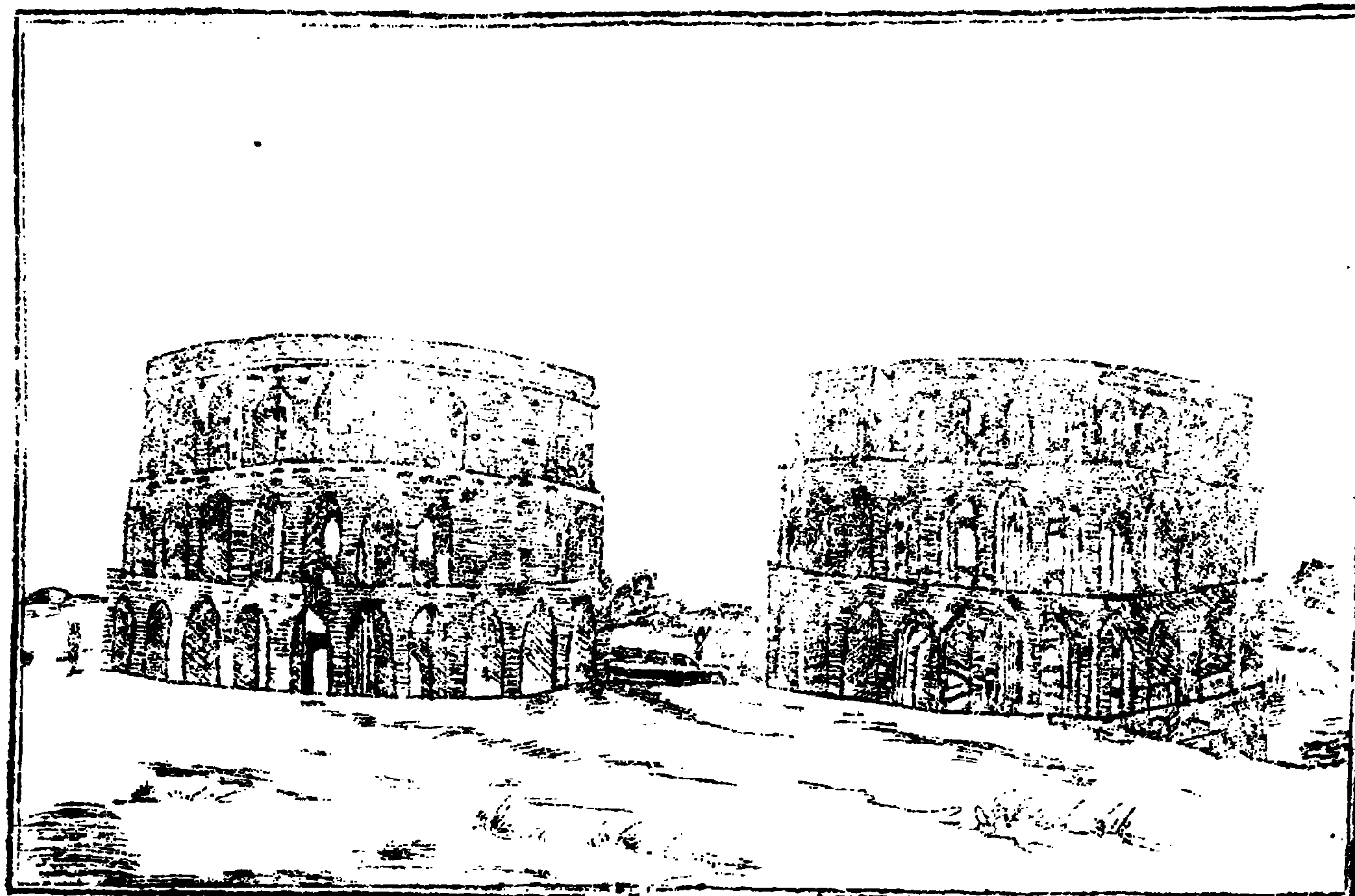




نقشهٔ کره مقعر



نقشہ جنتر قسمی دوایر العظام



نقشه جنتر دوایر مس

بہادریہ کا شوالا اسی کے پاس مخروطی قبے کا ایک چھوٹا سا شوالا ہو۔ ۸ فٹ مربع ہی۔

جینیان کا مٹھ پھر اس سے اور آگے بڑھ کے ایک قدیم اور پختہ مٹھ ہی جہاں پارسناتھ کی مورتی بٹھائی جاتی ہی اور نسیاں کہلاتا ہی۔

مہر و مہ و آسمان و انجم
دریا و زمیں و کوہ و صحرا
سب کا ہی وہی بنانے والا

حیوان و پری و دیو و مردم
باغ و گل و سبزہ و سطرہ
ما اعظم شانہ تعالیٰ

جنتر منتر سنہ ۱۱۳۷ھ سنہ ۱۷۲۴ء پرانے قلعے سے مغرب و شمال کے کونے میں کوئی تین میل اور اجمیری دروازے سے بجانب جنوب ایک میل پر یہ مشہور علم ہیأت کے عملی تجربوں کی رصد گاہ ہی۔ اس رصد گاہ کے متعلق تھارن صاحب نے لکھا ہی کہ "کیمپ کو واپس آتے وقت ہم جنتر منتر کی مشہور رصد خانے کو دیکھنے کو ٹھیر گئے جس کو سنہ ۳ جلوس محمد شاہی (۱۷۲۴ء) میں مشہور ہیأت دان جی سنگھ راجہ امبیر نے جو خاندان راجگان جے پور کا بانی تھا بنایا تھا۔ جس کا محل اور اصطبل موضع مادھو گنج میں تھا جو اس رصد گاہ کے قریب مشرق کی طرف ایک گاؤں ہی۔ اور آج تک مہاراجہ صاحب جے پور کی جاگیر ہی" ملک ہند کی عالی ہمتی اور سائنس کی یہ یادگار فصیل شہر کے باہر جامع مسجد سے کوئی دو میل پر واقع ہی۔ افسوس ہی کہ یہ کام بسبب اس کے بانی کی (بے ہنگام) وفات اور سلطنت کے عزل و نصب کے پورا نہ ہو سکا تاہم رصد گاہ کا کام جس حد تک ہو چکا تھا اس سے اس کے بانی کی علم ہیأت کی دست گاہ اور صحت عمل کا (کافی) ثبوت ملتا ہی۔ لیکن افسوس ہی کہ اُجڈ جاٹوں نے بنانے سے پچاس برس کے اندر ہی اندر اس کا بالکل ستیاناس کر دیا۔ اگر وہ مال و اسباب کی لوٹ کھسوٹ پر ہی اکتفا کرتے تو بھی غنیمت تھا مگر غضب تو یہ ہوا کہ اُنہوں نے عمارت کے ساتھ دوائر کو بھی بہت بڑا نقصان پہنچایا۔ بڑے دوائر لطف اب تک قایم ہیں لیکن خطوط اور دائرے کا محیط جس میں درجے بنے ہوئے تھے بہت سی جگہ سے شکستہ ہو گئے ہیں۔ مثلث کے ایک ضلع کا طول (۱۱۸ فٹ) ۔ ۲ ہی اور قاعدے کا ضلع ۱۰۴ فٹ ۔ ۱ ہی۔ اس پر چڑھنے کا سیڑھی دار زینہ ہی جس کے کناروں اور محرابوں پر سنگ مرمر لگا ہوا تھا۔ اس عظیم الشان آلے کی کلانیت اور صحت عمل کی وجہ سے جی سنگھ نے اس کا نام

سمرت ینتر یعنی شاہزادہ دوائر رکھا تھا کیوں کہ اسی قسم کے اور دو چھوٹے آلے بھی ہیں۔ ان تینوں آلوں کو ایک دیوار کے ذریعے سے ملا دیا گیا ہے جس پر ایک نصف دائرہ اُن اشیاء کا ارتفاع معلوم کرنے کے لیئے بنایا گیا ہے جو اس مقام سے مشرق اور مغرب میں واقع ہیں۔ ان دوائر کے جنوب میں اسی قسم کی دو عمارتیں اور ہیں جن سے ستاروں کی بلندی۔ قوس افقی (Azimuth) اور اجرام فلکی کے مقامات اور فصل وغیرہ کے حالات معلوم ہوتے ہیں۔ ایک ہی قسم کی کئی کئی عمارتیں ایک ہی جگہ بنانے سے یہ غرض معلوم ہوتی ہے کہ ایک آلے سے جو عمل کیئے جائیں ساتھ کے ساتھ اُس کی صحت عملی کی جانچ پرتال دوسرے آلے سے بھی کر لی جائے۔ یہ آخر الذکر عمارتیں مدور شکل کی ہیں جو اوپر سے کھلی ہوئی ہیں جن کے نیچے ایک ایک بلند ستون عمودی شکل کا سطح زمین سے تین فیٹ بلند کھڑا ہے جس میں سے تیس خطوط قطر سے محیط دائرے کو جاتے ہیں۔ ان کا درمیانی فصل قطروں کے برابر ہے تاکہ قطروں کے باہمی فصل سے ایک کامل چھ درجے کا حصہ دائرہ بن جائے۔ دیواروں کے اندر طاق بنے ہوئے ہیں جن میں مدارج شمس کے خطوط مماس بنے ہوئے ہیں جن پر ستون عمودی کا سایہ پڑتا ہے اور یہ خطوط ایک سے لے کر پینتالیس درجے تک بنے ہوئے ہیں۔ لیکن جب آفتاب کا ارتفاع اس بلندی سے زیادہ ہو جاتا ہے تو انھیں درجوں اور ستون عمودی سے آفتاب کا صحیح ارتفاع معلوم کیا جاتا ہے۔ ان درجوں کو دقیقوں میں تقسیم کیا ہے لیکن جو درجے مقابل کی دیوار پر بنے ہوئے ہیں اور جن میں ہر ہر درجے کے چھ چھ حصے کیئے گئے ہیں اس قسم کے دقایق کی تقسیم نہیں ہے۔ ان دوائر اور خطوط پر جو سایہ پڑتا ہے اُس سے فوراً آفتاب کا قوس افقی اور عمل نصف النہار معلوم ہو سکتا ہے اور اس طرح چاند اور ستاروں کا مریڈین (Meridian) بھی معلوم ہو سکتا ہے۔

ان دونوں عمارتوں اور بڑے دائرۃ الظل کے بیچ میں ایک کرہ مقعر بنا ہوا ہے جو فلکی نصف دائرے کو بتلاتا ہے جس کا قطر ۷۔۵ ہے۔ اس میں پندرہ درجے ہیں جس سے نصف النہار معلوم ہوتا ہے۔ چوں کہ یہ مقام ایک خاص فن سے متعلق ہے اس لیئے ماوشما کو اس کی قدر نہیں ہو سکتی نہ کچھ سمجھ میں آتا ہے۔ ہاں جو لوگ علم الافلاک کے ماہر ہیں وہ جان سکتے ہیں کہ کن کن مسائل کو کس کس اسلوب سے سلجھایا ہے۔ ہمارے جیسے لوگوں کو جو اس کوچے سے نابلد ہیں بظاہر ایک بہت بڑی خط استوا کی ڈائل نظر آتی ہے اور دو مدور عمارتیں معلوم ہوتی ہیں جن میں ایک کے

اوپر ایک سیڑھی نما دوائر بنے ہوئے ہیں جن سے بظاہر ستاروں کے صعود و نزول کی پیمائش لی جاتی ہو۔ آگے ہماری عقل خود چکر میں ہو۔ میں نے انگریزی میں ایک بڑی مبسوط کتاب بھی لکھی ہو جو خاص اسی جنتر منتر پر لندن میں حال میں چھپی ہو جس میں متعدد نقشے بھی دیئے گئے ہیں اور اس میں ساری بحث راجہ جے سنگھ کے عمل ہیأت پر بھی ہو۔ اس سے معلوم ہوا کہ سائنس والوں کے لیے یہ ضرور کوئی بڑی قابل قدر چیز ہو جو اس زمانے میں بھی اس کی چھان بین کی جا رہی ہو۔

رکاب گنج حال مادھون گنج

نمبر ترتیبی ۱۴۳/۱۴۴ - اجمیری دروازے سے قطب روڈ پر داہنی طرف سڑک سے کوئی سو سوا سو قدم پرے جنتر منتر کے غرب میں ایک بڑا بھاری پختہ احاطہ نظر آتا ہو۔ اس کا قدیم نام رکاب گنج تھا لیکن اب اس پر مادھون گنج کا بورڈ لگا ہوا ہو۔ چوں کہ اس گنج کے دروازے کے پاس ایک تین در کی چھوٹی سی مسجد ہو۔ اور وسط میں چبوترے پر ایک قبر بھی ہو تو اس کا بانی کوئی ہندو نہیں ہو سکتا۔ جنتر منتر کے بیان میں جو مادھو گنج کا ذکر آیا ہو وہ یہی مقام ہو جسے مہاراجہ صاحب جے پور کے علاقے کا کہا گیا ہو اب یہ ساری زمین معاوضہ دے دلا کر رائے سینا میں شامل کر لی گئی ہو۔ صدر دروازہ شمال رویہ بڑا عالی شان ہو۔ گہرائی دروازے کی ۲۸ فٹ ہو اور چوڑائی ۱۱ فٹ۔ دروازے کے اندر بغلی میں دو طرف سہ دریاں ہیں اور اوپر بھی سہ دری ہو۔ احاطہ چار سو فیٹ مربع ہو جس کے چاروں کونوں پر گھوگس بنے ہوئے ہیں مشرق کی طرف چوتھائی دیوار گر پڑی ہو اندر سوائے جنگلی گھانس کے کچھ نہیں

ٹیلے پر کی مسجد

اس سڑک پر داہنی طرف بالکل سڑک سے لگی ہوئی اونچے ٹیلے پر ایک مسجد بنی ہوئی ہو تین در کی مسجد ۲۴×۱۰ ہو۔ جو (۷) اونچے ۳ فٹ ۸ چوڑے ہیں۔ بائیں طرف ایک حجرہ ۹×۵ فٹ ہو۔ اندر گچ کا فرش اور چھوٹا سا منبر ہو چھت چوبی کڑیوں کی ہو صحن میں سنگ سرخ کا بہت پرانے چوکوں کا فرش ہو جو ۱۴×۳۰ فٹ ہو۔ احاطے کی دیوار ۵-۹ فٹ اونچی ہو۔ داہنی طرف ایک کنواں ہو صحن کے کونے میں بائیں طرف ایک بہت پرانا نیم کا درخت ہو۔ معلوم ہوتا ہو کہ سڑک نکالتے وقت اس مسجد کے صحن کا کچھ حصہ سڑک میں آگیا ہو اور دروازہ جو اب جنوب کی طرف ہو وہ ضرور سڑک کی طرف رہا ہوگا چنانچہ سڑک کی طرف ۵۰ فٹ لمبی ۱۳ فٹ اونچی پتھر چونے کی بندش کی ایک دیوار مسجد کا صحن محدود کرنے کو بنا دی ہو۔ اور یہی اونچان اس ٹیلے کی بھی ہو جس پر کہ مسجد بنی ہوئی ہو غرض ہو مسجد قدیم اور سرکار کو اس کا موجودہ حالت پر

باقی رکھنا منظور ہے جو اس طرح بندش کرادی ورنہ اس در دسری کی کیا ضرورت تھی۔

نئی چھاؤنی کی مسجد

نمبر ۱۱۱ پی گورنمنٹ ہوس رائے سینا کے سامنے مغرب کی طرف سڑک کی بائیں طرف معمولی حیثیت کی ایک قدیم مسجد تین گنبد اور تین دروں کی ۲۲ × ۱۳ ہے بائیں ہاتھ کی طرف ایک حجرہ ہے چھت اوپر سے سپاٹ ہے۔ چاروں کونوں پر چار مینار نما چوکور برجیاں ہیں بیچ کا در ۷ فٹ ۱۰ انچ اونچا۔ ۳ فٹ ۹ انچ چوڑا ہے بائیں طرف کی محراب پر سنگ سرخ میں یَا فتّاح کا طغرا کندہ ہوا کہیں اور سے لاکر لگا دیا ہے دو سیڑھیوں کا چھوٹا سا ممبر ہے۔ سامنے گمے اینٹ کے فرش کا چبوترا ۲۲ × ۱۳ فٹ کا ہے۔ کمپونڈ ۲۶ × ۴۲ فٹ اونچا ہے صحن میں ایک کنواں بھی ہے۔ شمال کی طرف اینٹوں سے چنا ہوا ایک پختہ گچ کا چوکی دار دروازہ ہے جسے چوبی پٹ ہیں۔ دروازے کی محراب میں کارنس پر رنگ کا کام ہے کسی نے روشنائی سے پیشانی پر یہ شعر لکھ دیا ہے۔

نمازِ زاہداں سجدہ سجودے نمازِ عاشقاں ترکِ وجودے

قدیم نام اس مسجد کا کیا تھا معلوم نہیں۔ اب نئی چھاؤنی کی مسجد کہلاتی ہے۔ اس کے کمپونڈ کی شرقی دیوار میں پانی کا نل بھی لگا ہوا ہے۔ یہ نل کچھ مسجد کے واسطے نہیں لایا گیا بلکہ جس طرح پبلک روڈ پر لگا دیا جاتا ہے یہاں بھی لگا دیا گیا۔ یہ بھی غنیمت ہے۔

ایک نامعلوم گنبد

نمبر ۶/۹ پی بجلی گھر اور محکمہ پی۔ ڈبلیو۔ ڈی کے جنوب میں ایک گنبد سر راہ کھڑا ہے۔ جو اندر سے ۱۰ × ۱۰ فٹ ہے۔ چار طرف چار چار دروازے ۱۰ × ۴ فٹ۔ اندر کوئی قبر نہیں نہ فرش۔ دیواروں میں آٹھ طاق ہیں بہت خراب و خستہ حالت میں ہے۔ کس کا ہے معلوم نہیں۔ لوٹا پھوٹا چبوترا ۵ فٹ اونچا ہے۔

گمٹی

قطب روڈ کے بائیں طرف سڑک سے کوئی سوا سو قدم ہٹی ہوئی صفدر جنگ کے مقبرے کے شمال میں چھ فیٹ مربع ہشت پہل گمٹی ہے تین طرف دروازے مغرب میں بند۔ دروازے ۷ × ۲½ فٹ۔ اس کے جنوب میں ایک پختہ کنواں ہے۔ یہ بھی نامعلوم ہے۔ جہاں بڑے بڑے گنبدوں کا پتہ نہ چلے یہ کس شمار قطار میں ہے۔ اس کے آگے صفدر جنگ کا مقبرہ قطب روڈ کے داہنی طرف ہے۔

دلّی دروازے سے قطب روڈ پر کی عمارتیں

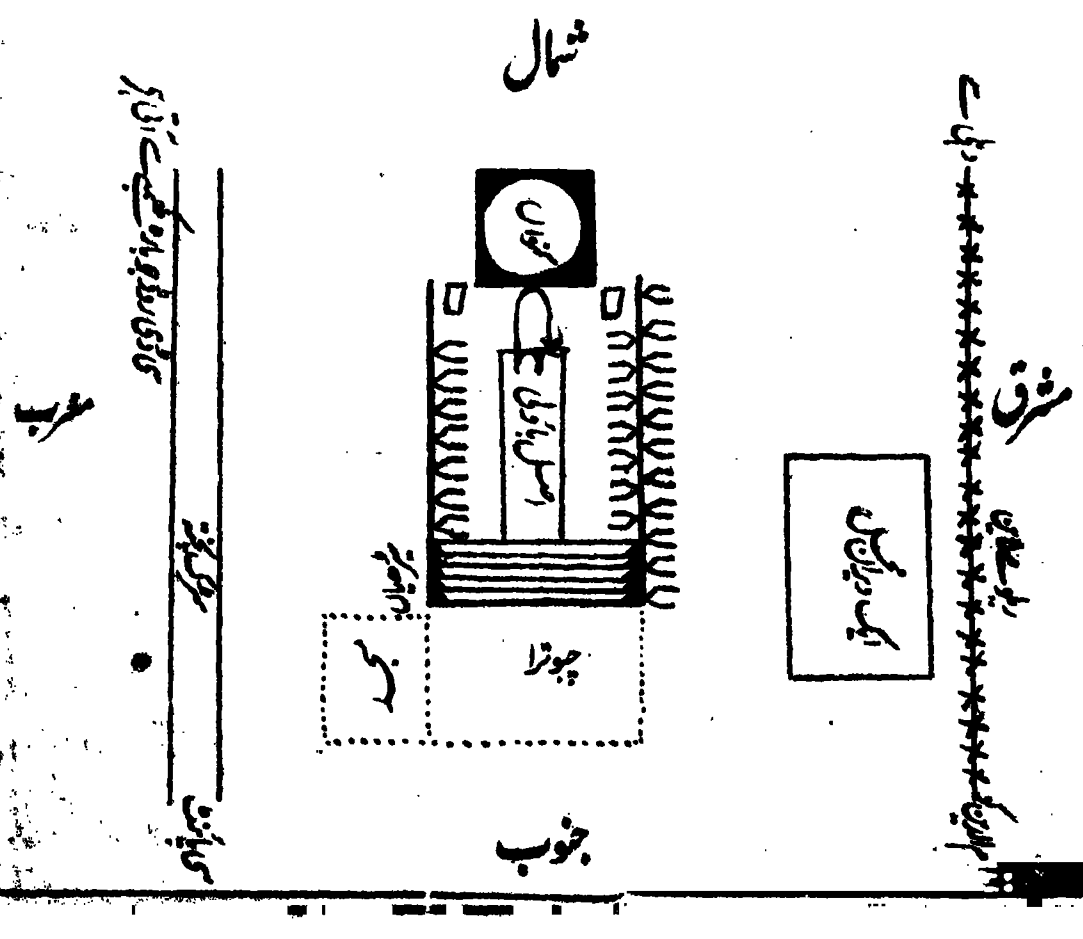
گھوگس دہلی نظام الدین کی سڑک۔ مہابت خاں کی حویلی کے سامنے داہنی طرف ایک سڑک پھٹ جاتی ہے جو رائے سینا سے ہوتی ہوئی قطب چلی گئی ہے۔ پسنجر کے تکیئے کے پیچھے جو دہلی نظام الدین کی سڑک پر ہے اس کے عقب میں دلّی دروازہ قطب روڈ کی داہنی جانب ایک ٹوٹا ہوا سا برج گھوگس کی شکل کا ایک چبوترے پر کھڑا ہے جس کا دور ۹۲ فٹ اور بلندی ۱۶ فٹ ہے۔ یہ کسی محل کے احاطہ کے کونے پر کا ایک برج معلوم دیتا ہے۔ چنانچہ اس برج کے پاس دیوار کا کچھ گرا ہوا حصہ بھی باقی ہے۔

پھوٹی مسجد ریلوے لین دلّی سے نظام الدین کے بائیں ٹیلیگراف پول نمبر ۹۵۳/۲ کے پاس ایک بالکل گری پڑی مسجد ہے جس کے تین در اور تین گنبد ہیں۔ داہنی طرف کا پہلا گنبد اور درمیانی گنبد آدھا باقی ہے۔ تیسرا گنبد بائیں طرف کا وہ بھی نصف رہ گیا ہے اور اسی طرف ایک اونچا پایا کھڑا ہے۔ بیچ کے آرچ کی چوڑائی (۱۵ فٹ) ہے۔ صحن کے عقب میں کنواں تھا جو اب پاٹ دیا گیا۔ اب یہ مسجد موجودہ حالت کے لحاظ سے پھوٹی مسجد کہلاتی ہے۔

اگرسین کی باؤلی اور مسجد جنتر منتر کی رصدگاہ سے کوئی پانسو گز فاصلے سے اس نام کی ایک بہت بڑی شان دار باؤلی اور اسی کے ساتھ ایک مختصر سی مسجد ہے جو سڑک کی داہنی طرف ہے۔ اگرسین جیسا کہ نام سے ظاہر ہے کوئی ہندو تھا مگر معمولی شخص نہ تھا بلکہ صاحب ثروت و متمول تھا جب ہی تو اُس نے ایسی عمدہ باؤلی بنوادی۔ باؤلی کے پاس مسجد ہونے سے شبہ ہوتا ہے کہ اس کا بانی شاید کوئی مسلمان تھا اور اصغر حسین کو اگرسین کر لیا ہو مگر یہ بات نہیں دراصل یہ دونوں عمارتیں ہندو صاحب ہی کی بنوائی ہوئی ہیں کیوں کہ ایسی بہت سی مثالیں موجود ہیں کہ امام باڑے درگاہیں چلّے ہندوؤں نے بنوائے ہیں اور بعض ہنود اپنی خوش اعتقادی سے ایسا کرتے ہیں۔ کار خیرات و حسنات میں وہ مذہب کی تفریق کو مدنظر نہیں رکھتے۔

باؤلی کے اوپر کا چبوترا جسے مسجد کا دوسرا صحن بھی کہہ سکتے ہیں ۴۰×۲۷ فٹ ہے چبوترا خام ہے مگر

گرد بندش پختہ ہے۔ اصل باؤلی مستطیل ۱۰۰ فٹ x ۲۲ ہے۔ اور اُدھر اُدھر لمبان لو تو ۲۲۰ ہے۔ پہاڑ کا پہاڑ مکڑا ہے۔ اندر اُترتے ہوئے ڈر معلوم دیتا ہے پانی بھی لبریز ہے اور شیریں تھا لیکن اب چونکہ کہیں کہیں ذرا ملا ہو گیا ہے۔ باؤلی کے جنوب میں سیڑھیاں اُدھر تک چلی گئی ہیں اس وقت پانی تک سیڑھیاں چھیالیس سیڑھیاں ہیں۔ باؤلی کے گرد کی دو طرفہ دیوار ۳۳ فٹ اونچی ہے۔ مشرق کی طرف باؤلی کے اندر سے ۲۴۳ سیڑھیوں کا دو طرفہ زینہ ہے۔ شمال کی طرف لاؤ لگانے کی سوراخ دار کڑیاں پڑی ہیں۔ باؤلی کی دیواروں میں اندر کے رُخ پر نیچے کے حصے میں آٹھ آٹھ دیوار دوز طاق ہیں اور اوپر کے حصے میں نو نو۔ دیوار کے بیرونی رُخ پر تیرہ دیوار دوز طاقوں کا سلسلہ ہے جو بجائے خود ۷ فٹ x ۶ کی کوٹھریاں (درجہ) گہرائی میں ہیں۔ باؤلی کے شمال میں ایک بڑا بھاری گول کنواں ۱۸ فٹ مربع ہے جس کی چاروں طرف درے اور اوپر لداوی گنبد ہے۔ اسی کا پانی باؤلی میں بھرتا ہے۔ قرینہ کہتا ہے کنواں اور باؤلی دونوں بہت گہرے ہیں اور ان میں حقیقی سوتیں ہیں جن کا پانی خشک نہیں ہوتا بلکہ عجب نہیں کہ باؤلی کے شکم میں بھی کنواں ہو کیوں کہ بڑی بڑی باؤلیوں کے پیٹے میں کنوئیں کھودے جاتے ہیں جیسے کہ حضرت محبوب الٰہی کی درگاہ کی باؤلی میں ایسا باؤلی کی ہیئت کذائی بدون نقشہ نظری کے ذہن نشین نہ ہوگی لہٰذا اُسے ملاحظہ فرمائیے۔



مسجد نمبر ۹ — اگر سین کی باؤلی پر ایک چھوٹی سی تین درا در لداوی سطح چھت کی مسجد ۲۸ × ۱۰ ہے تینوں در یکساں ۷ فٹ اونچے اور ۶ فٹ چوڑے ہیں مدے چھت قلم دان نما ہے۔ بائیں طرف کے پاکھے کی دیوار گر گئی اور اسی کے ساتھ ادھر کا حجرہ بھی گر گیا۔ داہنی طرف کا حجرہ جو دس فیٹ مربع ہے موجود ہے۔ در سنگ سرخ کے ہیں جن کی چھت ایک ہی پتھر کی کڑی ۱۰ فٹ مربع ہے۔ ادھر اُدھر اسی قسم کے سنگ سرخ کے دو دو درمیانی پیچ کی محراب میں چار چار در لگائے ہیں۔ تینوں دیوار دو زطاقوں کے دو طرفہ کلمہ طیبہ کا طغری ہے منبر اور فرش ٹوٹ گیا۔ باہر کی دو محرابیں باقی ہیں تیسری گر گئی ان پر بھی دو طرفہ کلمہ کا طغری تھا اور سرخ رنگ بھی مسجد کے رد کار پر تھا مسجد کی بلندی ۱۱ فٹ ہے سامنے پختہ چبوترہ ۲۲ × ۱۵ فٹ ہے جس پر ایک شکستہ قبر بھی ہے۔

محل جو کھد رہا ہے — اس باؤلی اور مسجد کے مشرق میں جی آئی پی ریلوے لین کے پاس ایک بہت بڑا وسیع احاطہ تھا جس کے اندر کوئی محل تھا۔ محل کا تو اب وجود رہا نہیں مگر احاطے کی دیواریں کچھ باقی ہیں اندر پتھر اور مٹی کے ڈھیر لگے ہوئے ہیں اور مزدور برابر کھود کھود کر پتھر اور مٹی ڈھو رہے ہیں۔ انہیں پتھروں سے سڑک بن رہی ہے اور یہی رفتار رہی تو چند دن میں میدان صاف ہو جائے گا۔ اس وقت جو ایک خیالی تصویر اس محل کی تصور میں آسکتی ہے وہ موقع بھی جاتا رہے گا۔ احاطے کی وسعت۔ دیواروں کی بلندی پتھروں کے انبار مٹی کے اونچے اونچے ٹیلے بنیادوں کے نشانات سب کافی دلیل اس بات کی ہیں کہ یہ محل کوئی غیر معمولی وسعت اور شان و شوکت کا تھا۔ اب اگر گورنمنٹ ایسی مردہ اور از کار رفتہ عمارتوں کو صاف نہ کروا دے تو پھر نئی ملت کے واسطے زمین کہاں سے آئے اور خدائی فتوی ؎

هر که آمد عمارتے نو ساخت
رفت منزل بدیگرے پرداخت

کیوں کر صادق آئے۔ زمانہ بدل گیا۔ ہمارا طرز زندگی بدل گیا۔ ہماری ضروریات بدل گئیں غرض یہ کہ آسمان بدل گیا اور زمین بدل گئی۔ یہ عمارتیں اگر باقی رکھی جائیں تو اس زمانے میں کس کام کی ہیں۔ لہذا ان کا مٹا دینا ہی اقتضائے ضرورت وقتی ہے۔ اب صرف انہیں عمارتوں کی نگہداشت کی جاتی ہے جن سے کوئی اہم تاریخی واقعہ متعلق ہے یا کسی اولوالعزم بادشاہ کی یادگار ہیں۔ رہیں ایسی ویسی پچکلیاں ان کی خدمت گزاری کدال پھاوڑے سے کرنے کے

جاتے گزرے ہیں ان بوسیدہ اور ناکارہ عمارتوں کی بجائے اب نئے نئے خوش نما ہوادار مکانات کوٹھیاں۔ پارک بنیں گے جن میں بجلی کی روشنی جگمگائے گی برقی پنکھے فرفر چلیں گے۔ سوڈا لیمینڈ کی کاکیں و نادن اڑیں گی۔ اب وہ زمانہ لدگیا کہ جب ان دقیانوسی ڈیزئین کی عمارتوں کی ضرورت اور قدر تھی جب وہ قدردان ہی نہ رہے تو اب ان مکانات کو لیکر کیا کرنا ہے۔

مسجد سی پائنٹ

نمبر پی ۱۵۱ ۔ اگر سین کی باؤلی سے سیدھے چلے جائیے تھوڑی دور آگے چل کر چوراہ ملے گا اجمیری گیٹ بارہ کھمبے سے سی ڈی روڈ پر ہے

رائے سینا اکس پائنٹ

سی پائنٹ مہرولی وغیرہ

دلی دروازہ

یہیں یہ مسجد ہے جس کے سامنے بڑا قبرستان ہے۔ مسجد کے گرد سوائے مسجد اور قبور کے جسے محاط کر دیا ہے دوسری عمارتیں گرا کر میدان صاف کر دیا گیا ہے یہ مسجد تین دروں کی لداؤ ہے بیچ میں ایک بڑا گنبد ہے دو طرفہ ایک ایک چھوٹی سی برجی ہے چھت کے اوپر کنگورے۔ ار منڈیر ہے اصل مسجد ۲۰×۱۱ فٹ بیچ کی محراب ۸×۶ ہے۔ سامنے گچ کا پختہ چبوترا ۳۱×۵ فٹ کا ہے۔ صحن مسجد کے سامنے متعدد پختہ قبریں ہیں۔ یہاں کی چند قبروں پر گچ میں ہی نہایت بدخط نام گھسیٹ دیئے ہیں۔ وہ یہ ہیں:۔

(۱) ہاتفے گفت بحکم اللہ رفت بفردوس علیہ النار

فیاض بیگم فخر جہاں مرزا محمد سراج الدین مرادآبادی۔

سی پائنٹ اور اکس پائنٹ

رائے سینا میں پختہ سڑکوں کا ایک جال بچھ گیا ہے بہت سی سڑکیں بن گئیں بہت سی زیر تعمیر ہیں یہاں کے نام حروف تہجی کے نام سے مشہور ہیں یہ ایک ۲۶ فٹ مربع اور تیرہ فیٹ اونچا چبوترا تقسیم ارضی کا نشان حال کا بنا ہوا ہے جس پر تیرہ سیڑھیاں چڑھ کر جاتے ہیں۔ اس چبوترے کے اوپر تین فیٹ اونچے پول پر ایک آہنی اسکیل لگا ہوا ہے۔ یہ مقام پرانے قلعہ اور گورمنٹ ہاؤس کے بیچ میں ہے۔ اسی طرح سڑک کے غربی آخری سرے پر اکس پائنٹ ہے۔ یہ مقامات سروے (پیمائش) کے نشانات ہیں۔

ایک درگاہ نما ٹیلہ

نمبر پی ۸/۱۳۵ ۔ اکس پائنٹ پر۔ دِلی گیٹ، کے سڑک کے اخیر بائیں طرف ایک بلند ٹیلے پر چار دربار باقی ہیں۔ یہ عمارت سنگ خارا کی ہے۔ خواہ کوئی مقبرہ رہا ہو یا درگاہ۔ نیم کا ایک درخت بھی اوپر

ایک کونے میں ہے۔ ٹیلا چو طرف سے کاٹ ڈالا گیا ہے۔ معلوم نہیں اصلی حیثیت کیا تھی بہر حال کوئی مذہبی مقام جو محفوظ کیا گیا ہے۔ چبوترے کو جو چو طرف سے تراشا ہے تو سڑک کی جانب چبوترے کے حصے کو غور سے دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ دو کاسہ سر نصف نصف تراش میں کٹ گئے ہیں اور نصف مٹی میں جمے ہوئے باقی ہیں۔ اس کے آگے قطب روڈ مل جاتی ہے۔

قطب روڈ اور ریلوے لین کے بیچ کے میدان کی عمارتیں

اوپر والے چوراہے کی بائیں طرف بجانب شرق نظر دوڑائیے تو یکے بعد دیگرے عمارتوں کا سلسلہ ریلوے لین تک چلا گیا ہے جو منشی طوطا رام خزانچی اور نانی کی حویلیوں پر ختم ہوتا ہے وہیں سے بابر پور کو سڑک چلی گئی ہے۔ پھر بابر پور سے ہم شارع عام قطب روڈ پر آن ملے ہیں۔ اس نواح کی عمارتوں کا ذکر اسی ترتیب سے کرتے ہیں جیسی کہ وہ واقع ہیں مگر سلامت ان میں سے کوئی بھی نہیں سب بہت خراب و خستہ حالت میں ہیں۔ ان عمارتوں کو اگر گورنمنٹ مسلمانوں کی عبادت گاہ اور مقابر سمجھ کر سر دست نہ بھی گرائے تو ان کا اپنی حالت پر چھوڑ دینے کا بھی وہی نتیجہ ہے جو آج گرا دینے سے ہوتا یعنی چند سال نہ گزرنے پائیں گے کہ ان کا عدم وجود خود بخود برابر ہو جائے گا۔ مردے کی نعش کو آخر کب تک سنبھال کر رکھیں گے کیوں کہ وہ مِنْهَا خَلَقْنٰكُمْ وَفِيْهَا نُعِيْدُكُمْ وَمِنْهَا نُخْرِجُكُمْ تَارَةً اُخْرٰى[۱] کا مصداق ہے۔ خاک ضرور ایک دن خاک میں مل جانے والی ہے۔

منہدم مسجد اوپر والی سڑک کے کنارے بائیں ہاتھ کی طرف بجانب مشرق یہ مسجد لداؤ کی ہے۔ ۴۵×۱۱ فٹ تین در کی ہے۔ بیچ کا در ۴ فٹ اونچا۔ ( ) چوڑا ہے۔ اب زیادہ تر حصہ مسجد کا گر کر صرف ۲۳ فٹ باقی رہ گیا ہے۔ بیچ میں بڑا گنبد تھا جس کی چھت قلمدان نما لمبوتری لداوی تھی۔ ادھر ادھر آریچ تھیں۔ فرش منبر چبوترا سب معدوم ہے۔ موجودہ حالت یہ ہے:-



۱؎ (لوگو!) اسی زمین سے ہم نے تم کو پیدا کیا اور (مرے پیچھے) اسی میں تم کو لوٹا کر لائیں گے اور اسی سے (قیامت کے دن) تم کو دوبارہ نکال کھڑا کریں گے۔ ۱۲

دوسری منہدم مسجد

نمبر ولی ۱۲۱/۱ یہ مسجد ایک بہت اونچے ٹیلے پر واقع ہے جس پر پختہ چبوترا تھا جو اب ایسا ڈھہ گیا ہے کہ اس پر پہنچنا بھی مشکل ہے۔ یہ مسجد تار کے کھم نمبر ۹۵۳/۲ او کے محاذی قلعۂ کہنہ کے غربی دروازے کے سامنے ریلوے لین کے اس طرف ہے۔ مسجد پتھر چونے سے بنی ہوئی ہے پلاستر بالکل جھڑ گیا۔ اندر کا فرش بھی اکھڑ گیا۔ اندر سے تین گنبد تین در ہیں اوپر سے چھت سپاٹ ہے۔ برجیاں بھی باقی نہیں رہیں۔ مسجد کا بہت سا حصہ گر کر چبوترے ہی پر بڑے بڑے ڈھیم پڑے ہوئے ہیں موجودہ حالت یہ ہے:-

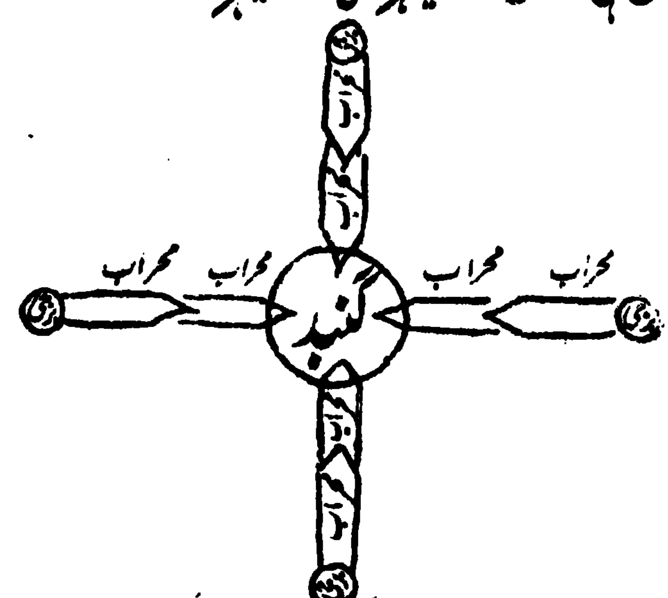


گنبد اندر سے پھٹ کر بڑی بڑی دراڑیں پڑ گئی ہیں بہت جلد بیٹھ جانے والے ہیں۔ محرابوں پر اندر باہر کلمۂ طیبہ کے طغرے تھے چنانچہ بیچ کے در اور اندر دالان کے پیش طاق پر دو طرفہ اب بھی طغرے باقی ہیں۔ چھت اور محرابوں پر نہایت نفیس گلکاری چونے میں کی ہوئی ہے۔ اندر کی چھوٹی طاق نما دیوار دو محرابوں پر دو طرفہ طغرے تھے جن کا صرف نشان رہ گیا ہے حروف جھڑ کر کچھ کچھ باقی رہ گئے ہیں۔ مسجد کے اندر رنگین کام تھا جس کا کچھ باقی ماندہ حصہ چھوٹی محرابوں پر رہ گیا ہے۔ مسجد ۳۹ فٹ × ۱۳ - ۹ ہے۔ درمیانی محراب ۱۰ فٹ × ۸ - ۲/۱ ہے۔ بلندی مسجد کی (۲۷ فٹ) ہے۔ سامنے چبوترا تھا جو منہدم ہو گیا۔ رو کار پر باہر کی محرابوں کے دو طرفہ بھی طغرے تھے۔ آرچوں کے عمق میں قینچی کا کام ہے۔ یہ مسجد دو منزلہ تھی جب نیچے کی منزل کی یہ گت بنی ہے تو اوپر کا کیا کہنا وہ حصہ تو سارے کا سارا گر کر چھت پر۔ مسجد کی پچھیت کی دیوار کی طرف صرف ایک محراب باقی رہ گئی ہے۔ زینہ بائیں طرف تھا جو بالکل گر گیا ایک سیڑھی بھی باقی نہیں رہی۔

بہٹوں کا گنبد

اوپر والی مسجد سے کوئی سو سوا سو قدم ریل کی سڑک کے بائیں طرف یہ گنبد ہے لوگوں کی زبان پر تو یہی چڑھا ہوا ہے۔ در اصل کیا بات ہے خدا ہی بہتر جانتا ہے۔ ہم نے جو نام سنا لکھ دیا ع زبانِ خلق کو نقارۂ خدا کہیے

یہ گنبد تار کے کھمبے نمبر ۹۵۲/۲۲-۲۳ کے مابین ہے۔ ساری عمارت سنگ خارا اور اینٹوں کی ہے۔ یہ گنبد بڑا عالیشان اور بہت اونچا ہے لیکن بہت شکستہ حالت میں ہے۔ اندر تمام گچ کا پلاسٹر تھا جس میں کا کچھ بھی باقی نہ رہا۔ گنبد کی استرکاری کی چھلیں گر گئیں۔ اور نری لکھوری اینٹیں نکل آئیں۔ گنبد کی چندیا میں اتنا بڑا سوراخ پڑ گیا ہے کہ آسمان نظر آتا ہے۔ یہ بندش کی خوبی ہے جو اس حالت میں بھی کھڑا ہے اور خدا جانے کب تک کھڑا رہے گا۔ چاروں طرف ایک ایک بلند محراب دار دروازہ ہے۔ چوکھٹیں چاروں طرف کی لوگ اکھاڑ لے گئے۔ فرش ذرا بھی نہیں ہے نشانوں پر سے معلوم ہوتا ہے کہ کئی قبریں تھیں اب تو صرف ٹوٹے ٹوٹے ایک قبر کا تھوڑا سا رہ گیا ہے وہ بھی گنبد کے وسط میں نہیں ہے بلکہ ایک طرف ہٹا ہوا ہے۔ اب یہ گنبد کبوتروں کا ہیڈ کوارٹر ہے۔ انہوں نے بھی خوب مامن تلاش کیا ع ہیچ آفت نہ رسد گوشۂ تنہائی را۔ گنبد اندر سے ۲۵ فٹ مربع ہے۔ اندر کی آرچ ۱۵ فٹ ۔ ۹ انچ × ۲۴ فٹ ۔ ۹ انچ ہے اونچان ناپی نہیں جا سکتی کہ زینہ جو شمالی محراب میں تھا گر گیا۔ چاروں طرف کی محرابوں پر برجیاں ہیں گرد پختہ چبوترا تھا جس کا صرف نشان ہی نشان رہ گیا ہے سطحی نقشہ یہ ہے:-



اسی لین میں تیسری مسجد

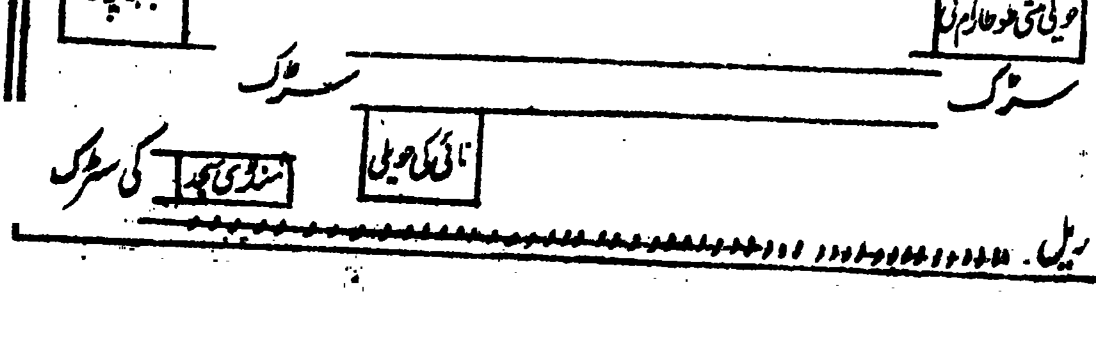
تار کے کھمبے نمبر ۹۵۲/۲۲ کے محاذی۔ یہ بھی بالکل شکستہ ہے۔ ۵۷ × ۱۶ فٹ طول و عرض ہے۔ تین گنبد۔ تین در۔ بیچ کی محراب ۱۲½ × ۸ فٹ ½ ہے۔ بیچ کے گنبد میں دو سوراخ پڑ گئے ہیں جو اب چلنے کی علامت ہے۔ سامنے چبوترا تھا جو اب نہیں رہا۔ مسجد کے گرد ایک وسیع اور پختہ احاطہ بھی تھا جس میں بجانب شرق دروازہ تھا جس کی صرف ایک اونچی محراب کھڑی ہے۔ دوسری گر گئی جس کے گرے ہوئے ڈھیم

یہیں پڑے ہیں۔ مسجد کے دونوں طرف زینہ تھا جو بالکل ٹوٹ پھوٹ گیا۔ ایک آدھ سیڑھی اوپر کی باقی رہ گئی ہے۔

منشی طوطا رام خزانچی کی حویلی

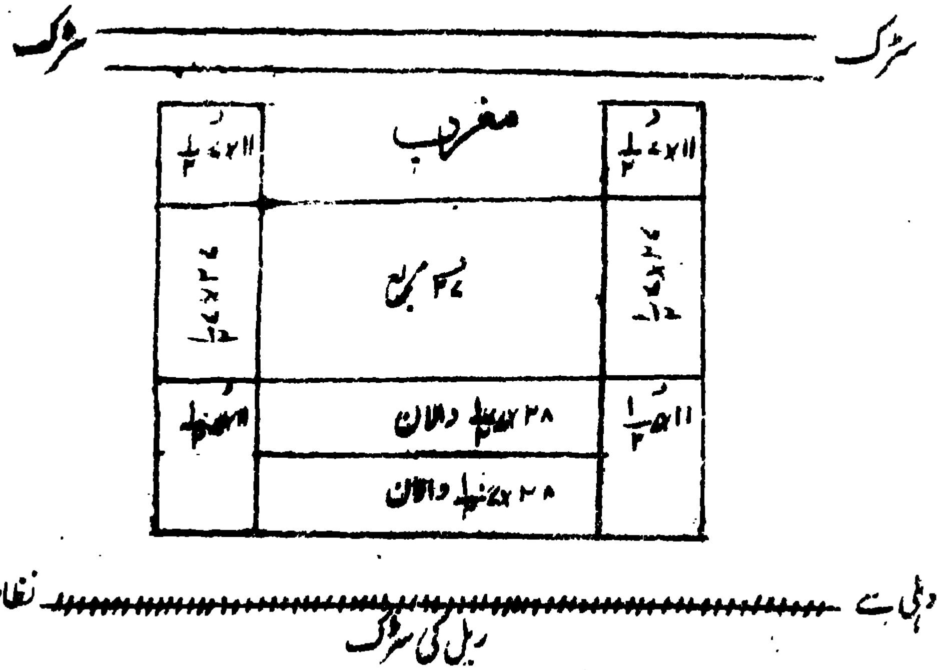
جی آئی پی ریلوے کی سڑک پر دلّی سے آتے ہوئے داہنی طرف نمبر ۵۲ ۹/۱۵ تار کے کھم کے سامنے ایک بہت عالیشان اور وسیع پختہ چار دیواری کھڑی ہے۔ دریافت سے معلوم ہوا کہ کوئی منشی طوطا رام فرخ سیر بادشاہ کے زمانے میں (۱۷۱۳-۱۹ء) خزانچی تھے اُن کی یہ حویلی ہے مگر یہ زبانی تکے ہیں جن پر مشکل سے بھروسہ کیا جا سکتا ہے۔ بہرحال یہ حویلی تھی کسی بڑے امیر کی۔ اندر جا کر دیکھو تو نرا کھنڈر ہے سوائے چار دیواری کی اونچی اونچی دیواروں کے اور کچھ باقی نہیں دو طرف کی دیواریں بھی گر گئیں صرف شمال جنوب کی باقی ہیں صحن سارا جنگل ہو گیا ہے جس میں گھاس اور کانٹوں کے سوا کچھ نہیں ہے۔ صحن کا طول و عرض ۱۴۴×۱۴۲ فٹ ہے۔ دیواریں سر بفلک ہیں جن پر نیچے سے لیکر اوپر تک طاق ہی طاق بنے ہوئے ہیں۔ صدر دروازے کی طرف ایک شہ نشین کے کچھ آثار ہیں۔ اندر چینی کا کام تھا چنانچہ ایک چھوٹا سا ٹکڑا چینی کا جس پر نیلا کام تھا ہم کو شہ نشین کے ملبے کے ڈھیر میں ملا۔ اطراف شمال کی طرف ۹½ فٹ چوڑی گیلری ہے۔ صدر دروازہ جنوب کی طرف تھا جو گر گیا صرف ایک پاکھا شمال کی طرف کا کھڑا ہے جس میں بادبردار چول پھنسانے کی ایک سوراخ دار لکڑی موجود ہے۔ دوسرا پاکھا گر گیا ہے مگر اس کی بیٹھک کا تھوا موجود ہے جس سے دروازے کی چیکان ۷ فٹ معلوم ہوتی ہے۔ اوپر کی محراب گر گئی پاکھے پر سے بلندی کا اندازہ ہو سکتا ہے مگر چھت ہی باقی نہیں تو اوپر چڑھنے کی کیا سبیل رہی۔ یہ مکان اس طرز کا بنایا گیا ہے کہ پہلے تہ خانے کی طرح کی لداوی کوٹھریاں بنا کر اُن پر عمارت کھڑی کی ہے چنانچہ مغرب کی طرف تین در کھڑے ہیں اندر جا کر دیکھا تو دور تک کوٹھریوں کا سلسلہ چلا گیا ہے اور نیچے کی منزل کو کوئی گزند نہیں پہنچا ہے۔

اس کے بعد قریب ہی نائی کی حویلی ہے۔ موقعی نقشہ یہ ہے۔



نائی یا حجام کی حویلی

منڈی مسجد کے پیچھے نائی یا حجام کی حویلی کی چار دیواری ہے یہ عمارت تار کے کھمبے نمبر ۱۹۰ کے سامنے ہے۔ وضع قطع اس کی بعینہٖ منشی طوطا رام کی حویلی کی سی ہے۔ مگر اُس سے چھوٹی ہے اور اس کی چار دیواری سلامت ہے جس میں نیچے سے اوپر تک طاقوں کی بھرمار ہے۔ نیچے سے اوپر تک طاقوں کی چار قطاریں ہیں پہلی نیچے کی تین بڑے بڑے طاقوں کی ہے۔ باقی تین قطاروں میں چھوٹے چھوٹے طاق ہیں خدا جانے ان دونوں حویلیوں کی چھتوں میں کیا نقص تھا جو چھتوں ہی پر وبال آیا۔ دونوں عمارتیں ایک ہی زمانے کی بنی ہوئی معلوم دیتی ہیں اور دونوں ایک ہی لپیٹ میں آئی ہیں حویلی کے نیچے تہ خانہ ہے۔ غربی رُخ جدھر دروازہ تھا وہ بالکل گر گیا۔ پیش میں دالان در دالان چاروں طرف ایک ایک حجرہ اور سہ دریاں ہیں۔ نقشہ نظری یہ ہے۔



پیش دالان اور بغلی دالانوں اور حجروں کے پختہ چبوترے موجود ہیں۔ دونوں حویلیوں کی چھت کا ملبہ بالکل نہیں ہے صحن میں گھاس بھر گئی ہے اور جنگلی خود رو جھاڑ جھنکاڑ اُگ آئے ہیں۔ سامنے سڑک پر ڈھیر کے ڈھیر روڑی کے کٹے ہوئے لگے ہیں جو سڑکوں کے کام آتے ہیں۔

سچ کہا ہے ۵ لہٗ ملکٌ ینادی کلّ یومٍ - لِدُوا للموتِ وابنُوا للخراب

۵ خدا کی طرف سے ایک فرشتہ (یعنی) دنیا میں منادی کرتا رہتا ہے کہ جنو مرنے کے لئے یعنی جو پیدا ہوتا ہے وہ ایک نہ ایک دن ضرور مرے گا یا یوں سمجھو کہ جس نے ماں کا پیٹ دیکھا ہے وہ قبر کا گڑھا بھی لامحالہ دیکھے گا اور اسی طرح عمارتیں بھی کیسی پختہ بناؤ وہ بھی ایک نہ ایک دن اُجاڑ ہوں گی پھریں گی وہ یہی معنی کُلُّ مَنْ عَلَیْہَا فَانٍ کے بھی ہیں ۱۲

دنیا عجیب مقام ہے فنا کا بازار گرم ہے۔ یہاں بڑے بڑے بادشاہوں کا کھوج نہیں ملتا۔ بڑی بڑی عالی شان عمارتوں کے بنانے والوں کا ڈھونڈھے پتہ نہیں ملتا۔ اسی نواح میں ہزار ہا روپیہ کی تیاری کے نفیس گنبد موجود ہیں معلوم نہیں ہوتا کہ کن کے ہیں تو بیچارہ نائی کس شمار قطار میں تھا۔ یہ بھی غنیمت ہے کہ اُس کا نام چلا جاتا ہے۔ زمانے نے ان کی بھی حجامت کردی۔ رہے نام اللہ کا۔ ؎

دنیا عجیب مرحلۂ بے ثبات ہے — ہر ایک ذی حیات کو آخر ممات ہے
یاں امن ایک لحظہ نہ دن ہے نہ رات ہے — جس کو فنا نہیں ہے وہی ایک ذات ہے

بیٹھی ہے موت تاک لگائے کمین میں
لے جائے گی یہ کھینچ کے آخر زمین میں

ایسا مکاں بناؤ کہ بن کر گرا نہ ہو — پیدا ہوا ہے کوئی بشر جو مرا نہ ہو
ہر کوئی حال جس میں تغیر ذرا نہ ہو — حادث نہ ہو تو مدخلِ چون و چرا نہ ہو

فانی ہر ایک چیز ہے فانی جہان ہے
مقصود اس فنا سے مگر امتحان ہے

بابر پور کا ڈِزرٹِڈ وِلیج[1]

حجام کی حویلی سے کوئی دو فرلانگ پر بابر پور نام کا ایک گاؤں ہے۔ رائے سینا میں بے حد و بے شمار سڑکیں نکالی گئی ہیں۔ غرض ایک سڑک اس موضع تک بھی ہے۔ گاؤں کے قریب پہونچ کر بڑی عالی شان اور پختہ حویلیاں نظر آتی ہیں معلوم ہوتا ہے کہ یہ کوئی چھوٹا سا شہر ہوگا جب تو اس میں ایسے پختہ اور خوش نما مکان ہیں مگر اندر جاؤ تو ویران سنسان آدمی کا نام نہیں۔ اسی واسطے ہم نے اسے ڈزرٹڈ ولیج یعنی اُجڑا ہوا گاؤں لکھا ہے۔ بابر پور کا نام بابر بادشاہ کی طرف خیال دوڑاتا ہے۔ اس خطہ کو کچھ نہ کچھ تعلق اُس زمانے سے رہا ہوگا۔ جب تو یہ نام پڑا۔ غرض ہے قدیم اور پرانی بستی۔ گو اب بہت ہی مختصر ہے۔ بستی میں گھستے ہی پہلے تو ایک عالی شان پختہ عمارت ملتی ہے جو چوپال کے نام سے مشہور ہے۔ ہرنبس سنگھ یہاں کے

---

[1] ایک انگریزی مشہور شاعر گولڈ اسمتھ نے اس نام کی ایک کتاب لکھی ہے جو بہت مشہور ہے۔ لغوی معنے اس کے وہ گاؤں ہے کہ جس کو لوگوں نے چھوڑ دیا ہو۔ ۱۲

زمیندار تھے جو عالی ہمت ہونے کے علاوہ خوش سلیقہ اور خوش مذاق بھی معلوم دیتے ہیں۔ یہ چوپال جو بطور ایک مہمان سرائے یا دھرم سالے کے ہے انھیں کی بنائی ہوئی ہے نیچے دوہرے دالان کا سہ درہ ہے جس کے بغل میں ایک ایک حجرہ ہے۔ دالانوں کی لمبان ۱۳ فٹ اور دونوں دالانوں کی چوڑان ۱۳ فٹ ہے چھت قلمدان نما لداؤ کی ہے۔ بالائی منزل پر بارہ سیڑھیاں چڑھ کر جاتے ہیں اوپر بھی اسی قسم کا مکان ہے جیسے کہ نیچے ہے اور دو منزلہ کی چھت پر چڑھنے کی بارہ سیڑھیاں اور ہیں۔ پہلی منزل کی بلندی (۱۱ فٹ) ہے۔ اور دو منزلہ ملالیں تو ۲۲ فٹ۔ ہے عمارت خوش نما اور چونے گچی کی پختہ بنی ہوئی ہے اور درست حالت میں ہے۔

ہربنس سنگھ کی کچہری و حویلی اس چوپال سے لگا ہوا کچہری کا عالی شان مکان ہے جس کا صدر دروازہ شمال رویہ ۹-۹ فٹ اونچا۔ ۷ ۱/۲ چوڑا اور گیارہ فیٹ گہرا ہے جس میں دو طرفہ ایک ایک درہ بنا ہوا ہے۔ چھت قلمدان نما لداؤ کی ہے۔ چوک میں پختہ اور وسیع کمرے بنے ہوئے ہیں۔ احاطہ پختہ ۱۰۵×۷۰ فٹ ہے۔ اب اس میں مالی لوگ رہتے ہیں اور یہی زراعت کرتے ہیں وہ بھی صرف دو بھائی ہیں اور اُن کے بال بچے اور ایک مسلمان کا گھر ہے۔ الٰہ اللہ خیر صلاۃ۔ اسی کے سامنے ہربنس سنگھ کی بڑی عالی شان اور وسیع سر بفلک حویلی کھڑی ہے جس میں آدمی کا نام نہیں۔

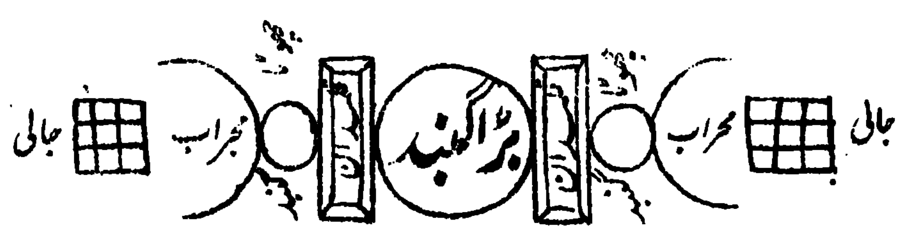
جگتا کی حویلی اسی کے پاس ہربنس سنگھ کے بھتیجے جگتا کی حویلی ہے وہ بھی کچھ کم نہیں اور اسی طرح سارے مکان خالی پڑے بھائیں بھائیں کر رہے ہیں اور گاؤں کو دیکھ کر ڈر معلوم ہوتا ہے۔ ایک ہُو کا عالم ہے۔ مالی کھیتی باڑی کو چلے جاتے ہیں تو اور بھی بھیانک ہو جاتا ہے۔

دو گنبد گاؤں سے لگے ہوئے کوئی پچاس قدم کے فاصلے سے شمال کی طرف کھیتوں میں ایک ہشت پہل گنبد ہے جو اندر سے ۱۲ فٹ مربع ہے۔ چار طرف دروازے ۶ فٹ اونچے ۴ فٹ چوڑے ہیں کلس۔ قبر۔ فرش سب ندارد۔ چوطرف گھانس اور کانٹی نے ایسا اپنا عمل دخل کیا ہے کہ وہاں تک پہنچنا ہی مشکل ہے۔ اس گنبد کے پاس ہی بجانب غرب ایک اور بڑا بھاری گنبد تھا جو گر پڑا مگر اس کے بڑے بڑے بھاری ڈھیم جو وہیں پڑے ہوئے ہیں اس کی عظمت اور شان کو بتلا رہے ہیں۔ اس کا چبوترا ۲۴ فٹ مربع اپنی

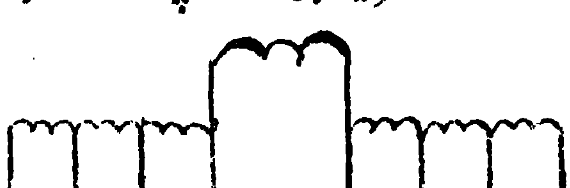
چھانی پیران ڈھیموں کا بوجھ دھرے اب بھی موجود ہے۔ دونوں گنبدوں کا کچھ پتہ نہیں کہ کس کے تھے۔

جھالرا باغ گاؤں کے پچھواڑے سے مشرق کی طرف کوئی پانسو قدم پر کھیتوں میں اس نام کا ایک باغ تھا جس کے پختہ چبوترے۔ نالیاں۔ کنوئیں اور کچھ درخت اب بھی موجود ہیں۔

مسجد نمبر ۳۴۴/۱۔ اسی میں ایک عالی شان اور نہایت ہی خوش نما سرتاپا سنگ سرخ کی بہت مستحکم اور خوش قطع بنی ہوئی ایک مسجد ہے جو دیکھنے کے قابل ہے۔ بیچ کا گنبد بڑا ادھر ادھر کے دو چھوٹے۔ کلس باقی نہیں۔ مسجد دہرے دالانوں کی ہے۔ طول ۵۸ فٹ اور دونوں دالان ملا کر ۲۸ فٹ عرض۔ یہ مسجد ہفت دری ہے۔ اندر کے دالان کے بیچ کی محراب ۱۰ فٹ اونچی اور ۸ فٹ ۔ ۶ انچ چوڑی ہے اور باہر کے دالان کی بیچ کی محراب کی اونچائی ۱۲ فٹ ۱/۲۔ دو طرفہ تیرہ تیرہ سیڑھیوں کا زینہ ہے۔ مسجد کا ارتفاع ۳۰ فٹ ہے۔ سامنے چبوترا جس پر لکھوری اینٹ کا فرش ہے ۵۴ × ۲۹ فٹ ہے اور اندر دالانوں میں بھی اینٹ ہی کا فرش ہے۔ اجارے تک سنگ سرخ اور سنگ باسی لگا ہوا ہے اس کے اوپر اینٹ پتھر اور چونے کی عمارت ہے۔ اندر کے دالان کی چھت لداؤ کی ہے بیچ میں گول گنبد اور پھر قلمدان نما لمبوتری چھت پھر چھوٹی گنبد نما چھت پھر محراب پھر جالی ہے۔ نقشہ یہ ہے:-



اس کے سامنے بنگڑی دار محرابیں جن کے در چوکون اینٹ پتھر کے تھم ہیں۔



محرابوں کے سامنے پھر دوسرا دالان جس کی چھت میں سنگ سرخ کی سلیں پٹی ہوئی ہیں۔ اور ادھر ادھر مینار نما برجیاں ہیں۔ ایسی تو نفیس مسجد اندر کے دالان میں لکا ناپکا پکا کر دالان اور

وبالکل سیاہ کرکے تباہ کردیا ہے۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ۔

بابر پور سے قطب روڈ تک کی عمارتیں

ایک عالی شان نامعلوم مسجد اور پل

یہ مسجد گو کہ اب جنگل اور ایسی جھاڑی میں کھڑی ہے کہ وہاں تک پہنچنا بھی متعذر ہے لیکن ع شوق در ہر دل کہ باشد رہبرے در کار نیست۔ کُتّا ماتھا اس اس طرح لپٹتی اور گوکھر دا ایسی خبر لیتے ہیں کہ پیچھا چھوڑانا مشکل ہو جاتا ہے۔ یہ کوئی معمولی مسجد نہیں بلکہ بڑی عالیشان خوش نما پختہ بنی ہوئی ہے۔ بابر پور سے سیدھی سڑک ہم نے پکڑی جو قطب روڈ کو جاملتی ہے اُس پر بائیں ہاتھ کی طرف یہ مسجد ہے۔ پہلے ایک پُل ملتا ہے جو اس مسجد کے مشرق میں ہے کچھ سمجھ میں نہیں آتا کہ یہ ڈاٹ کا پل کیسا ہے اور پر روڈ ڈیم بنا ہوا ہے۔ یہ سارا پل سنگ خارا کا ہے اس کا ایک دروازہ بھی تھا جس کا صرف ایک اونچا سا پاکھا رہ گیا ہے کبھی یہاں کوئی سڑک ہوئی اور نشیب تو یہاں ہے ہی برسات میں پانی جمع ہوتا ہوگا۔ اُس کا یہ پل ہے مسجد پتھر اینٹ چونے کی ہے سنگ خارا اور سنگ سرخ دونوں اپنے موقع سے لگائے گئے ہیں یہ مسجد دو منزلہ تھی زینہ گر گیا۔ اوپر کی منزل بالکل باقی نہیں رہی یہ مسجد طول و عرض میں ۴۷×۱۲ ف اور بغلی میں دو طرفہ ایک ایک حجرہ ۱۲×۱۰ ف ہے۔ تین در ہیں بیچ والا بڑا اِدھر اُدھر کے بالنسبت چھوٹے ۱۲½ ف اونچان اور ۷½ ف چوڑان ہے۔ اندر رنگ کا کام تھا جو سب جھڑ جھڑا گیا۔ اس مسجد میں زیادہ تر کام گچ میں ہی کیا گیا ہے۔ ندرت جو اس مسجد میں ہے وہ یہ ہے کہ گنبدوں کے جوف میں بے نظیر کنول کے پھول بنائے ہیں اور اتنا بڑا پھول بنایا ہے کہ اندرونی حصے گنبد کو سارا گھیر لیا ہے۔ اتنا بڑا پھول اور ایسا خوش نما بنانا کہ بھدا نہ ہو بڑی کاریگری ہے اسی طرح محراب کے مجوف حصے میں بھی بے نظیر گلکاری کی ہے۔ افسوس ہے کہ بڑا حصہ پلاستر کا جھڑ گیا چور ہ گیا ہے اس کے دیکھنے سے بھی دل پھڑک جاتا ہے۔ سامنے پختہ چبوترا طول و عرض ۴۸×۲۱ ف اور چھ فیٹ اونچا ہے جس کی بندش سنگ سرخ کی تھی مگر گر گئی۔ گرد کارنس اور چوڑا چھجہ تھا وہ بھی گر گیا مسجد کے شمال جنوب میں ایک ایک وسیع دالان تھا۔ ان کی بھی چھت نہ رہی۔ شمال کے دالان کے تین در تھے اور جنوب کے دو۔ ان دالانوں کا طول عرض ۳۱×۱۳ ف ہے۔ یہ مسجد گو

اتنی بڑی ہے مگر نفاست اور نزاکت کا کوئی دقیقہ اٹھا نہیں رکھا گیا۔ جتنا اس کے بنانے میں تکلف کیا گیا تھا اب اتنی ہی اس کی مٹی پلید ہوئی ہے۔ اس کی دیواروں کی گلکاری دیکھیے کہ ایک باغ کھلا ہے اس کا پلاستر ایسا کہ نظر پھسلتی ہے اس کا فرش ایسا سطح پختہ کہ جس پر دیدہ فرش راہ ہو اور صَرحٌ مُمَرَّدٌ مِن قَوَارِیرَ[۹۱] کا گمان ہو آج اس پر گوبر کے اُپلے پاتھ کر تھوپے جاتے ہیں نعوذ باللہ مِن شُرُورِ اَنفُسِنَا وَمِن سَیِّئَاتِ اَعمَالِنَا[۹۲]

ڈھائی محرابیں

اس مسجد کے شمال مشرق کے کونے پر سڑک سے ذرا ہٹا ہوا ایک کھنڈر ہے جس کی اونچی اونچی دو محرابیں کھڑی ہیں اور ایک محراب کا صرف نصف حصہ اور ایک پاکھا کھڑا ہے۔ باقی ندارد۔ معلوم ہوتا ہے کہ کوئی بڑا مکان یا محل تھا جو کھود کھدا گیا تھوڑا سا حصہ اپنی حالت پر خدا جانے کیوں چھوڑ دیا ہے یہ بھی کوئی دن کی ہوا کھاتا ہے۔

صفدر جنگ کا مقبرہ ۱۱۶۷ھ ۱۷۵۳ء

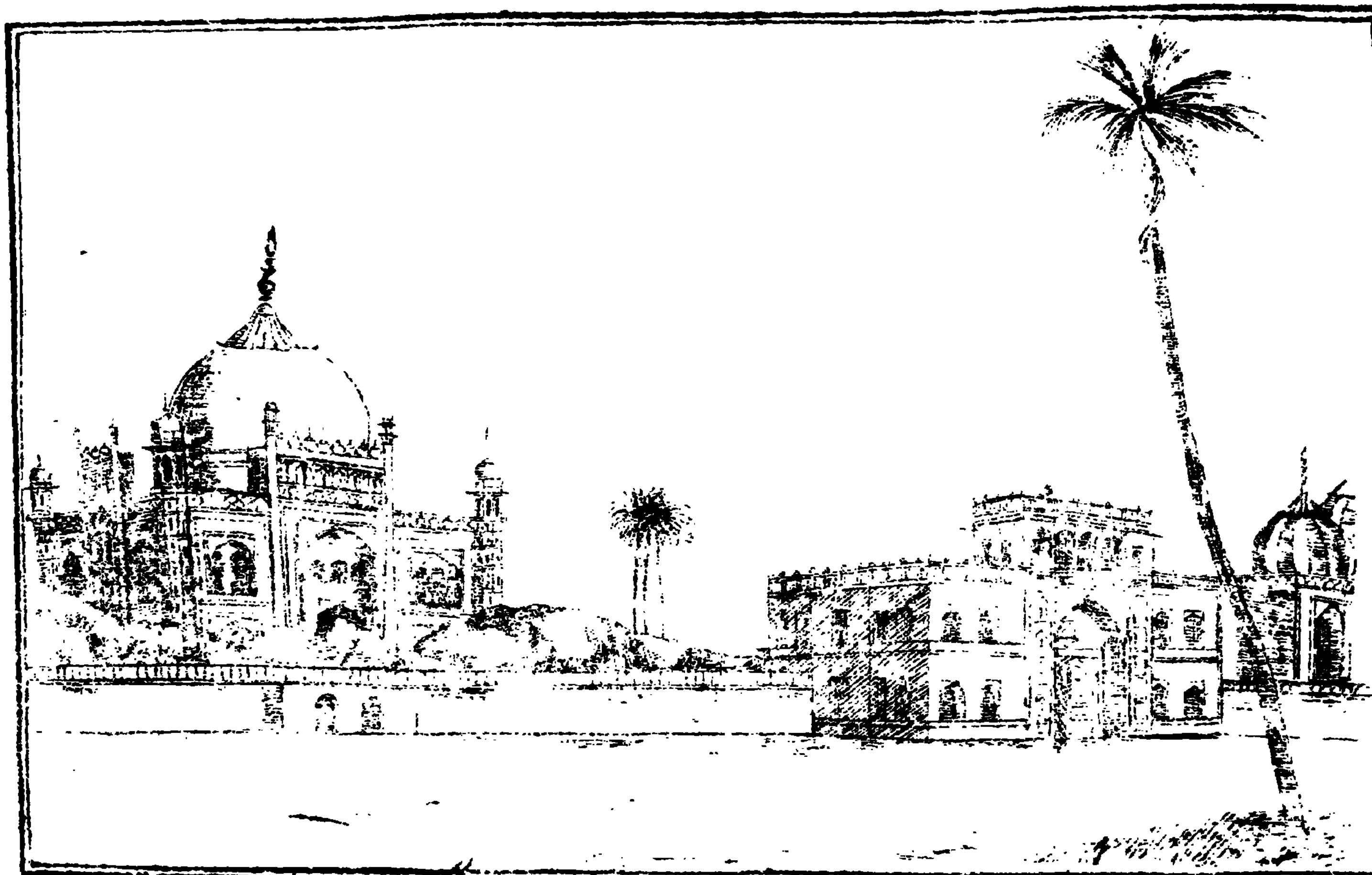
اک آن میں طوبیٰ کے تلے جاتے ہیں — دل سے دنیا کے ولولے جاتے ہیں
بند آنکھ کئے لوگ چلے جاتے ہیں — ہر راہ بہشت کتنی ہموار انیس

ابو المنصور صفدر جنگ سعادت علی خاں صوبہ دار اودھ کا برادر زادہ اور اُن کا قائم مقام تھا۔ یہ ایرانی نژاد تھا اور اپنے چچا کی طلبی پر ہندوستان میں آیا اور چچا ہی کی بیٹی سے اس کی شادی ہوئی۔ نادر شاہ کی غارت گری کے بعد جب ہندوستان میں پھر امن چین ہوا تو دربار دہلی میں صفدر جنگ کا طوطی بولنے لگا۔ نظام الملک نے جب احمد شاہ بادشاہ کی وزارت سے معافی چاہی تو منصور خاں کو قلم دان وزارت اور خطاب صفدر جنگ سے سرفرازی ہوئی۔ صفدر جنگ ایک معمولی قابلیت کا آدمی تھا لیکن مشیران شاہی کی چرب زبانی نے اس کو کہاں سے کہاں پہنچا دیا۔ غازی الدین پسر نظام الملک البتہ ایک ذی ہوش صاحب ہمت وجیہ اُس کی ٹکر کا آدمی تھا اور صفدر جنگ اس کے مقابلے میں ہر طرح ہیٹا تھا۔ صفدر جنگ کو لوگوں نے کچھ ایسا جھمیلے میں ڈالا کہ اس کو وزارت کے عہدۂ عظمیٰ سے دست کش ہی ہونا پڑا اور وہ جب تک زندہ رہا سازشوں کا

---

۹۱ یہ تو شیش محل ہے جس کے فرش میں بھی شیشے ہی جڑے ہوئے ہیں ۔ ۱۲

۹۲ ہم اپنے نفس کی شرارتوں اور اپنے اعمال کی بدیوں سے خدا کی پناہ مانگتے ہیں ۔ ۱۲



نقشہ مقبرہ منصور عرف صفدر جنگ

مقبرہ ۲۶

شکار رہا اور آخرکار ۱۱۶۷ھ ۱۷۵۴ء میں انتقال کیا اور اُس مقبرے میں جو قطب صاحب کی سڑک پر دہلی سے چھ میل ہر مدفون ہوا۔ یہ مقبرہ بالکل ہمایوں کے مقبرے کی طرز کا ہر اور خیال کیا جاتا ہر کہ اُس کے بانی کا عندیہ بھی ہمایوں کے مقبرے کا جواب بنانے ہی کا تھا۔ یہ مقبرہ ایک بہت وسیع باغ کے بیچ میں ایک بلند چبوترے پر جس کے نیچے محراب دار کوٹھریاں ہیں بنا ہوا ہر۔ گنبد سنگ مرمر کا ہر جس کے چاروں کونوں پر چار برجیاں ہیں۔ لیکن یہ مقبرہ شان و شوکت اور دل آویزی میں ہمایوں کے مقبرے سے ہر حال میں گھٹا ہوا ہر۔ اور اس میں اُس میں وہی فرق ہر جو ایک بادشاہ اور وزیر میں ہونا چاہیئے۔ بقول مسٹر کین کے "یہ مغلوں کی فن عمارت کی آخری بڑی کوشش ہر"۔ باغ متعلق یہ مقبرہ تین سو مربع گز ہر۔ صدر دروازہ باغ کے مشرق میں ہر جس میں خدام مقبرے کے رہنے کے حجرے بنے ہوئے ہیں۔ احاطے کی تین طرف کی دیواروں کے بیچ میں وسیع دالان بنے ہوئے ہیں جن میں آکر لوگ ٹھیرا کرتے ہیں۔ باغ کے چاروں کونوں پر ہشت پہلو برج بنے ہوئے ہیں جن کا ایک رخ چھوڑ کر تینوں جانب سنگ سرخ کی مشبک جالیاں لگی ہوئی ہیں۔ صدر دروازے کے پیچھے شمال کی طرف تین گنبدوں کی عالی شان مسجد از سرتاپا سنگ سرخ کی بنی ہوئی ہر۔ مقبرے کا بڑا چبوترہ ۹ فٹ ۷ مربع اور سطح باغ سے ۱۴ ½ فٹ اونچا ہر۔ سیڑھیاں (۱۴) اطراف سنگ سرخ کا جالی دار کٹہرا ۳ فٹ ۹ اونچا اصل مقبرے کے چھوٹے چبوترے کی کرسی ۳ فٹ کی ہر۔ اس مقبرے کے چبوترے کے نیچے تہ خانہ کے اندر بیچ میں صفدر جنگ کی اصلی قبر ہر۔ مقبرہ کی عمارت ساٹھ فیٹ مربع اور نوے فیٹ اونچی ہر جس کے بیچ کے بیس فٹی مربع کمرے میں ایک نہایت خوب صورت سنگ مرمر کے تعویذ کی قبر ہر۔ تعویذ کا پتھر بہت شفاف مجلّی اور نقش و نگار سے آراستہ ہر۔ اس بیچ کے کمرے کے گرد اور آٹھ کمرے ہیں جن میں سے چار مربع ہیں اور چار ہشت پہل۔ گنبد کے اندر کا فرش اور دیواریں اجارے تک سنگ مرمر کی ہیں۔ بیچ کے کمرے پر جو گنبد ہر وہ اندر وار سے چالیس فیٹ بلند ہر جس طرح اول منزل میں کمرے ہیں اسی کے جواب میں اوپر کی منزل میں بھی کمرے ہیں۔
۱۳۹ گنبد کو ٹھی دار سنگ مرمر کا ہر جس کے کونوں پر سنگ مرمر کی مینار یں ہیں۔ گنبد کے چاروں رخ ایک ہی وضع اور ایک ہی قسم کی آرائش کے ہیں جن میں سنگ مرمر کی پٹیاں پڑی ہوئی ہیں۔ گنبد کے سامنے ایک پختہ سنگ بست نہر اب بھی موجود ہر جس کے فوارے

ٹوٹ گئے ہیں اور پانی ندارد ہے۔ یہ مقبرہ شجاع الدولہ نائب السلطنت اودھ نے اپنے باپ صفدر جنگ کے لیئے زیر اہتمام سدی بلال محمد خاں تین لاکھ روپے کے صرفے سے بنوایا تھا مشرقی جانب نے گنبد کی پیشانی پر یہ کتبہ ہے۔

یا اللہ

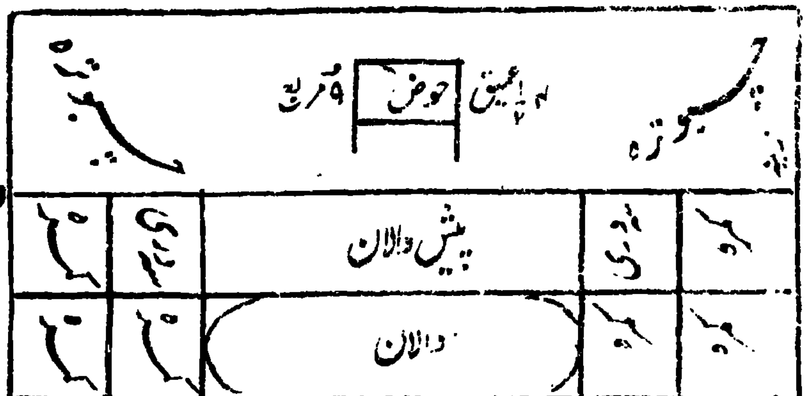
چو آں صفدر بعرصہ مردمی | زدار فنا گشت رحلت گزیں
چنیں سال تاریخ او شد رقم | کہ بادا مقیمش بہشت بریں

اس مقبرے کے چاروں طرف چار دروازے ۹ فٹ اونچے اور چھ فیٹ چوڑے ہیں۔ اندر کے دروازوں میں کواڑوں کی جوڑیاں جڑی ہوئی تھیں چنانچہ چولوں کے سوراخ اب تک باقی ہیں مگر کواڑ ندارد۔ لمبے کمرے ۲۷ فٹ ۵ انچ × ۵ فٹ ۲ انچ۔ چھوٹے کمرے ۵ فٹ ۳ انچ مربع۔ باہر کی محراب کے سامنے کا چبوترا ۲۰ فٹ ۸ انچ ہے۔ جس حجرے میں قبر ہے وہ ۲۷ فٹ مربع ہے اور فرش سنگ مرمر کا ہے۔ قبر کا چبوترا ۸ فٹ ۷ انچ مربع ہے۔ قبر کا تعویذ نہایت شفاف سنگ مرمر کا ہے۔ قبر ۶ فٹ ۱ انچ × ۲ فٹ ۹ انچ اور ۲ فٹ ۵ انچ اونچی ہے۔ صرف مشرق کی طرف دہلیز میں ایک سل سنگ مرمر کی ۸ فٹ ۷ انچ × ۱ فٹ ۵ انچ ایسی ہے جس میں رنگین پھول پتیوں کا عمدہ کام پچیکاری کا کیا ہوا ہے اور کسی طرف فرش میں نقش و نگار نہیں ہیں۔ مقبرے کے گرد کے چھوٹے بڑے کمروں کی چھتیں لداؤ کی ہیں مگر چھتوں کے اندر بہت نفیس گلکاری کا ابھرا ہوا کام کیا ہے۔ جو دیکھنے کے قابل ہے۔ قبر والے حجرے میں جو سب سے بڑا اور درمیانی ہے چاروں طرف چار خوش نما نشیمن ہیں۔ اب اوپر کی سیر کیجئے پہلی منزل تک پہنچنے کے لیئے (۲۵) سیڑھیاں ہیں اور دوسری منزل کی (۲۰)۔ درمیانی منزل کے چو طرف زینے ہیں اور دوسری میں صرف ایک جانب۔ گنبد کو دوہرا سمجھیئے اور چھت پر بھی ایک نہایت خوش نما برج بنا ہوا ہے اور اسی کا وہ قبہ ہے جو دور سے سفید سفید نظر آتا ہے۔ اس برج کے چار دروازے ۷ فٹ ۸ انچ اونچے۔ ۳ فٹ ۱۰ انچ چوڑے ہیں۔ اس طرح چار دروازے اور چار دیوار دوز محرابیں جملہ (۸) ہوئیں۔ برج میں تین سیڑھیاں چڑھ کر داخل ہوتے ہیں۔ ۲۹ فٹ قطر ہے۔ ہر مثمن ضلع ۸ فٹ ۱۰ انچ ہے۔ گنبد کی بیرونی بندش سنگ مرمر کی سلوں کی ہے جن کی کلاسی اس خوب صورتی اور نفاست سے ملائی ہے کہ دور سے ایک سفید انڈا معلوم دیتا ہے مگر اب کئی سلیں نکل گئیں اُن کی بجائے سنگ خارا کی سلیں لگا کر تھوپا تھاپی

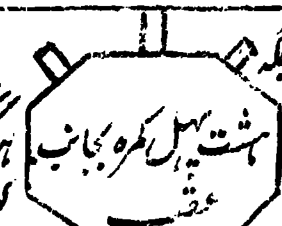
کردی ہے یعنی کمخواب میں گاڑھے کا پیوند لگایا ہے جو کھٹکتا ہے مگر اب تو یہ پیوند بھی لِلبا غنیمت ہے اگر وہ ہوتا تو گنبد بیٹھ ہی جاتا۔ یہ گنبد کوٹھی دار اور پھیلا ہوا ہے مگر بھدّا ہے۔ وہ سڈول پنا اور نزاکت جو ہمایوں کے مقبرے کے گنبد میں ہے اس میں نہیں۔ چھت کے چاروں کونوں پر ایک ایک ہشت دری برجی سنگ سرخ کی ہے جس کی چار سیڑھیاں ہیں۔ ان برجیوں پر سنگ مرمر کا کلس ہے۔ سرخی میں سفیدی عجب لطف دیتی ہے۔ برجیوں کا قطر ۹ فٹ ½ جن کا ہر در ۲ فٹ ۵ انچ اونچا اور ۲ فٹ ۱ انچ چوڑا ہے۔ باہر ۲ فٹ ۳ انچ کا حاشیہ اُس کے آگے ۱ فٹ ۵ انچ اونچا سنگ سرخ کا جالی دار کٹہرا۔ دروازوں پر بڑی خوب صورت ہشت دری چار سیڑھی اونچی دو طرف ہے جس کے (۹) طاق نما در آگے اور (۹) پیچھے۔ بیچ میں ۳ فٹ ۸ انچ کا فصل۔ اُن دروں کی اونچائی ۴ فٹ ۱۰ انچ اور چوڑان ۲ فٹ ۱۱ انچ اور محرابیں کنگری دار۔ جس منڈیر پر یہ در بنے ہوئے ہیں وہ ۲ فٹ ½ اونچی ہے۔ ان دروں پر کنول کے پھول کے اوپر نو چھوٹی چھوٹی برجیاں مع کلس سنگ مرمر کی ہیں جیسے لالٹینوں کے ہنڈے اسی قسم کی برجیاں قلعہ اور جامع مسجد کے دروازوں پر بھی ہیں۔ سامنے چبوترا ۳ فٹ ۱۰ انچ × ۷ فٹ ۱۰ انچ ہے جو ۷ فٹ ۸ انچ اونچا ہے۔ اوپر کی منزل مع جالی دار کٹہرے کے ۲۷ فٹ بلند اور نیچے کی منزل بھی اسی کے برابر۔ اب نیچے آیئے تو تہ خانہ ہے جو اسی بلند چبوترے کے نیچے بنا ہوا ہے۔ چاروں طرف سترہ سترہ در ہیں۔ بائیں طرف سے گیارہویں در میں چبوترے پر چڑھنے کی سیڑھیاں ہیں۔ چودھویں اور پندرھویں در کے بیچ میں کنواں ہے۔ سامنے گرد ہر طرف بجری کا چبوترا ۹۷ فٹ × ۱۶ فٹ ۱ انچ کا ہے۔ ساتویں در میں تہ خانہ کا رستہ ہے جس کے حجرے میں یکے بعد دیگرے چھ دروازے طے کرکے پہنچتے ہیں۔ یہ حجرہ جس میں اصلی قبریں ہیں ۲۲ فٹ ½ مربع ہے۔ اس میں دو کچی قبریں ہیں مگر اوپر ایک ہی ہے۔ مقبرے کے چاروں طرف صحن باغ میں ۲۶۲ فٹ ۶ انچ لمبے۔ ۱۳ فٹ ۳ انچ چوڑے۔ ۵ فٹ ۳ انچ گہرے حوض ہیں جن کی تہ کچی ہے اور بیچ میں کئی فوارے لگے ہوئے ہیں۔

تین طرف تین سہ دریاں ہیں جو بجائے خود عمدہ اور قابل دید عمارتیں ہیں۔ جنوب کی سہ دری موتی محل شمال کی بادشاہ پسند مغرب کی جنگلی محل اس وجہ سے کہلاتی ہے کہ اُس طرف کالا پہاڑ ہے۔ اور مشرق میں صدر دروازہ ہے۔ صحن باغ کے چاروں کونوں پر چار مثمن برج ہیں وہ ساون بھادوں کہلاتے ہیں اُن میں ہر طرف سنگ سرخ کی جالیاں ایسی باریک اور نازک لگائی ہیں کہ اُن کی تراش بجائے خود حیرت انگیز ہے۔ وہاں

سے دیکھو تو اُن جالیوں میں سے آسمان پار کی جھلملاہٹ نظر آتی ہے اور اسی واسطے ساون
بھادوں کہلاتے ہیں۔ ان برجوں کا قطر ۱۵ فٹ ۴ انچ ہے ضلع ۷ فٹ لمبا۔ گرد ۲ ۱/۲ فٹ جگہ چھوڑ کر ۱ فٹ
اونچا جالی دار کٹہرا اور ہر در میں جالیاں۔ احاطہ کی دیوار پختہ ۱۱ ۱/۲ اونچی ہے جس میں
۱۰ ۱/۲ × ۸ فٹ ۵ انچ طول و عرض کے طاق ہیں۔ یہ دیوار فصیل نما کنگورہ ۴ فٹ ۹ انچ اونچا ہے۔ اوپر
چڑھنے کا زینہ گچ کا (۱۹) سیڑھیوں کا ہے چار سیڑھیاں چڑھ کر ایک چبوترا ۷ فٹ ۱۳۲ × ۱۹ ۱/۲ فٹ ۴
اونچا ہے جس پر سہ دری بنی ہوئی ہے۔ نقشہ نظری یہ ہے:۔



ہر ایک رُخ پر (۱۵) طاق سولہویں طاق کی جگہ قلمدان نما چھت کی کوٹھڑی پھر
(۱۵) طاق اس کے آگے سہ دری اور پھر ہر کونے پر چھوٹی سہ دریاں۔ اب شمالی
بڑی سہ دری کا حال سنیے جو بادشاہ پسند کہلاتی ہے اور اسی طرح کی دوسری سہ دریاں بھی



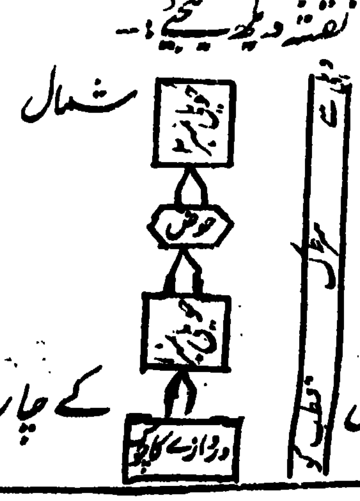
سہ دری کے باہر کے در دُہرے گچ کے بنے ہوئے فیل پایہ ہیں ۱۳ فٹ × ۷ اور
محرابیں بنگڑی دار ہیں۔ دونوں دالان ۲۷ فٹ ۹ انچ لمبے اور ۱۳ ۱/۲ فٹ چوڑے ہیں۔ دالان کی بغلی
سہ دریوں کے در ۴ فٹ چوڑے ہیں۔ پانچ سیڑھیاں چڑھ کر ہشت پہل کمرے میں
پہنچتے ہیں جو سہ دری کی پچھیت کی طرف بطور ایک بالانشین کے بنا ہوا ہے۔ اس کا قطر
۱۶ فٹ ۳ انچ ہے اور سنگ سرخ کی نہایت نفیس جالیاں لگی ہوئی ہیں جن سے چاروں طرف
کی سیر دکھلائی دیتی ہے یعنی اس کمرے میں برج کا لطف ملتا ہے بغلی سہ دریاں ۱۳ فٹ ۱۰ انچ × ۶ فٹ ۴ انچ
ہیں اور کمرے ۱۳ ۱/۲ فٹ مربع۔ چھت لداوی ہے۔ عمارت کی کل بلندی ۲۷ فٹ اگر د چوڑا چھجہ۔ اوپر جانے
کے زینے کے پاس جو کمرہ ہے وہ ۱۳ فٹ ۹ انچ × ۹ ۳/۴ فٹ ہے اور اسی میں (۱۹) سیڑھیوں کا زینہ ہے
کونے میں کی سہ دریاں بہ نسبت وسطیں کی سہ دریوں کے چھوٹی ہیں۔ بیچ میں ایک
ہشت پہل کمرہ ۱۴ فٹ مربع ہے جس کا طول و عرض ۲۳ فٹ ۱/۲ × ۱۱ فٹ ۳ انچ ہے۔ در ۹ × ۶ ہیں۔ سہرے پر

ایک طرف زینہ دوسری طرف پاخانہ۔

شرقی رویہ دروازہ سہ منزلہ ہے۔ پہلی منزل کی (۲۳)۔ دوسری کی (۱۷)۔ تیسری کی (۱۶) سیڑھیاں ہیں۔ پہلی منزل کی چھت ۱۳ف ½۳ × ۱۷ طول و عرض میں ہے اور ارتفاع ۱۱ف ۴ا۔ گرد سنگ سرخ کا کٹہرا ۳ف ۔ ۱ا اونچا جالی دار ہے۔ دوسری منزل کا صحن قریب ۸۲ف کے مربع ہے۔ اس پر ایک چھوٹی مگر خوش نما سہ دری ۱۷ف × ۹ ہے جس کی محرابیں بنگڑی دار ہیں جس کے بغل میں دو کوٹھریاں ۸ف ۔ ۱۰ا × ۶ف ۔ ۳ا ہیں۔ سہ دری کے سامنے برآمدہ ۱۶ف ۔ ۸ا × ۵ف ہے جس کے آگے ایک جالی دار کٹہرا ایک فٹ اونچا ہے۔ بیچ میں سنگ مرمر کا کٹہرا ہے اور ادھر ادھر سنگ سرخ کا۔ یہ سہ دری گویا صدر دروازے کا نشیمن ہے۔ دروازے کی بلندی ۵۰ف کی ہے۔ تیسری یعنی سب سے نیچے کی منزل کی بلندی ۲۰ف ہے اور اسی میں دروازے پر دو طرفہ سہ دریاں ہیں اور چاروں طرف چار چار حجرے ہیں مگر یہ حجرے مختلف طول و عرض کے ہیں (۱) ۱۱ف مربع۔ (۲) ½۱۱ × ½۸ف۔ (۳ و ۴) بھی دوسری کے مماثل۔ یہ دونوں سہ دریاں ½۲۵ × ۱۲ف ہیں اور جن میں کوٹھریاں ہیں وہ ۱۱ف ۔ ۳ا × ۸ف اور انھیں میں سے ایک میں زینہ ہے۔ مشرق رخ کی سہ دری کی چھت کی دیوار میں ایک نشیمن بھی ہے۔ صدر دروازے کے ہر چہار طرف بلند محرابیں ہیں۔ شمال کی طرف دو بڑی حویلیاں ہیں جو خواص پورے کے نام سے مشہور ہیں ان کے بیچ میں ایک مثمن بنا ہوا حوض ہے جس پر اندروار بڑا بھاری گنبد ہے اوپر سپاٹ اور مسجد کا صحن ہے۔ ان حویلیوں میں سات سات در کے دالان مشرق و مغرب میں ہیں۔ شمال کا دالان دوگہا ہے جس کے تین در ہیں۔ بیچ میں وسیع مستطیل صحن ۲۶ف × ۱۳ کا ہے۔ آگے سنگ سرخ کا حوض بیچ میں فوارہ۔ حوض کے چاروں طرف تین تین در والے گنبد دار چھت کے دالان ہیں۔ حوض کا ہر ضلع ۱۱ف لمبا ہے۔ عمق ۴ف گنبد کی چھت میں بھی ایک سوراخ رکھا گیا ہے جو صحن مسجد میں نکلتا ہے اور اسی سوراخ میں سے مسجد کے لیئے اوپر پانی چڑھایا جاتا تھا اب اس پر ایک جالی دار سل ڈھکی ہوئی ہے۔ حوض کے چوطرف ۱۷ف ۔ ۹ا کی گیلری ہے۔ فرش سنگ خارا کی سلوں کا ہے۔ مسقف حوض کا شمالی دروازہ دوسری حویلی نمبر (۲) میں جانے کا رستہ ہے اور جنوبی حویلی نمبر (۱) میں یہ دروازے ۱۲ف × ۱۰ا ہیں اور اسی حویلی کا جنوبی دروازہ صدر دروازے میں پھوٹتا ہے۔ حویلی نمبر ۱ صدر دروازے سے ملی ہوئی ہے۔ ان حویلیوں کے دالانوں کی اونچان ۱۵ف ہے۔ حویلی نمبر (۱) میں مقبرے کا

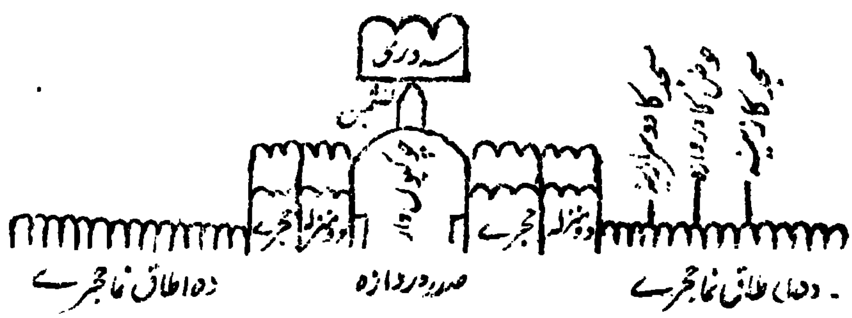
دربان رہتا ہے اور حویلی نمبر (۲) میں وہ بیل باندھے جاتے ہیں جو مقبرے کے باغ کے متعلق ہیں اور یہیں بھُس بھی بھرا ہوا ہے۔ حوض کے متذکرہ بالا دروازوں کے سوا ایک دروازہ مشرق رویہ سڑک کی طرف ہے۔ جس کو چوبی کواڑ لگے ہوئے ہیں۔ مشرق ہی کی طرف زنان خانے میں سے مسجد میں آنے کے سولھا سولھا سیڑھیوں کے دو زینے ہیں اور یہی زینے اوپر جا کر پھٹ جاتے ہیں ایک طرف زنان خانے میں نافذ ہیں اور دوسری طرف مردانے میں یعنی سڑک کی طرف نکل جاتا ہے۔ غرض یہ لداؤ کا حوض بالکل سنگ بست اور بڑا مضبوط ہے جو در اصل مسجد کا حوض ہے اور اس خوبی سے بنایا ہے کہ اوپر صحن مسجد اور نیچے حوض جو مسجد اور حویلی والوں دونوں کے کام آتا تھا۔ اب اوپر چل کر مسجد دیکھیے۔ جو بہت عالی شان اور وسیع نہایت پختہ سنگ سرخ کی آج کی بنی ہوئی معلوم دیتی ہے۔ صحن مسجد ۶۶ فٹ × ۷۰ ہے۔ چوکوں کا فرش ہے۔ تین نبگڑی دار دروں اور تین گنبدوں کی مسجد ہے کلس سنگ مرمر کے ہیں۔ دو برجیاں ادھر اُدھر مینار نما ہیں۔ جو شش دری ہیں اور بیچ محراب کے کی دو برجیاں چار دری ہیں۔ مسجد کا دالان ۲۴½ فٹ × ۱۴ فٹ ہے بغلی میں ایک ایک حجرہ ۱۲½ × ۵ فٹ - ۹ انچ۔ محرابوں کے روکار پر سنگ مرمر کی عمودی پٹیاں پڑی ہوئی ہیں۔ بیچ کی محراب ۱۱ فٹ - ۳ انچ چوڑی ہے اور مسجد کی بلندی چھت تک ۲۵ فٹ ہے۔ تین سیڑھیوں کا سنگ باسی کا منبر ہے۔ شمال کی طرف (۲۰) سیڑھیوں کا زینہ اوپر جانے کا ہے۔ شمال جنوب میں مسجد کے احاطے کی پختہ دیوار ۶ فٹ - ۴ انچ اونچی ہے اور مشرق کی طرف ۲ فٹ اونچی منڈیر ہے۔ نیچے حوض اوپر مسجد ہونے سے کرسی بہت اونچی دی گئی ہے اس وجہ سے اور زیادہ دل کشا ہو گئی ہے۔ اتنی بڑی اور ایسی خوبصورت مسجد اور کتبہ کوئی بھی نہیں غالباً کتبہ لگانے کی نوبت نہیں آئی۔

صدر دروازے کا ذرا سطحی نقشہ دیکھ لیجیے:-



یہ چوک ۲۸ فٹ - ۹ انچ مربع ہے جس کے چاروں طرف تین تین محرابیں

ایسی ہی ہیں جیسی کہ ہم نے شمال کی طرف بتلائی ہیں۔ مشرق کی طرف یعنی سڑک کے پاس دہلی سے آتے ہوئے داہنے ہاتھ کو مقبرے کا صدر دروازہ ہے جو مغرب کی جانب مقبرے کے صحن کے کمپونڈ میں کھلتا ہے۔ ہر سہ جانب ان تینوں محرابوں کا عمق ۲۲½ ہے۔ دروازے کی گہرائی میں، دو طرفہ صحنچیاں ہیں جن میں دو دو کوٹھریاں بھی رکھی ہیں۔ اس چوک پر بڑا بھاری گنبد ہے۔ اور اس کے چاروں طرف بھی سہ دریاں ہیں۔ دروازے کے پٹ بھی اسی زمانے کے کی پتیوں سے جڑے ہوئے بڑے مضبوط ہیں۔ دروازے کے باہر سڑک کے متوازی دو طرفہ ایک قطار حجروں کی ہے جس کے بیچ میں دروازہ ہے۔ اس طرح :-



دہلی سے (چھٹا میل) قطب

اس مقبرے کی تعمیر میں تین لاکھ روپیہ صرف ہوا ہے۔

موضع خیرپور کے حدود میں لودھیوں کے مقبرے

دنیا کا عجیب کارخانہ دیکھا — کس کس کا نہ یاں زمانہ دیکھا
برسوں رہا جن کے سر پہ چترِ زریں — تربت پہ نہ اُن کے شامیانہ دیکھا

مقبرۂ سلطان محمد شاہ ۸۴۹ھ ۱۴۴۵ء

صفدر جنگ کے مقبرے کے سامنے اُس سڑک کے کنارے جو اس مقبرے سے نظام الدین کو گئی ہے۔ اس سڑک کی بائیں جانب جو کئی اونچے اونچے گنبد نظر آتے ہیں یہی لودھیوں کے مقبرے کہلاتے ہیں اور یہ

اور زمین بھی موضع خیرپور کی ہے۔
موضع میرپور میں کل چار مقبرے ہیں جن کا بیان علیحدہ علیحدہ کیا جاتا ہے۔ پہلا گنبد جو ہمایوں صفدر جنگ روڈ میل (۱) فرلانگ (۳) پر داہنی طرف سڑک سے ملا ہوا ہے وہ بالکل صفدر جنگ کے مقبرے کے سامنے ہے۔ یہاں سے صفدر جنگ کا مقبرہ صرف پانچ فرلانگ رہ جاتا ہے۔ خاندان سادات کے تیسرے بادشاہ محمد شاہ کا ہے۔ یہ گنبد ہشت پہل ہے جس کا کلس ٹوٹ گیا ہے اس کا قطر اندر سے ۳۵ ہے۔ گنبد کی چھت میں اوپر وار سولہ طاق ہیں جن میں سے چار تو کھلے ہوئے ہیں اور باقی بند ہیں۔ ان سب طاقوں کے دو طرفہ اللہ اللہ لکھا ہوا ہے گنبد کی چھت پر سب سے اوپر کے چھوٹے دائرے میں جسے چندیا سمجھنا چاہیے گیروی زمین پر سفید حرفوں میں آیۃ الکرسی مع بِسۡمِ اللّٰہ فَمَنۡ یَّکۡفُرۡ بِالطَّاغُوۡتِ تک ہے۔ بڑے دائرے میں بِسۡمِ اللّٰہ۔ هُوَ اللّٰهُ الَّذِیۡ لَاۤ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ عَالِمُ الۡغَیۡبِ تا آخر سورۂ حشر۔ (پارہ ۲۸) پھر اللہ تعالیٰ کے ننانوے نام ختم پر اَلۡوَارِثُ الرَّشِیۡدُ الصَّبُوۡرُ لَیۡسَ کَمِثۡلِهٖ شَیۡءٌ وَّهُوَ السَّمِیۡعُ الۡبَصِیۡرُ غُفۡرَانَكَ رَبَّنَا وَاِلَیۡكَ الۡمَصِیۡرُ نِعۡمَ الۡمَوۡلٰی وَنِعۡمَ النَّصِیۡرُ مُحَمَّدٌ رَّسُوۡلُ اللّٰهِ وَرَسُوۡلُ الۡعَالَمِیۡنَ الصَّادِقُ الۡمُصَدِّقُ الۡاَمِیۡنُ۔
اس گنبد کے آٹھوں دروں میں سنگ سرخ کی جالیاں تھیں ان میں سے اب ایک بھی باقی نہیں رہی۔ سرکار کی طرف سے اب تار کی جالیاں لگادی گئی ہیں کہ کبوتر وغیرہ گھسیں اس گنبد کے اندر آٹھ قبریں ہیں جن کی اصلی حیثیت نہیں معلوم ہوسکتی کیونکہ از سر نو سب پر گچ گرادی گئی ہے۔ کسی قبر پر کوئی کتبہ نہیں ہے۔
اس مقبرے کی نسبت سرسید لکھتے ہیں کہ "منصور کے مقبرے کے سامنے ایک برج ہے بہت خوش نما۔ اس برج کی عمارت اور مبارک پور کوٹلے کے برج کی عمارت اور عیسیٰ خاں کے گنبد کی عمارت ایک ہی سی ہے اگرچہ نہیں معلوم ہوا کہ یہ برج کس کے وقت کے ہیں مگر اس میں کچھ شک نہیں کہ پٹھانوں کے وقت کی ہیں۔ کوئی امیر ہوں گے جن کے نام سے یہ گاؤں آباد ہوا اُن کا یا اُن کے لواحقوں کا یہ گنبد ہوگا۔ غرض کہ اس کی عمارت بھی بہت خوب اور نہایت عمدہ ہے"۔
ہشت پہل گنبدوں کا طرز کچھ ایسا مقبول عام ہوا ہے کہ اس طرز کے اکثر گنبد ہیں

۵ فرگسن صاحب نے جو قطر قریب پچاس فیٹ کے لکھا ہے وہ غالباً غلام گردش ملا کر ہے۔ ۱۲



نقشہ مقبرۂ خیرپور


مقبرہ محمد شاہ لودھی

صوصاً لودھیوں کے۔ ان کی بنا کردہ عمارات میں ایک خصوصیت یہ ہے کہ گو آیات قرآن مجید کثرت سے منقوش ہیں مگر اپنے نام کا کتبہ کسی نے بھی نہیں لگایا اور اسی سبب سے یقینی طور پر نہیں کہا جا سکتا کہ کون سا برج کس کا ہے مگر ہیں سب لودھی خاندان ہی کے۔

ہمارے خیال میں سرسید مرحوم کو مغالطہ ہوا ہے کہ اس گنبد کو نامعلوم لکھا ہے۔ دراصل یہ گنبد خاندان سادات کے تیسرے بادشاہ محمد شاہ کا ہے۔ کیوں کہ موضع خیر پور میں سب ملا کر چار ہی گنبد ہیں پہلا یہ ہے۔ دوسرا وہ ہے جس کے ساتھ وہ بے نظیر مسجد لگی ہوئی ہے جس کا بہت بڑا گنبد دار دروازہ ہے اور تیسرا موضع خیر پور کے شمالی کنارے پر وہ ہے جس پر کار کاشی کی نیلی سلیں لگی ہوئی ہیں البتہ اس کا پتہ نہیں چلتا کہ کس کا ہے اور اس سے آگے چار سو گز کے فصل سے بہت بڑے احاطے کے اندر چوتھا مقبرہ سکندر بہلول لودھی کا ہے۔ سرسید کا بنایا ہوا نقشہ جس کو وہ نامعلوم گنبد قرار دیتے ہیں آثار الصنادید سے نقل کروایا گیا ہے اور دوسرا نقشہ محمد شاہ بادشاہ کے گنبد کا گارڈن رنبلی ہرن صاحب کی کتاب "سون سینیر آف دہلی" سے ہے۔ دونوں کو ناظرین بالمقابلہ ملاحظہ فرمالیں ہیں دونوں ایک جس سے یقینی طور پر ثابت ہو گیا کہ جس گنبد کا پتہ سرسید کو نہیں لگا وہ دراصل محمد شاہ کا ہے علاوہ اس کے ایک دلیل اور ہماری اس رائے کی تصویب کی یہ بھی ہے کہ سرسید نے محمد شاہ کے مقبرے کا کہیں ذکر ہی نہیں کیا۔ ورنہ اس ٹیلوں والے مقبرے کا ذکر کیا جو بہت عالی شان اور بڑی مسجد کے قریب میں ہے سلطان بہلول لودھی کا مقبرہ حدود روشن چراغ دہلی میں ہے اس کا بیان اپنے موقع مناسب پر کیا گیا ہے۔

محمد شاہ پنجم ابن فرید خاں بن خضر خاں ۹۔ رجب ۸۳۷ھ/۱۴۳۴ء سے ۸۴۹ھ/۱۴۴۵ء تک حکمراں رہا۔ سادات کا تیسرا بادشاہ تھا جس کا مقبرہ سواد موضع خیر پور میں منصور کے مقبرے کے سامنے اپنے چچا اور سابق بادشاہ سلطان معزالدین ابوالفتح بن خضر خاں کے مقبرے سے تھوڑی دور ہے کچھ عرصے تک محمد شاہ نے بہلول خاں لودھی گورنر دیپال پور[۱] کے حملوں کی خوب مقاومت کی۔ لیکن

[۱] دیپال پور منٹگمری کے ضلع میں بیاس کے پرانے شکم پر پاک پٹن سے (۲۸) میل مشرق کی طرف واقع ہے۔ اوکاڑہ کے ریلوے اسٹیشن سے (۱۷) میل جنوب میں ہے۔ جنرل کننگھم کی تحقیقات کے بموجب اس کو راجہ دیو پال نے آباد کیا تھا مگر یہ معلوم نہیں کہ یہ راجہ کون سے زمانے میں تھا۔ کننگھم صاحب کہتے ہیں کہ بطلیموس نے جو ڈیڈالہ شہر لکھا ہے وہ دیپال پور تھا۔ فیروز شاہ تغلق یہاں ایک نہر کاٹ کر لایا تھا اور اس نے ایک جامع مسجد بھی تعمیر کی تھی۔

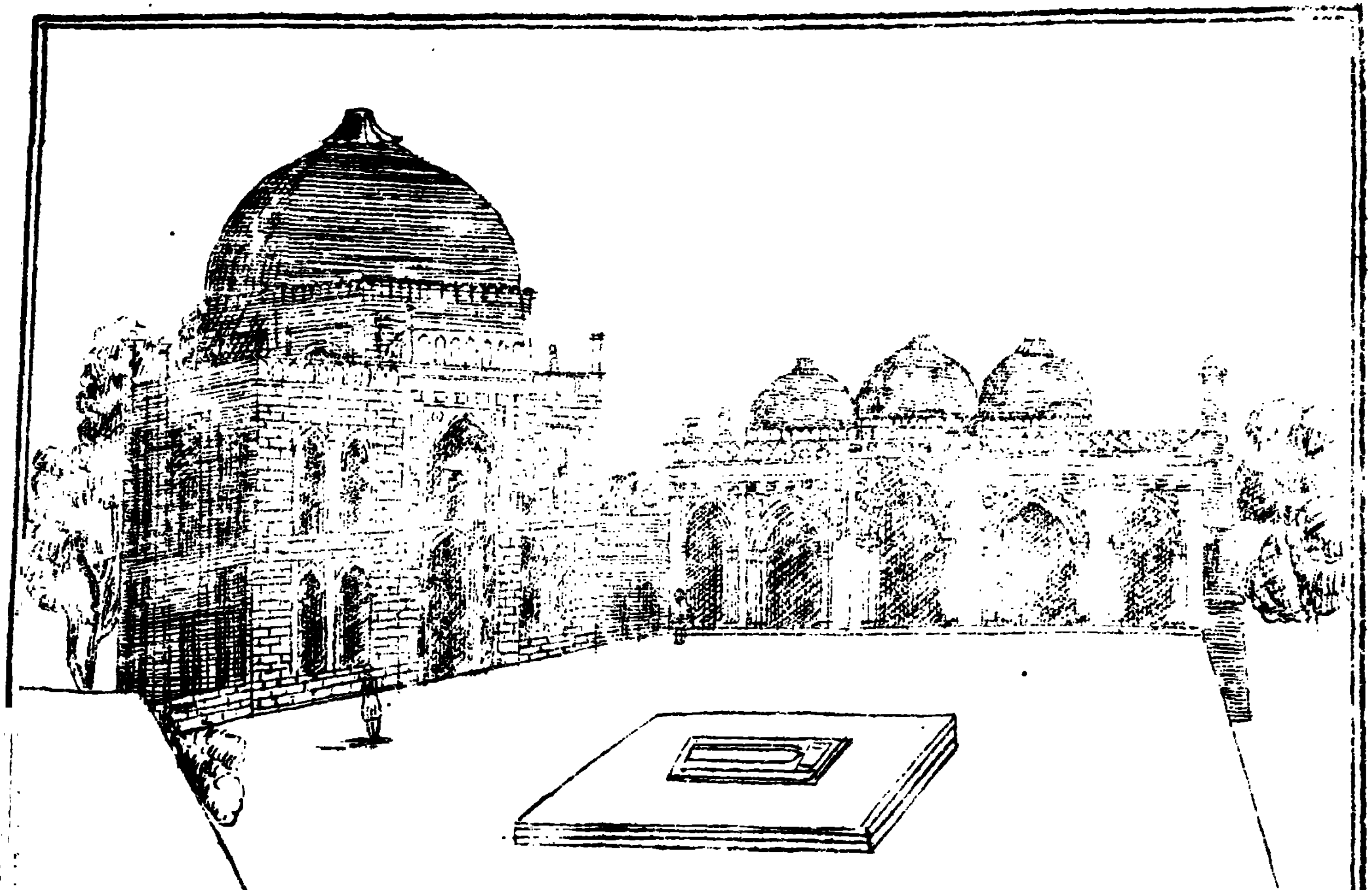
(بقیہ نوٹ دیکھو صفحہ ۸۰ پر)

بادشاہ کی طرف سے لوگ کچھ ایسے بزدل تھے کہ دہلی سے بیس کوس کے حلقے میں جو جو امرا تھے سب نے کھلی بغاوت کی اور آخر کار ۹۴۹ھ ۱۴۴۵ء میں محمد شاہ نے وفات پائی اور اسی موضع میں دفن ہوا اور یہ مقبرہ اُس کے بیٹے علاء الدین عالم شاہ نے بنوایا جو نرا پتھر اور چونے کا ہے اور قطع اس کی بہت نفیس ہے۔ اندر کا مکان اور باہر کی غلام گردش اور برجیاں بہت خوب صورتی سے بنائی گئی ہیں۔ یہ مقبرہ بالکل مبارک شاہ کے مقبرے کی طرح کا ہے اس لیئے اس کی مزید توضیح غیر ضروری ہے۔ فرگسن صاحب نے اپنی کتاب ہسٹری آف آرکیٹکچر جلد دوم کے صفحہ (۵۰۳) پر اس مقبرے کے متعلق لکھا ہے کہ یہ ایک ہشت پہلو مقبرہ ہے جس کا قطر قریب پچاس فیٹ کے ہے اور گرد غلام گردش ہے جس کے ہر طرف تین تین لمبوتری محرابیں ہیں جو وضع پٹھانوں کے عہد سے مخصوص تھی"۔

مسجد اس مقبرے کے شمال میں بہت دور نہیں قریب ہی ایک چھوٹی سی سہ دری مسجد ہے جس کے احاطے کے اندر ایک کنوئیاں بھی ہے۔ احاطے کی صرف ایک غربی دیوار رہ گئی ہے باقی ٹوٹ ٹاٹ گئی۔ اس مسجد کا چبوترہ جو ۸½ فٹ اونچا ہے اسی حال کا بنا ہوا ہے۔ مگر یہ مسجد کچھ اوپر والے مقبرے کے متعلق نہیں ہے بلکہ اُس سے جدا ہے۔

خیر پور کا نامعلوم گنبد اور مسجد تخمیناً سنہ ۹۵۰ھ ۱۵۴۳ء اس میں تو شک نہیں کہ یہ مقبرہ اور مسجد لودیوں کے وقت کی ہے اور تخمیناً سنہ ۹۵۰ھ ۱۵۴۳ء یعنی قریب قریب زمانہ شیر شاہ کے بنی ہوئی ہے اگرچہ اس کے بنانے والے کا نام تحقیق نہیں ہوا لیکن اس میں کچھ شک نہیں رہا کہ لودیوں کے وقت کے کسی امیر کا جس کے نام پر یہ گاؤں آباد ہے یہ مقبرہ ہے اور اسی کی یہ

(بقیہ نوٹ صفحہ ۴۹) سلاطین مغلیہ سے پہلے غلاموں اور خلجیوں کے وقت میں یہ پنجاب کا دار الخلافہ رہا ہے کیوں کہ اُن دنوں میں چنگیز خانی مغلوں کے پے درپے حملوں کے روکنے کے لیئے لاہور اور ملتان کے بیچ میں ایک ایسے شہر کی ضرورت تھی جہاں سے دونوں طرفوں کا انتظام آسانی سے ہوسکے۔ پرانے شہر کے کھنڈر اب بھی جنوب مغرب کی طرف واقع ہیں۔ جس سے معلوم ہوتا ہے کہ مضافات کی بستیوں کے علاوہ خاص شہر تین میل کے رقبے میں بستا تھا۔ موجودہ شہر کی آبادی چار ہزار ہے اور تحصیل کا صدر مقام ہے۔ تیمور کے حملے کے وقت یہ شہر ملتان کی ہمسری کرتا تھا اور اُس میں چوراسی مسجدیں تھیں۔ **بابر** کے وقت میں بھی یہ شہر آباد تھا اور لاہور سے کم درجہ کا نہیں تھا۔ ۱۲



نقشہ مسجد و مقبرہ خیرپور

یہ مسجد بنائی ہوئی ہے۔ اگرچہ یہ مسجد چونے اور پتھر سے بنی ہوئی ہے مگر اس کے خوش قطع ہونے میں کلام
نہیں اور لودیوں کے زمانے کی فن تعمیر کا ایک بہترین نمونہ ہے۔ ایسی خوش قطع مسجد پٹھانوں
کے وقت کی بہت کم دیکھنے میں آئی ہے۔ اس مسجد میں چونہ کاری کی بہت عمدہ منبت کاری ہے اور
پیشانی پر چونہ کاری سے آیات قرآنی کھدی ہوئی ہیں۔ اس مسجد کے پانچ در ہیں درمیانی محراب بہ
نسبت ادھر ادھر کی محرابوں کے اونچی ہے اور نقش و نگار سے آراستہ ہے۔ چھت پر تین گنبد
لمبوتری گردن کے ہیں۔ جن کے کلس ٹوٹ گئے ہیں۔ چھت کے اطراف کنگورا
ہے۔ گنبد اندر سے چپٹے ہیں جو تمام اعلیٰ درجے کے نقش و نگار سے آراستہ ہیں۔
بگلر صاحب کی رائے صحیح معلوم ہوتی ہے کہ "اس مسجد کے اندر تمام رنگ آمیزی کا کام تھا
جس کو گاؤں والوں نے بالکل برباد کر دیا اور اب برسوں ہوئے کہ اس کا کوئی نشان
بھی باقی نہ رہا۔ اس مسجد کے صحن کے جنوب میں جو ایک عمارت بنی ہوئی ہے وہ بظاہر
اس مسجد کا دروازہ معلوم دیتا ہے۔ اس کی وضع علائی دروازے کی سی ہے۔

اس مسجد میں داخل ہونے سے پہلے ایک عالی شان گنبد ہے۔ جو اندر سے آٹھ مربع ہے اور باہر
سے ۵۶ فٹ ہے۔ اس کا داخلی دروازہ شمال کی طرف ہے جس میں جانے کا دو طرفہ زینہ گیارہ گیارہ
سیڑھیوں کا ہے۔ گنبد کے چار دروازے ہیں ایک تو یہی ہے دوسرا مسجد کے صحن میں
جانے کا ہے اور دو بند ہیں۔ گنبد کی چھت میں آٹھ کھڑکیاں بطور روشن دان
کے ہیں۔ اس سے اور اوپر (۱۶) طاق ہیں جن میں سے چار کھلے ہوئے اور بارہ
بند ہیں گنبد کے اندر پتھر کے چوکوں کا فرش ہے۔ گنبد کی چھت پر جانے کے زینے
میں (۳۷) سیڑھیاں ہیں اور بلندی گنبد کی ۵۵ فٹ ہے۔ اس گنبد میں کوئی قبر نہیں ہے اور
یہ گنبد مسجد کا دروازہ کہلاتا ہے مگر اس کی وضع قطع تو بجائے خود ایک مستقل گنبد کی ہے اور
مجھے اس کو مسجد کا دروازہ قرار دینے میں تامل ہے بلکہ میں اس کو ایک مستقل عمارت خیال
کرتا ہوں اور مسجد کو اسی کے متعلق سمجھتا ہوں جیسا کہ عیسیٰ خاں کا مقبرہ اور مسجد ہے۔ عموماً
مقبروں کے ساتھ مسجد بھی ہوا کرتی ہے۔ مسجد کا طول و عرض ۸۷ فٹ × ۲۱ فٹ ہے۔ مسجد کی
چھت میں داہنے بائیں دو ستون بطور پشتیبان کے ہیں جو چھت سے ذرا اوپر
نکلے ہوئے ہیں۔ اور چھت کی دیوار کے اندر چار حجرے بھی ہیں۔ مسجد کی بیچ کی
محراب ۲۵ فٹ اونچی اور ۹ فٹ چوڑی ہے اور دو فٹ کا کنگورا اس کے سوا ہے۔ اس کے بغلی

کی محرابوں کی چوڑان ۱۴ فٹ ہے اور کنارے کی دو محرابیں ۹ فٹ چوڑی ہیں۔ مسجد کے گرد چوڑا توڑے دار بھاری چھجا بھی ہے۔ مسجد کے سامنے ایک نہایت وسیع کشادہ کرسی دار ۱۱۰ فٹ مربع کا چبوترا ہے جس پر سلوں کا فرش ہے اور کچھ ٹوٹی پھوٹی قبریں بھی اس چبوترے پر ہیں۔ صحن مسجد کے آخر میں بجانب شرق ایک نہایت پختہ لداؤ کا تین در اور دو کوٹھڑیوں کا دالان ہے جو ۵۵ فٹ × ۲۳ فٹ ہے دالان اور حجروں میں پتھر کی سلوں کا فرش ہے۔ درمیانی محراب ۹½ فٹ اونچی اور ۸ فٹ چوڑی ہے۔ دالان کے دونوں جانب ایک ایک حجرہ گیارہ گیارہ فیٹ مربع ہے چھت پر جانے کے لیئے بارہ سیڑھیوں کا زینہ ہے اور اس عمارت کا ارتفاع ۱۹ فٹ ہے اور چھت سپاٹ ہے اور گرد چوڑا اور نہایت بھاری توڑے دار چھجا ہے۔ غالباً یہ دالان بطور ایک مدرسے کے تھا۔

انگریزی کتاب دو آل ابوٹ ڈلہی ہا میں اس مسجد اور گنبد کے متعلق لکھا ہے کہ "موضع خیرپور کی بستی سے شمال کی جانب کوئی دو سو گز آگے بڑھ ایک عجیب و غریب مسجد ہے جس میں ایک بہت نفیس دروازے سے داخل ہوتے ہیں جو دور سے دیکھنے میں (دروازہ نہیں) بلکہ ایک مقبرہ معلوم دیتا ہے۔ دروازے میں بلند سیڑھیاں چڑھ کر پہنچتے ہیں (یعنی کرسی بہت اونچی ہے) یہ گنبد عجیب سڈول اور مرتفع ہے اور غالباً علائی دروازے کے طرز پر بنایا گیا ہے۔ دروازے کے باہر ایک نہایت خوش قطع صحن ہے جس کے ایک طرف تو مسجد ہے اور دوسری جانب اسمبلی ہال یعنی مجلس خانہ ہے جس کا سال تعمیر ۹۹۹ھ ہے (یہ سال مجھ کو کہیں نظر نہیں پڑا)۔ اس مسجد کا پلاستر تمام تر نہایت نفیس نقش و نگار سے آراستہ تھا جس میں کا بہت کچھ حصہ اب تک بھی باقی ہے۔ پلاستر میں جا بجا چینی کی رنگین ٹیلز (اینٹیں) لگی ہوئی تھیں اور سارے ہندوستان میں یہ سب سے بہتر نمونہ اس قسم کی آرائش کا ہے جو اب باقی ہے"

گنبد کے چاروں دروازوں کے کتبے

(۱) مغرب رویہ:- بِسْمِ اللّٰہِ۔ وَمَنْ یَّعْشُ عَنْ ذِكْرِ الرَّحْمٰنِ تا اُولٰٓئِكَ الْمُعِيْنَا
پارہ ۲۵۔ سورۂ زخرف۔ رکوع (۱۰)

(۲) مشرق رویہ:- اِنَّ الَّذِیْ فَرَضَ عَلَیْكَ الْقُرْاٰنَ تا آخر سورہ۔ پارہ (۲۰)
سورۂ قصص۔ رکوع (۱۲)

(۳) جنوب رویہ ۔ یَا دَاوٗدُ اِنَّا جَعَلْنٰکَ ... بِمَا نَسُوْا یَوْمَ الْحِسَابِ تا آخر سورہ ۔ پارہ ۲۳ ۔ سورہ ص ۔ رکوع (۹) و قُلْ مَا اَسْئَلُکُمْ عَلَیْهِ مِنْ اَجْرٍ تا ختم سورہ ۔ پارہ ۲۳ ۔ سورہ ص ۔ (۱۴)

(۴) شمال رویہ ۔ وَتِلْكَ حُجَّتُنَاۤ اٰتَیْنٰهَاۤ اِبْرٰهِیْمَ تا وَاِسْمٰعِیْلَ وَالْیَسَعَ پارہ (۷) سورۂ انعام رکوع (۱۰)

گنبد کے احاطے کے اندر مغرب رویہ دروازے کے سامنے ایک قبر سنگ سرخ کے تعویذ کی ہے جس کے سرہانے اللہ ایک طرف بِسْمِ اللہ اور قُلْ هُوَ اللہُ اور دوسری جانب شَهِدَ اللہُ اَنَّهٗ لَاۤ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ تا وَهُوَ الْعَزِیْزُ الْحَکِیْمُ کندہ ہے۔ پارہ نصف ۳ ۔ سورۂ آل عمران یہ قبر بہت پرانی معلوم دیتی ہے کتبہ کی روش بھی اسی زمانے کی ہے۔

مسجد کے اندر کے کتبے

پہلے در کے اندر

(۱) داہنی طرف پہلے در کی چھت پر ۔ بِسْمِ اللہ ۔ اَقِمِ الصَّلٰوةَ لِدُلُوْكِ الشَّمْسِ تا وَمَاۤ اُوْتِیْتُمْ مِّنَ الْعِلْمِ اِلَّا قَلِیْلًا ۔ پارہ (۱۵) سورۂ بنی اسرائیل ۔ رکوع (۹ و ۱۰)

(۲) لَقَدْ صَدَقَ اللہُ رَسُوْلَهُ الرُّءْیَا بِالْحَقِّ تا مَغْفِرَةً وَّاَجْرًا عَظِیْمًا پارہ ۲۶ ۔ سورہ فتح ۔ رکوع (۱۲)

(۳) بسم اللہ ۔ وَمَا مُحَمَّدٌ اِلَّا رَسُوْلٌ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِ الرُّسُلُ تا وَانْصُرْنَا عَلَی الْقَوْمِ الْکٰفِرِیْنَ ۔ پارہ ۴ سورہ آل عمران ۔ رکوع (۶)

(۴) بِسْمِ اللہ ۔ لَوْ اَنْزَلْنَا هٰذَا الْقُرْاٰنَ عَلٰی جَبَلٍ تا ختم سورہ حشر ۔ پارہ ۲۸ ۔ رکوع (۶)

(۵) محراب کے گرد :۔ اِنَّ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ کَانَتْ لَهُمْ جَنّٰتُ الْفِرْدَوْسِ نُزُلًا تا آخر سورۂ کہف ۔ پارہ (۱۶) رکوع (۳)

دوسرے در کے اندر

(۱) بسم اللہ اِنَّ الْمُسْلِمِیْنَ وَالْمُسْلِمٰتِ تا وَکَانَ اللہُ بِکُلِّ شَیْءٍ عَلِیْمًا ۔ پارہ ۲۲ ۔ سورہ احزاب ۔ رکوع (۲)

(۲) بِسْمِ اللہ ۔ وَلَقَدْ خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ مِنْ سُلٰلَةٍ مِّنْ طِیْنٍ تا وَمَا کُنَّا عَنِ الْخَلْقِ غٰفِلِیْنَ ۔ پارہ ۱۸ ۔ سورۂ مومنون ۔ رکوع (۱)

تیسرے در کے اندر

جو ممبر کے پاس ہے ۔ بِسْمِ اللہ ۔ پوری سورۂ الرحمن ۔ پارہ (۲۷)

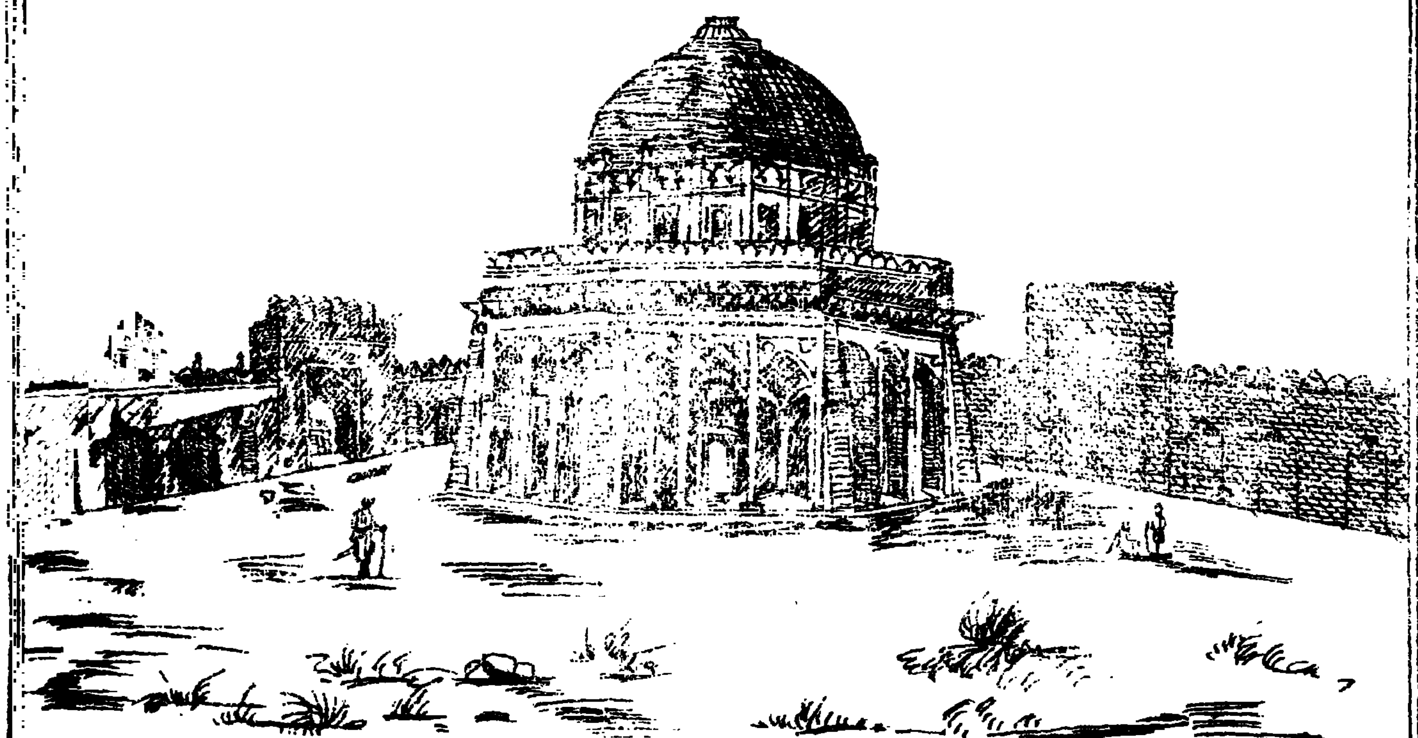
چوتھے در کے اندر
(۱) بسم اللہ اور سورۂ واقعہ۔ پوری۔ پارہ (۲۷)
(۲) بسم اللہ اور سورۂ تحریم۔ پارہ (۲۸)

پانچویں در کے اندر
(۱) بسم اللہ۔ سورۂ نبا پوری۔ پارہ (۳۰)
(۲) اِنَّ الَّذِیْنَ یَرْمُوْنَ الْمُحْصَنٰتِ تا وَاللّٰہُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ عَلِیْمٌ پارہ (۱۸)۔ سورۂ نور۔ رکوع (۹ و ۱۰)
(۳) وَالسَّمَآءَ بَنَیْنٰھَا بِاَیْدٍ وَّاِنَّا لَمُوْسِعُوْنَ تا ختم سورۂ ذریٰت پارہ (۲۷) رکوع
(۴) اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا بِاللّٰہِ وَرَسُوْلِہٖ تا وَاللّٰہُ بِکُلِّ شَیْءٍ عَلِیْمٌ۔ پارہ (۲۶) سورۂ حجرات رکوع

پہلی محراب کے بیرونی رخ پر
بائیں طرف۔ اوپر اور دونوں طرف قُلْ ھُوَ اللّٰہُ کے طغرے۔
(۱) وَالَّذِیْنَ اتَّخَذُوْا مَسْجِدًا ضِرَارًا تا وَاللّٰہُ یُحِبُّ الْمُطَّھِّرِیْنَ۔ پارہ ۱۱۔ سورۂ توبہ۔ رکوع (۲)
(۲) اِنَّ الْمُتَّقِیْنَ فِیْ مَقَامٍ اَمِیْنٍ تا آخر سورہ فَارْتَقِبْ اِنَّھُمْ مُّرْتَقِبُوْنَ پارہ (۲۵) سورۂ دخان رکوع (۳)
(۳) لَقَدْ رَضِیَ اللّٰہُ عَنِ الْمُؤْمِنِیْنَ تا وَاَثَابَھُمْ فَتْحًا قَرِیْبًا۔ پارہ (۲۶) سورۂ فتح۔ رکوع (۱)

مسجد کے روکار کے پانچوں دروں کے کتبے

(۱) سیدھے ہاتھ کی طرف سے۔ پہلی محراب۔ پہلی سطر دونوں طرف کلمے کے طغرے۔ بسم اللہ
وَجَآءُوْٓا اَبَاھُمْ عِشَآءً یَّبْکُوْنَ تا عَلٰی مَا تَصِفُوْنَ۔
دوسری سطر۔ وَجَآءَتْ سَیَّارَۃٌ تا قَالَ الَّذِی اشْتَرٰىہُ۔ پارہ (۱۲) سورۂ یوسف رکوع (۱۲)
دوسری محراب۔ اشھد ان لا الہ الا اللہ کا طغرا دونوں طرف اور پوری سورۂ جمعہ مع بسم اللہ۔
تیسری محراب۔ پہلی سطر۔ بسم اللہ۔ سورۂ الملک شروع سے اِذَآ اُلْقُوْا فِیْھَا تک۔
دوسری سطر۔ کُلَّمَآ اُلْقِیَ فِیْھَا فَوْجٌ سے وَاَسِرُّوْا قَوْلَکُمْ تک۔
تیسری سطر۔ اَلَا یَعْلَمُ مَنْ خَلَقَ قُلْ ھُوَ الَّذِیْ تک۔
چوتھی سطر۔ اَنْشَاَکُمْ سے ختم سورہ تک
چوتھی محراب۔ پہلی سطر۔ بسم اللہ۔ سورۂ مزمل شروع سے وَکِیْلًا تک
دوسری سطر۔ وَاصْبِرْ عَلٰی مَا یَقُوْلُوْنَ اِلٰی فِرْعَوْنَ رَسُوْلًا تک



نقشهٔ مقبرهٔ سلطان سکندر بهلول لودی

پانچویں محراب - پہلی سطر - فَخَلَفَ مِنْ بَعْدِهِمْ خَلْفٌ ... تا لَعَلَّهُمْ يَتَّقُونَ ۔ پارہ (۹) سورۃ ۷ آیت (۱۶۹)
دوسری سطر - لَقَدْ رَضِيَ اللَّهُ عَنِ الْمُؤْمِنِينَ إِذْ يُبَايِعُونَكَ تَحْتَ الشَّجَرَةِ ... پارہ ۲۶ سورۃ فتح ۴۸ آیت ۱۸

هر کس به بهانه ازین دیر فنا ... شد عازم آں سرائے جاوید بقا
باقی نبود کسے بعالم ابدا ... غیر از احدے کہ نیست اورا ہمتا

باشانی نیلوں والا نامعلوم عالی شان گنبد

اللہ اللہ کیا زمانہ آیا ہے کہ ایک عالی شان اور بے نظیر گنبد ہزار ہا روپیہ کی لاگت کا ٹوٹا پھوٹا نہیں گرا پڑا نہیں بالکل درست ہمارے سامنے کھڑا ہے اور ہم نہیں کہہ سکتے کہ کس کا ہے نہ ہم کو کوئی بتلاتا ہے کہ کس نے بنوایا تھا۔ خیر کسی کا بھی ہو حق تعالیٰ اُس کی مغفرت کرے۔ طرز عمارت اور لودھیوں کے گنبد اور بے نظیر مسجد کا قرب دلالت کرتا ہے کہ ہو نہ ہو لودھیوں کے کسی بادشاہ یا بادشاہ نہ ہوگا تو بادشاہ کے ہم عصر کسی امیر کبیر کا ہے۔ یہ گنبد ہشت پہل ہے اندر سے چو مربع ہے۔ تین رخ عالی شان سر بفلک دروازے ہیں مغرب کی طرف بند۔ تین سیڑھیاں چڑھ کر گنبد کے اندر داخل ہوتے ہیں۔ اندر آٹھ قبریں پختہ گچ کی ہیں جن کو سرکار نے حال میں درست کرا دیا ہے۔ سات بڑی ہیں ایک چھوٹی۔ جس مقبرے کے باہر کی آراستگی کا اس قدر اہتمام ہے تو اندر تو کیا کچھ کام نہ کیا ہوگا۔ مگر اندر کا کام اب بالکل باقی نہیں رہا باہر دار البتہ چینی کا رنگ برنگ کا کام کچھ کچھ باقی ہے جنوب کی طرف صدر دروازہ ہے جس کے رو کار پر بڑی بڑی اور چوڑی چوڑی چینی کی لاجوردی رنگ کی اینٹیں بطور تختیوں کے لگی ہوئی ہیں جو تعداد میں ۹۸ تھیں۔ جن میں سے تھوڑی سی گر بھی پڑی ہیں مگر ان کی خالی جگہ پر سے شمار ہو سکتا ہے۔ صدر دروازے کی محراب مع کنگورہ ۴۲ گز اونچی ہے اور یہی گنبد کی بلندی کنگورے تک سمجھیے چبوترا اس میں شامل نہیں ہے۔ اوپر جانے کا زینہ (۳۳) سیڑھیوں کا ہے۔

سکندر لودھی کا مقبرہ اور مسجد
۹۲۳ھ ۱۵۱۷ء

موضع خیر پور کے پاس صفدر جنگ کے مقبرے سے کوئی یاؤ میل کے فاصلے پر ایک قدیم پختہ پل کے پاس لودھیوں کے خاندان کے سب سے بڑے بادشاہ سکندر شاہ ثانی بن بہلول شاہ (۱۴۸۸-۱۵۱۷ء) کا مقبرہ ہے جسے غالباً اُس کے بیٹے ابراہیم شاہ ثانی لودھی نے ۹۲۳ھ میں بنوایا تھا۔ سکندر شاہ لودھی نے ۷ ذی قعدہ ۹۲۳ھ ۲۱ نومبر ۱۵۱۷ء

میں بمقام آگرہ انتقال کیا۔ مصنف تاریخ خان جہاں لودھی نے لکھا ہے کہ بادشاہ اور اس کے
باپ دونوں کی نعشیں آگرے سے منتقل کر کے دہلی میں اسلام شاہ سور کے احاطے میں جو اسی
غرض سے بنوایا گیا تھا مدفون کی گئیں۔ لیکن اس بیان میں کچھ غلط فہمی ہوئی ہے کیوں کہ سکندر لودھی
اپنے باپ کے پاس مدفون نہیں ہے اور دونوں کی قبریں ایک ہی باغ میں نہیں ہیں بلکہ جدا جدا ہیں
یہ مقبرہ وضع قطع میں خاندان سادات کے بادشاہ مبارک شاہ کے مشابہ ہے۔ فرق صرف اتنا ہی
کہ اس کے چاروں کونوں پر برجیاں نہیں ہیں اور قبے کا ڈھلاؤ بھی کم ہے جو زمانہ مابعد کی تراش
خراش ہے۔ یہ گنبد ۷۶ گز مربع فصیل نما احاطے میں ہے۔ جس کے چاروں کونوں پر برجیاں تھیں
جن میں سے اب صرف دو باقی رہ گئی ہیں۔ احاطے کی دیوار کا آثار آٹھ فیٹ کا ہے
اور کنگورا چھوڑ کر بلندی ۹ فیٹ ہے۔ احاطے کی دیواریں بھی نیچے در در بنے ہوے ہیں۔
باہر وار کے یہ در ملا لیں تو احاطے کی بلندی ۱۴ فیٹ ہو جاتی ہے احاطے کا صدر دروازہ جنوب کی
طرف ہے جس کی حال میں مرمت ہوئی ہے جو ۵ فیٹ ۹ انچ چوڑا ہے اس دروازے کے سامنے ۲۲×۹ فیٹ
کی دیوار احاطے کی کھنچی ہوئی ہے۔ اس دروازے کے ہر دو جانب احاطے کی دیواریں
نو نو کوٹھری نما طاق ہیں یعنی احاطے کی دیوار کے اندر وار بھی طاق بنے ہوئے ہیں اور باہر وار
بھی۔ دروازے کے باہر ایک بہت اونچا چبوترا ہے جس کی بلندی ۲۰ فیٹ اور سیڑھیاں نو ہیں۔
جن پر چڑھ کر احاطے کے باہر والے چبوترے پر پونہچتے ہیں جو ۵ فیٹ مربع ہے جس کے دونوں
جانب دو چوکون برجیاں چار چار ستونوں پر کھڑی ہیں۔ جنوب کی طرف یہ دیوار اور آگے
بڑھ گئی ہے جس کی دونوں طرف دو برجیاں ہیں جن میں چینی کی رنگین اینٹیں لگی ہوئی ہیں اور جو
سنگ سرخ کے ستونوں پر ایستادہ ہیں۔ احاطے کی مغربی دیوار سے لگی ہوئی ایک مسجد
ہے جس کی درمیانی محراب ۵ فیٹ بلند اور ۳۹ فیٹ چوڑی ہے اور ادہر اُدہر کی ایک ایک محراب اسی
مناسبت سے کم ہے۔ باقی عمارت کی تفصیل کے لئے مبارک شاہ کے مقبرے کے
بیان کی طرف رجوع کرنا کافی ہے کہ جو وہ سو یہ سوا اس کے کہ جیسا ہم اوپر لکھ آئے
ہیں کہ اُس کے کونوں پر برجیاں ہیں اور اس پر نہیں۔ اگرچہ یہ مقبرہ نرے چونے پتھر کا ہے
مگر اندر کا درجہ اور باہر کی غلام گردش اور احاطے کی برجیاں بہت نفیس اور خوش نما بنی
ہوئی ہیں۔ یہ گنبد ہشت پہل ہے۔ ہر ضلع میں تین تین در ہیں یہ مقبرہ بھی بالکل عیسیٰ خاں
کے مقبرے کی طرح کا ہے اور لودھیوں کے سارے مقبرے ایک ہی ڈزائین کے ہیں۔

اس کے اندر صرف ایک قبر گچ کی ہے۔ فرش میں روڑی حال میں کوٹی گئی ہے۔ گنبد کا قطر ۳۴½ فٹ ہے۔ گنبد کا پلاستر اندر سے گر گیا ہے۔ غلام گردش کے سات در ہیں۔ اندر تمام چینی کا کام تھا چنانچہ اب بھی طاقوں کے دونوں طغرے ہیں۔ بارہ طاق بطور روشن دانوں کے ہیں۔ جن میں سے چار کھلے ہیں اور باقی بند ہیں۔ ان میں بھی کچھ کچھ کام چینی کا باقی ہے۔ گنبد کی چھت میں سب سے اوپر سرخ زمین پر سفید حروف میں آیۃ الکرسی منقوش ہے۔ غلام گردش ۹ فٹ چوڑی ہے۔ گنبد کا دروازہ باہر سے ۸½ فٹ اور اندر سے ۵ فٹ چوڑا ہے۔ غلام گردش کا ہر ضلع ۱۴ فٹ ۴ انچ اور گنبد کا ہر ضلع باہر سے ۲۲½ فٹ لمبا ہے۔ احاطہ عیسیٰ خاں کے مقبرے کی طرح بہت وسیع فصیل نما کنگورے دار ہے جس میں چوطرف (۸۷) کوٹھری نما طاق بنے ہوئے ہیں۔ مغرب کی طرف مسجد کی حیثیت کی دیوار اور ایک دیوار دوزر محراب رہ گئی ہے باقی سب گر گئی ہے۔ گنبد کے اوپر جانے کا زینہ اٹھارہ سیڑھیوں کا ہے۔ گنبد کی بلندی ۴۸ فٹ ہے اور گنبد کے چاروں طرف اٹھیاسی اٹھیاسی فیٹ کے بقدر احاطے کا میدان چھوٹا ہوا ہے۔

آل انڈیٹ دہلی میں لکھا ہے کہ "اس بادشاہ نے سنہ ۱۵۱۷ء میں یعنی مغلوں کے ہندوستان فتح کرنے سے صرف نو برس پہلے انتقال کیا۔ یہ گنبد بھی ایک نہایت عالی شان اسی طرح کے احاطے کے اندر واقع ہے جیسا کہ روشن چراغ دہلی کا ہے۔ یہ ایک نہر کے ڈھلوان کنارے پر واقع ہے جس پر سات دروں کا پل باندھ دیا ہے جس پر سے وہ قدیم سڑک گزرتی تھی جو فیروز آباد اور شمالی حصے کو سیری اور پرانی دلی سے ملاتی تھی۔ گنبد فی نفسہا ایک عمدہ عمارت ہے لیکن زیادہ تر پسندیدہ اس کا خوش نما موقع و محل ہے۔ قبر کے سرہانے جو چراغ دان کا ستون ہے وہ جینیوں کے مندر کا ایک کھمبا تھا اور یہ ایک عجیب بات ہے کہ مغلوں کی فتح سے تھوڑے ہی دنوں پیشتر پھر مندروں کی عمارت کی توڑ پھوڑ شروع ہو گئی تھی۔"

لودھیوں کے گنبدوں میں ایک بات اور دیکھی گئی کہ وہ کوئی کتبہ بھی اپنے نام کا نہیں لگاتے تھے اور اسی وجہ سے کسی گنبد کو کسی بادشاہ سے منسوب کرنے میں سوائے زبانی روایات کے یقینی طور پر کوئی رائے قائم کرنی مشکل ہے۔

باولی۔ باغیچی۔ سہ دری اور دو نامعلوم گنبد

سلطان سکندر بہلول لودھی کے گنبد کے پاس ایک قدیم اور محاط بہت وسیع باولی بھی ہے۔ یہیں قریب میں ایک وسیع اور پختہ فصیل نما احاطہ کھنچا ہوا ہے جو باغیچی کے نام سے آج تک مشہور ہے گو اب اس چار دیواری کے اندر زراعت ہوتی ہے مگر پہلے زمانے میں ضرور باغ رہا ہوگا کیونکہ جنوب رُخ کو اس کا صدر دروازہ نہایت منقش اب بھی موجود ہے جس پر سہ دری بنی ہوئی ہے۔ یہیں ایک چھوٹا سا چپٹا گنبد بھی ہے جس کی چھت تو گر گئی مگر چار دیواری علی حالہ کھڑی ہے۔ اس منہدمہ گنبد کے دونوں طرف دو چھوٹی چھوٹی گنبدیاں بھی ہیں۔ علاوہ ان عمارتوں کے اسی نواح میں موضع خیر پور کی حدود میں معمولی اور متوسط دو اور گنبد بھی ہیں۔ یہاں بڑے بڑے گنبد جن پر لاکھوں روپیہ صرف ہوئے ہیں آج حالت گم نامی میں ہیں تو یہ معمولی گنبد کس شمار قطار میں ہیں۔

کربلا

صفدر جنگ کے مقبرے سے ذرا آگے بڑھ کے بائیں طرف ایک کچا رستہ پھٹ جاتا ہے۔ اس رستے پر داہنی طرف سر راہ ایک بڑا دروازہ اور ایک وسیع ٹوٹا پھوٹا احاطہ ملتا ہے یہی کربلا ہے اور یہیں بادشاہی زمانے کے ایک نامی گرامی رئیس کپتان اشرف بیگ خاں نے ایک پختہ چار دیواری کھچوادی ہے جو کربلا کہلاتی ہے۔ تمام شہر کے تعزیئے یہیں ٹھنڈے کیئے جاتے ہیں اور یہاں بڑا ہجوم اور میلا ہوتا ہے۔ اس کمپونڈ میں بہت سی قبریں ہیں۔ کہتے ہیں کہ اشرف بیگ خاں کی قبر بھی یہیں ہے لیکن مجکو تو ملی نہیں۔ کمپونڈ کی دیوار ۷ گز بلند ہے۔ اس کا صدر دروازہ سر راہ شمال کی طرف ہے جو ۲۰ فٹ اونچا اور ۱۰ فٹ چوڑا ہے۔ اس کے دونوں پاکھوں پر سنگ سرخ لگا ہوا ہے جس میں کا ایک پاکھا داہنی طرف کا حال میں گر گیا ہے اور اس کے ڈھیم وہیں پڑے ہیں بائیں طرف کا پاکھا جوں کا توں کھڑا ہے۔ کواڑ کی چول پھنسانے کی کڑی بھی موجود ہے جس میں گول سوراخ ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ اس میں پٹ بھی تھے۔ دروازہ کے دو طرفہ کچھ عمارت مثل سہ دری کے تھی جو گر گئی اور اوپر بھی کچھ مکانیت ہوگی یہ سب مفقود ہے اب صرف ایک پاکھا کھڑا ہے اور بس۔ دوسرا دروازہ کمپونڈ کے مشرق میں ہے۔ جو صرف کمپونڈ کی دیوار توڑ کر رستہ کر دیا گیا ہے اس کے دو پاکھے لگ گئے ہیں جن کے

پر ایک گول مٹی تھی۔ ایک پاکھے کی گر گئی ایک کی باقی ہے۔ اس دروازے کی چکلان ۱۱½ ہے۔

ماہ خانم کی قبر سنہ ۱۱۳۹ھ

آہستہ برگ گل بفشاں بر مزار ما
بس نازک ست شیشۂ دل در کنار ما

کربلا کے احاطے کے اندر داخل ہوتے ہی سامنے ایک وسیع و مرتفع پکا چبوترا گچ کا نظر آتا ہے جس کی چار سیڑھیاں ہیں۔ یہ چبوترا ۸۴×۱۴۱ فٹ طول و عرض میں اور ... فٹ اونچا ہے۔ اس چبوترے کے وسط میں ۱۵ آمربع ۱½ اونچا ایک اور چبوترا ہے۔ اس چبوترے سے ... لداؤ کی قلمدان نما ایک برجی ہے جس کا داخلی دروازہ سنگ ... کی بابت ... ہے۔ اس دروازے میں ایک لداؤ کی کوٹھری ... ہے جس کی چھت قلمدان نما ہے۔ اب چودہ سیڑھیاں اتر کر ہم تہ خانے میں پہنچتے ہیں جس کا ایک ہی دروازہ جنوب رویہ ... ہے۔ تہ خانہ کا حجرہ ... ½ مربع ہے جس کے چاروں طرف روشن دان رکھے ہیں اور تینوں طرف دیوار در طاق ہیں۔ یہ حجرہ اوپر والے پندرہ فیٹ مربع چبوترے کے نیچے ہے۔ فرش میں اس کے سنگ مرمر کی سلیں لگی ہوئی ہیں جن میں کی بعض بعض سلیں ضائع بھی ہو گئی ہیں۔ چھت مربع لداؤ کی ہے جس میں رنگ کا کام کیا ہوا تھا جو کچھ کچھ باقی بھی ہے۔ اس حجرے کے بیچ میں صرف ایک ہی قبر ہے جس کا تعویذ نہایت عمدہ قسم کے شفاف اور چمک دار سنگ مرمر کا ۶½ فٹ × ۲ فٹ - ۱۰ انچ اونچا آدھ ۹ کا ہے۔ اس تعویذ کے گرد آیۃ الکرسی کچھ عجیب نزاکت سے مثبت منقوش ہے کہ خط اس کا سرمۂ نظر و باعث تجلی بصر ہے۔ زبان اس کی تعریف سے قاصر ہے اور دل اس کے دیکھنے سے سیر نہیں ہوتا۔ تعویذ کے اوپر سرہانے بسم اللہ کا طغریٰ مع یائیتی كُلُّ نَفْسٍ ذَائِقَةُ الْمَوْت اور تعویذ کے عرض میں نیچے دار بہ خط نستعلیق یہ قطعہ کندہ ہے:—

آفتاب برج عصمت ماہ خانم از قضا | در نقاب ابر رحمت کرد روئے دل بحق
کلک قدرت سال ایں تاریخ بر لوح مزار | زد رقم شد مریم دوراں واصل بحق

کچھ پتہ نہیں چلتا کہ یہ کس کا چاند تھا جو ایک تیرہ و تار حجرے میں پڑا چمک رہا ہے اور اپنے حسن و جمال کی شعاعیں آج سینکڑوں برس کے بعد بھی چمکا رہا ہے۔ لوگ کہتے ہیں کہ اشرف بیگ کے دودمان عالیہ کا کوئی ماہ منور تھا۔ اس میں شک نہیں کہ تھیں کوئی بڑی نامی گرامی بیگم جن کا مرقد اس اہتمام اور صرف زر کثیر سے بنا ہے۔ مگر یہ منزل وہ ہے جہاں امیر و غریب سب برابر ہیں اور کیا سچ کہا ہے کہ ؎

چو آہنگ مردن کند جان پاک — چہ بر تخت مردن چہ بر روئے خاک

جن کے مقبرے ہزار ہا روپیہ کی لاگت سے بنے ہیں آج ان کا پتہ نہیں چلتا کہ کون تھے پھر بادشاہ کا کیا ٹھکانا آج مرے کل دوسرا دن۔ وَیَبقٰی وَجہُ رَبِّکَ ذُوالجَلَالِ وَالاِکرَام

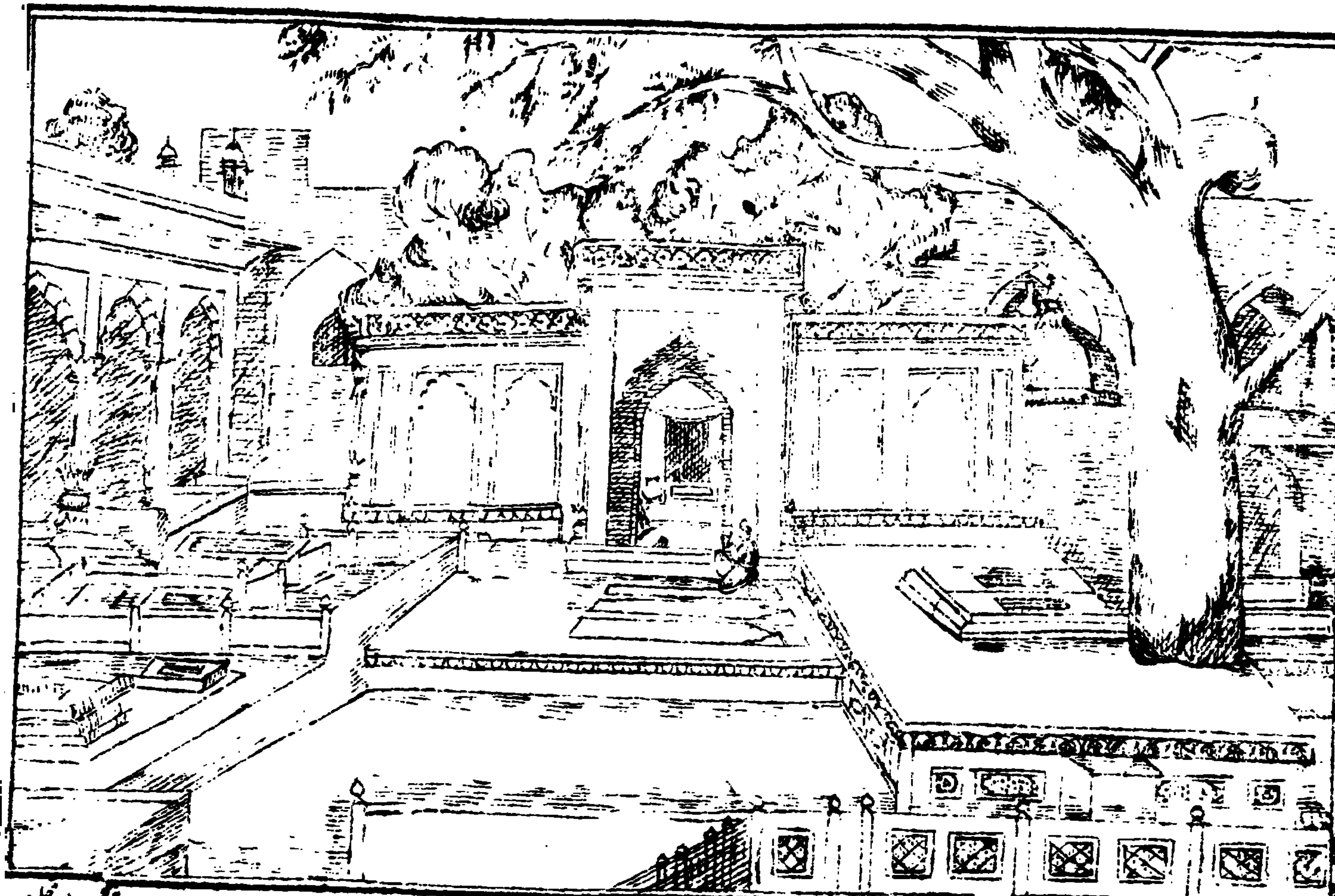
غالباً اشرف بیگ کی قبر

اوپر والے مقبرے کے شرقی دروازے کے سامنے ایک پختہ چبوترا ۲۶×۱۴ اور آ۔ ۹ اونچا ہے۔ یہ چبوترا اُس زمانے کے رواج کے موافق مسجد نما ہے۔ یعنی مغرب کی دیوار مع تین دیوار دوز طاقوں کے اور شمال جنوب کے پاکھے کھڑے ہیں۔ جسے حصہ مسجد کہنا چاہیئے۔ اس کے محاذ میں چبوترے پر دو چونے گچی کی بہت پرانی قبریں ہیں دونوں قبریں شکستہ حالت میں ہیں۔ ان میں سے ایک قبر کے گرد پیچ میں آیۃ الکرسی کندہ ہے اور یہی ذرا ٹھیک بھی ہے۔ ہو نہ ہو اشرف بیگ صاحب کی قبر یہی ہوگی۔ کیوں کہ اور کوئی ممیز قبر اس احاطے کے اندر نہیں ہے۔

شاہ مرداں یا علی جی یا علی گنج
۱۱۳۷ھ
۱۷۲۴ء

کیا فیض علی کے قدم پاک سے ہے — روضہ کی زمیں بلند افلاک سے ہے
بنتا ہے وہاں درِ نجف قطرۂ آب — پانی کی بھی آبرو اسی خاک سے ہے

کربلا کے احاطے سے آگے ایک بہت بڑا فصیل نما احاطہ دکھلائی دیتا ہے۔ اس کے اندر مختصر سی آبادی ہے جو شاہ مرداں یا علی گنج کے نام سے مشہور ہے۔ ادہم بائی زوجہ محمد شاہ بادشاہ جن کو احمد شاہ کے عہد سلطنت میں اول نواب بائی اور پھر نواب قدسیہ صاحب الزمانی کا خطاب ملا۔ شیعہ مذہب تھیں۔ ۱۱۳۷ھ ۱۷۲۴ء



نقشهٔ شاه مردان

ہیں ان کے پاس ایک ایسا پتھر آیا جس پر امیر المومنین حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے قدم مبارک کا نقش تھا۔ نواب قدسیہ بیگم نے اس نقش قدم کو ایک سنگ مرمر کے حوض میں نصب کرایا اور اسی سبب سے اس مقام کو علی جی۔ شاہ مرداں اور علی گنج کہتے ہیں۔

علی گنج کا شمالی صدر دروازہ

سنہ ۱۱۶۲ھ
۱۷۴۹ء

احمد شاہ کے زمانے میں نواب قدسیہ بیگم نے سنہ ۱۱۶۲ھ ۱۷۴۹ء میں جاوید خاں خواجہ سرا کے اہتمام سے چار دیواری مجلس خانہ مسجد اور حوض بنوایا۔ پھر سنہ ۱۲۲۳ھ ۱۸۰۹ء میں عشرت علی خاں نے مجلس خانہ بنوایا۔ یہ دروازہ کنگورا ملا کر ۳۴ فٹ اونچا اور ۱۴ ½ فٹ چوڑا چوکیوں دار ہے۔ یہ دروازہ دُہرا ہے آگے دروازہ پیچھے دروازہ بیچ میں گنبد دار چھت۔ ڈیوڑھی میں دونوں طرف دو منزلہ سہ دریاں ہیں۔ ابھی تک اس کے قدیم چوبی کواڑ بھی سلامت ہیں۔ اس کی پیشانی پر سنگ مرمر کی تختی پر یہ کتبہ نہایت خوش خط بخط نستعلیق لگا ہوا ہے:-

کتبہ

"قال محمد حبیب اللہ و انا مدینۃ العلم
و علی بابہا × در عہد مبارک احمد شاہ ۱۱۶۲
بہادر بادشاہ غازی بموجب
ارشاد نواب قدسیہ حضرت صاحبہ
زمانیہ باہتمام نواب بہادر جاوید خاں صاحب
بسر براہے خاکسار لطف علیخاں تعمیر قلعہ و مجلسخانہ
و مسجد و حوض در یکسال مرتب شد"

اس دروازے کے اندر بستی ہے جس میں کئی بڑے بڑے عالی شان دروازوں کے گھر قدیم زمانے کے بنے ہوئے ہیں جو اب ویران ہیں یا یہ کہ کوئی معمولی شخص رہتے ہیں۔

مسجد

دروازے کے پاس ہی تین کمر کی نہایت خوب صورت سفید گنبدوں کی مسجد ہے جن کے کلس بھی صحیح سلامت ہیں۔ ادھر اُدھر ایک ایک مربع چار دری برجی ہے۔ مسجد کے تین در ہیں۔ بیچ کا در ۹ فٹ اونچا ۴ ½ فٹ چوڑا ہے

مسجد ۲۵ × ۱۰ ہے۔ سامنے گما اینٹ کے فرش کا چبوترا ۲۷ × ۱۲ ہے۔ صحن میں نیم کا ایک بہت پرانا درخت کھڑا ہے۔ اس کے نیچے کئی خام قبریں ہیں۔ مسجد کے گرد احاطہ ہے۔

کنواں اور سیڑھی دار باؤلی

مسجد کی جنوبی دیوار سے ملا ہوا ایک کنواں اور اسی کے پاس سیڑھی دار اُترنے کی باؤلی ہے۔ کنواں اور باؤلی منہدم ہیں۔ صورت یہ ہے:-

کنواں	باؤلی	سیڑھیاں

نقار خانے کا دروازہ
سنہ ۱۲۳۰ھ ۱۸ء

درگاہ میں داخل ہونے سے پہلے نقار خانے کا دروازہ ملتا ہے جو ۱۰ × ۸ ہے۔ یہ دروازہ گنبددار ہے جس پر ایک سہ دری بھی ہے۔ دروازے کے روکار پر بیل بوٹے بنے ہوئے ہیں۔ اس کی پیشانی پر یہ کتبہ ہے:-

ہو العلی

چوں کہ صادق علی بنائے رفیع — ساخت بر آستانہ حیدر
سال تاریخ آں بنا صادق — گفت نقار خانۂ حیدر
۱۲۳۰

دو سو انسٹھ برس کی ایک پرانی قبر

اسی دروازے کے باہر ایک بہت پرانی قبر سنگ سرخ کی ہے جس کی لوح پر یہ کتبہ ہے:-

اللہ اکبر۔ بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

دریغا کہ بے ما بسے روزگار — بروید گل و بشگفد نو بہار
کسانی کہ از ما بغیب اندر اند — بیایند و بر خاک ما بگزرند

بست و یکم شہر ذی حجہ مغفوری مرحومی میاں عشرت صاحب برحمت حق پیوست

کوکا کی مسجد

ہے تو یہ مسجد چھوٹی سی یعنی ۲۸½ × ۱۲ مگر کچھ عجب دل فریب اور سڈول سر سے پا تک سنگ سرخ کی بنی ہوئی ہے اور پتھر بھی چن چن کر ایسا لگایا ہے کہ یہ معلوم ہوتا ہے کہ کوئی دلہن لال جوڑا پہنے کھڑی ہے۔ اس کے

ف بیدل میں علی بریدشاہ بادشاہ کے گنبد کے اندر بھی یہ اشعار کندہ ہیں۔ ۱۲

تینوں گنبد ایسے خوش نما اور سجل ہیں کہ دیکھ کر دل خوش ہو جاتا ہے۔ افسوس ہے کہ گنبدوں پر کی بعض بعض سلیں گر گئی ہیں اندر سے اینٹیں نکل آئی ہیں۔ دراڑیں کھل جانے سے ان اینٹوں پر گھاس اُگ آئی ہے۔ پتھر کی سُرخ سلوں کے ساتھ یہ سبزی بھی عجب لطف دیتی ہے ؎

نہ کچھ شوخی چلی بادِ صبا کی — بگڑنے میں بھی زلف اُس کی بنا کی

بیچ کا گنبد جو زیادہ بڑا ہے وہی زیادہ مخدوش حالت میں ہے۔ باقی ایک چھوٹا گنبد بھی مرمت طلب ہے اور ایک درست حالت میں ہے۔ بیچ کے گنبد اور شمال کے گنبد کے پتھر کے نازک کلس باقی ہیں جنوب کے چھوٹے گنبد کا کلس گر گیا۔ ذرا سی توجہ سے ان کی درستی ہو سکتی ہے ورنہ پانی جذب ہو ہو کر بہت جلد یہ گنبد بیٹھ جائیں گے۔ مسجد کے تین در ہیں۔ بیچ کا در ۷ فٹ ۸ انچ بلند اور ۵ فٹ ۹ انچ چوڑا ہے۔ اندر اور باہر چبوترے پر جو ۳۱ فٹ ۵ انچ × ۱۳ فٹ ۸ انچ طول و عرض میں اور ۲½ فٹ اونچا ہے چوکوں کا فرش ہے۔ ایک کنواں بھی مسجد کی داہنی طرف ہے۔ مسجد کا پختہ اور وسیع احاطہ ہے۔ احاطہ کے اندر کئی قبریں ہیں جن میں سے ایک قبر کا تعویذ سنگ باسی کا ہے جس کے اوپر اللہ لکھا ہے اور لمبان میں دونوں طرف بہ خطِ نستعلیق یہ عبارت ہے۔

ایک طرف — نادِ علیاً مظہر العجائب — تجدہ عوناً لک فی النوائب — بتاریخ ماہ ربیع دہور

دوسری طرف — اگر سر برنداری ز بالین گور — کل ہم و غم سینجلی — بولایتک علی یا علی یا علی

یہ مسجد کوکا کی مسجد کہلاتی ہے خدا جانے وہ کوکا کون تھے۔ جس انا کا دودھ پیتے ہیں اُس کا دودھ شریک بھائی کوکا کہلاتا ہے۔

درگاہ حضرت سید عارف علی شاہ صاحب عرف چھٹے بٹے کی درگاہ ۱۰۷۲ھ

ان بزرگوار کا حال کسی کتاب میں میری نظر سے نہیں گزرا سید اعجاز حسین صاحب متولی درگاہ کہ حضرت کے خاندان میں ہیں اور مردِ صالح ہیں۔ آپ کے وصال کا سال ۱۰۷۲ھ بتلاتے ہیں اور چونکہ ان کا گزارا سی درگاہ کی نذر و نیاز پر ابا عن جدٍ چلا آتا ہے ان کا کہنا ایک حد تک قابل قبول ہے وہی کہتے ہیں کہ آپ کا وصال غوث پور ضلع بجنور میں ہوا۔ آپ کی نعش وہاں سے دلی لائی گئی چنانچہ اب تک بھی آپ کا عرس دلی اور غوث پور دونوں جگہ ہوتا ہے۔ درگاہ کی عمارت ۲۲ فٹ مربع ایک گنبد ہے جو پھیلے ہوئے پیٹے کا ہے جس پر برجی کلس ہے۔ آپ کے گنبد کے چار دروازے ہیں۔ آپ کی قبر پر شامیانہ تنا ہوا ہے اور بہت سے چھٹے بٹے آویزاں

ہیں اسی وجہ سے عوام میں چھٹے تنٹے کی درگاہ مشہور ہے۔ آپ کے مزار کے گرد سنگ مرمر کا کٹہرا ہے۔ درگاہ کا احاطہ ۴۲ فٹ مربع ہے جس میں ایک بہت پرانا نیم کا درخت کھڑا ہے۔ احاطہ کے کونے میں ایک مختصر سی تین در کی مسجد ۱۴ فٹ طول ۹ فٹ کی ہے۔ غرض جا ے از بس دلکش اور پُر انوار ہے۔

قطعہ تاریخ وصال حضرت سید عارف علی شاہ صاحب رح

بعہد شاہ عالم گیر غازی سیادت مرتبت عارف علی شاہ
فقیہ و متقی و عارف عصر ملک خصلت نکو صورت حق آگاہ
بزہد و کشف و اعجاز و کرامت بعلم معرفت مشہور چوں ماہ
ازیں دار فنا با صد تجمل متاع اتقا بربود ہمراہ

چنیں بنوشت مفتط سال رحلت
نہاں شد آفتاب دین حق آہ

درگاہ قدم مبارک
سنہ ۱۱۴۳ء ۱۷۲۴

اب درگاہ شریف میں چلیئے جس کا مشرق رویہ دروازہ ۹ فٹ اونچا اور ۳ فٹ چوڑا چوبی دار ہے جس کے پٹ چوبی ہیں۔ لیکن جیسی عالی شان عمارت ہے ویسا دروازہ نہیں۔ یہ درگاہ ایک بڑے احاطے کے اندر ہے۔ خود درگاہ کا احاطہ ۳۷×۲۶ فٹ ۸ ۔ ۸ اونچا سنگ مرمر کی نفیس سلوں کا ہے۔ جنوبی دیواریں (۱۰) دس پوری سلیں سنگ مرمر کی نصب ہیں اور نصف نصف سلیں کونوں میں اور ایسے ہی شمالی دیواریں۔ مشرق کی طرف داخلی دروازہ ۷ ۔ ۹ اونچا ۳ عریض ہے جس کی چوکھٹ سنگ مرمر کی ہے اور پٹ چوبی دروازے کے ادھر ادھر دو سلیں سنگ مرمر کی ہیں جو ایک قسم جار دیواری ہے۔ اسی طرح مغرب کی دیواریں دو سلیں سنگ مرمر کی اور بیچ میں ایک معمولی سا دروازہ ہے۔ اس دروازے کے دونوں پاکھوں پر سنگ مرمر کے کچھ کتبے دوسری جگہ سے لاکر نصب کر دیئے ہیں کہ روندن میں آتے تھے۔

داہنے پاکھے پر (۱) اللہ محمد علی

(۲) بسم اللہ الرحمٰن الرحیم
اللہ محمد علی فاطمہ حسن حسین علی

محمد ف موسیٰ علی محمد علی

حسن محمد علیہم السلام

تاریخ وفات شرف النسا بیگم عرف حاجی بیگم مرحومہ × بنت میرزا سید محمد گلستانہ عرف
میرزا جانی مرحوم × دوازدہم شہر ربیع الثانی روز یکشنبہ سنہ ۱۲۱۶

بائیں پاکھے پر بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

سنہ ۱۱۴۹

صحن درگاہ میں سنگ مرمر کی سلوں کا فرش ہی جس کے بیچ میں ایک پرانا درخت نیم کا بھی کھڑا ہی۔

قدم شریف کی اصل جگہ اسی احاطے کے بیچوں بیچ سنگ مرمر کا ایک چبوترہ ۸ فٹ ۸ انچ لمبا۔ ۶ فٹ ۵ انچ اونچا ہی جس پر زمین کا صندوق نما پشتہ کر دیا ہی اور زمین کو سبز رنگ کا رنگ دیا ہی۔ اس صندوق کے دونوں طرف لمبان میں کھلنے بند ہونے والی کھڑکیاں رکھ دی ہیں۔ اس کے اندر سنگ مرمر کا ایک نہایت خوب صورت حوض ۲ فٹ ۲ انچ لمبا اور ۲ فٹ ۱۰ انچ چوڑا ۱ فٹ ۳ انچ عمیق ہی اسی کے اندر قدم مبارک ہی جس میں خوشبودار پانی اور پھول پڑے رہتے ہیں۔ اس حوض کے کنارے عرض میں ایک طرف یہ شعر کندہ ہی۔

بر زمینی که نشان کفِ پاے تو بود ۔۔۔ سالہا سجدهٔ صاحب نظراں خواہد بود

برج کاسہ حضرت فاطمہؓ درگاہ قدم شریف کے احاطے کی شمالی دیوار سے ملا ہوا ایک چھوٹا سا احاطہ ہی جس کے اندر ایک چھوٹا سا ہشت پہل برج ہی کہتے ہیں کہ اس برج میں نقش کاسہ حضرت فاطمہ علیہا السلام کا ہی۔ اس احاطے کے اندر سوائے عورتوں کے مرد نہیں جاتے میں نے بھی ادباً اس میں جانے کی جرات نہ کی ایک چھوٹے سے لڑکے کو اندر بھیج کر دکھوالیا اس برج کے اندر ایک بڑے پیالے کی شکل بنا دی ہی اور کوئی خاص بات قابل ذکر نہیں چوں کہ یہ مقام حضرت فاطمہ کے نام سے منسوب ہی لہذا پاس ادب ضرور ہی۔

جھالرہ اسی سے ملا ہوا ایک بہت وسیع کشادہ اور بلند دالان ۲ فٹ ۴۲ × ۱۶ کا ہی۔ اس دالان کا دروازہ ۸ فٹ ۰ انچ چوڑا اور بہت اونچا ہی اس دالان میں

سنہ ۵ ہونے چاہیے مگر یہاں تو ایسا ہی کھدا ہوا ہی۔ ۱۲

سنگ کا کام تھا جواب برائے نام باقی ہے۔ کہتے ہیں کہ یہ دالان کسی سوداگر نے جب اس کی منت پوری ہوئی تو بااظہار تشکر بنوایا اور اس کا نام جہاز رکھا۔ وجہ تسمیہ کوئی کچھ نہیں بتاتا۔ میرے خیال میں چوں کہ یہ دالان بہت بڑا ہال ہے اور جہاز کی شکل کا لمبا چلا گیا ہے عجب نہیں کہ بلحاظ ہیئت کذائی جہاز کے نام سے موسوم کیا گیا ہو۔ اس کا ایک دروازہ باہر وار رستے پر بھی ہے اور ایک سہ دری بھی اسی کے متعلق تھی جس کے تین در باقی ہیں اس مکان میں جو ندرت ہے وہ یہ ہے کہ اس کی چھت کڑیوں کی ہے اور باوجود امتداد زمانے کے جوں کی توں علی حالہ قایم ہے جو شہتیر دروازے پر بطور سردل کے دیا گیا ہے اس کو دیکھنے سے اس کی غیر معمولی جسامت اور سطبری کا اندازہ ہوسکتا ہے چھت اوپر سے سپاٹ ہے اٹھارہ سیڑھیوں کا زینہ ہے۔ خدا جانے کیا بات ہے کہ جو جگہ ملی وہاں مردے دفن کردیئے گئے حالاں کہ یہ مکانات اس مصرف کے لیئے نہیں بنائے گئے تھے اس میں بھی دو قبریں ہیں۔ پھر ایسی جگہ قبریں بنا دینا اور قبروں کو روندن میں لانا غور طلب ہے۔ ان دونوں قبروں کے سرہانے کے کتبے یہ ہیں:۔

(۱) ھُوَالمستعان میر خورشید علی رضوی تعزیہ دار بعمر ۶۲ سال در شب جمعہ بتاریخ ۲۳ ربیع الاول سنہ ۱۳۳۲ھ رحلت نمود۔

(۲) سَلَامٌ عَلَیکُم بِمَا صَبَرتُم فَنِعمَ عُقبَی الدَّارِ هٰذَا القَبرُ المَنوَرُ فِیهِ المُندَرِجُ فِی رَحمَۃِ کَربَلَائِی بیگم الفاتحۃ لَهَا اَجرُکُمُ اللّٰهُ فی ۲۴ شعبان المظفر سنہ ۱۳۳۲ھ

نواب ابراہیم بیگ خاں کی قبر سنہ ۱۲۴۴ھ

یوں تو درگاہ کے احاطے میں ایک چپہ بھر زمین بھی قبروں سے خالی نہیں مگر ہم انہیں قبروں کو لکھتے ہیں جن پر کتبے ہیں۔ پختہ فرش کو چھوڑ کر خام صحن میں جو برج کا سہ حضرت فاطمہ اور جہاز کی عمارت کے سامنے ہے صرف ایک قبر کی لوح پر جو سنگ باسی کی ہے یہ کتبہ بخط نستعلیق ہے۔

(نواب ابراہیم بیگخاں بہادر خلف × احتشام الدولہ نواب اسمعیل بیگخاں بہادر × فیروز جنگ بتاریخ پنجم جمادی الثانی × سنہ ۱۲۴۴ وفات یافت)۔

درگاہ کے احاطے کے اندر مسجد

درگاہ کے احاطے کے اندر جہاز کے پیچھے بجانب شمال ایک مسجد ہے۔ جس کے تین گنبد

اور تین در ہیں۔ مسجد طول و عرض میں ۴۰ فٹ ½ × ۱۲ فٹ ہے۔ چار سیڑھیوں کا منبر ہے۔ سامنے چبوترا ۴۴ × ۱۵ فٹ ½ ہے جس پر گما اینٹ کا فرش ہے۔ بیچ کا در ۸ فٹ ½ اونچا اور ۵ فٹ ۲ انچ چوڑا ہے۔ کلس گنبدوں کے ٹوٹ گئے ہیں۔ صحن کے آگے سنگ سرخ کا ایک حوض ۲۸ فٹ ½ × ۱۵ فٹ۔ تین فیٹ عمیق ہے جس کے بیچ میں ایک فوارہ بھی سنگ سرخ کا ہے اب یہ حوض مٹی سے اٹ گیا ہے اور اس قدر گھانس اس میں ہو گئی ہے کہ اس کے حدود کا معلوم کرنا بھی مشکل ہے۔ مسجد کے گرد سات فیٹ اونچی احاطے کی دیوار ہے۔

سنگ مرمر کا پہلا چبوترا

پھر درگاہ کے باہر آئیے تو اُس کے سامنے تمام سنگ مرمر کا فرش ہے اور ایک بہت بڑا پرانا نیم کا سایہ دار درخت کھڑا ہے۔ اس درخت کے گرد بھی سنگ مرمر کا ۱۵ فٹ ½ × ۱۰ فٹ - ۲ فٹ ۱ انچ اونچا دو سیڑھیوں کا چبوترا باندھ کر درخت کو ایک کونے میں لے لیا ہے۔ اس چبوترے پر دو قبریں سنگ مرمر کے تعویذ کی ہیں مگر کوئی کتبہ نہیں ہے۔

چار قبروں کے کتبے

اُس چبوترے کے ذیل کی قبریں سطح زمین کے برابر ہیں صرف سلوں سے معلوم ہوتا ہے کہ قبریں ہیں۔ سلوں کے گرد سیاہ حاشیہ کھینچ دیا گیا ہے۔ ان چار قبروں میں صرف قبر نمبر (۱) کی سل سنگ سرخ کی ہے باقی کی سنگ مرمر کی سلیں ہیں۔

(۱) مخلدار بیگم کہ گفتی بدنیا — سجود در اہل بیت است در بینم
غمش کرد خون دل دوستان خشک — شد از ماتمش دیدہ مومنیں نم
بسید خود آں سیدہ سال رحلت [۱۲۱۹] — بگفتا مخلدار خلد بر بینم

(۲) مرقد منور حسام الدین حیدر موسوی [۱۲۵۹] (۳) آخریں منزل جہاں آرا ے

(۴) بادا بجہاں صدر نشیں صدر نشاں [۱۲۶۳]

امراؤ مرزا صاحب[1] کے بزرگوں کی ہڑواڑ

نیم کے درخت والے چبوترے کے سامنے یہ دوسرا چبوترا سنگ مرمر کا ۱۳ فٹ مربع - ۲ فٹ اونچا ہے جس کے گرد ۱ فٹ ½ اونچا کٹہرا شمال میں اور نصف شرق مغرب میں ہے۔ اس چبوترے پر صرف دو قبریں زمین کے برابر ہیں جن پر سنگ مرمر کی سلیں اور چوطرف حاشیہ سنگ سیاہ کا ہے

[1] نواب امراؤ مرزا صاحب آنریری مجسٹریٹ دلی کے عمائدین میں سے ہیں آپ دریا گنج میں رہتے ہیں یہ ہڑواڑ آپ ہی کے بزرگوں کی ہے۔ ۱۲

قبر نمبر (۱) کے اوپر بسم اللہ الرحمن الرحیم دو طرف کلمہ شہادت بیچ میں (اللہ) اور گرد آیۃ الکرسی ہے۔ اس کے سرہانے نہایت خوشخط بہ خط نستعلیق سنگ مرمر کی تختی پر یہ کتبہ ہے

هو الباقی

احمد حسین خاں کہ بعہد شباب مرد — زاں خوبی و نکوئی و حسن و جمال آہ

سالِ وفات او بدو نوع ای دقیقہ رس — خاں یکہزار و دو صد و ہفت و دو سال آہ

۱۲۶۲

(۲) دوسری قبر کے سرہانے یہ لوح ہے۔

اللہ

بسم اللہ الرحمن الرحیم

یا غفار الذنوب			یا ستار العیوب
یا رحمٰن	چراغ شبستان ختم امام	بپای علی شاہ مرداں بخفت	یا غفران
یا رؤف	زہاتف چو پرسیدم از سال او	مراسکن سوسو بجاں بگفت ۱۱۸۴ سنہ	یا عطوف

ایک سہ درہ دالان

اس چبوترے کے سامنے ایک سہ درہ دالان سنگ سرخ کا ہے جس کی چھت بھی سرخ سلوں کی ہے۔ یہ دالان $19\frac{1}{2} \times 9$ فٹ ہے اس میں چار قبریں زمین کے برابر ہیں جو سلوں اور جدولوں سے پہچانی جاتی ہیں۔ کہتے ہیں کہ دیواروں میں کتبہ تھا اس میں کچھ غلطی ہونے سے نکال لیا گیا۔ یہاں کے لوگ اکبر مرزا صاحب کے خاندان کی ہڑواڑ بتلاتے ہیں جو فرش کا نے میں چوہیا کے چھتے میں رہتے ہیں۔

مہر النساء بیگم کی چوکھنڈی

اوپر والے سہ درہ کی پشت کی پچھیت کی دیوار میں ایک دروازہ ہے جو اس چوکھنڈی میں جانے کا ہے۔ یہ چوکھنڈی $10\frac{1}{2} \times 9$ فٹ ہے جس کے احاطے میں سنگ مرمر کی سلیں $6\frac{1}{2}$ فٹ اونچی لگی ہوئی ہیں۔ فرش بھی سنگ مرمر کا ہے۔ دروازہ مغرب میں ہے جس میں سنگ مرمر کی دو جالیاں لگی ہوئی ہیں۔ اس کے اندر تین قبریں برابر برابر مشرق سے مغرب کی طرف ہیں۔ دو کے تعویذ ہیں ایک کی سل جس پر سیاہ حاشیہ ہے۔

نمبر(۱) کی لوح نہایت خوب صورت خوش خط اور نقش و نگار سے آراستہ ہے:-

لا الٰہ الا اللہ محمد الرسول اللہ

علیہ الصلوٰۃ والسلام

چو مہر النسا بیگم خوش صفات	کہ چوں مہری داشت روشن لقا
برفت از جہان و سیہ شد جہاں	بیفگند پرتو بملک بقا
زمنوں بجستیم سال وفات	بصد محنت و درد و رنج و عنا
بحاکرد بے انتہا او بگفت	کہ ہیہات ہیہات مہر النسا

سنہ ۱۲۲۸ھ

نمبر(۲) قُلْ یٰعِبَادِیَ الَّذِیْنَ اَسْرَفُوْا عَلٰۤی اَنْفُسِهِمْ تا هُوَ الْغَفُوْرُ الرَّحِیْمُ
سرہانے کلمہ یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا ارْكَعُوْا وَاسْجُدُوْا وَاعْبُدُوْا رَبَّكُمْ وَافْعَلُوا الْخَیْرَ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ (نہایت خوش خط)
اگرچہ یہ چوکھنڈی خود مختصر ہے لیکن با ایں ہمہ جنوب رخ پر ایک چھوٹی سی لدادی سہ دری سنگ سرخ کی بنادی ہے۔

شاہ نعمت الٰہی کی چوکھنڈی ۱۱۹۷

سید عارف علی شاہ صاحب کی درگاہ کے احاطے کی مغربی دیوار سے ملی ہوئی ہے جو اینٹ کی ہے۔ یہ چوکھنڈی ہے۔ ۱۳ فٹ ۱/۲ مربع ہے۔ احاطے کی بلندی ۱/۲-۵ ہے۔ درگاہ کی طرف کی دیوار کے سوا تینوں طرف دیواروں میں سنگ مرمر کی چار چار سلیں اور ایک ایک جالی لگی ہے۔ مغرب کی طرف صرف دو جالیاں ہیں کہ اسی میں دروازہ ہے۔ اس چوکھنڈی میں صرف دو قبریں ہیں۔ جو قبر بجانب درگاہ ہے اس کی مرمر کی سل پر یہ عبارت بخط نستعلیق منقوش ہے جس کی سیاہی جا بجا سے اڑ گئی ہے:-

اللہم اغفر نجیب الحضرات وفات

ذات المکرم الشیخ نعمۃ ۹

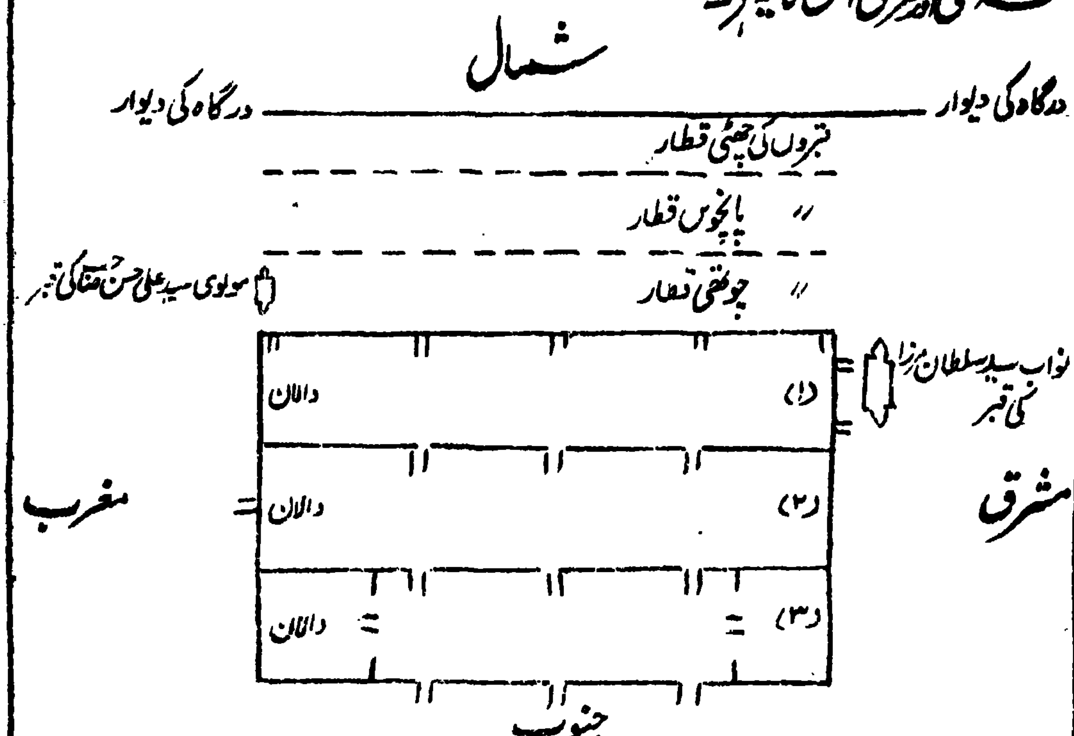
شاہ نعمت الٰہی فی التاریخ ۱۹ شعبان سنہ ۱۱۹۷

بجوار رحمۃ [illegible] الی السید

اسی کے برابر دوسری قبر ہے مگر اُس پر کوئی کتبہ نہیں ہے۔ سنگ مرمر کی سِل کے گرد صنبے حاشیہ ہے۔

مجلس خانہ ۱۲۲۳ھ / ۱۸۰۸ء

یہ مجلس خانہ عشرت علی خاں نے ۱۲۲۳ھ/۱۸۰۸ء میں بنوایا جو تہرے دالان کا ہے جس کے گرد چوڑا چھجہ اور چاروں کونوں پر چار برجیاں ہیں۔ یہ عمارت طول و عرض میں ۵۲×۴۳ ہے۔ شمال میں پانچ در، مشرق میں دو، جنوب میں تین۔ مغرب میں صرف ایک چھوٹا سا دروازہ۔ یہ در دہرے اور بنگڑی دار محراب کے ہیں۔ چھت لداؤ کی قلم دان نما اوپر سے سپاٹ ہے۔ چودہ سیڑھیوں کا زینہ ہے۔ نقشہ سطحی و نظری اس کا یہ ہے۔



اس مکان کے بیچ دالان میں شمال رویہ پاکھے پر یہ کتبہ ہے:—

(۱) بدرگاہ شاہنشہ دوسرا ے — علی شاہ مرداں ولی خدا ے

بحکم شہ اکبر نامور — چو عشرت علیخاں بنا راست بنا ے

زسید شدم سائل سال آں — ہمیں زد رقم داد ناظر بنا ے ۱۲۲۳

اس مکان میں مجلسیں مرثیہ خوانی کی ہوتی ہیں۔ استداد زمانہ کی وجہ سے مجلس خانہ بہت بوسیدہ ہو گیا تھا۔ ۱۳۰۲ھ میں نواب وزیر علی خاں نے اپنی عالی ہمتی سے اس کی درستی کرادی چنانچہ صاحب موصوف نے دہلی کشمیری دروازے کھڑکی ابراہیم علی خاں میں جو

درگاہ پنجہ شریف ۔ امام باڑہ اور مسجد سید آغا حیدر صاحب کے بزرگوں کی ہے ان مقامات کی مرمت بھی کرائی ۔ درگاہ پنجہ شریف میں ۸ محرم کو علم اور ۹ کو تابوت اٹھایا جاتا ہے اور ربیع الاول کو چہلم شنبہ کو مجلس عزا سید الشہدا برپا ہوتی ہے ۔ اوپر کے کتبے کے متوازی یہ دوسرا کتبہ ہے ۔

(۲)　　اللہ

وہ عالی مرتبہ سید وزیر علی نواب　　امام باڑہ مرمت کرایا اور جہاز
لگایا جس گھڑی یوں بحرِ فکر میں غوطہ　　تو کا فکر ۔ بدخواہ یاس خستہ جگر
برائے مادہ سن ہجری نبوی　　مکانِ شیرِ خدا ہے یہ لے بدل بولا

خاکسار کی سمجھ اس معمے کے حل سے قاصر ہے کہ ہے تو یہ مکان مجلس خانہ ۱۲۱۲ ہجری اور بانی کی غرض اس عالی شان اور خوش نما عمارت کے بنانے سے انعقاد مجالس تھا مگر اب تو اس سے قبرستان کا کام لیا جا رہا ہے یعنی اس کے مسقف حصہ کی بھی کوئی جگہ خالی نہیں کہ جس میں قبر نہ ہو اور جتنی قبریں مجلس خانے میں ہیں رات دن روز دن میں آتی ہیں بے تکلف لوگ جوتیاں پہن کر پھرتے اور اسی میں اٹھتے بیٹھتے اور سوتے ہیں اس پر سے ظاہر ہے کہ اس متبرک مقام کے بنانے سے غرض کیا تھی اور اب ہو کیا رہا ہے ۔

مجلس خانے کے اندر کی قبروں کے کتبے

پہلے دالان کے باہر شرق کی طرف ۔ (۱) یہ ایک سنگ مرمر کی سل ہے ۷ × ۳ ½ جس کا چبوترا ا ۔ ۸ اونچا اور کٹہرا بھی اسی قدر اونچا سنگ مرمر کا ہے ۔ اس کے سرہانے یہ کتبہ ہے :-

ھو الغفور

آرامگاہ دائمی جناب نواب سید سلطان مرزا صاحب مغفور ✗ پاک دامان و خوش اعمال خجستہ گوہر صاحب تقوی ✗ حامی دین نبی سید موسن پدر از نسل رضا ✗ مرد با وضع اولوالعزم رئیس دہلی ورشہر مئے ✗ وائے از وارفنا رفتہ محمد صفدر سلطان مرزا ۱۳۲۸
۳۲۴　۹۲　۶۸۵　۲۳۶　۱　۱۳۲۸
۶ دسمبر ۱۹۱۰

پہلے دالان ۱۵۰ کے اندر کی قبریں ۔ (۲) ۸۶ ۷ ۔ قبر مسمی بعباس میرزا قبلہ گاہ سجاد مرزا ۔ (۳ ۔ ۴) ۔ خالی ۔

(۵) ھو اللہ ۔ سیوم ماہ عزا بود ولیس از ماہ عزا — ناگہاں شد بجناں رحلت کبری بیگم
ہاتف غیب بمن گفت زروی الہام — سال تاریخ بگو تربت کبری بیگم

(۶) ھو اللہ ۔ حسین مرزا چوں مرد دوشش برشماں — ازاں کہ بود ز نسل امیر خیبر گیر
پی شمارۂ سال وفات رضواں گفت — بیا بکاخ جناں ای امیر ابن امیر ۱۳۲۲

(۷ و ۸) خالی ۔

دوسرے دالان کے اندر کی قبریں ۔ (۱) کلمہ طیبہ ۔

فائز بقدم بوس علی شد ہرگاہ — عشرت ز غلامان علی شاہنشاہ
سید سر اندیشہ چو زد سال نوشت — پابوس علی باد بعشرت اللہ ۱۳۲۲

(۲-۳) خالی ۔ (۴) یا ودود غفور ۱۳۲۳ — ھو الغفار ۱۳۲۳ — یا واھب یا غافر ۱۳۲۳

از دہر رفت سیدہ خاتون مگر ندید — بھر سفر ز نیمۂ ماہ صیام بہ
یکتا ز روے آہ بمعنی و لفظ گفت — یکشنبہ و ہزار و سہ صد بود و بست و سہ

یا وھاب یا غفار ۱۳۲۳ — ۱۳۲۳ ہجری — ھو الغافر ۱۳۲۳

(۵) ھو الغفور ۔ رفت بر بست چوں محمد میر — سوے خلد بریں ز دار غرور
گفت ہاتف دلیل بخشش اوست — کامدہ سال رحلتش مغفور

دالان کے باہر (۶) اللہ ۔ محمد ۔ علی ۔ فاطمہ ۔ حسن ۔ حسین

مزار پر انوار جوانمرگ آغا محمد یوسف صاحب خلیل فرزند دلبند آغا محمد ابراہیم صاحب خلف الرشید حضرت مولانا محمد حسین صاحب آزاد اعلی اللہ تعالی مقامہم ۔

قطعۂ تاریخ

عمر بھر یاد رہے گی یہ کہانی افسوس — داغ دل پر ہے محبت کی نشانی افسوس
ہاے مہندی بھی دلہن کی نہ چھٹی تھی شاعر — خاک میں دفن ہے یوسف کی جوانی افسوس ۱۳۲۳ھ

تیسرا دالان ۔ چھ قبریں مگر خالی ۔

مجلس خانے کے محاذ میں چبوترے پر ۔ پہلی قطار ۔

اس لین میں کل بارہ قبریں ہیں جن میں سے صرف دو پر کتبے ہیں ۔ (۱) جو محراب

(۳) مسیح علی حسن میاں صاحب مرحوم۔
لوح۔ اے دریغا سجاد۔
...یں قطار میں۔ پانچ سادی قبریں۔
...ی قطار میں۔ چھ قبریں ہیں جن میں سے چار سادی اور دو پر یہ کتبے ہیں:۔
(۱) جو داہنی طرف سے چوتھی قبر ہے:۔

۱۲۶۸
سنہ
بتاریخ پانزدھم رمضان
رحلت
ولایتی خانم صاحب نمود

(۲) جو داہنی طرف سے پانچویں قبر ہے:۔
بحکم حق سوے جنت برفت بیا جان[۲] — بہ لبست رفت زدار فنای کہنہ رباط
ندا رسید ز ہاتف بسال تاریخش — ملال ووائی کہ تیرہ نمود بزم نشاط
۱۲۶۳

عیسیٰ خاں کی باغیچی

علی گنج کے حصار کے اندر ایک وسیع اور پختہ احاطہ ہے جس کے اندر کچھ درخت ہیں وہ عیسیٰ خاں کی باغیچی کے نام سے مشہور ہے۔ اس کا ایک معمولی سا دروازہ مشرق رویہ ہے۔ اندر ایک تین در کا

[۱] اس سے سال وفات نہیں نکلتا معلوم ہوتا ہے کہ نام کے نیچے سال یوں ہی لکھ دیا ہے۔ آپ اٹاوے کے رہنے والے اور نواب محسن الملک بہادر مرحوم کے چچا زاد بھائی تھے۔ حیدرآباد دکن میں ایک زمانے میں آپ کا طوطی بولتا تھا۔ بڑے قابل، دیندار اور ذی خلق صاحب فیض عام تھے۔ ہر کہ ومہ آپ کا ثنا خوان تھا۔ جس طرح نواب محسن الملک، نواب وقار الملک وانتصار الملک حیدرآباد سے علیحدہ ہوئے آپ کو بھی علیحدہ ہونا پڑا۔ وہاں سے آکر کچھ دنوں آپ اندور میں ایک معزز و ممتاز عہدے پر رہے اور پھر جاورے کے مدار المہام ہو گئے۔ آپ نے سرطان سے دہلی میں انتقال کیا۔ قبر آپ کی بہت معمولی سنگ باسی کی ہے نہ کوئی عمدہ کتبہ ہے حالانکہ اب بھی آپ کے بہت سے عزیز قریب بڑے بڑے عہدوں پر ہیں مثلاً مولوی سید حسین بلگرامی نواب عماد الملک آپ کے سمدھی۔ آپ کے داماد محمد عقیل بلگرامی نواب عقیل جنگ بہادر کمشنر حیدرآباد دکن۔ مرزا نذیر بیگ صاحب نواب نذیر جنگ بہادر معتمد فوج مولوی سید ابو الحسن صاحب تعلقہ دار برادر کمین نواب محسن الملک بہادر سب ہی خدا کے فضل سے موجود ہیں۔ ان صاحبوں کی ادنیٰ توجہ سے مرحوم کی قبر عمدہ پکی بن سکتی ہے مگر توجہ درکار ہے۔ ؎ یوں تو منہ دیکھے کی ہوتی ہے محبت سب کو
جب میں جانوں کہ مرے بعد مرا دھیان رہے۔ ۱۲

[۲] نام اور نیز بزم نشاط پکار رہا ہے کہ یہ کسی طوائف کی قبر ہے۔ مگر یاد رکھیے کہ ع مستحق کرامت گناہگاران اند۔ ۱۲

پختہ دالان ہے جس کی بغلی میں دوطرفہ ایک ایک حجرہ ہے۔ دروازے کے سامنے ایک چبوترہ ہے احاطے کی دیوار میں دس سیڑھیوں کا زینہ ہے۔ اب اس میں کمہار لوگ جھونپڑیاں ڈال کر رہتے ہیں۔ معلوم نہیں یہ عیسیٰ خاں کون تھے وہی تو نہیں جن کا مقبرہ اور مسجد ہمایوں کے مقبرے کے پاس ہے۔

علی گنج کی فصیل

علی گنج کی بستی کے گرد ایک بڑی عالی شان فصیل بڑے وسیع حلقے کو گھیرے ہوئے ہے۔ یہ فصیل اسی وضع کی ہے جیسی کہ شہر دہلی یا روشن چراغ دہلی کی ہے۔ اس میں بڑے بڑے دیوار دوز طاق بنے ہوئے ہیں۔ یہ فصیل سنگ خارا کی ہے ۱۲ فٹ اونچی اور تین فیٹ کا کنگورا اس کے سوا ہے کنگورا ملاکر (۲۰ فٹ) کی اونچان ہے۔ فصیل کے اوپر چڑھنے کے دو رُخے زینے اٹھارہ اٹھارہ سیڑھیوں کے ہیں۔ اس شہر پناہ میں تین دروازے ہیں مشرقی جانب کا دروازہ مسمار ہوگیا۔ شمال کی طرف کا دروازہ وہ ہے جس پر کتبہ ہے اور اس کا حال ہم لکھ آئے ہیں۔ جنوبی دروازہ بھی بہت عالی شان اور اسی وضع قطع کا ہے جیسا کہ شمالی دروازہ ہے۔ یہ دروازہ بھی بڑا شان دار چوکھونٹا اور دو منزلہ ہے۔ آگے ایک دروازہ ہے پیچھے دوسرا بیچ میں گنبد اور دوطرفہ بغلی میں دو منزلہ سہ دری ہے۔ اس کی بلندی ۲۷ فٹ اور کنگورہ ۳ فٹ جملہ ۳۰ فٹ ہے۔ چوڑان ۱۸ فٹ۔ لمبان ۔ اوپر جانے کا (۲۷) سیڑھیوں کا زینہ ہے۔

نواب مرزا نجف کا مقبرہ
سنہ ۱۱۹۶ھ
۱۷۸۱ء

یاران عزیزان بسر خاک من آیند | از خاک برسند نشان اثر من
گر خاک جہان جملہ بغربال بہبیزند | حقا کہ نیابند نشان و اثر من

نادر شاہ کے حملے (۱۷۳۹ء) کے بعد مغلیہ سلطنت کی بنیاد ایسی ہل گئی کہ کوئی انسانی طاقت اس کو درست نہ کر سکتی تھی۔ لے دے کے نجف خاں ہی ایک ایسا شخص رہ گیا تھا کہ اس سے کچھ امید بندھتی تھی کہ وہ موجودہ حالت کو کچھ دنوں تک جوں توں چلائے تو چلالے لیکن اس کے مرجانے سے اس امید موہوم کا خاتمہ ہوگیا۔ اس میں شک نہیں کہ سلطنت مغلیہ کے آخری زمانے میں جو نام کہ نجف خاں نے پیدا کیا وہ عروج کسی کو میسر نہیں ہوا۔ کہنے کو نجف خاں کی وفات کے وقت شہنشاہ شاہ عالم تخت سلطنت پر جلوہ افروز تھا اور اس کے بعد بھی اس کے جانشین دو اور بادشاہ ہوئے لیکن نجف خاں کی اولاد نے باغیوں سے

سازش باجت کرکے سلطنت کی بنیاد اور بھی کھوکھلی کر دی۔ مسٹر کین لکھتے ہیں کہ ملک کے حصے بخروں اور عہدوں کی نامزدگی اور تقسیم پر جھگڑے اٹھ کھڑے ہوئے جن سے سلطنت مغلیہ کے رہے سہے ٹکڑے بھی بکھر بکھرا گئے۔ خود مختار سلطنت کا خاتمہ ہوگیا۔ نجف خاں ایک بڑا قابل شخص تھا۔ وہ ایرانی الاصل صحیح النسب صفوی خاندان کا سید تھا۔ مسٹر کین نے اپنی کتاب مغل امپایر میں لکھا ہے کہ "سلطنت کے تمام امور و مہام اُس کے دست قدرت میں تھے جس کو اُس کی بیدار مغزی اور صفات حسنہ نے سنبھال لیا۔ چوں کہ وزیر سلطنت اودھ میں رہتا تھا اس لیے نجف خاں نیابتہً مہام سلطنت انجام دیتا تھا اس کے علاوہ وہ فوج کا سپہ سالار بھی تھا۔ تمام امور مالیہ کے انتظام کا تعلق براہ راست اُسی سے تھا اور حسب رواج ملک اُسے صوبۂ آگرہ اور جاٹوں کے علاقہ جات کا ندر مالگزاری خارج از جمع بھی تفویض تھا۔ اس کے علاوہ ضلع الور[۹] اور کچھ حصہ بالائی دوآب کا بھی اُس کے سپرد تھا۔" مسٹر کین نے بحوالۂ وارن ہیسٹنگز گورنر جنرل نجف خاں کی وفات کی تاریخ ۲۶۔ اپریل ۱۷۸۲ء لکھی ہے مگر قبر کے کتبے پر سے ۱۷۸۱ء ہوتی ہے۔ واللہ اعلم بالصواب۔

[۹] الور۔ اس ریاست کا رقبہ (۳۱۴۱) مربع میل۔ آبادی (۷۹۱۶۸۸) محاصل (۳۶۰۰۰۰۰) فرماں روا مہاراجہ سوائی سر جے سنگھ بہادر کے سی۔ آئی۔ ای۔ سلامی (۱۵) توپ۔ الور راجپوتانہ کی ایک بڑی بھاری ریاست ہے۔ یہاں تین حصہ ہندو رہتے ہیں اور پاؤ مسلمان۔ الور کے پہاڑوں میں شکار خوب ملتا ہے۔ سلی سر اور دیوتی کی جھیلوں میں مچھلیاں اور مرغابیاں افراط سے ہیں۔ جنگل میں سانبھر نیل گائے۔ ہرن۔ بارہ سنگھا۔ جنگلی سور سب ہی ہیں۔ ریاست میں دو ہزار سوار۔ ساڑھے پانچ ہزار پیدل اور تین سو کی نفری توپ خانے کی ہے۔ یہاں کا راجہ نہایت تہذیب یافتہ اور برٹش گورنمنٹ سے ان کے تعلقات بہت خوش گوار ہیں۔ الور کا شہر بھی دیکھنے کے قابل ہے پچاس ہزار کی آبادی ہے۔ شہر کے گرد فصیل اور خندق ہے ایک طرف قدرتی پہاڑ آگیا ہے جس پر قلعہ بنا ہوا ہے۔ ڈاک بنگلہ ریلوے اسٹیشن ہی کے پاس ہے۔ اسٹیشن کے پاس فتح جنگ (۱۵۴۷ء) کی بڑی عمدہ عمارت ہے۔ یہ اس قدر قدیم ہے کہ اب الور میں فتح جنگ کو کوئی جانتا بھی نہیں کہ کون تھے۔ شہر اسٹیشن سے میل بھر ہے۔ بازار میں جو نفیس مندر ہے وہ جگناتھ جی کا ہے اور ایک عجیب و غریب قدیم مقبرہ فیروز شاہ کے بھائی ترنگ سلطان کا چورہے پر ہے جو تقریباً ۱۳۵۰ء کا بنا ہوا ہے۔ بنے بلاس کا محل زمانۂ حال کی (بقیہ نوٹ بر صفحہ آیندہ)

صفدر جنگ کے مقبرے سے ذرا آگے بڑھ کے قطب روڈ سے بائیں ہاتھ کی طرف کچے رستے پر پہلے کربلا کا احاطہ ملتا ہے اُس کے آگے شاہ مرداں کا بہت وسیع احاطہ ہے جس کے اندر گاؤں آباد ہے۔ اسے ہی علی گنج بھی کہتے ہیں۔ علی گنج کے جنوب

(تکملہ نوٹ صفحہ گزشتہ) ایک بہت خوش نما اور نفیس عمارت ہے۔ جس میں خوبصورت باغ۔ نفیس دربار ہال ہے جس کا پویلین سنگ مرمر کا ہے۔ دربار ہال کی چھت پر سے ایک عمدہ نظارہ قلعہ۔ مندروں۔ بختاور سنگھ کے مقبرے اور سارے شہر کا ہوتا ہے۔ پویلین کی دیواروں اور چھت پر بے نظیر رنگین پچیکاری کا کام ہے۔ اسی کے پاس مہاراج کا زنانہ حال کا عالی شان محل ہے۔ کتب خانے میں عجیب عجیب نایاب و نادر بیش قیمت علمی کتابیں۔ بعض مطلا و مذہب فرامین قابل دید ہیں۔ قدیم کلام مجید۔ گلستاں کا ایک ایسا نادر نسخہ ہے جس کی قیمت پانچ لاکھ روپیہ ہے جس کی تصاویر فن مصوری اور نقاشی کا عجیب و غریب نمونہ ہیں۔ صحن میں دو مقبرے سنگ مرمر کے ہیں جن کی جالیاں بڑی نفیس ہیں اس کے آگے کچھ اور مندر **وشنو** کے ہیں پھر **بختاور سنگھ** کا بے نظیر مقبرہ ہے جو بہت خوب صورت اور عالی شان عمارت ہے۔ اس مندر کی چھت پر کا نظارہ ایسا قابل دید ہے کہ سارے ہندوستان میں اُس کا نظیر نہیں۔ سر ایڈون **آرنلڈ** لکھتے ہیں " تم اس خوشنما منظر کو دیکھو جس میں چہل پہل اور لوگوں اور سواریوں کی دھکا پیل ہے۔ مقبرے کی سنگ مرمر کی نازک اور نفیس جالیاں اُس کے خوشنما نشیمن۔ اطلس کی طرح شفاف مجلا پتھر۔ ٹھنڈی صاف سپاٹ چھتیں۔ جالیوں کے باریک باریک سوراخوں میں سے دھوپ کی شعاع کا چھننا۔ فواروں کا اُچھلنا اور اُن کے فرش پر پڑنے کی بھینی بھینی آواز۔ تاڑ کے درختوں کے چوڑے چکلے پتوں میں سے ہوا کا سرسرانا کیلے کے درختوں کے بڑے بڑے پتے غرض کسی مردہ حکمراں کی روح ایسی نہ ہوگی جو ایسے مدفن پر فخر نہ کرے۔ جنگلی موروں کی جھنکار۔ اُن کا خراماں خراماں پھرنا اور ناچنا اُن کی لمبی لمبی رنگ برنگ کی چمکیلی شاندار دموں کا سنگ مرمر کی دیواروں سے لگے لگے اٹھلاتے ہوئے پھرنا۔ نہروں اور نالیوں میں پانی کا دوڑنا اور لہرانا اور پیچ و خم یہ ایک ایسا عجیب و غریب نظر فریب نظارہ ہے کہ جس کا بیان قلم سے ادا نہیں ہو سکتا اور مناظر فطرت کا کوئی نقشہ نگار ایسا نہ ہوگا جو اس نظارے کی نفاست اور اس کے ہر طرح مکمل ہونے کا معترف نہ ہو" سلاح خانے میں ایک بے نظیر ذخیرہ انواع و اقسام کے سنہری اور جڑاؤ قبضوں کا ہے۔ اور ہمیشہ صناعی اور دستکاری کے لیے مشہور ہے۔ یہاں فولادی کام تلوار۔ خنجر۔ بیچھے۔ چاقو بہت عمدہ بنتے ہیں مہاراجہ حال کے مہاراجہ صاحب جنگ معلوم ہوتا ہے کہ کوئی بڑے بھاری بھرکم اور گراں ڈیل شخص تھے کیونکہ اُن کا (باقیہ نوٹ بر صفحہ آئندہ)

دروازے کے باہر ایک گرے پڑے مگر بہت وسیع پختہ اور فصیل نما احاطے میں چماروں کی جھونپڑیوں کے پاس کھیتوں میں یا یوں سمجھئے کہ کربلا اور شاہ مرداں کے درمیان علی گنج کے مغرب میں موضع مجاہد پور کی حدود میں امیرالامرا بخشی ملک نواب مرزا نجف خاں بہادر کے مقبرے کا عالی شان اور وسیع چبوترا ہے۔ مقبرے کا نام سن کر لوگ گنبد کی تلاش میں سرگرداں پھرتے ہیں حالاں کہ سرے سے کوئی گنبد ہی نہیں خالی چبوترا ہی چبوترا پختہ اور سنگ بست ۲۷ مربع اور نو فیٹ بلند ہے۔ جس پر چڑھنے کا

(بقیہ نوٹ صفحہ گذشتہ) زرہ ہی زرہ علاوہ دوسرے ہتیاروں کے وزن میں ساڑھے سو طہا پونڈ ہے۔ یہ سارا زرہ جواہرات سے جگمگا رہا ہے۔ راجہ صاحب کے خزانے میں صندوق کے صندوق جواہرات اور اشرفیوں کے بھرے پڑے ہیں۔ ایک ہی زمرد میں تراشا ہوا ایک پیالہ ہے اور ایک ایسا ہی پیالہ لعل کا ہے۔ بیش قیمت موتیوں کے ہار۔ ایک ہیرا جس کی قیمت لاکھ روپئے ہے۔ دیواروں پہ ہاتھی گھوڑوں کی شان دار جھولیں۔ گہنے۔ اور انواع اقسام کے سامان بیش قیمت اور گراں بہا پوشاکیں۔ شال دوشالے۔ عطریات اور خوشبوئیں سب ہی کچھ بھرا ہوا ہے۔ شیشے خانے میں ایک عجیب وغریب چاندی کی میز ہے جس کی نالیوں میں رنگین بلّوری مچھلیاں تیرتی ہیں۔ مہاراجہ صاحب کو گھوڑوں کا بڑا شوق ہے ان کے اصطبل میں بہت نفیس نفیس ہندوستانی نسل اور یورپ کے گھوڑے ہیں۔ الور کا رسالہ ہندوستان کے بہترین رسالوں میں ہے۔ اصطبل کے آگے ایک مکان میں شکاری چیتے۔ سیہ گوش۔ ہرن۔ جنگلی بارہ سنگھے اور باز۔ شکرے۔ بحری۔ ہر قسم کے شکاری جانور ہیں۔ قلعہ میں کوئی خاص بات دیکھنے کی نہیں ہے سوائے اس کے کہ پہاڑی پہاڑ فصیلوں کا سلسلہ دو میل کے حلقے میں پھیلا ہوا ہے۔ اور کچھ پرانے زمانے کی بڑی بھاری بھاری توپیں ہیں۔ قلعہ کی چڑھائی بہت مشکل ہے۔ اکثر لوگ جھمپان میں سوار ہو کر جاتے ہیں صبح کا وقت قلعہ دیکھنے کے لیئے بہت اچھا ہے کہ اُس کی بلندی پر سے سارا شہر اور گرد و نواح کا بڑا عمدہ نظارہ ہوتا ہے۔ شہر کے بازاروں میں بڑی بھیڑ بھاڑ رہتی ہے۔ یہاں کے لوگ قد آور اور شان دار ہیں۔ ایک جگہ چوک میں ایک چھوٹی سی چڑیا گھر ہے شیر وغیرہ درندے اور انواع واقسام کے چھوٹے بڑے جانور ہیں۔ اس سے تھوڑی دور آگے چل کر مہاراجہ کی سواری کی وہ مشہور گاڑی ہے جس میں مہاراجہ صاحب دسہرے میں برآمد ہوتے ہیں اور جسے چار ہاتھی کھینچتے ہیں۔ یہ گاڑی دُہری اور بڑی بھاری ہے جس میں پچاس آدمی بیٹھتے ہیں۔ الور سے آٹھ میل پر سلیسرہ کی خوب صورت جھیل ہے جہاں مہاراجہ صاحب کا ایک خوشنما محل ہے اور جھیل میں ایک دخانی کشتی بھی پڑی رہتی ہے۔ یہ جھیل قدرتی نہیں ہے مصنوعی ہے جو ایک میل لمبی ہے اس کے گرد ہرے بھرے پہاڑ بڑا لطف دیتے ہیں۔ شہر میں اسی جھیل سے پانی آتا ہے اور اس سے زراعت بھی ہوتی ہے۔

دو طرفہ دس دس سیڑھیوں کا سنگین زینہ ہے۔ قطب روڈ کے پیچھے میل چوتھے نمرائٹ کے محاذی بائیں ہاتھ کی طرف سڑک سے کوئی ایک گولی کے فصل سے یہ مقبرہ ہے۔ جس کے چبوترے کا روکار سنگ سرخ کا ہے۔ چاروں طرف پتھر کی سلیں کھڑی کردی ہیں۔ چبوترے کی بالائی سطح پر دو گج کے چبوترے بنے ہوئے ہیں جن میں کا ایک ۴۴ فٹ مربع اور ۳ فٹ اونچا ہے اور (۱۰ انچ) اونچی منڈیر ملائیں تو ۳ فٹ ۱۰ انچ کا ارتفاع ہو جائے گا دوسرا چبوترا پہلے سے ملا ہوا ۲۰ فٹ مربع اور ۲ فٹ اونچا ہے۔ چبوترے کے چاروں کونوں پر ایک ایک ہشت پہل برجی ہے جس کے جوف میں ۸ فٹ قطر کی کوٹھری ہے۔

یہ بھی ایک عمدہ طریقہ مقبرہ بنانے کا تھا۔ زمین کے اوپر گنبد رہنے سے اس کے صدمات ارضی وسماوی سے گر جانے کا زیادہ اندیشہ ہے اس لیے اوپر ایک کھلا چبوترا بنا کر وہ ساری عمارت جو اوپر بناتے ہیں اندر تہ خانے میں بنا لیتے ہیں۔ اسی قسم کا یہ مقبرہ بھی ہے۔ اس میں یہ بھی عمدگی ہے کہ جب چاہیں اوپر گنبد کھڑا کرلیں اور یوں بڑے بڑے گنبدوں میں بھی گو تعویذ قبر کا اوپر رہتا ہے مگر اصلی قبر تہ خانے ہی میں رہتی ہے۔ اس مقبرے کا ایک وسیع اور پختہ احاطہ ہے جس کا بہت بڑا حصہ اب منہدم ہو گیا اب صرف ایک دروازہ اور اسی کے پاس کی دیوار احاطے کی باقی رہ گئی ہے۔ یہ دروازہ مقبرے سے مشرق میں ہے۔ دروازہ کنگورے دار ہے جس کی بلندی ۲۴ فٹ ہے اور کنگورہ ملا کر ۲۶ فٹ ۲ انچ دروازے کی۔ محراب کی اونچان ۱۴ فٹ اور چوڑان (۱۰ فٹ) ہے۔ دروازے پر چڑھنے کی (۲۵) سیڑھیاں ہیں احاطے کی دیوار کا ارتفاع ۱۳ فٹ ہے۔ اب بھی اس احاطے کا نشان دور دور تک نظر آتا ہے اور شمال کی طرف کچھ دھیم پتھر اور چونے کے پڑے ہیں جس سے معلوم ہوتا ہے کہ ادھر بھی کوئی دروازہ اور اس کے ساتھ کوئی عمارت مثل نقار خانہ یا سہ دری کے تھی وہ سب معدوم ہو گئی۔

اب اس چبوترے کے نیچے تہ خانے میں چلیے جس کا دروازہ ۷ فٹ اونچا ۵ فٹ چوڑا مشرق کی طرف ہے جسے حال میں پٹ چڑھا دئے ہیں۔ یہ دروازہ تہرا ہے ایک کے اندر ایک محراب ہے اور اس تمام عرض میں ایک لداوی لمبوتری ڈیوڑھی بن گئی ہے۔ اندر سے مقبرہ ہشت پہلو ہے جس کا قطر ۱۲ فٹ اور چھت کی بلندی (۱۰ فٹ) ہے۔ تہ خانے کے اندر جنوب و مغرب میں روشنی کے لئے جالیاں لگی ہوئی ہیں اور کافی روشنی ہے مشرق میں دروازہ شمال کی طرف

وسط ہی میں نواب نجف خاں اور اُن کی صاحب زادی فاطمہ بیگم کی قبریں ایک چبوترے پر برابر برابر ہیں۔ گویا باپ بیٹی دونوں ایک جگہ تا قیامت سو رہے ہیں۔ یہ چبوترا نہایت شفاف اور چمکتے ہوئے سنگ مرمر کا ۹×۸ فٹ ہے۔ بلندی ۱ فٹ ہے۔ یہ دونوں قبریں ۶×۲ فٹ سنگ مرمر کی ہیں۔ اونچا تعویذ نہیں ہے بلکہ صرف سل ہے جس پر نہایت خوش خط کتبے بخط نستعلیق ہیں جن میں سنگ موسیٰ کے حروف سے لکھا ہے جو بالکل سیاہی بھری ہوئی معلوم دیتی ہے اور ایسا معلوم ہوتا ہے کہ آج لکھا گیا ہے۔ خط ایسا نفیس ہے کہ وہ جو کہتے ہیں کہ آنکھیں روشن ہو جائیں تو واقعی یہ خط ایسا ہی ہے کہ تہ خانے کے اندر بھی چمک رہا ہے۔

نجف خاں کی قبر کا کتبہ

ہو الحی الذی لایموت

این چرخ کج نہاد کماں پشت بر سہام — کز سہم حادثات نسازد خطا ہدف
زد بر نشانہ اشرفِ سادات را کہ بود — نسلِ سیادتش صفوی را ازو شرف
شائستہ میوہ شجر باغ ہشت و چار — پاکیزہ جوہر دو گہر در تہ صدف
بخشی الملوک امیر نجف خانِ شیر دل — کشور کشائے ہند بتائیدِ لاتخف
آں آنکہ دست چو بردی بذوالفقار — سلطانِ لافتاش ستودے زہے خلف
بادا طلیس بدورِ رسل ختم مرسلیں — با جدِ خویش کاشفِ اسرارِ لو کشف
زد کلکِ وحی توامِ عالی بخاک او — تاریخ سال را رقم "ایں تربتِ نجف"[1]
۱۱۹۶ھ

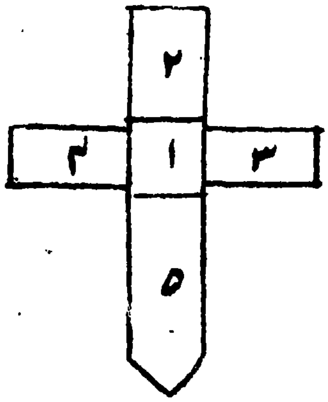
[1] ایک مادۂ تاریخ اور بھی ہے۔ ع۔ "ایں قدم گاہِ شہ مرداں نجف آباد کرد" ۱۱۹۶ھ

نجف خاں کی بیٹی کی قبر کا کتبہ

ہو الحی لایموت

فغاں کہ رفت ازیں خاکدان غم بنیاد — فرشتہ خوی نکو بانوی خجستہ نہاد
تہی مجیبہ ہمنام بنت پیغمبر — بروح فاطمہ زہرا حقش بیامرزاد
بدل فدائے ولائے علی عالی قدر — نثار دو الہ نام ائمہ امجاد
کہ بود بنتِ نجف خانِ میر بخشی ہند — بجان منزل پاکاں خداش جائید ہاد
شنیدم آہ و عیاں گشت مصرع تاریخ — علی و فاطمہ روزِ جزا شفیعش باد
۱۲۳۶ھ

بیچ میں باپ بیٹی کی قبر ہے۔ اس طرح کے کمرے کے اندر اس کے تین طرف ہیں اور اور لوگوں کی قبریں ہیں جو نواب نجف خاں کے لواحقین ہوں گے۔



(۱) باپ بیٹی کی قبریں۔ (۲-۳-۴)۔ دوسری قبریں۔ (۵) داخلی دروازہ۔
میں نے شاہ مرداں اور کربلا میں دیکھا کہ امامیہ لوگ مثل سنیوں کے قبر کا تعویذ اونچا نہیں رکھتے بلکہ زیادہ تر قبر کو سطح زمین کے برابر رکھتے ہیں اور بجائے ابھرے ہوئے تعویذ کے صرف ایک سل پاٹ دیتے ہیں۔ ممکن ہے کہ اہل تشیع کے ہاں قبر کا اونچا رکھنا شرعاً ممنوع ہے۔
نجف خاں کے انتقال کے پچیس برس کے اندر ہی اندر مغلیہ سلطنت انگریزی راج ہو گیا اور سلاطین مغلیہ کا ٹمٹماتا ہوا چراغ گل ہو گیا۔ وزرا سے سیندھیا کی لوٹ اور فرانسیسیوں کی مداخلت کی مقاومت جنرل لیک کو کرنی پڑی اور انگریزوں نے شاہ عالم ثانی تاجدار مغلیہ کو سرکار انگریزی کا پنشن خوار بنا دیا۔
جنرل لیک کی فتح کے تیرہ دن بعد یعنی ۲۴ ستمبر ۱۸۰۳ء کو جنرل اختر لونی کا مالی اور فوجی عمل دخل دہلی میں ہو گیا۔ جب سے صرف تین قابل ذکر واقعے پیش آئے۔ شاہ عالم بادشاہ نے ۱۸۰۶ء میں انتقال اور قطب صاحب میں دفن ہوئے۔ ۱۸۲۱ء میں ان کے پوتے مرزا جہانگیر دنیا سے رخصت ہوئے اور درگاہ حضرت نظام الدین اولیا میں رکھے گئے۔ ۱۸۳۷ء میں شاہ عالم کے بیٹے معین الدین اکبر شاہ ثانی نے رحلت کی اور قطب صاحب میں اپنے باپ کے پہلو میں آسودہ ہیں۔ ابو المظفر محمد سراج الدین بہادر شاہ ۱۸۳۷ء میں برائے نام تخت پر بٹھا دیئے گئے اور یہی سلطنت مغلیہ کے آخری تاجدار تھے۔ ان کی برائے نام سلطنت کا خاتمہ بھی غدر ۱۸۵۷ء میں ہو گیا اور آپ کو رنگون جلاوطن کیا گیا جہاں آپ نے کڑھ کڑھ ۱۸۶۲ء میں دنیوی آلام سے چھوٹ کر ابدی نجات

پائی۔ قطب صاحب میں بہادر شاہ کے لیے جو سرد ابہ اُن کے جد امجد اور والد کے بیچ میں رکھا گیا تھا لیکن مشیت ایزدی اور ہی کچھ تھی اور اُن کی مٹی رنگوں کی تھی اب تک خالی بچا پڑا ہوا پڑا رہے گا۔

جوانی سے زیادہ وقت پیری جوش ہوتا ہے
بھڑکتا ہے چراغ صبح جب خاموش ہوتا ہے

شہر مبارک آباد
۸۲۴ھ ۱۴۲۱ء

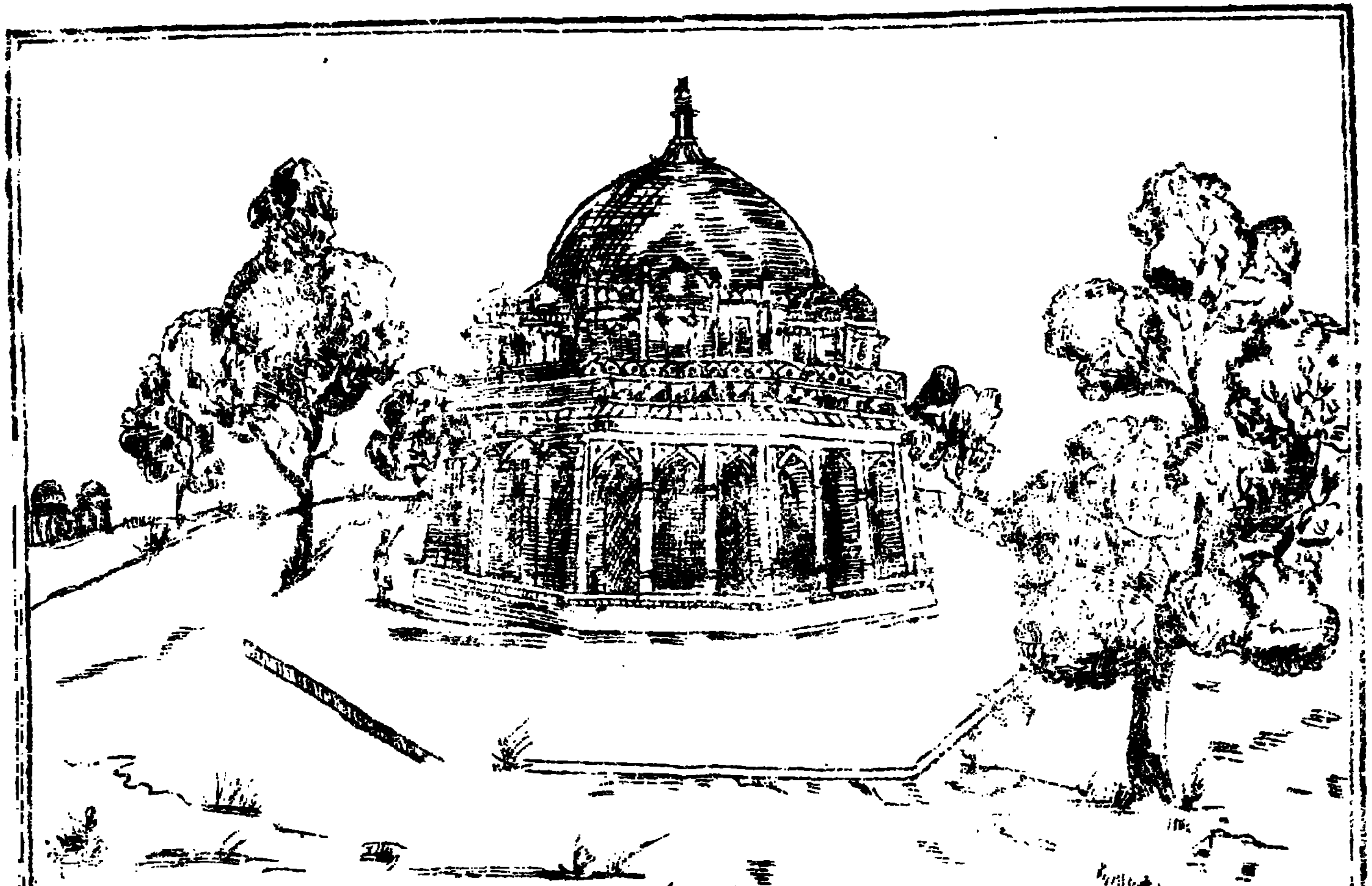
سلطان مبارک شاہ ثانی نے (۳۳-۱۴۲۱ء) جمنا کے کنارے ۷ ربیع الاول ۸۳۷ھ میں ایک شہر کی بنا ڈالی اور اس کا نام مبارک آباد رکھا (۳۱ اکتوبر ۱۴۳۳ء) اور اس کی طرح اندازی اور تعمیر میں اپنا بہت وقت صرف کیا۔ تبر ہند میں کچھ عرصہ رہ کر بادشاہ مع الخیر والعافیت مبارک آباد کو واپس آیا۔ ہندوستان کی طرف روانگی کے وقت بادشاہ کے ساتھ بڑا لاؤ لشکر تھا رستے میں چند دن چبوترہ سہ گاہ میں قیام کر کے شہر کی تعمیر کو ملاحظہ کرنے کے لیے بادشاہ مبارک آباد میں داخل ہوا (از تاریخ مبارک شاہی)۔ بادشاہ کے ہندو وزیر سرور الملک نے سازش کر کے اپنے علاقے کے ایک ہندو شخص سے بادشاہ کو ۹۔ رمضان ۸۳۷ھ ۱۴۳۴ء میں قتل کر ڈالا۔ یہ نیا شہر جمنا کے کنارے اور غالباً خضر آباد ہی کے پاس تھا لیکن بادشاہ کی لاش مبارک پور کوٹلے میں لا کر دفن کی گئی۔ اس لیے ہم اب مبارک پور کے مقبروں کا حال لکھتے ہیں جن کا نام عوام کی زبان پر مبارک پور کوٹلہ چڑھا ہوا ہے۔

قطب روڈ کے چھٹے میل کے پانچویں اور چھٹے فرلانگ کے بیچ میں بائیں طرف ایک بورڈ لگا ہوا ہے۔

"الیشور پاٹری ورکس رائے سینا۔ پنڈت امرناتھ بھاسکر۔ بی۔ اس سی۔ سی۔ اِی۔ گلاسگو" اس کے آگے کانچ سازی کا کارخانہ ہے۔ یہ زمین موضع بی بی پور غیر آباد کی ہے یہاں صرف چند جھونپڑیاں رہ گئی ہیں وہ بھی خالی اور ایک بہت بڑا بھٹہ اینٹوں کا ہے۔ یہیں سے تمام اینٹیں نئی دہلی کی عمارتوں کے لیے سپلائی کی جاتی ہیں۔ اس سے آگے بڑھ کر مبارک پور کوٹلے کی بستی ہے۔ چوں کہ یہ آبادی محصور ہے اس واسطے کوٹلے کے نام سے مشہور ہے۔ اب تو اس بستی کی حیثیت ایک معمولی گاؤں کی رہ گئی ہے مگر اس کی شان دار فصیل عالی شان دروازے بڑی بھاری مسجد اور متعدد نہایت عظیم الشان گنبدوں

سے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ یہ بھی کوئی بڑا مقام رہا ہوگا۔ اب ہم یہاں کی عمارات کا حال بیان کرتے ہیں:۔

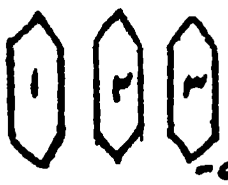
سلطان مبارک شاہ ثانی کا مقبرہ ۸۳۷ھ ۱۴۳۴ء بادشاہ کے قتل کیے جانے کے بعد اُس کی نعش مبارک پور کوٹلے میں لائی گئی جو صفدر جنگ کے مقبرے سے کوئی (۲) میل کے فاصلے پر ہے اور یہیں اُس مقبرے میں دفن کیا گیا جو مبارک شاہ کے مقبرے کے نام سے مشہور ہے۔ یہ مقبرہ ایک وسیع صحن کے درمیان واقع ہے جس کے اطراف فصیل کی شکل کا احاطہ ہے۔ ساخت اس مقبرے کی ایسی معلوم دیتی ہے جیسے شیر شاہ اور اسلام شاہ کے وقت کی عمارات ہوتی تھیں اور بعینہٖ اسی وضع قطع کا ایک اور مقبرہ عیسیٰ خاں کا ہمایوں کے مقبرے کے پاس ہے۔ سرسید کے خیال میں یہ عمارت اتنی مدت کی بنی ہوئی نہیں معلوم دیتی بہرحال عام شہرت ہے کہ یہ مقبرہ مبارک شاہ کا ہے اور اُسی کے نام سے یہ گاؤں مبارک پور کوٹلا مشہور ہے۔ یہ عمارت نہایت خوش قطع سنگ خارا سے بنی ہوئی ہے لیکن سنگ خارا اس خوب صورتی سے لگایا ہے کہ دیکھنے سے علاقہ رکھتا ہے قطع اس کی نہایت خوب ہے اور گرد اُس کے بہت خوش قطع مثمن غلام گردش بنی ہوئی ہے ستون اور پٹاؤ بھورے پتھر کا ہے۔ ستون بجز سرے کے لمبوترے ہیں۔ فصیل کے دروازے کے قریب ایک پتلا ٹیکہ گرم کر کے جھلائی ہوئی رنگین اینٹوں کا ہے جس کے نیچے سنگ مرمر کی تختی پر دو خوب کھلے ہوئے کنول کے پھول ہیں۔ اس دروازے سے تھوڑی دور آگے بڑھ کر گنبد کی عمارت ہے۔ جو مثمن شکل کی بڑی بھاری عمارت سنگ خارا کی ہے جو ایک بلند چبوترے پر کھڑی ہے جس کی سات سیڑھیاں رپٹ نما جنوب کی طرف بنی ہوئی ہیں۔ مقبرے کے اطراف غلام گردش میں چوبیس ستون چبوترے کی زہ پر استادہ ہیں۔ یہ ستون خاص وضع کے قابل دید ہیں جو لمبوترے ہیں اور اس طرح تراشے گئے ہیں کہ دو ستون جدا جدا ہیں مگر ایک باریک ٹیکے سے جڑے ہوئے معلوم دیتے ہیں۔ اس ہشت پہل عمارت کے ہر بیرونی ستون کو ایک سنگین پشتیبان دے کر اور مضبوط کر دیا گیا ہے جس سے ایک نئی شان اور پائیداری ظاہر ہوتی ہے۔ گنبد ایک پست استوانے پر استادہ ہے جس کے بالائی حصے میں سولہ چار رنگین



نقشہ مقبرہ مبارک پور کوٹلہ

گلدستے ہیں۔ گنبد کی چھت میں ایک ہشت پہل شکل کا روشن دان ہے۔ گنبد کے کونوں پر آٹھ برجیاں پست نیل پایوں پر ایستادہ ہیں۔ اس مقبرے کا ایک ہی دروازہ جنوب رُخ پر ہے جو اُسی وضع قطع کا ہے جیسا کہ احاطہ کا دروازہ ہے۔ دروازے کی چوکھٹ اور محراب کی گولائی کے درمیان پتھر کی ایک جالی لگی ہوئی ہے۔ دوسرے چھ دروں میں سوائے اُس در کے جو بجانب مغرب جنوبی دروازے کے جواب میں ہے۔ سب میں پتھر کی جالیاں نصب ہیں جن کی لمبائی میں دو دو پتلی پتلی پتھر کی کڑیاں ڈال دی ہیں۔ مغرب کی طرف جالی کی تراش نہایت نازک اور خوب صورت ہے۔ جس کے پیچھے بھی نقش و نگار ہیں ان دروازوں کے اوپر چار محراب دار کھڑکیاں ہیں جن کے اوپر سے گنبد کا ارتفاع شروع ہوتا ہے۔ گنبد کا قطر بہت کافی ہے جس میں رنگین کھڑی پٹیاں ہیں جو نیچے سے اوپر جاکر ایک رنگین دائرے میں جا ملتی ہیں۔ گنبد کے وسط میں قبریں پتھر کی ہیں لیکن چوں کہ سابق میں ایک عرصے تک یہ گنبد بطور رہائشی مکان کے استعمال میں رہا ہے اس وجہ سے باوجودیکہ ساری قبریں سنگ مرمر کی تھیں مگر سب کی آب و تاب جاکر ایسا میلا ہو گیا ہے کہ اب اُسے سنگ مرمر شناخت کرنا بھی مشکل ہے۔ یہ مقبرہ مبارک شاہ سے منسوب ہے اور قرائن بھی اسی کے مقتضی ہیں۔ گنبد کی تراش خراش۔ چینی کی اینٹیں۔ دروازوں کے نقش و نگار۔ یہ سب پندرہویں صدی کے طرز کے ہیں۔ گنبد کی وسیع عمارت۔ اس کی خطیر لاگت اُس کا وسیع اور شان دار احاطہ یعنی فصیل اور پھر مسجد خصوصاً اُس زمانہ میں جب کہ دہلی کی حالت بالکل خراب اور پست تھی ایسی عمارت کا بنا کر کھڑا کر دینا سوائے بادشاہ وقت کے کسی ایسے ویسے امیر کے بل بوتے کی بات نہ تھی۔ اس لیے کوئی وجہ شک کی نہیں ہے اور گمان غالب یہ ہے کہ یہ مقبرہ ہو نہ ہو خاندان سادات کے دوسرے بادشاہ یعنی مبارک شاہ ثانی ہی کا ہے۔ پہلے شاید ایسا نہ ہو اب تو اس مقبرے کو بالکل مکانات نے چاروں طرف سے دبا لیا ہے اور وسط آبادی میں آگیا ہے بستی کے لوگ اسے لودھی خاں پٹھان کا مقبرہ کہتے ہیں یہ مقبرہ مثمن ہے جس کا ہر بڑا ضلع ۳۱ فٹ - ۴ انچ ہے۔ ہر طرف تین تین در جملہ ۲۴ در ہیں۔ گرد ۱۳ فٹ عریض بن گھڑے پتھروں کا فرش ہے۔ ایک پر ایک تین چبوترے ہیں پہلا ایک فٹ ۲ انچ دوسرا ۲ فٹ ۲ انچ - تیسرا ۱ فٹ ۵ انچ اونچا ہے۔ گیلری کی چوڑائی ۸ فٹ ہے۔ دروں کی چوڑائی ۷ فٹ۔ گیلری اور مقبرے

کے اندر بن گھڑے پتھروں کا فرش ہے۔ کچھ سمجھ میں نہیں آتا کہ جب سارے مقبرے میں عمدہ گھڑا ہوا صاف اور نفیس پتھر لگایا گیا ہے۔ تو فرش میں اس کا خیال کیوں نہ رکھا گیا۔ مقبرہ کا دروازہ ایک ہی ہے جو جنوب کی طرف ہے جس کی بلندی ۸ فٹ اور چوڑائی ۴ فٹ ہے۔ اندر سے قطر ۲۴ فٹ ہے۔ اندر چھ جالیاں سنگ خارا کی ہیں مغرب کی طرف کا در بند ہے۔ چھت میں چار روشن دان ہیں اوپر (۱۲) طاق دیوار دوز ہیں۔ قبروں کا موجودہ نقشہ یہ ہے:—



(۱) بائیں طرف سے پہلی لین۔ یہ تینوں قبریں بڑی اور اونچی سنگ مرمر کی ہیں۔ نمبر (۱) کی مردانی قبر کے سرہانے اینٹوں کا بھدا سا چراغ دان بعد میں بنا دیا ہے۔ اوپر کلمہ دو طرف اللہ اللہ۔ (۲) زنانی۔ کلمہ اور دو طرفہ اللہ اللہ اس کے گرد شہد اللہ انہ لا الہ الا ھو تا وھو العزیز الحکیم (۳) زنانی۔ کلمہ اور اللہ اللہ۔

(۲) دوسری لین بائیں طرف سے۔ (۱) خام۔ (۲) مرمر زنانی کلمہ اللہ اللہ۔



(۳) مرمر مردانی کلمہ اور اللہ اللہ (۴) مرمر مردانی کتبہ ندارد۔ (۵) خام صرف ایک طرف کا پتھر رہ گیا ہے۔

گنبد کی ہر محراب پر دو طرفہ طغرے کلمے وغیرہ اور یا فتاح جا بجا لکھا ہے۔ گنبد کی چھت کے ایک بنیڈ میں اسمائے حسنیٰ ہیں۔ باوجود روشن دانوں کے بھی گنبد کے اندر اندھیرا ہے اور گنبد کی چھت پر کا کتبہ صاف نظر نہیں آتا۔ اور بوجہ بلندی کے پڑھا نہیں جاتا اور یہی حال محراب کے دو طرفہ طغروں کا ہے۔

پیش طاق۔ جو مغرب میں ہے اُس کی پہلی لین میں اللہ اللہ (۲) شہد اللہ انہ لا الہ الا ھو تا وھو العزیز الحکیم۔ ان الدین عند اللہ الاسلام الخ (۳) آیۃ الکرسی۔ (۴) بسم اللہ اشھد ان لا الہ الا اللہ محمد الرسول اللہ وحدہٗ لا شریک لہ واشھد ان محمداً عبدہٗ ورسولہ (۵) اللہ اللہ (۶) کلمہ گنبد کے اوپر ہشت دری آٹھ برجیاں سنگ خارا کی ہیں جن کا قطر ۶½ فٹ ہے۔ گنبد کے گرد چوڑا اور بھاری چھجہ ہے گنبد کے اوپر چو دری برجی بھی ہے جس پر کلس ہے کلس ٹوٹ کر نیچے کا حصہ رہ گیا ہے۔ مغرب کی طرف (۲۰) سیڑھیوں کا چکر دار زینہ ہے۔ کل بلندی مقبرے کی چھت تک ۴۳ فٹ ہے۔ بستی چاروں جانب سے کنگورے دار فصیل سے محصور ہے اور چار طرف چار عالی شان دروازے سنگ خارا کے ہیں ۱۱ فٹ ۴ فٹ

تین برجیاں اور باغیچی جنوبی دروازے کے بالکل پاس ایک ہشت دری برجی اور چوڑے رستے کے اُس پار دو گمٹیاں اور ہیں اور یہیں ایک باغیچی کا پختہ احاطہ ہے۔ آگے والی کنجی اور پچھلی چونکہ سکستہ ہے منڈی کہلاتی ہے۔ کچھ پتہ نہیں کہ یہ کن کی ہیں۔

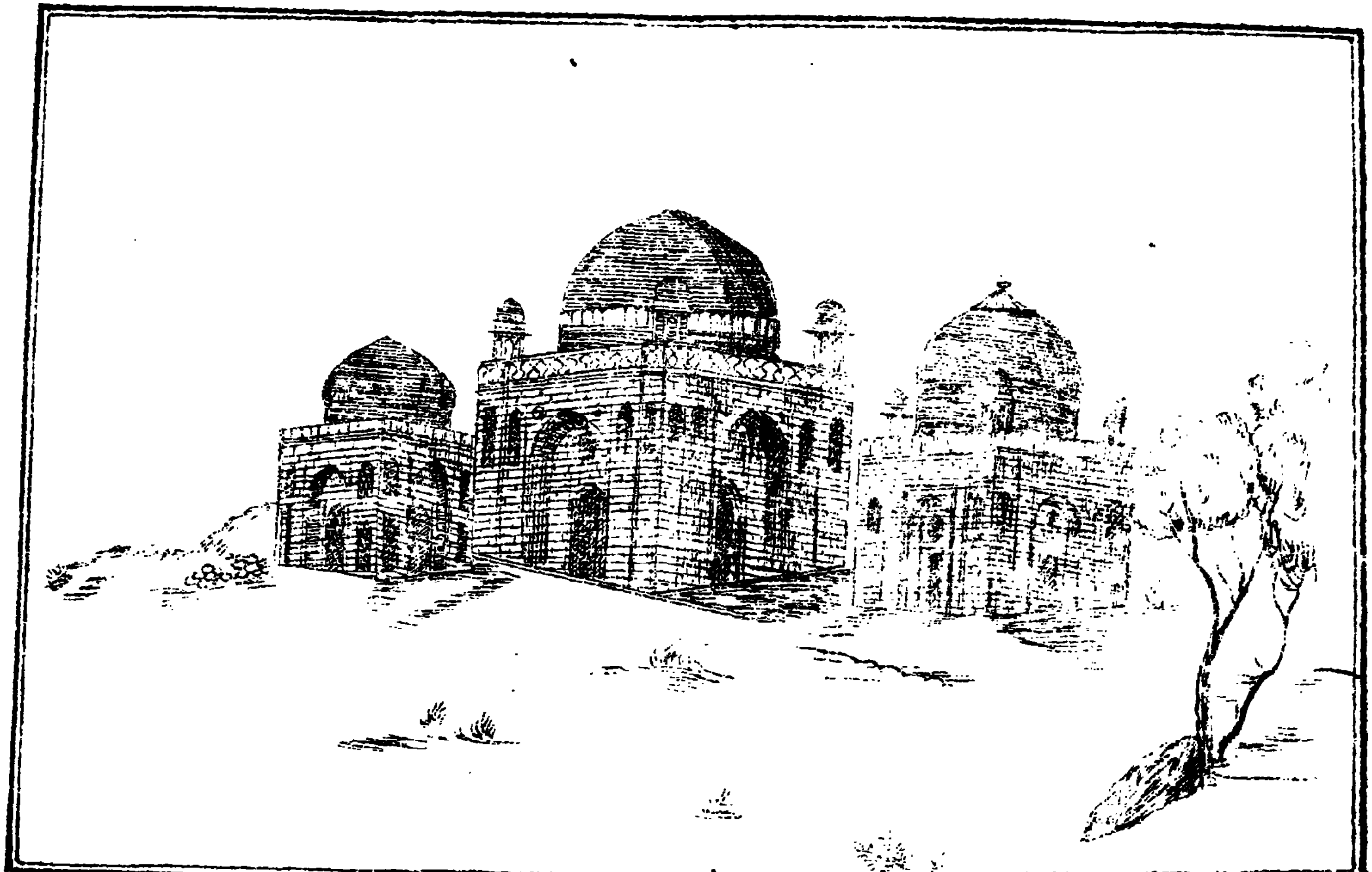
مسجد مبارک شاہ کے مقبرے سے تھوڑی ہی دور فصیل کے اندر جنوب مغرب کی طرف تین گنبدوں اور پانچ دروں کی ایک مسجد دُہرے دالانوں کی اُسی زمانے کی تمام تر سنگ خارا کی بنی ہوئی ہے جس کے بھورے پتھر کے چوکس ستون ہیں اور بیچ میں بھی ستونوں کی ایک قطار ہے۔ بیچ کا گنبد بڑا ہے ادھر اُدھر کے چھوٹے۔ اندر دونوں دالانوں کی چھت میں پانچ پانچ گنبد جملہ دس گنبد ہیں۔ لوگوں نے پکا پکا کر بالکل کالا کر دیا ہے۔ مسجد کے دونوں دالان ۲۲×۷۵ ہیں۔ منبر باقی نہیں رہا۔ فرش اکھڑ گیا خالی زمین رہ گئی۔ پانچوں در ساڑھے گیارہ گیارہ فیٹ چوڑے ہیں۔ در دُہرے سنگ خارا کی کڑیوں کے ہیں در کا پتھر ۱/۲ ۴ اونچا اور بیٹھک ۱/۲ ۱ اونچی ہے۔ در سوا فٹ مربع ہیں۔ صحن ۲۲×۵۴ ہے جس میں سلیں بچھی ہوئی ہیں۔ زینہ (۱۲) سیڑھیوں کا جنوب میں ہے۔ بلندی مسجد کی چھت تک ۲۲ ہے۔ دروں کے رو کار پر دو طرفہ کلمۂ طیبہ کا طغریٰ ہے۔ سامنے چوڑا اور بھاری چھجہ ہے۔ مبارک شاہ کے مقبرہ کی طرح یہ عمارت بھی بہت مضبوط بنی ہے پتھر کے سوا اینٹ کا نام نہیں۔ جس طرح مقبرہ مکانوں سے گھر گیا ہے یہ مسجد بھی مکانوں کے شکنجے میں کس گئی حتیٰ کہ صحن کا ایک حصہ بھی داب لیا ہے۔ اس وقت بھی اس مسجد میں مویشی باندھے جاتے ہیں۔ اس مسجد کو مانک چند بقال نے اپنی ملک سمجھ لیا ہے کیوں کہ اُس کا مکان یہیں ہے اور اُس نے ایک دروازہ لگا کر مسجد کو بند کر رکھا ہے۔ بنیئے کے مکان کی ڈیوڑھی میں سے جسے دیہاتی بروٹھا کہتے ہیں گزر کر مسجد میں جانا ہوتا ہے۔ بستی میں مسلمان بالکل کم اور ہندو زیادہ ہیں مسلمان جو ہیں وہ مفلس اُن کو پیٹ کے آگے مسجد کی کیا پڑی ہے غرض مسجد کی حالت افسوسناک ہے اور زیادہ افسوس اس وجہ سے ہوتا ہے کہ مسجد بالکل درست حالت میں ہے کہیں سے ذرا بھی نہیں کھلی گو کہ اسے بنے ہوئے ۵۵۰ برس ہو گئے۔

تبرجہ
سنہ ۹۱۴ھ

مبارک پور کوٹلے کی بستی سے نکلتے ہی بجانب مغرب کئی گنبد پہاڑ کے پہاڑ کھڑے ہیں جنھیں سرسید نے تبرجہ لکھا ہے لیکن در اصل دو برجہ ہے تیسرا گنبد تو ان دو برجوں سے بہت دور ہے۔ البتہ یہ دونوں گنبد جو چھوٹے خاں اور بڑے خاں کے کہلاتے ہیں پاس پاس ہیں اور دونوں میں دس ۱۰ کا فصل ہے رہا تیسرا جو کالے خاں کا گنبد کہلاتا ہے وہ ان سے الگ ہے اور اس لین میں نہیں ہے۔ گاؤں والے اب تو چھوٹا گنبد۔ بڑا گنبد اور کالا گنبد کہتے ہیں نام سے کسی کے منسوب نہیں کرتے سر سید نے لکھا ہے کہ عام طور پر لوگ ان گنبدوں کو متذکرۂ بالا اشخاص کے بیان کرتے ہیں جس کے سوائے زبانی روایات کے اور کوئی سند نہیں اور سند ہو بھی کیا سکتی ہے اُس زمانے میں بانی گنبد کے نام کا کتبہ لگانے کا رواج ہی نہ تھا۔ حالاں کہ سارے گنبد قرآنی آیات سے لپے پڑے ہیں اور اس کثرت سے چھوٹے گنبد میں کلام اللہ منقوش ہے کہ میں نے تو سوائے خیر پور کی مسجد کے اور کہیں دیکھا نہیں مگر نام کا کتبہ نہ کہیں گنبد پر ہے نہ کسی قبر پر۔ سر سید لکھتے ہیں کہ یہ گنبد بلحاظ ساخت لودھیوں کے عہد کے بنے ہوئے معلوم دیتے ہیں اور اس سبب سے قیاس کیا جاتا ہے کہ ۹۰۰ھ/۱۴۹۴ء میں سکندر لودھی کے عہد میں بنے ہوں گے۔ درمیانی برج اِدھر اُدھر کے بُرجوں سے دو چند اونچا ہے۔ یہ تینوں گنبد مربع ہیں جن کے سکڑے ہوئے گردنے لودھیوں کا طرز خاص ہے۔ دروازوں سے دو فیٹ اوپر دیوار میں ایک چھوٹی سی کھڑکی بھی رکھی گئی ہے۔ کالا گنبد تو خیر معمولی ہے مگر چھوٹا اور بڑا یہ دونوں گنبد معمولی لوگوں کے نہیں۔ یقیناً یہ لوگ لودھیوں کے زمانے کے کوئی بڑے امیر کبیر رہے ہوں گے جب تو بادشاہوں کے جوڑ کے گنبد بنوائے ورنہ ایسے ویسے امیر کے بل بوتے کا یہ کام نہیں۔

کالا گنبد

کالا نام اس وجہ سے پڑا ہے کہ باہر سے امتداد زمانے کی وجہ سے بالکل کالا ہو گیا یا یہ کہ کالے خاں کا ہو۔ لیکن آج نہ کوئی کالے خاں کو جانتا ہے نہ بڑے خاں کو نہ چھوٹے خاں کو۔ اس گنبد کے چار بڑے دروازے ۱۰×۲۲ ہیں اور ہر بڑے دروازے کی بغلی میں ایک ایک چھوٹا دروازہ بھی ۷ فٹ ×۳ کا ہے گنبد اندر سے ۲۶ مربع ہے اور باہر سے ۳۱ (؟) بیچ میں دو قبریں پختہ ہیں مگر بے مرمت۔ مغرب جانب کی دیوار درمحراب پر کلمہ اور بسم اللہ اور ہر دروازے کی



نقشۂ مقبرہ

محراب پر کلمے کے طغرے ہیں۔ کرسی ۲ فٹ ۳ انچ بلند۔

گھانس والی گمزی

چوں کہ اس میں گھانس بھری رہتی ہے لہٰذا یہی نام پڑ گیا۔ مذکورہ بالا گنبد سے (۴۸) قدم کے فصل سے ہے۔ ۲۲ فٹ ½ مربع اندر سے باہر سے ۴۴ فٹ۔ تین دروازے ۸ × ۴ مغرب کی طرف بند۔ گنبد کی چندیا پر آیۃ الکرسی اور دروازوں پر طغرے الملک للہ کے۔ کرسی چھ فیٹ۔

چھوٹا گنبد

یا چھوٹے خاں کا گنبد۔ اب نہ بڑے رہے نہ چھوٹے موت کے زبردست ہاتھوں نے سب کو خاک میں ملادیا۔

باہر سے (۳۳ فٹ) مربع بالکل سنگ خارا کا۔ اس پر کثرت سے چینی کا کام تھا جس کی لمبی لمبی عمودی پٹیاں اب بھی باقی ہیں۔ تین طرف دروازے مغرب کی طرف بند۔ دروازوں کی دونوں جانب برجیاں ہیں۔ کرسی ۳ فٹ ۱۰ انچ۔ محرابوں کے رد کار پر نیلی اینٹوں کی ٹپائیں ہیں۔ اندر سے قطر (۲۹ فٹ) فرش ندارد۔ اندر ایک قبر کا کچا ڈھیر۔ گنبد کے اوپر (۱۶) طاق۔ چبوترا مقبرے کا پہلے تھا اور اس پر قبریں بھی تھیں وہ دھ گئیں گڑھے باقی رہ گئے۔ گنبد کے اندر قینچی اور رنگ کا کام ہے۔ گنبد کی چندیا پر آیت الکرسی منقوش ہے۔ (۲۴) سیڑھیوں کا زینہ مشرق کی طرف۔ تین طرف ہشت پہل برجیاں چھ فیٹ قطر کی صرف جنوب کے طرف کی برجی گر گئی ہے۔ چاروں طرف کے رد کار پر اوپر سے نیچے تک چھوٹے چھوٹے طاق محض خوب صورتی کے لیے بنادیے ہیں۔ بلندی گنبد کی چھت تک (۲۹ فٹ)۔ محرابوں میں ہر طرف سنگ سرخ کی جالیاں تھیں جو سب ندارد ہیں صرف شمال کی طرف ایک جالی کا کچھ حصہ باقی بچ رہا ہے وہ بھی چند روزہ مہمان ہے۔

مقبرے کے باہر وار کتبے

بجانب شمال۔ (۱) بسم اللہ فلما رآوہ زلفۃ تا ختم سورہ الملک۔

(۲) إِنَّ الدِّينَ عِندَ اللَّهِ الْإِسْلَامُ (پارہ ۳ نصف) قُلْ هَلْ نُنَبِّئُكُم بِالْأَخْسَرِينَ أَعْمَالًا (پارہ ۱۶ سورہ کہف ع)
(۳) هُوَ اللَّهُ الَّذِي لَا إِلَٰهَ إِلَّا هُوَ عَالِمُ الْغَيْبِ وَالشَّهَادَةِ تا آخر سورہ پارہ (۲۸) سورہ حشر
(۴) لِتُنذِرَ قَوْمًا مَّا أُنذِرَ آبَاؤُهُمْ فَهُمْ غَافِلُونَ (پارہ ۲۲ سورہ یس ۱ ع) وَلَقَدْ زَيَّنَّا السَّمَاءَ الدُّنْيَا بِمَصَابِيحَ (پارہ ۲۹ ۔ س ملک ع ۱)۔ آیۃ الکرسی۔

جانب مغرب۔ (۱) بسم اللہ۔ سورۂ قدر۔ لَا إِلَٰهَ إِلَّا اللَّهُ مُحَمَّدٌ رَّسُولُ اللَّهِ (۲) (۳) آیۃ الکرسی

جانب مشرق ۔(۱) بسم اللہ ۔۔۔۔ یؤمن ویسلم علیہ ۔۔۔۔ (۲ و ۳) سورۂ جمعہ کامل۔
جانب جنوب (۱) بسم اللہ۔ قال ۔۔۔ لیلف کل آفات النبیؑ ۔۔۔ قال النبیؐ علیہ الصلوٰۃ ۔۔۔۔ فاتقوا ۔۔۔ باللہ یا غفور۔ (۲ و ۳ و ۴) آیۃ الکرسی۔

گنبد کے اندر کے کتبے

جانب مغرب (۱) وتلک حجتنا اتینٰھا ابراھیم علیٰ قومہ تا ان ھو الا ذکریٰ للعٰلمین۔ پارہ (۷) س انعام ع ۱۰ ۔ (۲) لقد صدق اللہ رسولہ الرؤیا بالحق تا ختم سورہ پارہ (۲۶) س فتح ع ۱۲
گوشہ جنوب مغرب ۔بسم اللہ۔ اٰمن الرسول بما انزل الیہ من ربہ تا ختم سورۃ البقرہ پارہ (۳)
جانب جنوب (۱) ان الذین اٰمنوا وعملوا الصٰلحٰت کانت لھم جنٰت الفردوس نزلا تا آخر سورۂ کہف۔ پارہ (۱۶)
گوشہ جنوب مشرق ۔(۱) ولقد خلقنا الانسان ما توسوس بہ نفسہ پارہ (۲۶) س ق ع
(۲) ولقد خلقنا الانسان من سلٰلۃ من طین تا وانا علیٰ ذھاب بہ لقٰدرون۔ پارہ (۱۸) س مومنون ع ۔(۳) وما محمد الا رسول تا وسیجزی اللہ الشٰکرین۔ پارہ (۴) س آل عمران ع۔ (۴) ان اللہ یحب التوابین و یحب المتطھرین۔ پارہ ۲ س بقرہ ع ۱۲ کلمہ ۔ سورۂ کوثر اور الاخلاص۔
جانب شمال (۱) ھو اللہ الذی لا الٰہ الا ھو عٰلم الغیب والشھادۃ تا آخر سورہ حشر پارہ (۲۸) ع (۲) الحمد (۳) والضحیٰ
گوشہ شمال مغرب ۔(۱) ربنا اٰتنا فی الدنیا حسنۃ تا عذاب النار۔ پارہ (۲) س البقرہ ع ۔(۲) سورۃ الرحمٰن بعد
بر اندرونی محراب کے دو طرفہ طغرے ہیں۔

بڑا گنبد

جسے بڑے خاں کا گنبد کہتے ہیں اور یوں بھی یہ گنبد بہت بڑا اور نہایت عالی شان ہے اور کسی لودھی بادشاہوں کے گنبد سے کم نہیں ہے۔ تین طرف دروازے سنگ سرخ کے ہیں مغرب کی طرف بند۔ کرسی ۵ فٹ۔ گرد چبوترا ۱۵۶ مربع۔ دروازوں کی چوکھٹ ۸ فٹ۔ گنبد ہشت پہل ہے جس کا قطر اندر سے ۶۷ فٹ ہے۔ فرش ندارد پہلے تھا اب تو جا بجا گڑھے پڑے ہوئے ہیں۔ اندر پانچ قبریں ہیں۔ جن میں دو بڑی باقی بالکل شکستہ ہیں۔ ایک سب سے بڑی قبر ۱۰ فٹ × ۶ فٹ لمبی چوڑی اور ۳ فٹ اونچی ہے غالباً یہی بڑے خاں کی قبر ہوگی۔ باقی قبروں کے نرے پتھر ہی پتھر رہ گئے ہیں چونا جھڑ گیا جس طرح کہ لودھیوں کے مقبرے کی قبروں کی مرمت سرکار نے کرادی ہے ان قبروں میں سونے والے زبان حال سے اسی سلوک کے طالب ہیں۔ چاروں محرابوں پر چار روشن دان ہیں۔ قبہ کے اندر تمام رنگ آمیزی کا کام تھا

اب صرف چند یا میں گیروی سطح پر سفید حروف میں آیۃ الکرسی لکھی ہوئی ہے اس کے سوا اور کوئی کتبہ نہ گنبد میں ہے نہ قبروں پر البتہ محرابوں کے دونوں طرف کلمہ وغیرہ کے طغرے ہیں۔ گنبد کے اندر ہر چہار طرف سنگ سرخ کی جالیاں تھیں جن میں کی صرف ایک شمال کی طرف باقی رہ گئی ہے اور دوسری طرف کی جالیاں لوگ اکھاڑ لے گئے اُن دروں کو معمولی پتھر لگا کر بند کر دیا ہے۔ گنبد کے اندر مغربی رُخ کا دروازہ جو بند ہے اُس میں ایک محراب سنگ سرخ کی بنی ہوئی ہے جس پر نقاشی کا کام بہت خوبی سے کیا ہوا ہے اور اس پر کلمۂ طیبہ کھدا ہوا ہے۔ مقبرے کے اندر مشرق کی طرف دو طرفہ (۵۶) سیڑھیوں کا زینہ ہے۔ چھت تک بلندی گنبد کی (۲۶ فٹ) ہے۔

گنبد اوپر سے شکستہ ہو کر قبہ میں جا بجا گھانس اُگ آئی ہے جو اس کو قبل از وقت بٹھا دے گی کہ پانی اُس میں جذب ہوتا ہے۔ گنبد کی چاروں طرف ہشت پہل برجیاں ۸-۹ فٹ قطر کی ہیں جن میں سے جنوب کی طرف کی گر گئی ہے۔

دریا خاں کی درگاہ

چھوٹے اور بڑے گنبدوں سے قطب روڈ کی طرف چلو تو رستے میں کھیتوں کے بیچ میں دریا خاں کی درگاہ ایک وسیع اور پختہ (۹۰ فٹ) مربع چبوترے پر بنی ہوئی ہے جو ۸ فٹ اونچا ہے۔ اور بارہ سیڑھیاں ہیں۔ اس کے علاوہ ایک خام چبوترا اور ہے جس کے گرد سرکار نے تار کی باڑھ لگا دی ہے دریا خاں کون تھے کچھ معلوم نہیں نام سے معلوم ہوتا ہے کہ کوئی اسی زمانے کے لودھی پٹھان ہوں گے۔ اس چبوترے کے چاروں کونوں پر (۱۲) در کے چار برج سنگ خارا کے بنے ہوئے ہیں جن کا چبوترا ۳۳ فٹ مربع ہے ستون کی ایک ہی کڑی ۱۰ فٹ ۵ انچ چورس چھ فیٹ لمبی بیٹھک آپ اونچی اور کل در کی بلندی و عرض ۸ فٹ ۵ انچ × ۵ فٹ ہے۔ مشرق کی طرف کا برج نصف گر گیا ہے باقی تین طرف کے سلامت ہیں۔ ان کے اندر آیۃ الکرسی منقوش ہیں۔ چبوترے کے بیچ میں ایک ہشت پہل چبوترا ہے جس کا قطر ۳۰ فٹ ہے اور اونچائی ۳ فٹ ہے جس کے بیچ میں دو قبریں زیر سما گچ کی ہیں جن میں کی ایک بالکل شکستہ ہے اور ان میں سے ایک قبر دریا خاں کی ہوگی۔ اس کے علاوہ ایک اور چبوترہ ۹ فٹ مربع ۲ فٹ اونچا ہے اس پر ایک ہی قبر گچ کی ہے۔ کتبہ کسی قبر پر نہیں۔

مجاہد پور کا نامعلوم گنبد

قطب روڈ میل (۷) فرلانگ (۲) پر ذرا سڑک سے ہٹ کر بائیں ہاتھ کی طرف ایک سڑک اس گنبد کو گئی ہے جس کا نمبر ہی ۷۵/۲۴ ہے۔ چار طرف چار دروازے ہیں۔ ۶ فٹ × ۴ فٹ ہے۔ باہر سے ۲۸ فٹ اور اندر سے ۲۰ فٹ مربع عمارت ہے فرش اور قبر دونوں ندارد۔ اندر باہر سے پلاستر جا بجا سے گر گیا ہے پتھر چونے کا بنا ہوا ہے۔ گنبد کا قبہ چاروں طرف سے کھنڈر کر بڑی بڑی دراڑیں پڑ گئی ہیں۔

گردخام چبوترا تھا جو گر گیا۔ گنبد کی چندیا پر آیۃ الکرسی کے سوا اور کوئی کتبہ نہیں ہے۔ موضع مجاہد پور کی حدود میں یہ گنبد ہے لیکن کچھ نہیں معلوم ہو سکتا کہ کس کا ہے۔ مگر ہے بہت قدیم۔

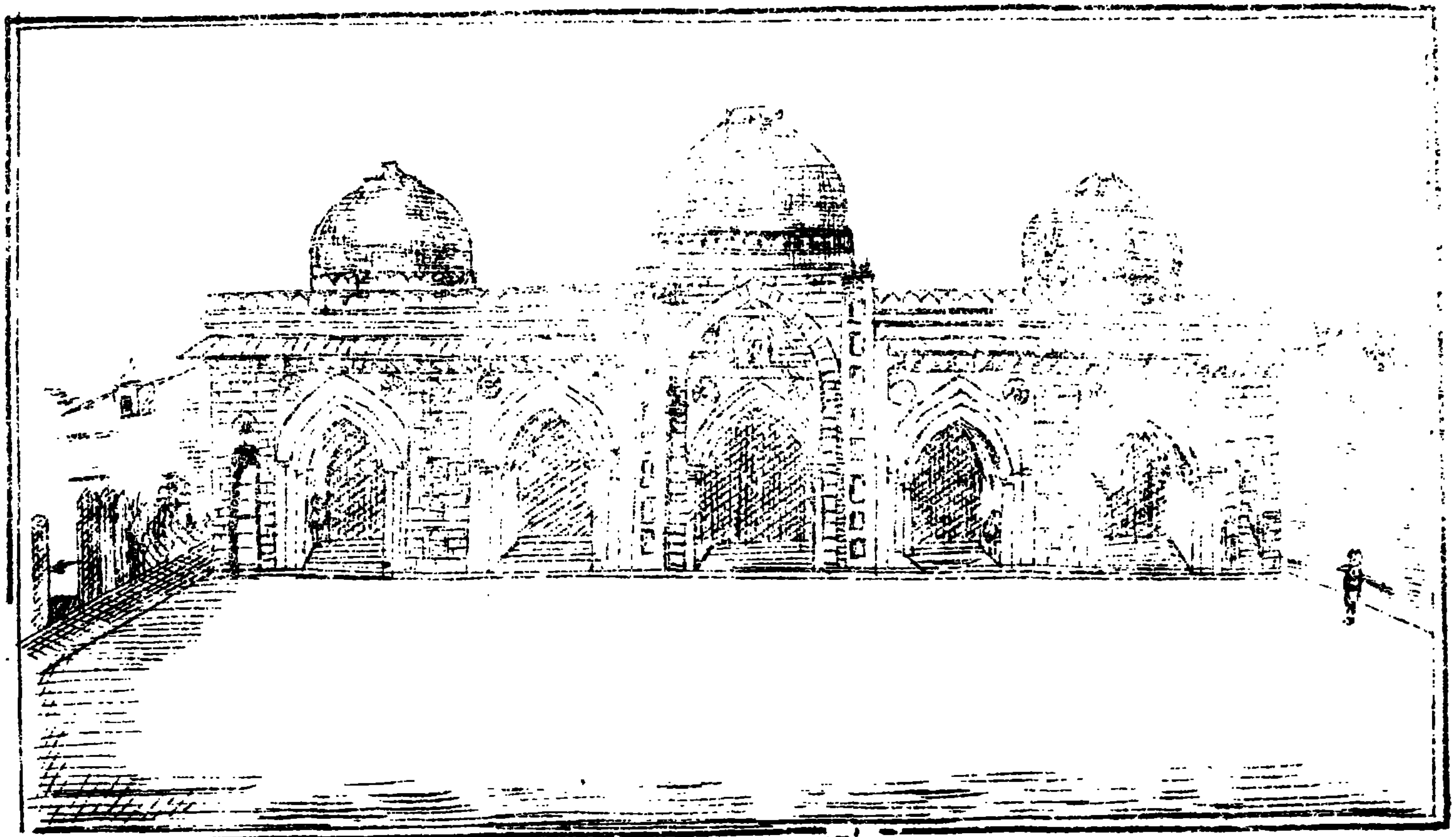
یوسف سرائے (۸) میل (۲) فرلانگ سڑک کے داہنی طرف اس نام کا ایک ویران موضع ہے جس میں اب چند مکانات رہ گئے ہیں۔ گرد اس موضع کے پختہ فصیل ہے اور کوئی خاص بات نہیں۔ پہلے سرائے ہوگی اب تو نرا گاؤں ہی گاؤں رہ گیا وہ بھی بالکل چھوٹا۔

موٹھ کی مسجد ۸۹۴ھ / ۱۴۸۸ع یہ مسجد مبارک شاہ کے مقبرے کے پاس ہے جو خاندان سادات کا دوسرا بادشاہ تھا۔ یہ مسجد ۸۹۴ھ/۱۴۸۸ع میں بعہد سکندر شاہ ثانی بن بہلول لودی تعمیر کی گئی تھی۔ مسجد کے پاس ایک بہت بڑی باؤلی بھی بنائی گئی تھی جس کے اندر سنگ سرخ کی لوح پر ذیل کا کتبہ ہے جو لونی لگ کر جا بجا سے جھڑ گیا ہے۔ اب جو کچھ بمشکل پڑھا جا سکتا ہے وہ یہ ہے اور اس کے علاوہ اور عبارت بھی ہے جو پڑھی نہیں جاتی۔

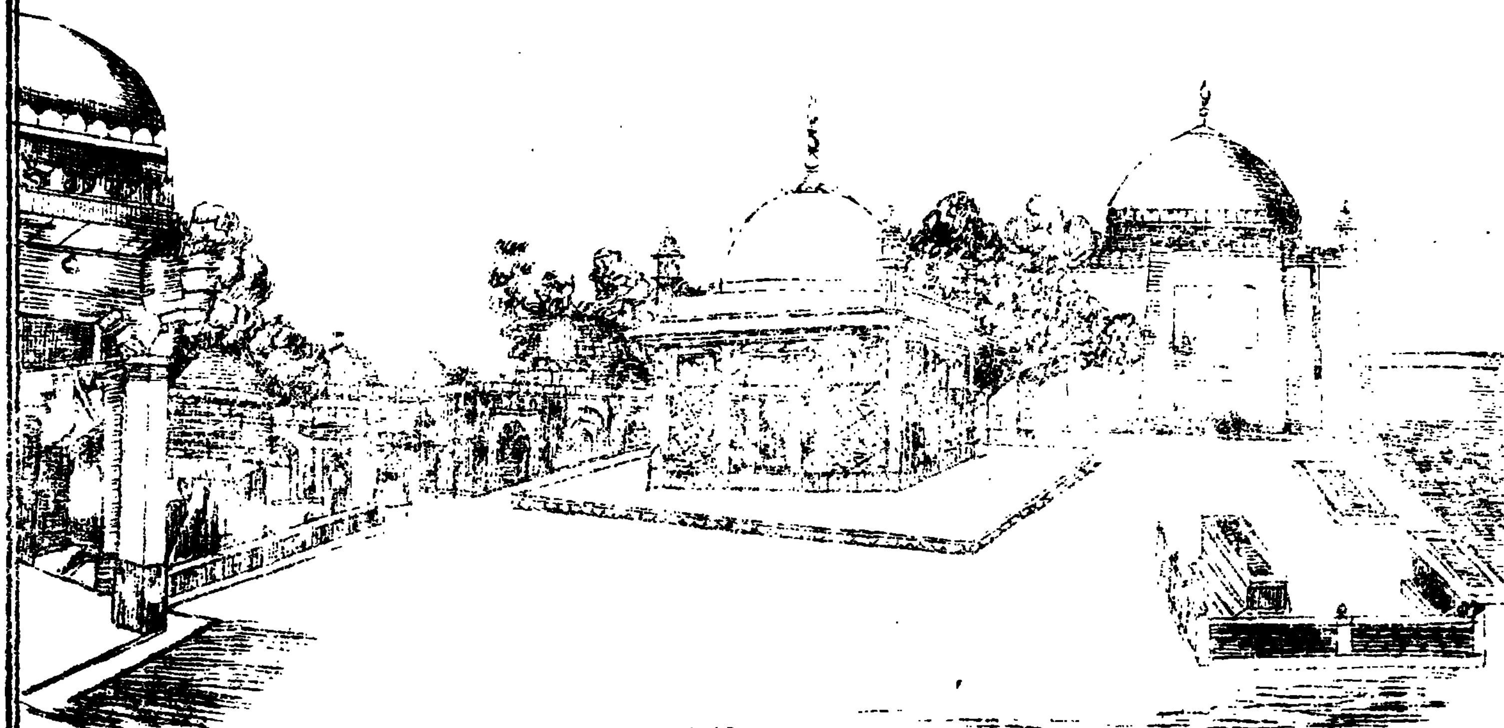
.... (این) مسجد در عہد
دولت بندگی حضرت سلیمان ...... سلطان (ہند) سکندر شاہ بن بہلول شاہ
لودی خلد اللہ لسلطانہ .... ین معصر
اللہ حسین شہاب الساکن قصبۂ سہارنپور۔ سفعم جھمری علی لا۔

اس مسجد کا صدر دروازہ کسی زمانے میں بڑا عالی شان رہا ہوگا اب بالکل حالت انہدام میں ہے۔ اس مسجد کی وجہ تسمیہ یہ کہی جاتی ہے کہ کسی شخص[1] نے راہ چلتے میں ایک موٹھ کا دانہ پڑا ہوا دیکھ کر اٹھا لیا اور اُسے بو دیا وہ اُگا اُس سے جو دانے نکلے وہ پھر بوائے وعلیٰ ہٰذا۔ چند سال میں پیداوار بڑھتے بڑھتے بہت روپیے جمع ہو گئے اور اُسی روپیہ سے یہ مسجد بنی ہے۔ اور اسی وجہ سے موٹھ کی مسجد کے نام سے مشہور ہے۔ یہ مسجد لودیوں کے زمانے کی طرز عمارت کا ایک عمدہ نمونہ ہے۔ اس کا چبوترہ چھ فٹ اونچا ہے اور عرض وطول میں ۱۴۰ فٹ × ۱۴۰ ہے چبوترے پر سے گنبد کی چوٹی تک (۶۰ فٹ) کی بلندی ہے۔ اس میں پانچ در ہیں اور ادھر اُدھر دو در چھوٹے چھوٹے اور ہیں جن میں سیڑھیاں بنی ہوئی ہیں۔ درمیانی بلند دیوار دوز محراب میں دروازہ نصب ہے۔ ان محرابوں کے دیوار دوز ستون چھوٹے چھوٹے طاقوں سے جو آٹھ ہیں ایک کے اوپر

[1] اور کوئی کہتا ہے کہ بادشاہ نے سلتے وانہ پایا اور وزیر کو دیا اس نے تعظیماً اس دانے کو بوایا



نقشۂ مسجد موٹھ



درگاہ حضرت روشن چراغ دہلی

ایک آراستہ ہیں اور پانچ پانچ طاق پہلو کی محرابوں میں ہیں۔ درمیانی محراب کی رو کارسے بہت سے پتھر لوگ اکھاڑ لے گئے ہیں جس سے دیوار ٹنڈی اور بدنما ہو گئی۔ چھت پر تین گنبد ہیں ایک بیچ کے حجرے پر اور دو دونوں پہلوؤں کے حجروں پر۔ گنبد چونے اور پتھر کے ہیں مگر نہ بڑے ہیں اور نہ مثمن۔ ان کی گردنیں لمبوتری ہیں جو لودیوں کا خاص طرز تھا۔ پہلو کے دونوں گنبدوں کی حالت خستہ ہے بیچ کی محراب اونچی ہے اور ادھر ادھر کی اسی مناسبت سے کم۔ ان کے سامنے بھاری چھجہ تھا جس کا بہت ہی تھوڑا حصہ اب رہ گیا ہے غرض یہ کہ اس مسجد کے ایک عمدہ عمارت ہونے میں کچھ شک نہیں مگر بے درد لوگوں کے ہاتھوں سے جو تباہی اس کی ہوئی ہے وہ مسٹر بگلر کے ذیل کے ریمارک سے ظاہر ہو گی:۔

"اس مسجد کے رو کار پر بہت کچھ نقش و نگار اور رنگ آمیزی تھی۔ یہ ساری عمارت بن گھڑے پتھروں اور چونے کی ہے لیکن بعض بعض مقامات پر تراشے ہوئے پتھر بھی نصب ہیں خصوصاً ستون جو کھڑے ہوئے ہیں۔ صدر دروازے پر سنگ مرمر کی تختیوں پر آیات قرآنی کندہ ہیں جو سادی اور رنگین ہیں مسجد کے اندر کی تمام گل کاری اور رنگ آمیزی کا کام دھوئیں کی تہ چڑھ جانے سے برباد ہو گیا لیکن دروازے پر اب بھی سبز اور سرخ رنگوں کی جھلک نظر آتی ہے۔ پتھر بھی ہر قسم کا سرخ۔ سفید۔ زرد۔ سیاہ جابجا لگا ہوا تھا احاطے کی دیواریں اندر باہر چاروں طرف طاق بنے ہوئے ہیں۔ شمالی اور جنوبی دیواریں دو زینے چھت پر چڑھنے کے ہیں۔ یہ مسجد اب تک مبارک پور کے گنواروں کی بود و باش میں پھنسی ہوئی ہے جنھوں نے جا بجا پکا پکا کر مسجد کی ساری صناعی کو کالا سیاہ کر دیا اور طرفہ یہ کہ جا بجا کچی دیواریں کھڑی کر کے چھوٹی چھوٹی کوٹھریاں بنا کر رہی سہی رونق بھی برباد کر دی"۔

درگاہ حضرت روشن چراغ دہلی

ھنگامہ گرم ہستی ناپائدار کا
چشمک ہے برق کی کہ تبسم شرار کا

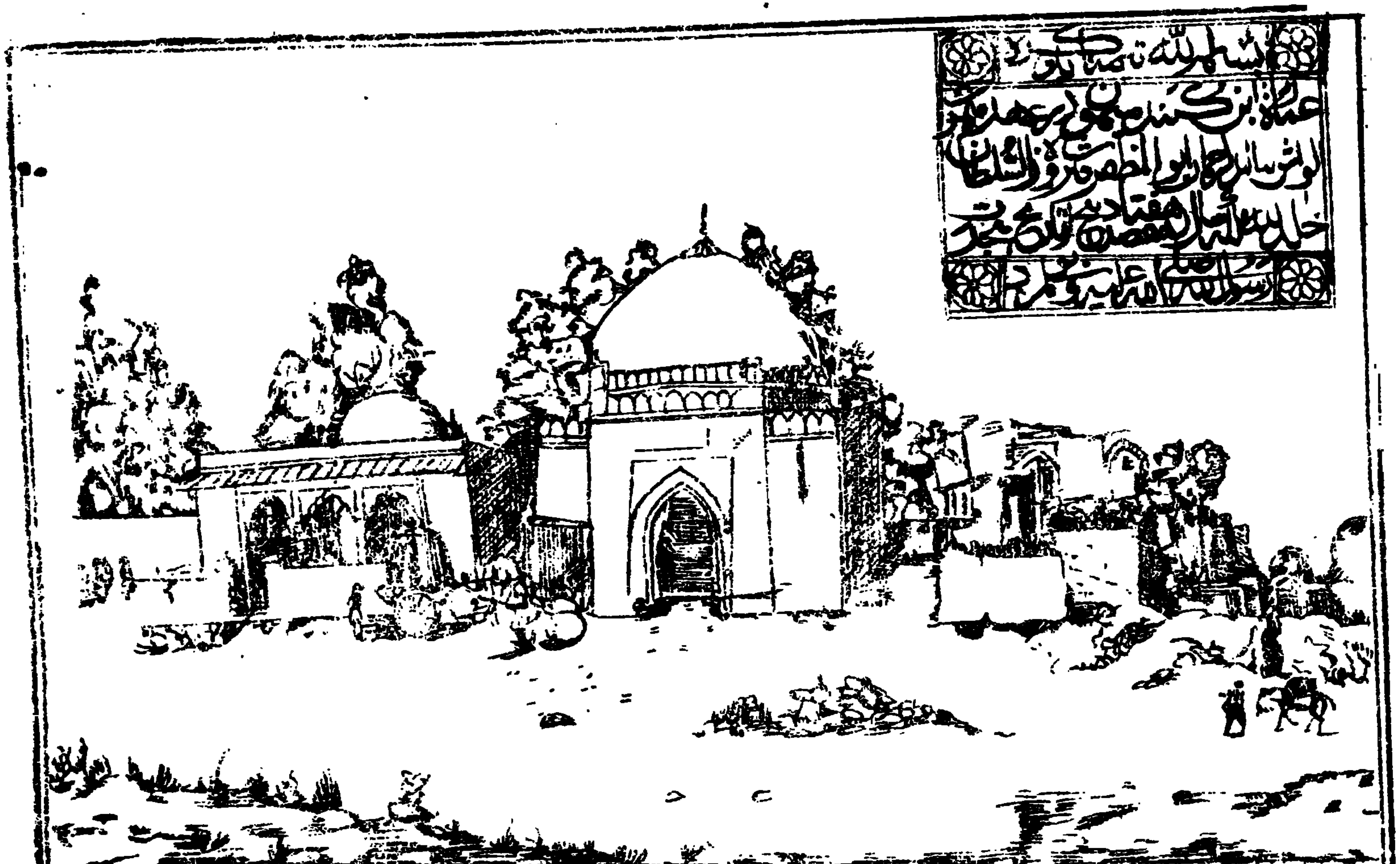
۷۵۶ھ ۱۳۵۶ء

شیخ نصیر الدین محمود خاندان چشت کے دلّی کے سب سے اخیر بزرگ تھے۔ آپ حضرت نظام الدین اولیا کے اکبر خلفا میں سے تھے۔ آپ بڑے ذی علم مقدس اور خدا پرست تھے۔ بڑے واعظ اور صاحب تصانیف کثیرہ بھی تھے۔ مذہب اسلام کی آپ نے بہت کچھ اشاعت کی سلطان

محمد تغلق سے آپ سے بھی ان بن تھی آپ نے بہت صبر و تحمل اور استقلال کو کام فرمایا جب مخدوم جہانیان سید جلال صاحب مکۂ معظمہ تشریف لے گئے تو آپ سے عبداللہ یافعی نے طواف کعبہ میں دریافت کیا کہ اب تو دہلی کے بیشتر بزرگان دین مر مرا گئے اب وہاں کون رہا ہوگا۔ حضرت مخدوم نے فرمایا کہ "نہیں اب بھی دلی میں نصیر الدین محمود ہیں جو دلی کے روشن چراغ ہیں" جب سے آپ کا لقب روشن چراغ دہلی مشہور ہو گیا۔ آپ کے صفات اور کمالات سے کتابیں بھری پڑی ہیں غایت شہرت سے حاجت بیان کی نہیں۔ سلطان فیروز شاہ کو آپ کی خدمت بابرکت میں بڑی عقیدت تھی اور آپ کی خدمت بہت کیا کرتا تھا۔ آپ کی درگاہ کا گنبد آپ کی حین حیات سلطان فیروز شاہ نے ۷۴۹ھ ۱۳۴۸ء میں بنوا دیا تھا۔ شب جمعہ ۱۸ رمضان المبارک ۷۵۷ھ ۱۳۵۶ء[1] میں آپ کا وصال ہوا اور اسی گنبد میں آسودہ ہوئے۔ آپ کو ایک سن چلے جالندھری فقیر نے جو آپ کے پاس کچھ خیرات مانگنے آیا تھا خنجر سے شہید کیا۔ وقت شہادت آپ کا سن شریف (۸۲) سال کا تھا۔ آپ یہیں قریب موضع کھڑکی میں اسی حجرے میں رہتے تھے جہاں کہ آپ دفن ہیں۔ آپ کی قبر میں آپ کے ساتھ جبہ۔ عصا۔ کلاہ اور مصلی جو آپ کو آپ کے مرشد حضرت نظام الدین سے ملا تھا۔ دفن کیا گیا۔ آپ کا مقبرہ ایک مستطیل احاطے کے اندر ہے جو ۱۸۰×۱۰۴ اور ۱۲ فٹ بلند ہے۔ اس احاطے کا بڑا حصہ اور قصبے کے گرد جو فصیل ہے محمد شاہ بادشاہ نے ۱۱۴۲ھ ۱۷۲۹ء میں بنوایا۔ یہ فصیل بہت بڑی اراضی کو گھیرے ہوئے ہے جو نالے سے بہت بلندی پر بنائی گئی ہے۔ بستی کے سامنے اس زمانے میں ایک پل بھی نالے پر بنا ہوا تھا اور آگے چل کر نالے کے بہاؤ کی طرف نیچے وار ایک اور پل بھی تھا۔ اب دونوں پلوں میں سے ایک بھی باقی نہیں رہا۔ درگاہ کا صدر دروازہ آپ کی وفات کے ۱۷ سال بعد ۷۷۵ھ ۱۳۷۳ء میں فیروز شاہ نے بنوایا تھا جس پر

---

[1] بعض کتابوں میں جمعہ کے دن آپ کا وصال ہونا لکھا ہے۔ کتاب مخبر الواصلین میں ۷۵۲ھ ہی سال رحلت صحیح ہے۔ آنکہ دانش چراغ راہ یقین ست۔ نام نامی او نصیر الدین ست۔ ذات او را چراغ دہلی داں۔ بلکہ خورشید بر دو عالم خواں۔ عمر از شصت و پنج سالہ شمار۔ بے کم و بیش اے ستودہ شعار۔ بشب جمعہ داد حق را جاں۔ ہژدہم بود از مہ رمضان۔ شد ز دنیا چو آں نصیر زماں۔ سال نقلش "مہ بہشت" ۷۵۲ بداں۔ شمع جمع صوفیاں ۷۵۷ بھی آپ کی وفات کی تاریخ ہے۔ ۱۲



نقشہ دروازہ روشن مع نقل کتبہ

ایک بڑا گنبد ہے۔ یہ دروازہ درگاہ کے شمال شرق کے کونے میں ہے جس پر ایک سنگ مرمر کی تختی پر یہ کتبہ ہے:۔

بسم اللہ تیمناً بذکرہ

عمارۃ این گنبد در عہد ہمایون الواثق باللہ ابوالمظفر فیروز شاہ سلطان خلد اللہ ملکہ سال ہفصد ہفتاد و پنج از تاریخ ہجرت رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم بود۔

اس دروازے کا کمرہ ۱۹ فٹ مربع ہے جس کے سامنے ایک پختہ چبوترا ۲ فٹ بلند سر دو جانب ہے۔ آپ کے گنبد کا ارتفاع دیواروں تک (۲۷ فٹ) ہے اور یہاں سے گنبد شروع ہوا ہے جس کی بلندی ۱۵ فٹ ہے اس طرح سب ملا کر (۴۲ فٹ) کی اونچان ہے۔ دروازے کی منڈیر کے دونوں طرف دو برجیاں ہیں۔ دروازے سے کوئی ۳۵ فٹ شمال کی طرف ایک حجرے میں آپ کا مزار ہے جو تیس فیٹ مربع اور (۴۰) فیٹ اونچا ہے جس پر ایک گنبد ہے اور گنبد پر سنہرا کلس چڑھا ہوا ہے۔ گنبد کے چاروں کونوں پر آٹھ فیٹ بلند تپلی تپلی مینا ریں ہیں چھت کے گرد کنگورہ ہے جس کے نیچے چوڑا چھجہ ہے۔ اس گنبد کے بارہ در ہیں جن میں سنگ خارا کے ستون لگے ہوئے ہیں سب دروں میں سنگ سرخ کی جالیاں لگی ہوئی ہیں جنوب کی طرف ایک در میں گنبد کے اندر جانے کا رستہ ہے۔ گنبد چونے اور پتھر کا بنا ہوا ہے۔ گنبد کے اندر سنہرا کٹورا لٹکا ہوا ہے۔ **اکبر شاہ ثانی** کے عہد میں شاہزادے **مرزا غلام حیدر** پسر اکبر شاہ ثانی نے اس گنبد کے گرد سنگ سرخ کی بارہ دری بنوادی تھی اور حضرت نظام الدین کی درگاہ کے ستون یہاں لاکر لگائے تھے مگر یہ بارہ دری ایسی بودی بنی تھی کہ دس برس کے بعد ہی گر پڑی۔ گنبد درگاہ شریف کے پاس ہی ایک مسجد چونے اور پتھر کی بنی ہوئی ہے کہتے ہیں کہ یہ مسجد **فرخ سیر** بادشاہ کی بنوائی ہوئی ہے اس مسجد پر کوئی کتبہ نہیں جس سے بننے کا صحیح صحیح حال معلوم ہو سکے۔ اگر فرخ سیر کا زمانہ لیں جو سنہ ۱۷۱۲-۱۹ع ہے۔ تو آج اس مسجد کو بنے ہوتے پورے دو سو برس ہوئے۔ اس گنبد کے پاس دو برج اور ہیں۔ ایک برج میں جو جانب غرب ہے حضرت شیخ **فرید شکر گنج** کی پوتے سوتے ہیں دوسرے میں جو شرق کی طرف ہے اس میں **مخدوم زین الدین علی** صاحب حضرت کے بھانجے کی قبر ہے۔ اس کے متصل سنگ باسی کے جالی دار محجر میں شیخ **کمال الدین علامہ** جانشین حضرت آرام فرماتے ہیں آپ کے گرد سنگ سرخ کا کٹہرا لگا ہوا ہے اس محجر

میں دس جالیاں سنگ سرخ کی ہیں۔ آپ خلیفہ اور ہمشیرہ زادے مخدوم چراغ دہلی کے ہیں۔ نسب شریف آپ کا حضرت امیر المومنین امام حسن بن علیؓ عنہما تک پہنچتا ہے۔ علم تفسیر اور حدیث اور فقہ میں علامہ مشہور تھے۔ کچھ مدت احمد آباد میں سکونت کی اور گجرات اور دکن کے لوگوں کو ارشاد و تلقین فرماتے رہے بعد ازاں دہلی تشریف لا کر تلقین خلایق کی اولاد اور خلیفہ آپ کے اب تک دکن میں موجود ہیں۔ ۲۷ ذی قعدہ ۹۵۶ھ میں آپنے رحلت فرمائی۔ رحمت حق تاریخ وفات ہے اور باقی بہت سی قبریں ہیں من جملہ اُن قبروں کے فیض طالب خان بنگش اور مفتی صدر الدین خاں صاحب کی قبریں ہیں۔ خواجہ کمال الدین علاقہ کے مجرے کے جنوب میں مرزا شبّو ولی عہد بہادر کی قبر ایک دوسرے اور کشادہ سنگ مرمر کے چبوترے پر بنی ہوئی ہے۔ پہلا چبوترا ۹ فٹ مربع اور اُس کے اوپر کا ۶ فٹ مربع ہے۔

حضرت روشن چراغ دہلی کے مزار مبارک کے مشرق میں خواجہ طاہر کا مزار ایک جالی دار کٹہرے کے اندر ہے۔ تعویذ قبر سنگ مرمر کا ہے جس کے گرد آیۃ الکرسی ہے اور پر کلمہ طیبہ اور ایک طغریٰ یا دائماً بلا فناءٍ . . . ولا زوال لملکہ عز بقاءہٗ ۹۸۰ھ جو سلسل پڑھا نہیں جاتا اور پائینتی یہ قطعہ کندہ ہے:-

خواجہ طاہر خواجۂ صاحب رضا — آنکہ دایم بود با جود و کرم
چون شنید از ہاتف غیب داین ندا — کرد رحلت از جہان سوے ارم
سال فوتش مادر ایام گفت ۹۷۶ — آہ از خواجہ محمد طاہرم

اس درگاہ کے احاطے کے اندر دو عالی شان گنبد پٹھانوں کے وقت کے ہیں معلوم نہیں کہ اُن میں کن کن کی قبریں ہیں درگاہ کے خدام کہتے ہیں کہ محرم علی صاحب چشتی ان گنبدوں میں کی قبروں کی جو بہت شکستہ ہو گئی تھیں مرمت کرادی ہے اور یہ بات موجودہ حالت کے نظر کرتے صحیح معلوم دیتی ہے درگاہ کا گنبد اور مسجد نہایت بے مرمت ہو گئی تھی خصوصاً غلام گردش کے گرنے سے جس کو مرزا غلام حیدر نے بنایا تھا گنبد درگاہ کا بہت بودا ہو گیا تھا اور خادم وہاں کے ہر شخص سے مرمت کی درخواست کرتے تھے۔ خواجہ محمد خاں نے تمام درگاہ اور مسجد اور دروازے اور

۵۱ یہ لفظ جھڑ گئے ہیں سیاق عبارت پر سے میں نے لکھ دیئے ۱۲

صحن کی مرمت اور استرکاری کروادی اور درگاہ کے گنبد کے گرد چھجہ سنگیں بنوادیا اس مرمت کی بدولت حقیقت میں سارا مکان نیا ہوگیا۔ درگاہ کی چار دیواری اور تین درکا ایک دالان شمال کی طرف اور چھوٹا سا سنگین کٹہرا مولوی فخرالدین صاحب نے بنوایا ہے اور غلام گردش جو گر پڑی تھی۔ اس کے ستون صحیح و سالم اب تک درگاہ کے سامنے پڑے ہیں۔ آپ کا عرس شریف ۱۷ رمضان شریف کو ہوتا ہے اور بہت لوگ جمع ہوتے ہیں اور رات کو رہتے ہیں اور اٹھارویں تاریخ قُل کے بعد چلے جاتے ہیں۔ دروازہ کے باہر خدام نے مل کر ایک دالان بنا لیا ہے جس سے لوگوں کو بڑا آرام ہوگیا ہے درگاہ میں ایک تخت سال کی لکڑی کا ہے تین فیسٹ اونچا ایک ہی لکڑی میں ترشا ہوا رکھا ہے جس پر بہت ہی عمدہ گلکاری اور نقاشی کی ہے۔ یہ تخت دکھنی بیگ نے بنگالے سے بھیجا تھا اور اس پر یہ شعر اور عبارت کھدی ہوئی ہے:

تخت چوبی نیاز دکھنی بیگ بجناب نصیر دین محمود قدس سرہ العزیز

سنہ ۱۱۴۳ھ مطابق سنہ ۱۲ جلوس محمد شاہ غازی

اس درگاہ کے پاس ایک بستی آباد ہے جس میں ہر قسم کے لوگ رہتے ہیں۔ گرد اس بستی کے محمد شاہ بادشاہ نے فصیل بنوادی جس میں چار دروازے اور ایک کھڑکی ہے کہتے ہیں کہ اس فصیل پر پہلے چار لاکھ روپیئے خرچ ہوئے۔ گو یہ فصیل بہت پختہ مستحکم اور بلند ہے مگر پھر بھی اُس ارزانی کے زمانے میں اتنا زر خطیر صرف ہونا قرین قیاس نہیں ہے۔

جو کچھ بیان درگاہ شریف کا اوپر لکھا گیا اُس پر میری طرف سے یہ اضافہ ہے کہ آپ کے گنبد کا فرش سنگ مرمر کا ہے اور مزار منور کے گرد ایک نہایت مصفی اور مجلی کٹہرا سنگ مرمر کا لگایا گیا ہے جس کی نو جالیاں ہیں دسویں جالی پر ذیل کا کتبہ بہ خط نستعلیق نہایت خوش خط کندہ ہے:-

"گزرانیدہ غلامان غلام فدوی محی الدین خاں
شمس الامراء امیر کبیر خورشید جاہ بستم رمضان المبارک
سنہ ۱۳۰۴ ہجری"

اس کٹہرے کا طول و عرض ۸ گز ۱۰ فٹ ۷ گز ۱۰ فٹ اور بلندی ۵ فٹ ہے۔ یہ فرش اور کٹہرا حیدرآباد دکن کے امیر کبیر مرحوم مغفور نے بنوایا تھا جس سے رونق مزار مبارک کی اضعافاً مضاعفہ بڑھ گئی۔ درگاہ میں کچھ ایسی شفافی اور جلاے ظاہری ہے جو نظر میں کھبی جاتی ہے اور شفاء الصدر اور جلاے باطنی کی طرف منجر ہوتی ہے۔ حضرت کے مزار مہبط انوار کے سراہنے ایک قلمی قرآن شریف ۲ فٹ ۷ انچ ۱۰ رکھا ہے جس کے آخر پر یہ لکھا ہے۔ "نوشتہ سید سلطان علی ولد سید فیض علی بن سید محمد علی ساکن قصبہ فریدآباد بتاریخ ۲۴ ذیقعد ۱۲۱۱ھ ہجری"۔ ایک صاحب رحیم بیگ نامی نے ۱۳۰۴ھ مطابق ۱۸۸۷ء میں ایک نہایت خوش خط رباعی آئینہ دار چوکھٹے میں لگا کر نذر گزرانی ہے جو سراہنے آویزاں ہے:۔

اللہ اکبر　　　　تعالیٰ شانہ　　　　عز اسمہ

غلام بخت بلندش ایاز مقصود است　　　　کسیکہ ہمت او چوں نصیر محمود است

شب حصولِ وصولِ خدا بمعراجش　　　　کمینہ منزل وادنیٰ مقام محمود است

اب ساری عمارات اندرون درگاہ عمدہ حالت میں ہیں اور نئی مرمت ہوئی ہے۔ حضرت کے گنبد کی جالیاں سنگ سرخ کی ہوں گی مگر اب تو اُن پر اس قدر سفیدی کی تہیں چڑھی ہوئی ہیں کہ وہ گچ ہی کی معلوم دیتی ہیں۔ صحن درگاہ شریف میں ایک کھرنی کا بڑا بھاری بہت پھیلا ہوا بہت پُرانا درخت دور دور اپنا سایہ پھیلائے ہوئے ہے۔ جس کی سبزی اور تروتازگی نظروں میں کھبی جاتی ہے اور نظر میں نور دل میں سرور پیدا کرتی ہے۔ کہتے ہیں کہ یہ اُسی زمانے کا ہے کہ جب درگاہ مقدس بنی تھی۔ اور غالباً ایسا ہوگا بھی۔ احاطۂ درگاہ کے دروازے کا گنبد بہت شستہ اور لداؤ کا ہے جس کے دونوں جانب لمبی لمبی کشادہ شہ نشین ہیں۔ حضرت علاوہ درویشی کے بڑے ذی علم تھے۔ شریعت کے بدرجۂ غایت پابند۔ سماع مزامیر وغیرہ ممنوعات شرعیہ سے سخت اجتناب کرتے تھے۔ کبھی کبھی اشعار بھی فرمایا کرتے تھے مگر وہ بھی عشق الٰہی میں ڈوبے ہوئے۔ ایک غزل آپ کی جو بہت مشہور اور لوگوں کی زبان پر چڑھی ہوئی ہے تبرکاً لکھتا ہوں:۔

بے کارم و باکارم چوں مد بحساب اندر　　　　خاموشم و گویانم چوں خط بکتاب اندر

ای زاہد ظاہر بیں از قرب میپرس از من　　　　او در من و من در وی چوں بو بگلاب اندر

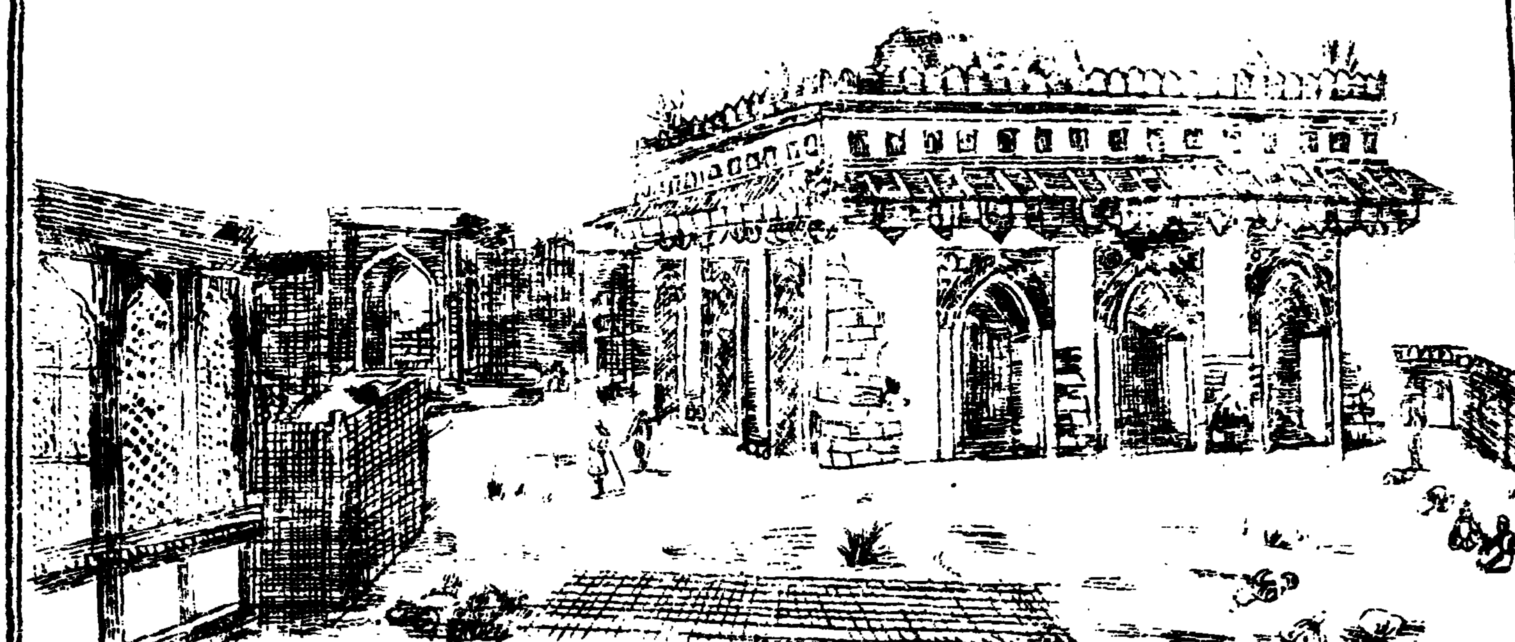
دریا بود از چشم لب تر نشود ہرگز — زیں شعبدہ حیرانم تشنہ ست بآب اندر
در رنج و گہ شاداں از حالت خود غافل — گہ خندم و گہ گریاں چوں طفل بخواب اندر

در سینہ نصیر الدین جز دوست نمی گنجد
ایں طرفہ تماشہ بیں دریا بہ حباب اندر

حضرت کی جہاں درگاہ ہے وہ آبادی بھی آپ ہی کے نام نامی اور اسم گرامی سے مشہور ہے۔ قطب روڈ کے آٹھویں میل پر سے بائیں ہاتھ کی طرف ایک کچا رستہ پھٹ جاتا ہے۔ دو میل وہ خام رستہ طے کرنے کے بعد آپ کے در دولت پر حضوری نصیب ہوتی ہے۔ راستہ ناہموار۔ خراب اور پتھریلا۔ اتنی بڑی زیارت گاہ مرجع خلائق اور سڑک ندارد اسی سبب سے لوگ کم فیض یاب ہوتے ہیں۔ بستی کے قریب وہی نالہ رواں ہے جس پر کہ ست پُلہ ہے۔ بستی کے گرد ایک بڑی وسیع عظیم الشان اور نہایت مستحکم فصیل ہے جو اب تک زمانے کے حوادث کا مقابلہ کر رہی ہے۔ اس کے چار عالی شان سربفلک دروازے ہیں پھر ایسی فصیل پر اگر چار لاکھ روپیہ صرف ہوا تو کیا کچھ بے جا اندازہ ہے۔ اب اس فصیل کا کچھ کچھ حصہ جا بجا سے گرنا شروع ہو گیا ہے پھر بھی ابھی اس کے گرنے کو صدہا برس چاہئیں۔ بستی کے اندر جانے کا دروازہ اسی فصیل میں ہے لیکن جیسا کہ قدیم زمانے کا دستور تھا دروازے کے سامنے بڑے بڑے پتھروں کی ایک رپٹ بنی ہوئی تھی اس کے پتھر جا بجا سے اکھڑ جانے سے پیدل تو خیر مگر کوئی سواری نہیں جا سکتی۔ قطب صاحب کی سڑک سے دو طرفہ دور دور تک جہاں تک نظر دوڑتی ہے گنبد ہی گنبد اور کھنڈر ہی کھنڈر نظر آتے ہیں اور سڑک چھوڑ کر دو میل جو ہم پیادہ پا گئے تو ادھر اُدھر مبارک پور۔ کھیر پڑہ۔ کالو سرائے۔ کھڑکی۔ بیگم پور۔ شاہ پور جٹ۔ زمرد پور (سرائے شاہجی یہ موضع اب اجاڑ ہے) کی بستیاں تھیں۔ ان میں بھی عمارات قدیم کثرت سے ہیں پھر رستہ میں سرائے شیخ کی بستی ملی جس کو شیخ علاء الدین اور شیخ صلاح الدین حضرت بابا فرید شکر گنج کے پوتوں نے جو سکندر بہلول لودھی کے زمانے میں (سنہ ۱۴۸۸-۱۵۱۷ء) آئے تھے آباد کیا تھا۔ اس سے کوئی دو تین فرلانگ پر روشن چراغ دہلی کی بستی اور درگاہ ہے۔ غرض یہ کہ سارے کا سارا وسیع میدان جو کوسوں تک چلا گیا ہے عمارات سے پٹا پڑا ہے جن میں سے بہت سی گر گئیں

کچھ اب گرنے کو ہو رہی ہیں اور کچھ اپنی حالت پر کھڑی ہیں۔ اگرچہ اس میدان میں ہل پھر گیا اور کھیت ہی کھیت ہو گئے مگر کوئی کھیت ایسا نظر نہ آیا جس میں عمارتوں کا نشان نہ پایا جائے کچھ نہیں تو اینٹوں کے ٹکڑے۔ روڑے۔ چونے کے ڈلے اب تک کثرت سے بکھرے پڑے ہیں۔ یہ حصہ مجھے بہت تباہ اور ویران معلوم ہوا اور زیادہ ترکس مپرسی کی حالت میں ہے کئی گنبد ایسے نظر آئے کہ اچھے خاصے ہیں مگر ہم اندر نہیں جاسکتے۔ پاس جاکر دیکھا تو دروازے چُن دیے گئے ہیں۔ دریافت کیا تو معلوم ہوا کہ کسی جاٹ صاحب کے قبضے میں ہیں کسی نے اوپلے بھر رکھے ہیں تو کسی نے بھوسہ۔ کیا خدا کی شان ہے۔ گنبد کس کا اور قابض و متصرف کون ع آدمیاں گم شدند ملک خدا خر گرفت یہاں کے لوگ کسی ہندو ڈپٹی صاحب کا نام لیتے ہیں کہ انھوں نے بوقت بندوبست قبضہ قابضین کا بحال رکھا یہ بات تو ظاہر ہے کہ ایسی جائداد پر کسی کا قبضہ جائز طور پر تسلیم نہیں کیا جاسکتا اگر کوئی قابض ہو سکتا ہے تو گورنمنٹ نہ کہ مادشما۔ اگر لارڈ کرزن کا زمانہ کچھ دن اور رہتا تو ان قابضین کی قلعی کھلتی۔ راقم کے نانا مولوی عبد القادر صاحب نے پنجابی کٹھرے کی مسجد کا جس کے وہ امام تھے معاوضہ طلب کیا تھا کہ وہ حدود ریلوے سٹیشن دہلی میں آگئی تھی تو سرکار نے ان کو ٹکہ سے کورا جواب دے دیا کہ مسجد شاہی تھی کچھ تمہاری ملک نہ تھی تم خواہان معاوضہ کون اور یہ جواب ایک حد تک معقول و مُسکت تھا بجنسہٖ یہی حالت ان گنبدوں کی ہے۔ ورنہ جاٹ کجا اور یہ گنبد کجا۔ درگاہ شریف کے اندر مکانات کا حال ہم لکھ چکے اب بستی کے حصار کے اندر جو چند عمارتیں قابل الذکر ہیں ان کا مختصراً بیان کرتے ہیں:۔

دو نامعلوم گنبد ۱ درگاہ کے شمال میں بیرون احاطۂ درگاہ مگر حصار مسجد کے اندر فصیل کے بالکل قریب ایک ہی وضع قطع کے دو گنبد ہیں جو پٹھانوں کے زمانے کے معلوم ہوتے ہیں۔ دونوں بیس بیس فیٹ مربع ہیں کلس ٹوٹ گئے۔ امتداد زمانے سے باہر سے کالے پڑ گئے۔ ہر چہار طرف دروازے ہیں۔ قبریں دونوں میں نہیں۔ جو لوگ ان میں رہتے ہیں قبریں ان کی بود و باش کی آسایش میں خلل انداز ہوتی ہیں۔ بجائے اس کے کہ قبروں کو توڑتا ڑ کر برابر کر دیتے انھوں نے بھرتی کر کے قبروں کو دبا دیا۔ اوپر سطح جگہ نکل آئی۔ تدبیر تو اچھی کی۔ ایک


مقبرہ سلطان بہلول لودھی

گنبد کے اندر تو ہم جا ہی نہ سکے کہ کسی کا زنانہ تھا۔ باہر سے ہی دیکھ لیا۔

جلال الدین خلجی کی ناتمام مسجد سنہ ۱۲۹۰-۹۵ء

درگاہ کے غرب میں بڑی بھاری عمارت ہے۔ کہتے ہیں کہ علاء الدین خلجی نے بنوائی تھی اور ناتمام رہ گئی۔ اب وہ ساری ہی گر چکی ہے تو ہم اس کا کیا اندازہ لگا سکتے ہیں کہ (تعمیر) ختم ہو چکی تھی یا ادھوری رہ گئی تھی۔ مسجد کے سامنے صحن ہے جو اب خام ہے اور اس پر بہت سی قبریں ہیں۔ اوپر وار چھت سپاٹ ہے نہ گنبد نہ مینار۔ اندر سے البتہ گنبد دار لداؤ چھت ہے۔ مسجد تین در کی ۸۴ فٹ × ۲۲ فٹ ہے اور بلندی ۲۷ فٹ ہے اور یہی بلندی محرابوں کی ہے چھت پر جانے کا (۲۸) سیڑھیوں کا زینہ ہے۔ چھت پر کی کنگورے کی منڈیر گر گئی ہے صحن مسجد جس طرح آگے ہے پیچھے بھی تھا۔ مسجد کے گرد فصیل نما کنگورے دار احاطہ تھا وہ بھی جا بجا سے گر گیا ہے۔ داہنی طرف کے در کی چھت بیٹھ گئی ہے۔ زینہ ادھر بھی تھا۔ اندر باہر کا سارا پلاستر جھڑ کر قالبی پتھر نکل آئے ہیں۔ مسجد کے اندر باہر کہیں پختہ فرش نہیں رہا۔ مسجد بہت بری حالت میں ہے علاوہ مویشیوں کے باندھے جانے کے لوگ بھی غلاظت پھیلانے میں کمی نہیں کرتے۔ خدا کی شان ہے کہ اب اس مسجد کی یہ حالت ہے!

مقبرہ سلطان بہلول لودھی سنہ ۸۹۴ھ ۱۴۸۸ء

جسم یوں روح سے لگا کہنے تن سے جب چھٹ کے بے قرار چلی
چھوڑ کر ساتھ ایک عمر کا آج حیف اے جان غمگسار چلی

سکندر لودھی پسر بہلول لودھی نے یہ مقبرہ سنہ ۸۹۴ھ ۱۴۸۸ء میں بنوایا اور موضع بدھولی سے اپنے باپ کی نعش لاکر یہاں دفن کی۔ یہ مقبرہ حضرت نصیر الدین روشن چراغ دہلی کی درگاہ کے احاطے کی غربی دیوار سے ملا ہوا ایک باغ کے اندر ہے جو جودھ باغ کے نام سے مشہور تھا۔ یہ مقبرہ ۴۴ فٹ مربع ہے جس کے تین طرف در ہیں جن کے بارہ جی ستون آٹھ فیٹ اونچے اور دو فیٹ مربع سنگ سرخ کے ہیں محرابوں کی پیشانی پر نقش و نگار اور بیل بوٹے بنے ہوئے ہیں جن کے اوپر ایک سنگین چھجا ہے چھت پر ایک سنگین اور مستحکم منڈیر ہے۔ چھت زمین سے ۳۸ فٹ بلند ہے گنبد کے اندر سنگ سرخ کے چوکوں کا فرش ہے۔ قبر کا تعویذ نقش و نگار سے آراستہ ہے جس کا رنگ امتداد زمانہ سے بھورا ہو کر سیاہی مائل ہو گیا ہے۔ بابر نے اپنے وقائع میں لکھا ہے کہ "دہلی کے فتح

کرنے کے بعد وہ سلطان بہلول اور سکندر لودھی کے مقبروں اور باغوں میں گیا تھا۔ جس سے معلوم ہوتا ہے کہ اب جہاں چٹیل میدان ہے وہاں باغ بھی تھے۔ اس مقبرے کے اوپر نہایت خوب صورت پانچ برجیاں چونے گچ کی ہیں۔ جن میں بیچ کی برجی اوروں سے اونچی ہے دھاری دار کمرکی وضع کا ہے۔ اب اس گنبد میں حضرت روشن چراغ دہلی کے خدام رہتے ہیں۔ اس مقبرے سے چند گز کے فاصلے پر ایک ہشت مربع محجر سنگ سرخ کی جالیوں کا ہے اور عام خیال ہے کہ اس میں جو قبریں ہیں وہ وزرائے بادشاہان خاندان لودھی کی ہیں اٹاوے سے دلی آتے ہوئے بہلول لودھی نے رستے میں انتقال کیا۔ تاریخ خان جہان لودھی میں لکھا ہے کہ بادشاہ نے موضع ملاؤلی[1] میں انتقال کیا۔ مگر تاریخ داؤدی میں قصبۂ جلالی (ضلع علی گڈھ) میں وفات پانا درج ہے۔ بادشاہ کی نعش اس کا بیٹا نظام خان الملقب بہ سکندر لودھی دلی لایا اور درگاہ روشن چراغ دہلی کے پاس اس مقام پر دفن کیا جہاں کہ اب ہے۔ یہاں سے درگاہ روشن چراغ دہلی کی فصیل جو محمد شاہ بادشاہ نے ۱۷۱۹ء میں بنوائی تھی وہ اور اس کا ایک دروازہ نہایت خوشنمائی سے دکھلائی دیتا ہے۔

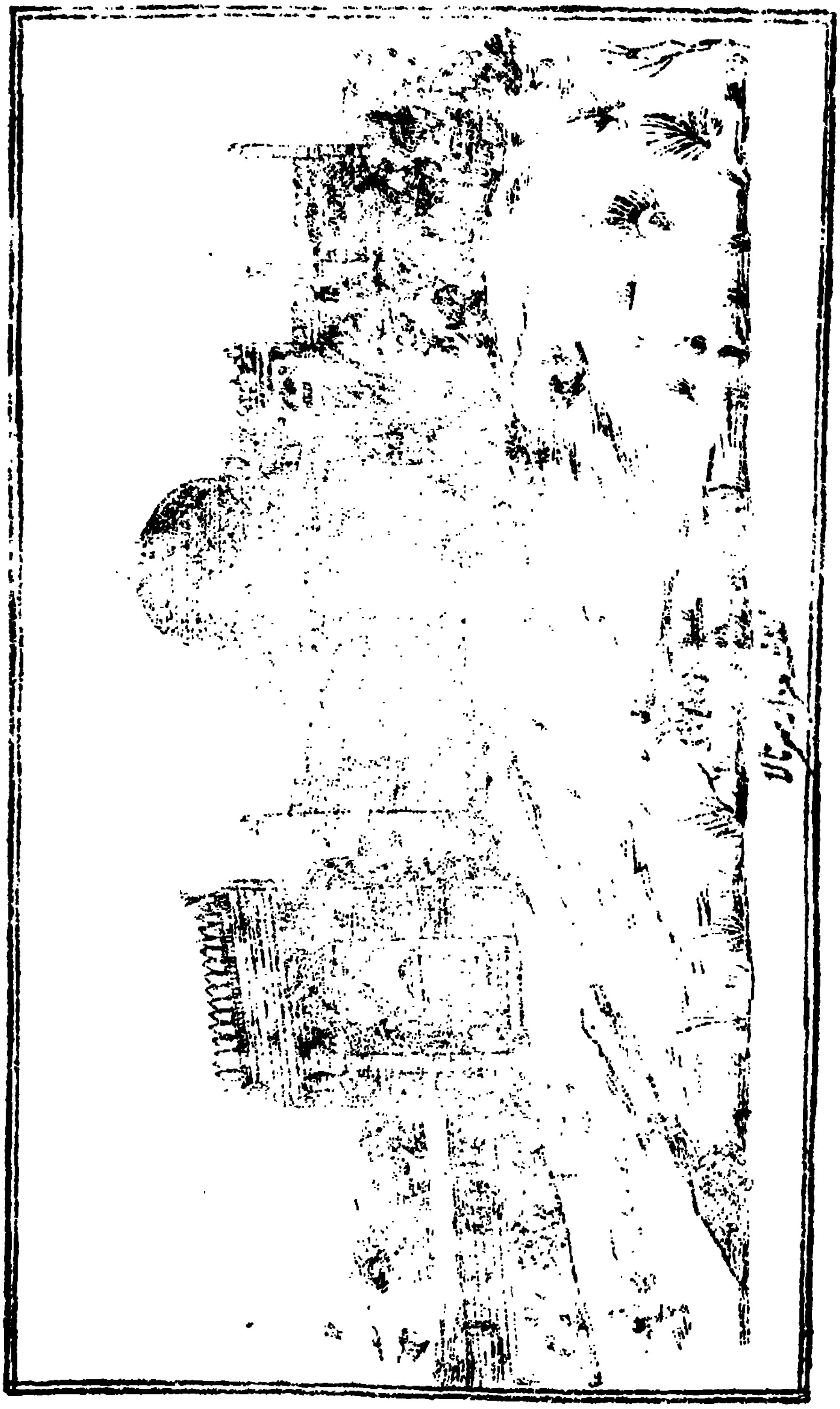
گیارہ دری

اب یہی مقام گیارہ دری کے نام سے شہرت پا گیا ہے اس کا ایک دروازہ درگاہ کے صحن میں بھی نکلتا ہے۔ جو وہ باغ جس کا اوپر ذکر آیا ہے اس کا تو اب نشان بھی نہیں رہا۔ ایک عرصے سے اس مقبرے میں درگاہ کے لوگ مع اپنے اہل و عیال کے مستقلاً سکونت پذیر ہیں اور چوں کہ مسلمان اور پردہ دار ہیں کسی کا اندر جانا بھی مشکلات سے ہے۔ اس میں شک نہیں کہ یہ عمارت نہایت شان دار اور پختہ بنی ہوئی ہے اور سادی لداوی ہے۔ گنبد اور مقبرے کا طرز جا کر بارہ دری کے مشابہ ہے۔ تین طرف تین تین در ہیں۔ پشت پر یعنی بجانب غربی صرف دو در ہیں اسی سبب سے گیارہ دری مشہور ہے۔ اور اس سے ملی ہوئی وہ مسجد ہے جس کا ذکر اوپر آیا۔

مزار سرنالہ

یہ گنبد اور مزار درگاہ روشن چراغ دہلی کے نیچے نالے کے اوپر واقع ہے۔ ہر چند تحقیقات کی گئی کہ یہ کس کی قبر اور کب بنی ہے اور کس نے بنائی ہے کچھ معلوم نہ ہوا مگر سچ بھی ایک فضا کا مقام ہے نالے کے سرے

[1] آثار الصنادید میں موضع بعد ولی نواح سکیت میں مرنا لکھا ہے واللہ اعلم بالصواب ۱۲



پر واقع ہے۔ جب کبھی نالے میں پانی بہتا ہوگا تو یہ جگہ بھی نہایت سیرگاہ ہوگی۔ یہ برج مع ستون اور فرش وغیرہ کے سنگ سرخ کا بنا ہوا ہے اور اُس پر بہت خاصی منبت کاری بھی کی ہے۔ ہیئت مجموعی اس مکان کی خالی از لطافت نہیں۔ اس برج کی وضع اور ساخت اور خوبی دیکھنے سے تعلق رکھتی ہے۔ اوپر جس سجد کا ہم ذکر کر آئے ہیں اُس کے غرب میں بستی کی فصیل کے باہر مگر بالکل ملی ہوئی یہ عمارت ہے جسے سر سید مرحوم نے مزار سر نالہ لکھا ہے مگر اس کا طرز عمارت بتلا رہا ہے کہ یہ کوئی خانقاہ تھی۔ جس نالے کے اوپر ایک بلند ٹیلے پر ایک وسیع اور پختہ چبوترا بنا کر خانقاہ بنائی گئی تھی وہ نالہ کھڑکی کا نالہ کہلاتا ہے اور اسی پر ست پلہ ہے۔ نالہ فیروز شاہ کی شکارگاہ سے آتا ہے اور اب بھی بستی کی فصیل کے برابر رواں ہے۔ چبوترے کی بندش وہ گئی ہے مگر شکل باقی ہے۔ یہاں جو عمارت ہے اُس کے بھی بارہ در ہیں اور چھت لداؤ کی ہے۔ گو بارہ دری مختصر ہے۔ مگر بڑی ہی خوش نما اور سڈول ہے۔ دسلئے بر حال ما کسی جاٹ نے سارے در ان گھڑے پتھروں سے چن کر اپنے بھر دیئے ہیں جس کے سبب ہم اندر نہ جا سکے یہ بارہ دری اپنا برج ہے۔ باہر سے ہی دل کو اپنے طرف کھینچے لیتی ہے اندر کی حالت خدا ہی جانے۔ چبوترے پر متعدد پرانی قبریں ہیں۔ شمال میں ایک لداؤ دالان تھا جس کی چھپت کی دیوار اور کچھ حصہ پاکھے کی دیوار کا کھڑا ہے۔ چھت کا بھی تھوڑا حصہ باقی ہے۔ طرز عمارت پٹھانوں کے عہد سے مختلف اور زیادہ نزاکت لئے ہوئے ہے۔ پلاستر بھی سیاہ نہیں ہوا بلکہ سفید ہی ہے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ پٹھانوں کے بعد کی بنی ہوئی ہے۔

بھوتلا گنبد حضرت روشن چراغ دہلی کی درگاہ کے شمال میں نالے کے اُس پار ایک گنبد بارہ در کا سنگ سرخ کا چاروں طرف سے کھلا ہوا ہے یہ برج ۲۲ فٹ مربع ہے کرسی اس کی تین فیٹ ہے۔ گرد فصیل خام پختہ احاطہ ۱۰۰ فٹ × ۹۰ فٹ ہے۔ اس کے علاوہ ایک اور احاطہ بیرونی بھی تھا جو گر گیا۔ اندرونی احاطے میں بجانب غرب ساٹھ فیٹ لمبی اور ۲۰ فٹ اونچی کنگورے دار دیوار کھڑی ہے جو ایک ضلع اندرونی احاطے کے عرض کا ہے جو غالباً مسجد کی دیوار معلوم ہوتی ہے کہ اس کے پیچھے پشتی بان بھی لگے ہوئے ہیں اور طاق طاق طبوچھا بجیوں کے بنے ہوئے ہیں۔ گنبد کے اندر دو قبروں کی اوپر کی سلین اُکھڑی پڑی ہیں ایک سیدھی ہے دوسری اوندھی۔ ایک کے

اوپر کی طرف اللہ اللہ اور اوپر ہی جدول کے طور پر آیۃ الکرسی منقوش ہے۔ دوسری اوندھی پڑی ہے اور بہت بھاری سل ہے اٹھائے نہ اٹھ سکی مگر ہے وہ اسی کے جوڑ کی اور اس پر بھی اسی قسم کا کتبہ معلوم دیتا ہے۔ قبر کی جگہ اب گڑھا ہے۔ خوب دل کھول کر کھرکھوا ہے۔ قبر کے ساتھ فرش بھی کھود ڈالا ہے کمپونڈ کا صحن پختہ تھا وہ بھی اکھڑ بکھر گیا۔ کمپونڈ کا صدر دروازہ شرق رویہ ہے اس کمپونڈ میں متعدد قبور ہیں۔ اس گنبد کے دور دور تک کھنڈر پھیلے ہوئے ہیں جس سے معلوم ہوتا ہے کہ گنبد کے گرد اور عمارتیں تھیں جو گر پڑ گئیں۔ یہ گنبد بھوتلا گنبد اس وجہ سے مشہور ہے کہ اس ویرانے میں بس یہی ایک عمارت رہ گئی ہے۔ یہاں کا بھیانک سما ایسا ہے کہ بھوتلا گنبد کہنا کچھ بیجا نہیں۔ لوگ کہتے ہیں کہ یہ مقبرہ جلال الدین خلجی کا ہے۔ لیکن اس کی کوئی سند نہیں۔ خود جلال الدین خلجی کا مزار بے ٹھور ٹھکانے ہے کہ آج تک اس کا مقام محقق نہیں ہوا۔ ایسے بڑے نامی گرامی اولوالعزم بادشاہ کا مزار یوں معرض گمنامی میں ہے تو وائے برحال ما و شما۔ اسی گنبد کے پاس بجانب مغرب قلعہ سیری کا گھوگس ہے جس کی شکستہ فصیلوں اور برجوں کا سلسلہ دور تک چلا گیا ہے اور یہ سارے کا سارا خطہ تباہی اور ویرانی کا ایک وحشت خیز منظر ہے۔ جہاں یہ گنبد ہے وہاں سے شرق کی طرف کوئی ایک میل کے فصل سے ومرد پور کی بستی ہے۔ اس گنبد کے شمال میں اور ایک شکستہ چار دیواری میں بھی پرانی پرانی قبریں ہیں

ست پلہ
۲۷ ۷۲۶ھ
۱۳۲۶ء

نمرداں کہ مانند پس از وے بجاے ۔۔۔ محل و مسجد و چاہ و مہماں سرا ے

ست پلہ موضع کھڑکی کی سرحد میں ہے۔ درگاہ روشن چراغ دہلی کے قریب یہ پل محمد عادل تغلق شاہ نے ۷۲۶ھ ۱۳۲۶ء میں بنایا۔ یہ درحقیقت ایک قسم کا

سلہ آثار الصنادید مطبوعہ ۱۲۶۳ھ ۱۸۴۷ء میں تو ست پلے کو محمد تغلق شاہ ہی کا بنایا ہوا لکھا ہے مگر ایڈیشن ۱۲۷۰ھ ۱۸۵۴ء میں اس کا بانی فیروزشاہ کو بتلایا ہے حالاں کہ انگریزی کتابوں میں بھی روایت اول ہی لی گئی ہے۔ اگر ست پلے کو فیروزشاہ کی تعمیر خیال کیا جاے تو اس کا قصہ یوں ہے کہ فیروزشاہ کا بیٹا فتح خاں جو بہت عقلمند اور نہایت لائق تھا ۷۷۶ھ ۱۳۷۴ء میں مرگیا۔ بادشاہ کو اس کے مرنے سے اتنا غم ہوا کہ اپنے جینے کو مرنے سے بدتر جانتا اور بادشاہی کو گدائی سے کمتر سمجھتا کسی کام میں اس کا دل نہ لگتا اور سلطنت کے انتظام میں خلل پڑتا۔ امیر امرا نے بہت سمجھایا اور اس غم کے بھلانے کو یہ بند بنا لیا۔ بہت اچھا وسیع دل کشا جنگل دیکھ کر اس کے کناروں کے قاطعے پہ دیواریں کھنچیں اور اس میں میلوں کے درخت لگا کر شکار گاہ بنائی۔ ان میں کی (بقیہ نوٹ برصفحہ آئندہ)



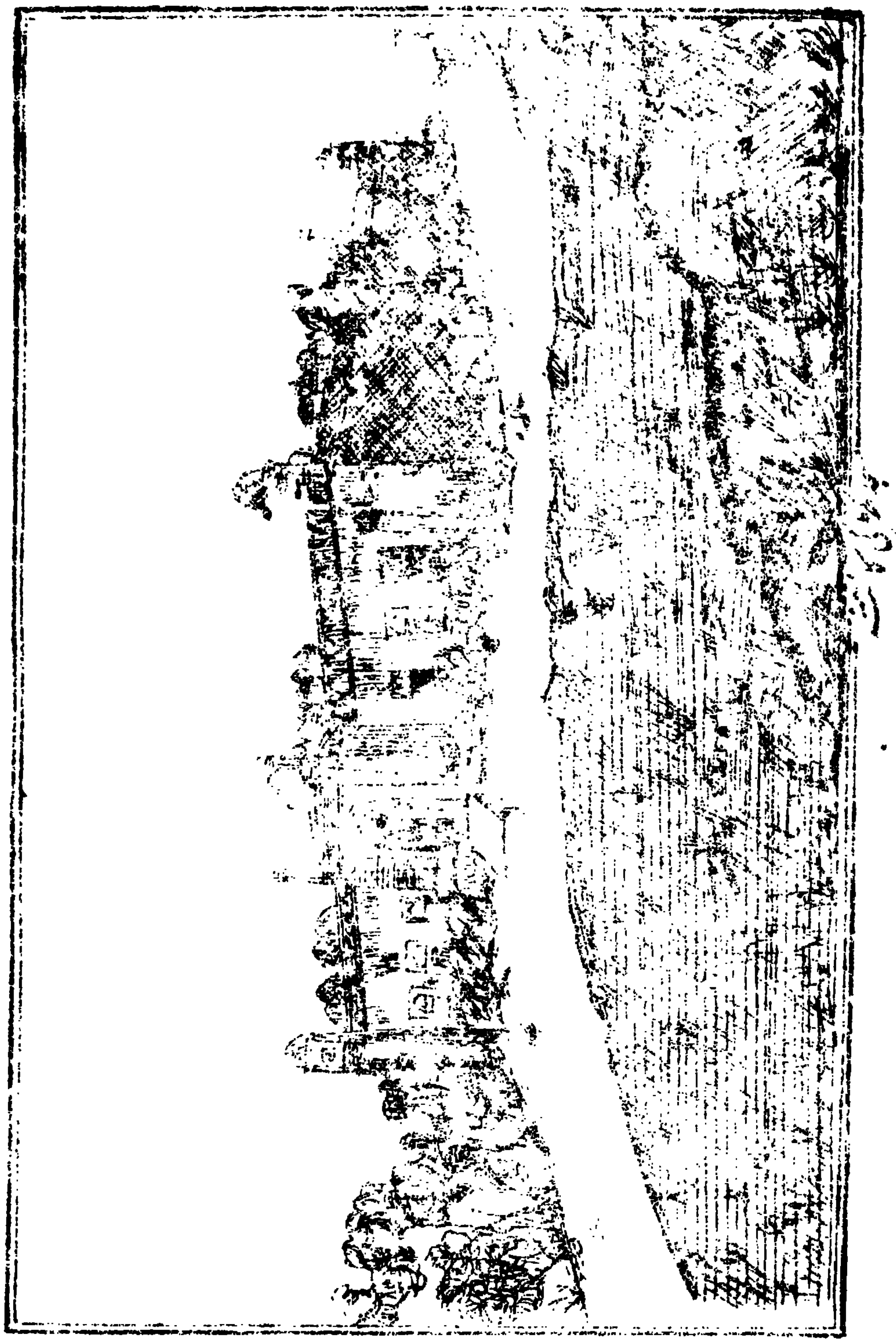
بند ہے جس سے دور دور کے پانی کو روک کر نالے کے بیچ میں یہ پُل سات در کا نہایت پختہ اور مضبوط ۱۴ فٹ اونچا باندھ دیا ہے اور اسی وجہ سے ست پلہ مشہور ہے۔ درمیانی تین در گیارہ گیارہ فیٹ اور باقی نو فیٹ عریض ہیں۔ پُل کی لمبائی ۱۷۱ فٹ ہے اور دونوں سرے کے دروازے ملالیں جو ۴۲ فٹ چوڑے ہیں تو پل کی پوری لمبائی ۲۵۵ فٹ ہوگی۔ پل کے اوپر بھی مکان بنے ہوئے ہیں اور دروازے بہت خوش نما بنائے ہیں۔ ان برج دار دروازوں کی وضع فلانے کے عہد کی سی ہے جو ۲۸ فٹ لمبے اور بیس فیٹ سے کچھ ذرا ہی زیادہ اونچے ہیں۔ ان برجوں میں ایک ایک ہشت پہلو کمرہ ہے اور ان کمروں کے بیچ میں ایک ایک طاق بھی بنا ہوا ہے۔ مشرقی محراب جس کے بیچ میں ایک دروازہ ہے سات فیٹ چوڑی اور یہ دروازہ سولہ فیٹ چوڑا ہے۔ اور اس میں بھی طاق بنے ہوئے ہیں۔ پُل کے دونوں دروازوں کے سامنے ایک ایک چبوترا ۷۵ فٹ مربع پل کی سطح کے برابر ہے مگر سطح زمین سے ۲۸ فٹ اونچا ہے دو دو در و بیچ ایک ایک محراب بھی ہے جو چودہ فیٹ اونچی اور گیارہ فیٹ چوڑی ہے۔ پُل کے دونوں طرف سطح زمین کے برابر دونوں طرف کھلی محرابیں ہیں۔ جن میں اوپر چڑھنے کا زینہ ہے۔ بعض بعض جگہ سے دیوار گر پڑی تھی تو سرکار کی طرف سے کچا بند باندھ دیا گیا تھا اور دروں کو بند کر کے پانی روک دیا۔ تمام کھیتیاں اسی پانی سے سیراب ہوتی ہیں اور زمینداروں کو بہت فائدہ ہوتا ہے۔ اس مقام پر حضرت روشن چراغ دہلی کے خادموں نے اپنی کمائی کا عجیب ڈھنگ نکالا ہے۔ کہتے ہیں کہ جس جگہ اس بند کے در ہیں اُس مقام پر ایک دفعہ حضرت روشن چراغ دہلی تشریف لائے تھے اور عصر کی نماز کا وقت تنگ ہوتا اور پانی نہیں ملتا تھا۔ آپ نے اس مقام پر زمین کو کریدا فوراً پانی نکل آیا جس سے آپ نے وضو کیا اور یہ دعا دی کہ جو کوئی اس پانی سے نہائے گا وہ تمام بیماریوں سے شفا پائے گا اور اس بات کو کرامات ٹھیرا کر ان دروں کے آگے ایک چھوٹی سی کوئیاں کہ جس کا پانی شرعاً بھی پاک نہیں کھود رکھی ہے اور بے نذر بھینٹ لیئے اس کا پانی کسی کو نہیں

(بقیہ نوٹ صفحہ گذشتہ) ایک دیوار یہ ہے۔ اس دیوار کے بیچوں بیچ ایک بہت بڑا نالہ ہے کہ تغلق صاحب کی امرئیوں اور تمام نالوں کا پانی مل کر اس نالے میں بہتا ہے۔ اس واسطے اس دیوار کے بیچ میں نالے کے بہنے کو پُل کے طور پر در بنا دئے ہیں۔ ۱۲

دیتے۔ یہ بات اوّل تو کسی روایت سے ثابت نہیں اور اگر ایسا ہوا بھی ہو تو شکم تالے میں ذرا سا کھود دینے سے بالعموم پانی نکل آتا ہی۔ غرض مسلمانوں نے بھی اس جگہ کو ایک تیرتھ مقرر کیا ہی اور بیماروں کو اس پانی سے نہلاتے ہیں۔ کاتک (اکتوبر) کے مہینے اور دیوالی کے قریب اتوار منگل کے دن اس قدر ہجوم ہوتا ہی کہ جس کا کچھ بیان نہیں۔ عورتیں بچوں کو لے کر آتیں اور یہیں پانی سے نہلاتی ہیں اور چھوٹی چھوٹی ٹھلیوں میں پانی بھر اور سر کے سیتے رکھ تبرک لے جاتی ہیں۔ اور لوگ یہ اعتقاد رکھتے ہیں کہ یہاں کے پانی سے آسیب۔ جن۔ جادو اور بھوت پریت سے محفوظ رہتے ہیں۔ ان دنوں میں خادموں کی بن آتی ہی چھ ٹکے سے کم پانی کی ٹھلیا نہیں دیتے اللہ تعالیٰ سب مسلمانوں کو شرک وکفر سے بچاوے اور اعتقاد فاسد سے نجات دے۔ جس کسی نے اللہ کے سوا دوسرے کو پوجا اس نے اپنے ہاتھ سے اپنے دین کو کھویا۔

کھڑکی کی مسجد ۷۸۹ھ ۱۳۸۷ء

ست پلے کے پاس قدیم زمانے میں ایک گاؤں ہی جو کھڑکی کہلاتا ہی اس مقام پر خان جہاں فیروز شاہی۔ جب کہ یہ پُل بنوایا تھا ۷۸۹ ہجری میں ایک مسجد بنوائی تھی جو ایک عظیم الشان قابل دید عمارت ہی اور ایک مقام مرتفع پر سیاہ رنگ کے پتھر سے بنی ہوئی ہی جس پر گچ کا پلاستر ہی جو اب امتداد زمانہ سے بالکل کالا پڑ گیا ہی اس تبدیل ہیئت کی ادا نے مسجد کی ظاہری حالت میں اور عظمت اور وقار پیدا کر دیا ہی یہ عمارت چوکھونٹی اور چاروں طرف مربع کے ضلعوں کے بیچ میں ایک ایک مربع بطور تاج کے نکلا ہی سہ منزلہ گاؤدم اور ایک ایک برج چاروں تاج کے مربعوں پر ہی جو پچاس پچاس فیٹ بلند ہی اور مسجد میں نو جگہ ملے ہوئے نو نو برج بنائے ہیں اور ہر ہر برج کے تلے چار چار ستون ہیں اور اس کے سوا اور بھی بہت سے ستون جا بجا لگے ہوئے ہیں۔ پہلی منزل سب سے نیچی ہی اور دوسری منزل کی چھت مسجد کے فرش کے متوازی ہی اور تیسری منزل اس چھت کے اوپر وار ہی مسجد کے تین بڑے بڑے عالی شان دروازے شمال جنوب و مشرق میں پٹھانوں کی عمارات کے طرز کے بنے ہوئے ہیں جو مسجد کی دیوار سے ۲۴ کے فاصلے پر ۱۵ فٹ اونچے ہیں شمالی دروازے میں چوبی کواڑ لگے ہوئے ہیں ہر دروازہ



پر ایک لداؤ کا گنبد ہے جس کی چھت پر بھاری منڈیر ہے اور بیرونی کونوں پر آٹھ فٹ اونچی منارین ہیں۔ مسجد کی مشرقی مغربی اور جنوبی دیواروں میں کھڑکیاں ہیں جن میں سنگ سرخ کی جالیاں لگی ہوئی ہیں۔ دروازے کے دونوں طرف اس قسم کی چھ چھ کھڑکیاں ہیں اور اسی قسم کی کھڑکیاں دروازے کے داہنی اور بائیں طرف کی دیواروں میں بھی ہیں۔ مغربی دیوار کے وسط میں مسجد کی بڑی محراب ہے یہ جگہ شمال سے جنوب کو (۲۰) فٹ اور مشرق سے مغرب کو (۱۹) فٹ ہے اور اس دیوار میں کوئی کھڑکی نہیں ہے۔ یہ مسجد دو منزلہ ہے۔ حصہ اول (۱۵) فٹ بلند ہے جس میں پست اور گہرے حجرے ہیں اور دوسری منزل (۲۲) فٹ بلند ہے جس میں (۸۹) چھوٹے چھوٹے گنبد سادی وضع کے نہایت مستحکم بنے ہوئے ہیں۔ پہلی منزل کی دیوار کا اثار (۷ فٹ) ہے اور بالائی منزل کی دیوار کا آثار ۵ فٹ اور اس طرح جوں جوں بلندی ہوتی جاتی ہے آثار کم ہوتا جاتا ہے۔ چنانچہ اوپر پہنچ کر دو ہی فٹ کا آثار رہ گیا ہے یہ تمام عمارت سوائے شمال و مشرقی رخ کے اب تک اچھی حالت میں ہے اس کونے کی چھت گر گئی ہے۔ یہ نقصان مسجد کی عمارت کے نقص کی وجہ سے نہیں پہنچا بلکہ (۱۳۲) برس ہونے آئے کہ مسجد کے اس حصے میں گاؤں والوں نے چارہ بھر رکھا تھا جسے کسی نے آگ لگا دی جس کی وجہ سے یہ حصہ منہدم ہو گیا جب سے ویسا ہی پڑا ہے۔ یہ عمارت مال مسالے کے اعتبار سے بالکل کالی مسجد کی وضع قطع کی ہے اور اس کا طرز بھی مصری ہی ہے۔ کالی مسجد برج ملا کر (۱۴۳ فٹ) لمبی ہے اور یہ مسجد برجوں سمیت طول میں (۲۱۰ فٹ) ہے۔ کلاں مسجد کی شکل قائم الزوایا متوازی الاضلاع ہے اور یہ مربع۔ کالی مسجد میں وسط عمارت میں ایک دالان ہے اور اس میں چار دالان ہیں۔ اس مسجد میں داخل ہوتے ہی ایک بہت بڑا وسیع ہال نظر آتا ہے جس کی بہت بڑی بھاری چھت علاوہ دیوار دوز ستونوں کے دوسرے ستونوں کی چودہ قطاروں کی تھمی ہوئی ہے تمام مسجد میں سینکڑوں ستون ہیں کہ گنتی میں نہیں آسکتے مسجد کے صحن میں چار چار چوک تیس تیس فٹ مربع ہیں۔ مسجد کی پہلی منزل میں (۱۰۴) محراب دار حجرے ہیں جو نو نو فٹ مربع ہیں علاوہ اس کے نیچے بھی حجرے ہیں جو کل ملا کر تعداد میں (۱۱۲) ہیں جن میں سے اکثر کوڑے کرکٹ سے بھرے ہوئے ہیں اور بعض میں مٹی اٹ گئی ہے۔ قریب (۱۴۲) برس کے گذرے ہوں گے کہ محمد شاہ بادشاہ کے زمانے میں جو انقلاب عظیم ہوا اُس

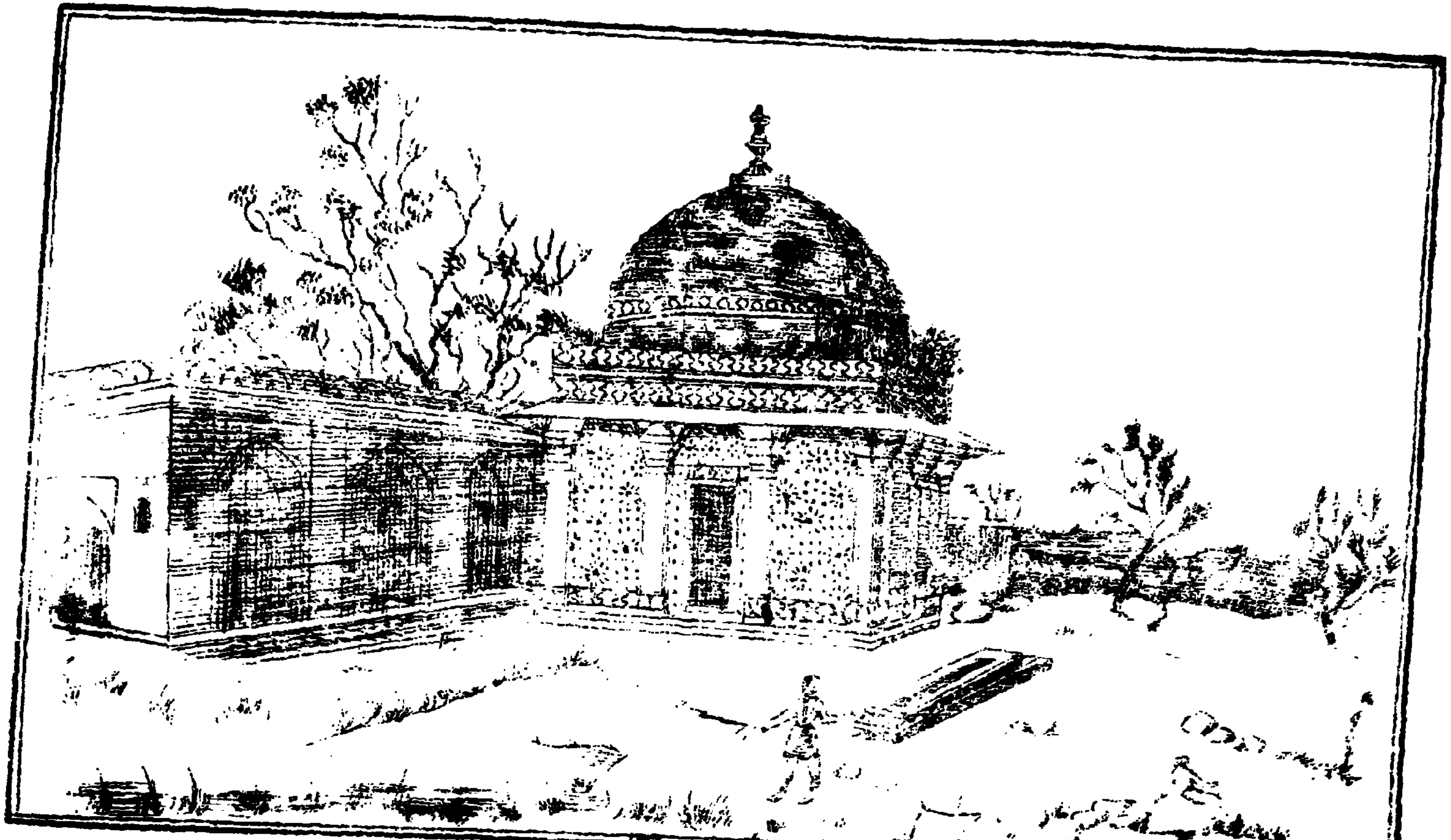
وقت موضع کھڑکی کے گوجروں نے اسی مسجد میں پناہ لی تھی اور پھر مدتوں اسی میں
رہے سہے اور اپنی بود و باش کے لیے جابجا در بند کر کے اپنے گھر بنا لیے تھے تو یہ
ہوا کہ حکام مقامی نے اسے خالی کروالیا۔ بہتر برس پہلے مسٹر اے۔ سا برٹسن نے
اس مسجد کو دیکھا تھا تو لکھا تھا کہ "اس مسجد میں اٹھارہ گھرانے بستے ہیں جن میں بیالیس مرد
اور بیالیس عورتیں تیس لڑکے اور بیس لڑکیاں جملہ (۱۳۴) نفوس کے علاوہ (۱۴۷)
مویشی بھی بندھے ہوئے ہیں۔ ان لوگوں میں سے صرف (۳۸) مسلمان تھے باقی سب
ہندو تھے۔" افسوس کہ ہونے کو تو یہ اتنی بڑی مسجد مگر کتبہ کوئی بھی نہیں جس سے
اس کی بنا کی صحیح تاریخ معلوم ہو سکے۔

درگاہ شیخ یوسف قتال ۹۰۳ھ

یہ درگاہ حضرت شیخ یوسف قتال کی کھڑکی کی
مسجد کے پاس ہے جو مرید ہیں قاضی جلال الدین
لاہوری کے ۹۰۳ھ میں سلطان سکندر شاہ ابن
سلطان بہلول لودھی کے عہد میں بنی ہے اور حضرت شیخ علاء الدین شیخ فرید شکر گنج کے
نواسے نے بنوائی ہے۔ برج اور گرد کی جالیاں سنگ سرخ کی ہیں اور گنبد چونے کا
ہے اور حاشیہ گنبد پر مینی کا کام بنا ہوا ہے اور ایک طرف کو چونے پتھر کی مسجد ہے جس
زمانے میں کہ یہ گنبد اور مسجد بنی ہوگی پاکیزگی اور لطافت سے خالی نہ ہوگی لیکن اب پرانی
ہوگئی ہے اور کوئی مرمت کرنے والا نہیں رہا۔ گنبد تو بہر حال اچھا ہے مگر مسجد بہت خراب
خستہ ٹوٹ پھوٹ گئی ہے۔ کھڑکی کے رہنے والے زمیندار اس درگاہ کو بہت
مانتے ہیں اور "یوسف اولیا صاحب" کی درگاہ کہتے ہیں۔ درگاہ پر یہ کتبہ بخط
عربی ہے:- بنای این عمارت گنبد در عہد سلطان الاعظم ابو المظفر
سکندر شاہ سلطان خلد اللہ ملکہ و سلطانہ بانی گنبد علاؤ الدین
نور تاج بنسبہ شیخ قطب العالم شیخ فرید شکر گنج ملہم سنۃ ثلث تسعمائۃ ۹۰۳
حضرت یوسف قتال کا وصال ۹۳۲ھ میں ہوا ہے اور درگاہ بنی ہے ۹۰۳ھ میں۔ اس سے
معلوم ہوا کہ آپ کے عین حیات درگاہ بن گئی تھی۔

لال گنبد یعنی مقبرہ کبیر الدین اولیا

یہ عمارت سر تا پا سنگ سرخ کی ہے جس
میں جابجا سنگ مرمر بھی بطور آرائش



نقشہ درگاہ یوسف قتال

گے لگایا گیا ہے۔ اس کی دیواریں بھی تغلق شاہ کے مقبرے کی طرح گاؤدم ہیں۔ یہ گنبد حضرت شیخ یوسف قتال کی درگاہ کے پاس شمال مغرب کی طرف ہے۔ آپ شیخ معز کے صاحب زادے اور اپنے والد ماجد کی طرح بڑے صاحب کرامت تھے۔ یہ مقبرہ عموماً **لال گنبد** کے نام سے مشہور ہے۔ اسی کے پاس چند متفرق بکھرے ہوئے پتھر کے ستونوں کو یکجا کر کے کھڑا کر دیا ہے جن کے اوپر ایک پتھر ڈھنک دیا ہے۔ یہاں ایک تحت الارض چھوٹی سی کوٹھری تین فیٹ چوڑی ہے جو اب کوڑے کرکٹ سے اٹ گئی ہے۔ کہتے ہیں کہ دن کو آپ اسی مختصر حجرے میں اور رات کو اوپر رہتے تھے۔ یہیں ایک پرانا کنواں بھی ہے جس پر سنہ [illegible] کندہ ہے۔ اس گنبد کے شمال اور مشرق میں **سیری** کی فصیلوں کے کھنڈر اور درخت پیدا ہو جانے سے صاف نظر نہیں آتے۔ موضع **شاہ پور جٹ** یہیں ہے۔ **روشن چراغ دہلی** کے احاطے کے باہر **جہاں پناہ کی** فصیل کا سلسلہ جابجا سے گر پڑا اب تک موجود ہے۔ عوام میں یہ گنبد **بنجارے کے گنبد** کے نام سے مشہور ہے لوگ کہتے ہیں کہ کسی بنجارے نے اپنی خوش اعتقادی سے بنوا دیا تھا۔ اس گنبد کا پختہ چبوترا ۵۰ مربع اور ۳½ فٹ بلند ہے۔ اصل مقبرہ ۲۵ فٹ مربع ہے جس کا قطر اندر سے ۲۹ ہے۔ اور سنگ خارا کی سلوں کا فرش ہے۔ دروازہ داخلی مشرق رویہ ہے شمالی دو طرف جالیاں ہیں۔ مغرب میں بند۔ اندر چار چار کی دو قطاروں میں آٹھ قبریں چونے گچی کی بہت بڑی بڑی بنی ہوئی ہیں۔ سوائے ایک قبر کے کہ اس پر قل ہو اللہ کندہ ہے۔ اور کسی پر کوئی کتبہ نہیں ہے۔ گنبد پر کسی قسم کا کتبہ ہے۔

اس گنبد کے متعلق ایک روایت مشہور ہے کہ کلس اور کنگورا چرانے کو چور آئے تھے چنانچہ انہوں نے اوپر چڑھنے کو چور کابیں گاڑی تھیں ان میں کی ایک دو اب بھی باقی ہیں جب چور اوپر چڑھ گئے تو اندھے ہو کر گرے چنانچہ اُن کے خون کے دھبے مشرق کی جانب [illegible] ہوئی ہے اب بھی تو دل اور دیوار میں غور کرنے سے معلوم دیتے ہیں۔ واللہ اعلم اصل معاملہ کیا تھا۔

۲۹ معروف کا مقبرہ

لال گنبد کے پاس ہی بجانب مشرق یہ بہت پرانا گنبد مربع ہے۔ اندر اپلے بھرے ہیں۔ چاروں طرف کے در چن دیے گئے ہیں لہٰذا ہم کسی مزید کیفیت کے لکھنے سے مجبور ہیں۔ بعض لوگ اسے عبد الصمد کا مقبرہ

بتاتے ہیں۔ غرض جتنے منہ اُتنی باتیں صحیح حال کچھ کھلتا نہیں۔ بہرحال کسی صاحب کا بھی ہو جو صاحب اس میں آسودہ ہیں تھے وہ حضرت کبیرالدین اولیا ہی کے ساتھیوں میں سے۔

دو محاط ہڑواڑیں

اسی جگہ دو احاطے گھرے ہوئے ہیں۔ یہ احاطے بہت مضبوط اور مستحکم فصیل نما بنے ہوئے ہیں۔ وضع قطع مسجد کی ہے اندر جاکر دیکھو تو مسجد کی طرح کی ایک دیوار کھینچ کر ایک بلند چبوترا بناکر اُس پر صرف قبریں بنادی ہیں۔

(۱) اس احاطے کا ایک چھوٹا سا معمولی دروازہ غرب رویہ ہے۔ یہ احاطہ ۳۰ فٹ مربع اور اچھی حالت پر قایم ہے۔ مغرب کی طرف مسجد نما ایک دیوار کھینچ کر اُس میں تین دیوار دو محرابیں بنادی ہیں جس کے سامنے ۲۹ فٹ مربع اور چار فیٹ بلند چبوترے پر تین پختہ قبریں بنی ہوئی ہیں۔ چھت پہلے ہی سے نہ تھی۔ ایسا ہی ایک اور چبوترا ۲۳ فٹ مربع ۳ فٹ اونچا جس پر نو پختہ قبریں بنی ہوئی ہیں جن میں سے صرف دو اچھی حالت میں ہیں باقی ٹوٹی پھوٹی ہیں۔۔ اس احاطے کی دیوار پر کنگورا نہیں ہے سادی ہے۔

(۲) یہ احاطہ پہلے احاطے سے بہت بڑا ہے اور احاطہ کی دیوار بھی کنگورے دار ہے جس کے چاروں کونوں پر بُرج تھے۔ تین طرف کی دیواریں اور بُرج گر گئے صرف مغرب کی طرف کی دیوار اور ایک بُرج باقی ہے۔ گو اب اس میں زراعت ہوتی ہے تب بھی قدیم احاطے کا نشان باقی ہے ۲۲۲ فٹ مربع تھا اس احاطے میں اُسی طرح کا جیسا کہ ہم اوپر لکھ آئے ہیں ایک پختہ چبوترا ۱۵ فٹ مربع اور سات فیٹ اونچا ہے جس پر دو شکستہ اور ایک سالم قبر ہے۔

یہ دونوں مجھے اُس زمانے کے اُمرا کی ہڑواڑیں معلوم دیتی ہیں۔ اب بھی بڑے بڑے لوگ اپنی ہڑواڑوں کی جگہ محسور کرلیتے ہیں جیسے کہ درگاہ حضرت خواجہ باقی باللہ اور حضرت سید حسن رسول نما میں موجود ہیں۔

دو بُرجی مسجد

موضع شیخ سرائے کی حدود میں یہ ایک بہت پرانی مسجد ہے جو کالو سرائے اور بیگم پور کی مسجد کی وضع قطع کی ہے۔ جو اسی نواح میں فیروز شاہ کے عہد میں ۷۸۹ھ ۱۳۸۷ء کی بنی ہوئی ہے۔ قوی قرینہ اس کا ہے یہ مسجد بھی اُسی زمانے کی تعمیر ہوئی۔ یہ مسجد ڈہر سے دالانوں کی تھی۔ ہر دالان پر پانچ پانچ گنبد تھے



اسی وجہ سے وہ بجی کہلاتی ہے۔ پچھلا دالان مع برجوں کے گر گیا صرف اگلا دالان اور پانچ برج کھڑے ہیں۔ مسجد کی بغلی میں ایک ایک حجرہ بھی داہنے بائیں تھا وہ بھی گر گئے مگر نشان باقی ہیں۔ مسجد کا طول و عرض بیرونی ۳۰×۱۲۰ ہے۔ اب اس مسجد کی زد تک زراعت ہوتی ہے۔ اطراف کے کھنڈر شہادت دیتے ہیں کہ مسجد کے گرد بستی اور مکانات تھے ورنہ جنگل میں مسجد کا کیا کام ؟۔

درگاہ حضرت شیخ صلاح الدین

۷۵۴ھ
۱۳۵۳ء

دنیا ہم نے سرائے فانی دیکھی
ہر چیز یہاں کی آنی جانی دیکھی

حضرت روشن چراغ دہلی کے پاس آپ کی درگاہ ہے۔ آپ شیخ صدر الدین کے خلیفہ ہیں آپ کا انتقال دلّی میں ہوا اور موضع کھڑکی سے ایک میل کے اندر ہی اندر آپ کا مقبرہ ہے جو ۷۵۴ھ میں بنا۔ آپ بڑے مقدس اور ذی علم بزرگ تھے۔ آپ کے تقوے اور ورع کی شہرت دور دور تھی۔ آپ حضرت نصیر الدین چراغ دہلی کے ہم عصر تھے۔ اور یہ دونوں بزرگ پاس پاس ہی رہا کرتے تھے۔ آپ محمد شاہ تغلق کے عہد میں تھے۔ آپ کا فیض عام تھا اور خلائق کو پند و نصائح ہی آپ کا کام تھا۔ اگرچہ آپ بادشاہ کو بعض اوقات سختی سے جواب دیتے تھے مگر پھر بھی بادشاہ آپ کے ارشادات کو بڑی کشادہ پیشانی سے سنتا تھا۔ یہ مقبرہ کھنڈروں کے بیچ میں کھڑا ہے یعنی اطراف کی عمارتیں سب گر پڑی ہیں بس ایک یہ مقبرہ رہ گیا ہے۔ گنبد ۴۳ فٹ مربع چبوترے پر واقع ہے اور چبوترے کی کرسی چار فیٹ اونچی ہے۔ گنبد ۱۹ فٹ مربع اور ۲۵ فٹ بلند پتھر چونے کا بنا ہوا ہے جس کے سارے ردکار پر سنگ سرخ لگا ہوا ہے۔ گنبد کے بارہ در دس دس فیٹ بلند ہیں جن میں سنگ مرمر کی جالیاں لگی ہوئی ہیں۔ مشرق کی جانب بیچوں بیچ میں دروازہ ہے۔ قبر سنگ مرمر کی آٹھ فیٹ لمبی چار فیٹ چوڑی اور فٹ بھر اونچی ہے جس کے گرد ایک فٹ اونچا سنگ سرخ کا کٹہرا ہے۔ گنبد کی چھت میں ایک الٹا پیالہ لٹک رہا ہے۔ یہ گنبد خاندان تغلق کے زمانے کے گنبدوں کی طرح کا ہے جو تین فیٹ اونچے اسطوانے پر ہے جن پر چار فیٹ اونچا تانبے کا ملمع کیا ہوا کلس ہے۔ گنبد کے ساتھ ایک مسجد بھی تھی جو اب بالکل کھنڈر ہو گئی ہے۔ مسجد کے علاوہ ایک مجلس خانہ اور کچھ

عمارتیں بھی تھیں جو سب کی سب گر گئیں۔ اس گنبد اور دو برجوں میں حضرت خواجہ شکر گنج اور شیخ صلاح الدین کے خاندان کے لوگوں کی قبریں ہیں۔ سر سید مرحوم اس درگاہ کے متعلق لکھتے ہیں کہ "حضرت صلاح الدین بڑے فقیروں میں سے تھے اور روشن چراغ دہلی کے پاس آپ کی درگاہ ہے کچھ نہیں معلوم ہوتا کہ یہ درگاہ کب بنی اور کس نے بنائی (کیوں کہ کوئی کتبہ نہیں ہے) مگر اس کی عمارت کی طرح اور ساخت فیروز شاہ کے عہد کی عمارت سے بہت ملتی ہے اور بے تامل کہا جاسکتا ہے کہ یہ فیروز شاہ کے وقت کی عمارت ہے۔ حضرت شیخ صلاح الدین کے مزار پر ایک گنبد ہے اور اس کے چاروں طرف جالیاں لگی ہوئی ہیں اور اس کے پاس ایک چھوٹی سی مسجد ہے اور اس مسجد کے پاس ایک اور بڑی مسجد گنبد دار ہے کہ وہ اکثر جگہ سے گر پڑی ہے۔ اور پیش طاق بھی ٹوٹ گیا ہے مگر بعض بعض در باقی ہیں اور حضرت شیخ صلاح الدین کے گنبد کے قریب شرق کی طرف ایک برج اور ہے اس میں بھی ایک قبر ہے مگر نہیں معلوم کہ وہ کس کی قبر ہے اور اسی کے پاس ایک مختصر دالان بنا ہوا ہے کہ اس کو مجلس خانہ کہنا چاہیے۔ اس درگاہ پر کوئی میلہ یا عرس نہیں ہوتا" ۲۸ صفر کو آپ کا عرس ہوا کرتا تھا وہ بھی ایک عرصے سے موقوف ہے۔

میں نے کیا دیکھا

اب تو جنگل میں کھیتوں کے بیچ میں آپ کی درگاہ ہے اطراف میں کھیت ہی کھیت اور گری پڑی عمارتوں کے مہیب ڈھیروں کے سوا اور کچھ نظر نہیں آتا چنانچہ یہ میدان عرف میں شیخ سرا کا جنگل کہلاتا ہے۔ درگاہ کے گرد ایک وسیع پختہ احاطہ تھا جو جا بجا سے گر گیا۔ درگاہ کا کوئی چبوترا ۳۳ مربع اور ۳ فٹ اونچا ہوگا۔ اب در اصل کوئی چبوترا باقی نہیں ہے۔ گنبد کا چبوترا ہے جو ۲۳ مربع اور دو فٹ اونچا ہے۔ درگاہ کے سامنے زیادہ تر قبریں ہیں وہ بہت پرانے طرز کی سنگ خارا کے لیے اور بھدے تعویذوں کی ہیں جو بالکل سادہ طور پر چورس کر لیے گئے ہیں ان میں کوئی نزاکت یا صنعت نہیں ہے۔ درگاہ سے جنوب کی طرف دو پختہ برج ہیں ان میں بھی قبریں ہیں۔ ایک بڑی سنگین مسجد کا بھی باقی ماندہ حصہ کچھ در اور گنبد باقی ہیں اور تمام کھنڈر ہی کھنڈر چلے گئے ہیں معلوم ہوتا ہے کہ درگاہ کے اطراف دور دور تک عمارتوں کا سلسلہ تھا۔ مسجد ۴۳ فٹ x ۳۳ فٹ ہے مسجد کے تین گنبد باقی ہیں

پر چڑھنے کا زینہ بھی تھا جو اب بہت مخدوش حالت میں ہے۔ مسجد کے تین در ہیں۔ یہ مسجد دالان در دالان تھی آگے کا دالان مع گنبدوں کے گر گیا پچھلا حصہ جوں کا توں کھڑا ہے۔ مسجد کے متصل ایک عمارت تھی اس کا طرز پکار رہا ہے کہ وہ مدرسہ رہا ہوگا۔ جس میں تین تین دروں کے دہرے دالان تھے چھت گنبد نما لداؤ کی تھی جس میں صرف ایک در گرا ہے اور پانچ در باقی ہیں۔ باقی اللہ اللہ خیر صلاح۔

حضرت شیخ علاؤالدین ۹۱۳ھ

شیخ سرائے کی بستی سے بالکل لگی ہوئی آپ کی درگاہ ہے جس کا ایک بہت بڑا وسیع اور پختہ فصیل نما احاطہ ہے۔ جس میں متعدد قبریں ہیں اس احاطہ کے اندر آپ کی درگاہ کا نہایت عالی شان اور خوش نما گنبد ہے اور علاوہ درگاہ کے اور کئی عمارتیں بھی اسی احاطے کے اندر ہیں۔ آپ کا گنبد ۲۸ فٹ مربع ہے۔ گنبد کا داخلی دروازہ مغرب رویہ ہے۔ اندر دو دو قبروں کی تین قطاریں ہیں قبریں چونے گچی کی ہیں اور گرد بارہ جالیاں لگی ہوئی ہیں جس قبر پر سیت کٹہرا چونے گچی کا ہے وہ آپ کا مزار ہے باقی پانچ قبریں آپ کے اعزہ و اقربا کی ہوں گی صدر دروازہ پر بسم اللہ اور کلمۂ طیبہ کا طغریٰ ہے۔ گنبد کی چھت پر سب سے اوپر آیۃ الکرسی ہے یہ پہلا بند ہے دوسرے ٹیکے میں بسم اللہ کے بعد ھو اللہ الذی لا الہ الا ھو عالم الغیب والشھادۃ تا آخر سورۂ حشر رکوع (۶) پارہ ۲۸۔ اور اسمائے حسنیٰ ہیں۔ تیسرے ٹیکے میں حضرت رسول اللہ صلعم کے اسمائے مبارک ہیں اور ہر ہر جالی کے دو طرفہ نہایت نفیس منبت ہیں۔ صدر دروازے کی پیشانی پر یہ کتبہ بخط نسخ ہے:۔

بنا این عمارت گنبد در عہد سلطان الاعظم ابو المظفر سکندر شاہ سلطان خلد اللہ ملکہ و سلطنتہ بانی گنبد شیخ علاؤ الدین نور تاج شیخ بنسہ قطب العالم الشیخ فرید شکر گنج ماہ محرم سنۃ ثلث عشر و تسعمائۃ (۹۱۳ھ)

آپ حضرت شیخ فرید شکر گنج کے نواسے تھے۔ علاؤالدین اجودھنی کے نام سے مشہور ہیں۔ آپ کے والد ماجد کا نام شیخ نورالدین اجودھنی۔ تاریخ ولادت ۸۴۲ھ وفات ۹۱۳ھ۔ صحن میں معمولی سنگ خارا کے چوکوں کا فرش ہے۔ صدر دروازہ کی جالی کے ایک طرف یا علیا مظہر العجائب والغرائب اور دوسری طرف تحیدہ عون الکم

فی استواب کے طغرے ہیں۔ جنوب کی طرف لاحول ولاقوۃ الا باللہ العلی العظیم ہیں اور مغرب میں فاللہ خیر حافظا وھو ارحم الراحمین ربنا ظلمنا انفسنا وان لم تغفر لنا وترحمنا لنکونن من الخسرین (پارہ (۸) سورہ اعراف) ربنا ولا تحملنا ما لا طاقۃ لنا بہ تا آخر سورہ بقرہ۔ شمال میں۔ اشھد ان لا الہ الا اللہ واشھد ان محمدا عبدہ ورسولہ۔ یا اللہ المحمود فی کل حال۔ پھر کلمہ۔ مشرق میں یا دائما بلا فناء ..... ولا زوال۔ لا الہ الا انت سبحانک انی کنت من الظالمین۔ یا الکل الالھۃ الرفیع جلالہ ربنا انزل علینا مائدۃ من السماء تکون لنا عیدا لاولنا واخرنا وانت خیر الرازقین۔ پارہ (۷) رکوع (۵) سورہ مائدہ۔ وغیرہ چاروں طرف طغرے ہی طغرے ہیں۔

چوکھنڈی ۲۲ گز مربع۔ آٹھ جالیاں تین دروازے چوتھا مغرب کی طرف کا بند۔ اندر تین قبریں پختہ۔

ہشت درہ برج کھلا ہوا اس میں دو قبریں پختہ ہیں۔

مدرسہ ۹۴۱ھ درگاہ کے شمال میں مسجد کے شکل کی تین در کی ایک وسیع عمارت ۱۰۰ا x ۳۰ ہے اس کے بیچ کے در کی پیشانی پر یہ کتبہ بہ خط نسخ ہے:-

بنی ھذا المدرسۃ باسم قطب العالم شیخ فرید شکر گنج فی زمان السلطان الاعظم نصیر الدین محمد ھمایون بادشاہ سلطان غازی وکان بانیہ نور بخش شیخ سنۃ احدی واربعین وتسعمائۃ

اس مدرسے کی اصلی عمارت تین ہی دروں کی تھی بعد میں دو در اور داہنی طرف بڑھائے گئے۔ صحن مدرسہ جو عقب درگاہ ہے اس میں ابھی سنگ رخام کی سلیں بچھی ہوئی ہیں۔

سہ دری مدرسے کے داہنی طرف تین در کا ایک دالان ہے جس کے آگے کا برآمدہ گر گیا۔ یہ سہ دری بھی غالباً مدرسہ ہی کے متعلق تھی یا کوئی جداگانہ قطع رہا ہو تو بھی عجب نہیں۔

ایک پرانی مسجد درگاہ سے تھوڑی دور بجانب غرب ایک شکستہ مسجد ہے جس کا چبوترہ ۳۴ فٹ x ۲۹ فٹ اور ۵ فٹ اونچا ہے۔ اس کی صرف دو محرابیں کھڑی ہیں۔ یہ بھی موضع شیخ سرائے کی حدود میں ہے۔

بارہ کھمبا

ایک نہایت خوش نما سنگ سرخ کا ہشت پہل بارہ دری سا کا گنبد ہی جو ۲۰ مربع ہی۔ اطاف وسیع اور پختہ احاطہ ہی۔ اندر ایک قبر بھی ہی بارہ کھمبا کہلاتا ہی شیخ سرائے کے ایک معمر شخص نے اس کو شیخ فرخ کا گنبد بتلایا جو شیخ علاؤالدین و شیخ صلاح الدین کے خاندان کے کوئی بزرگ تھے زیادہ حال کچھ معلوم نہیں۔ اس گنبد کے اطراف کھیت ہی کھیت ہیں۔ جو لوگ کھیتوں میں رہتے وہ شیخ مٹھے والا پیر کا گنبد کہتے ہیں۔ اصل میں کسی بزرگ کا مدفن ہی پردۂ خفا میں ہی۔ کوئی کتبہ نہ گنبد پر ہی نہ قبر پر جس سے پتہ چلے تو کیسے ہی۔

اکیس دری - کالا گنبد اور حمام

موضع شاہ پور جٹ کی حدود میں کھیتوں کے درمیاں یہ تینوں عمارتیں پاس پاس ہیں۔

(۱) بارہ دری کی عالی شان اور بہت پختہ لداؤ کی عمارت پٹھانوں کے زمانے کی معلوم دیتی ہی جس کا طول و عرض ۶۰ فٹ × ۳۰ فٹ ہی اندر تو گنبد ہی گنبد ہیں مگر اوپر چھت سپاٹ ہی۔ ستون سنگ رخام کے ہیں۔ فرش اب باقی نہیں رہا کچی زمین ہی۔ یہ عمارت تہرے دالانوں کی ہی۔ سات در لمبان میں ہیں اور تین چوڑان میں اس طرح ۷ × ۳ = ۲۱ در کی عمارت ہوتی ہی اور اسی وجہ سے اکیس دری مشہور ہی۔

(۲) اسی کے پاس ایک پختہ وسیع اور فصیل نما شکستہ احاطے کے اندر ایک مرتفع گنبد ہی جو ۵ فٹ مربع ہی گنبد کے چار دروازے چار طرف ہیں۔ کسی جاٹ کے قبضے میں ہی اُس نے اندر بھس بھر کر چاروں در چن دیئے ہیں۔ جب اندر کسی کا دخل نہ ہو تو حال کیا معلوم ہو کہ کوئی قبر بھی ہی یا نہیں۔ کالا گنبد اس وجہ سے مشہور ہی کہ امتداد زمانے سے دہلی کی کالی مسجد کی طرح باہر سے کالا ہی کالا نظر آتا ہی۔

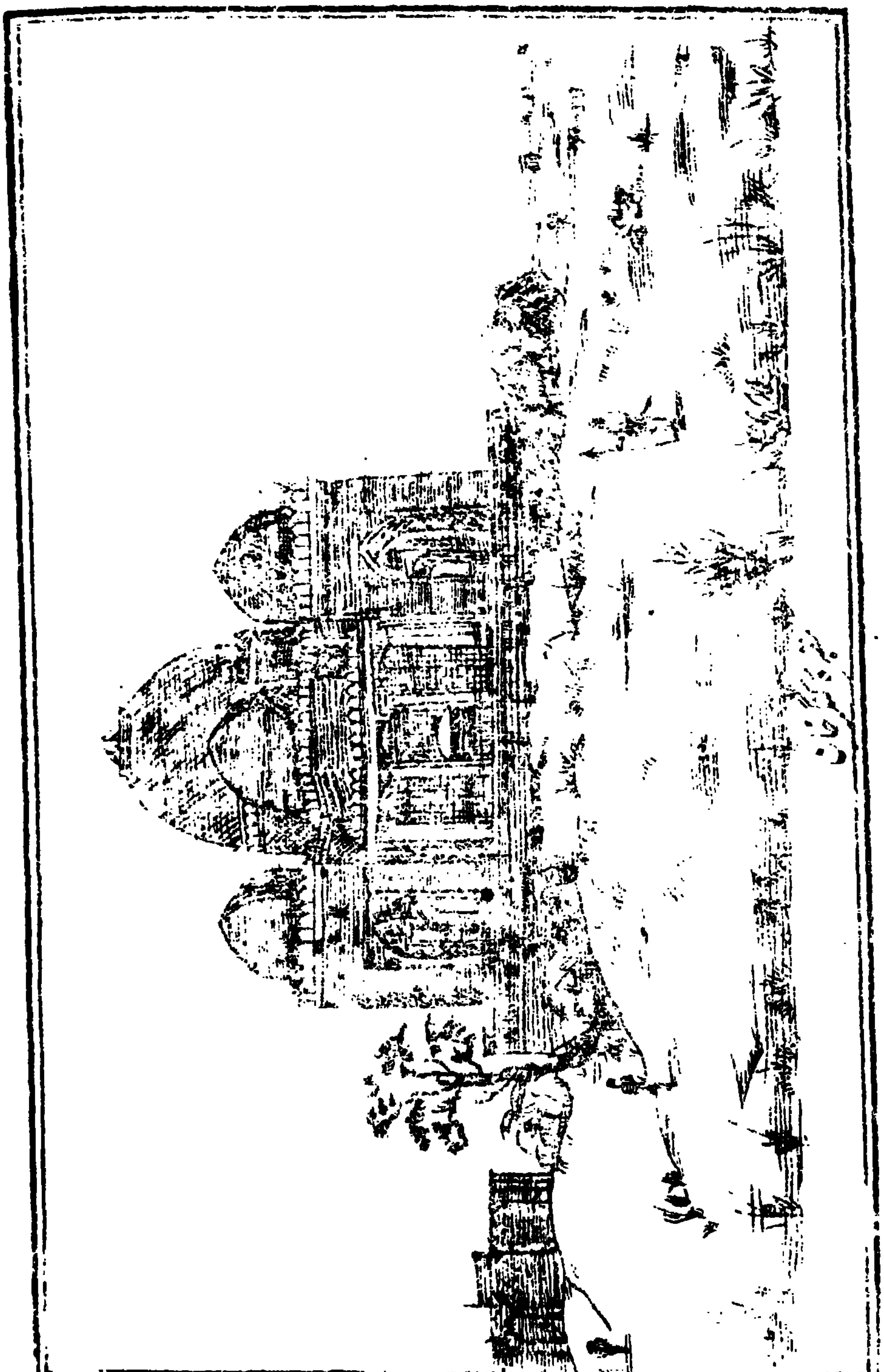
(۳) اس گنبد کے پاس ہی ایک پُرانی لداوی عمارت ہی جو حمام کے نام سے مشہور ہی یہ عمارت سہ گبی اور نو گنبدوں کی ۷ فٹ مربع ہی۔ عمارت کہیں سے گری پڑی نہیں جوں کی توں کھڑی ہی۔ فرش خام ہی۔ اندر جانور باندھ باندھ کر ایسا غلیظ کر دیا ہی کہ پاؤں دھرنا بھی مشکل ہی۔ کچھ سمجھ میں نہیں آتا کہ اس موقع پر حمام کیسا؟ قیاس چاہتا ہی کہ اس کے گرد جو اب کھیت دکھلائی دیتے ہیں۔ ان میں کوئی محل رہا ہوگا۔ جس کے متعلق یہ حمام تھا اور بارہ دری بھی اسی محل کا ایک جزو ہوگی۔

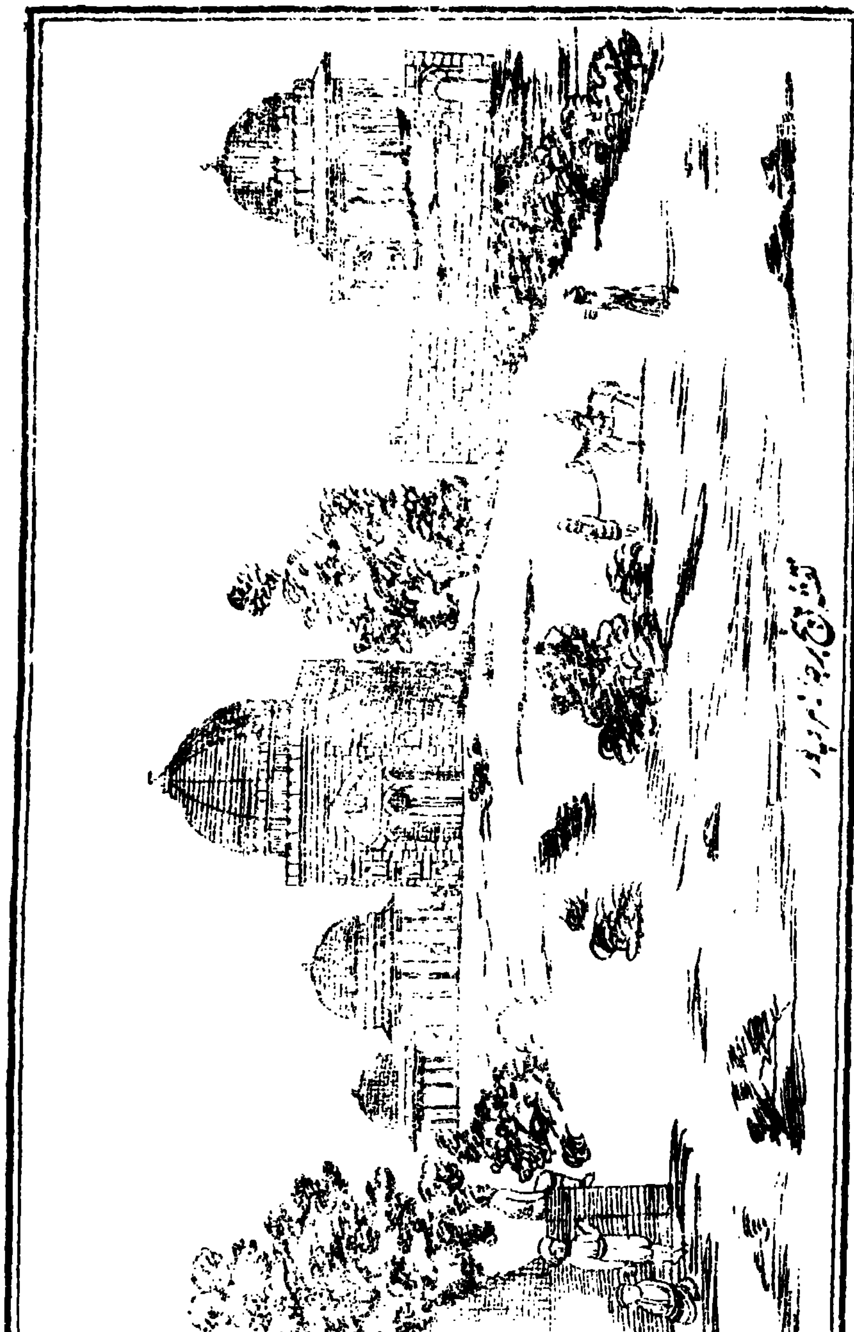
لنگر خاں کا مقبرہ
سنہ ۹۰۰ھ
۱۴۹۴ء

یہ مقبرہ موضع زمرد پور اور رائے پور کے سوا لینے میں واقع ہے اور یہ دونوں سوا سنے سے ملے ہوئے ہیں۔ رائے پور بالکل اجاڑ ہے آس پاس کے گاؤں کے زمیندار اس گاؤں کی زمین کی کاشت کرتے ہیں اس مقبرے کو لنگر خاں نامی سکندر لودھی کے عہد کے ایک بڑے امیر نے سنہ ۹۰۰ھ ۱۴۹۴ء میں تعمیر کرایا تھا۔ اس مقبرے میں سوائے اس کے کہ بڑی بھاری۔ نہایت مستحکم اور عالی شان عمارت ہے اور کوئی خصوصیت نہیں ہے۔ یہ گنبد آٹھ فٹ اونچے اور ستر فٹ مربع چبوترے کے مغرب جانب بنا ہوا ہے۔ گنبد (۳۴ فٹ) مربع اور (۴۶ فٹ) بلند ہے جس کے چار دیواروں پر چار برجی دار حجرے (۱۸ فٹ) مربع اور (۲۰ فٹ) اونچے تھے۔ شمال و مغرب کے کونے کا حجرہ تو گر گیا جس کا نشان اب بھی معلوم دیتا ہے اور شمال مشرق کی طرف کے حجرے کی برجی گر گئی۔ ان حجروں میں قبریں تھیں۔ چنانچہ شمال و مشرق کے حجرے میں اب بھی ایک قبر موجود ہے۔ جس گنبد میں لنگر خاں کی قبر ہے وہ سطح زمین سے چھت تک (۳۴ فٹ) بلند ہے اور چھت سے گنبد کی چوٹی تک اور (۱۳ فٹ) کی بلندی ہے اس میں تین طرف تین دروازے ہیں۔ مغربی دیوار میں تین دیوار در محرابیں بشکل ایک مسجد کے ہیں۔ اس حجرے میں تین قبریں ہیں جن میں سب سے بڑی مغربی دیوار سے ملی ہوئی لنگر خاں کی قبر ہے جو چونے گچی کی ۱۳ فٹ لمبی۔ (۹ فٹ) چوڑی اور (۸ فٹ) اونچی ہے۔ مسجد کے وسط میں ایک کھلا ہوا مسقف مقام (۲۳ فٹ) مربع ہے جس کے بارہ ستون ہیں اور اس پر ایک برجی بھی ہے۔ صحن سے چھت تک اس کا ارتفاع (۱۶ فٹ) ہے اور چھت سے گنبد کی چوٹی تک اور (۱۶ فٹ) کی اونچان ہے۔ گنبد اور اس کی ملحقہ عمارت سب پختہ چونے گچی کی ہیں جن کی دیواروں کے باہر دار استرکاری ہے۔ بلحاظ صناعی کے لودیوں کے زمانے کی عمارات کا یہ کوئی بہت عمدہ نمونہ نہیں ہے۔

پنج برجہ زمرد پور
سنہ ۸۹۳ھ
۱۴۸۸ء

موضع زمرد پور جو موجودہ شہر دہلی کے جنوب میں چھ میل کے فاصلے پر ہے یہ گاؤں پٹھانوں کے وقت سے آباد ہے اگلے زمانے میں اس گاؤں کو کچھن سرائے کہا کرتے تھے پھر یہ گاؤں زمرد خاں نامی کو جاگیر میں ملا جب سے زمرد پور نام ہو گیا۔ اس





مقام ہے۔ پانچ برج چونے اور پتھر کے پختہ بنے ہوئے ہیں اور ان میں بہت سی قبریں ہیں۔ معلوم نہیں کہ یہ زمرد خان کون تھا اور یہ برج کس کے عہد میں بنے ہیں مگر ساخت عمارت سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ برج پٹھانوں کے عہد کے بنے ہوئے ہیں ان برجوں میں سے کسی پر کتبہ نہیں ہے کہ جس سے تاریخ بنا اور بنانے والے کا نام معلوم ہوسکے اس واسطے بجز اس کے نہیں کہا جا سکتا کہ پٹھانوں کے وقت کی یہ عمارت ہے اور جتنی مدت پٹھانوں کی سلطنت کو ہوئی اتنی ہی مدت ان برجوں کے بننے کو بھی ہوئی۔ یہ زمرد خان کی بڑواڑ بھی ہے اور اس خاندان کے پانچ نام آور مشاہیر یہاں مدفون ہیں اور اسی وجہ سے پانچ برج کے نام سے مشہور ہے۔ یہ مقابر سارے کے سارے لودیوں کے بنوائے ہوئے ہیں اور سرسید کی تحریر قرین قیاس ہے کہ سکندر لودی کے زمانِ سلطنت میں ۸۹۴ تا ۹۲۳ھ میں بنائے گئے ہیں۔ انھیں برجوں کے پاس اسی عہد کا ایک بہت بڑا کنواں ہے مگر اس میں پانی کی چلو ہوگا گندگی کے سبب سے یہ کنواں اندر سے بالکل بودہ اور بوسیدہ ہوگیا ہے کہ مرمت کے قابل بھی نہیں رہا۔ انھیں برجوں کے نیچے موضع زمرد پور آباد ہے اور زمینداروں نے چند جھونپڑیاں ڈال رکھی ہیں۔

پہلا برج داخل ہوتے ہی ملتا ہے جو چالیس فٹ مربع احاطے میں ہے جس کی دیواریں گیارہ فٹ بلند ہیں۔ سامنے کے رخ پر ٹوٹی ہوئی سیڑھیاں چڑھ کے ایک پھاٹک میں سے گزر کر احاطے میں پہنچتے ہیں۔ پھاٹک ۱۵ فٹ بلند اور ۱۳ فٹ عریض ہے جس میں خالص دروازہ چار فٹ چوڑا ہے۔ احاطے کی پچھلی دیوار گر کر زمین کے برابر ہوگئی ہے۔ مقبرہ ایک کھلا ہوا مربع مقام ہے جو دو فٹ بلند چبوترے پر بنا ہوا ہے۔ گنبد بارہ پتھر کے ستونوں پر کھڑا ہے۔ سطح زمین سے گنبد کی بلندی ۱۵ فٹ ہے۔ چھت کے اطراف کنگورہ اور ایک پتھر کی چوڑی کنگنی ہے۔ گنبد پتھر اور چونے کا بنا ہوا ہے۔ گنبد کے اندر کی قبریں سب ٹوٹ پھوٹ کر نیست و نابود ہوگئی ہیں۔ احاطے کے کونے پر جو چاروں برجیاں تھیں وہ بھی گر گرا گئیں

دوسرا برج یہ گنبد شش پہلو (۱۵ فٹ) مربع اور سطح زمین سے (۹ فٹ) بلند ایک احاطے کے اندر ہے۔ یہ گنبد دو فیٹ کی کرسی کے چبوترے پر بنا ہوا ہے۔ گنبد کا قطر ۱۵ فٹ ہے۔ گنبد کے چھ ستون ہیں کل بلندی گنبد کی ۲۴ فٹ ہے۔ اس گنبد میں

بھی کوئی قبر باقی نہیں رہی۔

تیسرا برج یہ بھی ۱۹ فٹ مربع ہے جس کا گنبد بارہ سنگین ستونوں پر استادہ ہے۔ سطح زمین سے تا بسقف ۱۳ فٹ اور گنبد کی بلندی تک ۳۰ فٹ کی اونچائی ہے۔ پتھر اور گچ کا بنا ہوا ہے۔ بیچ میں ایک قبر سنگ سرخ کی ۴ فٹ لمبی ۲ فٹ چوڑی اور چھ انچ اونچی ہے۔

چوتھا برج ان برجوں میں یہ برج سب سے زیادہ شان دار اور پُر رونق ہے جو ۴۴ فٹ مربع ہے۔ مگر چوترا نہیں ہے۔ گنبد کے اطراف کنگورا ہے چھت تک ۲۳ فٹ کی بلندی ہے اور چھت سے نسلے کر گنبد کی چوٹی تک ۳۸ فٹ اور ہے۔ یہ بھی چونے پتھر کا ہے۔ گنبد کے تین دروازے اور بیس ستون پتھر کے ہیں۔ اس میں چھ قبریں ہیں جو نہیں معلوم ہوتا کہ کس کی ہیں۔ جنوب مغرب کی طرف سیڑھیاں بھی ہیں جن سے اوپر چڑھ سکتے ہیں۔

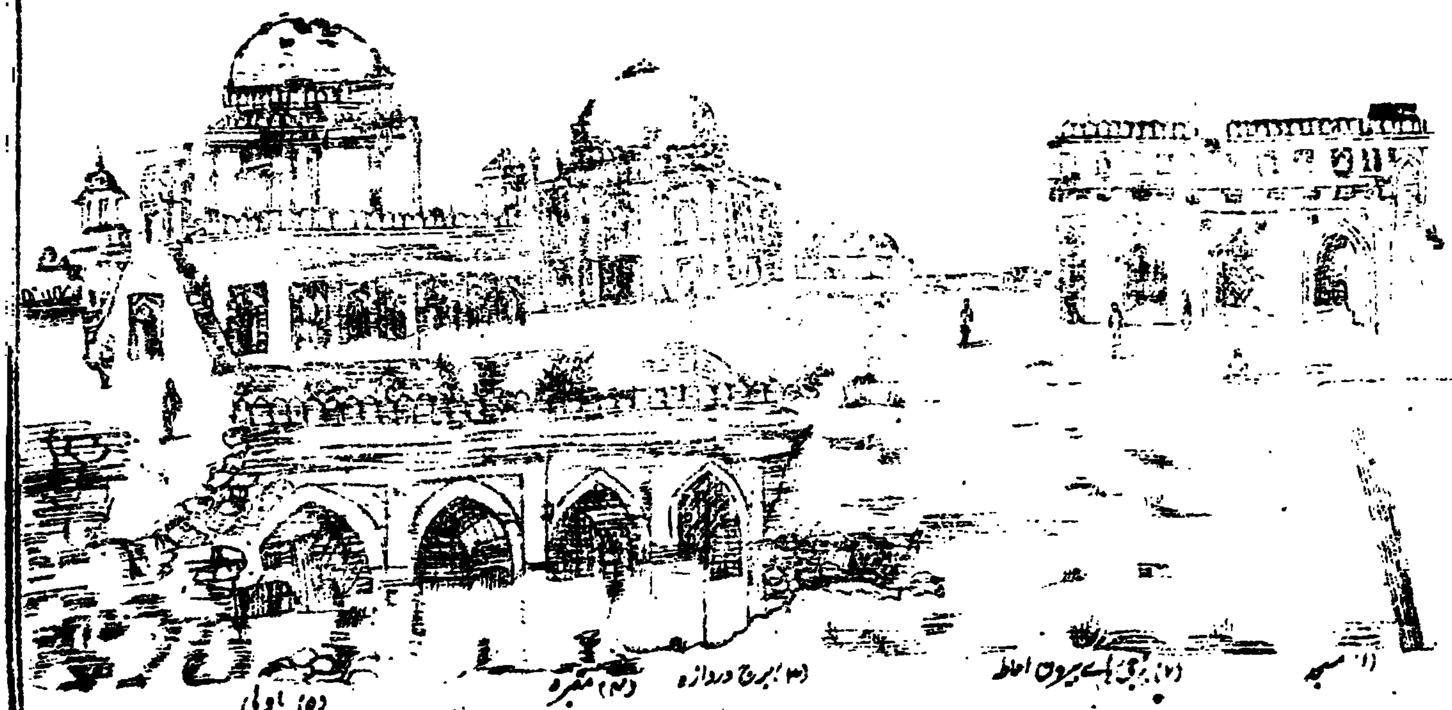
پانچواں برج یہ ایک محاط عمارت ہے جو بلحاظ تعمیر سب میں عمدہ اور حالت موجودہ کے اعتبار سے بھی سب سے بہتر ہے۔ گنبد آٹھ مربع ہے اور سات فیٹ کے کرسی دار چبوترے پر بنا ہوا ہے۔ سطح زمین سے چھت تک ۱۳ فٹ اور گنبد کی چوٹی تک ۳۰ فٹ کا ارتفاع اور ستزادہے۔ گنبد پتھر اور گچ کا ہے۔ باقی عمارت بھر بھرے پتھر کی ہے۔ شمال اور جنوب اور مشرق میں تین دروازے ہیں۔ چھت چوبیس سنگین ستونوں پر ٹکی ہوئی ہے۔ اس گنبد میں تین سادی قبریں ہیں جن پر نہ نقش و نگار ہے نہ کوئی کتبہ۔

بستی خاں[1] کی باؤلی۔ مسجد دروازہ اور مقبرہ ۸۹۴ھ ۱۴۸۸ء

بستی خاں خواجہ سرا سکندر لودھی کے زمانے میں ایک ذی شان اور باوقعت امیر تھا جس نے موضع نظام پور کی حدود میں بہت سی اراضی محاط کر کے ایک بہت بڑا گنبد دار مسجد کا دروازہ، مسجد۔ نہایت کشادہ باؤلی اور اپنا مقبرہ ۸۹۴ھ ۱۴۸۸ء میں بنوایا۔ اگلے زمانے میں باؤلی کو باؤڑی یا بائیں کہتے تھے پھر باؤلی کہنے لگے۔

---

[1] حضرت نظام الدین کی درگاہ سے جو خام رستہ روشن چراغ دہلی کو جاتا ہے اُسی پہ ارادت مند خاں کا کٹرہ ہے اُس کے پیچھے وار ریل کی سڑک اور تین در کا آہنی پل ہے۔ سڑک کے پار یک ڈنڈی کا رستہ ہے (اقتباس جلد آثار[illegible])



بستی باوڑی

باؤلی یہ باؤلی بہت بڑی اور بہت گہری ۱۱۲×۳۱ ہے مگر اب بالکل ڈھ گئی اور خشک ہوگئی ہے۔ اگلے زمانے میں باؤلی کو باوڑی یا بائیں کہا کرتے تھے۔ اس باؤلی ہی کے سبب سے اور اس کے بانی بستی خاں کے نام سے یہاں جو بستی تھی **بستی باوڑی** مشہور تھی۔ اب نہ کوئی گاؤں ہے نہ بستی اب تو جہاں تک نظر دوڑاؤ کھیت ہی کھیت نظر آتے ہیں جس میں نظام پور۔ روشن چراغ دہلی۔ مبارک پور کوٹلے۔ مجاہد پور وغیرہ کے لوگ زراعت کرتے ہیں۔ باؤلی کے چوطرفہ نہایت خوش نما دالان بنے ہوئے تھے۔ اب آمنے سامنے کے دالان تو رہے نہیں مگر ان کا ملبہ باؤلی کے اندر اٹ گیا ہے۔ داہنے بائیں یعنی شمال اور جنوب کی طرف ایک ایک سہ دری کھڑی ہے جو ۲۸ فٹ مربع اور ۱۸ اونچی ہے اُس میں کا بھی ایک ایک اونچا اور بڑا در جس میں زینہ تھا گرا پڑا ہے۔ مشرق کی طرف کا دالان تو اب رہا نہیں مگر اس رخ پر لاؤ لگا کر پانی کھینچا جاتا تھا چنانچہ لاؤ کی لکڑیاں کھڑی کرنے کی پتھر کی دو کڑیاں دائیں بائیں موجود ہیں جن میں ایک ایک سوراخ ہے۔ اس باؤلی کے اوپر والے مغرب کی طرف ایک مسجد ہے اور یہ باؤلی گویا اُس مسجد کا حوض ہے۔ غرض یہ کہ باؤلی جب درست حالت میں رہی ہوگی تو ایک پُر لطف اور دلچسپ سیرگاہ ہوگی۔ اب تو دیکھنے سے ڈر لگتا ہے۔ باؤلی کی بندش کی دیواریں ۵ فٹ بلند ہیں۔ باؤلی کی سیڑھیاں سب تہ تک تھیں اب اُن میں سے صرف نو باقی رہ گئی ہیں وہ بھی شکستہ ہیں اور باقی سب ملبے میں دب گئی ہیں۔ باؤلی کے شکم میں اب اس قدر جنگل جھاڑی ہوگیا ہے کہ سوائے ایک گڑھے کے باؤلی کی صورت پہچاننا بھی مشکل ہے۔

مسجد باؤلی کے غرب میں ایک مسجد ۴۵ فٹ ½ × ۱۶ اور ۱۳ فٹ اونچی ہے۔ یہ مسجد حسب معمول تین دروں کی ہے اوپر چھت سپاٹ ہے۔ کوئی مینار نہیں ہے۔ بلندی مع لنگورے کے ۲۴ ہے۔ دو طرفہ چھتیس چھتیس سیڑھیوں کا زینہ ہے۔ بیچ کا در ۹ - ۹ چوڑا اور ادھر اُدھر کے در ۴½ چوڑے ہیں۔ بلندی دروں کی ۹ - ۹ ہے۔ سڑک کی طرف جو

نقل از صفحہ گذشتہ درگاہ سے قریب قریب ایک میل جاکر داہنی جانب کھیتوں میں بستی باؤلی کی عمارت نظر آتی ہے جس کے آگے مبارک پور کوٹلہ۔ مجاہد پور وغیرہ ہیں اور پھر صفدر جنگ کے مقبرے سے جو سڑک قطب کو جاتی ہے وہ مل جاتی ہے۔ اور بستی باؤلی کے آگے ہی حضرت روشن چراغ دہلی کا درگاہ شریف ہے۔ ۱۲

مسجد کے پچھیت کی دیوار ہے وہ ۲۶×۳ فٹ بلند ہے جس میں دو کھڑکیاں ہیں اور پانچ دیوار دو نو محرابیں مسجد کے محاذ میں آ۲ چوڑا پختہ چبوترا ہے جو بلندی میں (۷ فٹ) ہے مسجد کے دائیں بائیں جہاں اوپر چڑھنے کا زینہ ہے وہاں ممٹیاں تھیں جو گر گئی ہیں مگر اُن کے چبوترے اُب تک باقی ہیں۔ مسجد کے اندر رنگ آمیزی کا کام تھا جس میں کا اب بہت کم نظر آتا ہے کیوں کہ گاؤں والوں نے مویشی باندھ باندھ کے ستیاناس کیا ہے اور پھر کھانا پکا پکا کر مسجد کی ساری دیواروں خصوصاً پیش طاق کو بالکل سیاہ کر دیا ہے۔ مسجد کے اندر چونہ کاری سے قرآن شریف کی آیتیں منبت لکھی ہوئی ہیں جو جابجا سے جھڑ گئی ہیں۔ پیش طاق پر پہلی سطر میں یہ آیت ہے:-

پہلی سطر ...... هو الله الذى لا اله الا هو عالم الغيب والشهادة له الاسماء الحسنى .....

شروع کا اور آخر کا حصہ جھڑ گیا۔

دوسری سطر ـ قل يا ايها الكافرون. بسم الله الرحمن الرحيم. قل هو الله اور قل اعوذ برب الفلق۔ مگر اس کا بھی کچھ حصہ جھڑ گیا ہے۔

گنبد کے گرد پہلے بنیڈ پر۔ اسمائے حسنیٰ۔ چھوٹے حلقے میں آیۃ الکرسی۔ مسجد کے ہر کونے پر جابجا الله الله کھدا ہوا ہے۔ تینوں محرابوں پر دو طرفہ طغرے حسبی اللہ کے ہیں۔

دروازہ پہلے تو ہم اسی کو بستی خاں کا مقبرہ سمجھے تھے کیوں کہ یہ مسجد کا دروازہ نہیں معلوم دیتا بلکہ ایک مستقل گنبد معلوم دیتا ہے گو کہ اس میں کوئی قبر نہیں ہے۔ یہ صدر دروازہ بُرج دار پتھر اور گچ کا ۲۶×۳ فٹ مربع دس فیٹ بلند چبوترے پر ہے۔ چبوترے سے لے کر چھت تک ۲۷ فٹ اور چھت سے گنبد کی چوٹی تک ۲۴ فٹ جملہ بلندی اس دروازے کی (۶۰ فٹ) ہے۔ اس دروازے کی دونوں جانب بلند دیوار دو محرابیں ہیں اور چاروں طرف ۶ فٹ چوڑے اور ۹½ فٹ اونچے دروازے ہیں۔ گنبد کے زینے میں ۲۶ سیڑھیاں ہیں۔ فرش بالکل خام ہے۔ گنبد ہشت پہل ہے اور ہر محراب پر دو طرفہ حسبی اللہ کے طغرے ہیں۔ گنبد میں اندر دار رنگ کا کام تھا جو اب باقی نہیں رہا۔ دروازہ کی مغربی جانب محراب میں ایک چھوٹی سی محراب دار کھڑکی بطور نشیمن کے لگی ہوئی ہے دروازے کا مغربی رو کار نقش و نگار سے آراستہ ہے جس میں جابجا سنگ سرخ لگایا گیا ہے۔ چبوترے سے اجارے تک بھورا بھُر بھرا پتھر لگا ہوا ہے۔ اس گنبد کا کلس ٹوٹ گیا ہے۔

بستی خاں کا مقبرہ

اس دروازے سے چند گز کے فصل سے بالکل سامنے مشرق کی طرف بستی خاں کا نہایت خوش قطع مقبرہ ایک چھتری کی وضع کا چاروں طرف سے کھلا ہوا ہے۔ اس برج کا پہلا چبوترہ ۴۶ فٹ مربع اور ۸ ½ فٹ اونچا ہے دوسرا چبوترہ ۲۷ فٹ مربع ۴ ½ اونچا۔ تیسرا چبوترا اصل چوکھنڈی کا ۲۰ فٹ مربع دو ۲ اونچا ہے۔ بلندی چھتری کی ۱۵ ½ ہے۔ یہ مقبرہ دو منزلہ ہے پہلے ہم اوپر کی منزل کا حال لکھتے ہیں۔ یہ سر سے پانگ سنگ سرخ کا بنا ہوا ہے جس کے ہر طرف تین تین در ہیں اور اس طرح چاروں طرف کے بارہ در ہوئے بیچ کا در ۶ فٹ چوڑا اور ۹ ½ فٹ اونچا ہے اور بغلی کے دو دو در ۳ فٹ چوڑے اور اونچان وہی ۹ ½ فٹ ہے۔ اس چوکھنڈی کے پہلے چبوترے کے چاروں کونوں پر سنگ سرخ کی ۷ فٹ مربع برجیاں تھیں جن میں چار چار ستون پندرہ پندرہ فیٹ اونچے تھے تین طرف کی برجیاں تو گر گئیں اب صرف ایک مشرق کی باقی ہے۔ چوکھنڈی اوپر سے ہشت پہل ہے۔ اندر چونے کا ایک ڈھیر رہ گیا ہے جسے قبر کا تعویذ سمجھنا چاہیے کیوں کہ اصل قبر نیچے کی منزل میں ہے۔ اس کا احاطہ کنگورے نما ہے جس کا دروازہ مشرق کی طرف ہے جو ۵ ½ فٹ چوڑا اور ۹ ½ فٹ اونچا ہے اور اگر کنگورے کو شامل کریں تو اونچان ۳ فٹ اور بڑھ جائے گی اس کے باہر طرف بارہ سیڑھیوں کا زینہ ہے۔ گنبد بھی سنگ سرخ کا تھا جس کی سلوں نے اپنی جگہ چھوڑ دی ہے اور ان دراڑوں میں سے اس کثرت سے گھاس اُگی ہے کہ گنبد خضرا کہیں تو بے جا نہ ہوگا۔ ہم جب گئے تو برسات کا موسم تھا ہم کو حیرت ہوئی کہ یہ سبز مخمل کا گنبد کیسا ہے جو دیکھا تو معلوم ہوا کہ یہ گھاس اس گنبد کی موت قبل از وقت کی نشانی ہے۔ حکام کی ذرا سی توجہ سے یہ گھاس نکالی جا سکتی ہے مگر کون ہے جو اس طرف توجہ کرے اور کسے غرض پڑی ہے اور کسے درد ہے۔ قبر کے گرد بھی ایک پست چبوترا تھا جو اب باقی نہیں رہا۔ گنبد کے چاروں طرف یا اللہ یا اللہ بیسوں جگہ کھدا ہوا ہے اور گرد گنبد کے ایک چوڑا چھجہ ہے جو جا بجا سے گر گیا ہے۔ گنبد کے باہر چھجے کے اوپر چاروں طرف سورہ فتح اور سورہ قدر پتھر کے تراشے ہوئے حروف سے لکھی ہوئی ہے۔ یہ حروف جا بجا سے جھڑ گئے ہیں۔ اس قبر کو عجیب طرح سے بنایا ہے پہلے تو بہت اونچا چبوترا بنا کر اس میں در رکھ کے نیچے کوٹھریاں سی بنا دی ہیں اور بیچ میں بستی خاں کی اصل قبر ہے اس کا مقام ۱۲ فٹ مربع چاروں طرف سے بند ہے۔ گرد اس کے ۶ ½ فٹ چوڑی غلام گردش دی ہے

جس کے ہر طرف پانچ پانچ در ہیں اس طرح بست دری ہوئی اور اسی طرح ہر طرف پانچ پانچ گنبد چھت کے اندر ہیں پس گنبد بھی بیس ہوئے اور بیچ میں اصل برج ہی اور اسی پر اوپر کا برج بنا ہوا ہی۔ نیچے کی منزل ۵۵ فٹ مربع ہی بارہ سیڑھیاں چڑھ کر اوپر جاؤ تو بستی خاں کی قبر کا چھتر ہی اس برج کے درون میں کسی زمانے میں جالیاں لگی ہوئی تھیں۔ مگر اب جالیاں تو لوگ اکھاڑ کر لے گئے صرف ستون اور برج باقی رہ گیا ہی۔ برج کے اوپر کلس تھا اس کو اکھاڑنے میں شاید دقت پیش آئی جو اس بے دردی سے نکالا گیا ہی کہ چھت میں بغارا پڑ گیا ہی۔ جس چبوترے پر بستی خاں کی قبر ہی اس پر بھی تین سیڑھیاں چڑھ کر جانا ہوتا ہی۔ یہ گنبد اوپر کے چبوترے سے ۲۷ فٹ اور زمین سے ۴۴ فٹ بلند ہے ان چاروں عمارتوں کے گرد ایک وسیع فصیل نما کنگورے دار احاطہ ۲۹۰ × ۱۹۰ فٹ ہی جس کی دیوار دس فیٹ بلند ہی۔ یہ مقام کسی زمانے میں بہت نفیس ہوگا۔ اب بھی ایک اچھی سیر گاہ ہی۔ ان مکانوں پر کوئی کتبہ ایسا نہیں ہی جس سے تاریخ بنا معلوم ہو سکے اس سبب سے سوائے اس کے کچھ نہیں کہا جا سکتا کہ یہ عمارت پٹھانوں کے وقت کی بنی ہوئی ہی۔

ایک منہدمہ مسجد بستی باولی سے جنوب مشرق کے کونے میں ایک بڑا شاندار وسیع اور پختہ فصیل نما کنگورے دار احاطہ ہی جس کے چاروں کونوں پر ایک ایک برجی تھی اب صرف شمال مغرب کے کونے کی برجی رہ گئی ہی وہ بھی آدھی گری ہوئی ہی باقی تینوں طرف کی بالکل منہدم ہوگئیں۔ مغرب رویہ مٹی دار محراب میں سے چھت پر چڑھنے کا (۱۳) سیڑھیوں کا زینہ ہی اسی طرح جنوب مغرب کے کونے کی محراب میں بھی زینہ ہی۔ اس احاطے کے تین طرف ایک ایک بڑا عالی شان دروازہ تھا جن میں سے دو شمال جنوب کے اب بھی موجود ہیں مشرق کی طرف کا گر گیا۔ احاطہ کی دیوار کے ہر سکشن میں جو (۴۰ فٹ) ہی تین تین دیوار دوز طاق ہیں دیوار کی بلندی دس فیٹ ہی مسجد کی چھت گر گئی صرف پختہ چبوترا اور داہنے بائیں پاکھے کی دیواریں جن میں زینہ ہی سے اوپر کی مٹی کے موجود ہیں۔ یہ احاطہ ۸۵ فٹ مربع ہی۔ دروازہ ۸ فٹ ۳ انچ اونچا اور (۵ فٹ) چوڑا ہی جس کے سامنے چھ چھ سیڑھیوں کا دو طرفہ زینہ ہی۔ چبوترے کی کرسی (۱۰ فٹ) بلند ہی اسے شامل کر لیں تو دروازے کا ارتفاع ۱۸ فٹ ۳ انچ ہو جائے گا۔ صحن مسجد جو تمام جھاڑیوں سے ایسا بھرا ہوا ہی

…شکل ہی جا بجا کچھ پختہ قبریں بھی ہیں نہ کوئی مینار باقی ہی نہ گنبد کیوں کہ مسجد کا دالان تو پہلے ہی گر چکا ہی۔ مسجد کے گرد عمارات منہدمہ کے کھنڈروں کے نشانات ہیں جن سے معلوم ہوتا ہی کہ یہ مسجد آبادی میں تھی اور اب بجائے آبادی کے کھیتوں کے بیچ میں نظام پور کے حدود میں ہی۔

ایک چھوٹی سی مسجد بستی باولی کے مغرب میں مبارک پور کوٹلے کی حدود میں ایک برج اور تین در کی ایک چھوٹی سی مسجد ہی۔ اندر رنگ آمیزی کا کام تھا صحن پہلے ہوگا۔ کھیتوں کی وجہ سے باقی نہیں رہا طول و عرض مسجد کا ۲۳ × ۱۲ فٹ ہی۔

شیخ علی کی گمٹی اس مسجد کے مغرب میں کوئی پانسو قدم کے فاصلے پر یہ ہشت پہلو چھوٹا سا برج ہی جس کے آٹھ در سنگ سرخ کے ہیں۔ اس کے اندر تین قبروں کے نشان ہیں مگر اب کوئی قبر نہیں رہی۔ یہ عمارت ۱۸ فٹ مربع ہی۔ در ۹ فٹ اونچے اور ۵ ½ فٹ چوڑے ہیں۔ شیخ علی کی گمٹی مشہور ہی۔

دولت بیگ کا باغ اوپر والی گمٹی کے مشرق میں کھیت میں ایک پختہ دیوار تخمیناً ۴۰ فٹ لمبی اور ۱۰ فٹ اونچی کھڑی ہی کہتے ہیں کہ یہاں دولت خاں نامی کسی امیر کا باغ تھا۔ حدود دیکھنے سے ہزار فیٹ مربع کا اندازہ معلوم ہوتا ہی۔ چوں کہ اب اس زمیں میں کھیت ہوگئے ہیں باغ رہا نہ چار دیواری اب صرف ایک رخ کی دیوار باقی ہی اس کو بھی دیر سویر لوگ توڑ کر اپنے مصرف میں لے آئیں گے اس احاطے کے بیچ میں ایک چھوٹے سے شکستہ چبوترے پر ایک پختہ قبر باقی رہ گئی ہی قیاس چاہتا ہی کہ وہ صاحب باغ کی ہو۔

ایک ہشت پہل برجی ایک گرے ہوئے چبوترے پر جو اب صرف ایک ٹیلے کی شکل کا رہ گیا ہی۔ بستی خاں کے گنبد کی پشت پر صرف پیچ کا رستہ چھوڑ کر سنگ سرخ کی ایک بہت خوش قطع ہشت پہل برجی ہی جس کے بیچ میں چونے گچی کی ایک قبر ہی اس کا ہر ضلع ۳ فٹ چوڑا ہی اور یہی دروں کی چوڑان بھی ہی اور اونچان ۷ فٹ ہی۔ ستون سنگ سرخ کے ہیں جس کی بیٹھک اور اوپر کی پٹی الگ چوکون پتھر کی ہی اور بیچ میں ستون

سالک تکڑا الگ۔ آٹھ ستونوں میں سے ایک گر پڑا ہو مگر پڑا ہیں ہو مشرق کی طرف کے ایک ستون کے گرد کلمۂ طیبہ منقوش ہو باقی تین ستونوں پر چاروں طرف "الملک للہ"۔ تین ستون سادے ہیں اور گرا ہوا ستون بھی سادہ ہی ہو۔

دو طرفہ عمارات کے کھنڈر بستی باؤلی اور اس برجی کے شمال میں پکی سڑک راستے کے دو طرفہ دور دور تک جا بجا عمارتوں کے کھنڈر نظر آتے ہیں۔ کہیں کوئی اونچا ٹیلہ ہو کہیں دیوار کا کوئی حصہ رہ گیا ہو کہیں کسی محراب کا ایک پاکھا ہی کھڑا ہو۔ داہنی طرف کی حالت بھی یہی ہو اوّل تو بستی باؤلی کے آگے ایک بڑے وسیع پختہ احاطے کی دیوار چلی گئی ہو۔ جو اکثر جگہ سے گر گئی ہو اور بعض جگہ موجود بھی ہو پھر اس کے بعد اور ایک احاطہ اسی قسم کا شروع ہوتا ہو یہی سلسلہ حضرت نظام الدین رح کی درگاہ تک مسلسل چلا گیا ہو۔ کہیں چپہ بھر زمین خالی نہیں اور قبروں کا تو کچھ شمار ہی نہیں بہت سی مٹ مٹا گئیں اور بہت سی متفرق طور پر موجود بھی ہیں۔ جب اس سرزمین پر سالہا سال سے ہل پھر رہا ہو اور کھیت جوتے بوتے جاتے ہیں تو اب کسی عمارت یا قبر کا نشان کیسے باقی رہ سکتا ہو مزارعین کا پہلا فرض یہ ہو کہ وہ اپنے کھیت کو اُن رکاوٹوں سے صاف کریں اور انھوں نے کر ہی دیا اور جہاں تک موقع ملتا ہو کرتے ہی جاتے ہیں۔ سنا کرتے ہیں کہ اگلے زمانے کے بادشاہ جب کسی سے ناراض ہوتے تھے تو اُن کے زن بچے کولھو میں پلوا دیا کرتے تھے اور اُن کے مکانوں کی جگہ گدھے کا ہل پھروا دیا کرتے تھے یعنی بال بچوں سمیت مروا ڈالتے تھے اور اُن کے گھر جڑ بنیاد سے اکھڑوا کر پھینک دیتے تھے اس طرح کہ نشان تک باقی نہ رہ جاتے۔ پس کسی عمارت کو معدوم کرنے کا سریع الاصول نسخہ ہل کا پھروا دینا ہی جو اب بھی کثرت سے شائع ہو البتہ شان دوسری ہو۔ یعنی پہلا طریقہ سزاءً تھا اور اب محض اقتضائے لیل ونہار ہی۔

بیوی باندی کا گنبد اسی رستے پر بائیں طرف بستی باؤلی کے شمال میں یہ مقبرہ ہو جس کا قبہ اندر سے بہت خوب صورت ہو اور اس قسم کا ہو جیسے کہ کابلی ٹوپی ہوتی ہو۔ یہ گنبد بہت خستہ ہو سقبے میں چاروں طرف

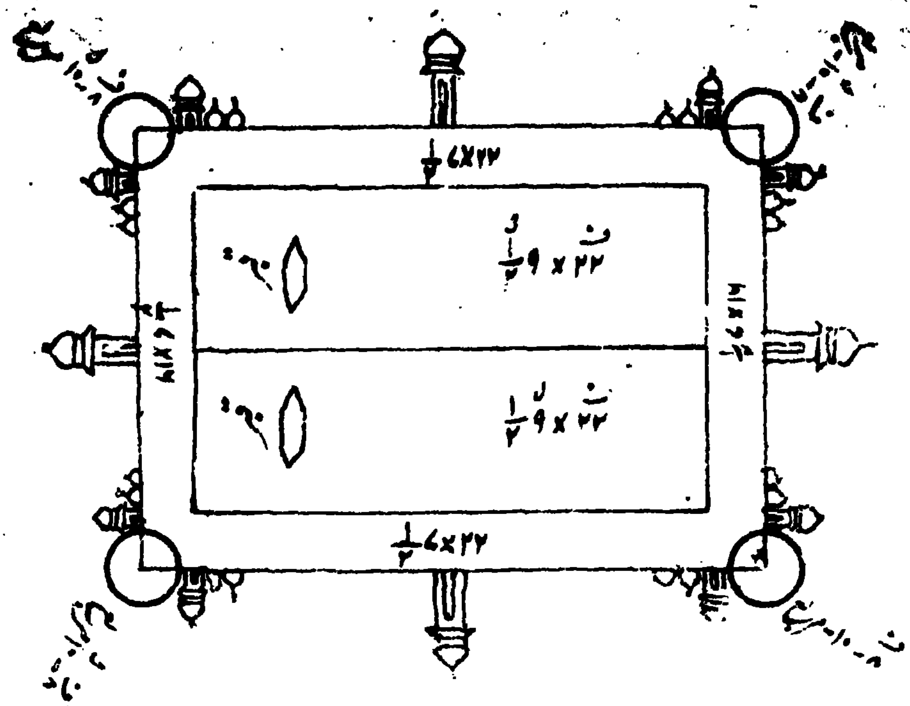
یہی بڑی بڑی گہری دراڑیں نیچے سے چوٹی تک پڑی ہیں کہ قبے کی چار پھانکیں ہوگئی ہیں اندر جاتے ہوئے ڈر لگتا ہے کہ اندر سے ان دراڑوں میں سے روشنی نظر آتی ہے خدا جانے یہ حالت کب سے ہے اور کب سے اس طرح کھنڈا ہوا کھڑا ہے اور اب تک گرا کیوں نہیں۔ خیر آج نہ گرا تو کل گرے گا۔ رہے نام اللہ کا۔ نہ اندر فرش باقی رہا ہے نہ کوئی قبر۔ تین طرف در ہیں ۱۱ فٹ اونچے ۵ فٹ چوڑے اور مغرب کی طرف صرف دیوار دوز طاق ہے۔ یہ گنبد ۱۸ فٹ مربع ہے۔ اس گنبد میں اندر کے رخ پر کمر کی وضع کی پھانکیں بنی ہوئی ہیں اور جہاں دیوار ختم ہو کر گنبد شروع ہوتا ہے وہاں گنبد کے گرد ۱۶ طاق ہیں غرض ہے اپنی طرز میں نرالا اور بہت خوب صورت۔ مقامی روایات سے یہ بیوی باندی کا گنبد کہلاتا ہے۔ واللہ اعلم بالصواب۔

ایک محراب کا ٹھنڈ

یہیں کھیت میں صرف محراب کا بہت اونچا ایک ٹھنڈ یعنی ایک پاکھا کھڑا ہے جس سے اتنا معلوم ہوتا ہے کہ یہ محراب تھی بہت اونچی۔ خدا جانے وہ عمارت کیا تھی جس کا یہ باقی ماندہ حصہ ہے۔

ایک نفیس محل نما مقبرہ

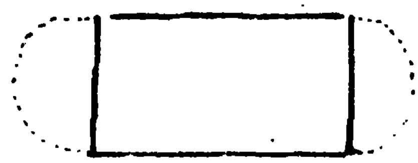
رستے کے داہنی طرف ایک محل دکھلائی دیتا ہے جو بالکل تباسہ محل کی وضع قطع کا ہے جیسا کہ ہمایوں کے مقبرے کے پاس ہے۔ صرف فرق اتنا ہے کہ اس میں ایک ہال اور چاروں طرف دالان اور کمرے ہیں اور اس میں دوہرے دالان اور گرد کمرے ہیں۔ آپ ذرا نقشہ ملاحظہ فرمالیں تو خوب سمجھ میں آجائے گا۔ مگر ہم سے یہ نہ پوچھئے گا کہ یہ کس کا محل یا مقبرہ ہے۔ جس طرح آپ ناواقف ہیں ہم بھی گم ہیں۔ ع۔ او خویشتن گم است کرا رہبری کند۔ کیوں کہ ایسی عمارتوں کو کسی سے منسوب کرنے کا کوئی ذریعہ ہی نہیں ہے۔ بعض عمارتوں کی نسبت تو لوگ آئیں بائیں شائیں سنی سنائی روایات پر کسی نام سے منسوب کر دیتے ہیں جن کی کچھ تصدیق نہیں اور جو حافظہ اور روایات کی دست رس سے بھی زیادہ پرانی ہیں ان کا خدا ہی حافظ ہے وہ نام و نشان کسی سے متعلق نہیں کی جاسکتیں اور اسی قبیل کی یہ عمارت بھی ہے۔ اس کی وضع قطع سے ہم اسے کسی کا محل سمجھے اندر جا کر دیکھا تو ایک چھوڑ دو دو قبریں موجود اور پھر کل من علیہا فان کے طغرے نے تصدیق کر دی کہ یہ محل نہیں ہے کسی صاحب کا مقبرہ ہے۔



چاروں طرف مثمن کمرے ۸ فٹ ۔ ۱۰ انچ مربع ہیں ۔ گرد دالان اور بیچ میں دو دالان ہر طرف داہنے بائیں دو چھوٹے دروازے اور بیچ کا بڑا دروازہ انہیں کے دو طرفہ طغرے ہیں جو جھڑ جھڑا گئے چنانچہ مغرب کی جانب بڑے دروازے کے پاکھوں پر کل من علیہا فان کا طغریٰ بہ مشکل پڑھا جاسکتا ہی ۔ اندر دار چھت قبر دار لداؤ کی ہی چاروں طرف اور بیچ کے دالانوں میں تین تین گنبد ہیں جن میں سے دو ادہر اُدہر کے چھوٹے اور بیچ کا قلم دان نما لمبوترا ۔ زینے کی (۱۳) سیڑھیاں ہیں چھت اوپر سے سپاٹ ہی مگر اوپر ایک چبوترا ۲۲ فٹ مربع اور ۱½ اونچا بنا ہوا ہی مگر اس پر قبر کا تعویذ نہیں ہی جیسا کہ بتاسا محل میں ہی ۔ مقبرے کی عمارت باہر سے ۸۰ فٹ مربع ہی ۔ جس کے گرد ۱۰۸ فٹ × ۱۲½ فٹ کا چبوترا ہی جو ۳ فٹ ۹ انچ اونچا ہی ۔ کل بلندی عمارت کی ۴۶ فٹ ہی ۔ مقبرے کے گرد احاطہ بھی تھا جو کھیتوں کے سبب سے باقی نہیں رہا ۔ ہاں نشاں اب بھی باقی ہی ۔ مقبرے کے اندر کثرت سے رنگ آمیزی کا کام تھا جو سب ماند پڑگیا یا جھڑ گیا ۔ باہر بھی سر سے پاؤں تک رنگ کا کام جو باوجود امتداد زمانے کے جابجا اب بھی نمایاں ہی ۔

باجی والی گمٹی! مقبرۂ بالا کے شمال میں رستے کے بائیں طرف ایک مقبرہ ہی ۔ جسے مقامی لوگ اسی نام سے موسوم کرتے ہیں ۔ یہ بھی ایک

تھی طرز کا دوہرا گنبد ہے۔ بیچ میں ایک پورا قبہ ہے اور اِدھر اُدھر آدھے آدھے اس طرح:-



اندر ایک پختہ قبر ہے باہر سے یہ عمارت ۲۰×۲۲ فٹ ہے۔ مشرق کی طرف صرف ایک بڑا دروازہ ۶ فٹ-۳ انچ اونچا ۴ ۱/۲ فٹ چوڑا ہے۔ شمال جنوب میں دو کھڑکیاں ۵ فٹ اونچی ۲ فٹ-۳ انچ چوڑی ہیں۔ کل عمارت کی بلندی ۱۸ فٹ ہے گنبد کے اوپر ایک ہشت دہ برج بنا ہوا ہے جو ۵ ۱/۲ مربع ہے۔ یہ ایک نیا طرز ہے اور میرے خیال میں خوش نما بھی ہے۔ چھت پر جانے کی (۱۳) سیڑھیاں ہیں۔ چوکھٹیں ندارد۔ گرد ایک مختصر چبوترا تھا جو اب باقی نہیں رہا۔ نہ کلس ہی رہا۔ یہ ساری عمارت سنگ خارا اور چونے کی ہے۔

منکل والے پیر کا برج

یہ نام بھی گاؤں والوں کا بنایا ہوا ہے۔ یہ ایک ہشت پہل گنبد ہے بہت شکستہ۔ چوکھٹیں جو چار طرف تھیں ندارد کلس غایب۔ پلاستر اندر سے سب جھڑ گیا۔ ۱۴ ۱/۲ مربع عمارت ہے چاروں طرف دروازے ۱۱ فٹ × ۸ ۱/۲ فٹ ہیں۔ بلندی ۱۵ فٹ۔ فرش ندارد۔ قبر بھی باقی نہیں۔ غرض بالکل خراب وخستہ حالت میں ہے۔ گرد وپیش کے کھیت والے دوپہر اس میں کاٹتے ہیں۔

ایک پختہ کنواں اور حمام

اوپر والے برج سے آگے بڑھ کر ایک بڑا بھاری پکا کنواں ہے جس کے پاس چھ گنبد دار حجرے ہیں جن میں کے چار سالم ہیں اور دو ٹوٹ گئے۔ دیواروں کے کونوں میں مٹی کے نل لگے ہوئے ہیں اور کنوئیں میں بھی ایک ڈاٹ لگا کر نل لگایا ہے اور اسی نل سے اس مکان کے ہر کمرے میں پانی پہنچتا تھا۔ گو یہ عمارت جا بجا سے گر گئی ہے مگر نلوں کی موجودگی اور اس کے پاس کوئیں کے ہونے سے صاف ظاہر ہے کہ یہ حمام تھا حمام کے قرب وجوار میں محل یا مکان کا ہونا ضرور ہے۔ کوئی جنگل میں حمام نہیں بنایا کرتا لیکن اب محل تو غایب ہیں نرا حمام رہ گیا اور وہ بھی ٹوٹا پھوٹا۔

بے چھت کی مسجد

اب ہم حضرت نظام الدین اولیاء کی درگاہ کی طرف جا رہے ہیں اور جوں جوں آگے بڑھتے جاتے ہیں ریل کی سڑک پاس آتی جاتی ہے یہ ایک بہت چھوٹی سی بے چھت کی مسجد ہے۔ گو جتنی چھوٹی ہے اتنی ہی خوب صورت بھی ہے۔ ۵ فٹ ۱ انچ × ۶ فٹ۔ بلندی دیوار کی ۷ فٹ ۱/۲ پچھیت کی دیوار صرف تین دیوار دونہ طاق ہیں جن کے دو طرفہ طغرے کلمہ اور یا فتاح کے ہیں۔ دیواروں پر تمام رنگ آمیزی کا کام تھا۔ یہ مستقل مسجد نہیں ہے بلکہ جس طرح ہڑواڑوں میں مغرب رویہ دیوار۔ اور دو پاکھے کھینچ کر مسجد بنا دیتے ہیں ویسی ہی صحن تو کچھ ہی نہیں صرف چھ فیٹ ہے اس کے سامنے تین در سنگ سرخ کے آگے پیچھے اندرونی ۱ فٹ × ۲- ۱/۲ اور ۱۱ فٹ -۲ اونچی ایک چوکھنڈی ہے جس کی چھت قلمدان نما لداؤ کی ہے اس کے آگے چبوترے پر چار قبریں ہیں۔ چبوترا منڈیر چھوڑ کر ۳۳ فٹ × ۱۵ فٹ ہے۔ اونچان ۵ فٹ -۸ چبوترے کے گرد احاطے کا نشان موجود ہے اس احاطے میں بھی بہت سی قبریں ہیں۔

چبوترا

نالے کے پاس ایک چبوترا ۲۶ فٹ مربع ۵ فٹ اونچا ہے جس پر تین پختہ قبریں ہیں بیچ والی قبر پر چونے میں آیۃ الکرسی کندہ ہے۔

گمزی

عین نالے کے کنارے تین گرڈر کے ریلوے آہنی پل کے پاس تار کے کھمبہ نمبر ۱۵/۹ ۹ کے سامنے دلی سے آتے ہوئے ریل کی سڑک کے داہنی طرف ۲۴ فٹ مربع ۳ فٹ اونچے چبوترے پر ایک چھوٹی سی ۱۴ فٹ مربع گمزی بنی ہوئی ہے جس کے چار دروازے چاروں طرف ۶ فٹ ۱/۲ اونچے اور ۳ فٹ -۲ چوڑے ہیں چوکھٹیں اور قبر باقی نہیں ہے۔ چھت قلمدان نما ہے۔ گمزی کے اندر رنگ آمیزی کا کام تھا۔ اب صرف کہیں کہیں ایک آدھ ٹھپکا نظر آتا ہے اور بس۔

اور دو چبوترے

اور ذرا آگے بڑھئے دو پختہ چبوترے ریلوے فنسنگ یعنی تار کی باڑھ کے پاس ہیں جن کے اوپر قبریں ہوں گی مگر اب تو خالی ہیں اور یہی سلسلہ ریل کی سڑک کے دوسری طرف تھا۔ بہت سی قبریں ریل کی سڑک میں آگئیں اور حسب ضرورت میدان صاف کر دیا گیا۔

ایک برج کی مسجد

ٹیلیگراف پوسٹ نمبر ۱۵/۹ ۴ ریلوے کے محاذی سڑک کی داہنی طرف ایک چھوٹی سی مسجد ایک برج اور تین در کی ہے۔ داہنی

جب کا در ٹوٹ گیا ہے۔ بیچ کا در ۱۱×۷ فٹ اور چھوٹے در ۸×۴ فٹ ہیں مسجد ۳۵×۱۵ ہے صحن کا چبوترا ۴۵ فٹ مربع ہے۔

ایک نامعلوم برج اسی مسجد کے پاس ایک چھوٹا سا برج بہت خستہ حالت میں ہے۔ اندر کوئی قبر نہیں۔ دروازہ بھی ایک ہی ہے وہ بھی چھوٹا سا یہ عمارت ۱۰ فٹ مربع ہے۔

ایک نامعلوم گنبد ریلوے لین تار کے کھمبہ نمبر ۹۵۰/۱۴۳۲ کے بیچ میں سڑک کی بائیں طرف کوئی سو قدم کے فاصلے سے یہ گنبد پختہ اور اچھی حالت میں ہے اندر رنگ آمیزی پھول بوٹوں گلدستوں کا کام ہے۔ گنبد ۳۲ فٹ برج ہے۔ قبر نہیں ہے اندر اینٹ کے چوکے لگا کر دروں میں چوبی چوکھٹیں اور دروازے لگا دیئے ہیں۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ کسی شخص کا مقبوضہ ہے اور سامان زراعت رکھنے کے لئے یہ سب کارستانی کی گئی ہے۔ اس ہمہ شکل بطرے اکل۔ دیکھنے سے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ بھس بھرا جاتا ہے۔ اصلی دروں کی بلندی اور چوڑان ۱۴×۹ فٹ ہے۔ پختہ چبوترا ۸۰ فٹ مربع ہے۔ قبہ کے چاروں کونوں پر چار برجیاں اور اوپر سنگ سرخ کا کلس ہے۔ معلوم نہیں کس کا ہے۔

حوض خاص کے گرد و نواح کے متعدد مقبرے موضع کھرٹیرے کے محاذی دلی سے جاتے وقت سیدھے ہاتھ کی طرف آٹھویں میل پر قطب روڈ سے بالکل ملے ہوئے دو گنبد نظر آتے ہیں یہیں سے حوض خاص کا رستہ گیا ہے اور ایک سڑک نکال دی گئی ہے۔ یہاں سے گنبدوں کا سلسلہ شروع ہوتا ہے اور میرے خیال میں کوئی پانچ میل تک کے حلقے میں جا بجا گنبد ہی گنبد ہیں جن کا سلسلہ موضع منیرکے سے آگے تک چلا گیا ہے اب ہم ان گنبدوں کا بیان تفصیل وار لکھتے ہیں

کھرٹیرے کی حدود کے مقبرے

بیوی باندی کے مقبرے یہ دونوں گنبد بالکل سڑک کے کنارے ہیں۔ ان میں ایک بڑا ہے دوسرا اس سے چھوٹا اور یہ دونوں

مقبرے "بیوی باندی کے مقبرے" کے نام سے مشہور ہیں۔ اب نہ بیوی کو کوئی جانتا ہے نہ باندی کا کچھ ٹھکانا ہے۔ مرے بعد دونوں کا تفرقہ حکومت اور محکومیت کا مٹ گیا وغیرہ ایک ہی فرش زمیں پر ایک ہی حیثیت سے سو رہی ہیں ان کا قصہ یوں زبان زد خاص و عام ہے کہ بڑا گنبد بیگم نے اپنے لیئے بنوایا تھا اور چھوٹا باندی کے لیئے وہ باندی بھی کوئی ہمدم اور رفیق ہوگی جب تو گنبد میں دفن ہوئی۔ اُس زمانے کی باندیاں بھی آج کل کی بیگموں سے بدرجہا بڑہی ہوئی تھیں۔ آج اچھے سے اچھے امیر کو مقبرہ بنانے کی سکت نہیں۔ خدا کا کرنا کیا ہوا کہ باندی مری اوّل۔ بیگم تھیں قدر دان بلحاظ تقدم موت اپنے گنبد میں اُسے جگہ دی اور جب بیگم کی باری آئی تو وہ باندی والے چھوٹے گنبد میں آسودہ ہوئیں۔ سڑک سے ملا ہوا پہلا اور چھوٹا گنبد بیوی کا ہے جو ۲۳ فٹ مربع ہے۔ جس کے تین طرف دروازے اور مغربی رُخ بند ہے محراب کی چوڑان ۶ فٹ ۸ انچ ہے۔ فرش اب باقی نہیں رہا۔ تین قبریں پختہ ہیں مگر شکستہ۔ ان میں ایک بڑی زنانی قبر ہے غالبًا یہی بیوی کی ہے جو ۹ فٹ × ۴ ½ طول و عرض میں ہے بلندی قبر کی ۲ ½ فٹ ہے۔ اس مقبرے پر بجائے کلس کے سنگ سرخ کی ایک چودری برجی ہے دوسرا گنبد۔ جو باندی کا مشہور ہے اوپر والے گنبد کے برابر میں ہے یہ ۲۷ فٹ مربع ہے اس میں بھی چار طرف محرابیں ہیں مغرب کی طرف بند۔ بیچ کے در کے ادہر اُدہر ایک ایک چھوٹا در ہے بڑی محراب عرض میں ۷ ½ چھوٹی محراب کی بلندی اور عرض ۲ فٹ ۸ انچ × ۱۰ انچ ہے۔ مقبرے کی چنیا پر بسم اللہ اور آیۃ الکرسی لکھی ہوئی ہے اور محرابوں کی ہر دو جانب کلمہ اور حسبنا اللہ کے طغرے ہیں۔ اس میں چھ پختہ قبریں ہیں مگر سب ٹوٹی پھوٹی جن میں دو اونچی ہیں باقی زمیں دوز۔ اس کا فرش بھی اکھڑ پکھڑ گیا چاروں محرابیں بھی تڑخ گئی ہیں۔

بارہ کھمبا اس کے چاروں طرف تین تین در ہیں بارہ کھمبے کے نام سے مشہور ہے۔ معلوم نہیں کس کا ہے۔ ۲۲ ½ مربع ہے۔ قبر اور فرش دونوں ندارد بیچ کی آرچ ۶ فٹ ۱۱ انچ اور چھوٹی آرچ ۴ فٹ ۹ انچ عریض ہے۔ اس گنبد کی شمالی جانب بالکل چبوترے سے ملی ہوئی ایک کوئیاں ہے جو بہت خطرناک ہے کم سے کم اُس کی منڈیر بن جاتی۔

ستیوں کے دو مٹھ بارہ کھمبے کے پاس مغرب کی طرف دو چھوٹے چھوٹے ستیوں کے مٹھ ہیں ہندو ان پر پھول دول چڑھایا کرتے ہیں

گمٹی

چار کھلے دروازے۔ باہر سے ۵ ½ مربع۔ قبر اور فرش ندارد۔ یہاں گنبد والا کا ٹھور ٹھکانا نہیں گمٹی رہی اپنی جگہ۔

اور دو نا معلوم گنبد

(۱) تین طرف دروازے ایک طرف بند۔ ایک ٹوٹی پھوٹی قبر۔ فرش ندارد۔ لوگ چوکھٹوں کے بڑے چور ہیں کہ دہلیز کے پتھر کام آتے ہیں۔ اُکھاڑ لے گئے۔ یہ گنبد باہر سے ۲۲ مربع ہے (۲) اسی طرح کا میا اور پروالا ہے۔ ۲۳ مربع۔ بیچ میں گچ کی ایک شکستہ قبر۔ تین طرف دروازے مغرب کی طرف بند۔ ور کی چیلان (۷)۔

گنبد باغ عالم یعنی شیخ شہاب الدین تاج خاں اور سلطان ابو سعید کا مقبرہ سنہ ۹۰۶ھ ۱۵۰۰ء

دراصل یہ گنبد جو کھڑکیوں کے مقبروں میں سب سے بڑا اور بہت شان دار ہے **شیخ شہاب الدین تاج خاں** اور **سلطان ابو سعید** امرائے **سکندر لودھی** کا ہے لیکن اب جس سے پوچھو **باغ عالم** کہتا ہے۔ ممکن ہے کہ پہلے اس کے گرد کوئی باغ رہا ہو کیوں کہ دور دور تک جگہ چھٹی ہوئی ہے۔ غرض یہ معمولی عمارت نہیں ہے یہ مقبرہ بہت خوب صورت بنا ہوا ہے۔ اندر سے ۳۰ مربع ہے۔ تین طرف تین تین دروازے اور ہر در کے ادھر اُدھر ایک ایک طاق کی مغرب کی طرف کا بڑا در بند ہے مگر ادھر اُدھر کی کھڑکیاں کھلی ہوئی ہیں۔ بڑی محراب کی چوڑان ۸۔ سیڑھیاں نہیں کہ بلندی معلوم کر سکیں۔ گنبد کی چندیا پر بسم اللہ اور اسمائے حسنیٰ دوسرے حلقے میں آیۃ الکرسی منقوش ہے۔ گنبد اس قدر اونچا ہے کہ بلا دوربین کے پڑھ نہیں سکتے۔ چار قبریں چونے گچی کی ہیں جن میں ایک ذرا بڑی اور اونچی ہے۔ فرش اب بالکل نہیں رہا۔ باہر دار سنگ سرخ کے چوکھٹوں کی چاروں طرف بڑی نفیس کھڑکیاں ہیں جن کے تین طرف نیلے ٹائل لگے ہوئے ہیں اور اوپر ما پھر تین تین چھوٹے نہایت خوب صورت طاق بنا کر پھر سنگ سرخ کا چوکھٹا لگا کر طاقوں کے اندر نیلے ٹائل لگا دیئے ہیں جو بہت ہی بھلے لگتے ہیں۔ اس مقبرے کی ایک ندرت اس کا نفیس اور خوش خط خط نسخ میں طغرے کا کتبہ ہے مگر غضب یہ کیا ہے کہ اتنا اوپر لگایا ہے کہ اُسے پڑھنا از بس دشوار ہے یہ کتبہ سنگ سرخ کے چوکھٹے میں سنگ موسیٰ کی تختی پر دو سطری ہے اور

وود سے ایسا معلوم دیتا ہی جیسا کہ گن مثل کی لوح ہو۔

یہ کتبہ مغرب کی طرف لگا ہوا ہی بلا دوربین کے پڑھا نہیں جاسکتا اسی وجہ سے بعض نے ایک بادہوائی بات اڑادی ہی کہ اس کتبے میں اُس زمانے کا نرخ اجرت اور اجناس کی تشریح ہی حالانکہ کتبہ یہ ہی:-

(۱) بنای این عمارت درعہد دولت سلطان الاعظم سکندر شاہ سلطان خلد اللہ ملکہ

(۲) این گنبد بنای شیخ شہاب الدین تاج خان سلطان ابو سعید بتاریخ نہم ماہ رمضان سنۃ ست و تسعمائۃ (سنہ ۹۰۶ھ) اس گنبد کے اندر چار قبریں چونے گچی کی ہیں جن میں ایک نمازی کر

اس گنبد کا کلس تو اب رہا نہیں مگر اُس کے گرد کا کنگورے دار کنول بہت ہی نفیس ہی۔ یہ اس وضع کا ہی جیسے مرادآبادی خاصدان کے اوپر زردہ رکھنے کی ٹُنّی ہوتی ہی

قناتی مسجد

مغرب کی طرف جدھر کتبہ ہی اُدھر ہی گنبد کے پاس ہی ایک وسیع قناتی مسجد ہی جس میں بہت سی قبریں ہیں۔

ایک اور قناتی مسجد

اس سے آگے بڑھ کر ایک اور محاط ہر واڑ ہی یہاں بھی ایک اور قناتی مسجد ہی اس میں بھی قبریں ہی ہی قبریں ہیں۔

توپوں والا گنبد

یہ نام کیوں پڑا کچھ خبر نہیں۔ یہ گنبد ۳۲ فٹ مربع ہی۔ اندر چار قبریں سنگ خارا کی اچھی حالت میں ہیں۔ تین در کھلے مغرب کی طرف بند۔ یہ گنبد بھی عالم گم نامی میں ہی۔

حوض علائی یا حوض خاص

اور مرمت سنہ ۶۹۵ھ ۱۲۹۵ع سنہ ۷۵۳ھ ۱۳۸۸ع

آخر آں شاہ صبیح الاحساں — ساخت حوضیکہ پرز آب بود
وہ چہ حوضیکہ غیرت بحر ست — بلکہ از ہفت بحر انتخاب بود
می زند موج لیس ز نور صفا — بر جمالش چو ماہتاب بود
پیش او چشمہ سار آب حیات — خشک بے آب چوں سراب بود
حوض کوثر بود مگر کہ مدام — آب او بہتر از گلاب بود

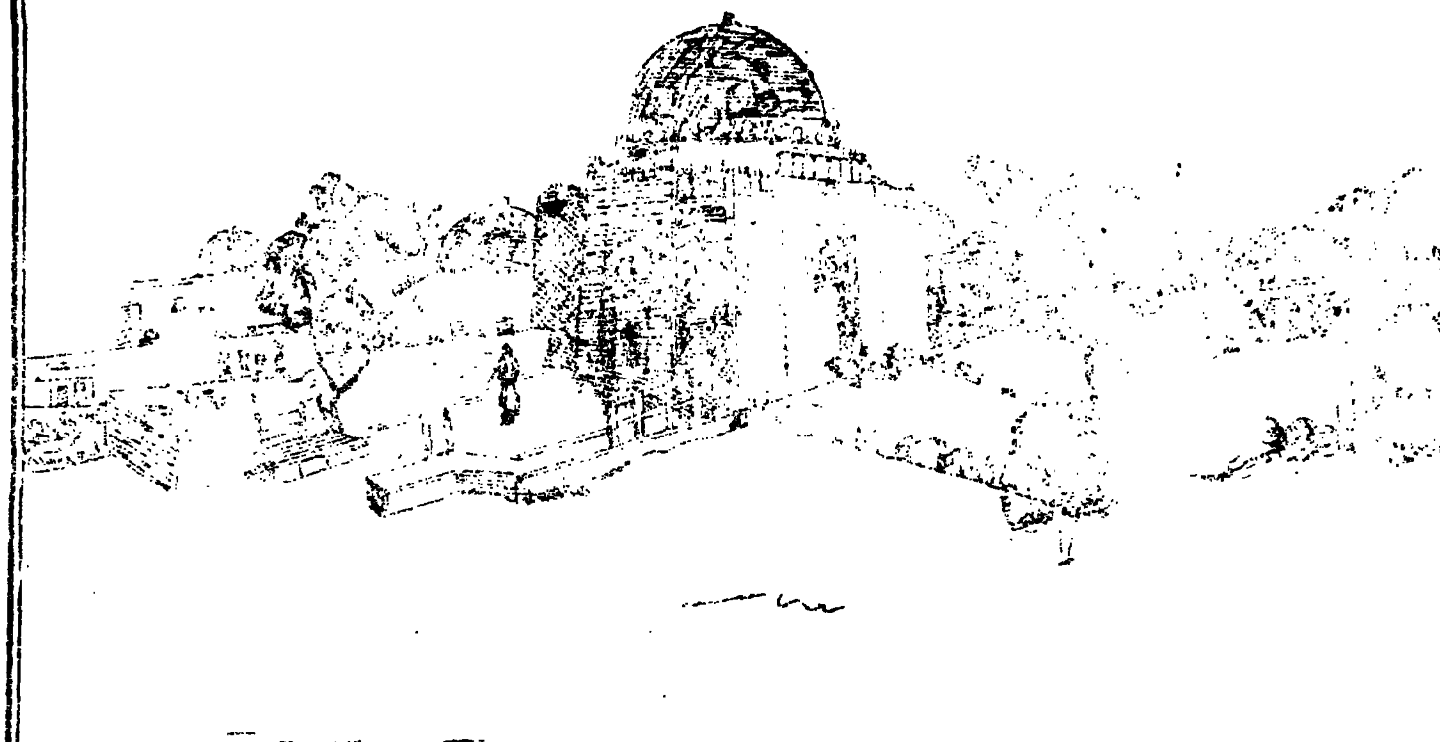
یہ تالاب کا ہے کو تھا ایک جھیل تھی جو ستر ایکڑ کے وسیع رقبے میں پھیلی ہوئی تھی۔ اس تالاب کو سلطان علاء الدین خلجی نے سنہ ۶۹۵ھ ۱۲۹۵ع میں بنوایا تھا۔ اس تالاب کی بندش ہر چہار طرف سے سنگ بست اور پختہ تھی سنہ ۷۵۵ھ ۱۳۵۴ع میں فیروز شاہ تغلق کا زمانہ آیا تو یہ تالاب

بہت شکستہ ہو گیا تھا مٹی سے تمام اٹ گیا تھا اور پانی کا نام نہ تھا۔ لوگ اس کے شکم میں کوئیں کھود کھود کر زراعت کرتے تھے فیروز شاہ نے محل برآری کرا ایسی مرمت کروائی کہ گویا از سر نو بنوا دیا اور جب ہی سے حوض خاص نام پڑا اور اسی سبب سے امیر تیمور نے اس تالاب کو فیروز شاہ ہی کا تالاب لکھا ہے چنانچہ امیر موصوف نے لکھا ہے کہ "یہ تالاب فیروز شاہ کا بنایا ہوا ہے جس کے چاروں طرف پختہ سلامی اتری ہوئی ہے"۔ اس تالاب کے چاروں طرف ایک ایک تیر کی زد پر اور نیز تالاب کے گرد عمارتیں بنی ہوئی ہیں۔ برسات کے پانی سے تالاب لب ریز ہو جاتا تھا اور اس قدر وافر پانی جمع ہوتا تھا کہ رعایا کی سال بھر کی ضروریات کو کافی ہوتا تھا۔ مولینا شرف الدین یزدی نے ظفر نامے میں بحوالہ ملفوظات تیموری اس حوض کو فیروز شاہ کا بنایا ہوا گہرا اور عمیق کنواں لکھا ہے۔ سنہ ۷۵۳ھ ۱۳۵۲ء میں فیروز شاہ نے اس تالاب پر ایک مدرسہ بھی بنایا تھا (از تاریخ مبارک شاہی)۔ اس تالاب کے جنوبی رُخ پر اس سرے سے اُس سرے تک مکانات ہی مکانات تھے۔ فیروز شاہ کے مدرسے میں پختہ اور لیست حجرے ہیں جن میں اب گاؤں والے رہتے ہیں۔ اس مدرسے کے متولی سید یوسف بن جمال نے سنہ ۷۹۰ھ ۱۳۸۸ء میں انتقال کیا اور مدرسے کے صحن میں ہی آسودہ ہیں۔ کسی زمانے میں یہ مقام دل کش اور خوب ہوگا کہ اُس کے دیکھنے کو بے اختیار دل چاہتا ہوگا اور ایک معقول سیرگاہ ہوگی۔ اب بجائے سیرگاہ کے زراعت کا میدان ہے رات دن ہل چلتا ہے اور اس کے شکم میں کھیت ہی کھیت کھڑے ہیں۔ اب یہ حوض کی شکل نہیں رہا۔ بالکل ٹوٹ پھوٹ گیا اور بھر بھرا کر برابر ہو گیا ایک قطرہ پانی کا نہیں ٹھیرتا سوکھا پڑا رہتا ہے اور لوگ زراعت کرتے ہیں۔ کھڑے سے آتے وقت تھوڑی دور تک اس کا ایک بلند بند ملتا ہے جو حال میں ڈالا گیا ہے یا ممکن ہے کہ پہلے بند پر نئی مٹی ڈال دی ہو۔ اب اس گاؤں ہی کا نام حوض خاص ہو گیا ہے اور گنواروں کی زبان پر ہود کھاس چڑھ گیا ہے ورنہ اب نہ حوض خاص رہا نہ تالاب رہا۔ وہ وسیع سلسلہ مکانات کا جو اس کے گرد تھے اکثر اُن میں سے کھنڈر ہو گئے مگر پھر بھی یہ مقام دیدۂ عبرت سے دیکھنے کے قابل ہے۔

فیروز شاہ تغلق کا مقبرہ
۷۹۲ھ / ۱۳۸۹ء

یادِ ایام عشرت فانی ؛ نہ وہ ہم ہیں نہ وہ تن آسانی
خاک میں رشکِ آسماں ملی ؛ ہائے کیسی بلند ایوانی
ایسی وحشت سرا میں آئے کون ؛ بے دری کر رہی ہے دربانی
کیا ہوئی وہ بلندئ دیوار ؛ کیا ہوئے وہ عماد طولانی
جائے گل ہیں چمن میں ریزہ و سنگ ؛ کاہ کرتی ہے ناز ریحانی ؛ اٹ گئے حوض و نہر غیر از چشم ؛ ایک قطرہ کہیں نہیں پانی
نہ ملا کچھ نشانِ آبِ رواں ؛ خاک سارے جہان میں چھانی ؛ سقف رنگیں و زرنگار کہاں ؛ جز سپہر و نجوم نورانی
شور زاغ و زغن ہے سمع خراش ؛ اب کہاں بلبل و غزل خوانی ؛ نظر آتی نہیں وہ تصویریں ؛ نقش دیوار کیوں ہوا فانی
اس چمن زار کو خزاں تھی ضرور ؛ میں نے کیا تہ کی بات پہچانی

حوض خاص کے پاس ہی ایک کنارے پر **فیروز شاہ** (۱۳۸۸ء) پسر سالار رجب برادر خورد تغلق شاہ کا مقبرہ ہے کتبہ سے ظاہر ہوتا ہے کہ یہ حوض اور مکانات ملحقہ تو فیروز شاہ کے بنوائے ہوئے ہیں اور مقبرہ سلطان محمد ناصر الدین بن سلطان فیروز شاہ (۱۳۸۹-۹۲ء) نے جو اپنے بھتیجے ابو بکر شاہ بن ظفر خاں بن فیروز شاہ کے مرنے کے بعد بادشاہ ہوا ۷۹۲ھ ۱۳۸۹ء میں بنوایا تھا۔ یہ مقبرہ اندر سے ۲۹ فٹ - ۳ انچ مربع ہے جو بہت عمدہ پتھر کا پختہ بنا ہوا ہے جس کے دو جانب مغرب اور شمال میں ایک ایک لین مکانات اور حجروں کی ہے جو غالباً فیروز شاہ کا مدرسہ تھا۔ گنبد کے دو دروازے کھلے ہیں۔ مغرب اور شمال کی طرف بند اور دروازوں کے جواب میں دیوار دوز محرابیں ہیں۔ مقبرے کا صدر دروازہ جنوب کی طرف ہے جس کے سامنے پتھر کی ایک منڈیر کوئی دو فیٹ اونچی گھیر دینے سے ایک مختصر سا خوش نما صحن نکل آیا ہے۔ اور اسی صحن میں سے ہو کر تین سیڑھیاں چڑھ کر مقبرے کے اندر پونہچتے ہیں۔ دروازے کی محراب ۱۰ فٹ بلند اور ۶ فٹ - ۳ انچ چوڑی ہے۔ مقبرے کے اندر چار قبریں ایک ہی قطار میں ہیں۔ مغرب کی جانب سے (۱) قبر سب سے بڑی ۹ فٹ - ۹ انچ × ۵ فٹ - ۱۰ انچ اور ۲ فٹ - ۴ انچ اونچی سنگ مرمر کی ہے اور یہی فیروز شاہ کی معلوم دیتی ہے۔ اس کے پہلو میں مشرق کی طرف دوسری قبر سنگ مرمر کی اور تیسری گچ کی ہے۔ چوتھی نیچے وار قبر نمبر ۲ کے پائین میں ایک چھوٹی سی قبر سنگ مرمر کی ہے۔ سر سید لکھتے ہیں کہ اس گنبد میں فیروز شاہ کا بیٹا نصیر الدین محمد شاہ اور علاء الدین سکندر شاہ پسر نصیر الدین بھی مدفون



نقشۂ مقبرۂ فیروز شاہ پاسے حوض خاص

ہیں لہذا نمبر ۲ و ۳ کی قبریں ان دونوں صاحبوں کی ہوں گی۔ چوتھی قبر نامعلوم ہے۔ گنبد کا دروازہ چوکور مستطیل اور محراب دار ہے جس کے بالائی حصے پر سنگ سرخ کی جالی لگی ہوئی ہے۔ دروازے کے اوپر کا پٹاؤ اور دونوں جانب کے ستون ذرا آگے بڑھے ہوئے ہیں جن پر نقش و نگار بنے ہوئے ہیں۔ شرقی دروازہ بھی وضع قطع میں بجنسہ جنوبی دروازے کی طرح کا ہے مگر اس کے سامنے احاطہ کی منڈیر نہیں ہے۔ شمال رخ کی دیوار اور دو محراب میں ایک نوکدار محراب کا دروازہ ہے جس میں سے ہو کر مدرسے میں جانے کا راستہ ہے۔ مقبرے کی دیواروں کی شکل بہت اوپر جا کر بدل جاتی ہے جو مربع سے مثمن اور پھر سولہ ضلعوں کی شکل کی ہو جاتی ہیں اور اس طرح ایک نہایت پیچ در پیچ شکل کا چھتہ بن جاتا ہے۔ مقبرے کی چھت کے اطراف ایک پست منڈیر ہے گنبد نصف دائرے کی شکل کا ہے جس کا قطر بہت بڑا ہے جو چوٹی تک پہنچتے پہنچتے ایک خوب صورت دائرے کی شکل کا ہو جاتا ہے جس میں سے پٹیاں باہم تقاطع کرتی ہوئی گنبد کے وسط تک پہنچتی ہیں۔ ان پٹیوں کے باہمی تقاطع سے تین قطاریں مختلف اقسام و اشکال کے گلدستوں اور پھولوں کی تراشی گئی ہیں۔ ان پٹیوں اور گلدستوں پر اور گنبد کی سقف کی سفید سطح پر مختلف اقسام کی رنگ آمیزی کی گئی ہے۔ جنوبی دروازے کی پیشانی پر ایک نہایت عمدہ دوسطری کتبہ بخط طغری نسخ چونے میں کھدا ہوا ہے جس کے کھیرے جھڑ جانے سے بہت ناقص ہو گیا ہے۔ جو عبارت جھڑ گئی اس سے قطع نظر کر کے بھی جو باقی ہے وہ ایسی پیچ در پیچ لکھی ہوئی ہے کہ طبیعت پر بہت زور ڈالنے کے بعد بھی پوری طرح سمجھ میں نہیں آتی۔ الفاظ اوپر نیچے اور کچھ پیچ ہونے سے کتبہ کیا ہے ایک بھول بھلیاں ہے۔ بہرحال کافی غور کے بعد جو الفاظ نکل سکے ہیں وہ یہ ہیں:۔ کتبہ۔

پہلی سطر "..... اللہ محمد رسول اللہ لناں ... باتباع فرمائش درمیان دہ ماہ مرتب کرد ... لحد در عہد .... سلطان السلاطین سکندر بن سلطان السلاطین .... بہلول شاہ خلد اللہ ملکہ و سلطانہ و اعلیٰ امرہ و شانہ در بستم ماہ رمضان سنۃ ثلثہ عشر تسعمائۃ۔

دوسری سطر۔ سلطان السلاطین سلطان فیروز شاہ طاب ثراہ و جعل الجنۃ مثواہ در ..... بن شیخ قاضی بن شیخ حاجی لہ لبنا ہے مزار

الصابر دالله انلہ حجور ... فیروز میان دحلول میان در سال سنہ

یہ چیدہ چیدہ الفاظ بہ مشکل نکلے ہیں جن سے کوئی مطلب نہیں نکل سکتا۔

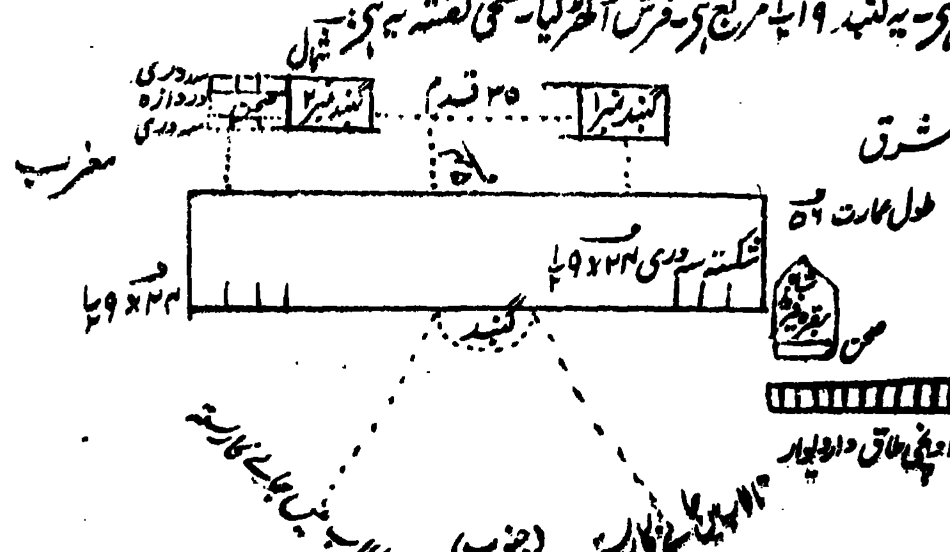
سر سید نے صرف دوسری سطر پڑھنے کی کوشش کی ہو لیکن اوّل سطر کو بغور ملاحظہ نہیں فرمایا اس میں تو کلام نہیں کہ یہ گنبد فیروز شاہ بادشاہ کا ہی اور اغلب قیاس یہ ہی کہ اُسی کے بیٹے نے بنوایا ہوگا لیکن کتبہ کی عبارت بحث طلب ہی۔ اس کتبے کی پہلی سطر میں صاف طور پر نام سکندر بن بہلول شاہ اور سال ۹۱۳ م درج ہی جو لودھیوں کا زمانہ ہوتا ہی اس سے صاف ظاہر کہ کتبہ زمان مابعد میں بعہد سکندر شاہ ثانی لگایا گیا ہی نہ اس سے قبل۔ اس کتبہ کو مُرتب گردانیدہ سلطان السلاطین فیروز شاہ خلد اللہ ملکہٗ ۔ ۔ ۔ ۔ بن سلطان فیروز شاہ طاب ثراہ وجعل الجنۃ مثواہ کیسے پڑھا گیا اصل کتبے میں نہ مرتب گردانیدہ ہی اور نہ بن سلطان فیروز شاہ اور نہ زندہ آدمی کے نام کے ساتھ طاب ثراہ وجعل الجنۃ مثواہ لکھا جا سکتا ہی۔ گنبد کے گرد اُس مقام پر جہاں سے کہ گنبد شروع ہوتا ہی سنگ سرخ کا ایک ٹپکہ لگایا گیا ہی جس پر بہت عمدہ نقش و نگار بنے ہوئے ہیں۔ مقبرے کے سامنے جنوب رُخ پر احاطے کی ایک بہت لمبی اور اونچی فصیل نما دیوار کھڑی ہی جس میں طاق طاق بنے ہوئے ہیں غالبًا ایسی ہی دیوار احاطے کی چوطرف تھی اب صرف ایک ہی طرف باقی رہ گئی ہی۔ لارڈ کرزن کو یہ کھنڈر بھی دعائیں دے رہے ہیں۔ جس طرح فیروز شاہ کے کوٹلے۔ پرانے قلعے ہمایوں اور صفدر جنگ کے مقبروں قطب صاحب کی لاٹ میں دوبارہ جان ڈال دی ہی فیروز شاہ کے مقبرے کے کھنڈروں کو بھی چمن بنا دیا ہی۔ لال لال بجری کی خوش نما روشیں اور ہری ہری دوب کے ہموار تختے کے تختے عجب بہار دیتے ہیں کھنڈروں پر بھی نکھار ہی گرے پڑے پتھروں کو بھی سمیٹ کر خوش سلیقگی سے قرینے اور ٹھکانے سے لگا دیا ہی۔ کوڑے کرکٹ کا نام نہیں چوطرف سبزہ زار اور تازگی ہی۔ عمارات کی بھی تا بہ امکان مرمت کرا دی ہی گویا مرتے کے حلق میں پانی ڈال دیا۔ لاٹ صاحب نے یہ کام ایسا کیا ہی کہ اُن کو جتنی دعائیں دی جائیں کم ہیں۔

حوض خاص کی اور عمارتیں

دو گنبد (۱) اندر سے ۱۴ فٹ ۹ انچ مربع۔ چاروں طرف چار دروازے۔ محراب ۸ فٹ ۹ انچ بلند ۲ فٹ ۵ انچ چوڑی۔ قبر ندارد۔ فرش حال میں سنگ خارا کی سلوں کا کیا گیا ہے۔

(۲) اور دوسرے مقبرے کی سیدھ میں مشرق کی طرف۔ دونوں گنبدوں میں (۳۵) قدم کا فصل ہے۔ ۱۴ فٹ ۹ انچ مربع۔ محراب ۸ فٹ ۳ انچ بلند ۲ فٹ ۱/۲ چوڑی۔ مشرق مغرب کے در کھلے ہیں۔ دو طرف سے بند۔ قبر باقی نہیں۔ فرش سنگ خارا کی سلوں کا زمانہ حال کا ہے۔ اس مقبرے کے سامنے ۲۱×۲۱ فٹ کا صحن ہے جس کی دونوں جانب ۲۲ فٹ × ۹ فٹ سہ دریاں ہیں جن کے در ۱۰ فٹ بلند اور ۲ فٹ ۱/۲ چوڑے ہیں۔ سہ دریوں میں ایک ایک قبلی کوٹھری بھی ہے۔ مغرب کی طرف گنبد اور سہ دریوں پر جانے کا (۱۳) سیڑھیوں کا زینہ ہے۔ سہ دریوں کے سامنے چوڑا چبوترہ سنگ خارا کی سلوں کا تھا جو اکثر جگہ سے گر گیا۔

مدرسے کے مکانات ان دونوں گنبدوں کے شمال میں ۱۲۵ فٹ لمبا قطع مکانات کا ہے جس میں کا ۲۵ فٹ کا حصہ گر گیا ہے۔ اس لمبان کے وسط میں ایک گنبد ہے۔ گنبد کے دو طرفہ نیچے اترنے کا زینہ ہے جس میں سے تالاب میں اتر جاتے ہیں یہی حوض خاص ہے۔ گنبد کے تین دروازے ہیں شمال کی طرف ایک شہ نشین ہے جس سے تالاب کا نظارہ ہوتا ہے۔ یہ گنبد ۹ فٹ ۱/۲ مربع ہے۔ فرش اکھڑ گیا۔ سطحی نقشہ یہ ہے:



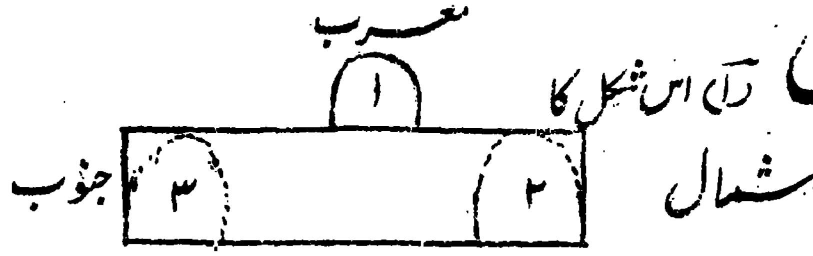
مقبرے کے شمال میں بھی اسی قسم کا بلاک مدرسہ کی عمارت کا ہے اور اس طرح اب وہ ملا گئے ہیں۔ بالجملہ دونوں بلاک ملا کر بہت وسیع عمارت ہے جس میں کشادہ دالان سہ درے اور حجرے ہیں جو ایک بڑے کالج کے لیئے بالکل مکتفی ہو سکتے ہیں۔

فیروز شاہ کے مقبرے کے شرقی جانب کے برج

(۱) ہشت درہ ہشت پہلو برج جس کا ایک ضلع ۱۲ فٹ ۹ انچ ہے۔ (۲) اسی لین میں اس کا جواب دوسرا برج۔ (۳) ایک شکستہ لداوی کوٹھڑی برج نمبر (۱) کے پاس۔ (۴) ہشت درہ برج دہرے دروں کا۔ ایک ضلع ۱۱ فٹ ۳ انچ۔ (۵) ہشت پہل برج۔ ایک ضلع ۱۱ فٹ ۳ انچ۔ اس میں سنگ سرخ کے تعویذ کی ایک قبر زمین کے برابر ہے (۶) بارہ کھمبا (۲۴ فٹ ۲۴) مربع جس کے بیچ میں ایک قبر زمین کے برابر ہے۔

دو دالان

(۱) اس شکل کا



یہ عمارت ۸۰ فٹ × ۲۶ فٹ سنگ خارا کی بالکل صحیح سلامت ہے۔ لمبان میں گیارہ اور چوڑان میں تین در ہیں۔ دونوں سروں پر دو گنبد۔ گنبد نمبر (۱) ۳۰ فٹ ½ × ۲۳ فٹ ۹ انچ۔ گنبد نمبر ا کے سامنے بالکل تالاب کے کنارے ایک دو منزلہ نہایت وسیع اور مرتفع دالان ۱۷۰ فٹ × ۳۰ فٹ ہے۔ اس کے دونوں سروں پر بھی گنبد تھے۔ شمال کی طرف کا برج نصف گر گیا اور جنوب کی طرف صرف دو دروں سمیت ایک پاکھا کھڑا ہے چھت نام کو نہ رہی۔ تحتانی حصہ طولاً نصف گر گیا اور نصف باقی ہے عجب نہیں جل محل یہی ہو اور یوں تو جتنی عمارتیں ہیں سب تالاب کے کنارے ہیں اور سب ہی کا ایک رخ تالاب کی طرف ہے جسے چاہو جل محل کہہ لو۔

تالاب کے کنارے کی مسجد

یہ مسجد عمارات ملحقہ کی شان و شوکت کے لحاظ سے بہت بڑی اور مشتین بنائی گئی ہے۔ صدر دالان ۵۶ × ۱۰ فٹ ½ ہے۔ دائیں بائیں دو سہ دالان ہیں۔ داہنی طرف کا دالان گر گیا۔

دالان ۳ فٹ ۳ × ۶ فٹ ۴ آ ہیں۔ مسجد پانچ در کی ہے اور دو دو در بغلی دالانوں کے ملا لیں تو نو دری سمجھو۔ موجودہ صحن مسجد کا ۱۱ گز مربع ہے جس کے بیچ میں ایک پرانا درخت نیم کا اور دو قبریں سنگ سرخ کے تعویذوں کی ہیں۔ اس صحن کے علاوہ مسجد کے گرد ایک وسیع پختہ احاطہ بھی ہے۔ مسجد کے صحن میں ایک حوض بھی ہے جس میں مٹی بھری ہوئی ہے جو ۹ فٹ ۳ مربع ہے۔ مسجد کی چھپت کی دیواریں تالاب کے رخ پر تین سنگ سرخ کی نشستیں رکھی گئی ہیں۔ بیچ کی نشستین بڑی ہے اور ادھر ادھر کی چھوٹی۔

نگینہ گمٹی

حوض خاص سے ہم موضع منیر کہ کو چلے جو کوئی ڈیڑھ میل جگہ ہے۔ فیروز شاہ کے مقبرے کے مغرب میں حوض خاص کے کنارے ایک ٹیلے پر ایک برجی کھڑی ہوئی ہے جسے لوگ نگینہ گمٹی کہتے ہیں۔ یہ ایک ششش دری برجی ہے جس کا ایک ضلع ۵ فٹ ۶ کا ہے۔ قبر نہیں ہے۔ گرد کا چبوترا شکستہ ہوگیا۔ ایک خشک کنواں بھی چبوترے پر ہے۔ اس سے ذرا آگے بڑھ کر ایک وسیع اور پختہ چار دیواری کے اندر بہت سی قبریں ہیں۔

بجلی خاں کا گنبد

منیر کہ جاتے وقت داہنے ہاتھ کی طرف ایک بلند ٹیلے پر جو گنبد ہے وہ بالعموم بجلی خاں سے منسوب کیا جاتا ہے مگر فنا کے اندھیرے گھپ کے سامنے بجلی کی کوند بھی کچھ روشنی نہیں ڈالتی۔ گمنامی کی ایسی گہری تاریکی چھائی ہوئی ہے کہ ٹٹولنے سے بھی رستہ نہیں ملتا۔ یہ مقبرہ اندر سے ۱۱ گز مربع ہے۔ سارا پلاستر اندر باہر کا گر پڑا کہیں کہیں کچھ ٹکڑا لگا رہ گیا ہے۔ ایک ہی لین میں چار قبریں سنگ بیچ کی ہیں ایک قبر سب میں بڑی اور اچھی حالت میں ہے ان بجھو سے کو سمجھ لو کہ یہی بجلی خاں کی ہے۔ باقی شکستہ ہیں۔ تین طرف کے در کھلے ہوئے ہیں۔ شرقی جانب کا بند کر دیا گیا ہے۔ (۱۸) سیڑھیوں کا زینہ اوپر چڑھنے کو ہے۔ چوں کہ اس نواح میں سارے گنبد فیروز شاہ کے عہد کے پٹھان امرا کے ہیں ہو نہ ہو بجلی خاں ان میں کے ایک ہوں گے۔ اس مقبرے کے مغرب میں ایک اور چھوٹی سی گمزی ۱۸ فٹ مربع ہے جس میں ایک ٹوٹی پھوٹی قبر بھی ہے مگر جب سامنے بڑے گنبد کا کچھ حال نہ کھلا تو یہ گمزی کس شمار قطار میں ہے۔

چھوٹا گنبد بجلی خان کے گنبد کے پاس ہی اس نام کا ایک ادھ بنا گنبد ہے۔ جس کو دیکھنے سے تو چھوٹے کا نام غلط معلوم دیتا ہے بلکہ بات یہ ہے کہ سارے کا سارا بن گیا صرف قبہ بننا باقی رہ گیا۔ چھت کا نہ نشان ہے نہ چھت کا کوئی گرا پڑا حصہ ہے خدا جانے کیا اتفاق پیش آیا کہ بنتے بنتے رہ گیا۔ یہ اندر سے ۳۳ فٹ مربع ہے۔ قبر نہیں ہے۔

حاجی لنگیا کا مقبرہ اور مسجد حاجی صاحب کا اصل نام کیا تھا معلوم نہیں مگر اب تو گاؤں والے اسی نام سے پکارتے ہیں۔ گو یہ گنبد اور اس سے اگلا دونوں موضع حوض خاص کی حدود میں ہی ہیں مگر موضع منیرکہ سے قریب ہیں ۳۰ فٹ مربع ایک گنبد ہے اندر پولیاں بھری ہوئی ہیں خبر نہیں کہ قبر ہے یا نہیں۔ مشرق اور شمال میں ایک ایک دروازہ ہے۔ سامنے ایک پانچ دری پختہ مسجد ہے جس میں کے دو در گر گئے مسجد کا دالان ۸۵ فٹ × ۹ ہے۔ صحن مسجد ۱۰۰ × ۸۵ فٹ ہے۔ اسی کے کنارے مقبرہ ہے۔

ایک گمزی اوپر والے گنبد کے شمال مغرب کے کونے میں ایک گمزی ۱۴ فٹ مربع کھڑی ہے۔ بیچ میں قبر کا صرف گڑھا رہ گیا ہے اور گمزی کا قبہ بھی بالکل کھنڈر گیا ہے۔ چوں کہ یہ گمزی اوپر والے مقبرے کے پاس یعنی اس کے احاطے میں ہے قیاس یہ چاہتا ہے کہ بڑے گنبد والے صاحب کے یہ کوئی متوسل ہوں گے ہم کو نہ آقا کا پتہ ملا نہ متوسل کا۔

موضع منیرکہ کے حدود کے گنبد

قنائی مسجد گاؤں سے دور سے کوئی دو گولی کے ٹپے پہ اوپر والے گنبد کے مغرب میں ساٹھ فیٹ مربع قناتی مسجد ہے۔ چبوترے پہ بہت سی قبریں اور بیچ میں ایک پرانا نیم کا درخت کھڑا ہے چبوترے کے گرد منڈیر اور چاروں کونوں پر گول نیل پائے بنے ہوئے ہیں چبوترے کی دیواریں چو طرف طاق طاق بنے ہوئے ہیں پچھیت کی دیواریں بیش طاق کے پیچھے ایک بڑا طاق اور ادھر ادھر تین تین چھوٹے طاق اس طرح کل صاف طاق ہیں۔ بہت پرانی عمارت معلوم دیتی ہے۔ سارا چبوترا جھاڑی اور کانٹی سے ڈھک گیا ہے۔

موضع منیرکہ کے کئی گنبد

منیر خاں اور وزیر خاں فیروز شاہ کے زمانے کے دو امرا تھے کہتے ہیں کہ دونوں بھائی بھائی تھے۔ انہوں نے دو گاؤں بسائے تھے جو انھیں کے نام سے مشہور ہیں۔ منیر خاں کا منیر کھاں ہوا جو کثرت استعمال سے منیرکہ ہو گیا اور امیر خاں کا گاؤں امیرکہ کہلانے لگا۔ امیرکہ کی بستی کا تو اب پتہ بھی نہیں رہا ہاں منیرکہ موجود ہے۔ منیر خاں کی نسبت کہتے ہیں کہ شکار کا بہت شوق تھا اور چیتے پالا کرتے تھے۔ دونوں بھائیوں نے دونوں گاؤں جاٹوں کے ہاتھ فروخت کر ڈالے۔ اس بستی کے متصل تو صرف دو گنبد ہیں ایک تو بالکل بستی کے اندر ہے اور دوسرا بستی کے باہر۔ پہلے گنبد سے کوئی ہزار قدم پر۔ دونوں گنبدوں کو لوگ منیر خاں ہی کا بتلاتے ہیں لیکن میرے خیال میں بستی کے اندر والا گنبد کسی اور کا ہوگا رہا باہر والا گنبد وہ بہت عالی شان ہے اور قیاس یہ چاہتا ہے کہ وہی منیر خاں کا ہوگا۔

بستی کا اندر والا گنبد

(۱) ادھر ادھر دو دو لداؤ ‌محرابیں ہے امربع۔ بہت خراب و خستہ حالت میں ہے بیچ میں ایک قبر ہے وہ بھی خام جس پر گاؤں والے اُپلے تھاپتے ہیں۔ اس گنبد کے شمال میں دو کوٹھریاں ہیں وہ بھی گنبد کی طرح بوسیدہ ہیں۔

(۲) بستی کے باہر اوپر والے گنبد سے کوئی ہزار قدم کے فصل سے ایک بہت بلند ٹیلے پر (۲۵) سیڑھیاں چڑھ کر یہ گنبد (۳۰ فٹ) مربع ہے جس کے دو دروازے ہیں۔ چاروں کونوں پر چار برجیاں ہیں اور دونوں دروازوں پر دو دو۔ اس میں تین قبریں سنگ سرخ کی ہیں۔ چوں کہ یہ گنبد بہت بلند ٹیلے پر بنا ہوا ہے اور خود بھی اونچی عمارت ہے دور دور سے دکھلائی دیتا ہے۔ ہو نہ ہو یہی منیر خاں کا گنبد ہوگا۔

مراد آباد پہاڑی کے چار گنبد

منیرکے سے مغرب رُخ پر کوئی ایک میل کے فصل پر ایک بڑا گنبد ہے جو بارلا گنبد کے نام سے مشہور ہے۔ اس کے آگے ایک اور گنبد ہے مگر چھوٹا جو باجنا گنبد کہلاتا ہے۔ اور آگے بڑھو تو پہاڑی پر دو گنبد اور ہیں ایک بڑا اور ایک چھوٹا۔ یہ چاروں گنبد کن کے ہیں معلوم نہیں۔ پہلے مراد آباد پہاڑی کوئی گاؤں تھا اب اس کا وجود نہیں ہے

اب تو یہ چاروں گنبد موضع منیر کے کی ہی حدود میں ہیں۔

وزیرکے کے مقبروں کا گروپ منیر کے سے دوگولی کے ٹپ پر پانچ مقبرے برابر برابر ہیں۔ (۱) گمزی ۲۰ فٹ مربع (۲) وزیر خاں کا مقبرہ جو سب میں بڑا اور عالی شان ہی ۴۶ فٹ مربع۔ اندر ٹھا ٹھس پولیاں بھری ہوئی ہیں کہتے ہیں کہ اس میں سنگ سرخ کی ایک قبر ہی۔ (۳ و ۴) دونوں ایک ہی طرز کے ۲۶ فٹ مربع گنبد نمبر ۴ میں ایک چونے کی قبر ہی۔ منیر خاں کے گنبد نمبر ۲ کے سامنے ایک گمزی نمبر (۵) ۱۵ فٹ ہی۔ یہ گمزی معلوم ہوتا ہی کہ بعد میں بنائی گئی ہی کیونکہ ایسی بے موقع منیر خاں کے مقبرے کی دیوار میں گھسا کر بنائی ہی کہ اس کے ہیٹ کو عیب لگا دیا اور بالکل آڑ ہوگئی۔ مقبروں کی اس لین کے محاذی بجانب جنوب ایک بہت بڑی اور عمیق مستطیل باؤلی ہی جو بالکل دھ گئی ہی۔ باؤلی کے عرض میں ادھر اُدھر دو برجیاں ہیں جن کے بیچ میں کنواں ہی اور ادھر ہی ایک سہ دری بھی بنی ہوئی ہی۔

دوقنائی مسجدیں منیر کہ اور امیر خاں کے گنبد کے درمیانی میدان میں بائیں ہاتھ کی طرف تھوڑے تھوڑے فصل سے کھیتوں میں دو قنائی مسجدیں ہیں جن میں کوئی خاص بات نہیں۔

موضع محمد پور کے تین مقبرے

محمد خاں کا مقبرہ (۱) منیر کے سے کوئی میل بھر اور منیر خاں کے گنبد سے نصف میل پر محمد پور نام کا ایک چھوٹا سا گاؤں ہی۔ جس کی نسبت سرسید نے لکھا ہی کہ "اس موضع میں ایک مقبرہ ہی جس کی نسبت معلوم نہیں ہوتا کہ کس کا ہی،، ؎

سرا رِ گزشتہ کا ڈھونڈیے گر ذوق تمام عمر گزر جائے جستجو کرتے

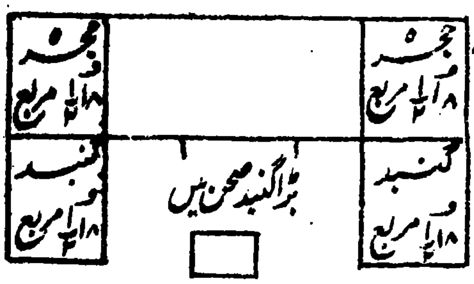
میں اس عرض کرنے کی معافی چاہتا ہوں کہ میرے خیال میں سرسید نے اس مقام کو دیکھا نہیں اور سنی سنائی بات پر یہ مختصر سا فقرہ لکھ دیا ورنہ اس عمارت کی

حشمت وشان اس بات کی متقاضی نہ تھی کہ یوں سرسری طور پر ایسی گراں ڈیل شاہانہ عمارت کا ذکر کیا جاتا موضع محمد پور یا محمد[۱] شاہ بادشاہ کے نام پر آباد ہے یا کوئی محمد خاں اس کے بانی ہوں گے۔ پہلی صورت میں یہ شاہی عمارت ہوگی اور دوسری صورت میں محمد خاں کی اگر شق آخر اختیار کی جائے تو محمد خاں بھی سنبر خاں اور امیر خاں کے جوڑی دار اور ہم عصر ہوں گے۔ بہرحال یہ خیالی تکے ہیں کوئی دل ٹھکتی اور ٹھکانے کی بات ہمارے ہاتھ نہیں لگی۔ مجھے اس عمارت کو مقبرہ کہنے ہی میں تامل ہے۔ اگر مقبرہ لغوی معنوں میں لیا جائے یعنی ہر وہ جائے کہ جہاں قبر ہو تو صحیح ہے اور اگر مترادف معنوں میں لیا جائے تو یقیناً غلط ہے۔ کیوں کہ اس عمارت کی صورت کبھی مقبرے کی نہیں ہے۔ صدہا مقبرے ہماری نظر سے گزرے سب ایک ہی وضع قطع کے ہیں کہ یا مربع ہیں یا ہشت پہل۔ چار طرف چار در اور پر گنبد مگر یہ کیسا مقبرہ ہے جو مسلسل ۱۶۲ فٹ تک چلا گیا ہے۔ میرے خیال ناقص میں تو یہ تین در کی مسجد ہے ۱۶۲×۶۰ فٹ۔ تین بڑے بھاری در ہیں ۲۹ فٹ چوڑے۔ اس عمارت کے تین گنبد ہیں بیچ کا بڑا ادھر ادھر کے چھوٹے۔ اس طرح تین قطعے ہیں ۱/۲ ۴۴ فٹ مربع۔ بیچ کے گنبد میں دو قبریں ہیں وہ بھی شکستہ۔ کتبہ کوئی ہے نہیں جس سے کچھ پتہ چل سکے۔ سیدھے ہاتھ کی طرف کے پہلے قطعہ کی چھت کی دیوار میں اوپر دار ایک سنگ باسی کا ٹکڑا کہیں کا لاکر چن دیا ہے جو کسی دہلیز کا ٹکڑا معلوم دیتا ہے جس پر بسم اللہ اور کچھ آیت لکھی ہوئی ہے جو صاف پڑھی نہیں جاتی یہ پتھر بہت

۱ اس نام کے کئی بادشاہ مختلف خاندانوں میں ہوئے ہیں (۱) محمد بن تغلق (۱۳۲۰–۴۴ء)۔ ناصر الدین محمد شاہ بن فیروز شاہ تغلق (۹۲–۱۳۸۹ء)۔ خاندان سادات میں محمد شاہ بن فرید خاں بن خضر خاں (۱۴۴۳ء) سلاطین مغلیہ کے آخری زمانے کے محمد شاہ (۴۸–۱۷۱۹ء) آخر الذکر تو رنگیلے ہی مشہور تھے وہ تو اتنی بڑی عمارت کیا بنواتے اور پھر عمارت ٹھیری بہت پرانی یوں بھی ان سے منسوب نہیں کی جا سکتی نہ اتنی پرانی اور اس طرز کی ہے کہ محمد شاہ تغلق کی سمجھی جا سکے نہ اس کا طرز خاندان سادات کے بادشاہوں کی عمارتوں کا سا ہے لے دے کے دل اگر ٹھکتا ہے تو اسی پر کہ محمد شاہ بن فیروز شاہ نے یہ مسجد بنوائی ہوگی اور اسی کے نام پر یہ گاؤں آباد ہے یہ میری ذاتی رائے عمارت کے طرز و انداز پر سے ہے ورنہ خدا معلوم حقیقت نفس الامر کیا ہے۔ ۱۲ من المصنف

بلندی پر ہو کوئی ڈیڑھ فٹ لمبا اور چھ انچ چوڑا ہوگا پس یہ اس عمارت کے کوئی کتبہ نہیں ہو سکتا نہ وہ جگہ جہاں یہ لگایا گیا ہو کتبہ کی ہے۔ اس عمارت کی بلندی اٹھ ہے اور (۴۹) سیڑھیوں کا زینہ ہے۔ عمارت کے فرش میں سنگ خارا کی سلوں کا چوڑا چھجہ تھا یہ سلیں بہت سی گر گئیں ایک آدھ رہ گئی ہے البتہ سنگ سرخ کے توڑے باقی ہیں۔ عمارت کی حالت سے معلوم ہوتا ہے کہ گاؤں والے اس میں فراغت سے رہتے تھے کیوں کہ اندر تمام انھوں نے خام دیواریں اٹھا اٹھا کر گھروندے بنا لیے ہیں۔ فرش باقی نہیں رہا۔ مویشی باندھ باندھ کر سارے گڑھے ڈال دیے ہیں۔ ایسی نفیس عمارت کو اس درجے برباد کرنے کے بعد اب شاید خالی کرا لیا گیا ہے کیوں کہ اس میں اب کوئی رہتا نہیں۔ صحن مسجد کا باقی نہیں رہا لوگوں نے مسجد کے اندر تک اپنے مکانوں کو بڑھا دیا ہے اور ایسا گھیر لیا ہے کہ جب تک ان کے مکانوں میں سے نہ گزرو مسجد میں پہنچ نہیں سکتے اور یہ سارے مکانات جب کہ کوئی پرسان حال نہ رہا بعد میں بنائے گئے ہیں جو تمام تر جاٹوں کے گھر ہیں۔

گاؤں کے اندر ایک اور گنبد اور مسجد عین آبادی میں یہ چھوٹا سا ۱۲ فٹ مربع گنبد ہے اسی کے پاس ایک سہ دری قبلی مسجد ہے۔ گنبد میں دو قبریں ہیں ایک پتھر کی ایک چونے کی۔ گاؤں والوں نے پولیاں بھر رکھی ہیں کہ اندر جا نہیں سکتے۔ خانۂ خدا کو دیکھئے اور اس بے حرمتی کو! شکل یہ ہے:—



سہ دری مسجد۔ دونوں طرف دو حجرے سامنے دو حجرے جن پر گمزیاں ہیں۔ صحن میں ایک بڑا گنبد۔ مسجد کی چھت سطح ہے۔

ایک اور گنبد بستی کے کنارے ۲۰ فٹ ½ مربع ہے۔ تین دروازے مغرب کی طرف بند۔ اندر دو بہت بڑی نالی قبریں ہیں گچ کی مگر شکستہ۔ ایک قبر ۲ فٹ ۲ انچ × ۳ فٹ ۵ اور ۳ فٹ ۳ انچ اونچی ہے اور دوسری قبر اس سے ذرا چھوٹی ہے۔

برجی نجلی خاں کے مقبرے اور محمد پور کی بستی کے کھیتوں میں ایک چھوٹی سی برجی ہے۔

ل پور کا مقبرہ محمد پور سے کوئی دو فرلانگ پر ہاپل پور کی بستی ہے۔ پہلے اس گاؤں کے گرد فصیل تھی جس کا تھوڑا سا حصہ اور ایک کمرے کا برج باقی رہ گیا ہے۔ یہاں بھی بستی سے ملا ہوا ایک گنبد ہشت مربع شکستہ حالت میں ہے۔ اس میں بھی اوپلیاں بھری ہوئی ہیں۔ قبر کا حال معلوم نہیں۔ اب ہم اپنا چکر ختم کر کے پھر حوض خاص کے سامنے آگئے اور یہاں سے تارق خان کے گنبد کے پیچھے ہوتے ہوئے کھریڑے جا پہنچے۔

موضع کھریڑہ قطب روڈ کے آٹھویں میل کے پانچویں اور چھٹے فرلانگ کے درمیان دلی سے جاتے وقت سڑک سے ملا ہوا فصیل سے محصور جو گاؤں ہے وہ کھریڑا ہے اور سڑک کی دوسری طرف سڑک سے ہٹا ہوا حوض خاص۔ فصیل اب جابجا سے گر پڑی ہے۔ اس وقت تو اس گاؤں میں مشکل سے ایک درجن گھر ہوں گے وہ بھی اُن لوگوں کے جو کہ بضرورت زراعت یہاں رہ پڑے ہیں مگر یہاں کی دو مسجدوں اور عیدگاہ کے لحاظ سے کسی زمانے میں یہ گنجان بستی رہی ہوگی اس موضع میں دو مسجدیں ہیں ایک حصے کے اندر ایک باہر

مسجد اندر والی مسجد قدیم زمانے کی ہے جس کی مرمت دلی والے حاجی محمد اسحاق صاحب پنجابی نے کرواکر درست کرا دیا ہے۔ پہلے اس کا صحن زیادہ وسیع تھا اب بقدر ضرورت ۴۴×۲۲ رقبہ گھیر کر ۴ فٹ اونچی دیوار اٹھا دی ہے۔ مسجد تین در کی ہے۔ محراب کی اونچائی ۹ فٹ اور چوڑان ۸ فٹ۔ بلندی مسجد کی ۲۵ فٹ اوپر چڑھنے کی زینے کی دو ۱۹۵ سیڑھیاں ہیں دالان اکہرا ۴۴×۱۶ فٹ ہے۔ بیچ کے در پر گنبد ہے اور ادھر اُدھر قلمدانی نمالداوی چھت۔ ممبر تین سیڑھیوں کا ہے۔ سنگ سرخ کے قبلہ رُخ نمادار ہیں۔ مسجد کے سامنے چوڑا چھجہ تھا چھجہ تو گر گیا توڑے باقی ہیں۔ فرش دالان اور صحن مسجد بھاٹی کا ہے۔ چار دلیا کو نوک پہ چار برجیاں اور درمیانی محراب کے دو طرفہ ایک ایک برجی۔ شمال میں ایک چھوٹا سا دروازہ ہے جس کے سامنے کنواں۔ مسجد کے روکار پر بہت سے چھوٹے چھوٹے طاق بنے ہوئے ہیں۔ آیات قرآنی کے کتبے تو بہت سے تھے لیکن نااہلوں کے پنجے میں پڑ کر سب سفیدی اور ندونٹی لیپ لیپ کر سب غارت کر دیئے اُن میں تمام سفیدی بھری ہے الفاظ کی تمیز نہیں ہو سکتی۔ چھت کا پلاستر جابجا سے جھڑ گیا ہے۔ داہنی طرف کی سنگ سرخ کی چھوٹی محراب پر کلمہ اور درود شریف۔ بائیں طرف کی چھوٹی محراب پر بسم اللہ۔ بلندی تعالیٰ شانہ

اور سبحان اللہ۔ جو بی قلمدان نما میں اللھم مالک الملک توتی الملک من تشاء تلیدک الخیر
دوسری طرف کلمہ اور کوئی آیت ہے جو صاف نہیں پڑھی جاتی غالباً اقرا ہے۔ گنبد کے دائرے
میں اسمائے حسنیٰ۔ شمال کی طرف۔ بسم اللہ۔ الحامد۔ المجیب۔ العالم۔ العا بلا۔
الظاهر۔ الباطن۔ الحفیظ۔ الحلیم۔ لیس کمثلہ شئ وھو السمیع البصیر۔
دوسری سطر۔ بسم اللہ۔ الملک۔ القدوس۔ السلام۔ المومن۔ العزیز۔
الجبار۔ المتکبر۔ تیسری سطر۔ قل ھو اللہ۔ کلمہ۔ چوتھی سطر۔ بسم اللہ۔ قل اعوذ
برب الفلق۔ چھوٹی محراب پر (۱) بسم اللہ۔ الحمد للہ الذی خلق السموات
والارض۔ الخ (۲) اللھم مالک الملک توتی الملک من تشاء تایدک الخیر۔

دروازہ فصیل عالی شان صدر دروازہ مشرق میں موضع شاہ پور کی طرف
ہے۔ جس کا ردکار سنگ سرخ کا ہے ۲۰ فٹ بلند۔ چھ فیٹ چوڑا۔
بغلی میں دو طرفہ سہ دری۔ باہر نکلئے تو ایک اور مسجد ہے۔

نیلی مسجد سہ دری۔ دالان ۱۴ء ۴۴ ۔ ۲۔ محراب ۱۰۔ ۲ اونچی۔
۸ چوڑی بیچ کی محراب کے اوپر سنگ مرمر کی شفاف سل پر بہت ہی خط نسخ
کا خوش خط کتبہ لگا ہوا ہے۔ بس یہی ایک چیز اس مسجد میں دیکھنے کی ہے ورنہ یہ مسجد اب
مویشیوں کا کوٹھا ہے کہ دالان اور صحن سب گوبر سے ایسا بھرا ہوا ہے کہ قدم دھرنا بھی
مشکل ہے۔ کتبہ کچھ ایسا پٹیوال ہے کہ دو دن کی کوشش میں بھی پورا نہیں پڑھا گیا مگر جتنا
پڑھ لیا گیا ہے اُس سے بانی کا نام اور سال بنا تو نکل آیا یہ بھی غنیمت ہے۔

کتبہ پنج سطری۔ بسم اللہ الرحمن الرحیم۔ بناء ھذا المسجد المتین در عہد سلطان
السلاطین ظل اللہ فی الارضین ✕ المتوکل علی الرحمن سکندر شاہ بن بہلول شاہ
خلد اللہ ملکہ وسلطانہ واظہر کل ... برہانہ لعجل ... شھر داد خان اعظم مسند عالی
خواصخان دام عالیا بانیہ عمارۃ الملک نورۃ حنفیہ ... الذی رحمۃ اللہ المالک لمناج
... خانزادۂ اعظم و مکرم میاں فتحخان بن خواصخان الثانی من ماہ
ربیع الاول سنہ احدی عشر وتسعمائہ بکہ در این مسجد در آید برائے
عبادۃ ... علی اھل الایمان بانیہ ... ثم این فتحخان ... کاتب
حروف ... اول محمد۔

عیدگاہ

آٹھ میل چھ فرلانگ پر قطب روڈ کی بائیں طرف۔ طول وعرض ۱۴۰×۱۴۱ فٹ
بلندی دیوار (۲۰ فٹ) پانچ پانچ دیوار دوز محرابیں ادھر اُدھر بیچ میں
صدر محراب اسی کے پاس (۱۳) سیڑھیوں کا زینہ۔ کنگورے دار دیوار۔ دونوں
سروں پر دو ہشت پہل برجیاں جن کا قطر (۷ فٹ) ہے۔ دیوار بھی مخدوش حالت میں ہے
اور برجیاں تو کھنڈر ہو گئیں مگر ابھی قبہ قائم ہے۔ بائیں ہاتھ کی طرف کی برجی کے پاس
سنگ سرخ کی سل پر ایک ہفت سطری کتبہ ہے۔ جو کسی طرح پڑھا نہیں جاتا اول تو
کچھ تو دوسرے لونی لگ کر حروف مندرس کائی جم کر حروف کی اصلی صورت
باقی نہیں رہی اور سب سے بڑھ کر اناڑیوں نے چربے اُتار اُتار کول تار اور
سفیدی لگا لگا کر اور غارت کیا۔ افسوس ہے کہ ہماری کئی دن کی کوشش بیکار گئی
دھلوایا صاف کرایا سیڑھی لگا کر چڑھے مگر نہ پڑھا جانا تھا نہ پڑھا گیا مجھ سے جو
پڑھا گیا وہ لکھتے ہوئے بھی شرم آتی ہے کہ اگر چیدہ چیدہ لفظ نکال لیے تو اس
کا شمار پڑھے جانے میں نہیں ہے۔

(۱) بسم اللہ الرحمن الرحیم چون قبل از سوم ... دار الملک دھلی وبلاد الملک
از شہر مغل ملا عید در بہار الکفر۔

(۲) سلطنت غوری .... ابی داود مسلمین و اسید المساجد والمقلد ... خلد اللہ

(۳) .... درگاہ را بانی اقبال خاں عرف ....

(۴) .... السلطان واقبال مسند عالی الملک فی ......

(۵) ....

(۶) ...... خاص بنا فرمودہ تا ... مسلمانان لفضل او۔

(۷) ....

اب اس عیدگاہ کی یہ گت بنی ہے کہ سارا چبوترا جوت ڈالا سنگ جلا کر دیوار کو بھی کھود کر پھینک دیتے ہیں۔ عیدگاہ کے پیچھے چبوترے کے سامنے دور دور سڑک کے لیے کنکر نکال کر کنکر کی کان بنا دیا۔ کتبے میں جو اقبال خاں کا نام ہے اس کا عرف ملو خاں پٹھان تھا جو سنہ ۸۰۰ھ میں فیروزآباد پر قابض ہو گیا تھا اس حساب سے یہ عیدگاہ سنہ مذکور کی بنی ہوئی معلوم ہوتی ہے۔

عیدگاہ کے پیچھے کی دو عمارتیں

(۱) اس گری پڑی جگہ کو مکان سمجھ لو یا کوئی خانقاہی سمجھو۔ مگر عیدگاہ کے احاطہ

پاس مسجد کے بنانے کا کوئی موقع نہیں شاید کوئی بڑا محل ہوگا۔ اس کی پچھیت کی دیوار ۹۶ فٹ لمبی چلی گئی ہے جو بیچ میں سے گر بھی پڑی ہے۔ یہ مستطیل عمارت ہے ایک سمت پر ایک حجرہ اور زینہ موجود ہے دوسری طرف کی صرف ایک محراب کھڑی رہ گئی ہے اور بس۔

(۲) اوپر والی عمارت کی سیدھ میں ایک ۱۲ فٹ مربع گنبد ہے جس کے اندر گچ کی ایک بڑی قبر ہے۔ گنبد سے لگا ہوا ایک طرف کو ایک پختہ چبوترا ۲۶ فٹ مربع ہے جس پر ایک نیم کا درخت ہے جس کے نیچے تین پختہ قبریں ہیں۔

ایک برج اور قناتی مسجد

(۱) عیدگاہ سے جنوب میں وہیں قریب کے قریب کھیت میں ایک گول نور کھڑا ہے اُسے برج کہئیے یا مینار۔ غرض و غایت اس کی کھیت کے بیچوں بیچ بنانے کی زمانۂ حال کی موقعی حالت سے تو کچھ سمجھ میں آتی نہیں۔ اس برج کا دور ۸۰ فٹ ہے جس چبوترے پر کھڑا ہے وہ (۲۷ فٹ) مربع اور ۷ فٹ اونچا ہے۔ اس پر جو برج ہے وہ ۲۷ فٹ اونچا ہے اور ۳۳ سیڑھیاں ہیں۔ اسی کے سامنے ۳۵ فٹ کے فصل سے مشرق کی طرف ایک قناتی مسجد ۲۵ فٹ لمبی ہے جس کی دیوار کا بہت سا حصہ گر گیا ہے۔ قرینہ یہ چاہتا ہے کہ اب جو چوطرف کھیت ہیں یہاں آبادی رہی ہوگی اور اس برج کے ساتھ کے اور برج بھی رہے ہوں گے۔

شاہ پور

موقع کھڑے کے مشرق رویہ صدر دروازے کے سامنے ایک میل کے اندر ہی اندر شاہ پور کا موضع ہے جو فی زمانناشاہ پور جٹ کہلاتا ہے۔ یہ موضع پہلے بہت آباد ہوگا جیسا کہ اس کی موجودہ ویران اور گری پڑی عمارتوں سے ظاہر ہے۔ شہر سیری کے حصار کے اندر یہ بھی تھا۔ یہاں کی مرتفع فصیل اور شاندار برجوں کے سبب سے جو درحقیقت سیری کی فصیل کے ہیں اس حصے کو شاہ پور کا قلعہ کہا جاتا ہے ورنہ اصل میں کوئی خاص قلعہ یہاں نہیں ہے۔ گاؤں میں داخل ہونے سے پہلے فصیل کا گرا پڑا حصہ اور کئی لوٹے پھوٹے اونچے نیچے برج ملتے ہیں بستی کے باہر ہی ایک بڑا بھاری گنبد ہے جسے گاؤں والے تخنے کا گنبد کہتے ہیں مگر غور

سے دیکھا تو یہ گنبد ایک وسیع مسجد کا سنٹرل ڈوم (بیچ کا گنبد) ہے جس کی حالت مخدوش ہونے سے سرکار کی طرف سے اس کی بہت کشادہ محراب میں دو دو فیل پائے بطور اڑواڑے کے لگا دیتے ہیں جس سے گرتا ہوا گنبد تھم گیا۔ مسجد کا یہ درمیانی حصہ اندر سے ۴۴ فٹ اور باہر سے ۴۳ فٹ مربع ہے ہم اس کو مسجد کا درمیانی حصہ اس وجہ سے کہتے ہیں کہ اس کے داہنے بائیں پاکھے کی دیواریں اب تک کھڑی ہیں ان دونوں پاکھوں کا درمیانی فصل ۱۱۰ فٹ ہے۔ صحن مسجد کا ۱۲۰ فٹ مربع ہے۔ بیچ کا در جس میں دو تھم لگا دیئے ہیں ۲۴ فٹ چوڑا ہے نیچے تو مربع ہے مگر اوپر جا کر گنبد ہشت پہل ہو گیا ہے۔ جنوب کی طرف اوپر کا زینہ تھا ادھر کی چھیل گر جانے سے اب اوپر جانے کا رستہ نہ رہا۔ بستی میں گھستے ہی ایک بہت لمبی اور اونچی دیوار کھڑی ہے جو استداد زمانے سے کالی پڑ گئی ہے کسی عالی شان محل کی پچھیت کی دیوار معلوم دیتی ہے۔ اس طرح کے گرے پڑے بہت سے مکان اس بستی میں ہیں۔ بستی کے اندر ایک قدیم عمارت **بارہ دری** کی ہے جو اب کھنڈر ہے اس کے باقی ماندہ حصے میں جاٹ وغیرہ نچلے لوگ رہتے ہیں۔ **تھانے والا گنبد** اس کا اصلی نام کچھ اور ہوگا اب کچھ دنوں تھانہ رہنے سے یہ نام پڑ گیا۔ بیچ میں ایک چپٹا گنبد ہے دونوں طرف در اور ایک ایک حجرہ ہے۔ جس کا طول و عرض ۴۳ × ۴۸ فٹ ہے محراب کی چوڑان ۱۱ فٹ ہے۔ بلندی عمارت کی ۱۳ فٹ اس کے گرد ایک خام مگر وسیع احاطہ کھینچ لیا ہے اور جاٹ لوگ رہتے اور اپنے مویشی باندھتے ہیں۔ اسی گنبد کے پچھواڑے سیری کی فصیل کا ایک بہت بڑا گول برج ہے جس کی منڈیر کنگورے دار ہے۔ برج اچھی حالت میں ہے مگر اوپر چڑھنے کا رستہ نہیں۔ اس برج کے دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ سیری کی فصیل معمولی فصیل نہ تھی بلکہ بڑے استحکام سے مناسب مناسب فصل سے عالیشان برج بنا کر بنائی گئی تھی۔ بستی کے باہر بجانب مغرب کھر پڑے کی عیدگاہ کے مشرق جانب ایک شکستہ مسجد ۴۲ × ۱۹ فٹ ہے چھت تو گر گئی صرف مغرب کی طرف کی دیوار ۱۰ فٹ اونچی کھڑی ہے گاؤں کے لوگ اس کے چبوترے پر گٹھی کاٹا کرتے ہیں۔

چوکھنڈی اور مسجد حضرت مخدوم سبزواری اسی موضع کی حدود میں واقع ہے چوکھنڈی کے ساتھ ایک سہ دری مسجد ہے جس کا والان ۵۸ × ۱۱ فٹ ہے۔ محراب ۱۲ فٹ اونچی گیارہ فیٹ چوڑی ہے۔ شمال جنوب میں بھی دو دو در ہیں ستون

۸ فٹ ۳ انچ اونچے ۔ چوڑان ۳ فٹ ۸ انچ ۔ بیٹھک ایک فٹ اونچی ۔ یہ بغلی دالان ۲۷×۱۱ فٹ ہیں جن میں دو دو حجرے ۱۰ فٹ مربع بھی بعد میں بڑھا گئے ہیں ایک مسجد کے رو کار پر چوڑا توڑے دار چھجہ ہے منبر اور اندر کا فرش باقی نہیں ۔ مسجد کے دالان کے بیچ میں ایک بڑا گنبد ہے اور ادھر اودھر ایک چھوٹا ۔ کلس گر گیا ہے ۔ بغلی دالانوں کے دو دو حجروں میں آخیر کے مشرقی حجرے میں سنگ سرخ کی جالیاں بھی لگی ہوئی ہیں اس طرح کی جالیاں بطور جواب اُس کے مقابل کے حجرے میں بھی ہوں گی لیکن اب نہیں ہیں ۔ بیچ کی محراب پر جو مغرب کی طرف ہے سبحان ربك رب العزة عما يصفون وسلام على المرسلين والحمد لله رب العالمين اور اس کے الا الله ما في السموات والارض اور کچھ آیت ہے جو برابر پڑھی نہیں جاتی ۔ مشرق کی طرف آیۃ الکرسی ہے باہر کے سب دروں پر دو طرفہ بیل کے اندر الله الله لکھا ہوا ہے ۔ صحن مسجد ۵۸×۴۳ فٹ ہے ۔ فرش باقی نہیں رہا ۔ مسجد کے صحن سے ملی ہوئی مشرق کی طرف چوکھنڈی ہے جس کا چبوترا ۲۹ فٹ مربع اور ایک فٹ اونچا ہے ۔ اصل چوکھنڈی ۱۷ فٹ ۳/۴ مربع ہے جس کے بیچ میں ۱۰ فٹ ۱/۴ مربع ۔ ۹ انچ اونچے چبوترے پر ایک شکستہ قبر ہے ۔ ۷ فٹ ۱/۲ × ۳ فٹ ۳ انچ ۔ ۹ انچ ۔ ۲ فٹ ۱/۲ اونچی ۔ چاروں طرف کے ملا کر بارہ در سنگ خارہ کے ہیں ۔ بیچ کے در کی چکلان ۵ فٹ ۔ ۴ انچ ہے اور بغلی دروں کی چوڑان ۳ فٹ ۔ ۴ انچ ۔ بلندی دروں کی ۸ فٹ ۔ ۴ انچ ۔ گرد چوڑا سنگین چھجہ ہے ۔ اندر سے چوکھنڈی ہشت پہل ہے ۔ چاروں طرف دروں میں سنگ سرخ کی جالیاں تھیں جن میں سے اب صرف شمال کی طرف ایک ہی جالی باقی رہ گئی ہے ۔ چوکھنڈی کے اندر تمام رنگین کام بہت کاریگری سے کیا تھا جس کا کچھ حصہ باقی ہے اور گنبد کے تعر میں اب بھی کثرت سے گلکاری کا حصہ باقی ہے ۔ گنبد کی چھت میں چھ حلقے بنا کر گیرو ی زمین پر سفید حروف کے یہ کتبے ہیں جو جا بجا سے جھڑ گئے ہیں ۔

(۱) بسم اللہ اور یسین شریف آخر میں وما ارسلناک الا رحمۃ للعالمین ۔

(۲) اللھم ادخل فی الجنۃ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔

(۳) پھول ۔ (۴) سورۂ الرحمن جس میں صرف بینھما برزخ لا یبغیان باقی ہے ۔

(۵) آیۃ الکرسی ۔ (۶) سب سے نیچے چوکھنڈی کے گرد نیلی رنگ سے بہت خوش خط بخط نسخ کچھ اشعار کندہ تھے جو سب رنگ اُڑ جانے سے ماند پڑ گئے ۔ پڑھے نہیں جاتے ۔ صرف مغرب کی طرف ایک مصرعہ ہے " نقشبند ازل بدست سجدہ گہ ساخت اتم

اور جنوب کی طرف صرف ایک نقطہ "رقیب" پڑھا جاتا ہی اور کچھ نہیں۔ خط بے نظیر ہی۔

بیگم پور کی عمارتیں

قطب رڑے سے میل بھر قطب روڈ کے بائیں طرف مگر سڑک سے ہٹا ہوا یہ گاؤں ہی اس میں یہی عمارتیں قابل الذکر ہیں۔

ہر دم خیالی کی درگاہ

گاؤں کے لوگ اسے کوٹ اور بعض صرف مقام اور چند لوگ ہر دم خیالی کی درگاہ کہتے ہیں غرض جتنے منہ اتنی باتیں۔ ہر دم خیالی محض خیالی نام ہی یا اس کی کچھ اصلیت بھی ہی ہمیں خبر نہیں۔ ایک اونچے ٹیلے پر گاؤں کے باہر ایک بہت بڑا ہال تین در اور تین گنبدوں کا بہت مستحکم سفید قسم کے سنگ خارا کا بنا ہوا ہی جو اندر سے ۴۲×۲۴ فٹ ہی اور دو رخہ ہی یعنی سامنے تین در اور پیچھے بھی تین در۔ ہال کی دونوں طرف ایک ایک بغلی حجرہ (۱۱ فٹ) مربع۔ باہر سے اس ہال کی لمبان مع ہی اور بھی حجروں کا سلسلہ تھا جو گر گئے چھت کی دیوار سے کل عمارت کی لمبان ۲۰۰ فٹ ہی۔ سامنے ایک وسیع چورس اور پختہ صحن ہی جس پر کئی پکی قبریں ہیں اور پیلو کے درخت ہیں۔ لوگ کہتے ہیں کہ یہ مکان لنگر خانے کا ہی پہلے یہاں تنور گڑے ہوئے تھے لیکن اب تو گاؤں کے مویشی بندھتے ہیں۔ غرض یہ ہال ہی بہت اچھا اور دیکھنے کے قابل ہی۔

بیگم پور کی مسجد
۷۸۹ھ ۱۳۸۷ء

بیگم پور کے گاؤں میں گھستے ہی بیچ منڈل کے پاس خان جہاں نے ۷۸۹ھ ۱۳۸۷ء میں یہ عالی شان اور بے نظیر نہایت وسیع مسجد بنوائی تھی جس کی وضع طرح بھی دلّی کی کلاں مسجد اور کھڑکی کی مسجد کی سی ہی فرق صرف اس قدر ہی کہ یہ ایک منزلہ ہی جو ایک وسیع چبوترے پر بنائی گئی ہی۔ یہ مسجد بھی پتھر چونے سے پختہ بنی ہوئی ہی اور عہد فیروز شاہی کے دوسری مسجدوں کی طرح امتداد زمانے سے بالکل کالی پڑ گئی ہی۔ اس کی شکل مستطیل ہی۔ شمال سے جنوب کو (۳۰۷ فٹ) اور مشرق سے مغرب کو (۲۹۵ فٹ) ہی اور چبوترا ملا کر (۱۳ فٹ) اونچی ہی۔ اس کے تین دروازے مشرق شمال اور جنوب میں ہیں۔ صدر دروازہ مشرق کی طرف ہی جس کے تین طرف پندرہ پندرہ سیڑھیاں ہیں۔ باقی دو دروازوں کی طرف کی سیڑھیاں یا تو مٹی میں دب گئیں

یا لوٹ پھوٹ گئیں۔ مشرقی اور جنوبی دروازے جو دیوار کے بیچ میں ہیں مسجد کی دیوار سے دس فٹ آگے بڑھے ہوئے ہیں اور مشرقی رُخ کا دروازہ جو صدر دروازہ ہی مشرقی دیوار سے (۳۰) فٹ کے فصل سے ہی۔ جس میں سے ایک درشہ اندروار کو ہی اور دو باہروار کو۔ مسجد کی چار دیواری کے باہر بازو کے دروازوں میں ایک ایک کمرہ (۲۲ فٹ) مربع ہی اور چار دیواری کے اندر ایک اور کمرہ (۲۵ فٹ) مربع ہی۔ مشرقی دروازے کی طرف کا بیرونی کمرہ (۲۵ فٹ) مربع ہی اور اندرونی کمرہ مستطیل (۲۵ فٹ) لمبا (۱۲ فٹ) چوڑا ہی۔ مسجد میں سنگ سرخ کا فرش[1] ہی۔ صحن مسجد طول میں شمال سے جنوب کو (۲۴۷ فٹ) ہی اور مشرق سے مغرب کو چوڑان میں (۲۲۳ فٹ) ہی۔ صحن کے اطراف محراب دار کوٹھریاں (۱۲ فٹ) اونچی ہیں۔ مشرق شمال اور جنوب رُخ کی کوٹھریاں ۱۶ فٹ چوڑی ہیں۔ باقی کی چوڑان مختلف طور پر ۹ فٹ سے (۱۲ فٹ) تک ہی۔ دروازوں کے دونوں جانب سات سات حجرے ہیں۔ مغربی رُخ کے حجرے تہرے ہیں اور محراب درمیانی کے دونوں جانب بھی سات سات حجرے ہیں اس طرح صحن کے ہر جانب کے حجرے بہ شمول دروازوں کے حجروں کے سب ملا کر (۵۸) ہیں۔ مغربی دیوار میں بلند محرابیں ہیں اصل مسجد بیچ کے حصے میں ہی جو (۳۰ فٹ) مربع ہی۔ مسجد کی چھت پر (۴۶) گنبد ہیں جن میں سے بڑے گنبد (۹ فٹ) اونچے ہیں اور ان کی وضع کھڑکی کی مسجد کی سی ہی۔ یہ مسجد جیسی کچھ بھاری بھر کم چوڑی چکلی مستحکم اور عالی شان تھی اور اپنی عظمت و شان کے لحاظ سے جس قدر مستحق قدر تھی اُتنی ہی خراب اور نکمی حالت میں ہی۔ بیگم پور کا سارے کا سارا گاؤں جاٹوں کا مع اُن کے مویشیوں کے اسی میں بستا ہی اس وجہ سے سچ پوچھو تو اس کو اب مسجد کہتے ہوئے بھی شرم آتی ہی شاہی بڑی مقدمے بازی کے بعد صرف مغرب جانب کا درمیانی درہ مسلمانوں کو نماز پڑھنے کو مل گیا ہی جو ۳۰ فٹ مربع ہی۔ اسی میں سنگ موسیٰ کی دہلیز کا پیش طاق ہی البتہ کوئی نہیں ہی۔ فرش سنگ خارا کی سلوں کا ہی۔ اس حصے کی محراب ۵۰ فٹ چوڑی ہی اس پر سے اس مسجد کے پھیلاؤ کا اندازہ کیا جا سکتا ہی۔ چوں کہ یہ حصہ بھی بود و باش کے کام میں تھا گنبد کا سارا قبہ اندر سے کالا ہو گیا ہی۔ اوپر جانے کا زینہ تیس سیڑھیوں کا ہی۔ افسوس لارڈ کرزن کو خبر نہ ہوئی ورنہ اس مسجد کے نصیب بازی

[1] اب فرش ورش کچھ نہیں رہا۔ ۱۲

کے ہنوں میں جاگ جاتے۔ اب کوئی امید نہیں کہ یہ مسجد کبھی اس مصیبت سے نجات پاسکے گی۔

مقبرہ شیخ فرید بخاری
۱۰۲۵ھ ۱۶۱۵ء

بیگم پور[۵۱] کی مسجد سے بجانب شرق آدھ میل کے اندر ہی اندر یہ مقبرہ شیخ فریدالدین ابن سید احمد بخاری کا ہے۔ جہانگیر کی سلطنت میں آپ مرتضیٰ خاں کے نام سے مشہور تھے جن کا ذکر ہم سلیم گڈھ کے بیان میں کر آئے ہیں۔ مسٹر بلاکمین نے آئین اکبری میں آپ کی پوری تفصیل لکھی ہے۔ آپ اوائل عمر میں اکبر شاہ کی ملازمت میں بعہدۂ میر بخشی سرفراز ہوئے۔ اکبر کی وفات کے بعد شیخ صاحب جہانگیر کے جاں نثاروں میں رہے۔ آپ ہی نے شاہزادہ خسرو کو دریائے بیاس کے کنارے شکست دی اور اسی کے صلے میں آپ کو خطاب مرتضیٰ خاں کا ملا اور گجرات کے صوبہ دار مقرر ہوئے اس کے بعد آپ پنجاب کے صوبہ دار رہے۔ آپ نے پاک پٹن شریف میں ۱۱ سنہ جلوس جہانگیری ۱۰۲۵ھ ۱۶۱۵ء میں انتقال فرمایا اور بیگم پور میں مدفون ہوئے۔ غالبًا قبر پر کوئی قبہ رہا ہوگا مگر اب تو قبر زیر سما ہے گرد و پیش کی ساری عمارتیں شکستہ حالت میں ہیں دو وسیع احاطے قبروں اور شکستہ مکانوں سے پٹے پڑے ہیں گھٹنوں گھٹنوں برابر جنگلی گھاس اور جھاڑی ہے کہ قدم دھرنا دشوار ہے۔ قبر کے اطراف آہنی جنگلا غالبًا محکمۂ آثار قدیمہ کی طرف سے لگا دیا گیا ہے۔ حضرت شیخ صاحب کی قبر سنگ مرمر کی ہے ۷ فٹ ۳ ۔ ۳ ۔ قبر کے سرہانے ایک بہت عمدہ لمبی لوح ۷ ۔ ۳ × ۱ ۔ ۵ کھڑی ہوئی ہے جس پر نہایت خوش خط نستعلیق کا واضح اور روشن پندرہ سطر کا یہ کتبہ ہے:- یا اللہ

سبحان الملک الحی (الذی) لا یموت ولا یفوت + در زمان دولت حضرت عرش آشیانی جلال الدین اکبر بادشاہ + غازی شیخ فریدالدین ابن سید احمد بخاری بعنایات آنحضرت ممتاز بود و ور + عہد عدالت نورالدین جہانگیر بادشاہ ابن اکبر بادشاہ بخطاب مرتضیٰ خانے سرفراز گردید بتاریخ ۹ سنہ جلوس مطابق ۱۰۲۵ سنہ

[۵۱] گو یہ مقبرہ بیگم پور کے قریب ہے لیکن دراصل یہ حدود میں موضع شیخ سرائے کے جو روشن چراغ دہلی کے پاس ہے اور یہاں سے بھی بالکل قریب ہے۔ ۱۲

بہجری برحمت الہی پیوست۔

مرتضی خاں چو بحق واصل شد گشت اقلیم بقا مسکن و جایش
بہر تاریخ ملائک گفتند باد پرنور الہی روحش

جس پختہ اور بلند احاطے میں شیخ صاحب کی قبر ہی وہیں ایک سہ دری لبلدہ خانقاہ کے اور ایک قناتی مسجد ہی۔ زبانی روایت یہ مشہور ہی کہ لوح مزار کا پتھر اچھا اور خوب صورت دیکھ کر کوئی جاٹ اکھاڑ لے گیا تھا جسے اُس نے اپنی حویلی میں لگانا چاہا۔ رات کو دست لگ گئے جان بلب ہو گیا صبح ہی پتھر جوں کا توں لاکر نصب کر دیا۔ گو اس بات کو نئی روشنی والے نہ مانیں مگر بزرگان دین کی شان میں بے ادبی کرنے والوں کو زک پہنچنے کے کئی واقعے میری چشم دید ہیں یہیں دلی کی دلی میں بھی ایک واقعہ بیان کیا جاتا ہی کہ کسی انگریز سینڈرسن نامی نے قطب صاحب کی لاٹ کے نیچے کچھ قبریں اکھڑوا کر میدان صاف کروا دیا تھا وہ بھی دفعتہً رات کو بیمار ہو گیا صبح ہی اُس نے اُس قبر کو جوں کا توں درست کرا دیا چنانچہ اب تک بھی لاٹ کے پاس وہ قبر موجود ہی۔

بنگلہ اور چھوٹی بارہ دری مقبرے کے احاطے سے ملا ہوا ہی ایک دوسرا پختہ اور وسیع احاطہ ہی اس میں ایک بڑا مکان تھا جو بنگلے کے نام سے مشہور ہی اب اس عمارت میں کا سامنے رخ کا ایک لداؤ سہ درہ باقی ہی اور دوسری جانب بارہ دری کے صرف تین در کھڑے ہیں جو حالت موجودہ کے لحاظ سے چھوٹی بارہ دری کہلاتی ہی۔

بارہ کھمبا اور رجبنی کوٹھی حضرت شیخ فرید بخاری کے مقبرے کے پاس بے چراغ موضع شاہ جی کی سرائے میں ایک بہت وسیع اور پختہ ۸۲×۹۰ فٹ احاطے کے اندر علاوہ قبرستان کے ایک نہایت پختہ اور وسیع لداؤ عمارت بارہ کھمبے کی ہی جو ۴۴ فٹ مربع ہی اب اس میں گاؤں کے ڈھور ڈنگر رہتے ہیں ایسا عمدہ کیٹل شیڈ کہاں ملے گا۔ اس وسیع احاطے کے بیچوں بیچ ۴۰×۲۲ فٹ کے ایک پست احاطے کے اندر بیچ کی پانچ قبریں ہیں۔ اس کے گرد یعنی بڑے احاطے کی دیواروں میں شمال جنوب میں سات سات اور مشرق مغرب میں پانچ پانچ اس طرح چوبیس کوٹھریاں بنی ہوئی ہیں مغرب کی طرف درمیانی دروازہ اندر ہیں چودہ سیڑھیوں

بدیع منزل عرف بیجے منڈل



زینہ ہے جس پر سے ہم بارہ کھمبے کی چھت پر پہنچتے ہیں یہیں ایک دو منزلہ سہ دری ہے جس کے دو دلدادی گنبد ہیں اور ۲۲×۱۲ فٹ کا دالان ہے۔ پھر پچیس سیڑھیاں چڑھ کر سہ دری کی دوسری منزل پر پہنچتے ہیں جس کی چھت گر گئی ہے دو منزلہ کمرہ ۱۲ فٹ مربع ہے اور کل بلندی اس عمارت کی ۱۵ فٹ ہے یہاں جنوب کی طرف دیوار میں ایک چھوٹا طاق ہے جس کی سطح میں سنگ سرخ کی ایک سل ہے اُسے بجاؤ تو ٹھن ٹھن کرتی ہے اسی وجہ سے یہ بجنی کوٹھی کہلاتی ہے۔ گنواروں کو لبھانے کا یہ اچھا نسخہ ہے ورنہ در اصل کچھ بات نہیں سل کے نیچے خلا رکھا گیا ہے جس کے لیے وہ بیرلشن دگونج مزدرہے یہی صنعت فتح پور سیکری کی حضرت سلیم چشتی کی مسجد کے ایک ستون میں رکھی گئی چوں کہ وہ بہت بڑی عمارت ہے اس کی بہ نسبت اُس میں گونج بھی زیادہ ہے۔ گنوار لوگ اسے بھی ایک معجزہ اور کرامت سمجھتے ہیں۔

بجے منڈل یا بیڑی منزل یا بدیع منزل ۷۵۵ھ ۱۳۵۴ء

> از روے یار خرگہی ایواں ہمی بینم تہی
> وز قد آں سرو سہی خالی ہمی بینم چمن
> جاے کہ بود آں دلستاں با دوستاں در بوستاں
> شد گرگ و روبہ را مکاں ہم بوم و کرکس را وطن
> بر جاے جنگ و نائے و نی آواز زاغ ست و زغن
> بر جاے رطل و جام مے گوراں نہاد ستند پے

کالو سراے اور بیگم پور کے درمیان یہ ایک مکان ہے قطب صاحب کے رستے میں بائیں طرف نہایت رفیع و دلچسپ و دلکش فیروز شاہ کا بنایا ہوا اور اس کو جہاں نما بھی کہتے ہیں اور بدیع منزل بھی مشہور ہے عوام الناس اسے بجے منڈل یا بیڑی منڈل کہتے ہیں۔ کتب تواریخ کی رو سے یہ مکان اُسی زمانہ میں بنا ہے جس زمانے میں فیروز شاہ[۱] نے فیروز آباد بسایا تھا یعنی ۷۵۵ھ۔ پس اس کی تعمیر بیش ازیں نیست کہ چند سال بعد ہوئی ہوگی۔ جنرل کننگھم صاحب کا یہ خیال کہ اس نام کی عمارت تغلق آباد میں تھی صحیح نہیں ہے۔ شاہ عبد الحق صاحب محدث دہلوی مصنف اخبار الاخیار جو عہد اکبری و جہانگیری میں ایک مشہور

[۱] اخبار الاخیار میں اس عمارت کو سلطان محمد عادل تغلق شاہ (۷۲۵ھ-۷۵۲ھ) کے وقت کا لکھا ہے۔ ۱۲

بزرگ صاحب تقویٰ تھے اور جن کی وفات ۸۸۷ھ ۱۴۸۲ء میں ہوئی ہے وہ اس عمارت کو جہاں پناہ کا ایک برج بتلاتے ہیں اور فرماتے ہیں کہ سکندر لودھی کے زمانِ سلطنت میں شیخ حسین طاہر نامی ایک بزرگ دہلی تشریف لائے تھے وہ بحکم شاہی اسی محل میں ٹھیرائے گئے تھے اُن کا انتقال ۹۰۹ھ ۱۵۰۳ء میں ہوا اور اسی مکان کے باہر دفن کیئے گئے چنانچہ اس جگہ اور قبور بھی اُن کے اعزہ اقربا کے ہیں۔ یہ مکان ایک اونچے ٹیلے پر واقع ہے جو سنگ بست اور سطح زمین سے (۴۳ فٹ) بلند ہے جس پر جانے کی سیڑھیاں ہیں۔ سیڑھیاں اور ٹیلے کے ہر دو جانب کی بندش اب امتدادِ زمانہ سے بہت خراب ہوگئی ہے۔ یہ ایک مثمن شکل کا کمرہ ہے جس کی چھت گر پڑی ہے۔ سر سید لکھتے ہیں کہ اس مکان کی قطع بھی عجیب ہے کہ ایک بلند برج پر چار دروازوں کا ایک کمرہ بنایا ہے اور اُس کی دیوار میں سے اوپر جانے کا زینہ رکھا ہے اور اُس نے اوپر اگلے زمانے میں بہت خوش نما بارہ دری تھی جو اب ٹوٹ پھوٹ گئی ہے مگر اوپر چڑھ کر دیکھنے سے اُس کی علامات معلوم ہوتی ہیں۔ ایسے مکانات عرض لشکر کو بنائے جاتے ہیں اور یہ مکان بھی اغلب ہے کہ اسی غرض سے بنایا گیا ہوگا۔ یعنی بادشاہ سلامت فوج کا ملاحظہ فرماتے تھے اور دیگر تقاریب میں بھی جلوس ملاحظے سے گزرتا تھا۔ جس کمرے کا ذکر اوپر آیا ہے وہ سنگ بست اور پختہ بنا ہوا ہے جس کے چاروں کونوں پر سنگ سرخ لگا ہوا ہے۔ یہ کمرہ (۳۸ فٹ) مربع اور ۲۰ فٹ مرتفع ہے۔ دیواریں نیچے پھیلی ہوئی اور اوپر جاکر سکڑی ہوگئی ہیں چنانچہ بیس فیٹ میں چار فیٹ چوڑان بڑھ گئی ہے۔ اس محل کے قریب ہی ایک گنبد دار دالان بھی ہے جو (۵۰ فٹ) مربع اور (۳۷ فٹ) بلند ہے۔ یہ بھی پختہ اور اچھی حالت میں ہے قبرستان کے پاس ایک مسجد بھی ہے۔ محل مقام پر ویرانی برستی ہے اور اسی کے پاس بیگم پور کا گاؤں بھی ہے کہتے ہیں کہ فیروز شاہ نے ایک سرنگ بنائی تھی جو قلعۂ فیروز آباد سے اس مکان کے نیچے ہوتی ہوئی حوض خاص تک چلی گئی تھی۔ اس میں تین کوس کا فصل ہے۔ یہ مکان بہت شکستہ حالت میں تھا۔ لیکن محکمہ آثار قدیمہ سے خاطر خواہ مرمت کرادی گئی ہے۔ اُس کی وضع قطع اور ہیئت کذائی نقشے کے ملاحظے سے ظاہر ہوگی۔

بیجے منڈل کے دامن میں ایک گنبد

بیجے منڈل کے ٹیلے کے نیچے بجانب مغرب ایک بہت پرانا

مگر بڑا بھاری گنبد اندر سے ۳۱ پا مربع ہے۔ قبر اور فرش دونوں باقی نہیں ہر طرف دو دو در ہیں۔ مشرق کی طرف کے در بند کر دیئے گئے ہیں۔ پلاستر اندر باہر سے سب اکھڑ گیا ہے خصوصاً گنبد کا سارا پلاستر جاتا رہا اور سنگ خارا کی سلیں اور پتھر نکل آئے جن میں برسات کا پانی خام خواہ جذب ہوتا ہے اور اگر خبر نہ لی گئی تو عجب نہیں کہ بہت جلد گر جائے۔ اس کے در آٹھ فیٹ چوڑے ہیں۔ گنبد کے سامنے ایک گرا پڑا چبوترا ہے جس پر ایک قبر اب تک بھی باقی ہے۔ یہ بھی نامعلوم اور بن پتہ گنبدوں میں ہے۔

کالو سرائے کی مسجد ۷۸۹ ہجری

بیگم پور کی مسجد کے پاس ہی کالو سرائے کی بستی ہے جو قطب روڈ سے ایک فرلانگ بائیں طرف ہوگی۔ اس موضع میں بھی خان جہاں فیروز شاہی نے ایک اور مسجد بنوائی۔ اتنے قریب قریب مسجدیں بنوانے کی مصلحت کچھ سمجھ میں نہیں آتی ممکن ہے کہ اس زمانے میں کالو سرائے کوئی بڑی جگہ رہی ہو اور یہ تو ظاہر ہے کہ زمانۂ حال کی بہ نسبت جب کہ سلطنت اسلامی عروج پر تھی روزے نماز کا چرچہ زیادہ تھا نماز کی طرف سے اس زمانے جیسی لاپروائی تو یقیناً نہ تھی۔ بہرحال مسجدیں موقعی ضرورت کے لحاظ سے بنائی گئی تھیں ورنہ اتنی عقل تو ان لوگوں میں بھی ہوگی کہ بے ضرورت روپیہ صرف نہ کیا جائے یہ مسجد بھی چونے اور پتھر سے برجیوں دار بنی ہوئی ہے اور چونکہ خان جہاں وزیر نے کئی مسجدیں قریب قریب زمانے میں بنائی ہیں اس واسطے ان کی سال بنا بھی قریب قریب تصور کیا گیا ہے۔ اس مسجد کے شمالی اور جنوبی ضلعے منہدم ہو گئے ہیں اور گاؤں کے لوگ اس میں بستے ہیں مگر ہیں سب مسلمان۔ یہ مسجد بھی ایک مرتفع مقام پر بنی ہوئی ہے جو ہفت دری تھی دو در گر گئے پانچ رہ گئے ہیں۔ دالان سہ گہے ہیں۔ دروں کی اونچان ۱۰ فٹ ۱۰ انچ چوڑان ۷ فٹ ۳ انچ ہے۔ لمبان اس مسجد کی ۳۷ فٹ ہے۔ یہ عجیب بات ہے کہ اس گاؤں میں کوئی ہندو نہیں رہتا بنیا بھی مسلمان ہی ہے۔

شیخ ضیاء الدین رومی کا گنبد

آپ کا گنبد قطب روڈ کے کنارے بائیں طرف کالو سرائے کے سامنے ۸ میل ۶ فرلانگ پر ہے۔ یہ گنبد کچھ بہت بڑا نہیں ہے اندر سے ۲۰ فٹ مربع ہے۔ اندر باہر سے پلاستر جھڑ گیا ہے

دروں میں کی جالیاں ٹوٹ گئیں اب پتھروں سے چن دیا ہی۔ بارہ درہ گنبد ہی۔ اندر دو قبریں گچ کی ایک مردانی دوسری زنانی ۸ فٹ۔ ۳ فٹ ۸ انچ۔ دس انچ اونچے چبوترے پر ہیں گاؤں والے جھاڑو بہارو دیتے رہتے ہیں اور قبروں کی بھی از سر نو مرمت کردی گئی ہی۔ مردانی قبر کے سرہانے دیوار میں پتھر پر یہ کتبہ ہی "شیخ ضیاء الدین رومی ۷۲۱ ہجری نبوی رحمہ اللہ علیہ بقا شدند" آپ مشائخ کبار میں سے ہیں شیخ شہاب الدین سہروردی کے خلیفہ ہیں سلطان قطب الدین بن علاء الدین آپ کا معتقد اور مرید تھا کہتے ہیں کہ وصال کے تیسرے دن جب شیخ نظام الدین اولیاء آپ کی زیارت کو تشریف لے گئے تو سلطان قطب الدین وہاں پر حاضر تھا شیخ نظام الدین کو نہ تعظیم دی اور نہ سلام کا جواب دیا۔ حضرت شیخ نظام الدین سے منقول ہی کہ انہوں نے شیخ ضیاء الدین سے سنا تھا کہ ان کا ایک دوست تھا جسے سماع میں حال اور ذوق بہت ہوتا تھا اس کی وفات کے بعد انھوں نے اسے خواب میں دیکھا کہ بہشت میں اسے مقام رفیع ملا ہی مگر مغموم بیٹھا ہی۔ آپ نے اسے ایسے عمدہ مقام ملنے پر مبارک باد دی اور پوچھا کہ اداس کیوں بیٹھے ہو انھوں نے کہا کہ یہ سب کچھ مجھے ملا مگر وہ لذت اور حال جو سماع میں ملتا تھا میسر نہیں۔

اڑھہ چینی یا بی بی نور

قطب روڈ کہ نویں اور دسویں میل کے درمیاں بائیں ہاتھ کی طرف یہ گاؤں ہی اور داہنی طرف بی بی نور کی درگاہ۔ اصل نام تو اس موضع کا اڑھہ چینی ہی مگر مسلمانوں نے بستی ہی کا نام بی بی نور رکھ لیا ہی۔ درگاہ کا ایک وسیع احاطہ ہی جس کے اندر درگاہ ہی اور ایک چھوٹا سا گنبد چلے کا ہی۔ سب قبروں پر کتبے لگا دیئے ہیں جس سے بہت آسانی ہوتی ہی احاطے کے اندر خدام کے رہنے کے لیئے ایک سشش درہ بھی بنا ہوا ہی احاطے میں نیم کے بہت سے درخت ہیں اور ایک منہدمہ باؤلی بھی ہی۔ قبور کی یہ تفصیل ہی:-

چلے کے سامنے (۱) "حضرت بی بی زلیخا صاحبہ۔ والدہ ماجدہ حضرت سلطان المشائخ محبوب الٰہی شیخ نظام الدین اولیا قدس اللہ اسرارہم غرہ جمادی الاخری ۷۴۹ھ سفر آخرت اختیار نمود" آپ کا مختصر حال حضرت کے تذکرے کے ضمن میں آچکا ہی (۲) حضرت بی بی جنت صاحبہ دختر نیک اختر بی بی زلیخا رحمتہ اللہ علیہا۔

(۳) حضرت بی بی زینب صاحبہ دختر نیک اختر حضرت بی بی جنت رحمتہ اللہ علیہا اور

آپ ہی کے برابر آپ کی چار صاحب زادیوں کی قبریں ہیں۔
چلّے کے پیچھے۔ حضرت بی بی حور رحمتہ اللہ علیہا۔ حضرت بی بی نور رحمتہ اللہ علیہا۔ دختران شیخ شہاب الدین سہروردی رحمتہ اللہ علیہ۔

بی بی فا[redacted]سام کا حال

حصۂ دوم کتاب ہٰذا میں حضرت بی بی فاطمہ سام کے مزار کا ذکر آیا ہے اُس وقت آپ کے حالات میری نظر سے نہیں گزرے اب چوں کہ نسائے صالحات کا ذکر درپیش ہے یہیں لکھ دیتا ہوں کہ ناظرین اس نیک نہاد بیوی کے حالات سے محروم نہ رہ جائیں، از صالحات وقانتات وعابدات زمانہ بود وذکر او در ملفوظات شیخ نظام الدین وخلفائے ایشاں بسیار است می گویند کہ سلطان المشائخ در روضۂ فاطمہ سام بسیار مشغول بودے۔ شیخ فرید الدین گنج شکر فرمودے کہ فاطمہ سام مردیست کہ اورا بہ صورت زناں فرستادہ اند۔ شیخ نظام الدین فرمود کہ شیر از بیشہ بیروں آید کسے نپرسد کہ آں شیر نر است یا مادہ، فرزندان آدم را طاعت وتقوی باید خواہ مرد باشد وخواہ زن بعدہ در مناقب بی بی فاطمہ سام غلو فرمود کہ در غایت صلاحیت و کبر سن شدہ بود من اورا دیدہ ام بس عزیز عورتے بود اورا با شیخ فرید الدین وشیخ نجیب الدین متوکل برادر خواندگی وخواہر خواندگی بودہ است۔ بیت ہا برحسب حال ہر چیزے گفتے این دو مصرع من ازو یاد دارم ؎

ہم عشق طلب کنی وہم جان خواہی ہر دو طلبی وسلے میسر نشود

ونیز فرمود کہ من از بی بی سام شنیدہ ام کہ می گفت از برائے آں کہ پارۂ نان وکوزہ آب بہ کسے دہند نعمت ہائے دینی ودنیاوی نثار او کنند کہ بعد ہزار روزہ ونماز نتواں یافت ودر ملفوظات میر سید محمد گیسو دراز می نویسد کہ روزے در مجلس شیخ نصیر الدین محمود سخن در فضائل بی بی فاطمہ سام بود فرمود فاطمہ سام بعد از موت باشخصے حکایت کرد کہ روزے بر معبود خویش در حضرت رب العزت می رفتم از طور ملکے در گزشتم ناگاہ فرشتہ گفت کیستی بایست چہ باشد کہ نیک بیباک داری گزری ومن سوگند خوردم کہ من ہم آں جا نشستہ ام تا خود رب العزت تعالیٰ مرا نہ طلبد بیشتر نروم سائے گزشت بی بی خدیجہ وبی بی فاطمہ زہرا رضی اللہ عنہما آمدند در پائے ایشاں افتادم گفتند اے فاطمہ امروز ہیچو تو کیست کہ خدائے تعالیٰ بطلب تو مارا فرستادہ است گفتم من کنیزک شمام کدام عزت بالاتر ازاں باشد کہ شما بطلب

من بیائید اما من سوگند خورده ام فرمان شد. فاطمه راست می گوید شما از میدان دور شوید الحق
الحق خاست من از جا جنبیدم بحضرت گفتم خداوند در حضرت تو این چنیں بے ادباں
هم باشند که آیندگان حضرت ترا نشناسند این سخن گفت و آهے زد و درمیان گور خود
بنشست. میر محمد سید گیسو دراز کنایت از خود کرده می فرماید کمترین خدمتگاران عرضه می دارد
که چنیں گمان دارم که خواجه ایں حکایت از خدمت مخدومی کرد اما برسم قدیم بلفظ غیبت می فرمود و
در خیر المجالس می گوید که روزے مولانا حسام الدین بخدمت شیخ نظام الدین آمده بود فرمود
مولانا حسام الدین، امروز ابدالے را دیدم عرضه داشت کرد کجا دیدید فرمود بزیارت
بی بی سام رفته بودم نزدیک حظیره حوضے ست یک مرد پیدا شد سبد خیار بر سر کرده کرانه حوض
فرود آورد و خیارها انبار کرد و خود وضوے ساخت که مرا از وضوے او تعجب آمد چوں
وضو تمام کرد و برخاست و دو رکعت با راحت تمام نماز گزارد و مرا از ذوق نماز او عجب آمد
بعد ازاں میان آب رفت و سه بار سبد بشست بعد ازاں یگاں یگاں خیار می شست و می
و در سبد می انداخت تا تمام خیارها همچنیں بشست بعد ازاں سبد برگرفت و سه بار میان
حوض فرو برد و باز برآورد و در کرانه نهاد تا آب بچکد من از غایت تعجب برخاستم و یک
تنکه سفید در دستارچه من بود باز کردم و پیش او بردم و گفتم خواجه قبول کنید گفت یا شیخ
مرا معذور دار گفتم خواجه تو برائے دو جیتل چندیں بار می گیری و زحمت می بری یک تنکه نقره
خدا تعالی فتوح به تو می رساند چرا نستانی باز گفت معذور دارید گفتم کیفیت بگو چرا نمی ستانی
گفت بنشین تا بگویم من و آں مرد هر دو نشستیم آغاز کرد پدر من همیں کار کردے من خورد
بودم که پدر از سر برفت مادر مرا آں قدر احکام عبادت آموخته بود که پنج وقت نماز
گزاردن می دانم بعد ازاں چوں وقت نقل مادر شد مرا نزدیک خود طلبید و گفت درین
چپر گرہے نهاده ایم بکش بیار دست به چپر بردم گرہے بیروں آمد پیش مادر نهادم گره
باز کرد و چیزے علیحده کرد و گفت این وجه کفن و غسال و برآوردن گور بود و مقدار بیست
درهم مرا داد و گفت ایں مایه همه عمر تست - پدر تو در باغات رفتے خیارے و سبزی بستدے
و آنرا بفروختے و روزگار بداں گزرانیدے تو نیز خیارے و سبزی بستانی و بفروشی و
جز ایں وجه هیچ وجه نخوری. چوں آں مرد ایں حکایت تمام کرد دریافتم که او از ابدال
است از هیچ کس چیزے قبول نکند مگر مزدوری رحمة الله علیه علی جمیع الصالحین در

سیر الاولیا می گوید کہ بی بی فاطمہ در حوالی قصبہ اندرپت خفتہ است و روضۂ او قبلۂ حاجات خلق گشتہ۔ قبر وے نزدیک دروازۂ نخاس دہلی در خرابہ افتادہ است ہیچ کس نمی داند۔ الا ماشاء اللہ۔ مردم آں را بی بی شام گویند و بعضے عوام الناس بی بی صائمہ گویند ہر دو لفظ غلط است نام ایشاں بی بی فاطمہ سام است (از اخبار الاخیار)

حضرت نجیب الدین متوکل کی درگاہ اور مسجد

بی بی نور کے احاطے سے ملا ہوا ایک اور وسیع احاطہ ہے جس کے اندر ایک اور چھوٹے سے احاطے ۲۴ ½ × ۲۱ کے اندر پانچ قبریں ہیں اور پیلو کا بہت پرانا درخت ہے جس کی جڑ تک امتداد زمانے سے کہنہ ہو گئی ہے سلسلہ قبروں کا بائیں طرف سے یوں ہے اور سب پر کتبے لگے ہوئے ہیں:-

(۱) حضرت شیخ احمد فرزند شیخ نجیب الدین متوکل رحمۃ اللہ علیہم۔

(۲) یا اللہ مزار مبارک حضرت شیخ نجیب الدین متوکل رحمۃ اللہ علیہ۔ وفات ۶۷۱ ہجری

(۳) حضرت شیخ اسمٰعیل صاحب فرزند شیخ نجیب الدین متوکل رحمۃ اللہ علیہ۔

(۴) حضرت شیخ محمد صاحب فرزند شیخ نجیب الدین متوکل رحمۃ اللہ علیہم

(۵) حضرت بی بی فاطمہ دختر شیخ الشیوخ العالم شیخ فرید الدین گنج شکر قدس اللہ العزیز

حضرت نجیب الدین متوکل حضرت فرید شکر گنج رحمۃ اللہ علیہ کے برادر اور خلیفہ ہیں۔ آپ بڑے بزرگ اور متوکل تھے۔ دلی شہر میں برابر ستر برس تک رہے۔ آپ کا ظاہری ذریعہ گزر اوقات کا کچھ بھی نہ تھا اور بالکل متوکل تھے باایں ہمہ مع اپنے اہل و عیال کے خوش گزرانی سے بسر اوقات کرتے تھے۔ دنیا اور مافیہا سے اس قدر بے تعلق تھے کہ آپ کو یہ بھی خبر نہ رہتی تھی کہ آج کون سا مہینا ہے اور کون سا دن ہے اور یہ بھی نہ جانتے تھے کہ یہ درم کس مقدار کا ہے۔ درویشوں کی عید کے دن آپ کے گھر میں بہت سے فقیر جمع ہو گئے اتفاق سے اس دن آپ کے پاس کچھ نہ تھا آپ کوٹھے پر چڑھ گئے اور یاد الٰہی میں مصروف ہو گئے اور راز و نیاز ہونے لگے۔ دل میں خطرہ گزرا کہ سبحان اللہ کیسی عید ہے کہ بال بچے بھوکے ہیں اور جو مسافر آئیں وہ بھی ترستے چلے جائیں۔ معاً دیکھتے کیا ہیں

کوٹھے پر ایک پیر مرد تشریف لائے اور یہ بیت پڑھی۔

بادل گفتم دلا خضر را بینی   دل گفت اگر مرا نماید بینم

ان بزرگ نے کھانا آپکے سامنے رکھا اور فرمایا کہ تیرے توکل کا ڈنکا تو ملاء اعلیٰ پر بج رہا ہے اور تیرا حال یہ ہے۔ آپ نے فرمایا خدا بہتر جانتا ہے کہ میں نے اپنے لیے کچھ خیال نہیں کیا بلکہ یہ لوگ جو آئے بیٹھے ہیں اُن کی وجہ سے خیال آگیا۔ شاید وہ بزرگ خواجہ خضر ہی تھے۔ حضرت نظام الدین بابا صاحب (حضرت فرید گنج شکر) سے بیعت کرنے سے پہلے آپکے پاس تشریف لائے اور کہا کہ دعا فرمایئے کہ میں کہیں کا قاضی ہو جاؤں۔ آپ سن کر خاموش ہو گئے جب دوبارہ آئے اور پھر یہی خواہش کی تو آپنے فرمایا "اجی قاضی بن کر کیا کروگے تم تو کچھ اور ہی بننے والے ہو"۔ غرض آپکے محامد اور فضائل بیرون حد و شمار ہیں آپ کی قبر پر حال میں ۷۱۶ھ کا کتبہ لگا دیا ہے لیکن بروئے تحقیق معلوم ہوا کہ صحیح سن آپ کی وفات کا ۶۹۶ھ ہے جہاں آپکا مزار ہے یہیں آپ کا اور حضرت نظام الدین اولیا کا مکان بھی تھا۔ بڑے احاطے کے اندر ہی ایک قناتی مسجد ہے اور صحن مسجد میں کنواں بھی ہے۔ یہ مسجد سہ دری ۶۵×۱۲ فٹ ہے۔ دو طرفہ زینہ بھی ہے۔ پیش طاق پر اسمائے حسنیٰ۔ کلمہ کا طغریٰ اور یہ حدیث ہے۔

قال النبی صلی اللہ علیہ وسلم المؤمن فی المسجد کالسمک فی السماء والمنافق فی المسجد کالطیر فی القفص۔ دونوں طرف طغرائے سبحان اللہ۔ سورہ الفلق۔ انا فتحنا کا کچھ حصہ۔ طاق کے اندر خلا میں سورۂ فاتحہ

شیخ عین الدین قصاب کی قبر

بالکل سڑک سے ملی ہوئی داہنی طرف ایک قبر پر یہ کتبہ لگا ہوا ہے۔ شیخ عین الدین قصاب رحمۃ اللہ علیہ

قناتی مسجد اور گنبد

قطب روڈ کی دائیں طرف ایک وسیع قناتی مسجد ہے جس کی پشت بالکل سڑک سے ملی ہوئی ہے اسی مسجد کے صحن میں ایک گنبد ۳۳ فٹ - ۲ ۹ مربع ہے۔ گنبد کس کا ہے معلوم نہیں مسجد اور گنبد دونوں میں جاٹ رہتے ہیں۔ پولیوں کے انبار لگے ہوئے ہیں۔ پرندہ وہاں پر نہیں مار سکتا۔

درگاہ پنجہ شریف

ایک احاطہ ہے جس کے چو طرف مکانات تھے سب گر گرا گئے اب صرف ایک صدر دروازہ اور دو درہ رہ گیا ہے یہاں ایک چبوترہ پختہ ہے ۱۸×۱۱ فٹ - ۲ - ۹ اونچا جس کو لوگ عام طور پر فرخ سیر بادشاہ کی قبر بتلاتے ہیں حالاں کہ بروئے آثار الصنادید فرخ سیر بادشاہ تو ہمایوں کے مقبرے کے چبوترے پر

دفن ہو۔ یہ غلط روایت غالباً اس وجہ سے مشہور ہو کہ یہ مقام درگاہ پنجہ شریف ہو جو فرخ سیر کے زمانے میں بنی تھی جس کتبے کا آگے ذکر آتا ہو وہ اسی درگاہ کا تھا۔ اب تو اس کی حیثیت نہ درگاہ کی ہو نہ مقبرے کی گرد جاٹ رہتے ہیں اور اس چبوترے پر جو بہرحال میں پنجہ شریف کے نام سے مسلم ہو کھلے خزانے اُپلے تہاپے جاتے ہیں اور ایسا معلوم دیتا ہو کہ گویا یہ چبوترا اُپلے تھاپنے ہی کے واسطے بنوایا گیا تھا۔ خیر اور کچھ نہ تو اس مقام کو مسلمانوں کی ایک متبرک جگہ سمجھ کر گاؤں والوں کو اُپلے تھاپنے سے تو روک دینا چاہیئے اور کم سے کم اس چبوترے کے گرد آہنی کٹہرا گھیر دیا جائے تو اس جگہ کی جو پنجہ شریف سے نامزد ہو ایسی مٹی پلید نہ ہو۔ میں چونکہ مسلمان ہوں یہ حالت دیکھ کر میرے رونگٹے کھڑے ہوگئے اس طرح کی غلاظت تو کسی مذہبی مقام پر خواہ وہ کسی فرقہ و ملت کا ہو روا نہیں ہو۔ اس گورستان کے صدر دروازے سے ملی ہوئی ایک تین در کی چھوٹی سی مسجد ہو جس پر گوبر کی کہگل چڑھی ہوئی ہو اور جاٹ رہتے ہیں مسلمان اندر قدم بھی نہیں دھر سکتا یہ بات یقیناً مسلمان کے دل کو تو ضرور کھٹکے گی اور اس سین کو دیکھ کر ضرور دل کڑھے گا۔

موضع اڑھہ چنی کا کتبہ ۱۱۲۷ھ ۱۷۱۵ء

اس کتبے کو سب سے پہلے سنہ ۱۹۱۶ء میں ڈاکٹر ڈوگل قائم مقام ڈایرکٹر جنرل آثار قدیمہ نے دیکھا اور اس کے متعلق مولوی ظفر حسن صاحب بی۔ اے نے مقامی تحقیقات کے بعد ایک قابل قدر آرٹیکل اپی گرافیا انڈو مسلیمکا میں دیا ہو اسی پر سے ہم یہ اندراج کرتے ہیں کتبہ ایک سنگ مرمر کی [illegible] کی تختی پر بخط نستعلیق کھدا ہوا ہو یہ ایک احاطے کے اندر ایک قبر کے سرہانے موضع اڑھہ چنی میں لگا ہوا تھا۔ اس سنگ کتابہ کی حالت بہت افسوس ناک تھی۔ کئی جگہ سے تو پتھر ٹوٹ گیا تھا اور تختی کے کئی ٹکڑے تھے خصوصاً اس کے آخری حصے کو بہت صدمہ پہنچا تھا اور ایک چھوٹا سا ٹکڑا جھڑ بھی گیا تھا علاوہ بریں لوگوں نے چھولنے کی غرض سے عبارت کو بھی کئی جگہ سے ضائع کر دیا تھا اس لیئے مزید نقصان محفوظ کرنے کی غرض سے یہ کتبہ اب قلعہ کے نوبت خانے کی دیوار میں لگا دیا گیا ہو جہاں پہلے میوزیم تھا۔ یہ کتبہ اٹھائیس سطری ہو اور خوش خط اور صاف کھدا ہوا ہو۔ یہ کتبہ ۱۱۲۷ھ ۱۷۱۵ء کا ہو جس کی عبارت سے معلوم ہوتا ہو کہ اس کو ایک شخص محمد معصوم نامی نے کھدوایا تھا۔ جن کو حضرت رسالت مآب کا پنجہ شریف ملا تھا حضرت رسول مقبول کے پنجے اور قدم کے نقش ہندوستان میں کئی جگہ ہیں۔ خود دہلی

ہی میں قدم شریف موجود ہے اور نیز گوڑ وغیرہ مقامات پر بھی ہیں لیکن پروفیسر والن Prof [redacted]
mal لکھتے ہیں کہ بہ مقابلہ ملک ہند کے دیگر بلاد اسلامیہ میں ایسے نقوش بکثرت
ہیں چنانچہ فلسطین۔ مصر۔ وغیرہ مقامات میں موجود ہیں۔ بیت المقدس میں قبۃ الصخرا
میں حضرت کا ایک مشہور قدم شریف ہے جس کے حالات عجیب و غریب ہیں کہ جنگ ہائے
صلیبی کے پیشتر وہ قدم النبی کہلاتا تھا لیکن صلیبی جنگ والوں نے اُسے حضرت عیسیٰ کا
قدم بتلایا جس کے بعد الی الآن وہ قدم حضرت محمد صلعم کہلاتا ہے۔ اسی طرح عراق اور فارس میں
حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے پنجہ شریف بغداد۔ عکبرہ (متصل بغداد) موصل۔ اردابیل (آذربائجان)
وغیرہ مقامات میں موجود ہیں اس قسم کے پنجوں اور قدموں کے نقوش کی روایات قریب قریب
ہر مذہب میں ہیں۔ اور بقول جینوا کے پروفیسر ڈبلیو ڈینز (W. Deonna) کے اس بارے میں ایک
خاص کتاب بدویوں کی موجود ہے جس پر پتھر کی چٹانوں پر نقوش قدم کے تذکرے ہیں۔ محمد معصوم
کی قبر جس احاطے میں ہے وہ مشرق سے مغرب رخ ۷۲ فٹ اور شمال سے جنوب ۸۱ فٹ ہے اور باغیچی کے
نام سے مشہور ہے۔ یہ احاطہ اینٹوں کا ہے جس کے چار۔ دں کونوں پر ہشت پہلو برجیاں ہیں اور
داخلی دروازہ مغرب رویہ ہے۔ احاطے کے جنوبی جانب ایک چھوٹا سا پویلین ہے جس کے تین
محراب دار در ہیں اور چھت لداؤ کی ہے۔ کچھ عجب نہیں کہ اُس زمانے میں یہی مقام پنجہ شریف کی
گاہ رہا ہو اب یہ احاطہ اور لان گاؤں والوں کے قصبہ میں ہے اور پنجہ شریف کا کچھ پتہ نہیں چلتا کدھر گیا
وہ کتبہ یہ ہے:۔

یا اللہ یا محمد

بسم اللہ الرحمن الرحیم

خاتم الرسالۃ علیہ الصلوٰۃ والتسلیم

از انجا کہ پنجۂ مبارک حضرۃ یافتہ ام شنیدم بمکۂ معظمہ بر کوہ حرا کہ آنرا جبل نور گویند پینگ نشان بدن انور
حضرت است کہ ابتداء وحی جبرئیل علیہ السلام بر آن سنگ سینۂ منور چاک کردہ[1] بانوار پُر نمودہ و در غار
جبل ثور کہ حضرت وقت ہجرۃ پنہان شدہ بودند نشان پہلو و پشت دست مطہر است و بطائف
متصل مسجد النبی در غاری اثر پہلو و پشت و دست اقدس و نقش پای آنحضرت بعد بچہ و قطرات شیر موجود
است و حضرۃ بمسجد الحرام . . نماز میرفتند در زقاق الحجر[2] بگفتہ کسی از تاسف فوت جماعت تکیہ بدیوار نہادند

[1] یہ واقعہ حضرت رسالت پناہی کی صغر سنی میں ہوا جب کہ آپ اہل عرب کے دستور کے موافق دائی حلیمہ کے بیٹوں
کے لڑکوں کے ساتھ بکریاں چرانے باہر جنگل میں جایا کرتے تھے۔ ۱۲ [2] زقاق کے لغوی معنے گلی (۔۔ صفحہ آئندہ)

...مبارک بسنگ درآمد واز دیوار چپ سنگی عرض کرد جماعة تیار داں در دروغ گو ابلیس بود اثر زماز. سنگ ظاہر است آخر کتاب[1] الاعلام با علام بیت الحرام اماکن زیارت نوشتہ خلاصہ ترجمہ آنکہ مابین مولد النبی وخانۂ حضرة خدیجہ درراہ مسجد یست بکوچہ نام او زقاق المرفق انجا... دردکان؟ ابوبکر؟) بود در موصوف میفروخت قریش بدیواری سنگیست ومواثر آرنج دستیست ودر کتاب بحر العمیق از زبدة الاعمال نوشتہ کہ آن اثر آرنج ید مبارک است دلتی قدی بتاریخ مکہ گفتہ مردم زیارت آں می کنند ومیگویند آنحضرت تکیہ بران سنگ کردہ سخن میگفت با سنگ دیگر کہ پیش آنحضرت بود بجانب چپ[2] زیارت او نیز میکنند مطلب کہ این سنگ ہمان باشد کہ حضرة فرمودند سنگی میدانم در مکہ ہر گاہ بر او میگذشتم سلام میکرد بما ودر جبل ابو قبیس قبر حضرة آدم وحوا وشیث علیہم السلام است وخلص ترجمہ تاریخ آذری انکہ حدود حرم مکہ شریفہ حضرة ابراہیم باشارہ جبرئیل علیہما السلام

(دیکھو نوٹ صفحہ ۱۶۲) یا کوچے کے ہیں اور حجر پتھر کو کہتے ہیں۔ زقاق الحجر مکہ معظمہ میں ایک گلی کا نام ہے جہاں ایک پتھر ہے جس کی نسبت مشہور ہے کہ وہ ایک دفعہ بول اٹھا تھا۔ حاجی لوگ کہتے ہیں کہ اس پتھر پر زبان کی طرح کا اب بھی ایک نشان موجود ہے۔

[1] اس کتاب کا پورا نام "کتاب الاعلام باعلام بیت اللہ الحرام" ہے مطبوعہ ... جس فقرے کا حوالہ اس کتبے میں ہے وہ پورا یوں ہے اور چونکہ کتبہ ناقص ہو گیا ہے لہذا اس روایت کی پوری عبارت نقل کردینا مناسب معلوم ہوا وہوا ہذا۔ قال القاضی ابو البقاء ابن ابی الضیا فی البحر العمیق ذکر سعد الدین الاسفرائنی فی کتاب زبدة الاعمال ان اہل مکہ یمشون اذا اراد وا المولید من دار خدیجة رضہا الی مسجد یقولون انہ دکان ابی بکر الصدیق کان یبیع فیہ الخز واسلم فیہ علی یدہ عثمان بن عفان وطلحہ والزبیر رضی اللہ عنہم قال وفی جدار الدکان اثر مرفق رسول اللہ صلعم یروی ان رسول اللہ صلعم جاء دار ابی بکر ذات یوم ونادی یا ابابکر ... الخ

ترجمہ قاضی ابو البقا ابن الضیا البحر العمیق میں کہتے ہیں کہ سعد الدین اسفرائنی نے اپنی کتاب زبدة الاعمال میں لکھا ہے کہ مکے کے لوگ جب مقامات مقدسہ کی زیارت کو جاتے تھے تو حضرت خدیجہ رض کے مکان پر سے گزر کر ایک مسجد ملتی ہے جس کو لوگ حضرة ابوبکر صدیق کی دکان بتلاتے ہیں۔ جہاں آپ ریشم فروخت کیا کرتے تھے اور اسی دکان میں عثمان بن عفان طلحہ اور زبیر رضی اللہ عنہم مشرف باسلام ہوئے۔ سعد الدین ناقل ہیں کہ اس دکان کی دیوار میں حضرت رسول اللہ صلعم کی کہنی کا نشان ہے اور یہ بھی مروی ہے کہ پیغمبر خدا صلعم ایک دن حضرت ابوبکر رض کے مکان پر ... ... گئے اور آواز دی ... ابابکر ...

[2] الکلام المبین مطبوعہ نامی پریس الکھنؤ صفحہ ۲۹ ۔ ۱۲۸ بحث نمبر ۱۱ اس سے پہلے ... اس پتھر کے تعین میں ... بعض کہتے ہیں کہ وہ پتھر حجر اسود ہے جسے لوگ بوسہ دیتے ہیں اور کچھ لوگ یہ کہتے ہیں کہ وہ پتھر زقاق المرفق نامی گلی میں ہے۔ (زقاق۔ گلی۔ مرفق۔ کہنی) ۱۲

بسنگ دگل بنا نمودہ و حد طرف عرفات کوہ نمرہ یازدہ کروہ[۵۱] از مکہ زیر کوہ در غازی منزل آنحضرت بعذ
بود وسابق برائے آدم از جنت خیمہ یاقوت سرخ یا سپید فنادیل ؟) طلا و حجر الاسود بر روشنی ستارہ ملائکہ
آوردہ جائے کعبہ داشتند روشنی انہا تا حدود حرم[۵۲] . . . .
میکردند تا نظر شیاطین بر وینفتد و جبرئیل . . . . ازہ آدم . . . . گفت . . . .
باشارت انگشت مبارک دو نیمہ شد بر دو نیمہ[۵۳] . . . . بعض احادیث ثابت است بآسمان رفت ؤلیسا نیدہ
محمد معصوم مخاطب + ... (اعتبار ؟) خان عظیم الشانی سنہ ۲ مبارک محمد فرخ سیر
پادشاہ غازی (۱۱۲۷ھ) جس پنجہ شریف کا ذکر اس کتبے میں ہی ممکن ہی کہ سکت وہابیوں نے چرالیا
ہو جو اس قسم کے معجزات اور پرستش کے سخت مخالف ہیں۔ ۱۸۵۷ء کے غدر کے کچھ دنوں
پیشتر بھی وہابیوں نے دلی کی مشہور درگاہ قدیم سے قدم رسول کے اڑا دینے کا قصد کیا تھا۔
اس قدم شریف کو مصر سے سید جلال الدین بخاری عرف مخدوم جہانیاں بزمان فیروز شاہ تغلق (۷۹۰ھ)
لائے تھے۔ یہ راز عین وقت پر افشا ہو گیا اور بہادر شاہ بادشاہ نے اُن لوگوں کا معقول
تدارک کیا۔ مولوی محمد عمر صاحب قادری المعروف بہ سراج الحق نے قدم رسول کی اصلیت
اور واقعیت پر ایک عمدہ رسالہ الاستشفا والتوسل باثار الصالحین وسید الرسل (مطبوعہ ۱۳۰۹ھ
مطبع خادم الاسلام دہلی) لکھا ہی۔ اس رسالے میں مصنف نے اس معجزے کے متعلق کہ حضرت
رسول مقبول کے لیئے پتھر نرم پڑ جاتا تھا اور آپ کے قدم کا نقش اُبھر آتا تھا تفصیلی بحث
کی ہے اور روایات معتبرہ سے اس معجزے کی صحت کو ثابت کیا ہی۔

---

[۵۱] کروہ اور کوس دونوں سنسکرت کے لفظ "کرومس" سے مستخرج ہیں جس کے لفظی معنے ہیں
آواز بلند۔ کوس عموماً دو میل کا شمار کیا جاتا ہی۔

[۵۲] یہاں تعمیر خانہ کعبہ کا واقعہ بیان کیا گیا ہی جب کہ حرم کی حدود مقرر کی گئی تھیں

[۵۳] معجزہ شق القمر کا ذکر ہی جس کا ذکر الکلام المبین کے صفحہ ۱۰۸ معجزے نمبر
معجزہ حضرت کے مکہ چھوڑ کر مدینہ جانے سے قبل کا ہی۔ ۱۲

مسجد جامع یا مسجد قوۃ الاسلام سنہ ۵۸۷ھ ۱۱۹۱ء

صفتِ مسجدِ جامع کہ چناں ست … شجرۂ طیبہ ہر سو چو طوبی بجناں
مسجدِ او جامعِ فیضِ الٰہ … زمزمۂ خطبۂ او تا بماہ
بر سرِ نہ تخت گرفتہ شہی … منبرش از خطبۂ بیت الٰہی
آمدہ در روی زِ سپہر کبود … فیض بیک خواندنِ قرآں فزود
غلغلِ تسبیح بگنبد دروں … رفتہ ز نہ گنبدِ والا بروں
گنبدِ او سلسلہ پیوندِ راز … سلسلہ چوں کعبہ شدہ حلقہ ساز
خواندہ امم کعبۂ دین خودش … پیش نشستہ حجر الاسودش
بندۂ سنگش دُرِ لعل و عقیق … زو ہمہ آزادیِ بیت العتیق
ہر کہ سعادت بودش رہنمای … بر درِ او سر نہد آنگاہ پای
در تہِ سقفش ز سما تا زمیں … نصب شدہ جملہ ستونہای دیں
قامتِ خود کردہ موذن دراز … دادہ اقامت بہ ستونِ نماز

(امیر خسرو ۔ از مثنوی قران السعدین)

رائے پتھورا کے اُس مندر کا یقینی طور پر کچھ حال نہیں معلوم ہوتا جہاں کہ مسجد کا بنانا بیان کیا جاتا ہے۔ یوں بہت سے بے سروپا بیانات ہیں کہ وہ بڑا بھاری مندر تھا جس میں تہری تہری اور چوہری چوہری قطاریں حجروں کی تھیں اور اس کے علاوہ بھی بڑی بڑی عالی شان اور وسیع عمارتیں تھیں۔ بات اصل یہ ہے کہ جب وہ چیز ہی موجود نہیں تو اُس کا اندازہ کیسے ہو سکتا ہے۔ سلطان محمد غوری کے نامور اور مورد مراحم خسروانہ جنرل قطب الدین ایبک نے دلی کی فتح کے بعد ہی جائے حالیہ پر جو مندر تھے اُن کو توڑ تاڑ جگہ ہموار کر کے مسجد بنانی شروع کر دی تھی۔ مسلمان مورخین اور بعض یورپین وقائع نگار کہتے ہیں کہ سلطان قطب الدین ایبک نے مسجد بنانے کے لیئے مندر کی صرف غربی دیوار گرا دی تھی اور باقی جوں کا توں کھڑے کا کھڑا چھوڑ دیا۔ لیکن جنرل کننگھم صاحب کی رائے یہ ہے کہ نہیں مندر کی عمارت تماماً سوائے چند ستونوں کے جن کا بیان آگے آئے گا ڈھا دی گئی تھی البتہ چبوترے کا اونچا حصہ پہلے ہی کا ہے جس پر کہ مسجد کی وسیع عمارت بنائی گئی ہے اور اسی سے اس بات کا پتہ چلتا ہے کہ مندر کی عمارت کہاں کہاں پھیلی ہوئی تھی لیکن اس چبوترے کے نیچے کے حصے کی چار دیواری

حالہ چھوڑ دی جو اپنی اصلی حالت پر کھڑی ہے۔ اس میں شک نہیں کہ ہندوؤں کے مندر ہزاروں سے زیادہ تھے جن کے نیست و نابود کیے گئے اور یہ تعصب اس قدر بڑھا کہ شمس الدین التمش کے زمانے میں جو قطب الدین کا جانشین تھا مندروں کا نام و نشان تک باقی نہ رہا (از ظفرنامہ)۔ یہ مسجد باہر سے دیکھنے میں بے رونق اور بھدی معلوم ہوتی ہے کیوں کہ پتھر کی مربع عمارت ہی جو بنتے بنتے ادھوری رہ گئی استرکاری اور تکمیل کی نوبت ہی نہ آئی ورنہ اس کی صورت شکل نکلتی۔ محراب دار صدر دروازہ مشرقی دیوار کے بیچ میں ہے سات بھاری بھاری سیڑھیاں چڑھ کر ہم اس دروازے میں داخل ہوتے ہیں اور پھر مسجد کا صحن ملتا ہے۔ مسٹر بگلر نے بغرض حصول معلومات جب جا بجا سے کھدائی کی تھی تو معلوم ہوا کہ سیڑھیوں اور مسجد کے صحن کی حالت پہلے کچھ اور ہی تھی۔ ان سیڑھیوں کا سلسلہ اور آگے تک تھا جن کے آگے ایک پختہ چبوترا تھا۔ مسجد کی بیرونی مشرقی دیوار ۱۴۲ فٹ لمبی ہے جس میں چار کھڑکیاں ہیں۔ مشرقی دروازے پر ایک محراب ہے جو ذرا پیچھے وار کو ہٹی ہوئی ہے جس کے بالائی حصے میں بہت کچھ نقش و نگار بنے ہوئے ہیں اور تحتانی حصے پر یہ کتبہ بخط عربی نہایت پیچیدہ طغرے میں کندہ ہے:-

این مسجد را بنا کرد قطب الدین ای باشخدا برآن
رحمت کناد هر که به نیت بانی این خیر دعاء ایمان گوید

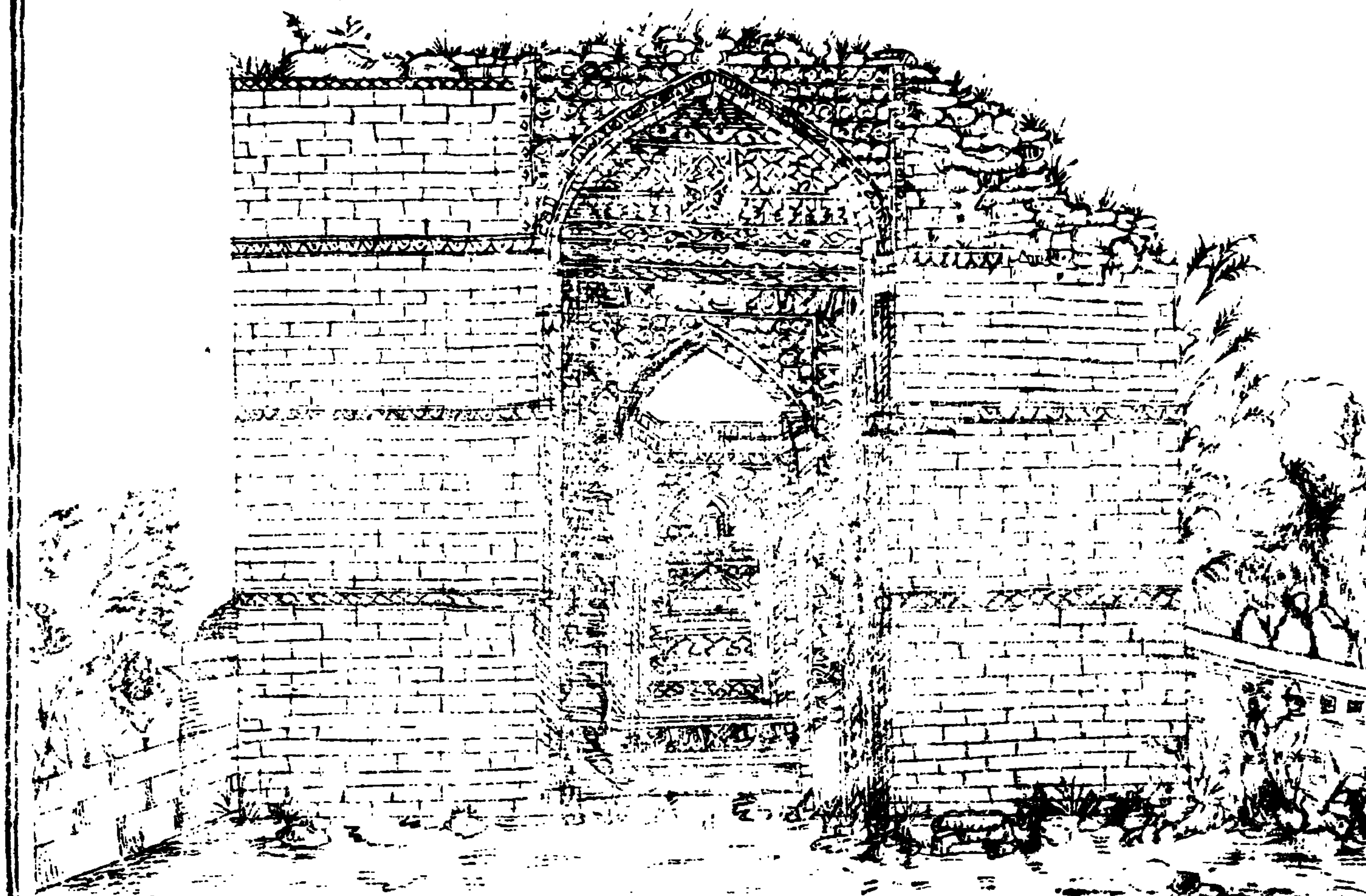
بسم اللہ الرحمن الرحیم من دخلہ کان آمنا وللہ علی الناس حج البیت من استطاع الیہ سبیلا ومن کفر فان اللہ غنی عن العلمین خدا عزوجل بر آن بندہ رحمت کند هر که به نیت بانی دعاء ایمان

این حصار را فتح کرد و این مسجد جامع را بساخت بتاریخ فی شهور سنہ سبع وثمانین وخمسمائۃ امیر اسفهسالار اجل کبیر قطب الدولہ والدین امیر الامرای ایبک سلطانی اعز اللہ انصارہ و بست و هفت الہ بتخانہ مرکسی در هر بتخانہ دو بار هزار هزار دلیوال[۵] صرف شدہ بود درین مسجد بکار بستہ شدہ است

مسجد کی مشرقی دیوار کے پائے کی کرسی ۴½ فیٹ ہے۔ دو دیواریں ۱۲ فیٹ لمبی اصلی دیوار سے متصل بہ شکل زاویہ قائمہ کھڑی ہیں جن میں وہ سیڑھیاں ہیں جو مسجد میں پہنچاتی ہیں اور دروازے

۵ فرگسن صاحب جن سے مسٹر ایڈورڈ ٹامس بھی اتفاق کرتے ہیں لکھتے ہیں کہ اگر ہر مندر کی تخمینی لاگت ساٹھ ہزار روپیہ بھی محسوب کی جائے تو ستائیس مندروں کی لاگت سولہ لاکھ بیس ہزار دلیوال ہوئی۔

دلیوال روپیہ کا پانچواں حصہ ہوتا ہے

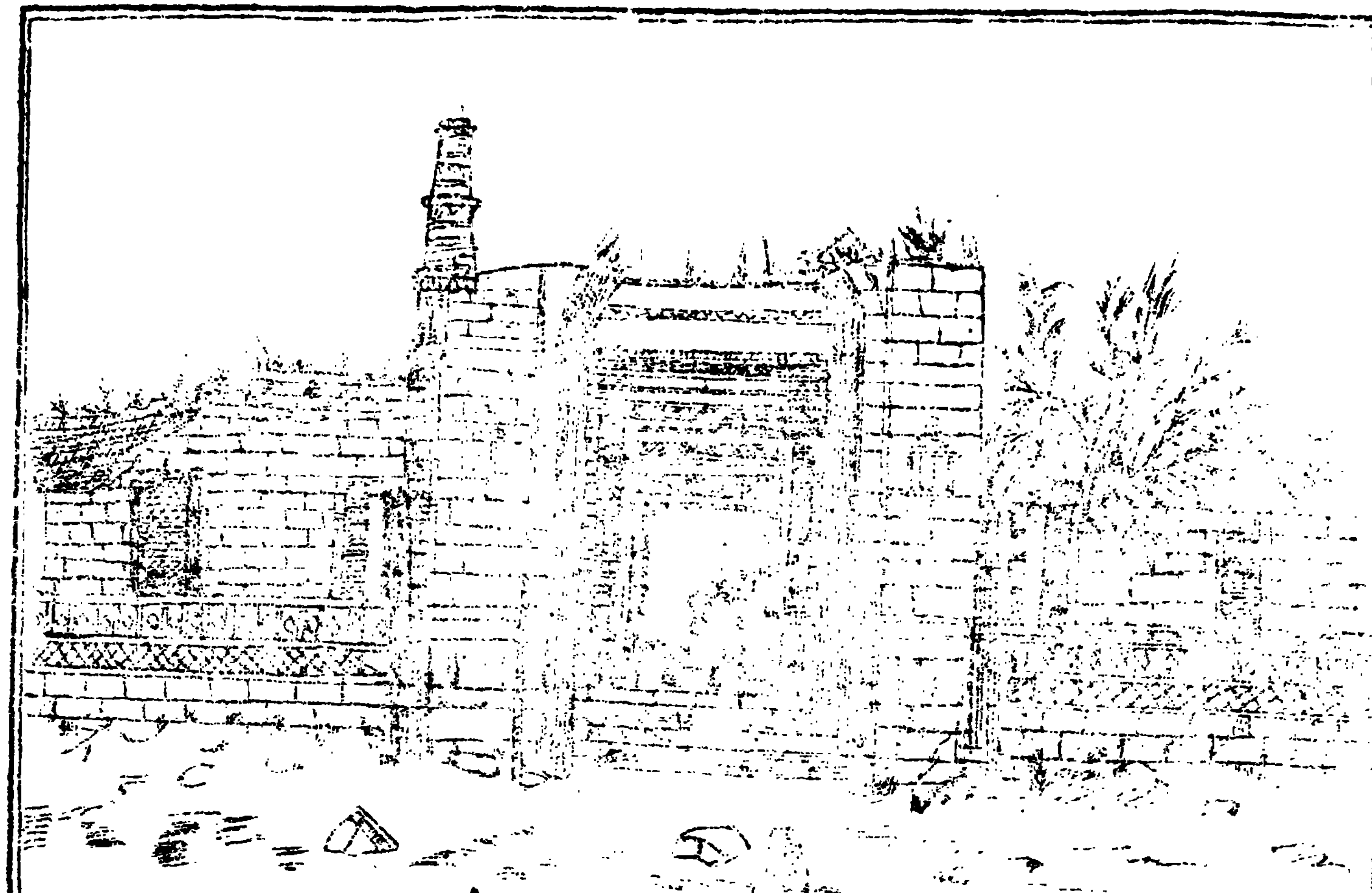


نقشہ دروازہ شرقی مسجد قوۃ الاسلام

کی محراب کے اندر تک ہیں۔ دروازہ گیارہ فٹ چوڑا ہے لیکن زیادہ اونچا نہیں۔ مسجد میں
داخل ہونے کے بعد ایک چھوٹا سا گنبد تھا جس کے دائیں اور بائیں دونوں طرف ستونوں کا
سلسلہ اور صحن ہے۔ جو تمام حجروں سے پٹا ہوا تھا لیکن صرف آدھے سے زیادہ صحن میں حجرے
باقی رہ گئے ہیں۔ صحن طول میں ۱۴۲ فٹ اور عرض میں ۱۰۸ فٹ ہے۔ گنبد ہشت پہلو ہے جو مربع
سے تلیچے پر کھڑا ہے۔ گنبد میں چار چار ستون پلجائی ہیں جن پر گنبد ٹکا ہوا ہے۔ یہ ستون تیرہ فٹ
لمبے اور پائے میں ڈھائی فٹ چوڑے ہیں اور ان پر پلی تھیپی ڈیڑھ فٹ چوڑی ہے۔
گنبد باہر سے نوکدار مخروطی شکل کا ہے۔ فرگسن صاحب مسجد کے حجروں کی نسبت لکھتے ہیں
کہ یہ عمارتیں اس قسم کی ہیں کہ ان کے گرانے اور دوبارہ پھر کھڑے کر دینے میں کوئی اشکال
نہیں۔ کیونکہ ستونوں کی کلاسی نہایت عمدگی سے ملائی گئی ہے جو بالکل ہندوؤں کی صناعی
ہے۔ ہر ہر حجرے میں نو نو سلیں پتھر کی اس طرح جمی ہوئی ہیں کہ چار تو ستون کے پاکھے پر ہیں
اور چار کونے میں اور ایک بیچ میں۔ ان سلوں کے جوڑ نہایت عمدگی اور ایسی صفائی سے
پیوست کیئے گئے ہیں کہ ان میں مسالا بھرنے کی مطلق ضرورت نہیں۔ ان کو اتار کر پھر
اسی طرح نہایت آسانی سے جما سکتے ہیں۔ گنبد بھی اسی طرز سے بنایا گیا ہے اس کی سلوں
کے جوڑ بھی خوب ملائے گئے ہیں اور اس کی سلیں بھی اسی آسانی سے نکالی اور لگائی جاتی
ہیں جیسی کہ حجروں کی (از ہسٹری آف آرکی ٹیکچر جلد دوم صفحہ ۶۳۹)۔
زائرین کے داہنی طرف ستونوں کی قطاریں ہیں جو شمالی دیوار کی آخری حد تک ہیں۔ ان میں سے
بعض کے سامنے برآمدے بھی ہیں۔ پہلی قطار میں سات ستون دیوار سے لگے کھڑے ہیں
دوسری قطار پہلی قطار سے چھ فیٹ کے فاصلے سے ہے اس میں چھ ستون ہیں۔
تیسری قطار بھی دوسری قطار سے چھ فیٹ ہے اور اس میں بھی چھ ستون ہیں۔ چوتھی قطار
صحن میں ہے جو تیسری قطار سے پانچ فیٹ دور ہے جس میں سات ستون ہیں یہ سارے ستون
اور نیز وہ ستون جو گنبد کی بائیں جانب ہیں سب نقش و نگار سے بھرے ہوئے ہیں۔ بعض پر
مختلف قسم کی تصویریں۔ کڑے۔ چوڑیاں۔ زنجیریں۔ بیلیں۔ لہریئے بھی ہیں جن کے
سرے پر گھنٹی یا پھندنا ہے۔ مشرقی دالانوں کے دونوں سروں پر ایک ایک گیلری دو منزلہ
بیس فیٹ مربع ہے۔ پست گنبد اسی طرح کے جیسے مشرقی دروازے پر ہیں اس طرف
بھی ہیں۔ مسجد کی دیواروں میں گیلریوں پر چڑھنے کی سیڑھیاں ہیں۔ گیلری پر کا گنبد ہشت پہلو

ہے جو ایک مربع پر جس کے آٹھ ستون ہیں ٹکا ہوا ہے - چار ستون چار کونوں پر ہیں اور چار بیچ بیچ میں - جنوب و مشرقی گیلری میں ایک نواں کھم بطور اڑواڑ کے لگا ہوا ہے - گیلری کے بیچ میں گنبد ہے اور گنبد کے ستونوں کے اطراف چھ فیٹ چوڑی کھلی جگہ ہے - اس گیلری کے شمالی اور جنوبی رخ پر مسجد کی مشرقی اور جنوبی دیوار آ گئی ہے جس میں چھوٹی چھوٹی کھڑکیاں ہیں - دوسری جانب چھوٹے چھوٹے ستون ہیں جو دالان کے ستونوں سے آدھے ہیں گیلری کی چھت انھیں ستونوں پر تھمی ہوئی ہے - ان ستونوں میں سے اکثر پر نقش و نگار ہیں - ایک امر یہاں خاص طور پر ذکر کرنے کے قابل ہے جس سے بلا شائبہ شک کے ثابت ہو جاتا ہے کہ فرش تو قائم رکھا ہے مگر بالائی عمارت مندر توڑ کر مسجد بنائی گئی ہے - اول تو یہ کہ دیواروں سے ستونوں کے بالائی ٹکڑے آگے بڑھے ہوئے ہیں اور ان کی بیٹھک کا پتھر بھی نہیں ہے - شمال مشرق کی گیلری میں بھی اسی طرح کے ستونوں کے اوپر کے ٹکڑے موجود ہیں چھت کی بعض سلوں میں بودھ کی مورتیں بنی ہوئی ہیں جو کبھی وشنو کے مندر میں نہیں ہو سکتیں - جس طرح کی گیلری جنوب مشرق کے کونے میں ہے ویسی شمال مشرق کے کونے میں بھی ہے - شمال مشرق کے دالان کے ایک کونے میں سے ہم شمالی دالان میں جا نکلتے ہیں جو مسجد کے صحن کی آخری شمالی حد ہے - اس دالان میں ستونوں کی چار چار قطاروں کی جگہ صرف تین تین قطاریں ہیں یہاں کے ستون ایسی اچھی حالت میں ہیں جیسے کہ مشرقی دالان کے ہیں - اس دالان میں (۴۹) ستون ہیں جن میں سے سترہ تو دیوار سے چسپاں ہیں اور یہی گویا پہلی لین ہے - دوسری قطار پہلی قطار سے ساٹھ فیٹ کے فصل سے ہے اور اس میں بھی سترہ ہی ستون ہیں - رہی تیسری قطار وہ بالکل صحن کے کنارے پر ہے اور اس میں پندرہ ستون ہیں اور اس قطار میں اور دوسری قطار میں آٹھ فیٹ کا بعد ہے - شمالی دالان کے بیچ میں ایک مخروطی گنبد ہے جو مشرقی دروازے کے گنبدوں سے چھوٹا ہے - اس گنبد کے بالمقابل مسجد کا شمالی دروازہ ہے اور گنبد کی دونوں جانب کی دیوار میں تین بڑی بڑی کھڑکیاں ہیں - اس دروازے کی صرف دو سنگین سیڑھیاں ہیں - یہ شمالی دروازہ بھی بعض لحاظات سے مشرقی دروازے ہی کی طرح کا ہے مگر اس کی محراب کو استداد زمانے سے زیادہ نقصان پہنچا ہے - اس دروازے کی پیشانی پر بخط عربی یہ کتبہ ہے: -

بسم اللہ الرحمن الرحیم واللہ یدعوا الی دار السلام و یھدی من یشاء الی



نقشہ دروازہ شمالی درجہ دوم مسجد قوۃ الاسلام

صراط مستقیم فی[۱] شہور سنۃ اثنی و تسع
جرت هذه العمارة بعالی امر السلطان المعظم معز الدنیا والدین محمد بن سام
ناصر امیر المومنین

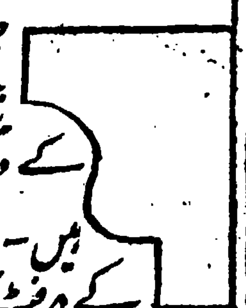
ہم اوپر لکھ آئے ہیں کہ شمال کی طرف کی دیوار اور اُدھر کا دالان دونوں ادھورے ہیں۔ اس دیوار کے شمال مغرب کے سرے پر تیس فیٹ کا خلا ہے اور ادھر کی گیلری خستہ و شکستہ ہے۔ جنوب رخ کا دالان صحن مسجد کی جنوبی حد بھی ہے۔ جو اس سے بھی بدتر حالت میں ہے۔ اس دالان کے جنوب مشرق کے سرے پر کوئی ساٹھ فیٹ لمبی دیوار اور پندرہ ستونوں کا دالان ابھی تک کھڑا ہے۔ اس کے ستونوں پر دوسرے دالانوں کے ستونوں کی طرح نقش و نگار نہیں ہے بالکل سادے ہیں۔ یہ دالان بیچ بیت کی دیوا میت سمیت آر سمتھ صاحب اگزیکیوٹو انجنیر دہلی کا بنایا ہوا ہے۔ صاحب موصوف نے سلطان التمش کی توسیع کردہ عمارت کے اُس حصے میں سے جو مسجد کے مشرقی دروازے کے محاذی ہے یہ ستون نکال کر یہاں لگا دئے جو صاف جعلی کھاتے ہیں۔ مسٹر کیمبل اگزیکیوٹو انجنیر دہلی لکھتے ہیں کہ مسٹر سمتھ کے تصرف اور الٹ پلٹ سے قطب الدین ایبک کی بنائی ہوئی کھڑکیاں بھی اپنی اصلی حالت پر قائم نہ رہ سکیں۔ اس دالان کے پندرہ ستونوں کے من جملہ چھ تو دیوار سے لگے ہوئے ہیں۔ دوسری قطار پہلی قطار سے پانچ فیٹ کے فاصلے پر ہے جس میں پانچ ستون ہیں اور تیسری قطار بھی اسی فصل سے ہے اور اس میں چار ستون ہیں۔ جنوب مغرب رخ کی گیلری اور گنبد بالکل نیست و نابود ہوگئے ہیں۔ مسجد کے جنوبی جانب بیچ کے حصے میں جتنی دیواریں اب کھڑی ہیں ان کے سرے پر مسجد کا جنوبی دروازہ ہے جو بالکل شمالی دروازے کے طرز کا ہے ادھر صحن میں جانے کی سات سیڑھیاں ہیں۔ اس دروازے میں جنوب و مشرق کی طرف کھڑکیاں ہیں مگر جنوب مغرب کی طرف کی دیوار اور کھڑکیاں سب کچھ گر گرا گیا۔ مسٹر بگلر نے

[۱] معلوم ہوتا ہے کہ کتبے کے کھودنے والے پڑھے لکھے نہ تھے صرف صورت نویس تھے۔ یہ تو صرف ۹۲ھ ہوتا ہے جو غلط ہے معلوم ہوتا ہے کہ خمس مائۃ رہ گیا ہے یعنی ۵۹۲ھ/۱۱۹۵ع کیوں کہ سلطان معزالدین بن سام کا یہی زمانہ ہوتا ہے۔ پھر اس میں بھی تسع کے لفظ کو سمجھیں تو ع کے نیچے کے نقطے سے سبع کا مغالطہ ہوتا ہے اور سبع سمجھیں تو ت کے نقطے ملا کر ث ہو جاتے ہیں۔ اور اس قسم کی غلطیاں قطب صاحب کی دھنشانے کے کتبوں میں بھی کئی جگہ ہیں بلکہ وہ اس سے بھی بدرجہا بدتر ہیں کہ لفظوں کی ترکیب غلط ہے کسی کا سر کسی کا پیر جوڑ گیا یعنی ملا کر بے تعلق جملہ جوڑ دیا۔۱۲

اس دروازے کے نیچے دار بھی کھدا ہوا تھا۔ نیچے نون کے پاؤں کے نشان سے چبوترے کی نوہ پرسے گویا شرقی دروازے کی سیڑھیوں اور پایوں کا جواب تھا۔ شور سے معلوم ہوتا ہے کہ ضرور اسی طرح کا ایک دروازہ مغرب کی طرف بھی تھا چنانچہ اس طرف بھی پانچ سیڑھیاں ابتک موجود ہیں جن کی موجودگی بزبانِ حال بتلا رہی ہے کہ یہاں بھی دروازہ تھا۔ صحن مسجد کے جانب مغرب پانچ بلند محرابیں تھیں لیکن بہ لحاظِ زمانِ تعمیر اُن کا ذکر آگے چل کر آئے گا کہ انھیں محرابوں کے پیچھے نمازگاہ کا صدر مقام قطب الدین ایبک کی بنا کردہ مسجد کا تھا۔ یہ عظیم الشان ہال بھی دوسرے دالانوں کی وضع قطع کا تھا جس پر ایک بڑا گنبد مشرقی دروازے کے گنبد کی طرح کا تھا۔ لیکن مسجد میں پچھواڑے کی دیوار میں سے کوئی رستہ نہ تھا بلکہ اس میں تین اونچی اونچی دیوار دوز محرابیں تھیں۔ ریاست لوہارو کے رئیس سابق نواب ضیاء الدین خاں بہادر پانچ طاق بتلاتے ہیں۔ یہ درمیانی ہال ۱۴۷ فٹ تھا۔ جس کی چھت سب سے عمدہ اور نفیس نقش و نگار کے ہندوانی ساخت کے ستونوں کی چار قطاروں پر کھڑی تھی۔ اب یہ مسجد ایسی شکستہ اور تباہ حالت ہے کہ اس کا عدم وجود برابر ہے۔ تھوڑا سا حصہ جو باقی رہ گیا ہے وہ صرف وہی ہے جو چبوترے کے شمالی رخ پر عالیشان دار کمانیں کھڑی ہیں جن کا ذکر ابھی اوپر آیا ہے۔ یہ حصہ قطب الدین ایبک کا بنایا ہوا تھا۔ بیچ والی کمان کا کچھ حصہ چبوترے کے اوپر ہے اور کچھ حصہ چبوترے کے جنوبی رخ کے پیچھے وار اور یہیں مسجد کے چند ستون بھی باقی ہیں۔ شمالی رخ پر چار قطاروں میں بارہ ستون رہ گئے ہیں۔ ان ستونوں کے سروں اور بیچ کے حصے پر بے نظیر سنگ تراشی کا کام کیا ہوا ہے ان ستونوں میں صرف ایک ہی ستون ایسا ہے جس پر کچھ کام نہیں اور سادہ ہے۔ بعض ستونوں پر اب بھی چھت کی سنگین کڑیوں کے ٹوٹے پھوٹے ٹکڑے اِدھر اُدھر کھڑے ہیں۔ اور چھت کا بھی ٹوٹا پھوٹا تھوڑا سا حصہ دو مقام پر نظر آتا ہے۔ دوسرا حصہ دس ستونوں کا اسی طرح ہے جیسا کہ شمالی چبوترے پر ہے اور بیچ کی کمان کے دوسرے چبوترے پر ہے۔ اس کی بھی چار قطاریں ہیں۔ جنرل کننگھم کی رائے یہ ہے کہ قطب الدین ایبک نے مسجد بناتے وقت ان ستونوں کو ہلایا جلایا نہیں بلکہ جہاں پہلے سے تھے ویسے ہی رہنے دیا۔ لیکن اس بات کا خیال رکھنا چاہیے کہ انھیں ستونوں میں سے ایک ستون پر یہ کتبہ ہے۔ "فضل ابن ابی المعالی متولی"۔ مسجد کی مغربی دیوار کا ایک تہائی حصہ شمال کی طرف اب بھی موجود ہے

جنوب کی طرف کا گر گیا۔ موجودہ دیوار کے وسط میں طاق نما محرابیں بنی ہوئی تھیں جن کا کچھ
حصہ اب بھی نظر آتا ہے۔ بیچ کی محراب کا نیچے کا حصہ جو دیوار کا بھی وسط ہے اب بھی
سطح زمین سے اونچا ہے۔ اس کا باقی حصہ گر گیا۔ اس کے شمال میں جو طاق نما محراب ہے وہ
البتہ جوں کی توں پوری کھڑی ہے لیکن جنوب والی محراب بالکل گر گئی۔ شمال رخ کی دیوار بھی
ابھی آدھی باقی ہے جو اسی رخ کے دالان کے سلسلے میں ہے لیکن مغربی دیوار تک نہیں پہنچ جاتی
جنوبی دیوار ایسی گری ہے کہ اب اس کا نشان تک باقی نہیں ہے۔ مسجد سے کوئی تیس فیٹ پر لوہے
کی لاٹ کھڑی ہے جو غالباً مسجد کے بننے کے پہلے ہی سے یہاں ہے۔ مسجد کے صحن میں چار
چھتریاں ہیں جن کے چبوترے بلند اور تعویذ خوش نما ہیں۔ مسجد کے اندر آنے کا رستہ بھی
ڈیوڑھی کی وضع کا پٹا ہوا تھا۔ فرگسن صاحب اس مسجد کی اس حیثیت کی نسبت جو سلطان
قطب الدین ایبک کے زمانے میں تھی لکھتے ہیں کہ "اس مسجد کی وضع قطع بالکل جین کے
مندروں کی سی ہے۔ ستون اسی تراش خراش کے ہیں جیسے کہ کوہ آبو کے مندروں کے
ہیں فرق صرف اتنا ہے کہ ان پر زیادہ کام کیا ہوا ہے اور یہ ہیں بھی زیادہ عمدہ۔ ان ستونوں کی
ساخت غالباً بارہویں یا تیرھویں صدی کی ہے۔ اب اس نمونے کے ستون کہ جن میں اس قدر
نقاشی کا کام ہو ہندوستان میں بہت کم باقی ہیں۔ ان ستونوں کی یہ حالت ہے کہ سر سے پاؤں تک
ان میں عمدہ صناعی سے ایک انچ بھی خالی نہیں" (ہسٹری آف آرکیٹکچر صفحہ ۶۴۸) آگے چل کر
اسی کتاب کی جلد دوم صفحہ ۶۵۰ میں لکھا ہے کہ "اس مسجد کے جہاں اور عجائبات ہیں وہاں اس کی
تعمیر کی نوعیت بھی عجیب و غریب ہے۔ افغان فاتحین کا طرز عمل یہ تھا کہ وہ ایک خاص قسم کی نوکدار
محراب بنانے کو فن تعمیر کا اصول سمجھتے تھے لیکن سائنٹیفک اصول پر وہ اس طرز کی
محرابیں بنانے سے قاصر تھے اس لیے انھوں نے ہندو معماروں اور کاریگروں کی
مرضی پر چھوڑ دیا کہ وہ اپنی رائے اور سمجھ کے موافق بنائیں۔ لیکن ہندو معماروں میں
اس زمانے تک کمان اتارنے کے طریقے سے کوئی واقف ہی نہ تھا بلکہ اس کے
بعد بھی کئی صدیوں تک وہ اس اصول سے نابلد رہے اس لیے وہ اسی اصول پر محراب
بنانے لگے جس طریقے پر کہ گنبد بنتا ہے اور وہ طرز یہ ہے کہ پہلے تو وہ جہاں تک بلند
کر سکتے تھے اٹھاتے چلے جاتے تھے بعد پتھر کی سلوں سے پاٹ کر سلوں کا سرا
اوپر سے ملا دیتے تھے" مسجد قوۃ الاسلام کی ابتدائی حالت جو سنہ ۵۹۲ھ میں تھی ہم

بصراحت بیان کر آئے ہیں۔ سو وہ بڑی بڑی محرابیں ہیں جو بے موقع نظر آتی ہیں بعد کی بنی ہیں۔ مسجد کی سطح والانوں کی سطح سے اونچی ہے۔ مسجد کے فرش کی سطح میں ہر سو فیٹ میں آٹھ انچ کا ڈھلاؤ ہے۔ مغربی دیوار سے جہاں سب سے زیادہ مرتفع سطح ہے مشرق تک جو سب سے زیادہ پست حصہ سطح کا ہے۔ اس سرے سے لے کر اس سرے تک ساٹھ انچ کی ڈھلان ہے۔ سلطان محمد غوری کی طلب پر قطب الدین ایبک غزنی چلا گیا تھا وہاں سے واپسی کے بعد اس نے مسجد کے سامنے والی محرابیں بنائیں جن کو فرگسن صاحب اس مسجد کی جان کہتے ہیں (ہسٹری آف آرکی ٹکچر جلد دوم صفحہ ۶۴۹)۔ ان محرابوں کے آثار آٹھ فیٹ کے ہیں جن کو تین حصوں میں تقسیم کیا جا سکتا ہے۔ درمیانی بلند دیوار اور ادھر ادھر کی دو چھوٹی دیواریں۔ درمیانی دیوار ۵۳ فٹ اونچی اور ۳۱ فٹ چوڑی ہے جب تمام چھوٹی ابھی بھی قائم تھیں تو بازو کی ہر دیوار ۲۶ فٹ بلند اور ۲۰ فٹ چوڑی تھی۔ اس دیواریں پانچ محرابوں کی جگہ رکھی گئی ہے۔ معلوم نہیں ہوتا کہ اس سے بانی کا ارادہ آیا یہاں پاٹاؤ کرنے یا کسی قسم کی چھت بنانے کا تھا یا کیا۔ مسجد کے ہر حصہ کے لئے چھت کا ہونا کچھ لازمات سے نہیں ہے۔ صرف قبلہ رخ ایک دیوار رہنا کافی ہے اور اکثر مسجدوں کو احاطے سے بھی محصور کر دیتے ہیں تاکہ نماز وغیرہ میں خلل نہ ہو۔ یہ کمانیں سنگ سرخ اور زرد رنگ کے بھر بھرے پتھر کی ہیں اور یہ اس شکل کی ہیں۔ بیچ کی محراب ۲۲ فٹ چوڑی ہے۔ اس کے اطراف کی

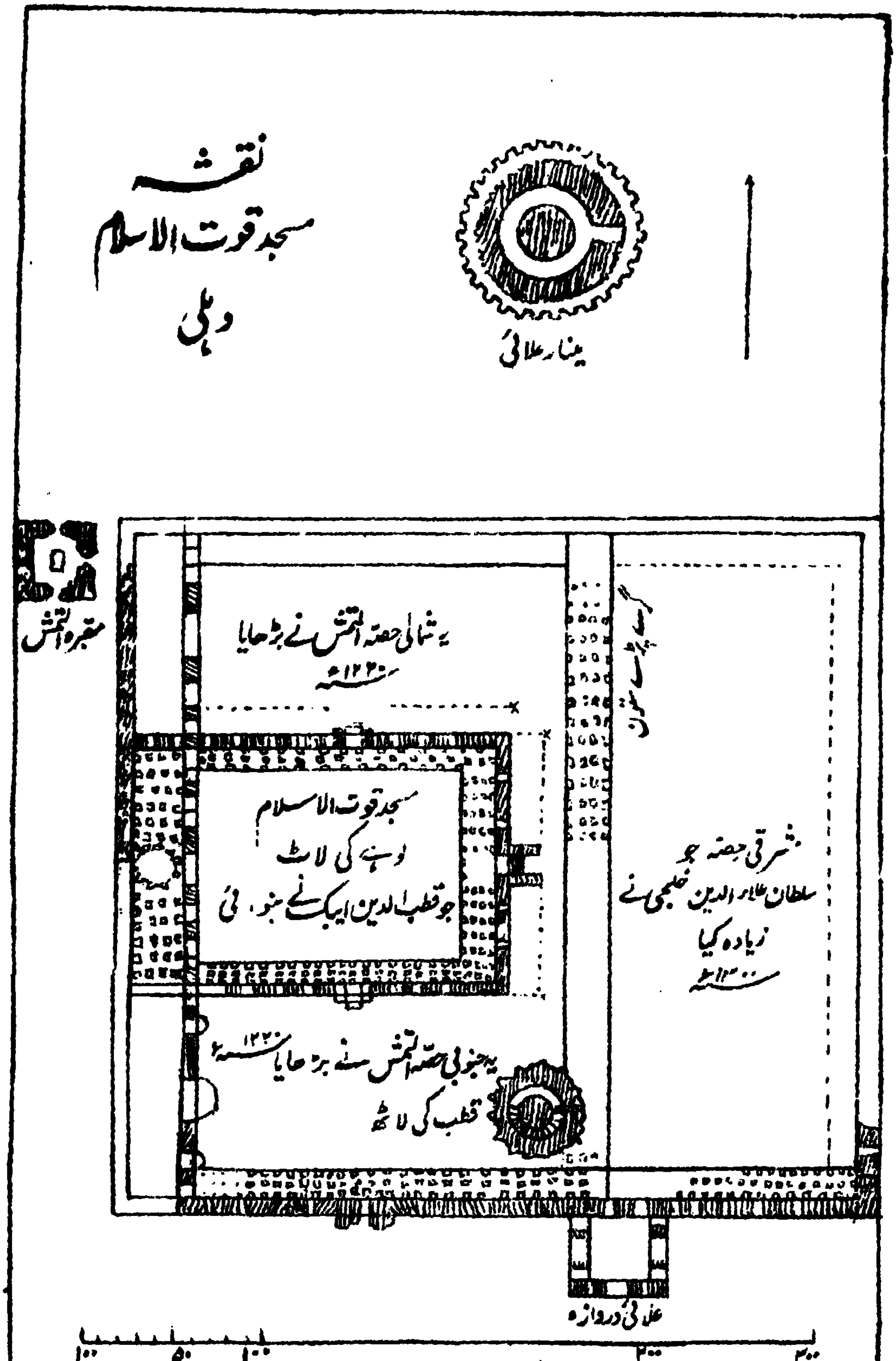


چار محرابوں میں سے اب صرف تین رہ گئی ہیں۔ دو شمال میں اور ایک بیچ کی محراب کے جنوب میں۔ یہ محرابیں ۲۴ فٹ بلند ہیں اور بیچ والی محراب کے دونوں طرف کی $11\frac{1}{2}$ فٹ اونچی اور دس فیٹ چوڑی کیوں سے ذرا دور ہٹی ہوئی ہیں۔ بیچ والی کمان کے ستون $9\frac{1}{2}$ فٹ مربع ہیں اور داہنی بائیں کمانوں کے ۸ فٹ مربع اور جو کمانیں پرے ہیں ان کے ستون مستطیل ۸×۵ ہیں ان محرابوں میں کوئی طاق نہیں ہیں اور ستون بن تراشے رہ گئے ہیں۔ غرض یہ کہ ادھوری ہیں۔ ان پر سر سے پا تک نہایت خوشنما کتبے آیات کلام مجید کے ہیں۔ یہ محرابیں ۵۹۴ھ میں بنائی گئی ہیں اور بیچ کی محراب کے بائیں بازو پر زمین سے آٹھ فیٹ کی اونچان پر تاریخ ۲۰ ذی قعدہ ۵۹۴ھ (۱۱۹۷ء) کندہ ہے۔ قطب الدین کا اس مسجد کے متعلق یہ آخری کام تھا۔ کمانوں اور ستونوں کے بے نظیر نقش و نگار اور خوش خط و خوش نما کتبات کے علاوہ

مسجد کی دیواریں بھی آیات قرآنی اور مختلف اقسام کے بیل بوٹوں سے آراستہ تھیں اور
ان میں ایک غرض یہ بھی مضمر تھی کہ تمام نامشروع تصاویر اور بتوں کی شکلیں جو مندر کی تھیں
ان کے نیچے ڈھک گئی تھیں۔ امیر خسرو لکھتے ہیں کہ "جب مسجد کی تکمیل ہو گئی تو نقش و نگار
اور آیات قرآنی یا پتھروں میں کھدوا دی گئیں یا پلاستر پر نقش کر دی گئیں"۔ اب پلاستر جا بجا سے
اکھڑ گیا ہے اور جن بتوں اور شکلوں کا چھپانا مقصود تھا وہ پھر نمودار ہو گئی ہیں۔ پلاستر جیدہ جیدہ اب
ان مقامات پر باقی رہ گیا ہے جو محفوظ تھے۔ مسجد کی چھت اور دیواروں میں
بعض بعض شکلیں اور پتھر اب بھی ایسے لگے ہوئے ہیں جن میں کرشن کا پیدا ہونا اور دیوتاؤں
کی مجلس بنی ہوئی ہے۔ سب سے صاف اور بہتر حالت میں وہ مورتیں موجود ہیں جنھیں
جنرل کننگھم نے نوٹ کیا ہے۔ مسجد کی شمالی دیوار کے باہر دو کمروں کا نقشہ بتلایا ہے۔
جس کا درمیانی دروازہ نصف کھلا ہوا ہے۔ ان دونوں کمروں میں سے ہر ایک میں
ایک ایک عورت اپنے پاس ایک بچے کو لیے ہوئے لیٹی ہوئی ہے اور تخت پر شامیانہ
تنا ہوا ہے اور ایک خادمہ پاؤں کے پاس بیٹھی ہوئی ہے۔ بائیں ہاتھ کی طرف کے کمرے
میں دو عورتیں اپنے اپنے بچوں کو لیے ہوئے دروازے کی طرف جا رہی ہیں۔ داہنے
ہاتھ کے کمرے میں دو اور عورتیں اپنے اپنے بچوں اور ایک دیوتا کی طرف لے جا رہی ہیں
دالان کے شمال مشرقی کونے میں ایک پتھر پر ان کھڑکیوں کے پاس جو شمال مشرقی گیلری
میں ہیں ایک دم سے چھ مورتیں وشنو۔ اندر۔ برہما۔ شیو اور دوسرے معلوم دیوتاؤں کی
پائی جاتی ہیں۔ بدھا کی بیٹھی ہوئی کئی مورتیں دونوں گیلریوں میں بنی ہوئی ہیں۔ بعض ان میں
کی بالکل صاف نمایاں ہیں اور بعض مدھم ہیں۔ لوہے کی لاٹ کے گرد کے دالانوں میں
جنرل کننگھم نے (۳۴۰) نقشین ستون گنے ہیں لیکن جب کہ یہ دالان مکمل حالت میں تھے تو
حساب کی رو سے (۴۵۰) ستون ہوں گے۔ بلا نقش و نگار کے جنرل صاحب نے
(۲۶۰) ستون شمار کیے ہیں اور موقعی حالت کے لحاظ سے اندازہ لگاتے ہیں کہ کل
دالانوں کی تکمیل کے لیے اور بارہ سو ستون ہونے چاہئیں۔ قطب الدین ایبک کی تعمیرات
کی خصوصیات یہ ہیں۔ خاص طرز کے گنبد جو اوروں سے بالکل الگ تھلگ پہچانے جاتے ہیں
مسطح چھتیں۔ دروازوں پر پاٹ۔ دالانوں کے ستون سرخ اور زردی مائل بھربھرے پتھر کے
ستونوں کا بلندی اور سجاوٹ میں دوسروں سے مختلف ہونا۔ ستونوں کے ٹکڑوں کی تعداد

اُن کے نقش و نگار - یہ سب باتیں اپنی وضع اور طرز میں نرالی ہیں - ستونوں کی نشست کا سلسلہ بھی پچھلے زمانے کی عمارتوں سے جدا ہی - ان ستونوں کے نادر اور نتیجہ خیز حالات کو ہم جنرل کننگھم صاحب کی آثار قدیمہ کی رپورٹ سے نقل کرتے ہیں وہ ان شکستہ مندروں کی بھٹائی بڑائی کی حالت اُس معلومات سے جو میں نے ۱۸۵۳ء میں حاصل کی تھی اور جس کی تکمیل اب میں نے ۱۸۶۳ء میں کی عجیب طرح بہم پونہچی ہی - مسجد کے متعلق جنوب و مشرقی کونے میں جو دالان ہیں اُن کے ستون پائے اور سرے سمیت تمام نئی وضع اور جسامت کے ہیں اور بالکل الگ پہچانے جاتے ہیں - ان ستونوں کے تین حصے ہیں اوپر اور نیچے کے اور درمیانی - ان ستونوں کے بالائی حصے پر نمبر بھی پڑے ہوے ہیں اور جہاں تک پتہ چلا سب سے اونچا نمبر (۱۹) ملا ہی - اور پندرہ خالی تھم نمبر پڑے ہوے ملے ہیں جن میں کا نمبر (۱۳) کا تھم شمالی دالان میں نصب ہی - جو اپنے سلسلے کے نمبروں سے بالکل الگ اور دور کھڑا ہی - تیرہ نمبر پڑے ہوے حصۂ زیریں اور سات بالائی حصے ملے ہیں - لیکن ان میں صرف ایک ستون نمبر (۱۰) کا ایسا ہی جس کے تینوں حصوں پر یکساں نمبر پڑے ہوے ہیں اور سب جوڑ بھی برابر ملے ہوئے ہیں - اس سے صاف یہ نتیجہ نکلتا ہی کہ کوئی ستون اپنی اصلی جگہ پر قائم نہیں ہی - کسی کا سر ہی تو کسی کا پیر کوئی کہیں کھڑا کر دیا گیا تو کوئی کہیں - نمبر پڑے ہوئے تھم کل (۱۵) ملے ہیں سترہ ہوئی شکلیں (۱۴) ملیں - جن میں چار چوکون ہیں اور پانچ کے کونے گول کیئے ہوے ہیں ایک ہی وضع قطع کے بیس بالائی حصے ملے ہیں جن میں سے ایک پر نمبر (۱۹) پڑا ہوا ہی - ان امور سے یقین ہوتا ہی کہ جن مندروں کے یہ ستون ہیں اُن میں کل (۲۰) ستون تھے نمبر (۱۲) کے تھم پر بخط ناگری ایک طرف لفظ "کچل" اور دوسری طرف (۱۱۲۴) کندہ ہی جو بکرماجیت کا سمت ہی اور ۱۰۶۷ء کے مطابق ہوتا ہی - یہ زمانہ انیک پال ثانی مالک لال کوٹ کا تھا جب کہ وہ دلی پر حکمراں تھا - راجوں اور سنگ تراشوں نے نہ صرف ستونوں ہی پر نشان ڈالے ہیں بلکہ اسی قسم کے نشان جابجا پورے پیل پایوں پر بھی - یہ نشان صاف اور مکمل ہیں مگر پھر بھی صاف طرح ان نشانوں اور الفاظ اصطلاحی کا مفہوم سمجھ میں نہیں آتا - نشانوں کی تفصیل یہ ہی:-

ف سرسید انیک پال کہتے ہیں اور انگریزی میں جہاں دیکھو اننگ پال ہی - ۱۲


نقشہ
مسجد قوت الاسلام
دہلی
مینار علائی
یہ شمالی حصہ التمش نے بڑھایا
سنہ ۱۲۳۰ء
مقبرہ التمش
مسجد قوت الاسلام
لوہے کی لاٹ
جو قطب الدین ایبک نے بنوائی
شرقی حصہ جو
سلطان علاء الدین خلجی نے
زیادہ کیا
سنہ ۱۳۰۰ء
یہ جنوبی حصہ التمش نے بڑھایا سنہ ۱۲۳۰ء
قطب کی لاٹھ
علائی دروازہ
۱۰۰　۵۰　۱۰۰　۲۰۰　۳۰۰

(۱) چپ ویڑا ۲ = بالائی ویڑا (؟) نمبر ۳ - (۸) پچھم راکی واشن = مغربی جانب کا سردل -
(۲) " " ۴ = " - (؟) نمبر ۴ - (۹) پورب پراتھما = مشرقی پہلا سردل -
(۳) پوچکی ۴ = پچھلا حصہ (؟) نمبر ۲ - (۱۰) پورب ۳ = مشرق نمبر ۳
(۴) " ۵ پچھم = " (؟) نمبر سوم (۱۱) پچھم را ۳ = آ (گی ؟) مغرب نمبر ۳ محاذ (؟)
(۵) وِنی چوتھی = ویڑا (؟) چہارم - (۱۲) " راکی پچھی = مغرب عقب
(۶) وِنی پنچم = " (؟) پنجم - (۱۳) " راکی ۶ = نمبر ۶ عقب
(۷) پراتھما اشن = پہلا سردل

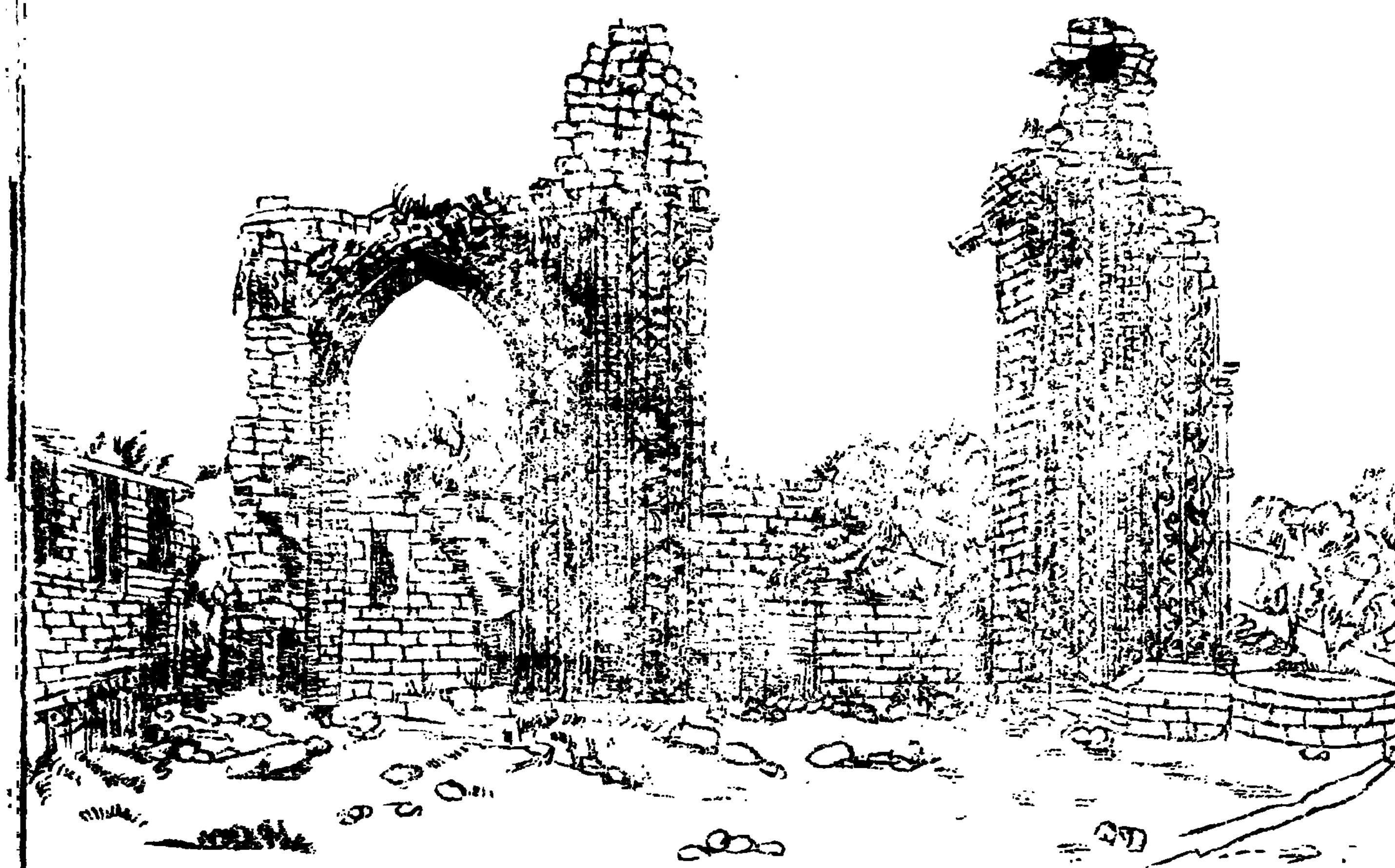
ستونوں کے نمبروں میں ایک اور خصوصیت قابل غور ہے کہ ہندسے کے اول اُس کا سرحرف بھی کھدا ہوا ہے - مثلاً (۳) کے ہندسے کے اول "تِ" یعنی تین اور (۱۰) کے اول "د" اور سولھا کے اول "سو" - اسی قسم کے نشانات ایک دوسرے مندر کے ستونوں پر بھی ہیں اور ایک دوسرے نمونے کے ستون پر بھی "دو ۲" کھدا ہوا ہے - اسی طرح ایک دیوار دوز ستون بھی اُسی قسم کا ملا جس پر "سی ۱۹" کھدا ہوا ہے - مذکورۂ بالا ستون کی پیمایش یہ ہے: - اوپر کا حصہ - ایک فٹ - ۴ - انچ - خالص کھمہ رسیانی حصہ ۴ - فٹ - ۱۱ $\frac{1}{2}$ انچ - پایہ - ۱ - فٹ - ۱۱ $\frac{1}{2}$ انچ -

سلطان التمش کے عہد کی توسیعات سنہ ۶۰۷ - ۶۳۳ھ / ۱۲۱۰ - ۳۵ء

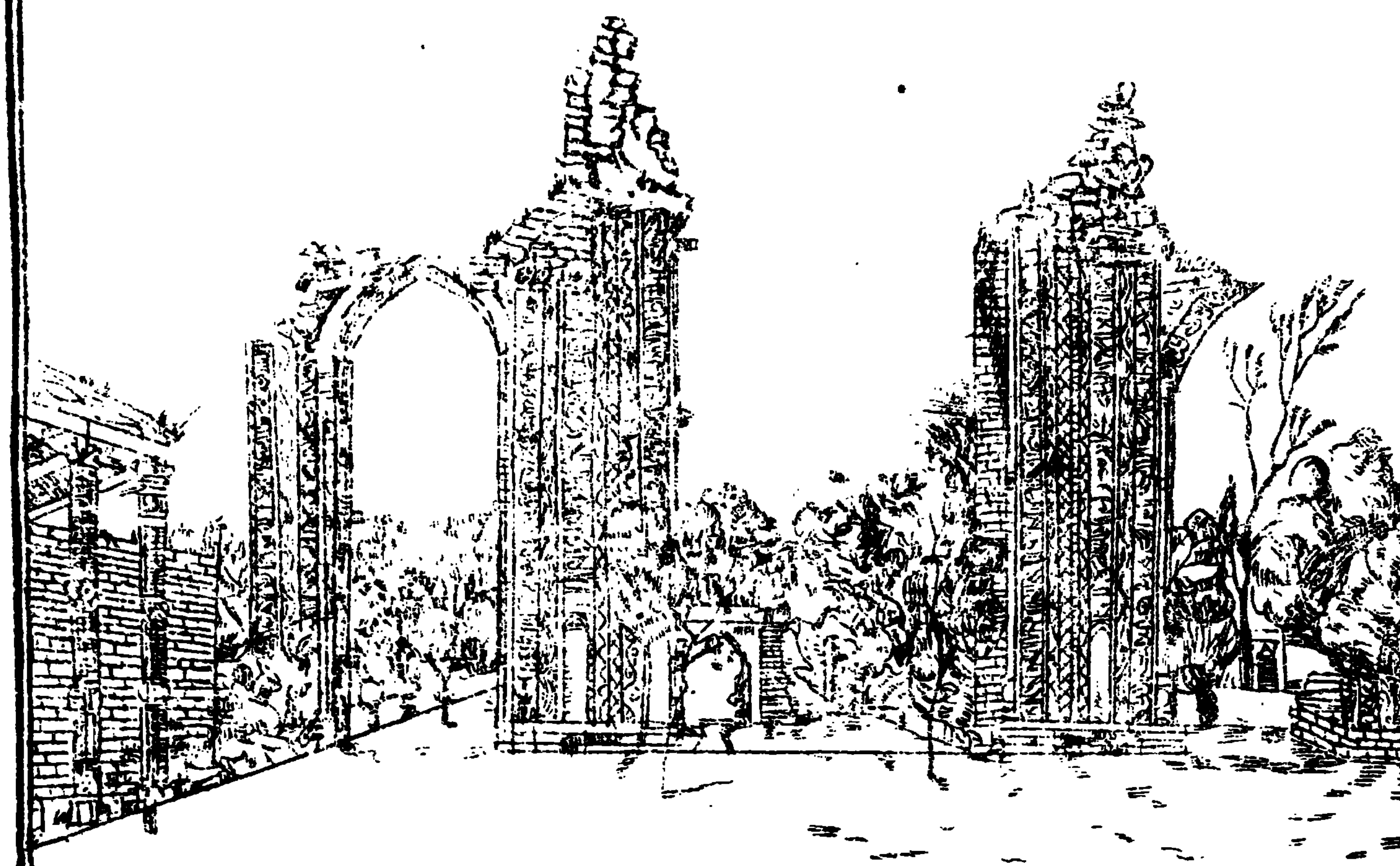
نخواہد ایں چمن از سرو لالہ خالی ماند
یکے ہمی رود و دیگرے ہمی آید

سلطان التمش نے قطب الدین ایبک کے بنائے ہوئے دالانوں میں ادھر اُدھر دو دالان اور بڑھا دیے اور مشرقی شمالی - جنوبی - تین طرف کے دالان بنوائے - مسجد کے پچھاں رخ کی دیوار دونوں طرف تقریباً ۱۱۵ فیٹ بڑھوا دی - اس طرح ساری دیوار کی لمبائی ۳۸۰ فٹ ہو گئی - اس بڑھائی ہوئی دیوار کا اب بہت تھوڑا حصہ رہ گیا ہے البتہ مسجد کے شمال مشرقی کونے کی طرف جو دیوار کھڑی ہے وہ التمش ہی کی بنائی ہوئی ہے لیکن اس کے بیچ میں بیس فیٹ کا ٹکڑا منہدم ہو گیا ہے اور باقی اور دیواریں جو اس رخ پر تھیں اُن کا پتہ صرف باقی ماندہ بنیادوں کے نشانوں سے چلتا ہے - شمالی دالان ۲۸۰ فٹ لمبا تھا جس کا پتہ اب بھی بڑی مشکل سے صرف بنیادوں کے پائے پر سے چلتا ہے - جنوبی رخ کی دیوار بھی ۲۸۰ فٹ لمبی ہے جو فی الجملہ درست حالت میں ہے - صرف

تھوڑی سی بیچ میں سے گر گئی ہے۔ التمش کے بنائے ہوئے مسجد کے جنوبی جانب والے حصے کی دیوار بھی ستر فیٹ گر گئی ہے مگر یہاں بھی بھری ہوئی بنیاد صاف موجود ہے۔ یہاں سے مسجد کی چھت کی دیوار کوئی تیس فیٹ تک جابجا گر گئی ہے لیکن ایک دالان جس میں ستونوں کی تہری قطاریں ہیں اُسی طرح کا جیساکہ مسجد کے جنوبی دروازہ کے پاس ہے یہ بھی ہے جو مسجد کے دروازے سے جا ملا ہے ابھی موجود ہے۔ اس دروازے کی محراب گر پڑی ہے اب صرف دونوں طرف کے پائے سولہ فیٹ اونچے کھڑے ہیں یہیں پانچ نقش دار ستون منہدمہ دیوار کی بنیاد کے برابر کھڑے ہیں اور یہی گویا پہلی لین ہے۔ دوسری لین میں سات ستون ہیں جو پہلی لین سے چھ فیٹ کے فاصلے پر کھڑی ہے۔ تیسری قطار میں بھی سات ستون ہیں یہ دوسری قطار سے ۶ فٹ کے فصل سے ہے۔ چار ستونوں پر ایک سپاٹ چھت جس کی سلیں ایک دوسرے پر چڑھی ہوئی ہیں موجود ہے۔ دروازے کے پاس یہاں ستونوں کا سلسلہ ختم ہو گیا ہے سو فیٹ کی ایک دیوار کھڑی ہے جو علائی دروازے تک بڑھی چلی گئی ہے۔ لیکن اس دیوار میں کوئی بیس فٹ تک کے ستون گر گئے ہیں۔ ستونوں کی بلندی اور ایک دوسرے کا باہمی فاصلہ اور چھت سب اُسی وضع کے ہیں جیسے کہ اُس دالان میں ہیں جس کا بیان ہم ابھی اوپر کر آئے ہیں۔ یہاں بھی ستونوں کی تہری قطار ہے جس میں سے چودہ دیوار سے لگے ہوئے ہیں۔ دوسری قطار میں سولہ اور تیسری میں پندرہ۔ اس دیوار میں سات بڑی بڑی بلند کھڑکیاں ہیں جن میں کی پانچ تو پوری بھی نہ ہونے پائیں اور ویسی ہی ناتمام رہ گئیں جن کے سامنے پردے کی دیوار تک نہیں ہے باقی دو ان سے بھی بڑی ہیں جن کے سامنے سنگ سرخ کی جالیاں علائی دروازے کی کھڑکیوں کی جالیوں کی طرح کی ہیں۔ اس مقام سے دس فیٹ پر قطب صاحب کی شان دار لاٹ کھڑی ہے۔ عموماً یہ خیال کیا جاتا ہے کہ التمش کی توسیعات یہیں ختم ہو گئی ہیں اس سے آگے نہیں بڑھیں بلکہ دو بڑی کھڑکیاں جو دیوار میں ہیں وہ بھی علاء الدین خلجی کی بنوائی ہوئی معلوم دیتی ہیں۔ بیشک یہ کھڑکیاں علاء الدین کے وقت کی معلوم دیتی ہیں لیکن علاء الدین کی بنائی ہوئی عمارات کا سلسلہ جب ہی جو کوں ہو سکتا ہے جب کہ جنوبی دیوار کو علائی دروازے سے جا ملائیں اور اغلب یہ ہے کہ علاء الدین نے یہ کھڑکیاں التمش کے دالان کو گروا کر بنائی ہیں علائی دروازے کے داہنی طرف چھوڑ کر ٹھیک



نقشۂ درجۂ سوم مسجد قوۃ الاسلام



نقشۂ درجۂ اول مسجد قوۃ الاسلام

جنوب کی طرف سامنے ہی التمش کے بنائے ہوئے مشرقی دالانوں کے کھنڈر مٹی کے تلے دبے پڑے ہیں - اس کے بعد ہم قطب الدین کی مسجد کے مشرقی دروازے پر آ نکلتے ہیں جو علائی دروازے سے دو سو فیٹ کے فاصلہ پر ہے - یہاں سے تیس فیٹ پر التمش کے شرقی دالانوں کا کچھ باقی ماندہ حصہ ہے جس میں (۴۲) ستون ہیں - جن میں سے انیس کھڑے ہیں اور پندرہ گرے پڑے ہیں - ان ستونوں کی چار قطاریں ہیں - پہلی قطار میں نو ستون اُس سڑک پر ہیں جو مسجد اور دالانوں کے درمیان ہے - دوسری قطار میں گیارہ - تیسری میں گیارہ اور چوتھی میں صرف تین - ان قطاروں میں چھ چھ فیٹ کا فاصلہ ہے اور چھت کا فرش اسا حصہ جہاں کہیں باقی رہ گیا ہے وہ ویسا ہی ہے جیسا کہ جنوبی دالانوں کا ہے - اس دالان کے بعد التمش کی توسیعات ختم ہو جاتی ہیں - التمش نے جیسا کہ لکھا جا چکا ہے نہ صرف حوالی مسجد میں اور دالان بنوائے بلکہ اُس نے قطب کی محرابوں کی بھی توسیع کی - فرق صرف اتنا ہے کہ التمش کی بنائی ہوئی کمانیں قطب الدین کی کمانوں سے زیادہ اونچی ہیں مگر پست سطح پر بنائی گئی ہیں اور ان کے پاکھوں میں طاقچے ہیں اور فیل پائے جو کھنبے ہشت پہلو تراشی ہوئی ہوتی ہیں اور اوپر کٹہرا ہے اور فیل پایوں ہی پر ساری لو ندار محرابوں کا وزن ہے - یہ فیل پائے بوجھ خوب سنبھالے لیتے ہیں - ان کمانوں کے نقش و نگار پہلے زمانے کی صناعی سے بدرجہا نفیس اور بہتر ہیں قطب الدین کی کمانوں کے دونوں پہلوؤں میں التمش نے بھی تین تین کمانیں بنائی ہیں ان دونوں زمانوں کی محرابوں کے بیچ میں آٹھ فیٹ چوڑا راستہ ہے - التمش کی پہلی محراب اب بھی موجود ہے جس کا کنگورا البتہ گر گیا ہے مگر کمان جوں کی توں کھڑی ہے جو ۲۶ فٹ اونچی اور تیرہ فٹ چوڑی ہے - اس محراب کا شمالی فیل پایہ جو درمیانی محراب کا جنوبی فیل پایہ ہے ۱۵ فٹ چوڑا ہے - بیچ کی کمان جس کی محراب بڑی عالی شان ہوگی ۲۲ ½ فٹ چوڑی ہے - اس کے صرف دو ہی پائے ہیں اور تیسری کمان التمش کی بنائی ہوئی گر گرا گئی اب اُس کا نشان بھی نہ رہا - جنوبی سمت میں جو کمانیں التمش نے بنائی تھیں وہ ساری کی ساری نیست و نابود ہو گئیں - قریب والی اور بیچ والی دو محرابوں کے وجود کا پتہ صرف اُن کے فیل پایوں سے چلتا ہے - جنوبی رخ کی آخری کمان البتہ اپنی حالت پر قائم ہے جو جھڑ جھڑ کے پتھر کی پتلی سلوں کی بنی ہوئی ہے اور عن قریب گرنے والی ہے - یہ ایک بڑے تعجب کی بات ہے کہ دو محرابیں جو زیادہ مستحکم تھیں وہ تو زمانہ

ہوا کہ گر گئیں اور جو کم زور معلوم دیتی ہی یہی صحیح سلامت کھڑی ہی۔ التمش کے عہد کی فن تعمیر کی خصوصیات کے متعلق مسٹر کیمبل لکھتے ہیں کہ "ستون بھر بھرے پتھر کے مختلف بلندی کے ہیں جو بر خلاف ستون ہائے زمانۂ قطب الدین سلسلے ترتیب نصب کیے گئے ہیں کوئی خیال درمیانی فصل کی یکسانیت کا نہیں رکھا گیا۔ یہ ستون کسی اور پرانی عمارتوں کے معلوم دیتے ہیں مگر سندروں کے نہیں معلوم دیتے۔ محرابوں کی ساخت۔ آراستگی۔ صناعی۔ سب باتیں قطب الدین کے زمانے سے بہت بڑھی ہوئی ہیں۔

سلطان علاء الدین خلجی کی توسیعات

سنہ ۶۹۵ - ۷۱۵ھ
۱۲۹۵ - ۱۳۱۵ء

ہر کہ آمد عمارتے نو ساخت رفت منزل بدیگرے پرداخت

سنہ ۶۹۵ھ ۱۲۹۵ء میں سلطان علاء الدین خلجی اپنے چچا جلال الدین بانی خاندان خلجی کے قتل کے بعد دلی میں تخت نشین ہوا اس نے بھی اپنے عہد میں مسجد قوۃ الاسلام کی توسیع کی۔ حضرت امیر خسرو لکھتے ہیں کہ "یہ چوتھی توسیع تھی"۔ یہ توسیع جتنے بڑے پیمانے پر تھی اُتنی ہی بہتر اور عمدہ بھی تھی لیکن افسوس ہی کہ باوجودیکہ سب سے بعد بنی تھی مگر سب سے پہلے گر گئی اور اس کا بہت ہی تھوڑا حصہ باقی رہ گیا ہی جس سے اُس کی نفاست کا اندازہ ہو سکتا ہی۔ جس کی تعریف میں اُس زمانے کے بے نظیر شاعر امیر خسرو رطب اللسان ہیں اس زمانے کے اب چھ ستون جو جنوب مشرقی دیوار کی طرف ہیں وہ بمقابلے قطب الدین اور التمش کے عمدہ نمونوں کے لوگوں کی نگاہ میں نہ بھریں گے لیکن نہایت عالی شان "علائی دروازے" کے آگے سب گرد ہیں جس سے اس بادشاہ نے دوامی شہرت حاصل کی ہی۔ علاء الدین کی صرف ایک یہی تعمیر ایسی لاجواب ہی کہ اگر وہ اور ایک اینٹ بھی مسجد میں نہ لگاتا تو بھی اس میں کسی کو محل شک نہ ہوتا کہ دلی کے بڑے بڑے بادشاہوں نے جو شہرت ابدی بہت سی سر بفلک عمارتوں کی تعمیر سے حاصل کی ہی اُس زمرے میں یہ سب سے دو قدم آگے تھا۔ علاء الدین کے زمانے کی کل توسیعات کو سمجھنے کے لیے بجائے اس کے کہ ہم التمش کے مشرقی دالان کی جنوب مشرقی حد سے شمال کی طرف رخ کریں ہم کو سیدھے جنوب کی طرف مشرقی دیوار سے زاویۂ قائمہ بناتے ہوئے جانا چاہیے۔ علاء الدین کے زمانے کے ستونوں کی وضع قطع التمش کے ستونوں سے

قدرے مختلف ہی - اب ہم علائی دروازے سے شروع کرتے ہیں - وہ ستون جو اندرونی دروازے کے سامنے والے دالان میں تھے اب نہیں رہے اور کوئی قریب تیس فٹ کے میدان صاف ہوگیا ہی - اس خلا کے مشرقی جانب سے پھر دالان کا سلسلہ شروع ہوگیا ہی جو علائی دروازے سے ۱۲۰ فٹ تک چلا گیا ہی جو دوسرے زمانے کے توسیع شدہ دالان سے جا ملا ہی - اس دالان میں چار دروازے اور تین بلند کھڑکیاں ہیں - کھڑکیوں میں سنگ سرخ کی جالیاں لگی ہوئی ہیں - اس بچے ہوئے دالان کی پہلی قطار میں بارہ - دوسری میں پندرہ اور تیسری میں گیارہ ستون ہیں - ان ستونوں اور قطاروں کا باہمی فصل اور چھت سب التمش کے اس دالان کی سی ہی جو جنوب میں ہی - جب ہم علاء الدین کی توسیع کے جنوب مشرقی کنارے پر پہنچتے ہیں تو یہاں بیس فیٹ تک دالان کے نشان ملتے ہیں مگر اس کے آگے صرف ملبے کا ایک ٹیلہ سا نظر آتا ہی - مشرقی دالان کا جس قدر حصہ اب باقی ہی اُس میں صرف گیارہ ستون ہیں - چار دیوار سے لگے ہوئے ہیں - چار دوسری قطار میں اور تین تیسری میں اور یہیں جنوب رخ کی دیوار میں جو بیس فیٹ لمبی ہی ایک دروازہ بھی ہی - حال کی کھدائی سے معلوم ہوا کہ علاء الدین کی توسیعات التمش کی شمال رخ کی توسیع سے بہت آگے تک تھیں اور اسی میں وہ ادھ بنی لاٹ بھی شامل ہی - یا یوں سمجھئے کہ علاء الدین نے مجملاً [illegible] ف × [illegible] ف زمین کے قطعہ میں دالان بنوائے تھے - قطب الدین کی تعمیر کردہ مسجد کی شکل مستطیل تھی جس کے شمالی اور جنوبی ضلعے لمبے تھے - التمش کی توسیع نے بھی اس کی مستطیل شکل میں کوئی تبدیلی نہیں کی مگر لمبوترے ضلعے شمالی اور جنوبی سے مشرق اور مغرب کی طرف ہوگئے اور یہی نقشہ علاء الدین کے زمانے میں بھی قائم رہا - امیر خسرو نے جو مسجد کی اُن توسیعات کا ذکر کیا ہی جو علاء الدین کے زمانے میں ہوئیں اُس پر سے اب پتہ چلنا مشکل ہی - وہ فرماتے ہیں کہ بادشاہ سلامت نے مسجد میں ایک ربع حصہ بڑھایا - یہ حصہ تین قدیم دروازوں اور صحن مسجد کے باہر تھا - جس میں اونچے اونچے ستون تھے اور پتھروں پر آیات کلام مجید اس نفاست اور عمدگی سے کندہ کرائی گئی تھیں کہ موم پر بھی ہونا ناممکن تھا - محرابوں کی بلندی کی یہ حالت تھی کہ بلا مبالغہ یہ معلوم دیتا تھا کہ قرآن شریف آسمان کی طرف صعود کر رہا ہی اور پھر اُتر بھی رہا ہی دوسرے مقامات پر جہاں نیچے کندہ تھا اُس سے ایسا معلوم دیتا تھا کہ کلام مجید نیچے اُتر آیا

غرض سر سے پا تک سارا کام باحسن الوجوہ مکمل تھا"۔ زمانے کے امتداد اور فنا کے دور دورے کا یہ کرشمہ ہے کہ اب ان ستونوں کا نشان تک بھی صفحۂ ہستی پر باقی نہیں رہا۔ مسٹر طامسن کی رائے ہے کہ امیر خسرو نے جن کمانوں کا ذکر کیا ہے وہ موجودہ کمانیں ہی ہیں لیکن جنرل کننگھم موجودہ کمانوں کو قطب الدین اور التمش کی بتلاتے ہیں۔ ان پر کتبات طغرائی میں عجب صنعت رکھی گئی ہے کہ خط بلحاظ بلندی کے گھٹتا بڑھتا ہے یعنی جوں جوں کتبہ اونچا ہوتا جاتا ہے حروف بھی بڑے ہوتے جاتے ہیں جس سے دیکھنے والے کو یکساں نظر آتا ہے۔ اگر ایسا نہ ہوتا تو نیچے کے حروف تو اچھی طرح نظر آتے اور اوپر کے بوجہ بُعدِ مقامی کے موہوم ہو جاتے۔ یہ ریمارک علائی دروازے اور مسجد کی محرابوں کے کتبات کی نسبت ہے۔ سٹیفن صاحب کے نزدیک علاء الدین کی بنائی ہوئی آٹھ محرابیں التمش کے شمالی دالان کے شمال میں تھیں۔ بیگلر صاحب کی کھدائی میں اسی طرف بڑے بڑے آثار کی دیواروں کے نشانات ملتے ہیں جو التمش کے وقت کی مغربی دیوار کے سلسلے کی توسیع ہے۔ اب یہاں گھنا جنگل ہے جس میں دیواریں چھپ گئی ہیں پھر بھی دس دس فیٹ زمین سے اوپر کھڑی ہیں۔ امیر خسرو جن چھ محرابوں کا ذکر کرتے ہیں وہ بھی اسی مقام پر تھیں چنانچہ اب بھی انکی بنیادوں اور پایوں کے نشانات موجود ہیں بلکہ ان نشانات پر سے ہم کہہ سکتے ہیں کہ آٹھ محرابیں رہی ہوں تو عجب نہیں۔ اگر ہم علاء الدین کی جنوبی لاٹ سے ایک خط مستقیم کھینچیں تو وہ خط علاء الدین کی جنوبی محرابوں کو دو مساوی حصوں میں تقسیم کر دے گا

علائی دروازہ
سنہ ۷۱۰ھ (۱۳۱۰ء)

کیسے کیسے زرنگار ایواں ملے ہیں خاک میں
ریزہ ریزہ اب بھی ویرانوں میں اطلس پوش ہے

یہ بڑا بھاری عالی شان گنبددار دروازہ سلطان علاء الدین خلجی کا بنوایا ہوا ہے اور اسی کے نام پر سے علائی دروازہ مشہور ہے۔ جنرل کننگھم صاحب لکھتے ہیں کہ دورِ افاغنہ کی جتنی عمارتیں دیکھنے میں آئیں اُن سب سے یہ بہتر ہے۔ فرگسن صاحب کا قول ہے کہ "اس عمارت سے پٹھانوں کے زمانے کی تعمیر کا وہ اعلیٰ طرز ظاہر ہوتا ہے جب کہ فن تعمیر معراج کمال پر پہنچ چکا تھا اور ہندو معماروں نے نہایت خوش نما اور نادر مسلمانی طرز کا کافی ملکہ حاصل کر لیا تھا"۔ یہ دروازہ جو بجائے خود ایک مستقل عمارت ہے علاء الدین کی بڑھائی ہوئی دالان میں ہے جو التمش کے دالانوں کی لین سے ذرا آگے ہے۔ یہ دروازہ غالباً مسجد کا د

معلوم تھا جو شہر کے رخ پر تھا۔ اس کے بنا کی تاریخ دروازے کی مشرقی مغربی اور شمالی محرابوں پر ۵ شوال سنہ ۷۱۰ھ کندہ ہے۔ یہ عمارت چوکون شکل کی ہے جو اندر سے ۳۴½ فیٹ اور باہر کے رخ سے ۵۶½ فیٹ مربع ہے۔ دیواروں کا آثار گیارہ فیٹ ہے۔ دروازے کی بلندی ۴۷ فٹ ہے۔ دروازے کی عمارت نیچے سے چوکور ہے مگر اوپر جا کر ہشت پہل ہوگئی ہے اور اسی پر گنبد اُٹھایا گیا ہے۔ اس دروازے کی نسبت فرگسن صاحب لکھتے ہیں کہ جہاں تک ہندوستان کی عمارتیں میری نظر سے گزری ہیں اُن میں یہ عمارت بڑی سڈول اور عمدہ ہے" چاروں طرف کے کونوں میں کئی محرب دار خوب صورت اور خوشنما طاق نکالے گئے ہیں۔ گنبد کے چاروں طرف کھلے اور بلند محراب دار در بطور دروازے کے ہیں۔ جنوبی اور شمالی رخ کے دروازوں کے مقابلے میں مشرقی اور مغربی دروازے ذرا پست ہیں۔ جنوب کی طرف دس فیٹ اونچا ایک چبوترا ہے جس سے سات سیڑھیاں اُتر کر دروازہ ملتا ہے۔ چاروں طرف کے دروازے بے نظیر بیل بوٹوں۔ نقش و نگار سے آراستہ ہیں۔ محراب نعل نما نوک دار ہے یعنی پھیلواں نہیں ہے۔ پاکھوں کی مرغولیں چھ انچ مجوف ہیں جن کو اس طرح تراشا ہے کہ جیسے کپڑا لپیٹا جاتا ہے اور پتلے پتلے خوش نما بل دار ستونوں پر محراب اُتاری ہے محراب کا کنگورا اور اندرونی حصہ چھ انچ مجوف ہے اور جابجا قائم الزوایا پٹکے پڑے ہوئے ہیں اور ان سب پر منبت کتبے عربی خط طغرا میں ہیں جن کے الفاظ پتھر میں تراشے گئے ہیں بعض جگہ کتبوں کے حروف امتداد زمانے سے ٹوٹ بھی گئے ہیں۔ اس عمارت کا تمام رکا سرے پاتک نقش و نگار سے دُلہن بنا ہوا ہے جو دیکھنے سے تعلق رکھتا ہے۔ قلم میں طاقت نہیں کہ اُسکا نقشہ کھینچ سکے۔ الفاظ میں وہ قدرت نہیں جو اس کی خوبی کا ایک شمہ بھی ادا کر سکے غرض یہ کہ چپہ چپہ جگہ بھی کاری گر نے ایسی نہیں چھوڑی جو صنعت بے نظیر سے آراستہ نہ ہو ہر دروازے کی دونوں جانب دو دو کھڑکیاں ہیں جو دروازے کے مقابلے میں ایک تہائی ہیں وہ بھی وضع قطع اور صناعی میں عین بعین دروازے ہی کی سی ہیں۔ ان میں نہایت عمدہ سنگ مرمر کی جالیاں نہایت باریک اور نازک کام کی لگی ہوئی ہیں۔ ورلی کھڑکیوں کی نسبت پہلی کھڑکیوں کی جالیوں کا کام اور بھی باریک اور نازک ہے۔ اِن کھڑکیوں کے اوپر ایک ایک طاق اور بنایا گیا ہے جو دور سے کھڑکیوں کی طرح کے نظر آتے ہیں جو چار چار

کا گمٹا ہیں۔ اِن میں کی دو دو عمودی محرابیں سنگ مرمر کے مستطیل چوکھٹے لگے ہوئے ہیں اور ان پر جو چھوٹے چھوٹے نمایشی طاق اوپر وار بنے ہوئے ہیں اُن پر کلام مجید کی آیتیں اور احادیث شریف نہایت خوش خط اور عمدہ کندہ ہیں۔ محرابوں کی پیشانی پر جیسا کہ عموماً دستور ہو انواع و اقسام کے بیل بوٹے سنگ سرخ میں منبت ہیں۔ جنوب رُخ کے دروازے کی معمولی مرمت میجر اسمتھ نے کرائی تھی لیکن نقش و نگار کو چھوا تک نہیں اور نہ اُن کی تجدید کی کوشش کی۔ جب باہر وار آراستگی کا یہ حال ہو تو اندر کا کیا پوچھنا اندر اور زیادہ صناعی اور نقش و نگار ہیں۔ چار خانے دار طرح طرح کے طغرے جو دور سے عین مین پھولوں کا گلدستہ معلوم دیتے ہیں نہایت بے نظیر اور قابل دید ہیں۔ فرگسن صاحب خود لکھتے ہیں کہ "عمدگی کے اعتبار سے لاجواب ہیں۔ دروازے پر کا گنبد بالکل سادہ اور صاف ہو البتہ اس عمارت کی عمدگی کے مقابلے میں کم تر درجے کا ہو لیکن اندر کا کام باوجود اس سادگی کے بھی نہایت دل کش اور دل آویز ہو"۔ باہر سے دیکھو تو گنبد چھوٹا اور پست نظر آتا ہو۔ دروازے کی دیواروں پر کنگورا ہو جنوب کے طرف کا کنگورا میجر اسمتھ صاحب نے جب مرمت کی تو اُتروا دیا۔ ۱۸۲۷ء میں میجر برٹ (Burt) نے اس دروازے کو دیکھ کر اس کی خستہ حالی پر توجہ دلائی تھی کہ اگر مرمت جلد نہ ہوگی تو گر جائے گا۔ اس کے دو سال بعد زیر اہتمام میجر اسمتھ اس کی داغ دوزی اور مرمت گورنمنٹ نے کرا دی اس گنبد میں کئی بڑے بڑے کتبے ہیں جن کی ہم ذیل میں نقل کرتے ہیں:۔

مغربی محراب کا کتبہ

چوں ایزد تعالیٰ اعلی اعلاءہ و سمی اسماءہ برائے احیائے مراسم ملت و اعلاء معالم شریعت خلدگان جہان را برگزیدہ تا هر لحظہ اساس دین محمدی استحکام می پزیرد و هر لحظہ بنائے شریعت محمدی میگردد از برائے دوام مملکت و نظام سلطنت عمارت مسجد طاعات بحکم کلام من لا ریب سواہ کہ انما یعمر مساجد اللہ من آمن باللہ (و الیوم الاخر) ابو المظفر محمد شاہ السلطان یمین الخلافۃ ناصر امیر المومنین خلد اللہ ملکہ الی یوم القیام رفع بناء جوامع الاسلام و ابقاء مدی الزمان فی اشاعۃ الاحسان فی التاریخ فی الخامس عشر من شوال

سنہ عشر و سبعمائۃ حضرت علیا خدایگان سلاطین مصطفی جاہ
انصار علامہ امر اللہ المخصوص بعنایت اکرم الاکرمین علاء الدنیا والدین غوث
والمسلمین معز الملوک والسلاطین القائم بتائید الرحمن ابو المظفر
محمد شاہ سکندر ثانی یمین الخلافۃ ناصر امیر المومنین خلد اللہ ملکہ بناء
این خیرات سنت و جماعت است عمارت فرمود - این مسجد کہ چون بیت المعمور
در افواہ جہانیان مذکور است بخلوص عقیدت قضا طویت مجلس اعلی خدایگان
سلاطین زمان علاء الدنیا والدین سلطان البر والبحر ..... المؤید بتائید
الرحمن ابو المظفر محمد شاہ السلطان یمین الخلافۃ ناصر امیر المومنین
خلد اللہ ملکہ الی یوم الدین

جنوبی محراب کا کتبہ

بتوفیق بیہمتا و معاونت بیشی نثر امثال لمسجد اسس علی التقوی تعالی امرہ وشانہ وتعالی
عدلہ واحسانہ بر مقتضی خیر ما مور امر فول وجہک شطر المسجد الحرام
محمد الرسول اللہ علیہ السلام کما قال من بنی مسجداً للہ بنی اللہ لہ بیت
فی الجنۃ مجلس اعلی خدایگان سلاطین زمان شہنشاہ موسی فر سلیمان
مکان راعی شرائط شریعت محمدی حامل مراسم ملت احمدی مؤکد معابر
معالم و مساجد و موطد قواعد مدارس و معابد و ممہد بنیان رسوم
مسلمانی و موسس مبانی مذہب نعمانی قالع اصول مردہ فجار و قاطع فروع
قیلہ کفار و ھادم بنا صوامع اصنام رافع اساس مجامع اسلام مظہر آیات
(اللہ) قاہر کفرہ رؤف متین قامع فجرہ روی زمین فاتح قلاع ساتح امکان
ضابط بقاع راسخ بنیان المعتصم بجلال اللہ المنان ابو المظفر محمد شاہ السلطان
یمین الخلافہ مبین دین اللہ ناصر امیر المومنین مد اللہ ظلال جلالہ علی رؤس
العالمین الی یوم الدین بنا فرمود این مسجد کہ مسجد جامع اولیاء و ملتجم ملت
اتقیا و مجمع ملایک کرام و محضر ارواح انبیاء عظام است بتاریخ فی الخامس عشر
من شوال سنہ عشر و سبعمائۃ - در عہد ہمایون حضرت علیا خدایگان

سلاطین جہان علاء الدنیا والدین العالی بحفوح الظفر ابو المظفر محمد شاہ
السلطان یمین الخلافہ ناصر امیر المومنین مد اللہ ظلال خلافتہ علی رؤس العباد
الی یوم الدین این مسجد کہ بوصف ومن دخلہ کان امنا موصوف است جامع
مسجدے کہ در فسحت و رفعت چون بیت المقدس مشہور است حضرت
اعلی خدایگان فایض فضل شامل احسان المؤید بتائید الملک المنان علاء الدنیا
والدین المظفر ابو المظفر محمد شاہ السلطان یمین الخلافت ناصر امیر المومنین
مد اللہ ظلال عظمتہ الی یوم الدین بصدق نیت وخلوص عقیدت بنا نمود۔

شرقی محراب کا کتبہ

بناء این بقعہ شریف و اساس این عمارت منیف بود در عہد سلطنت و ایام مملکت خدایگان
سلاطین جہان خسرو دارانشان سلطان کامل عدل وافر احسان شہنشاہ
شامل بر و نافذ فرمان معلی منابر اسلام محی آثار احکام بانی منابر مساجد
طاعات، رافع اساس معابد عبادات عامر بلاد وهدایت غامر دیار
غوایت .... وسریر مملکت مظہر قوانین جہاد مبرہن براھین اجتہاد
وضابط بلاد .... سلاطین رافع بناء محراب منابر اسلام کاسر اساس صوامع
اصنام ناصب قواعد خیرات حافظ حوانیت مسکرات بادشاہ کشور
کشائے سایہ رحمت خدائے مؤید بتائید یزدان ابو المظفر محمد شاہ
السلطان یمین الخلافۃ ناصر امیر المومنین خلد اللہ ملکہ فی عمارت المساجد
وایّد سلطانہ فی انارت المعابد وابقاہ فی المملکت والخلافۃ مدی الدنیا
ما تلیت سورۃ سبحان الذی اسریٰ بعبدہ لیلاً من المسجد الحرام الی المسجد
الاقصیٰ بفرمان برگزیدہ حضرت رحمان ضابط ممالک جہان سلطان
سلیمان نشان علاء الدنیا والدین غوث الاسلام والمسلمین معز الملوک
والسلاطین جامع بناء خیرات ...... والملحدین رافع اساس محراب
ومنبر ابو المظفر محمد شاہ السلطان یمین الخلافت ناصر امیر المومنین
خلد اللہ ملکہ الی یوم التناد این مسجد سامع عمارت کردہ شد .... این

مسجد جامع ... بفرمان برگزیدہ حضرت رحمان سکندر العہد والزمان علاء الدنیا والدین خسرو خسروان آفاق قمر رفیق .... ابو المظفر محمد شاہ السلطان یمین الخلافۃ مظہر العدل والرافۃ ناصر امیر المومنین

قطب صاحب کی لاٹ
سنہ ۱۲۰۰ء سے سنہ ۱۲۲۰ء تک

از نقش و نگار در و دیوار شکستہ
آثار پدید است صنادید عجم را

ہندو مسلمانوں میں ایک زمانے سے اس منار کی تعمیر کا مسئلہ مابہ البحث ہے - ایک فریق اس عالی شان منار کو اپنی بنائی کہتا ہے تو دوسرا اپنی لیکن جنرل کننگھم صاحب کے مدلل اور مسکت بیان نے (جو آگے آئے گا) اس کا قول فیصل مسلمانوں کے حق میں کیا - نواب ضیاء الدین احمد خاں صاحب رئیس لوہارو نے (۶۷) برس ہوئے آثار قدیمہ کی سوسائٹی میں ایک لکچر دیا تھا جس میں اُنھوں نے واقعات تاریخی سے ثابت کیا تھا کہ یہ منار مسلمانوں ہی کا بنایا ہوا ہے اور اپنے لکچر کے خاتمے پر یہ بھی کہا کہ "اس سے زیادہ قوی اور کوئی ثبوت پیش نہیں کیا جا سکتا سوائے اس کے کہ اُن لوگوں کے مردے قبروں سے اُٹھ کھڑے ہوں اور اپنے کام کی خود تصدیق کریں" - سرسید لکھتے ہیں کہ "یہ لاٹ حقیقت میں مسجد قوۃ الاسلام کا منار ہے اس کی رفعت اور شان اور بلندی اور خوش نمائی کا بیان نہیں کیا جا سکتا - یہ لاٹ اس قدر بلند ہے کہ بہت دور دور کے پھرنے والے بجز ایک آدھ جگہ کے ایسی بلند کوئی عمارت روئے

ملہ اگر قطب مینار کی نسبت ہم یہ کہیں کہ اس جیسی خوب صورت سڈول اور شان دار عمارت صفحۂ دنیا پر موجود نہیں ہے تو یہ کچھ مبالغہ نہ ہوگا قطب مینار کے جوڑ کی ایک منار کلک اٹلی کے مشہر فلارنس میں گیاٹو (Giotto) کی بنائی ہوئی ہے اور وہ قطب مینار سے تیس فیٹ زیادہ اونچی بھی ہے گو وہ گرجا کی وسیع عمارت میں گھری ہوئی پھنسی ہوئی ہے کہ اس کی خوب صورتی اور شان کو بٹہ لگ گیا ہے اور گو یہ مینار بھی بہت خوب صورت ہے مگر پھر بھی اس طرح عمارات میں جو قطب مینار کے پیچھے ہیں اس کی ممتاز حیثیت نمایاں کرتی ہے مسلمانوں کی صرف ایک ہی عمارت قاہرہ کی مسجد "حسن" میں ہے جو اونچی ہے لیکن قطب مینار اول ایک مستقل عمارت ہے جو سب سے الگ تھلگ ہے اور اس وجہ سے اس کا نقارہ کچھ اور ہی لطف دیتا ہے اور اس کی وضع قطع اور بناوٹ مصری مینار سے بدرجہا بہتر ہے اور اٹلی اور مصر کی منارے ہی کچھ موقوف نہیں سچ تو یہ ہے کہ روئے زمین پر اس کا جواب نہیں ہے۔

ملہ مسٹر فین شا لکھتے ہیں کہ "اس میں کسی شک و شبہ کا محل نہیں کہ لاٹ کی پہلی منزل قطب الدین ایبک کی بنائی ہوئی ہے - لاٹ کا نام جو قطب صاحب کی لاٹ ہو گیا اسی وجہ سے مشہور ہو گیا ہے اس کو حضرت قطب الدین بختیار کاکی سے کوئی تعلق نہیں ہے - واقعی یہ سلطان قطب الدین ایبک کی مسجد کی بنا ہے چنانچہ دوسری منزل پر سنہ ہجری کا کتبہ ہے جو خود اس امر کا بدیہی ثبوت ہے" اس سے زیادہ اور معتبر شہادت کیا چاہیے -

زمین پر نہیں نشان دیتے۔ نقل مشہور ہی کہ اگر اس کے نیچے کھڑے ہو کر اوپر دیکھو تو ٹوپی والے کی ٹوپی اور پگڑی والے کو پگڑی تھام کے دیکھنا پڑتا ہی۔ یہ لاٹ اس قدر بلند ہی کہ آدمی یہ خیال کرتا ہی کہ اس کے اوپر چڑھ کے بیشک آسمان کو پکڑ لوں گا اور اسی نردبانِ آسمانی کے ذریعے سے بے شبہ آسمان پر چڑھ جاؤں گا۔ بسا اوقات لوگوں کو اتفاق ہوا ہی کہ ساون بھادوں کے مہینے میں کہ عین موسم پھول والوں کی سیر کا ہوتا ہی اس لاٹ پر چڑھے ہوئے ہیں جب نیچے اُترے تو دیکھا کہ خوب مینہ برس گیا ہی جب جانا کہ ابر اس لاٹ سے نیچا تھا۔ اس لاٹ کے اوپر سے نیچے کے آدمی ذرا ذرا سے معلوم ہوتے ہیں اور چھوٹے چھوٹے آدمی ننھے ننھے ہاتھی گھوڑے دکھائی دینے کے سبب بڑا تماشہ معلوم ہوتا ہی اور اسی طرح نیچے والوں کو اوپر کے آدمی ذرا ذرا سے معلوم ہوتے ہیں اور ایسا شبہ پڑتا ہی کہ فرشتے آسمان پر سے اُترتے ہیں لاٹ کی چوٹی پر چڑھ کر عجیب وغریب منظر پیش نظر ہوتا ہی۔ مینار کی جڑ کے پاس مسجد قوۃ الاسلام اور اُس کے متعلقہ دالان اور عمارتیں ہیں تھوڑی دور بڑھ کر لال کوٹ کی چار دیواری ہی اور بجانب غرب سب سے اونچی رائے پتھورا کے قلعے کی عمارت نظر آتی ہی۔ جس کے سرے پر پرانی عیدگاہ کی بڑی بھاری کالی کالی دیوار کھڑی ہی۔ قلعہ رائے پتھورا کے شمال جانب میدان کے اُدھر جہاں پناہ کی گری ہوئی فصیل کے ٹیلے ہیں جن کا سلسلہ سیرھی کی منہدمہ فصیل تک چلا گیا ہی اگرچہ مینار پر سے یہ آخری حصہ نظر نہیں آتا مگر بیگم پور کی مسجد کی بڑی کالی کالی گراں ڈیل عمارت سے ہم کو اس کا پتہ چلتا ہی۔ جہاں پناہ سے آگے شمال مغرب کی طرف فیروز شاہ کے مقبرے کا گنبد جو حوضِ خاص کے پاس ہی دکھلائی دیتا ہی اُس سے آگے بڑھ کر صفدر جنگ کے مقبرے کا مخروطی قبہ چمکتا ہی اور اسی لین میں جامع مسجد کے برج جگمگا رہے ہیں۔ صفدر جنگ کے مقبرے کے مشرق میں پرانے قلعے کی لمبی فصیل ہی وہیں پاس حضرت نظام الدین اولیا کی درگاہ کا گنبد ہی اُس سے ذرا نیچے ہمایوں کے مقبرے کا عالی شان گنبد ہی۔ اس کے جنوب میں کالکاجی کا مندر ایک بلند مقام پر بنا ہوا ہی۔ یہیں سے نیچے دار کو قطب مینار سے ٹھیک پچھاں کے رخ پر تغلق آباد اور عادل آباد کے قلعے ہیں جن کے بیچ میں تغلق شاہ کا مقبرہ دکھلائی دیتا ہی۔ تغلق آباد کی سڑک کے قریب شمال کی طرف ایک بڑی بھاری ابرائی ہی جو حوض رانی اور کھڑکی کا میدان ہی۔ اس سڑک کے جنوب میں اور مینار کے پاس ہی جمالی مسجد اور سلطان بلبن کے عالی شان مقبرے کے کھنڈر ہیں۔ جس کے پاس حضرت قطب صاحب

لی لگا ہو اسکے جنوب میں موضع مہرولی کی بستی درختوں کے جھنڈ میں نظر آتی ہو۔ باوصف اس بلندی اور عظمت کے ایسی خوب صورت اور خوش قطع بنی ہوئی ہو کہ بے اختیار دیکھنے کو جی چاہتا ہی۔ اس لاٹ میں بالکل سنگ سرخ لگا ہوا ہی اور چوتھا درجہ سنگ مرمر کا ہی اور ہر ہر درجے پر آیات قرآنی کھدی ہوئی ہیں اور جا بجا منبت کاری بنی ہوئی ہو۔ اس لاٹ کے بیچ میں دور اور بکری ایسی خوب صورت بنی ہیں کہ جس کا کچھ بیان نہیں ہو سکتا۔ مسلمانوں میں یہ کہ اس لاٹ کو سلطان شمس الدین التمش نے جو سنہ ۶۰۷ھ میں بادشاہ ہوا اپنے عہد سلطنت میں بنایا تھا۔ کتب تواریخ سے سنہ ۶۲۶ھ کے بعد اس کا تمام ہونا پایا جاتا ہی۔ تقویم البلدان اور فتوحات فیروز شاہی میں اس کو مسجد کا ماذنہ اور سلطان معز الدین کی لاٹ لکھا ہی۔ اس لاٹ کا پہلا دروازہ شمال رویہ ہی اور ہندوؤں کے مندر کی عمارت کا دروازہ ہمیشہ شمال رویہ ہوتا ہی برخلاف ماذنوں کے کہ اُن کے دروازے ہمیشہ شرق رویہ ہوتے ہیں۔ چنانچہ سلطان علاء الدین کی وہ لاٹ جو بنتے بنتے رہ گئی اُس کا دروازہ بھی شرق رویہ ہی اور مسلمانوں کا یہ بھی دستور ہی کہ ایسی عمارتوں کو اکثر کرسی دے کر بناتے ہیں جیسے کہ ادھ بنی لاٹ کو کرسی دے کر بنانا شروع کیا تھا برخلاف ہندوؤں کے کہ وہ بدون کرسی کے بناتے ہیں جیسی کہ یہ لاٹ بنی ہوئی ہی اور نیز اس سبب سے کہ اس لاٹ کے پہلے درجے کے کتبوں کے پتھر صاف طور پر پیچھے سے لگائے ہوئے معلوم دیتے ہیں۔ علاوہ بریں جس طرح کہ رای پتھورا کے اصل بت خانے میں پتھروں پر لٹکتی ہوئی گھنٹیاں کھدی ہوئی ہیں اُسی طرح اس کے پہلے کھنڈ کے پتھروں پر بھی اُسی وضع کی گھنٹیاں کھدی ہوئی ہیں اور نیز اس دلیل سے کہ جس طرح کتبہ فتح نامہ کا بنام قطب الدین ایبک سپہ سالار اور دوسرا معز الدین کے نام کا اصل بت خانے پر ہی اُسی طرح اس لاٹ پر بھی ہی جس سے اغلب خیال یہ ہوتا ہی کہ اس لاٹ کا پہلا کھنڈ ہندوؤں کے وقت کا ہی اور رای پتھورا کے مندر کا ایک جزو ہی اور کچھ عجب نہیں جس طرح مسلمانوں نے مندر کو ڈھا دیا اس منار کے اُس حصے کو جو اُس وقت موجود ہو یعنی کم سے کم پہلا کھنڈ اس کے تمام پتھر جن میں بت تراشے ہوئے ہوں نکال کر اپنی طرف سے کتبے کے پتھر جن پر آیات قرآنی کندہ ہیں اور بادشاہ کی تعریف ہی جما دیئے ہوں۔ جو بات مدت سے مشہور چلی آتی ہی اور جسے آوازۂ خلق نقارۂ خدا سمجھنا چاہیئے وہ یہ ہی کہ یہ لاٹ رای پتھورا نے بت خانے کے ساتھ سمت ۱۲۰۰ بکرماجیت میں بنائی تھی۔ ممکن ہی کہ اُس وقت اس کے

استنے کھنڈ نہ ہوں بہرحال ایک بلند منار ضرور تھا کیونکہ راجہ کی بیٹی سورج کی مذہب کی تھی اور ہندو دریائے جمنا کو سورج کی پتری سمجھتے ہیں اس واسطے اس عقیدے والے جمنا کا درشن کرنا بھی بڑا دھرم جانتے ہیں اس واسطے راجہ نے اپنی بیٹی کے لیے تاکہ وہ جمنا کا درشن کیا کرے بنوایا تھا۔ ۱۱۹۱ء ۵۸۷ھ میں اس بت خانے کو مسلمانوں نے فتح کیا اور اس کے بعد سے جو کچھ تصرفات مسلمانوں نے کیئے اُس کا تفصیلی بیان ذیل میں ہے۔ یہ منار ایک گاؤدم شکل کا بہت بڑا اور بہت اونچا ستون ہے جس کی بلندی ۲۴۲ فٹ ۱۔ انچ ہے جس کا دور پائے میں ۴۷ فٹ ۳۔ انچ ہے اور چوٹی پر نو فیٹ۔ منار کی اس وقت پانچ منزلیں ہیں جن کو کھنڈ کہتے ہیں۔ اور ہر کھنڈ کے گرد ایک مختصر سی غلام گردش بطور برآمدے کے ہے جس پر انواع واقسام کے نقش ونگار کے بند لگے ہوئے ہیں۔ منار کا پایہ ایک کثیر الاضلاع شکل کا ہے جس میں چوبیس ضلعے ہیں اور ہر ضلع ۶ فٹ۔ ۶½ انچ کا ہے۔ منار دو فیٹ اونچے چبوترے پر ہے۔ نیچے سے فیروز شاہ تغلق کی برجی تک مینار کی اونچان ۲۳۸ فٹ ۱۔ انچ ہے۔ سب سے پہلا کھنڈ ۹۴ فیٹ ۱۱۔ انچ اونچا ہے جو سنگِ سرخ کا چوبیس ضلعوں کا بنا ہوا ہے۔ اس کھنڈ پر کے کتبے کو جو پہلے ہی سے غیر موزوں تھا رہا سہا اُس کو مابعد کی مرمت نے اور بھی غارت کر دیا۔ کچھ تو امتداد زمانے سے پہلی سطر کے حروف بھڑ گئے اور مرمت اس خوش سلیقگی سے ہوئی کہ جس کا سر نہ پیر حروف کو ایسا لے ترکیب جوڑا کہ مطلب فوت ہوگیا۔ اب صحیح عبارت جو پڑھی جا سکتی ہے وہ صرف اتنی ہے "امیر الامراء الاسفهسالار الجلیل الکبیر" اور چیدہ چیدہ لفظ جو پڑھے جاتے ہیں وہ یہ ہیں:۔

پہلی سطر لقل - الله - الله الا - سلام والا - لله - لا عظیما الا - المر تلك آیات الکتاب وهو العزیز - الا الله - الرحیم - الناس - الا - علی الله رزقها - والمومنین - وصاعقة -

دوسری سطر السلام والقادر الباهر ولله عظیما الله رقاب الامم
السلطان المعظم شهنشاه الاعظم مالك رقاب الامم

سلہ اس کتبے کے اکثر حصے کی ترکیب اول جلول ہے۔ حروف پتھروں پر تراشے ہوئے تھے مرمت کے وقت ایسے لوگوں نے جو جاہل تھے جیسا اُن کا دل چاہا جوڑ دیا۔

آثار الصنادید کے پہلے ایڈیشن میں بعض سیاق عبارت سے جوڑ ملا دیا ہے اور یہ کتبہ کا تو سر ہے نہ پیر۔ ہم نے کتبے کی صورت نویسی کر دی ہے اور نیچے اُس کے مصنف آثار الصنادید نے جو پڑھا ہے وہ لکھ دیا ہے بمصداق نقل را چہ عقل ۱۲۔

مولی ملوک العرب والعجم اعلی السلاطین فی العالم المعز الدنیا والدین

مولی ملوک العرب والعجم اعلی السلاطین فی العالم معز الدنیا والدین

غیا الله بالمر تان لیین لما اللوالاین لاطلہ باسا ط لعر والاحسانک

غیاث الاسلام والمسلمین تاج الملوک والسلاطین باسط العدل والاحسان

لا ضل ن لا الا ظل الله فی الخافقین الراعی لعباد الله الحامی لبلاد الله

فی الثقلین ظل الله فی الخافقین الراعی لعباد الله الحامی لبلاد الله

الصا رعا لما لا بمالۃ القایم بجمع ال سمر الو الا لله للسر اا لد القابن السمل

المو ئیل من السماء ....

المنصوں لا اعا الد وا لمو داحما الله الحر ہ جلال الامۃ الباہرۃ لمک الدنیا

المنصور علی الاعل اء علاء الدولۃ القاہر ۃ جلال الامۃ الباہرۃ فلک الملۃ

اا لا فرہ الله اا ۃ و العرن سلطان البر والبحر مکرر حیا الللدنیا ومظہر

الطاہرۃ .... سلطان البر والبحر محرز مما لک الدنیا ومظہر

کلمۃ الله ھی العلیا اسکندر الثانی ابو المظفر ابن سام ایام لله لا ا لا

کلمۃ الله العلیا اسکندر الثانی ابو المظفر محمد بن سام ناصر امیر المومنین

ومملکتہ وسلطانہ وتعلی الله الذی لا الہ الا ھو عالم الغیب والشہادۃ

خلد الله ملکہ وسلطانہ وتعالی امرہ وشانہ

ھو الرحمن الرحیم واقل العالیہ ا۔

گو الفاظ برا بر پڑھے جائیں اور پڑھے کیسے جائیں جب کہ جہال کے ہاتھ سے اس کی یہ گت بنی ہو مگر اتنا غنیمت ہی کہ مطلب اب بھی فوت نہ ہوا۔ سطر دوم میں مظفر معز الدین بن سام بادشاہ کی تعریف ہی جو عام طور پر سلطان محمد غوری کے نام سے مشہور رہی۔

تیسری سطر اس کا بھی وہی حال ہی جو دوسری سطر کا ہی یہاں سرے سے بسم اللہ ہی غلط ہی مگر چوں کہ قرآن شریف کی آیت ہی اس واسطے سمجھ میں آگئی۔ پھر اس میں یہ اور زیادہ اشکال ہی کہ قرآن شریف کے ایسے منفرد الفاظ جمائے ہیں کہ ایک کا دوسرے سے جوڑ نہیں ملتا۔ خدا جانے کدھر کا ٹکڑا کدھر لگا دیا۔

بسم الله الر لا له له الملک

فتحا للا بسم الله ولا جاهل ... من تلک وحاملرحه لا فلله نعمته ...

لعامر برامحا خسفنها[1] ومرس لب صل ار لرم اهوال لا مسا

هو الذی انزل

لسا لسکینة فی مل ان .... لیزدادوا اقلما مع ایمانهم لله جنو

سکینة فی قلوب المومنین لیزدادوا ایمانا مع ایمانهم ولله جنود

السموات والارض وکان الله علیماً حکیماً ل لمحل ال هس والمومن

السموات والارض وکان الله علیماً حکیماً لیدخل المومنین والمومنات

جنات تجری من تحتهه الا زسار خالدین فیها ویکفر عنہم سیاً تهم

جنت تجری من تحتها الانهار خالدین فیها ویکفر عنهم سیا تهم

صل علی[2] ماب لمرع لک الله لوزا عظیماً ورقدرب لو ب

...... وکان ذلک عند الله فوزاً عظیماً واقترب

حسد لدو المرامنا قد۔

مناقب

چوتھی سطر اس میں معزالدین ابو المظفر محمد بن سام بادشاہ کی تعریف ہے:۔

.... السلطان المعظم شهنشاه الاعظم مالک رقاب

الامم مولی ملوک العرب والعجم سلطان السلاطین والعالم غیاث الدنیا

والدین المعز الاسلام والمسلمین محی العدل فی العالمین علاالدو له

علاوالدولة

القاهره اصلللهلل للل لما الامره الراهره شهاب الخلافة باسط

فلک الملة الطاهرة جلال الملة الباهرة

الاحسان والرا فلدمل والثقلین ظل الله فی الخافقین الحامی لبلادالله

والرافة

[1] خدا جانے یہ لفظ یہاں کیسے آگیا قرآن شریف کی آیۃ یہ ہے "فخسفنا به وبداره الارض"

[2] خدا جانے صل علی۔ یہاں کہاں سے آگیا ۱۲۔

السراعی لعباد اللہ محمد مالک الدنیا ومظہر کلمات اللہ ہے العلیا
ابو العا الحمد دل شکل رسا مرکا سرحم مسمر احمر الموحسو لمسلمین
ابو المظفر محمد بن سام قسیم امیر المومنین والمسلمین للہ برہنانہ خلد اللہ ملکہ

پانچویں سطر — نو دو نہ نام باری تعالیٰ

بسم اللہ الرحمن الرحیم ہو اللہ الذی لا الہ الا ہو عالم الغیب و الشہادۃ ہو الرحمن الرحیم ہو اللہ الذو لا الہ الا ہو الملک الولوس انسلام
الذی القدوس الموحق المہیمن العزیز الجبار المتکبر الخالق الباری المصو الغفار
المومن الجبار القہار الوہاب الرزاق الفتاح العلیم القابض الباسر لطر الخافض
الباسط الرافع المعز المذل السمیع لصر الحمد العدل اللطیف الخابر
الخبیر البصیر الحکیم العظیم الحلیم الغفور الشکور العلی الکبیر الحفیظ المصر الحسر
المقیتا الحسیب الجلیل الکریم الرقیب المجیب الواسع الحکیم الودود المجید الباحہ
الباحث الشہید الحق الوکیل القوی المتین الولی الحمید المحصی المہلمو
المبدی لمعلد المحی الممیت سر الحہو الواجد الماجد الواحد الطہر
المعید الحی القیوم الصمد

القادر المعتدر المقدم لمعید الاول الآخر الظاہر الباطن
المقتدر المؤخر الباطن
اللہ لا تعالی الرا الیوار المنتقم العفو الرؤف مالک الملک ذی الجلال
الوالی المتعالی البر التواب
والاکرام المقسط الجامع لغنی لمعو - آگے پتھر ٹوٹ گیا ہے اور وس نام
الجامع الغنی المغنی
باقی رہ گئے ہیں۔

چھٹی سطر قرآن شریف کا رکوع

بسم اللہ الرحمن الرحیم۔ یا ایھا الذین امنوا انفقوا مما رزقناکم من قبل ان یاتی یوم لا بیع فیہ ولا خلۃ ولا شفاعۃ والکفرون ھم الظلمون اللہ لا الہ الا ھو الحی القیوم ۔ آیۃ الکرسی تا ھم فیھا خالدون ۔ الم تر الی الذی حاج ابراھیم فی ان اتاہ اللہ الملک ۔

پہلے کھنڈ کے دروازے پر کا کتبہ

قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم من بنا مسجداً للہ تعالی بنی اللہ لہ فی الجنۃ بیتاً مثلہ ۔ عمارت منارہ مبارک حضرت سلطان السلاطین شمس الدنیا والدین مرحوم ومغفور طاب ثراہ وجعل الجنۃ مثواہ شکست شدہ بود منارہ مذکور در عہد دولت سلطان الاعظم والمعظم والمکرم سکندر شاہ بن بہلول شاہ سلطان خلد اللہ ملکہ وسلطانہ واعلی امرہ وشانہ علی خان زاد فتح خان بن مسند عالی خواص خاں جونا ناکبندی و درزبندی مرتبہا بالا مرمت کردہ مرتب کنانید الغرۃ من ماہ ربیع الآخر سنہ تسع وتسعمائۃ ۔ العبد میر حسن (۹۰۹ھ ۱۵۰۳ء)

دروازے کے پاس کا ایک اور کتبہ متولی این منارہ فضل ابوابوالمعالی بودہ است

اس کتبے کا ذکر خاص طور پر آگے چل کر آئے گا کہ منار کے اس حصے کی تاریخ معرض بحث میں ہے۔

۱۵۰۳ء میں سکندر شاہ لودی نے پہلے کھنڈ کی مرمت کرائی تھی پھر تین سو برس تک کسی نے ہاتھ نہیں لگایا۔ انگریزوں کے دور حکومت میں جس کا آغاز ۱۸۰۳ء سے ہے اس دروازے کی مرمت دو مرتبہ ہوئی ہے۔ پہلی مرتبہ ۱۸۲۹ء میں میجر اسمتھ کے ذریعے سے اور پھر ۱۸۷۳ء میں زیر نگرانی مسٹر جی۔ ایچ۔ لی آنز (Smythe) ایگزیکیٹو انجینیر کے دروازے کی تجدید اور داخلی دروازے کی مرمت کرائی گئی۔ وبلۂ ثانی میں نیچے کی زمین کو اونچا کر کے چبوترا درست کیا گیا۔ جنرل کننگھم کی شکایت واجبی ہے کہ میجر سمتھ کو چاہیئے تھا کہ طرز قدیم کا تتبع کرتے جیسا کہ انھوں نے اس مینار کی مرمت کے متعلق اپنی رپوٹ میں لکھا تھا کہ مرمت اس نہج پر کی جائے گی کہ جہاں تک ممکن ہو پرانی طرز سے میل کھا جائے لیکن دروازے میں تو انھوں نے ایک نئے طرز کا چھجہ اور کنگنی نکال کر اور کتبے کے پتھروں کو الٹ پلٹ جما کر ایک نئی ہی شان نکال دی سب سے پہلے تو کھنڈ کے گرد بڑے بڑے سنگین توڑوں پر برآمدہ تھا جس میں نہایت نفیس اعلیٰ درجے کا شہد کے چھتے کی وضع کا ایسا باریک کام تھا کہ دلّی کی کسی عمارت میں اس کی نظیر نہ تھی۔ جنرل صاحب کی رائے میں یہ صنعت جیسے Honeycomb کا کام کہتے ہیں اکثر ہندروں کے قبوں میں دیکھی گئی ہے (آرکیالوجیکل رپوٹ جلد اول صفحہ ۱۹۰)۔ مسٹر کیمبل لکھتے ہیں کہ اس قسم کا کام جو مینار کی شہ نشینوں میں کیا گیا ہے بالکل غرناطہ اور الحمرا (Alhambra) کے مشابہ ہے۔ (جرنل آف دی ایشیاٹک سوسائٹی آف بنگال جلد ۳۵۔ حصۂ اول صفحہ ۲۰۴)۔ اس گیلری کے اطراف کا کٹہرا ۳ ½ فیٹ اونچا ہے اور اسی طرح باقی چار کھنڈوں پر بھی کٹہرے ہیں۔ یہ کٹہرے میجر سمتھ کے بنوائے ہوئے ہیں۔ قدیم عمارت میں کٹہرے نہ تھے بلکہ نہایت نفیس برآمدے تھے اُن کو نکال کر یہ کاجو بھجو کٹہرے ایسے جیسے عموماً باغوں کی بارہ دریوں میں ہوتے ہیں لگا کر عیب لگا دیا جو صاف چغلی کھاتے ہیں اور اتنے بھاری بھاری عمدہ توڑوں پر کسی طرح موزوں نہیں ہیں۔

دوسرا کھنڈ ۵۰ فٹ ۔ ۸ ½ انچ اونچا ہے۔ اس میں کمر کی تہیں ہیں اور دونکیلوں

ہیں سلطان التمش کی تعریف کندہ ہے۔

پہلی سطر السلطان الاعظم شہنشاہ المعظم مالک رقاب الامم مفخر ملوک العرب والعجم ظل اللہ فی العالم شمس الدنیا والدین غیاث الاسلام والمسلمین تاج الملوک والسلاطین باسط العدل فی العلمین علاء الدولۃ القاہرۃ جلال الملۃ الباہرۃ المؤید من السماء المظفر علی الاعداء شہاب سماء الخلافۃ ناشر العدل والرافۃ محرز ممالک الدنیا مظہر کلمۃ اللہ العلیا ابو المظفر ایلتمش السلطانی ناصر امیر المومنین خلد اللہ ملکہ وسلطانہ واعلی امرہ وشانہ

دوسری سطر۔ بسم اللہ الرحمن الرحیم مثل کلمۃ طیبۃ کشجرۃ طیبۃ اصلہا ثابت وفرعہا فی السماء توتی اکلہا کل حین باذن ربہا ویضرب اللہ الامثال للناس لعلہم یتذکرون۔ یا ایہا الذین آمنوا اذانودی لصلوتمن (تہ من) یو (مہ) الجمعۃ تا واذکروا اللہ کثیرا لعلکم تفلحون۔

کتبہ بالا دروازہ درجۂ دوم امر باتمام ھذہ العمارۃ المؤید من السماء شمس الحق والدین ایلتمش السلطان ناصر امیر المومنین۔

پہلے کھنڈ کی طرح دوسرے کھنڈ کے اطراف بھی گیلری ہے جس پر سیخ سمنٹ کا بنایا ہوا ۳½ فٹ اونچا کٹہرا ہے۔ اس کے توڑے پہلے کھنڈ کی طرح زیادہ بھاری اور مضبوط نہیں مگر ان پر بھی نقش ونگار کی کچھ کمی نہیں ہے۔ آراستگی میں یہ بھی کسی طرح اُن سے کم نہیں۔

تیسرا کھنڈ ۶۰ - ۹½ انچ اونچا ہے۔ اس میں بھی ابھری ہوئی پخیں ہیں اس میں دو پٹکے ہیں۔ پہلے پر صرف نقش ونگار اور بیل بوٹے بنے ہوئے ہیں اور دوسرے پر یہ کتبہ ہے:۔

السلطان المعظم شہنشاہ الاعظم مالک رقاب الامم مولی ملوک العرب والعجم سلطان السلاطین فی العالم حافظ بلاد اللہ ناصر عباد اللہ المظفر علی الاعداء المؤید من السماء تاج الاسلام والمسلمین غیاث الملوک

والسلاطین الحامی لبلاد الله الراعی لعباد الله یمین الخلافة باسط العدل والرافة ابوالمظفر التمش السلطان ناصر امیر المومنین خلدالله ملکه وسلطانه ویعلی امره وشانه۔

کتبہ بالائے دروازہ درجہ سوم

السلطان المعظم شہنشاہ الاعظم مالک رقاب الامم خاتم ملوک العرب والعجم المویل من السماء المظفر علی الاعداء سلطان ارض الله حافظ بلاد الله ناصر عباد الله محرز ممالک الدنیا مظهر کلمة الله العلیا جلال الدولة القاهرة نظام الملة الباهرة شمس الدنیا والدین غیاث الاسلام والمسلمین ظل الله فی العالمین التاج الامم والخلافة صاحب العدل والرافة سلطان السلاطین

کتبہ بر پہلو دروازہ درجہ سوم

تمت هذه العمارة فی نوبت العبد المذنب محمد امیر کوه (انجنیر)

اس منزل میں ایک چھوٹی سی سطر ناگری کتبے کی بھی ہے جس میں "محمد سلطان" کا نام اور سمت ۱۳۸۲ (۱۳۲۵ء) درج ہے جو سلطان محمد تغلق شاہ کا سنہ[1] جلوس ہوتا ہے۔ تیسری منزل پر بھی دوسری منزل کی طرح کٹہرا ہے مگر تین فٹ اونچا ہے۔

چوتھا کھنڈ

۲۲ فٹ ۴ انچ اونچا ہے۔ یہ کھنڈ سادہ بنا ہوا ہے اس میں پیخیں نہیں ہیں۔ اس کھنڈ کے روکار میں علاوہ سنگ سرخ کے کہیں کہیں سنگ مرمر بھی لگا ہوا ہے۔ اس کھنڈ پر چار چھلکے ہیں جن میں سے ایک پر یہ کتبہ ہے اور باقی تین پر بہت خوب صورت نقش و نگار ہیں:۔

امر بهذه العمارة فی ایام الدولة السلطان الاعظم شاهنشاه المعظم مالک رقاب الامم مولی ملوک الترک والعرب والعجم شمس الدنیا والدین معز الاسلام والمسلمین ذوالامن والامان وارث ملک سلیمان ابو المظفر ایلتمش السلطان ناصر امیر المومنین (آگے پتھر ٹوٹ گیا ہے)

اس کھنڈ کی شہ نشین ہلکی پھلکی ہے اور کٹہرے کی اونچائی تین فیٹ ہے۔

پانچواں کھنڈ ۲۲ فٹ - ۴ - انچ اونچا ہی - اس کا ستون درمیانی گول ہی - اس کی سنگ سرخ اور سنگ مرمر کے منقش سے ڈھکے ہیں جس پر آہنی اور برنجی جنگلا لگا ہوا ہی اور دروازے پر یہ کتبہ ہی:-

..... در زمین منارہ شهور سنه سبعین و سبعمائة (سنہ ۷۷۰ھ) بآفت برق
خلل یافت صورت بتوفیق ربانی برکشیدہ عنایت سبحانی فیروز سلطان
این مقام را باحتیاط تمام عمارت کرد خالق بیچون این مقام را از جمیع
آفات مصئون داراد-

فیروز شاہ کی برجی کا ٹوٹا ہوا کھنڈ جو قریب دو فٹ کے اونچا ہی پانچویں منزل پر اب بھی کھڑا ہی - اس منزل پر دو کتبے ناگری کے بھی ہیں جن کے متعلق جنرل کننگھم صاحب لکھتے ہیں کہ "پہلے کتبے کی دو سطریں ہیں جس میں سمت ۱۴۲۵ (۱۳۶۸ء) زمانِ سلطنت پیروج شاہ (فیروز شاہ تغلق) درج ہی - دوسرا کتبہ دروازے کے جنوبی پاکھے پر ہی جس کا کچھ حصہ سنگ مرمر پر کندہ ہی اور کچھ سنگ سرخ پر - اس میں بھی فیروز شا کا نام درج ہی لیکن سمت ۱۴۲۶ ہی" - اس کتبے کو جنرل صاحب بہت اہم خیال کرتے ہیں لیکن اس میں خرابی یہ ہی کہ بہت مشکل سے پڑھا جاتا ہی - اس میں صرف اتنا پڑھا جاتا ہی "سری وسواکرم پرساد رچتا" - اور کتبے کے آخر میں "سلپی" تعمیر کنندہ لقب ہی جو چھند دیو پال کے بیٹے "نانا ساہا" کے واسطے مستعمل ہوا ہی جس نے منار کی مرمت کی تھی - اس کتبے کے بیچ میں پانچ ہندسے بھی ہیں -

چھٹا کھنڈ فیروز شاہ کی برجی سنہ ۱۷۹۴ء تک موجود تھی جس سے ۱۲ فٹ ۱۰ انچ مینار کی بلندی اور بڑھ جاتی تھی - سنہ ۱۸۰۳ء میں زلزلے کے صدمہ سے گر پڑی - چوں کہ اُس زمانے کی لاٹ کا کوئی نقشہ ہمارے دیکھنے میں نہیں آیا لہٰذا ٹھیک طور پر نہیں کہا جا سکتا کہ اُس برجی کی وضع قطع کیا تھی - سنہ ۱۸۲۹ء میں جو ایک کمیٹی لاٹ کی ترمیم شدہ حالت پر رپورٹ کرنے کو مقرر ہوئی تھی اُنھوں نے جہاں تک معلوم ہو سکتا تھا برجی کی کیفیت اور سمتھ نے جو اُس کے عوض میں نئے جوڑ تعمیر کیا تھی ان واقعات کو قلم بند کیا ہی - میجر صاحب خود لکھتے ہیں کہ "نئے"

بھی سے کے قدیم طرز کا پورا تتبع کیا اور نہ میں نے یہاں کے بڑے بڑے لوگوں کی زبانی روایات کی پیروی کی بلکہ دراصل برجی صرف چار ستونوں پر بنی ہوئی تھی۔ میجر صاحب نے جس برجی کو درست کیا ہے یہ چھٹی ساتویں منزل کہلاتی تھی چھٹی منزل سنگ سرخ کی صرف ایک برجی تھی جس کے آٹھ ستون تھے اور چھجہ اور کارنس بڑی نفیس تھی۔ اس کی بلندی ۶ ½ فٹ تھی جس پر تین فیٹ اونچا سنگ سرخ کا کٹہرا مع منڈیر کے تھا۔

ساتواں کھنڈ

بالکل سیدھا سادا شیشم کی لکڑی کا ایک سائبان (منڈوا) تھا۔ جس پر جھنڈا لہرایا کرتا تھا۔ اس منڈوے کے ستون آٹھ فیٹ اونچے تھے اور جھنڈے کا کھم جو سال کی لکڑی کا تھا ۲۳ فٹ لمبا تھا ۱۸۴۸ء میں لارڈ ہارڈنگ[1] گورنر جنرل کے حکم سے مینار پر سے یہ بدنما[2] حصہ اُتروا دیا گیا جو اب تک ایک چھوٹے سے چبوترے پر بلا جھنڈے کے دھرا ہوا ہے۔ چنانچہ کپتان سلیمن (Capt: Sleeman) صاحب رزیڈنٹ دہلی نے اس برجی کو ملاحظہ فرما کر نہایت برجستہ ریمارک کیا تھا کہ "اگر فیروز شاہ کی برجی بھی ایسی ہی تھی جیسی کہ آپ نے بنائی ہے تو اُس کا بجلی سے نیست و نابود ہو جانا ہی اچھا ہوا"۔ جس وقت جھنڈا چڑھایا گیا جب ہی لوگوں نے اسے بے ڈول اور بھدا خیال کر کے ناک بھوں چڑھائی تھی۔ لوگوں کی ناپسندیدگی کی خبر پا کر میجر سمتھ نے حضرت بہادر شاہ صاحب بادشاہ دہلی سے استمزاج کیا۔ حضور اقدس نے مہتمم محلات کی معرفت میجر صاحب کو لکھا کہ جہاں پناہ نے دو بار لاٹ کو ملاحظہ فرمایا

---

[1] کہیں لوگوں کو شبہ نہ ہو یہ سر ہنری ہارڈنگ ۱۸۴۴-۴۸ء تک گورنر جنرل رہے جو حال کے گورنر جنرل بیرن ہارڈنگ آف پنشرسٹ کے جو نومبر ۱۹۱۰ء میں گورنر جنرل مقرر ہوئے اور جن کے عہد میں ہمارے شہنشاہ جارج پنجم ملک ہندوستان میں رونق افروز ہوئے ان کے دادا تھے۔

[2] فیروز شاہ کی برجی ایک قبہ نما منڈوا تھا جس کے چار یا شاید آٹھ در تھے لیکن فرگیسن صاحب اور ڈینیل صاحب نے اپنی کتاب میں جو نقشے دیئے ہیں اُس میں یہ شکل نہیں ہے۔ مگر ایمن سین ہیس بلنٹ جو ۱۶۱۱ء میں دلی میں آیا تھا وہ اس برجی کے متعلق لکھتا ہے کہ "اس مینار کی چوٹی پر ایک شاندار برجی سنگ سرخ کی تھی" اور اب بھی اگر کسی عمدہ وضع کی خوش نما برجی بنا دی جائے تو لاٹ جو اب ننگی نظر آتی ہے بے انتہا خوش نما ہو جائے۔

بعد ارشاد فرماتے ہیں کہ جس طرز پر کہ آپ تعمیر کرنا چاہتے ہیں وہ مابدولت [illegible] لاٹ کی پہلی تین منزلیں ریتیلے سنگ سرخ کی ہیں لیکن سب کے پتھر کا رنگ یکساں نہیں ہے۔ پہلی اور دوسری کا پتھر گلابی زردی مائل رنگ کا ہے اور تیسری منزل کا پتھر گہرا سرخ ہے۔ اس سے اوپر کی دو منزلوں میں ریتیلا بھربھرا سنگِ سرخ اور سنگ مرمر دونوں لگا ہوا ہے۔ مگر زیادہ تر سنگِ مرمر ہی ہے۔ اندر جو چکردار زینہ ہے اُس کا بھی یہی حال ہے۔ تحتانی درجوں میں درمیانی محوری ستون اور اُس کے گرد کی سیڑھیاں سنگ خارا کی ہیں۔ زینے پر کی کھڑکیوں اور روشن دانوں کی محرابیں ہندوانی وضع کی ہیں۔ بالائی دو کھنڈوں میں محوری ستون اور دیوار کے اندروار اور سیڑھیاں سب ریتیلے سنگ سرخ کی ہیں۔ چوتھی منزل اپنی اصلی حالت پر قایم نہیں ہے بلکہ اُس میں بہت کچھ ترمیم و تبدیل ہوگئی ہے۔ فیروزشاہ نے حسب مرضی خود اس کی تعمیر کرائی اور گو کہ دروازہ اور کتبہ علی حالہ قایم ہے مگر پھر بھی فیروزشاہی عہد کی ترمیم بلحاظ اپنے طرز کے بالکل الگ معلوم دیتی ہے۔ ابوالفدا مورخ نے سنہ ۱۳۳۱ء میں فیروزشاہ کی دست اندازی سے بہت پہلے مینار کی (۲۶۰) سیڑھیاں بتلائی ہیں۔ اب اگر ہم سیڑھیوں کی تعداد (۲۸۱) پوری کرنی چاہیں تو ہم کو پانچویں منزل کی بھی اکیس سیڑھیاں ملانی پڑیں گی جو درحقیقت سلطان التمش کے زمانے کی چوتھی منزل تھی۔ مینار کی تین تحتانی منزلوں اور اُس کے اوپر کی منزلوں کی طرز تعمیر میں ایسا کھلا فرق ہے کہ یہ دونوں ایک ہی زمانے کے کاریگروں کی بنائی ہوئی ہو نہیں سکتیں۔ چکردار زینے کی سیڑھیوں کی صحیح تعداد (۲۷۹) ہے۔ جن میں سے صرف تین سیڑھیاں بیج ہمتہ کی بنائی ہوئی برجی کی ہیں۔ لیکن تعجب ہے کہ جتنے منہ اُتنی ہی باتیں ایک ذرا سے معاملے میں بڑے بڑے دانشور بھی جنھوں نے مینار کو غور سے دیکھا اور سیڑھیاں گنی ہیں چکر میں پڑ گئے۔ تھارن صاحب (۳۴۵) فرینکلن صاحب (۳۰۸) وان آرلک (۳۸۴) سر سید (۳۸۸) سیڑھیاں بتلاتے ہیں۔ درحقیقت یہ مینار کبھی پانچ منزل سے اونچا نہ تھا۔ سنہ ۱۲۳۱ء میں التمش کی تعمیر ختم ہوگئی اور اُس زمانے میں (۲۶۰) سیڑھیاں تھیں۔ اس تعداد کے لحاظ سے ہم پانچویں منزل کی اکیسویں

سیڑھی پر جا پونچتے ہیں۔ ارسٹھ برس بعد ۱۳۶۸ء میں جب مینار پر بجلی گری تھی تو فیروز شاہ نے چوتھے اور پانچویں کھنڈ دونوں کو پہلے ہی مال مسالے سے بنا بنا از سر نو بنوایا۔ چوتھے کھنڈ میں اُس نے قدیم دروازہ اور کتبہ بدستور قایم رکھا۔ چنانچہ خود فیروز شاہ نے لکھا ہی کہ اُس نے ایک برجی بنوا کرا سے اونچا کرا دیا۔ سرسید اس مینار کو سات کھنڈوں کا "ہفت منظری" لکھتے ہیں لیکن اس کا کوئی ثبوت نہیں ملتا بلکہ ہمیشہ سے وہ پانچ ہی کھنڈ کی تھی فیروز شاہ نے صرف اسے ذرا اونچا کروا دیا تھا۔ بانیٔ مینا۔ کی نسبت اب کسی قسم کی اختلاف رای کا موقع باقی نہیں رہا۔ کچھ شک نہیں ہو کہ پہلی منزل قطب الدین ایبک کی بنوائی ہوئی ہو جس کی کھلی ہوئی دلیل یہ ہو کہ اس پر کے کتبے میں صاف طور پر "محمد غوری" کا نام موجود ہو جو اس بادشاہ کے زمانے کا ایک بڑا امیر تھا اور بقول سرسید خود قطب الدین کا نام موجود ہی اور سب سے بڑھ کر یہ ثبوت ہو کہ "فضل ولد ابوالمعالی" مینار کا متولی تھا اور یہی بعہد قطب الدین مسجد قوۃ الاسلام کا بھی متولی تھا۔ مسٹر کیمبل کی یہ رای کہ مینار قطب الدین کی مسجد کا ماذنہ تھا بالکل باموقع ہو۔ ابوالفدا نے بھی اپنی "تاریخ مختصر" میں اسے "ماذنۂ جامع مسجد دہلی" لکھا ہو۔ ماذنہ اُس مینار کو کہتے ہیں جس پر چڑھ کر اذان دیجاتی ہو۔ ابوالفدا، شمس سراج اور امیر خسرو اس مینار کو سلطان التمش سے منسوب کرتے ہیں۔ اس ملک میں اور خصوصاً دلی میں کوئی نئی بات نہیں ہو کہ جو کسی عمارت کی مرمت کرتا ہو اُسی کا نام ہو جاتا ہو۔ فیروز شاہ نے اسے معز الدین سام کا مینار لکھا ہو۔ ابن بطوطہ اس مینار کی تعمیر معز الدین کیقباد کی طرف منسوب کرتا ہو۔ لیکن کسی کی کہی سنی بات بمقابلے اُن کتبات کے جو خود اس مینار پر ڈنکے کی چوٹ بتلا رہے ہیں کب قابل وثوق ہو سکتی ہو۔ دوسرے درجے کے دروازے پر جس میں اس عمارت کی تکمیل کا فرمان ہی وہ خود اس بات کا ثبوت ہو کہ آغاز کار اس بادشا کے وقت میں نہیں ہوا اور چوتھے درجے کے دروازے پر کا کتبہ دوسرے درجے کے دروازے کے کتبے کے برخلاف التمش کو بانیٔ مینار قرار دیتا ہو اور ایسا ہی سب سے آخری زمانے کے سکندر لودی کے کتبے میں جو سب سے نیچے کی منزل کے دروازے پر ہو

درج ہے۔ پہلا کتبہ جو تیسری منزل کے دروازے پر نصب ہے اور دوسری منزل کے دروازے کے کتبے کی متضاد عبارت کا میلان جنرل کننگھم صاحب نے یوں کیا ہے کہ پہلا کتبہ صرف چوتھی منزل کے متعلق ہے نہ کہ سارے مینار پر محتوی ہے اور لودی کے زمانے کے کتبے میں جو لکھا ہوا ہے وہ پہلے کتبے کی محض نقل کی بنا پر ہے۔ بدیں وجوہ مینار کی پہلی منزل جو قطب الدین ایبک سے منسوب کی جاتی ہے وہ بالکل درست ہے رہی باقی عمارت وہ شمس الدین التمش کی بنوائی ہوئی ہے اور فیروز شاہ کی مرمت بھی اس سے الگ ہے۔ اس مینار کی تعمیر میں ۱۲۰۰ء سے ۱۲۲۰ء تک بیس سال کا عرصہ لگا ہے۔ جنرل کننگھم نے سلطان علاء الدین کا نام بھی لاٹ کے بانیوں میں لیا ہے۔ جس کو وہ ایک "نیا دعوی دار" کہتے ہیں وہ امیر خسرو کی تاریخ "علائی" سے نقل کرتے ہیں کہ "سلطان علاء الدین نے بھی ایک روکار کی درستی اور ممٹی بنانے کا حکم دیا تھا"۔ اس پر سے جنرل صاحب کی رائے ہے کہ موجودہ تمام روکار سنگ سرخ کا علاء الدین خلجی کا بنوایا ہوا ہے مگر اتنی بات ضرور ہے کہ علاء الدین نے قطب الدین ایبک کے طرز کو نہیں چھوڑا۔ بابر نے بھی اس منار کو علاء الدین خلجی کا کہا ہے لیکن جن لوگوں نے اس زمانے کی تاریخ پڑھی ہے اور علاء الدین کے کتبوں پر غور کیا ہے اور علائی دروازے پر اس کے غیر متناہی کتبے پڑھے ہیں وہ ہرگز یقین نہیں کر سکتے کہ اگر سلطان علاء الدین نے قطب مینار کو ہاتھ لگایا ہوتا تو جس طرح کہ علائی دروازے میں بار بار اس کا نام آیا ہے کوئی وجہ نہ تھی کہ مینار کے کسی کتبے میں وہ اپنا نام نہ درج کرواتا۔

لاٹ ہندو نقطۂ خیال سے

بہ بیں کرامت بت خانۂ مرا ای شیخ
کہ چوں خراب شود خانۂ خدا گردد

یہ خوب صورت مینار جو دنیا کے سات عجائبات میں کا ایک ہے اس کی نسبت یہ خیال کہ اس کی بنا اہل ہنود کی ہے بالکل واجبی ہے۔ یہ ستون راجہ پرتھی راج کا بنوایا ہوا ہے جس نے ۱۱۹۱ء میں مسلمانوں کو شکست دے کر بطور "جی ستمبھا" (یادگار فتح) کے بنایا تھا۔ یہ بھی کہا جاتا ہے کہ یہ مینار راجہ نے اپنی بیٹی کے لیے بنوایا تھا کہ وہ اس پر چڑھ کر جمنا کا درشن کیا کرے۔ یہ عمارت یقیناً ہندوانی ہے۔ جس پر مسلمانوں نے قرآن شریف کی آیتیں

چھد میں) لگا دیں۔ اس کے بانی وِسواکرم دیوتا کے نام پر اسے بنایا جو ہندوؤں کا بڑا دیوتا ہے جسے عمارات کے بنانے کی قدرت کا مظہر۔ پرتھی راج کی وفات کے بعد دلی پر مسلمانوں کا قبضہ ہوگیا اور اُن کے جنرل قطب الدین نے اس کو اپنے طرز پر ڈھال لیا۔ اُسے منہ مانگی مراد ملی۔ بنی بنائی عمارت ہاتھ لگی۔ اس سے بہتر بلند اور موزوں عمارت اذان دینے کے لیئے کہاں مل سکتی تھی۔ منار پر کی مرغولیں اور پچیں مسلمانوں نے بتوں کی مورتیں نکال کر بنالیں۔ تسلسل واقعات سے تو یہی معلوم ہوتا ہے لیکن ہم خواہ مخواہ کا جھگڑا کھڑا کرنا نہیں چاہتے کہ شیر شاہ کی ڈاڑھی بڑی تھی یا سلیم شاہ کی۔ اس ستون کے پاس ہی ایک خوب صورت مندر تھا جسے توڑ کر مسجد بنائی گئی ہے اور دلی کے پرانے لوگ جن سے گفتگو کرنے کا موقع ملا ہے وہ سب اس امر میں یک زبان ہیں کہ منار اور مسجد دونوں دراصل اہل ہنود کی عمارات تھیں جنھیں مسلمانوں نے توڑ پھوڑ کر اپنے مطلب کا بنالیا۔ اگر یہ بات واقعی ہے اور ہمارا خیال صحیح ہے تو یہ بات دوسری ہے کہ قطب الدین غلام تھا یا نہ تھا مگر اس میں کسی کو کلام نہیں ہوسکتا کہ وہ ایک دانشمند اور زیرک حکمراں تھا۔ کیوں کہ کسی خوب صورت چیز کو نیست ونابود کردینے سے یہ بہت بہتر ہے کہ تھوڑے سے ردوبدل کے ساتھ ہم اُسے اپنے کام میں لے آئیں۔ مسجد قوۃ الاسلام کے ستون جن پر نہایت نفیس نقش ونگار ہیں وہ پرتھی راج کے مندر ہی کی باقیات ہیں"۔

مسٹر کننگھم اور مسٹر بگلر کا اختلاف رائے کے بعد قول فیصل

جھکی ذرا چشم جنگجو بھی نکل گئی دل کی آرزو بھی
بڑا مزا اُس ملاپ میں ہے جو صلح ہو جائے جنگ ہو کر

مسٹر جے۔ ڈی۔ بگلر محکمۂ آثار قدیمہ کے اسسٹنٹ (مددگار) ڈائرکٹر جنرل نے اپنی سنہ ۱۸۷۱ء کی رپورٹ میں (جو سلسلۂ آثار قدیمہ کی چوتھی جلد ہے) قطب صاحب کی مسجد اور لاٹ کو بالکلیہ ہندوانی عمارت ثابت کیا تھا۔ جس سے میجر جنرل۔ اے۔ کننگھم سی ایس آئی۔ ڈائرکٹر جنرل نے ایسے مدلل طور پر اختلاف کیا کہ بگلر صاحب کو قائل ہونا پڑا۔ ہم دونوں صاحبوں کی رپورٹ یہاں لکھتے ہیں جو بہت عالمانہ اور دلچسپ ہے۔ بات یہ ہے کہ عقل مندوں کا ہر کام عقل مندی کا ہوتا ہے۔ یہ لوگ لڑیں گے بھی

اپنی آن لیئے رہیں گے - بحث کریں گے تو تہذیب سے - اختلاف کریں سے نہایت عمدگی سے - کیا مجال کہ اُس میں ذاتیات کی جھلک نظر آئے یا دلوں میں کدورت آ جائے - ہر شخص اپنی راے میں آزاد ہی - خواہ وہ ماتحت ہی کیوں نہ ہو پھر ان کی صفائی قلب - حق پسندی کو دیکھیئے کہ واجبیت کے سامنے اپنی بات کی ذرا بھی پچ نہ کی اور فوراً اپنی غلطی کو کشادہ پیشانی سے تسلیم کر لیا - ۹

عیسائیوں میں ساری مسلماں کی خصلتیں — اسلامیوں میں اُنکی سی کوئی ادا نہیں
واں اتحاد و یک دلی و الفت و وفاق — یاں ایسے اختلاف کہ کہنے کی جا نہیں

مسٹر بگلر کی رپورٹ پر جنرل صاحب کے ریمارک

مسٹر بگلر کی رپورٹ پر میں تمہیدی ریمارک اُن چند ضروری ابواب کی نسبت کرنا چاہتا ہوں جس میں مجھے اپنے ماتحت سے اختلاف ہی - مجھے اپنے خیالات کا اظہار قطب صاحب کی مسجد اور مینار کی نسبت زیادہ ضروری ہی مبادا میری خاموشی توافق راے نہ سمجھ لی جائے حالانکہ میں اُن کی رائے سے کلیتہً مخالف ہوں - پرانی دہلی میں سب سے بڑھ کر دلچسپ یہ دو عمارتیں ہیں - ایک قطب صاحب کی مسجد اُس کی شاندار محرابوں سمیت - دوسری وہ عجیب و غریب موذن کا ستون جو قطب مینار کہلاتا ہی اور جو تقریباً دو سو پچاس فیٹ بلند ہی - اس مسجد کی تعمیر ہمیشہ قطب الدین ایبک سے منسوب کی جاتی ہی جو دہلی کا پہلا مسلمان بادشاہ تھا - درحقیقت اس بات کی صراحت اُس مشرقی کتبے میں موجود ہی جو مسجد کے صدر دروازے پر لگا ہوا ہی - اور نیز یہ بھی اُسی کتبے میں ہی کہ مسجد کا مال مسالا ہندوؤں کے ستائیس مندر توڑ کر فراہم کیا گیا ہی - یہاں کے دالانوں کے ستونوں کا ہندوانی ہونا ایک ایسی بات ہی جو ہر شخص پر ظاہر ہی اور اسی کے ساتھ یہ امر بھی اُسی طرح کھلا ہوا ہی کہ ان کو مسلمانوں نے از سر نو ترتیب دے کر دو دو تین تین تھم اوپر تلے جما کر موجودہ اونچان پوری کی ہی - یہ بات جس طرح مجھ پر ظاہر و باہر ہی مسٹر فرگسن بھی اس کا علم تھا - مسٹر بگلر اگرچہ اپنی رپورٹ میں ستونوں میں کچھ رد و بدل کیئے جانے کو تسلیم کرتے ہیں مگر پھر بھی اس بات پر اڑے ہوے ہیں کہ جس طرح وہ ہندوؤں کے مندر کے دالان میں تھے اُسی طرح اپنی اصلی جگہ پر اب بھی ہیں اور نیز کہ اُن کی

موجودہ اونچان بھی وہی ہی جو کہ ہندوؤں کے دالان میں ابتداً تھی - وہ اپنی اسی رائے کے وثوق پر مسلمان بانیانِ مسجد کے اُس قول کی تردید کرتے ہیں کہ اُنھوں نے ستائیس مندر توڑ کر یہ مسجد بنائی اور اس کو مسلمانوں کی نری شیخی خیال کرتے ہیں میرے خیال میں یہ رائے بالکل ناقابل قبول ہی - مسلمان فاتحین کو ستائیس مندروں کے توڑنے کی ایک غلط خبر مشتہر کرنے اور پھر اس صریح جھوٹی بات کو ایک عظیم الشان مسجد کے دروازے پر کندہ کرانے سے کچھ مفاد نہ تھا - اس لیے میں (مسلمانوں کے) اس بیان کو بالکل وثوق سے صحیح (اور مطابق واقعہ) سمجھتا ہوں علاوہ ازیں میرے اس خیال کی تصدیق صحن کے تینوں طرف کے دالانوں ستونوں کی ساخت سے کافی طور پر ہوتی ہی اور جیسا کہ میں نے دلّی کے بیان میں ظاہر کیا ہی یہ ستون یقیناً متعدد اور مختلف مندروں کے ہیں - اس میں مجھے کچھ شک نہیں ہی کہ جس جگہ مسجد بنائی گئی ہی یہ جگہ فی الواقع ایک ہی مندر کی تھی اور جب بگلر صاحب نے میرے ایما سے کندیدگی کا کام شروع کیا تھا تو میں نے اُن پر اپنی رائے ظاہر کر دی تھی کہ مسجد کے نیچے چبوترے کا نشیبی حصہ جو محاط ہی وہ ہندوؤں کے مندر کا ہی اور وہ اپنی اصلی حالت پر قایم ہی - مسٹر بگلر نے ان دیواروں کے باہر باہر کھدائی کی تھی اُس سے میری رائے کی تصدیق ہو گئی - اسی وجہ سے اُس اونچے چبوترے کو جس پر کہ مسجد کھڑی ہی پرانی دلّی کے ایک بڑے بھاری مندر کا مقام سمجھتا ہوں اور اسی (مندر) میں سے حالت اصلی پر وہ لمبے لمبے ستون باقی رہ گئے ہیں جو بڑی محراب کے عین عقب میں ہیں - یہ ستون عین بین ہندو والی ہیں جن کو نہ مسلمانوں نے ہلایا جلایا نہ بدلا بدلایا - (یعنی یہ کہ جہاں پہلے تھے وہیں اب بھی ہیں) ان ستونوں کی نسبت میرا یہ کہنا کہ ان کو مسلمانوں نے ہلایا جلایا نہیں اس وجہ سے ہی کہ ان کی جگہ چبوترے پر چینی سے کھا نچے بنے ہوسے ہیں اور بدلا بدلایا نہیں اس پر میں کہتا ہوں کہ اُن کے تمام سلسلے اُسی طرح کے ہیں جیسے کہ (عموماً) ہندوؤں کے مندروں میں ہوتے ہیں - باقی اطراف کے سارے دالانوں کے تمام ستونوں کو مسلمانوں نے اس طرح ترتیب دیا ہی کہ دو دو تین تین ٹکڑے (اوپر تلے) جوڑ کر بقدر ضرورت اونچا

کیا گیا ہے - میں اپنی اس رای کی تائید میں کہ بڑی محراب کے پاس کے ستونوں کو اپنی جگہ سے جنبش نہیں دی گئی ایک اور ثبوت پیش کرسکتا ہوں اور وہ یہ ہے کہ بڑی محراب کے پاکھوں کے پتھروں میں جو گھر ان ستونوں کے بٹھانے کے تراشے گئے ہیں اُن میں ان کی چولیں ٹھیک بیٹھی ہوئی ہیں - اس سے معلوم ہوتا ہے کہ محرابیں ستونوں کے بعد بنی ہیں اور مسلمانوں نے مندر کے پرانے ستونوں کو پیش نظر رکھ کر (انھیں کے لحاظ سے) بنائی ہیں اور انھیں وجوہ سے میں اس نتیجے پر پونہچا ہوں کہ یہ ستون اپنی اصلی جگہ پر قایم ہیں - دالانوں کی ساخت میں پرانے اور نیئے کاموں کے ملا دینے کا طریقہ بالکل بدل گیا ہے یعنی یہ کہ ایک دیوار دوز ستون میں جو شمالی دالان میں ہے - یہاں کی دیوار کے ایک پتھر میں ایک قدرتی پھوڑا تھا جس کے جمانے کے لیئے ستون میں اُتنا ہی سوراخ کر کے پھنسا دیا ہے - میں ان کو دیوار دوز ستون اس واسطے کہتا ہوں کہ وہ دیوار سے لگے ہوے ہیں لیکن ان میں کے اکثر ستون پورے ہیں جو دیوار سے ملا کر کھڑے کیئے گئے ہیں - لیکن ان ستونوں کی بیٹھکیں بیچوں بیچ میں نہیں ہیں بلکہ اپنی اصلی جگہ سے کئی انچ آگے بڑھی ہوئی ہیں - اس سے میں نہایت وثوق سے یہ نتیجہ نکالتا ہوں کہ اطراف کے دالانوں کے تمام اپنی اصلی جگہ پر قایم نہیں ہیں بلکہ مسلمان ان ستونوں کو ہندوؤں کے ویران مندروں سے لائے ہیں اور یہاں کی دیواروں میں لگا دیئے ہیں - اس امر کے ثبوت میں کہ ان ناہموار ستونوں میں جوڑ لگائے گئے ہیں میں ذیل کے واقعات پیش کرتا ہوں:-

(۱) شمالی دالان میں بیرونی قطار کا پہلا مشرق رویہ ستون جو بالکل سنگ خارا کا ہے اُلٹی بیٹھک پر کھڑا ہے -

(۲) شمالی دالان میں بیرونی قطار کے دو پاس پاس کے ستونوں میں ایک ہی قسم کے تین تین ٹکڑے ایک کے اوپر ایک جمے ہوے ہیں - جن کی ساخت اور نقش و نگار ایک ہی طرح کے ہیں - ان دونوں تھموں کے چھ ٹکڑوں میں سے چار تو ہشت پہلو ہیں - جن کے ضلع کا ہر دوسرا رخ گھڑا ہوا ہے اور باقی دو ٹکڑے سادے ہشت پہلو ہیں - ایک تھم میں تو یہ بن گھڑا ٹکڑا اپنی جگہ

میں سب سے اوپر دار کا ہی اور دوسرے میں اوپر نیچے کے ٹکڑے چھوڑ کر بیچ میں لگا ہوا ہے

(۳) بہت سے سادے ہشت پہلو تھم اور ان کے ساتھ دوسرے تھم کہ جن کا پر دوسرا رخ گھڑا ہوا ہی مربع بیٹھک پر ایستادہ ہیں حالاں کہ یہ بیٹھکیں ابتداً چوکوں تھموں کے لیے گھڑی گئی تھیں سیبات چوکوں بیٹھلوں کی سطح بالائی اور خالی کونوں کے دیکھنے سے بخوبی ظاہر ہو سکتی ہی کیوں کہ ہشت پہلو ستون ان چوکوں بیٹھکوں پر اچھی طرح نہیں بیٹھے بلکہ ابتک ویسے ہی بن گھڑے کھڑے ہیں جیسا کہ معماروں نے چھوڑ دیا تھا۔ پرانے مال مسالے کو ردوبدل کرکے استعمال میں لانے کا ثبوت کچھ دالان کے ستونوں ہی پر منحصر نہیں ہی بلکہ دروازوں پر کے گنبدوں اور دالانوں کے کونوں کے کمروں میں بکثرت اور زیادہ متیقن ثبوت ملتے ہیں۔ ان گنبدوں کو بھی مسٹر بگلر قدیم ہی کا خیال کرتے ہیں لیکن ذیل کے واقعات سے ان میں بھی مسلمانوں کا تصرف ظاہر ہو جائے گا:۔

(۱) جنوب و مشرق کے کونے میں ایک ہشت پہلو قطعے سے گنبد شروع ہوتا ہی اور یہ مثمن ایک مربعے کے آٹھ ستونوں پر ٹکا ہوا ہی۔ یعنی چار ستون چاروں کونوں پر اور چار بیچ میں۔ بدیں وجہ مثمن کے زاویوں کا بوجھ بجائے ستونوں کے شہتیروں پر پڑتا ہی۔

(۲) شمال و مغرب کے کونے کے گنبد میں یہ صریح غلطی اور بھی زیادہ واضح ہی۔ کیوں کہ ستونوں کا باہمی فصل درمیانی ستون مربع اضلاع کے بیچ میں نہ ہونے سے یکساں نہیں ہی۔

(۳) شمالی و مشرق کے کونے میں گنبد ایک مثمن سے شروع ہوتا ہی جو بارہ ستونوں پر ٹکا ہوا ہی۔ جس سے ایک مربع شکل بن گئی ہی لیکن ستونوں کے بالائی حصے پر پانچ پانچ توڑے مربعے کے ہر کونے میں لگے ہیں اور بعض جگہ اسی مثمن کے کونے میں عام قسم کے ستونوں کے سرے چار توڑوں ہی کے مثمن کے کونوں میں لگا دیے ہیں۔ یہ توڑوں کے لگانے میں جو صریح غلطی ہوئی ہی جب تک کہ ان میں ردوبدل نہ کیا ہوگا کیسے ممکن ہو سکتی ہی۔

(۴) مشرقی دروازے کی طرف کے بڑے گنبد میں بھی اسی قسم کی نئی ترتیبی پائی جاتی ہی

بجائے اس کے کہ ستونوں کو پانچ توڑوں کے نیچے لگایا جاتا وہ صرف دو توڑوں اور ستونوں کے بالائی حصے کے چار مشترک توڑوں کے بیچ میں لگے ہوئے ہیں۔ پتھر کے شہتیر بھی یکساں نہیں بعض بالکل سادے ہیں بعض منقشین۔ اس سے ظاہر ہے کہ اس گنبد کی سابقہ حالت میں مسلمانوں نے رد و بدل کرکے موجودہ حالت پر پہنچایا ہے۔

(۵) کنارے کے کمروں کی چھوٹی چھتوں میں دیکھا جاتا ہے کہ مربع منقشین چوکوں کو کاٹ کر انھیں مستطیل جگہ میں پھنسا دیا ہے اور جو بن گھڑی سلیں ہیں اُن کو اس طرح پھنسایا ہے کہ لمبان میں جو جگہ خالی رہ گئی وہاں سلیبے ڈال کر پُر کر دیا۔ اس لیے یہ چھتیں یقیناً اپنی اصلی حالت پر قایم نہیں ہیں اور مجھے یہ نتیجہ نکالنے میں ذرا بھی پس و پیش نہیں ہے کہ جب قطب الدین ایبک ستائیس مندروں کو ڈھا کر اُن کے مال مسالے سے یہ مسجد بنوا رہا تھا تب مسلمانوں نے (اپنی مرضی کے موافق کاٹ چھانٹ کرکے۔ پتھر کی سلوں کو جہاں اور جس طرح مناسب سمجھا لگا دیا۔ چنانچہ حالتِ موجودہ خود) اسی تصرف کا نتیجہ ہے۔

(۶) شمال و مشرق و جنوب و مشرق کے کونوں کے بالائی کمروں کی چھتوں کے پٹاؤ کے چوکوں کے دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ جینیوں کے کسی مندر کے ہیں کیوں کہ بہت سے پتھر جو مربع کھڑکیوں کی کشادگی کم کرنے کے لیے کونوں میں لگائے ہیں اُن کے بیرونی رخ پر انسان۔ ہاتھی۔ گھوڑوں کی تصویریں بنی ہوئی ہیں اور بیچ میں تو ایک پتھر پر ایک شخص آلتی پالتی مارے ہوئے بالکل برہنہ بیٹھا ہے جس کے دونوں ہاتھ اُس کی گود میں لٹک رہے ہیں جو بالکل جین مت کے لوگوں کے بتوں کا طرز ہے۔ اور بھی اسی طرز کی مورتیں بنی ہوئی ہیں۔

غالباً اسی بنا پر مسٹر بگلر استدلال کرتے ہیں کہ اس دالان کے کُل ستون جینیوں کے ایک ہی مندر کے ہیں۔ یہ ایک ایسا استدلال ہے جس کی نفی اُس آہنی ستون کے کتبے ہی سے ہو سکتی ہے جو اسی صحن میں کھڑا ہے جس میں خود اس ستون کا نام "وشنو کا بانہ" لکھا ہے علاوہ اس کے وشنو کی بہت سی مورتیں جو اطراف کی دیواروں پر بنی ہوئی ہیں مثلاً "دس اوتار" اور "نارائن" جو اننتا سانپ کے پھن پر ٹیکا دیئے ہوئے ہے ہمیں بھی بگلر کی رائے سے اختلاف کرنے میں مدد دیتی ہیں۔ قطب صاحب کی مسجد کی بابت میں صرف ان

سمجھ پر پہنچا ہوں کہ اُس کی تعمیر ہندو راجوں نے مسلمانوں کی نگرانی میں کرائی ہے ستائیس مندروں کے مال مسالے سے کی ہے جن میں سے شک نہیں کہ بعض مندر جینیوں کے بھی ہوں گے۔ اس سے اُن تمام غلطیوں کی جو تعمیر کے متعلق ہم اوپر بتلا آئے ہیں اور نیز دالانوں کے ستونوں کی بے ترتیبی کی کافی وضاحت ہو جاتی ہے۔ مسلمانوں کا مقصود ایک بلند (اور عالی شان) عمارت بنانے کا تھا لیکن ہندوؤں کے مندروں کے ستون بالعموم پست ہوتے ہیں۔ اس کی تلافی (مسلمانوں نے) اس طرح کی کہ دو دو اور تین تین ستون جوڑ کر سرے اور بیٹھکیں لگا کر کھڑے کر دیئے۔ اس میں شک نہیں کہ عام طور پر یہ منظر خوش نما ہے لیکن۔ یہ خوش نمائی صرف ستونوں کی خوب صورتی اور نقش و نگار کی وجہ سے ہے جو نظر کو اپنی جانب ایسا متوجہ کر لیتی ہے کہ ستونوں کی بے ترتیبی اُن کے ہونے موٹے (بھدے) ستون جن کے اوپر پتلے ٹکروں کے جوڑ لگے ہوئے ہیں اور خالی توڑے جو کسی چیز کو سہارا نہیں دے رہے اور بے سہارے کے آگے بڑھے ہوئے طاق (یہ سب اسقام) چھپ جاتے ہیں۔ اگر یہی ستون نقش و نگار سے معرا اور) سادے ہوتے تو میں یقین کرتا کہ سب سے پہلے نگاہ تو ان کی عدم یکسانیت پر پڑتی اور ان کی بے ترتیبی اور غیر مناسب جوڑ فوراً ظاہر ہو جاتے۔ مسٹر بگلر کا یہ بھی خیال ہے کہ قطب مینار کی شروعات ہندوؤں نے ہوئی ہے صاحب موصوف اپنی رائے کی تائید بڑی ہوشیاری سے کرتے ہیں۔ ہندو خود اس بات کے مدعی ہیں کہ یہ مینار اُن کا ہے اور کہتے ہیں کہ پرتھی راج نے اپنی بیٹی کے واسطے جمنا کا درشن کرنے کے لیئے بنایا تھا۔ اس کے متعلق میں نے تفصیلی وجوہات اپنی رپورٹ جلد اول کے صفحہ (۱۹۰) میں بیان کر دیئے ہیں کہ قطب مینار یقیناً مسلمانوں ہی کی عمارت ہے اور اب میں (چند) اور باتیں بھی پیش کرتا ہوں جو بگلر صاحب کے ساتھ دو مرتبہ قطب مینار جا کر میں نے دیکھیں پہلی مرتبہ مجھ کو بگلر صاحب نے ذیل کے چھوٹے (چھوٹے) کتبے بتلائے جو مینار کے نیچے کے حصے میں بخط ناگری کندہ ہیں:۔

(۱) دروازے کے باہر سیدھی طرف (سمت (و) ت ۱۲۵۶)

(۲) دروازے کے اندر ڈیوڑھی میں بائیں طرف (سمت ۱۲۵۶(۱))

(۴) دروازے کے رستے میں محراب کے پاس (سمَوت ۱۲۵۶)

میں ان کتبوں کو اُن راجوں کا کھودا ہوا سمجھتا ہوں جنھوں نے اس مینار کو بنا کر ادویہ امر کہ وہ جاہل محض تھے اس بات سے ظاہر ہو کہ پہلے کتبے میں وآو کا حرف ہی چھوڑ گئے ہیں اور دوسرے کتبے میں ہزار کا ہندسہ ہی غائب ہو۔ یہ تینوں کتبے سموت ۱۲۵۶ مطابق سنہ ۱۱۹۹ع کے ہیں جو میرے خیال میں یا تو اس مینار کے شروع کا سال بتلاتے ہیں یا اختتام کا۔ ایک ہی تاریخ کا بار بار اعادہ کرنا ہندو راجوں کا دستور ہی۔ اسی طرح جونپور کی اٹالا مسجد کے ستونوں پر جو سابق میں ایک مندر تھا اور جس کو ابراہیم شاہ شرقی نے مابین ۱۴۰۰ و ۱۴۴۰ع مسجد سے تبدیل کر دیا۔ میں نے سموت ۱۴۶۴ کو تین جگہ پر مکرر سہ کرر کھدا ہوا اس طرح دیکھا ہی:-

(۱) شمالی دروازے کے بیرونی رخ پر سیدھے پاکھے پر۔	سموت ۱۴۶۴ سما پٹ شتر ادھارا پدو ماوی سائی ستر ادھارا سوتا	سموت سال ۱۴۶۴ میں پدرما ی راج پسر سائی راج نے ختم کیا۔
(۲) نیچے کے ایک چوکوں ستون پر۔	سموت ۱۴۶۴ بنیا دی پاری	سموت سال ۱۴۶۴ میں بنایا گیا
(۳) جنوبی رخ کے ایک بیرونی ستون پر۔	سموت ۱۴۶۴	

علاوہ ان سموتوں کے (جو قطب مینار پر کندہ ہیں) میں نے ایک اور کتبہ بھی اُسی مستری کا دیکھا ہی کہ جس کی زیرنگرانی یہ مینار بنی ہی۔
یہ کتبہ چبوترے کے جنوبی روکار پر ہی جسے مجھے بگلر صاحب نے بتلایا تھا۔ بدنصیبی سے یہ کتبہ پتھر کے ترخ جانے سے ناقص ہو گیا ہی۔ بااین ہمہ کچھ حروف اور ہندسے جو صاف باقی رہ گئے ہیں وہ یہ ہیں:-

× × ماگج ۵۱ ـــــ ۸۳ وار ناسی

۵۱ کے ہندسے کے پیچھے ہی ایک چوڑی یا لمبی سیدھی لکیر کھنچی ہوئی ہی جس کے

بعض نون سرے سے نیچے کی طرف جھکے ہوئے ہیں اور اس کی داہنی طرف کوئی ایک انچ کے فصل سے اسی طرح کا ایک نشان اور ہی جو کچھ کچھ مٹ گیا ہی - یہ دونوں سطریں چبوترے کی بیرونی سطح پر ہیں - لفظ دارمنی کے معنی میرے خیال میں (Plumb line) سہاول کے خط کے ہیں - کتبے کی عبارت سے ایسا معلوم دیتا ہی کہ یہ لین دوبارہ ایک انچ ہٹا کر صحیح کی گئی ہی - یہ امر یہ کتبہ کسی ہندو کا ہی بجاے گز کے لفظ "گج"[1] سے ظاہر ہی ورنہ یہ کیسے ممکن تھا کہ کوئی فاتح مسلمان ایسا غلط لفظ استعمال کرتا - یہ بھی ایک عجیب بات ہی کہ میں نے اسی طرح کا ایک نشان مسجد کی پچھیت کی دیوار کے آگے بڑھے ہوے حصے میں بھی دیکھا ہی جو مسجد کے پیچھے وار بیچوں بیچ میں ہی اور جو غالباً مسجد کی بیچ کی لین کو سدھ کرنے کو لیا گیا تھا - کیوں کہ یہ نشان بڑھے ہوے حصے کے بیچ سے بھی کئی انچ آگے بڑھا ہوا ہی -

مسٹر بگلر کی رای دو امور پر مبنی ہی :-

(اول) مینار کے نیچے کے تین گنبدوں اور اُس کے اوپر کے دو گنبدوں کی طرز تعمیر میں فرق ہی - جس سے وہ یہ نتیجہ مستنبط کرتے ہیں کہ پہلا حصہ ہندوؤں کا بنایا ہوا ہی اور بعد کا مسلمانوں کا -

(دوم) گنبدوں کا درمیانی فاصلہ عمل ہاے حسابی واقلیدسی کے لحاظ سے ہی جو کسی Arithmetico geometrical series معمولی شخص کا کام نہیں نہ وحشی مسلمان فاتحین کو یہ حسابی[2] طریقہ معلوم تھا - اس لیے یہ کام دانش مند ہندوؤں کا ہی -

مسٹر بگلر کی پہلی توجیہ میں اُنھوں نے اس واقعہ کا خیال نہیں رکھا کہ لاٹ کی اوپر کی دو منزلوں کو تو فیروز شاہ تغلق نے از سر نو بنوایا ہی تھا جیسا کتبات اور اُس کی

---

[1] ہندی میں (ز) کا حرف ہی ہی نہیں - جب یہ امر مسلم ہی کہ راج ہندو تھے تو پھر یہ بحث ہی تحصیل حاصل ہی -

[2] شاید بگلر صاحب کو یہ معلوم نہیں کہ مسلمان بہت بڑے ریاضی داں تھے اقلیدس اور جبر و مقابلہ اُنھیں کی ایجاد ہی اور اُنھیں سے انگریزوں نے لیا ہی چنانچہ اقلیدس اور الجبرا کے نام ہی خود اس امر کا بدیہی ثبوت ہیں ۱۲

سوانح عمری سے ظاہر ہے۔ طرز تعمیر کا مماثلت ہونا البتہ حیرت انگیز ہے۔ لیکن اس سے سوائے اس کے اور کچھ نتیجہ نہیں نکالا جا سکتا کہ قطب الدین ایبک سے لے کر فیروز شاہ تغلق تک ڈیڑھ صدی کا زمانہ گزرا۔ اس لمبی عرصہ مدت میں فن تعمیر کے مذاق میں کیا کیا کچھ تبدیلیاں نہ ہوئی ہوں گی۔ پس یہ اختلاف طرز اختلاف مذاق اور زمانے کا نتیجہ ہے۔ نیچے کے برآمدوں کی عمدہ نقاشی بجنسہ اُسی طرح کی ہے جیسی کہ دہلی اور اجمیر کے پچھلے زمانے کی مسجدوں میں پائی جاتی ہے۔ اب رہا سنگ مرمر اور سنگ سرخ برابر لگانا یہ طریقہ فیروز شاہ کے وقت کا ہے جیسا کہ اس بادشاہ کے بنائے ہوئے اُس ستون میں موجود ہے جو حصار میں لگا ہوا ہے۔ میں اس بات کو تسلیم کرتا ہوں کہ ان پسندیدہ نقاشیوں کا طرز ہندوانی ضرور ہے لیکن مسلمانوں کی شروع شروع کی عمارات میں یہ ایک ضروری امر اس وجہ سے تھا کہ فاتحین سپاہی منش تھے ان کو قدرتی طور پر مقامی کاریگروں سے کام لینا پڑا (جو ہندو تھے) اسی وجہ سے ایک کمان دوسری پر چڑھ گئی ہے اور نقش و نگار میں بھی ہندوؤں کے طرز کی جھلک نظر آتی ہے۔ مسٹر بگلر کی دوسری دلیل جس کا دار ومدار سینہ بہ سینہ حسابی اقلیدسی عمل پر ہے میں اُس کی تردید کرتا ہوں کہ وہ محض ایک خیال ہی خیال ہے لو فرضاً وہ صحیح بھی ہو تو بھی یہ امر بہ آسانی تسلیم نہیں کیا جا سکتا کہ محمد غوری کا سارا لشکر (اس سرے سے اُس سرے تک) جاہل محض تھا۔ خصوصاً جب کہ ہم کو معلوم ہے کہ اس زمانے سے بہت پہلے محمود غزنوی کے ساتھ ابوریحان جیسا عالم فاضل آیا تھا۔ بگلر صاحب کہتے ہیں کہ عمل ہائے حسابی واقلیدسی کوئی آسان کام نہ تھا ویسا ایسے مستحیلات پر کچھ زور نہیں دے سکتا۔

مسٹر بگلر مزید برآں یہ بھی کہتے ہیں کہ کنول کے پھولوں کے پٹکوں اور عربی کتبوں کے پٹکوں کے سطحی اُبھار میں فرق ہے۔ پھولوں کے نقش و نگار والا پٹکہ سطح کے برابر ہے حالاں کہ دوسرا پٹکہ بہت اُبھرا ہوا ہے۔ لیکن صرف سب سے نیچے کے گھنڈ کے کتبے کی تحریر سطح کی برابر ہے باقی سب اُبھرے ہوئے ہیں۔ سب سے نیچے والے پٹکے کا یہ حال ہے کہ امتداد زمانے اور نااہل لوگوں کی شکست وریخت سے ایسا نقصان پونہچا ہے کہ اب برابر پڑھا ہی نہیں جاتا۔ سر سید بھی اس کتبے

میں سوائے "امیر الامراء" کے کچھ نہ پڑھ سکے۔ اس لیئے میرا خیال یہ ہے کہ یہ پٹکہ جو
دبا ہوا ہے محض اُن لوگوں کی بدولت ہے کہ جنھوں نے دوبارہ اسے نصب کیا۔
میرے اس خیال کی تائید اس امر سے بھی ہوتی ہے کہ روکار میں لال پتھر جو
لگائے گئے ہیں وہ اس (بدتمیزی) سے بیچ میں سے کاٹ ڈالے گئے ہیں کہ
اُن کی دراڑوں میں سے اندر کے بن گھڑے پتھروں کی کوریں نظر آتی ہیں۔
یہ بات بھی ذہن میں رکھنی چاہیئے کہ حسابی اقلیدسی عمل کا اس پٹکے سے کوئی تعلق
نہیں ہے اور مجھ کو یقین کلی ہے کہ مینار کا یہ حصہ بھی قدیم آراستگی کا اصلی جزو ہے تو میں
ہندوؤں کی عمارات کے متعلق سینہ بسینہ عمل ریاضی کو نرا ایک خیال ہی خیال
سمجھتا ہوں۔ قطب مینار کے ابتدائی نقش و نگار کے متعلق کہ وہ ہندوؤں کے
بنائے ہوئے نہیں ہیں بالکل قطعی ثبوت امیر خسرو کی تاریخ علائی سے ملتا ہے جو
علاء الدین خلجی کا ہم عصر تھا۔ علاء الدین خلجی نے جب ایک نئی مینار بنانے کا حکم دیا
تو امیر خسرو لکھتے ہیں کہ "(بادشاہ) نے حکم صادر فرمایا تھا کہ پرانی مینار کی باہر وار سے
درستی کرادی جائے اور پرانی برجی کے ساتھ ایک اور نئی برجی بھی بنادی جائے"
۔ اس تحریر کی رو سے جو چشم دید ہے معلوم ہوتا ہے کہ سنگ سرخ کا تمام روکار علاء الدین
کا بنوایا ہوا ہے اور تمام عمدہ برآمدے اور نقش و نگار کے پٹکے بھی ضرور اُسی نے
لگوائے ہیں اور یہی وجہ ہے کہ بابر بادشاہ نے اس تمام (ترمیم و) درستی کا حال سن کر
سلاطین افاغنہ سے لی ہے اس کو "علاء الدین خلجی کا مینار" کہا ہے۔
مینار کے روکار اور نقش و نگار اور کتبوں کے ہندووانی ہونے کی نسبت تصفیہ
کرنے کے بعد اب ہم اصل مینار کی طرف رجوع کرتے ہیں۔ سر سید لکھتے ہیں کہ یہ

ـــلہ کتبہ جب اپنی اصلی حالت پر ہو تو پڑھا جائے۔ یہ کتبے کھدے ہوئے تو ہیں نہیں بلکہ منبت ہیں اور حروف تراش کر بنائے گئے
ہیں سو ایسے لوگوں نے دوبارہ جمایا ہے جو پڑھے لکھے نہ تھے۔ چنانچہ سر سید خود تحریر فرماتے ہیں کہ "نہایت افسوس ہے کہ مرمت کے وقت اس
لاٹ کے کتبوں کے حروف جو گر پڑے تھے بالکل غلط بنائے ہیں اکثر جگہ صورت لفظوں کی بنادی ہے جب غور کر کے دیکھو تو وہ لفظ نہیں ہیں صرف
نقش ہیں۔ بعض غلط لفظ بنا دیئے ہیں اور بعض جگہ اپنی طرف سے ایسی عبارت کھود دی ہے کہ اصل کتبے کے مضمون سے بالکل علاقہ نہیں رکھتی
مصنف اصل لاٹ کے کتبے نہیں پڑھ سکتے تھے یہ سر سید ہی کا کام تھا کہ وہ بعینہٖ گراں کو پڑھا۔ جزاھم اللہ احسن الجزاء۔

مینار ہندوؤں کی ساختہ ہونے کے متعلق ایک ثبوت یہ پیش کیا جاتا ہے کہ مسجدوں میں عموماً دو دو مینار ہوتے ہیں اور یہ فرد ہے" لیکن دو دو مینار بنانے کا طریقہ تو صرف تین ہی صدیوں سے چلا ہے ورنہ ذیل کے واقعات سے معلوم ہوگا کہ اس سے پہلے مسلمان مسجدوں میں ایک ہی مینار رکھا کرتے تھے ۔ جسے "ماذنہ" کہتے تھے

(۱) ابن طولون کی مسجد جو قاہرہ میں ۸۷۶ء میں بنی ہے اس میں ایک ہی مینار ہے۔

(۲) محمود غزنوی کے بنائے ہوئے دو مینار غزنی میں جو تقریباً ۱۰۰۰ء میں بنے ہیں۔ یہ دونوں مینار مختلف بلندی کے ہیں اور دونوں میں نصف میل کا فصل ہے۔ اس لیئے یہ دونوں مینار دو جداگانہ مسجدوں کے ہوں گے (نہ کہ ایک کے)

(۳) سلطان برکت کی مسجد قاہرہ میں جو ۱۱۴۹ء میں بنی ہے اس کا بھی ایک ہی مینار ہے

(۴) کوئیل (Koel) کا منار جو ۱۲۵۲ء میں بنا تھا وہ بھی فرد ہے اور اس کی مقامی حالت بلحاظ مسجد سے فصل کے بجنسہ قطب مینار کی سی ہے۔

(۵) علاء الدین کی ادھ بنی مینار جو ۱۳۱۰ء میں بنی (بنتے بنتے رہ گئی)۔

(۶و۷[1]) بیانہ کی دو مسجدوں میں صرف ایک ہی مینار ہے اور وہ بھی صحن مسجد کے باہر شمال و مشرق کے کونے میں ہیں ۔ بخلاف قطب مینار کے یہ تو (صحن مسجد کے) جنوب و مشرق کے کونے میں ہے۔ ان میں سے ایک مینار پر نصیر الدین محمد کا کتبہ ہے جو ۱۴۹۰ء میں حکمراں تھا ۔ ان سات مثالوں سے جن میں پانچ صدی سے زیادہ کا زمانہ پھیلا ہوا ہے اور اکبر شاہ سے ایک سو آٹھ برس پہلے تک یہ بات ظاہر ہے کہ اس وقت تک مسلمانوں میں مسجدوں میں ایک ہی مینار بنانے کا دستور تھا ۔ یہ کہ قطب مینار دراصل ماذنہ تھا اس کا ثبوت خود اس کے کتبوں سے ملتا ہے جن سے کبھی چشم پوشی نہیں کی جاسکتی ۔ نیز ابوالفدا نے بھی اسے ماذنہ ہی لکھا ہے ۔ اب رہی یہ بات کہ یہ مسلمانوں ہی کا ڈزائین (خاکہ) تھا اس کی تائید میں وہ واقعہ موجود ہے کہ دہلی کے فاتحین غزنی کے حکمراں تھے جو محمود غزنوی کے میناروں (کے طرز) سے واقف

[1] اور مثال میں بھی پیش کرتا ہوں کہ دیہی ملکت سرکار عالی نظام کے قلعہ میں ایک مینار کی مسجد [illegible] بھی ایک ہی مینار گاؤں [illegible] بلند اور [illegible] میں ہے جو ۹۱۹ھ ۱۵۱۳ء میں بعہد سلطان محمود بہمنی ملک عنبر نے بنوایا تھا۔

صحن کا طرز (star polygon) ستارہ نما کثیر الزوایا وضع کا گھرے گھرے دار زاویوں کا ہے۔ قطب مینار کے بنانے میں مسلمانوں کی ایک خاص غرض بھی مدنظر تھی جو اُن کے مذہبی روزانہ (بلکہ پنج وقتہ) عمل سے متعلق ہے اس لیے مجھے یقین واثق ہے کہ یہ عمارت غرض اور طرز دونوں اعتبار سے خالصاً مسلمانوں کی ہے۔ اگرچہ ساری عمارت نہیں تو اکثر عمارت کا حصہ خصوصاً چڑھی ہوئی اور گوسلے دار محرابوں کی وضع قطع البتہ ہندوانی طرز کی ہے۔

مسٹر بگلر کا آخری نوٹ

ہے اب تک قطب مینار اور مسجد کی نسبت وہی رائے تھی جو کہ میں نے رپورٹ میں لکھی ہے۔ چوں کہ میں نے (اپنی رپورٹ کو) اس کلیۂ فرضیہ سے شروع کیا تھا کہ بنیادیں اور مسجد کے اندرونی اور بیرونی احاطوں کی دیواروں کے وہ حصے جو سطح زمین سے پست ہیں دراصل اہل ہنود کے (بنائے ہوئے) ہیں تو مجھے اُس نتیجے پر پونہچنا ناگزیر تھا جو میں نے ظاہر کیا۔ لیکن اسی سال کے اوائل ماہ نومبر میں میں اور جنرل صاحب دونوں مل کر قطب صاحب کی باقی ماندہ عمارتوں کو دیکھنے گئے اور صاحب موصوف نے مجھے وہ اختلافات دکھلائے جن سے صاف طور پر ظاہر ہوگیا کہ اندرونی اور بیرونی احاطے بحالت موجودہ دراصل ہندوؤں (کے زمانے) کے نہیں ہیں۔ لیکن اس میں بھی شک نہیں کہ بعض بعض حصص اور غالباً مسجد کی چھت کی دیوار کا وہ حصہ جو اصل مسجد کے بالکل عقب میں ہے ہندوانی ہے۔ مجھے ضرور معلوم دیتا ہے کہ میں اس امر پر غور کروں اور خاص طور پر اس (امر) کا اظہار کروں۔ جیسا کہ میں نے اپنی رپورٹ میں لکھا ہے کہ

لہ جنرل صاحب کا نوٹ۔ میں بگلر صاحب سے پوچھتا ہوں کہ ہندوؤں کے معابد کو مینار سے کیا تعلق ہے۔ کیا ہندوؤں نے مسلمانوں کی فتوحات سے پہلے یا بعد کوئی ایسی مینار بنائی ہے۔ اور سب سے بڑھ کے یہ کہ ایسی مینار کے بنانے سے ہندوؤں کی کون سی غرض پوری ہوتی تھی۔ ۱۲

مسجد کی تمام دیواروں کا مال مسالا جس کو میں نے ہندوانی بتلایا ہے [illegible]
پر وہ ہندوانی ہی ہے۔ سوائے اندرونی احاطے کی جنوبی دیوار کے ایک [illegible]
کہ جس میں ایک نہیں بلکہ کئی پتھر ایسے لگے ہوئے ہیں کہ جن میں آ گئے
بڑے ہوئے توڑے ۔ ۔ ۔ ہوئے ہیں یا کسی زمانے میں لگے ہوئے تھے
[illegible] صاحب نے مجھ کو مسجد کی چھت کی دیواریں چند ایسے پتھر بتلائے
کہ جو الٹے لگے ہوئے تھے اور جن کے اندر تصویریں بنی ہوئی تھیں اور علاوہ
اس کے وہ دُہری کارنس بھی بتلائی جو مسجد کی چھت کی دیوار کے برابر
کونے تک چلی گئی ہے۔ جس سے یہ امر ثابت ہوا کہ اندرونی احاطہ کسی زمانے
میں مکمل تھا اور با ایں ہمہ وہی کارنس التمش کے زمانے کے توسیع کردہ عمارتی
حصے میں بھی ہے اور اس حصے کا مال مسالا اور ساخت بالکل قطب صاحب
کی مسجد کی وضع کی ہے۔ دیکھنے سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ یہ ساری کی ساری ایک ہی
مسلسل دیوار ہے۔ لیکن میں نے پہلے اس بات کا خیال نہیں کیا کہ قطب صاحب
کی مسجد کے احاطے کے کونے کے پاس کارنس (کا رخ) مڑ گیا ہے اور
اس طرح کی اور فروگزاشتوں کی وجہ سے اب مجھے یقین ہوتا ہے کہ قطب صاحب
کی مسجد اور سلطانِ التمش کی توسیعات کی بنیادیں اور دیواریں (بجز شاید
ایک تھوڑے غیر محدود حصے کے) سب مسلمانوں ہی کی بنائی ہوئی ہیں۔ اس
بات کے تسلیم کر لینے کے بعد جو دلائل کہ میں نے اپنی رپورٹ میں بیان کیے ہیں
وہ بالکل بدل جاتے ہیں مگر بریں ہم اُن کی موزونیت میں کوئی فرق نہیں آتا
میں نے (اپنی رپورٹ کو اس کلیۂ فرضیہ سے شروع کیا تھا کہ بنیادیں تمام ہندوانی
ہیں اور میں نے اس بات کو ثابت کیا تھا کہ بحالت موجودہ مسجد کے دوسرے حصے
مسلمانوں کے (بنائے ہوئے) ہو نہیں سکتے۔ اور چونکہ مینار اصولاً مسجد کا ایک
جزوِ لاینفک ہے لہٰذا وہ بھی مسلمانوں کا بنایا ہوا نہیں ہو سکتا (یعنی جب مسجد مسلمانوں کی
کی بنا کردہ نہ ٹھہری تو مینار جو اُسی کا ایک جزو ہے مسلمانوں کا کیسے سمجھا جا سکتا ہے)
لیکن) اب میرا یہ خیال ہے کہ بنیادیں بھی ہندوؤں کی نہیں ہیں بلکہ مسلمانوں ہی کی
بنائی ہوئی ہیں۔ تو (ایسی حالت میں) میری تمام پچھلی دلیلیں بھی نہایت زور سے

سے مشابہت کی طرف منجر ہیں کہ (کام کا) جو حصہ ہندوؤں کا بنایا ہوا (میں نے) فرض کیا تھا (لا محالہ) وہ بھی مسلمانوں سے منسوب ہوتا ہی۔ مختصر یہ کہ میرے استدلال کا دار و مدار اس بات پر تھا کہ جس زمانے کی بنیادیں ہیں اُسی زمانے کا مینار بھی ہی۔ اور چوں کہ میں نے ایک غلط مفروضہ اختیار کیا تھا۔ بالضرور استدلالاً ایک غلط نتیجے پر پونہچا (یعنی بِنَاءُ الْفَاسِدِ عَلَے الْفَاسِدِ) کہ مینار اہل ہنود کا بنایا ہوا ہی۔ اب میں بلا تامل نہایت خوشی سے اپنی بڑی بھاری غلطی کو جو مجھ سے سرزد ہوئی تسلیم کرتا ہوں۔ اور جنرل صاحب کو معلوم ہو جائے گا کہ جس کو صاحب موصوف نے میرا خیالی قاعدہ فرمایا ہی وہی قاعدہ اُن کی راے کی تائید میں بھی ایک سب سے زیادہ قوی ثبوت ہی۔ بنا بر علیہ اب میری یہ راے ہی کہ جس قدر حصے کو میں نے اپنی رپورٹ میں ہندوؤں سے منسوب کیا ہی وہ سب قطب الدین اور التمش کے زمانے کے مسلمانوں سے متعلق ہونا چاہیئے اور نیز یہ کہ جس کام کو میں نے (شروع ہی سے) مسلمانوں سے منسوب کیا ہی وہ درحقیقت اُن تصرفات مابعد اور مرمتوں کا نتیجہ ہی جو وہلۂ اول میں علاء الدین خلجی اور وہلۂ دوم میں فیروزشاہ (تغلق) نے کرائی تھیں۔ چنانچہ ان دونوں مرمتوں کے متعلق کتب تواریخ میں صاف لکھا ہی کہ زمانے کے دست برد سے جو نقصان عمارات کو پونہچا تھا (ان دونوں بادشاہوں نے) ایک وسیع پیمانے پر مرمت کرائی۔ وہلۂ سوم میں وہ ترمیمیں بلا تصحیح ہیں جو فیروزشاہ کے بعد لازمی طور پر ہر بادشاہ نے اپنے اپنے وقت میں کرائی ہوں گی جن کی تفصیل سے تاریخ ساکت ہی۔ باقی حال ساری کی ساری عمارت بنی تو ہندوؤں ہی کے ہاتھ سے ہی جس کی بدیہی وجہ یہ ہی کہ قطب الدین اور التمش کو جو کاریگر میسر آئے وہ ہندو ہی تھے۔ میں اس موقع پر جنرل کننگھم صاحب کی مہربانی اور اُس تحمل کا جو صاحب موصوف نے مجھے میری غلطی پر متنبہ کرنے میں (برداشت) فرمایا۔ علی الاعلان اظہار کرتا ہوں۔ غلطی بھی کیسی غلطی کہ جس کی تصحیح محض دلائل (تحریری) سے نہیں ہو سکتی تھی اور اگر ہم دونوں (مل کر) بر سر موقع نہ جاتے تو وہ غلطی اسی طرح بلا تصحیح رہ جاتی کیوں کہ جنرل صاحب کے کسی استدلال نے میرے دلائل کی واجبیت کو اور میرے "خیالی" قواعد کو جن کے محکوم مسجد کے حصے اور مینار ہیں جنبش نہیں دی۔

میں اپنے آیندہ مضمون میں اپنے اُسی قانون کو اُن عمارات سے منطبق کرکے بتلاؤں گا جن میں کسی قسم کا شبہ نہیں ہی کہ وہ ہنود کی بنائی ہوئی ہیں مثلاً دہلی ہند کے بڑے بڑے عالی شان مندر جس سے ظاہر ہو جاوے گا کہ ہندو ماہرین فن عمارت اِس قانون کو خوب جانتے تھے اور یہی میرے استدلال کی جڑ ہی۔ اگرچہ قطب صاحب کی عمارتیں مسلمان بادشاہوں کے حکم سے بنائی گئیں اور اُنہیں کے صواب دید پر عمارتوں کا ڈول ڈالا گیا لیکن طرز تعمیر خواہ وہ تفصیلی ہو یا جزئی اور نیز نقش و نگار اور آراستگی (کا ڈھنگ) وہ تو سارے کا سارا ہندوؤں ہی کے ہاتھ میں تھا۔

جنرل صاحب کا آخری نوٹ

یہ بات سب پر ظاہر ہی کہ قطب مینار کے کھنڈوں اور پٹکوں کے باہمی فصل ارتفاعی کا تعین کوئی اتفاقی بات نو تھی بلکہ ضرور ہی کہ وہ کسی حسابی یا اقلیدسی عمل ارتقا پر مبنی ہی۔ اس میں شک نہیں کہ وہ عمل بالکل سیدھا سادا تھا لیکن پھر بھی ہم اُس کی دریافت سے محض اس وجہ سے قاصر رہے کہ ہر ہر کھنڈ کے فاصلۂ درمیانی کی صحیح صحیح ناپ حاصل کرنے میں بڑی دقت ہی۔ اوپر جو کئی جگہ "خیالی قواعد" کا ذکر آیا ہی اُس سے مراد یہی حسابی اور اقلیدسی گر ہی جس کی رو سے قطب مینار بنائی گئی ہی۔ اگر مینار کی بلندی ٹھیک ہوتی اور ہر ہر کھنڈ کا صحیح ناپ مل جاتا تو ممکن تھا کہ اُس پر سے ریاضی داں لوگ اُن اصول موضوعہ کو معلوم کر سکتے جن پر سے قطب مینار بنائی گئی ہی۔

ادھوری لاٹ

سنہ ۷۱۱ھ
۱۳۱۱ع

صفتِ شکل منارہ کہ زرفعت سنگش
از پئ خنجرِ خورشید شدہ سنگ فشاں

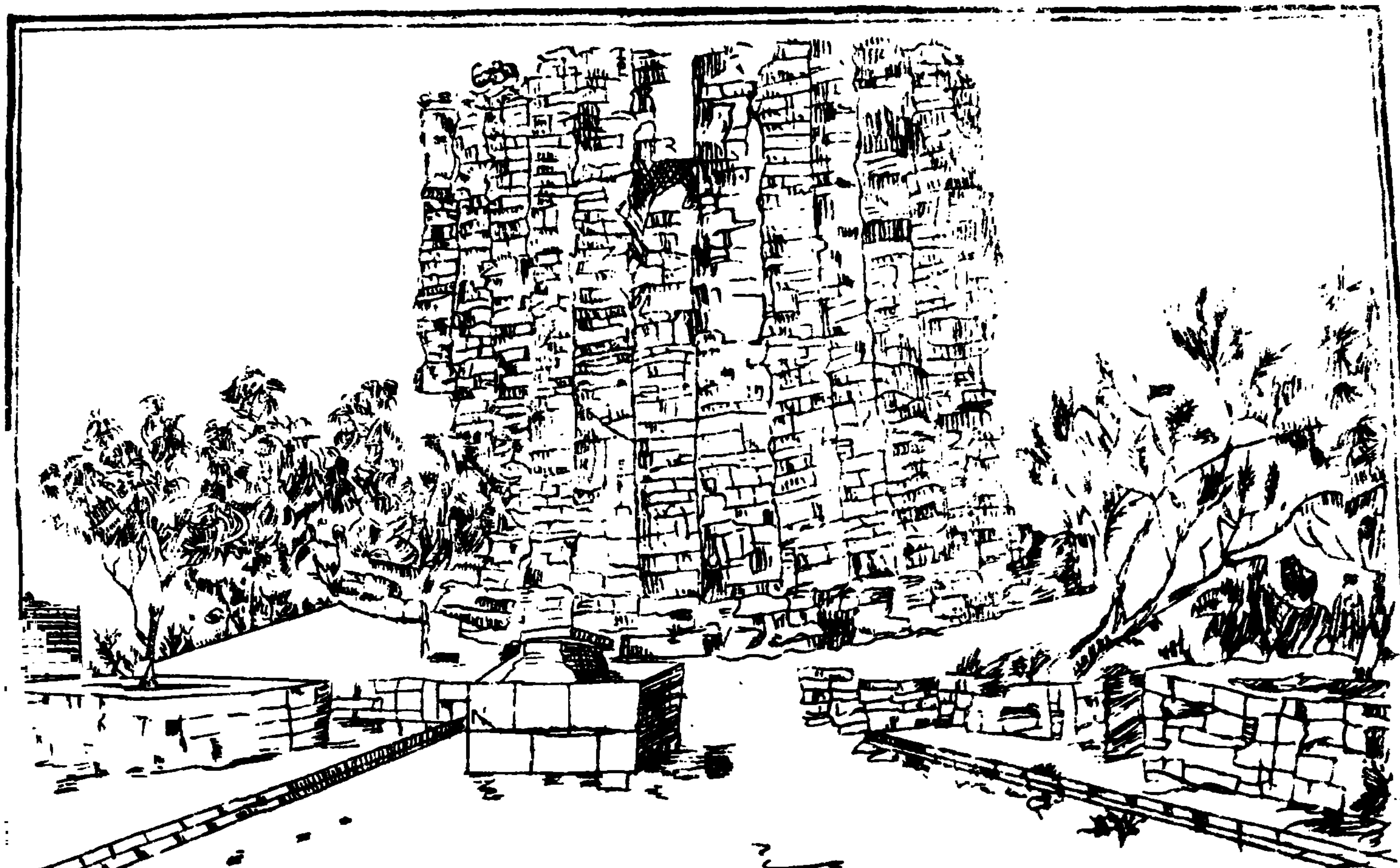
شکل منارہ چو ستونے زسنگ
از پئ سقفِ فلکِ شیشہ رنگ

سقفِ سما از کہنی شد نگوں
در تہ او داشتہ سنگیں ستوں

تا سرش از اوج بگردوں شتافت
گنبدِ ملے سنگ فلک سنگ یافت

آں کہ زر بر سرش افسر شدہ است
سنگ زنز دیکی خور زر شدہ است

سنگ وی از بس کہ بخورشید سود
زر ورِ خورشید عیاری نمود



نقشہ ٹوٹی لاٹھ کا

صحنش سنگیں کہ ستونِ سپہر | آمدہ از مہر شدہ ہم بمہر
گر نہ خزف شد فلک شیشہ ساز | از چہ براں سنگ بود شیشہ باز
دیدنِ او را کلہ افگند ماہ | بلکہ فتادش گہ دیدن کلاہ
ماہ نخسپد ہمہ شب تا سحر | کز سرِ سختیِ علو داد بہ بر
زاں غلہ ہر بار کہ در ابر داد | برق زجا جست و دگر جا فتاد
شد چو بلند از شرفِ نفسِ خویش | زد بہ بلندی بجز چرخ نیش
بر ملکش سایہ طرف بر طرف | تا فلکش پایہ شرف بر شرف
از پی بر رفتنِ ہفت آسماں | گرد زمیں تا بفلک نردباں
گرد سرش گرد سودن چو گشت | قامتش از مسجد[1] عیسیٰ گزشت
مؤذنش[2] آنجا کہ اقامت کشید | قامت مؤذنِ نتواند رسید
مسجد جامع ز درون چوں بہشت | حوض ز بیروں شدہ کوثر سرشت

(امیر خسرو در مثنوی قران السعدین)

مسجد قوۃ الاسلام سے کے متعلق یہ ایک آخری دل چسپ مقام ہے۔ یہ قطب مینار سے کوئی پاؤ میل کے فصل پر ہے۔

حضرت امیر خسرو اس ناتمام مینار کی نسبت لکھتے ہیں کہ "علاء الدین خلجی نے ایک دوسری مینار جامع مسجد کے جوڑ کی بنوانی چاہی جو اُس وقت سب سے مشہور مینار تھی اور منشا یہ تھا کہ یہ منارا اتنی بلند ہو کہ جس سے زیادہ اونچا کرنا ناممکن ہو۔ بادشاہ نے حکم دیا تھا کہ قطب مینار سے اس کا دَور دگنا ہو اور اسی مناسبت سے وہ بلند بھی کی جائے (تاریخ ہند مصنفہ الیٹ صاحب جلد سوم صفحہ ۷۰)

ایک اور مورخ لکھتا ہے کہ افسوس ہے کہ بادشاہ کی زندگی نے وفا نہ کی اور وہ اپنا ارادہ پورا نہ کرنے پایا تھا کہ جاں بحق ہو گیا۔

آگاہ اپنی موت سے کوئی بشر نہیں | ساماں سو برس کا ہے کل کی خبر نہیں

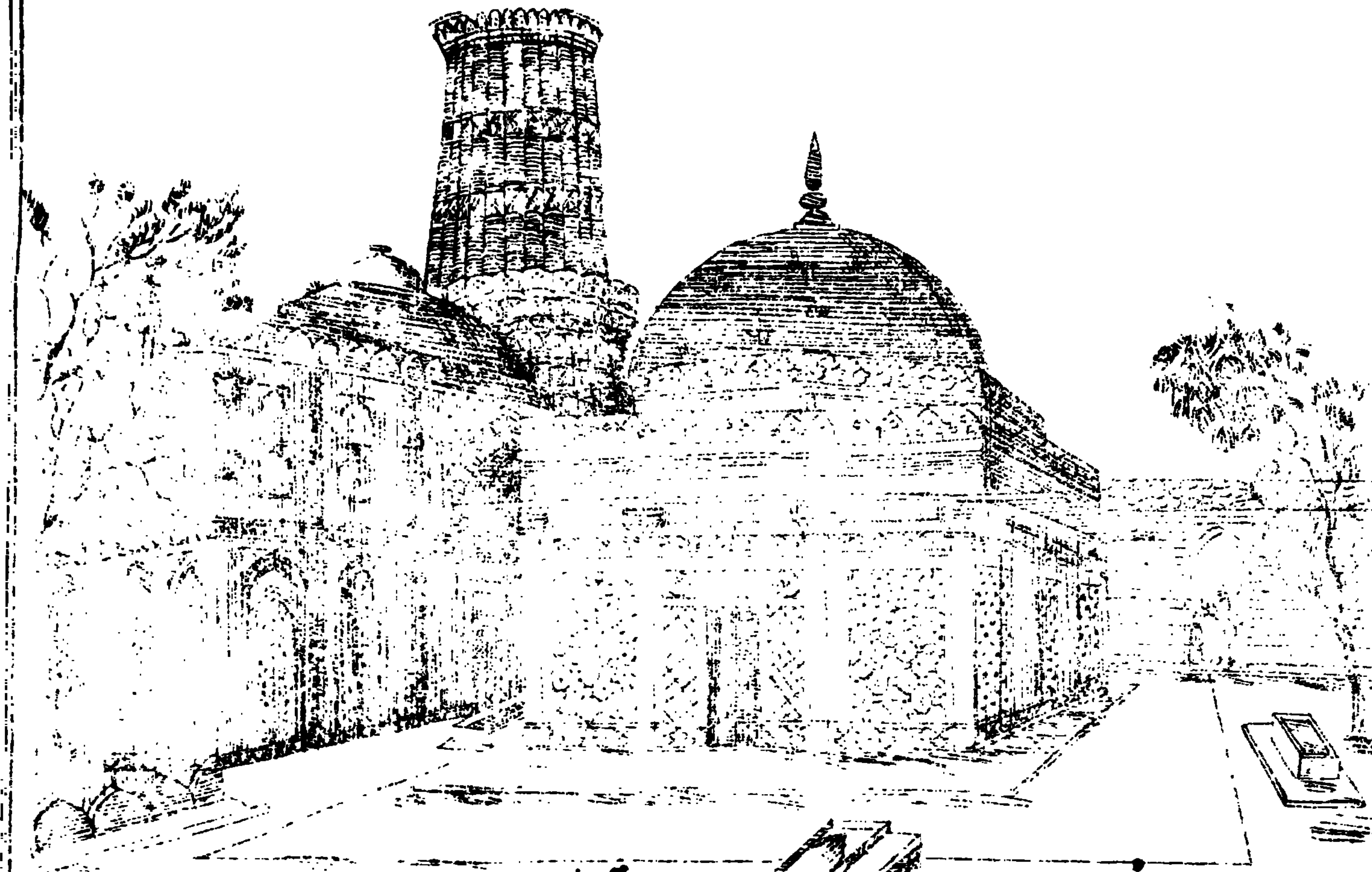
[1] بیت المقدس ۱۲

[2] مؤذن ظرف از اذان بمعنی مکبرہ کہ موذن برآں ایستادہ اذان می گوید ۱۲

...نار کی موجودہ حالت سے معلوم ہوتا ہے کہ بنتے بنتے رہ گئی۔ جتنی بنی ہے صرف ایک ڈھانچ ہے اُس عظیم الشان مینار کا جس پر بہت کچھ صناعی صرف کی جانے والی تھی۔ ایسی حالت میں اس بات کا اندازہ کرنا فضول ہے کہ اس کا روکار کس قسم کا بنانا مرکوز خاطر تھا۔ موجودہ حالت اس کی یہ ہے کہ پائے میں چھتیس ضلعے ہیں جن میں کا ہر ضلع آٹھ فیٹ کا ہے۔ بقول کننگھم صاحب مینار کی شکل بظاہر ایک بڑے بھاری cogwheel سلے (وہ پہیہ جس میں دانتے بنے ہوئے ہوں) کی سی ہے۔ اس میں تمام تر سنگ خارا لگا ہوا ہے۔ اس کا چبوترا ۲۲ فٹ مربع اور ۴ فٹ ۳ انچ اونچا ہے۔ کننگھم صاحب اس کا دور ۲۰۰ فٹ بتلاتے ہیں اور کار سٹیفن صاحب ۲۰۳ فٹ اور فرینکلن صاحب جنہوں نے اس مینار کو (۱۲۲) برس اول دیکھا تھا ۲۰۲ فٹ دور بتلاتے ہیں۔ بیرونی دیوار کا آثار ۱۹ فٹ ہے اور کل مینار کرسی سمیت ۸۰ فٹ بلند ہے۔ مینار کا قطر جس کے اطراف چکردار زینہ بنانا مقصود تھا ۲۰ فٹ اور زینے کی چکلان ۹ فٹ ۔ ۹ انچ۔ اس مینار کی تعمیر ۱۳۱۱ء میں شروع ہوئی علاء الدین خلجی کی وفات سے ۱۳۱۶ء میں ملتوی ہوگئی۔

عام حالات یہ عام حالات اُس مشہور مسجد قوت الاسلام کے تھے جسے ... اور جامع دہلی بھی کہتے تھے۔ اس مسجد کو قطب الدین ایبک نے مندروں کو توڑ کر اُن کے مال مسالے سے بنایا تھا۔ مندروں کو باقاعدہ ڈھوایا گیا اور جو پیسہ لوٹ کا ہاتھ لگا سب اس مسجد میں لگایا گیا۔ اس کے سامنے شمس الدین التمش نے بکرماجیت کا بت جسے مہاکال کے مندر سے لایا تھا ایک مبتذل مقام پر رکھا تھا۔ اور اس کے بعد سلطان علاء الدین خلجی سنہ ۱۹۲۴ء میں سومنات کے مندر کی لوٹ کے بعد جو بت وہاں سے لایا تھا اس کے لیے ایک ہزار اشرفیاں ملتی تھیں مگر قبول نہ کیں۔ اس بت کے ٹکڑے ٹکڑے اسی مسجد کے دروازے کے فرش میں لگا دیا تھا چنانچہ مسٹر ...

سلہ یہ لفظ میرا نہیں ہے بلکہ سٹیفن صاحب نے یہی لفظ استعمال کیا ہے۔



نقشہ درگاہ امام ضامن مع دروازہ متصل لاٹھ

دو بت سنگ سیاہ کے مسجد کے شمالی دروازے میں گڑے ہوئے نکلے تھے [illegible] میں پرانی دلی کے ملحدوں نے اس مسجد کو لوٹ ڈالا اور تیمور کے تسلط کے ابتدائی دنوں میں ہندو بھاگ کر اسی مسجد میں چھپے تھے۔ تیمور نے اُن کا تعاقب مسجد تک کیا۔ اُس زمانے میں دلی کے تین شہر جدا جدا تھے۔ سب کو یکے بعد دیگرے دھڑی دھڑی کر کے لوٹا۔ سلطان محمد تغلق کے زمانے (سنہ ۱۳۲۴-۱۳۵۱ء) میں ابن بطوطہ نے اس مسجد کو دیکھا تھا اُس نے لکھا ہے کہ "اس شہر کا جواب کیا بلحاظ اُس کی عظمت اور وسعت کے اور کیا باعتبار حسن و خوبی کے دنیا کے پردے پر نہیں ہے"۔

امام ضامن کا مقبرہ

سنہ ۹۴۴ھ ۱۵۳۷ء

آپ کا نام امام محمد علی اور آپ کا مزار سید حسن یا سید حسین پا منار کے نام سے مشہور ہے۔ سکندر لودی کے عہد میں آپ مشہد مقدس سے تشریف لائے تھے۔ آپ کو مسجد قوت الاسلام کے متعلق کوئی بڑا عہدہ تھا آپ نے اپنی زندگی ہی میں اپنا نہایت خوب صورت مختصر سا گنبددار مقبرہ سنہ ۹۴۴ھ ۱۵۳۷ء میں بنوایا تھا اور اُسی میں آپ آسودہ ہیں۔ مقبرہ علائی دروازے سے لگا ہوا کوئی دس گز کے فاصلے سے ہے اور اب تک نہایت عمدہ حالت میں زمانے کی دست برد سے محفوظ ہے۔ یہ مقبرہ ۲۴ فٹ مربع اور ۵۴ فٹ اونچا ہے۔ اس مقبرے کے تین طرف سنگ سرخ کی جالیاں ہیں۔ جنوبی دیوار میں اندر جانے کا دروازہ ہے جس کی چوکھٹ سنگ مرمر کی ہے جس کے دونوں طرف اُسی وضع کی جالیاں ہیں جیسی کہ سامنے وار ہیں۔ چاروں کونے کے چار ستون ملا کر مقبرے کے بارہ ستون ہیں۔ ان ستونوں کے بالائی حصوں اور بیٹھک میں نقاشی کا بہت کام ہے۔ بالائی حصے سے محراب کی گولائی شروع ہوتی ہے اور ایک چھجہ گنبد کے چاروں طرف ہے جس سے چار فیٹ چھت کے اطراف ایک نہایت خوشنما اور آراستہ منڈیر ہے۔ گنبد سنگ سرخ کا بنا ہوا ہے مگر اس کے اوپر پلاستر کر دیا گیا ہے جس پر وقتاً فوقتاً سفیدی ہوتی رہتی ہے۔ اگرچہ مقبرے کی چھت پست ہے لیکن بہت خوب صورت اور خوش وضع ہے جو مثمن چار دیواری پر بنی ہوئی ہے۔ قبر سنگ مرمر کی ۱۰ فٹ لمبی - ۴ فٹ چوڑی - ۱۸ انچ اونچی بالکل

سادی سودی ہے۔ قبر کے سرہانے سنگ سرخ کا ایک طاق دو فیٹ اونچا ہے گنبد کے دروازے کی پیشانی پر سنگ مرمر کی ایک بڑی تختی پر بخط نسخ و طغریٰ چار سطر کا یہ کتبہ ہے بہت پیچیدہ ہے اور بہ مشکل پڑھا جاتا ہے:-

(پہلی سطر) بسم اللہ الرحمن الرحیم وظیفہ حمد و دعائیکہ مجاوران حظیرۂ
قدس و ساکنان روضہ انس بآن قیام نمایند نثار خلوتے
کہ مقربان درگاہ او دنیا و آخرت را فدائے راہ او نمودہ
ونقد جان و دل پیکر این گل را صرف بارگاہ او

(دوسری سطر) فرمودہ و درود وافر و تحیات متکاثرہ بہ مشہد معظم
وحظیرۂ منور شفیع روز محشر و آل اصحاب اطہر و واصل
ومتواصل باد و بحضرت موفی الخیرات و مبشر البریات
توفیق ازلی را رفیق حضرت ہدایت مرتبت صفوت محمد علی حسنی نسب

(تیسری سطر) حسینی نسبت تمہ سادات عظام خلاصۂ اتقیائے کرام
عیسی عالم تجرید موسی کوہ عزلت و تفرید المویدمن عند اللہ
الغنی قطب الملۃ والطریقۃ سید حسنی الحسینی گردانید
تا این بقعۂ شریف و منزل لطیف را احداث نمودہ وصیت
فرمود کہ چون

(چوتھی سطر) مدت کے اندک قیامت پیوند باد لبسر آید و بتشریف
ادخلوھا بسلام آمنین مشرف گردیدہ بسوئے حظیرہ
قدس و روضۂ انس پرواز نماید مقبرہ فائض الانوار
حضرت این بقعہ نامدار فرمان باشد اتمام ہذہ البقعہ
فی شہور سنہ اربع و اربعین وتسعمائۃ -
۹۴۴ھ

آہنی ستون اس مشہور آہنی ستون کو جسے لوہے کی لاٹ کہتے ہیں اُس کو
مشہور نسب راجہ دھاوا ایک معروف شخص سے منسوب
یا لوہے کی لاٹ کرتے ہیں اس کی اصل حقیقت معلوم ہونے کی تاریکی میں نظر

نہیں باقی اور اس کے متعلق روایات بھی ایسی ہی گڈمڈ ہیں جیسے کہ اس بانی کا تشخص عموماً کہا جاتا ہے کہ یہ ستون راجہ اننگ پال اول کا بنایا ہوا ہے جو رائے پتھورا کے مندر میں استادہ کیا گیا تھا۔ جب اس مندر کو توڑ تاڑ کر قطب الدین ایبک نے مسجد بنا لیا تو اس ستون کو جہاں پہلے سے کھڑا تھا وہیں چھوڑ دیا لیکن روایت یا درایت کسی سے بھی اس کے بانی یا غرض بنا پر روشنی نہیں پڑتی۔ ڈاکٹر بھاؤ داجی کا خیال ہے کہ یہ ستون جس پر دھاوا کا کتبہ کھدا ہوا ہے اپنی اصلی جگہ پر برقرار نہیں ہے بلکہ وہ کسی وشنو کے مندر میں تھا۔ یہ معلوم کرنا بہت مشکل ہے کہ وشنو کا مندر اور وشنو یا ڈاگری کہاں واقع تھے۔ اگرچہ مسجد قوت الاسلام میں اب بھی دسویں اور گیارھویں صدی کے جین، شیو اور وشنوی مندروں کے پتھر لگے ہوئے موجود ہیں مگر اس ستون کے اس مقام پر کھڑے کیے جانے کی کوئی معقول وجہ یقینی طور پر معلوم نہیں ہوئی۔ یہ ستون مصفا اور مجلی بنائے ہوئے لوہے کا ہے۔ چاند نامی شاعر نے کہا ہے کہ راجہ نے سوہن لوہا منگوا کر گھڑوایا پھر لوہاروں نے اس کا ایک ستون پانچ ہاتھ لمبا بنایا۔ "کانوڑا دل پرتھی راج ریاسا"۔

سرسید اسے ڈھلے ہوئے لوہے کا لکھتے ہیں۔ لیکن اکثر سیاحوں اور دیگر اصحاب نے اس ستون کو پنچ رسی دھات کا کہا ہے جو پیتل، تانبا، اور دوسرے مرکب اجزا سے بنا ہے۔ جیکوے مانٹ (Jackquemont) اس ستون کو نرم لوہے کا بتلاتا ہے۔ ڈاکٹر مرے طامسن جنہوں نے جنرل کننگھم کی خواہش پر اس کے ایک ٹکڑے کی کیمیائی تجزی کی تھی وہ کہتے ہیں کہ یہ ستون صرف نرم لوہے کا نہیں ہے بلکہ یہ مختلف چند دھاتوں سے بنا ہے۔ جو گھڑا جا سکتا ہے اور جس کا ثقل مختص Specific gravity ۷۶۶ء۷ ہے۔ لیکن ڈاکٹر بھاؤ جی کو اصرار ہے کہ اس ستون میں لوہا مطلق نہیں ہے بلکہ یہ مختلف دھاتوں کا مرکب ہے۔ اس ستون کی ٹھیک بلندی ۲۳ فٹ ۸ انچ ہے۔ موجودہ چبوترا بننے کے پیشتر ۲۲½ فیٹ کے قریب اوپر تھا اور قریب چودہ انچ کے زمین کے اندر گڑا ہوا تھا۔ ستون کی جڑ نے قاعدہ لٹو کی شکل ہے جو چھوٹی چھوٹی آہنی سلاخوں پر ٹکی ہوئی ہے اور ستون کو سیسے سے پتھر میں جما دیا گیا ہے۔ ستون کی برجی نما چوٹی

۲۴½ فیٹ لمبی ہے اور صاف حصہ ستون کا ۱۵ فیٹ لمبا ہے - باقی حصہ بن گھڑا ہے جس کے جوڑ بھی اچھی طرح سے پیوست نہیں کیئے گئے - ستون کے حصۂ اسفل کا قطر ۱۶۴ء۱ انچ ہے اور بالائی حصے کا قطر ۰۵ء ۱۲ - اس ستون پر لوگوں نے گولیاں بھی چلائی ہیں اور دو نشان توپ کے گولوں کے بھی موجود ہیں جو ستون کے پہلو کو چاٹتے ہوئے نکل گئے ہیں مگر ستون کے درمیانی حصے کو کوئی نقصان نہیں پہنچا - اس ستون کے متعلق بہت سی روایات زباں زد خاص و عام ہیں - جنرل کننگھم نے جو قول کچھ تھوڑا تھوڑا سننے کے تھے سب اکھٹے کر لیئے ہیں - جیسا کہ ہم اوپر لکھ آئے ہیں یہ ستون اننگ پال کا بنوایا ہوا ہے جو بیلان دیو کے نام سے مشہور تھا اور تنوار خاندان کا بانی تھا - راجہ اننگ پال سے کسی بزرگ برہمن نے وعدہ کیا تھا کہ اگر یہ کھمبا اچھی طرح شیش ناگ (جس کے پھن پر دنیا ٹکی ہوئی ہے) کے سر پر مضبوط طور پر گاڑ دیا جائیگا تو جس طرح یہ ستون اٹل رہے گا اُسی طرح تیری سلطنت بھی ابد قرار رہے گی خیر ستون تو گڑ گیا لیکن راجہ کے دل میں کھد بدی لگ رہی تھی اور اُس کو اس بات کا یقین نہ آیا اور دل میں کہا کہ لاؤ برہمن کی بات کو آزما کر تو دیکھیں چنانچہ اُس نے اس ستون کو اُکھڑوا دیا تو یہ بات عجیب و غریب دیکھ کر اُس کے ہوش و حواس باختہ ہو گئے کہ ستون کی جڑ ساری خون سے بھری ہوئی تھی کہا یہ تو برہمن کی بات سچ تھی - یہ ستون سانپ کے سر پر گڑا ہوا تھا اور یہ خون اُسی کا ہے - راجہ گھبرایا اور کہا کہ جو نہ ہونا تھا سو ہوا خیر اب کسی نہ کسی طرح اسے پھر جوں کا توں گاڑ دو - پھر ہزار کوشش کی مگر ستون کو نہ جمنا تھا نہ جما - زمین میں وہ اچھی طرح نہ پھنسا اور سوراخ میں ڈھیلا رہا - وہ جو سانپ تھا جس کا سر ستون کے بوجھ سے دبا ہوا تھا وہ چلتا ہوا - ع اب جا چکا ہے سانپ تو پیٹا لکیر کر - چنانچہ یہ دوہا مشہور ہے :-

کلّی تو ڈھلّی بھئی - تنوار بھیا مت ہین

یعنی ستون تو ہو گیا ڈھیلا اور تنوار خاندان کی مراد پوری ہوئی - اسی حکایت کو مختلف طریقوں سے بیان کیا گیا ہے - چاند نامی شاعر نے تو اس پر ایک کتاب ہی لکھ ڈالی جس کا نام " پرتھی راج روسا در باب کلّی ڈھلّی کتھا ہے " اس نے بھی بجنسہ یہی قصہ لکھا ہے جو ہم اوپر لکھ آئے ہیں صرف فرق اتنا ہے کہ وہ اس واقعے کو راجہ اننگ پال

وجہ سے منسوب کرتا ہی۔ ریاست گوالیار کا کھرگ بھاٹ اس واقعہ کا سال ۳۶ ۷ سنہ ء بتلاتا ہی اور سرسید رای پتھورا خاندان ہنود کے آخری راجہ کے زمانے میں اس امر کا وقوع کہتے ہیں۔ مسٹر وصیل اس ستون کو پانڈ راجاؤں کا کہتے ہیں۔ بقول چاند اننگ پال ثانی نے ایک بسا بزرگ بیاس نامی سے اپنے پوتے کی پیدائش کی نیک ساعت دریافت کی۔ اُس نے کہا کہ "یہ ساعت بہت نیک ہی۔ تمھارے راج کو زوال نہیں جس کی جڑ شیش ناگ کے پھن پر گڑی ہوئی ہی"۔ لیکن راجہ کو ویاس کی بات کا یقین نہ آیا۔ تب ویاس نے اپنی بات کی تصدیق یوں کرائی کہ ایک لوہے کی سلاخ لی اور اُسے ساٹھ اُنگل زمین میں یہاں تک دھنسایا کہ وہ سانپ کے پھن تک جا پونہچی تب اُس نے سلاخ کو نکالا اور راجہ کو دکھلایا کہ لو دیکھو اس کا سرا اُسی شیش ناگ کے خون سے بھرا ہوا ہی یا نہیں۔ تب بیاس نے راجہ سے کہا کہ تو نے میری بات نہ مانی۔ اب کیا ہو سکتا ہی۔ تیرا راج اس سلاخ کی طرح ڈگمگا گیا ہی یعنی متزلزل ہو گیا اور یہ دوہا کہا:۔

بیاس جگ جوتی یوں بولا یہ باتیں ہونے والی ہیں

تُمار تب چوہان اور تھوڑے دنوں میں ترک

کلکتہ جرنل میں ایک شخص نے جو تراسی برس ہونے آئے کہ دلی گیا تھا ایک مضمون لکھا تھا کہ مقامی لوگوں کی زبانی معلوم ہوا کہ ستون کے برباد کرنے کی دو مرتبہ کوشش کی گئی۔ نادر شاہ کا حکم نادری اس کو کھود کر پھینک دینے کا ہوا۔ لیکن مزدور کام نہ کر سکے۔ سانپ نے اپنا پھن ہلانا شروع کیا جس کی وجہ سے ایک سخت زلزلہ بھی آیا۔ دوسرے وسلے میں مرہٹوں نے اس پر ایک بھاری توپ لگا دی لیکن اُس سے بھی کچھ نہ ہو سکا سوائے اس کے کہ گولے کا تو ایک نشان پڑ گیا۔ یہ لوہے کی لاٹ بناوٹ کے لحاظ سے تو کوئی عجیب و غریب یا قابلِ قدر چیز نہیں ہی۔ اس پر کا کتبہ البتہ قابل قدر ضرور ہی۔ اُن کتبوں میں سے جو اس پر کھدے ہوئے ہیں یہ بات تعجب کی ہی کہ جو کتبہ سب سے پرانا ہی وہی سب سے زیادہ صاف اور واضح ہی۔ بعض لوگ اس کتبے کو چھٹی عیسوی

لہ یہ دوہا اصل نہیں ہی بلکہ ترجمہ ہی ۔۔ ۱۲

صدی کا سمجھتے ہیں - ۱۸۲۸ء میں کپتان آرچر - لارڈ کامبرمیر کے ساتھ ممالک شرقی وشمالی کے دورے کو آئے تھے تو اُنھوں نے اس کتبے کو دیکھ کے کہا کہ وہ ایسے قدیم خط میں ہی کہ اُسے کوئی پڑھ ہی نہیں سکتا - ۱۸۳۴ء میں لفٹنٹ ولیم ایلیٹ نے بشپ کالج کے ڈاکٹر مل کے لیئے اس کتبے کا چربہ اُتارا تھا لیکن وہ کچھ ایسا غلط تھا کہ اُس کا ایک لفظ بھی پڑھا نہ گیا - چار برس بعد کرنل برٹ نامی Col: Burt نے جو بنگال کے ایک انجینیر تھے اُنھوں نے البتہ اس بارے میں کچھ کامیابی حاصل کی اور ہمارے سب سے بڑے ماہر فن آثار قدیمہ مسٹر جیمس پرنسپ James Princep نے اصلی کتبے کو من وعن اُتارا اور زمانہ حال کی مروجہ ناگری اور انگریزی میں ترجمہ کر کے بنگال ایشیاٹک سوسائٹی جرنل میں چھپوا دیا - لیکن مسٹر پرنسپ کے ترجمے پر بمبئی کے مشہور اور نامور ڈاکٹر بھاؤ داجی نے بڑی حرف گیری کی ہی اور ۱۳ اپریل ۱۸۷۱ء کو اسی سوسائٹی میں ایک بڑا فاضلانہ مضمون پڑھا - اس کتبے کا خط قدیم زمانے کی ناگری ہی جس کا زمانہ پرنسپ اور جنرل کننگھم صاحبان تیسری یا چوتھی صدی قرار دیتے ہیں مگر مسٹر ایڈورڈ طامسن طرز تحریر کے لحاظ سے اس کو اس سے بھی زیادہ پرانا خیال کرتے ہیں - جنرل صاحب اس تحریر کو گپتا کے زمانے کے خط تحریر کے مماثل بتلاتے ہیں لیکن ڈاکٹر بھاؤ داجی جن کی رای سے دلی کے علمائے سنسکرت متفق ہیں اس کو گپتا کے زمانے کے بعد کی تحریر قرار دیتے ہیں - ڈاکٹر صاحب فرماتے ہیں کہ لفظوں کے اوپر ماترے دینے کا رواج گپتاؤں کے زمانے کے بعد دیکھا گیا ہی - اس کتبے کی روش کتابت مان کھاڑی کے اُن دو کتبات سے زیادہ ملتی جلتی ہی جو ملک بہار کے دو پہاڑی غاروں پر ہیں یعنی انتنا ورم کے غار جونا گر جونا اور بارا بار میں ہیں - مسٹیفن صاحب طرز کتابت اور نشست الفاظ کے لحاظ سے اس کتبے کو عیسوی پانچویں صدی کے آخر یا چھٹی صدی کے شروع کا قرار دیتے ہیں - پنڈت بانکے رای صاحب دہلوی بھی ایک بڑی اتھاریٹی (مستند) ہیں اُنھوں نے بھی اس ستون کی بابت یہی لکھا ہی جو ہم لکھ آئے - اُنھوں نے جو کچھ مزید روشنی ڈالی ہی اُس کو ہم ناظرین کے ملاحظے کے لیئے لکھے دیتے ہیں کہ گردش زدہ اثر سے وارد - یہ ستون مہاراج پرتھی راج کے اُجاڑ مندر کے بیچوں بیچ میں اکیلا کھڑا ہوا اپنی عظمت اور شان وشوکت دکھا رہا ہی - اُس کے کتبے کا

عجیب وغریب خط اس کی اَن گنت قدامت کو بتلاتا ہے جو اس کے بانی راجہ چندر گپت پسر راجہ سمدرا گپت و پدر راجہ کمار گپت کے زمانے کو گزرا - چندر گپت ایک بڑا جری اور ایک بڑے خاندان کا شخص تھا - ہندوستان اور دوسرے راجہ اُس کے تابع فرمان تھے اور وہی سب کا سردھرا تھا - راجہ وشنو کا پیرو تھا اُس نے پانچویں صدی کے اوائل میں یہ ستون سری وشنو کا جھنڈا چڑھانے کو لوہے کا ڈھلوایا وباوجود اس قدر زمانہ مدید گزرنے کے موسمی اثرات سے محفوظ اور جوں کا توں کھڑا ہے اس کا بڑا بھاری وزن اس کی گولائی اور موزونیت - اس کے یہاں لانے اور کھڑے کرنے کی زحمت اور وہ مشینیں جن کے ذریعے سے اتنی بھاری لاٹ یہاں کھڑی کر دی گئی انسان کو متعجب اور محو حیرت بنا دیتی ہے - کتبے میں بانی کا نام "چندرا" ہے جس کا چہرا چاند کی طرح چمکتا تھا - چندرا سے مراد چندر گپت ثانی ہے - یہ بات ہم اس وجہ سے کہتے ہیں کہ اس کتبے کی طرز کتابت بالکل اس راجہ کے عہد کی تحریر سے ملتی جلتی ہے - دوسری بات یہ ہے کہ چندر گپت ثانی ہی وشنو کا بڑا پجاری تھا اور یہ لاٹ بھی وشنو کے مندر کی ہے - چندر کے ساتھ گپت کا لفظ محض نظم کی رعایت سے چھوڑ دیا گیا ہے جیسے رام چندر کو رام اور بھیم سین کو بھیم بطور اختصار کہہ دیا کرتے ہیں - کتبے میں لکھا ہے کہ یہ ستون وشنو پادا کے پہاڑ پر گاڑا گیا تھا - بعض لوگ کہتے ہیں کہ جہاں اب یہ ستون گڑا ہوا ہے اسی کا نام

ف۱ گپتا خاندان کا زمانہ ۳۲۰ء سے ۴۵۵ء تک رہا ہے - چندر گپت اول ۳۲۰ء اور سمدرا گپت ۳۳۰ء اور چندر گپت ثانی جس کو بکرماجیت بھی کہتے تھے اور جس نے مالوہ اور اُجین کو فتح کیا تھا اور سمت جو چلا ہے وہ بھی اسی کا ہے اس نے ۳۷۵-۴۱۳ء تک راج کیا اور ۴۱۳ء میں اس کا بیٹا کمار گپت اپنے باپ کی جگہ جانشین ہوا - عام طور پر جو یہ خیال کیا جاتا ہے کہ سمت بکرمی ۵۷ ق-م کسی راجہ سے جو بکرماجیت یا راجہ بکرم اُجین کا تھا متعلق ہے یہ بات غلط ہے اُس زمانے میں اس نام کا کوئی راجہ ہی نہ تھا اس میں شک نہیں کہ سب سے پہلے مالوے میں اس سمت نے رواج پایا اور غالباً اُجین کے نجومیوں کا نکالا ہوا ہے چنانچہ پہلے اس کا نام مالوہ سمت تھا - وکرم کال کی اصطلاح نے جو بعد میں رواج پایا و کرماجیت کے نام کے کئی راجہ گزرے ہیں اُن میں سے کسی ایک سے متعلق ہوگا جو سمت کا بانی سمجھا جاتا ہے لیکن وہ دراصل چندر گپت دوم ثانی تھا جس نے ۳۹۵ء میں اُجین کو فتح کیا تھا اور اُسی وقت سمت گپتا اور سکے کے نام بدل کر ولبھی اور سابو بن علی الترتیب قرار پا گئے (از تاریخ ہند مصنفہ ونسنٹ سمتھ صفحہ ۲۸۰ و ۲۹۶ و ۲۹۶) X نوٹ (۲) دیکھو صفحہ آئندہ

وشنو پاڑہ تھا - دوسرے لوگ ناقل ہیں کہ نہیں یہ ستون متھرا سے لایا گیا ہے - پنڈت جی ایک تیسری بات کہتے ہیں کہ اُن کی رائے میں گیا کی ایک بڑی تیرتھ گاہ سے لایا گیا تھا وہاں وشنو پاڑے کے نام کا ایک پہاڑ الی یوسنا بڑا موجود ہے - بڑی خرابی یہ آن پڑی ہے کہ کتبے میں کوئی سن ہی نہیں تو ساری باتیں محض قیاسی ہی ٹھیرتی ہیں - اب جو کچھ بھی کہ مناسبت ہے اُس کا دارومدار طرزِ کتابت پر ہے اور اسی پر سے چندر گپت ثانی پر بات آن ٹھیری جس کا زمانہ سمت بکرماجیت (۴۰۰) ہوتا ہے - اور اس کتبے سے ہی پتہ چلتا ہے کہ اگرچہ لاٹ تو چندر گپت نے بنوا کر کھڑی کرائی لیکن یہ کتبہ اُس کی وفات کے بعد غالباً اُس کے بیٹے کمار گپت نے کندہ کرایا - کتبے کی پہلی سطر کا خط دوسری سطروں سے بہت خفی ہے - اس

بقیہ صفحہ گزشتہ

(۲) اس آہنی ستون کو کہیں اور سے لا کر سطح زمین پر کھڑا کر دینا بلحاظ اُن غیر معمولی واقعات کے جو دوسری جگہ ہو چکے ہیں مجھ کو تو کچھ بھی تعجب نہیں معلوم دیتا - بیجاپور کی مشہور توپ "ملک میدان" جس کے دہانے میں آدمی بیٹھ کر پگڑی باندھ لیتا ہے اور جس کا وزن چار سو من ہے وہ ۹۵۶ھ/۱۵۴۹ء میں بنی احمد نگر میں ڈھلی سے پرینڈے کو لائی گئی جو (۵۰) میل کا فاصلہ ہے اور برج پر چڑھائی گئی خیر یہاں تک بھی غنیمت تھا - اُس زمانے میں نہ پختہ سڑکیں تھیں نہ پل تھے اتنی بڑی بھاری توپ کو کنکوے کی طرح اُڑا لائے اُڑا لے پھرے ۱۶۳۲ء میں سو میل کی مسافت طے کر کے بیجاپور لائی گئی اور وہاں کے سب سے اونچے شرزہ برج ۵ اصفر ۱۰۴۲ھ کو چڑھائی گئی - ہم کو حیرت ہے کہ اُس زمانے میں جر ثقیل کے آلے تھے نہ بڑے بڑے کرین تو اتنی بھاری توپ سینکڑوں کوس کچے رستوں ندی نالوں میں احمد نگر سے پرینڈہ اور پرینڈہ سے بیجاپور اور بیجاپور سے مشہور جنگ تالی کوٹہ میں ۱۵۶۵ء میں بڑے بڑے دو دریا بھیما اور کشنا عبور کر کے کیسے لے گئی ہوگی اور پھر کس وقت سے بیجاپور واپس لائی گئی ہوگی - قلعہ پرینڈہ کے عالی شان برج پر اس کا چڑھانا اور اُتارنا اور نیز بیجاپور کے اُس برج پر جو سب سے بلند ہے چڑھانا اُتارنا اور پھر چڑھانا درحقیقت انھیں لوگوں کی ہمت اور حوصلے کا اقتضا تھا - اسی طرح قلعہ رائچور کی فصیل میں ایک بڑا بھاری پتھر جو ۴۱ فٹ ۵ انچ لمبا اور تین فیٹ چوڑا ہے جو ۶۹۳ھ/۱۲۹۴ء میں چڑھایا گیا کیوں کر چڑھا ہوگا - دور کیوں جائیے خود دلی میں فیروز شاہ کے کوٹلے میں پتھر کی ایسی بھاری لاٹ اتنی دور موضع ٹوپرے سے جو (۱۲۵) میل کا فاصلہ ہے کیوں کر لائی گئی ہوگی اور اتنی اونچان پر ۷۵۵ھ/۱۳۵۴ء میں کیسے کھڑی کی گئی ہوگی اور ٹوٹی کیوں نہیں ۱۲

کتبے کا ترجمہ پہلے پہل مسٹر پرنسپ نے اپنی کتاب اکس کرژن (Excursion) میں دیا ہی جو اب دستیاب نہیں ہوتی - سرسید نے آثار الصنادید کے پہلے ایڈیشن مطبوعہ ۱۸۴۷ء میں بھی اس کی نقل اور ترجمہ دیا ہی - پنڈت بانکے رای صاحب دہلوی نے بھی ایک ترجمہ کیا ہی جو لاٹ کے سامنے والی دیوار میں سنگ مرمر کی تختیوں پر ناگری - اردو - انگریزی زبانوں میں الگ الگ لگا دیا گیا ہی - کار سٹیفن صاحب نے اپنی کتاب کے صفحہ ۱۹ - پر یہ ترجمہ دیا ہی - اور صفحہ ۲۰ پر پرنسپ صاحب کا ترجمہ اور صفحہ ۲۱ پر ڈاکٹر بھاؤ جی کا ترجمہ - ترجمہ میں نے اس واسطے نہیں اُتروایا کہ بے کار ہی - پڑھ کون سکے گا ناگری خط میں اُس کی نقل ناگری داں پڑھ لینگے وہ یہ ہی :- ناظرین سب ترجمے دیکھ لیں گے اور اپنی جگہ فیصلہ کرلیں کہ کونسا ترجمہ دل لگتا ہی -

کتبہ بزبان سنسکرت

यस्योद्वर्तयतः प्रतीप मुरसा शत्रून्समे त्यागता । न्वङ्गष्व हववर्तिनेभिलिखिता खड्गेन कीर्तिर्भुजे ।१। तीर्त्वा सप्त मुखानियेन समरे सिन्धोर्ज्जिता बाल्हिका । यस्याद्याप्यधि वास्यते जलनिधि वीर्यानिलैर्द्दक्षिणा ।२। खिन्नस्येव विसृज्य गां नरपतेर्गामाश्रितस्यतरां । मूर्त्या कर्म्मजितावनीं गतवतः कीर्त्या स्थितस्य क्षितौ ।३। शान्तस्येव महावने हुत भुजो यस्य प्रतापो महान्नाद्याप्युत्सृजति प्रणाशितरिपोर्यत्नस्य शेषः क्षितिम् ।४। प्राप्तेन स्वभु जार्जितञ्च सुचिरं चैकाधिराज्यं क्षितौ चन्द्राह्वेन समग्रचन्द्र सदृशीं वक्त्राश्रियंभ्रता ।५। तेनायं प्रणिधाय भूमि पतिना भावेन विष्णौ मतिं । प्रांशुर्विष्णुपदे गिरौ भगवतो विष्णोर्ध्वजः स्थापितः ॥६॥

سرسید کا اردو ترجمہ

(۱) اُس شخص نے کہ جس نے یہ خبر سنی کہ میرے دشمن اپنی سپاہ اور رفیقوں کے ساتھ مجھ سے لڑائی اور مورچے بندی کی طیاری کرتے ہیں ایک آلہ شہرت کا کھدوایا جس طرح کہ اُس کی تلوار اعضائے دشمنوں پر جو شخص کہ مالک سات سلطنت کا تھا اُس نے دریائے سندھ سے عبور کر کے سندھیوں کی قوم وہلیکار کو دبا لیا اُس کی باقاعدہ فوج اور گھاتیں جو بطرف جنوب اُس دریا کے تھیں اِس زمانے میں بھی پاکیزگی کے ساتھ یاد ہیں۔

(۲) جس طرح کہ شیر ایک شکار چھوڑ کر دوسرا شکار پکڑتا ہی اسی طرح اُس نے اِس دنیا کو چھوڑ کر اُس عالم پر قبضہ کیا یعنی مر گیا مگر اُس کی ناموری اب تک بھی زمین پر بسبب اُس کے پہلے کاموں کی شہرت کے اگرچہ وہ اب مر گیا ہی لیکن اُس کے ہتھیار کرنے کی طاقت جو دشمنوں کا تباہ کرنے والا تھا اب تک عالم میں باقی ہی۔

(۳) اُس شخص نے جس نے بوسیلہ اپنی تلوار کی مدد تک زمین کی بادشاہت کی آج اُس نے اپنے میں سورج اور چاند کی خاصتیں اکھٹی کی تھیں اور اُس کے چہرے کی خوب صورتی مثل پورے چاند کے تھی اُسی راجا دہاوا کا جس نے اپنا سر جھکایا پاؤں وشنوں میں اور لگایا اپنا دل اُسی وشنو پر تھا یہ اونچا ہتھیار یعنی لاٹھ وشنوں کے نام پر جو قابل پرستش کے ہی بنایا ہوا دہاوا کا

ڈاکٹر پرنسپ کے انگریزی ترجمے کی اردو

پہلا سلوک۔ اُس نے جس نے اپنے دشمنوں کی اُن کی خندقوں میں جنگی طیاریاں سن کر اپنی ہیں۔۱

سلہ ترجمے کی مشکلات ارباب نظر پر مخفی نہیں۔ ترجمے میں اصلی زبان کا لطف قایم رکھنا بڑا مشکل کام ہی۔ اور یہ تو ترجمہ در ترجمہ ہوا۔ پرنسپ صاحب اور بھاؤ داجی صاحب نے اصلی زبان سے انگریزی میں ترجمہ کیا اور پھر دونوں اپنی اپنی جگہ صحت کے دعوی دار اور پھر ایک دوسرے پر معترض اور مطلب میں آسمان زمین کا فرق اور میں بے چارہ جو کسی شمار قطار میں نہیں

انگریزی سے اردو میں ترجمہ کر رہا ہوں
میری شرم خدا ہی کے ہاتھ ہی۔ اصلی زبان
سے میں نابلد خدا جانے کیا کا کیا ہو جائے بہر حال
میں نے تو یہی کوشش کی ہی کہ انگریزی سے اردو ترجمے میں کوئی نقص نہ ہو جائے۱۲

سپاہ اور معاونین کے ساتھ ایک شہرت کی یادگار دیا بازو ر اپنی تلوار سے اُن کے بازوؤں پر منقوش کر دیا وہ جو مالک سات استقلادوں کا مالک تھا (اسی طرح جیسے کہ گورنمنٹ کے سات بازو ہوتے ہیں) از دریائے سندھ [؟]۔ کو عبور کرکے سندھ کے وا ہلیکوں کو ایسا مغلوب کر دیا کہ آج تک ہندا بھی اُس کی آراستہ افواج اور حفاظت کا اُس جانب جنوب کے دریا کے بھی وہ مقدسانہ تعظیم کرتے ہیں۔

دوسرا سلوک وہ جس نے جس طرح کہ شیر ایک جانور کو دبوچتا ہے اور دوسرے کو چھوڑتا ہے اس دنیا کو چھوڑنے کے بعد اُس دنیا میں اپنی جگہ پیدا کی جس کا ذاتی وجود اب تک پردہ دنیا پر بوجہ اُس کے کارہائے (سابقہ) کے اب تک باقی ہے جس کی قوت بازو اب بھی اگرچہ (کہ وہ) اب آرام میں ہے۔ (متوفی) اور اُس کی جبروت کا کچھ حصہ جو دشمنوں کا بیخ کن تھا اب بھی زمین سے ملصق ہے۔

تیسرا سلوک۔ اُس نے جس نے اپنی قوت بازو سے غیر منقسم سلطنت ارضی پر مدتوں حکم رانی کی ہے وہ (جس میں اوصاف مجتمع تھے) چاند اور سورج کے جو چودھویں رات کی طرح حسین تھا۔ اسی راجہ دہاوا نے جس نے اپنا سر وشنو کے قدموں پر جھکا دیا تھا اور اپنی لو اُس سے لگا دی تھی۔ یہ بہت بلند بازو (ستون) واجب التعظیم وشنو کا بنوایا۔

ڈاکٹر بھاؤ داجی کے انگریزی ترجمے کی اُردو

وہ جس کے دست قدرت پر شان وعظمت تلوار (کی نوک) سے منقوش ہے جب اُس نے علی التواتر اپنے مجتمعہ دشمنوں کے میدان جنگ میں (بمقام ودنگاس (بنگال؟) پھیر دیئے۔ جس نے سندھ کے سات دہانوں کو عبور کرکے باہلیکوں کو ...

(نوٹ بر صفحہ آئندہ)

میں مفتوح کیا جس کی شجاعت کی خوشبو سے نسیم اب تک جنوبی سمندر میں بسی ہوتی ہے جس نے دنیا سے (دنی) کو من وجہ سنج (والم) میں چھوڑ کر دوسرے عالم یعنی (عرش بریں) پر چلا گیا جو دار الجزا کو جسمانی شکل میں چلا گیا لیکن اُس کی شہرت اِس زمین پر (بدستور) باقی ہے۔ جس نے اپنے بچے کھچے دشمنوں کو فنا کر دیا جس کی بہادری مثل جنگل کی ایک بڑی بھڑکتی ہوئی آگ کے تھی۔ (اُس کی بہادری زمین سے نہیں چلی (مٹ) گئی اور وہ جس نے اپنے قوت بازو سے اس دنیا کی ایک لاثانی سلطنت مدت ہائے دراز تک کی۔ جس کا چہرہ چودھویں رات کے چاند کی طرح چمکتا تھا۔ اِس خداوند دنیا کا نام "چندرا" تھا جس نے وشنو سے عقیدت رکھنے کی وجہ سے اپنے دل کو مطمئن کر لیا تھا (یعنی صاحب دل تھا) یہ جھنڈے کا کھم بھگوان وشنو کا وشنو پاد اگری (وشنو کے نقش قدم کا پہاڑ) تعمیر و استادہ کیا۔ ڈاکٹر بھاؤ داجی کہتے ہیں کہ میں نے جو کتبے کی نقل کی ہے اُس کی ہر سطر پرنسپ صاحب کی اُس نقل سے مختلف ہے جو اُنھوں نے جرنل میں چھاپی تھی۔ جس کو اُنھوں نے "دہاونا" پڑھا ہے وہ دراصل "بھاونا" اسی طرح "دھواج" "بھواج" صحیح۔ اور اسی طرح جیسے "چندرا رکنا" پڑھا ہے وہ "چندراوہنا" ہے۔ یہ غلطی اس وجہ سے ہوئی ہے کہ حرف "دھا" پر ایک چھانٹا درمیان سے بائیں طرف لگا دینے سے "دھا" ہو جاتا ہے۔ دہاوا سرے سے کسی راجہ کا نام ہی نہیں ہے جس کو اس ستون کا بانی سمجھا گیا ہے بلکہ اس کا بانی چندرا راجہ ہونے میں کسی قسم کا شک نہیں ہے جو نروار راجاؤں کے خاندان میں سے تھا جس کے سکے کا ذکر جنرل صاحب نے بنگال ایشیاٹک سوسائٹی کے جرنل نمبر ۳ بابت سنہ ۱۸۶۵ء میں کیا ہے۔ سکوں میں جن کی تحقیقات کی گئی ہے ایک سکے پر "چندرا" کا نام

لہ کیا یہ بالمیک شو راستر کے "ساہ" خاندان کے راجہ تھے؟ جو یقیناً سنہ ۹ء میں دریائے سندھ کے کنارے رہتے تھے اور جو سنہ ۲۶۳ء یا سنہ ۱۱ء میں نکالے گئے (دیکھو رائل ایشیاٹک سوسائٹی جرنل جلد ہشتم صفحہ ۲۸) ابھی یہ بات متحقق نہیں ہے لیکن اگر پایۂ تصدیق کو پہنچ جائے تو یہ گتھی بھی سلجھ جائے ۔ ۱۲۔

موجود ہو۔ لیکن جنرل صاحب اس چندرا کو کوئی اور راجہ چندرا گپت خیال کرتے ہیں جو زمانہ مابعد میں ہوا ہو۔ مگر چندر گپتا خاندان کے کسی راجہ کا سکہ اُس سکے سے جس پر ہم بحث کر رہے ہیں ملتا جلتا نہیں ہو۔ علاوہ ازیں سکے پر لفظ "چندرا" ہو تو کوئی وجہ نہیں ہو کہ اُس میں گپتا کے لفظ کا بھی انضمام کیا جائے۔ سرسید اس ستون کو تیسری صدی عیسوی سے بھی پہلے کا بتلاتے ہیں۔ کتبے کی نسبت اُن کا خیال ہو کہ اس میں سمت نہیں ہو اس وجہ سے وہ ۵۷ق م سے بھی زیادہ پرانا ہو کیوں کہ بکرماجیتی سمت کا رواج اُس وقت سے قرار پاچکا تھا۔ سرسید کی رای میں ستون کا بانی راجہ "دھاوا" تھا جو یدھشٹر کی اولاد میں تھا اور جس نے ۳۱۹ق م میں حکمرانی کی تھی کارستیفن صاحب کی رای میں ڈاکٹر بھاؤداجی ایک بڑے ماہر علم السنہ کے ہیں اُن کی رای زیادہ بھروسے کے قابل ہو کہ کتبے کی روشن تحریر گپتا راجاؤں کے مابعد کے زمانے کی ہو اور دہلی کے تمام ذی علم اہل ہنود اور مسٹر اڈورڈ طامس کا بھی اسی طرف رجحان ہو۔

اس ستون پر اس بڑے کتبے کے سوا اور بھی چھوٹے موٹے کتبے کثرت سے ہیں جن میں سے کوئی بھی وقیع نہیں پھر بھی ہم لکھے دیتے ہیں۔ "انگ پال دوم" "سمونت دہلی ۱۱۰۹ انگ پال بھائی" یعنی سمت ۱۱۰۹ء ۱۰۵۲ء میں انگ پال نے دلی کو آباد کیا۔ دو کتبے چوہان راجہ چتر سنگھا کے ہیں جو رای پتھورا کے خاندان کا تھا۔ یہ دونوں سمت ۱۸۸۳ ۱۸۲۶ء کے ہیں۔ خود رای پتھورا کا زمانہ سمت ۱۲۲۰ ۱۱۶۳ء کا ہو۔ اب حال کا ایک کتبہ چھ سطری بخط ناگری سمت ۱۷۶۷ بندیلہ راجہ چندیری کا ہو جس کے نیچے دو فارسی کے کتبے ۱۰۶۰ھ ۱۰۶۱ھ کے ہیں یہ صرف اُن لوگوں کے نام ہیں جو اس ستون کو دیکھنے آئے تھے۔ لوگوں کی عادت ہو کہ ایسے مقامات پر خواہ مخواہ اپنا نام لکھ کر اپنا دل خوش کر لیتے ہیں اور نہیں سمجھتے کہ زمانہ ایسا مٹانے والا ہو کہ آج بڑے بڑے راجاؤں اور بادشاہوں کا پتہ نہیں چلتا ہیسیوں گنبد لکھوکھا روپے کی لاگت کے کھڑے ہیں لیکن کوئی یہ بھی

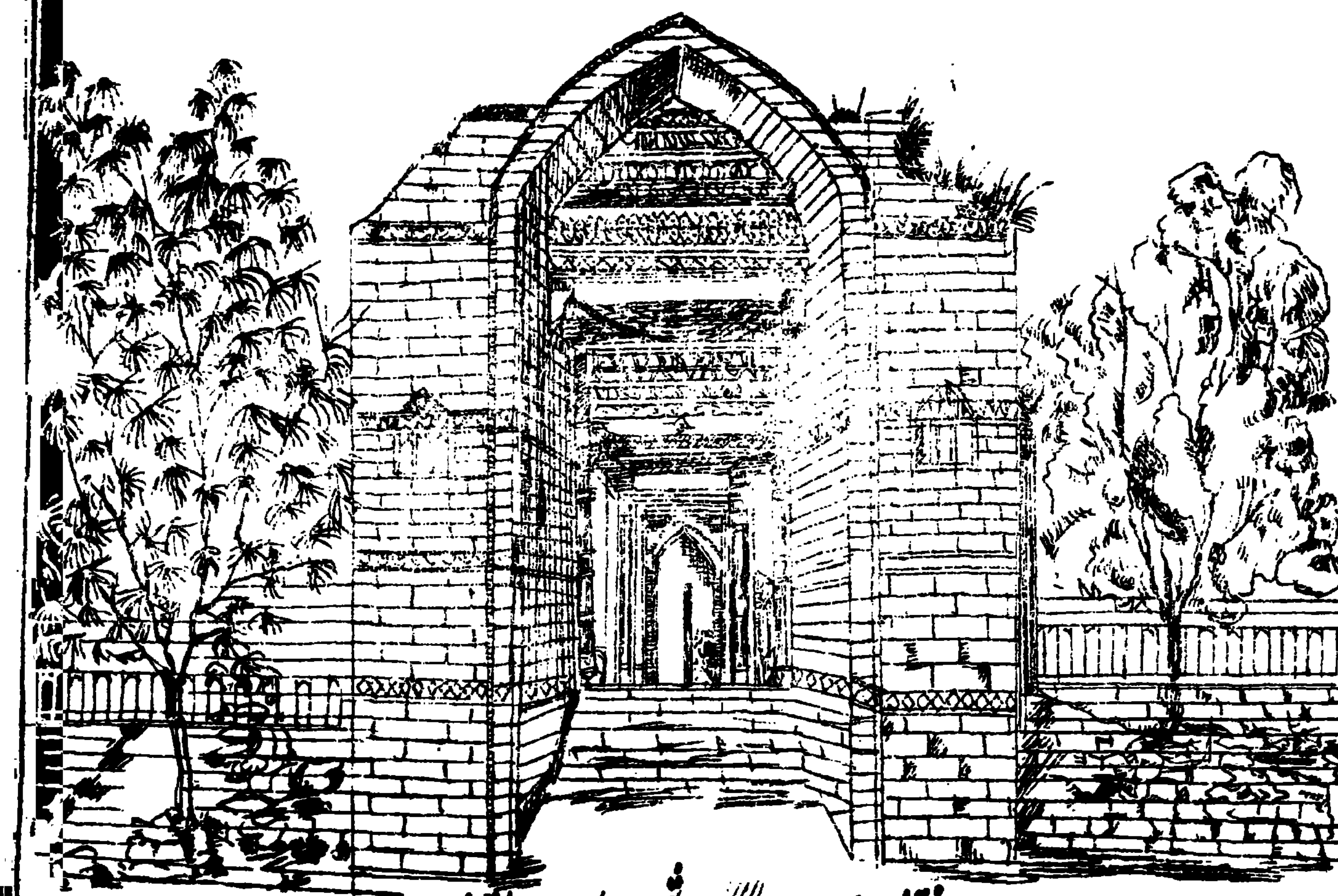
نہیں جانتا کہ کس کے ہیں ۔ ماوشما کس شمار و قطار میں ہیں وہ تو یہ کہو کہ لوہے پر نام بآسانی کھد نہیں سکتا ورنہ ساری لاٹ پر آج نام ہی نام نظر آتے

کسی کا کندہ نگینے پہ نام ہوتا ہے		کسی کی عمر کا لبریز جام ہوتا ہے
عجب سرا ہے یہ دنیا کہ جس میں آٹھ پہر		کسی کا کوچ کسی کا مقام ہوتا ہے

ترجمۂ پنڈت بانکے رای صاحب دہلوی

(وہ راجہ) جس کے بازو پر تلوار سے نے ناموری نقش کردی جب کہ ملکِ ونگ (بنگال) کی لڑائی میں اُس نے (اپنی) سینہ زوری سے اُن دشمنوں کو تباہ کیا جو جمع ہو کر اُس کے مقابلے کو آئے تھے ۔ جس نے سندھ کے سات دہانوں کو عبور کر کے قوم وہلک پر فتح پائی ۔ جس کی شجاعت کی نسیم سے بحرِ جنوبی آج تک مہک رہا ہے ۔ جس مالک امم نے افسردہ خاطر سا ہو کر دنیا کو چھوڑ سفر آخرت اختیار کیا اور بشخص خود اُس (عالم بہشت) کو سدھارا جس کو اُس نے اپنے اعمال سے حاصل کیا تھا (مگر) ناموری کے سبب اس عالم میں باقی ہے جس کی اعدا کُش طاقت کا اثر ایک بڑے جنگل کی جلی بجھی آگ کی بڑی تیز حرارت کے مانند اب تک زمین پر سے زائل نہیں ہوا ۔ جس نے اپنے بازو سے حاصل کی ہوئی شہنشاہی کو مدتوں قایم رکھا ۔ جس کا نام چندر (اور) جس کے چہرے کا حسن پورے چاند کی مانند ہے ۔ اسی دھرتی زمین کے مالک (مہاراجہ) نے جو وشنو کا بڑا بھگت تھا ۔ وشنو بھگوان کا یہ بلند نشان وشنو پد پہاڑی پر نصب کیا ۔

(چوتھی صدی اے ڈی) شری یُت پنڈت وشو یشور ناتھ جی کے بیٹے شریمنت پنڈت بانکے رای تول گو سوامی نے اس اسٹ کے اُمتیہ کتابہ کا یہ اردو ترجمہ اس لوح پر لکھوایا ۔ یکم جنوری ۱۹۱۰ء



نقشۂ مقبرۂ سلطان شمس الدین التمش

سلطان شمس الدین التمش کی قبر

۶۰۷ – ۶۳۳ھ
۱۲۱۰ – ۱۲۳۵ء

چنین ست آئین باغِ جہاں گہے نو بہارست گاہے خزاں
بہاریکہ خندد لکش در چمن خورد سیلی فصل دی بر دہن
اگر صبح را جلوہ ہائے نخست بلائے غم شام دنبال اوست
نہ دانی کشمع از چہ رو مضطرست دم صبح با تیغ کیں بر سرست

اگر قلعہ داری ز فولاد سخت کہ گوشہ ات گرز گردوں گزشت
چو زیر نگینت بود ملک جم ترا گر ز انجم فزوں شد حشم
بروزیکہ فوج اجل سر کشد ترا فرصت دم زدن کرد ہد
بکارت نیاید ازاں تاج و تخت بخاک اندر آئی ز اسباب و رخت
نعم و شادمانی نماند ولیک جزائے عمل ماند و نام نیک

کرم پائے دارد نہ دیہیم و تخت
بدہ کز تو ایں ماند اے نیک بخت

خاندان غلامان دہلی کے سب سے بڑے اور نامور بادشاہ شمس الدین التمش نے ۲۰ شعبان ۶۳۳ھ (۱۲۳۶ء) کو انتقال کیا جو مسجد قوت الاسلام کے باہر شمال و مغربی کونے میں آسودہ ہے سر سید لکھتے ہیں کہ یہ مقبرہ سلطانہ رضیہ کا بنوایا ہوا ہے مگر اس کا کوئی وثیقہ نہیں مسٹر فیمیل اس کے برعکس خود بادشاہ ہی نے اپنی حین حیات اپنا مقبرہ بنوانا لکھتے ہیں۔ کیوں کہ مسجد کے اس حصے کی جو اس بادشاہ نے بنوایا تھا یہ ہوبہو نقل ہے۔ علاوہ بریں سلطان التمش کے جانشینوں کی مدت سلطنت ایسی کونسی لمبی چوڑی اور خالی از تردد افکارات تھی کہ وہ اتنے بڑے بھاری اور مشکل کام کو اتنا زر خطیر لگا کر کر سکتے۔ جنرل کننگھم صاحب نے گو اس بارے میں کوئی صاف و صریح رائے نہیں دی مگر یہ وہ ضرور کہتے ہیں کہ مسجد اور مقبرہ بنے دونوں ساتھ ہی ساتھ تھے۔ اس مقبرے کا ایک ہی کمرہ اندر سے ۲۹ فٹ مربع ہے۔ دیواروں کا آثار ۷½ فٹ کا ہے اور موجودہ بلندی ۲۸ فٹ۔ مقبرے کے مشرقی شمالی جنوبی تین رخ پر دروازے شمال رخ کا دروازہ پہلے پتھروں سے چن دیا گیا تھا مگر اب صاف کر دیا گیا۔ مغربی دیوار میں تین طاق اسی طرح کے ہیں جیسے کہ مسجدوں میں عموماً ہوتے ہیں بیچ کا طاق ۹ فٹ اونچا اور ۷½ فٹ چوڑا ہے۔ اس کے ادھر ادھر کے طاق ۵ فٹ بلند اور ۲½ فٹ عریض ہیں۔ تینوں دروازے ۱۲ فٹ اونچے اور ۷ فٹ چوڑے ہیں جن کی دیواروں میں

چہار گوشہ ۲۴ فٹ اونچی ۱۱ ۱/۲ چوڑی اور ۲ فیٹ عمیق محرابیں ہیں۔ مقبرے کے باہر سنگ خارا ہے اور اندر سنگ سرخ۔ اندر علاوہ سنگ مرمر کی سلوں کے یوں بھی جابجا سنگ مرمر کی تحریر ہے۔ دروازوں میں نیچے سے لے کر اوپر تک طرح بہ طرح کی نقاشی کے علاوہ کلام مجید کی آیات منقوش ہیں۔ دروازوں کی بیرونی محرابیں جن کا اوپر ذکر آچکا ہے نہایت بلند اور دیواروں کے اندر تراشی ہوئی ہیں نیچے وار کی محرابیں جو مقبرے کے دونوں دروازوں میں ہیں وہ وسعت میں بیرونی محرابوں سے دو تہائی کم ہیں۔ اندرونی محرابوں کے دونوں طرف نہایت خوب صورت پتلے پتلے نازک ہشت پہلو ستون لگے ہوئے ہیں اور ان محرابوں پر بھی قرآن شریف کی آیتیں منقوش ہیں۔ مقبرے کا اندرونی رخ تمام نقش و نگار سے لپا ہوا ہے جس میں بڑی کاریگری صرف کی گئی ہے۔ مغربی دیوار کے بیچ کا طاق سر بسر سنگ مرمر کا ہے اور نقش و نگار و آیات قرآنی سے بہت آراستہ اور خوش نما ہے۔ دوسرے طاق نرے سنگ سرخ کے ہیں۔ مقبرے کے چاروں کونوں میں نہایت خوب صورت دیوار دو ستون اسی طرح کے لگے ہوئے ہیں جیسے کہ باہر کی محرابوں میں ہیں۔ قبر سرتاپا سنگ مرمر کی ہے جو ۱۴ فٹ × ۹ فٹ اور ۲ ۱/۲ فٹ بلند ہے جس کے اوپر اور ایک چبوترا ۱۰ فٹ × ۶ فٹ اور ۳ ۱/۲ فٹ بلند ہے۔ تعویذ ۷ فٹ × ۳ فٹ اور ۱ ۱/۲ فٹ اونچا اور ایسا مجلّٰی اور مصفا ہے کہ جس میں منہ دکھلائی دیتا ہے۔ جس پر آیات قرآنی نہایت خوش خط بخط طغریٰ منقوش ہیں۔ قبر کا سالم حصہ بشمول چبوترے کے ۷ فٹ بلند ہے۔ فرگسن صاحب کو اس مقبرے کے مسقف ہونے میں شک ہے وہ لکھتے ہیں کہ یہ مقبرہ بنتے بنتے ادھورا ہی رہ گیا جنرل کننگھم کی رائے ہے کہ اس پر ہندوانی طرز کی چھت ضرور تھی چنانچہ اب تک بھی چھت کا ایک پتھر نکلا ہوا موجود ہے جس پر کچھ الفاظ عربی کے کندہ ہیں۔ مقبرے کی جنوبی دیوار کا جس قدر بالائی حصہ اب تک باقی ہے اس کی حالت کے مشاہدے سے یہ امر بدرجۂ یقین کو پہنچتا ہے کہ اس پر چھت ضرور تھی۔ فتوحات فیروزی میں جو عبارت ذیل فیروز شاہ نے لکھی ہے اس سے چھت کا ہونا مسلم ہے اور مقبرے کے چاروں کونوں پر برجیاں بھی تھیں لیکن اب سوائے جنوبی دیوار کے طرف کے نیچے کھچے حصے کے اور کسی چیز کا پتہ نہیں رہا۔

مقبرے کے ستون گر گئے تھے اُن کو میں نے پہلے سے بہتر بنوا دیا۔ مقبرے کا صحن پختہ نہ تھا وہ بھی میں نے بنوایا۔ زمین کھود کر جو زینہ نکالا گیا تھا اُسے میں نے بڑھوا دیا اور چاروں برجیوں کے ستون پھر سے بنوائے"

فرگسن صاحب پھر لکھتے ہیں کہ "اگرچہ یہ ایک مختصر سی عمارت ہے تاہم اہل اسلام کی اغراض کے لئے ہنود کی اُس صناعی کا جو پرانے قلعے میں ہے ایک قابل قدر اور خوب صورت نمونہ ہے۔ اگرچہ اسلام کے طرز جدید کے اختیار کرنے میں کاریگر بعض بعض جگہ چوک بھی گئے ہیں"

سلطان شمس الدین التمش کے مقبرے کے نیچے تہ خانہ بھی ہے جس میں اکیس سیڑھیاں اُتر کر جاتے ہیں۔ اصل قبر تہ خانے میں ہے اور اوپر تعویذ ہے۔ مقبرے کے اندر باہر پیش طاق وغیرہ پر کثرت سے قرآنی آیات کھدی ہوئی ہیں۔

جنوبی دروازے پر۔ باہر وار بسم اللہ الرحمٰن الرحیم سورہ الرحمٰن از ابتدا تا فیھما فاکھۃ و نخل و رمان۔ باہر وار۔ ولو انزلنا۔
للہ ما فی السموات وما فی الارض تا ختم سورۂ بقر
اندر وار۔ ولو انزلنا ھذا القرآن علی جبل لرایتہ خاشعا متصدعا من خشیۃ اللہ وتلک الامثال نضربھا للناس لعلھم یتذکرون۔

شمالی دروازے پر باہر وار۔ (۱) بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔ سورہ نوح تا قال رب انی دعوت قومی لیلا ونھارا۔ (۲) بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔ سورہ مومنون تا الذین یرثون الفردوس ھم فیھا خالدون۔
اندر وار ولقد خلقنا الانسان من طین وجعلنہ فی قرار مکین تا فاسکنٰہ فی الارض وانا ذھاب بہ لقادرون۔

شرقی دروازے پر باہر وار۔ (۱) بسم اللہ اور سورہ فتح تا وکان ذلک عند اللہ فوزا عظیما۔ (۲) بسم اللہ۔ سبحٰن الذی اسرٰی بعبدہ لیلا تا حیلا شکورا۔ (اندر وار)

غربی دروازے پر۔ وما محمد الا رسول قد خلت من قبلہ الرسل

پیش طاق پر اندر وار۔ (۱) نغفر لکم ذنوبکم ویدخلکم جنت تجری من تحتھا الانھار تا ذلک الفوز العظیم۔

(۲) انہ لقراٰن کریم فی لوح محفوظ لا یمسہ الا المطھرون تنزیل من رب العالمین۔
(۳) فنادتہ الملٰئکۃ وھو قائم یصلی فی المحراب تا من الصلحین۔
شمال رُخ کے چھوٹے طاق پر۔ (۱) ھو اللہ الذی لا الٰہ الا ھو عالم الغیب والشھادۃ تا سبحان اللہ عما یصفون۔ الغفور۔ الشکور۔ العلی۔ الکبیر۔ المقیت الحسیب۔ الجلیل۔ الکریم۔ الرحیم۔
(۲) قل اللھم مالک الملک توتی الملک من تشاء تا انک علی کل شیء قدیر۔
(۳) والوالعلم قائماً بالقسط لا الٰہ الا ھو العزیز الحکیم ان الدین عند اللہ الاسلام وما اختلف الذین اوتوا العلم بغیا بینھم۔۔۔۔۔۔۔
جنوب رُخ کے دوسرے چھوٹے طاق پر۔ (۱) اسمائے حسنیٰ الحکیم الودود۔۔۔۔ النور الھادی البدیع الباقی الرشید الصبور الخ۔۔۔۔
(۲) ان ابراھیم کان امۃ قانتا للہ حنیفا ولم یک من المشرکین شاکرا لانعمہ اجتبٰہ وھدٰہ الی صراط مستقیم۔
(۳) کل نفس ذائقۃ الموت وانما توفون اجورکم تا وما الحیٰوۃ الدنیا الا متاع الغرور۔

تعویذ قبر

پہلا چبوترا۔ نیچے سنگ سرخ اوپر سنگ مرمر کی سلیں۔ ۱۴ فٹ × ۲ء ۹ فٹ بلندی ۳ فٹ۔ دوسرا چبوترا جس میں یکے بعد دیگرے اوپر تلے تین حصے ہیں ۱۰ فٹ ۱ انچ × ۵ ½ فٹ۔ بلندی ۱ فٹ ۱ انچ۔ قبر کے تعویذ کا پہلا حصہ ۸ فٹ ۱۰ انچ × ۳ فٹ ۱۰ انچ بلندی ۱ فٹ ۹ انچ۔
قبر کا دوسرا حصہ۔ ۸ ½ فٹ × ۳ ½ فٹ بلندی ۸ انچ۔
قبر کا تیسرا حصہ ۷ فٹ ۱ انچ × ۲ فٹ ۱ انچ بلندی ۱ فٹ ۹ انچ
اس طرح پانچ چبوترے ہیں۔ کل ارتفاع قبر کا ۷ فٹ ۸ انچ۔ فرش سنگ خارا کے چوکوں کا ہے۔ اندر سے مقبرہ ۲۹ فٹ مربع اوپر جاکر ہشت پہل شکل کا ہے۔ تین طرف دروازے مغرب میں پیش طاق۔
اس امر پر بحث کہ اس قبر پر گنبد تھا یا نہیں بالکل بے سود ہے۔ تھا اور ضرور تھا۔ اب تک بھی اس کی کھلی علامتیں موجود ہیں۔ بلکہ چھت گرنے ہی سے فرش بھی ضائع ہو گیا ورنہ ایسے نفیس مقبرے میں اور سنگ خارا کی سلوں کا فرش کیا معنی؟ چھت گرنے سے قبر کو بھی ضرور صدمہ پہنچا ہے جب ہی تو جدید چبوترا بنانا پڑا اور اس کے گرد کتبوں کے

پتھروں کو اوندھا سیدھا جوڑ کر ستیاناس کر دیا۔ اب آپ خود ملاحظہ فرمائیے کہ کیا گت بنی ہے:-

(۱) وللسابقون السّاھو قلیلۃٌ المتقون فی جنات النعیم ثلتا وللبرو قلیلو ما......
فی ا..... نا کلوو کا ۳۔ (۲) ر الیقین ولیصلون عنہا ولا نہ فوا فا کلہ مزانہ ممامانشۃ ھو حوعو کا نال۔
حورعین کا مثال
(۳) اللولوم المملکون جزابما کانو لا یعلمون لیسمعون فیما لغو ولا بنا اثو
المکنون جزاءً کانوا x یعلمون لو فیہا لغوا تاثیما
قبلاو سلوما سلاما و اصحاب الیمین ما اصحاب الیمین۔
قلیلو سلما سلما اصحب

مسجد قوۃ الاسلام کی شکستہ محرابوں پر کے کتبے

مسجد قوۃ الاسلام کی تین سر بفلک محرابیں سلطان التمش کے مقبرے کے سامنے کھڑی ہیں۔ تیسری محراب کا آخری پاکھا گر گیا اور ساتھ ہی اپنا کتبہ بھی لے گیا۔ سرکار کی طرف سے سنگ خارا کا ایک فیل پایہ بنا کر گرتی ہوئی آرچ کو تھام لیا ہے ورنہ وہ بھی دھڑام سے آن پڑتی۔ انہیں کے جوڑ کی سوا چار محرابیں لوہے کی لاٹ کے اُس طرف باقی ہیں۔ چار در سالم ہیں پانچویں محراب کا صرف اوپر کا ذرا سا سرا بے سہارے معلق کھڑا ہے۔ یہ ساری محرابیں بنتے بنتے ناتمام رہ گئیں اور اسی طرح ادھوری زیر سما کھڑی ہیں یعنی نہ ان کی کسی قسم کی حفاظت ہے نہ اوپر سایہ۔ غور کیجئے کہ کیسی تو کس مپرسی کی حالت اور اُس پر گزرے (۷۰۰) برس اور اتنی ہی برساتیں ان کے سر پر سے گزر گئیں۔ حیرت ہے کہ اتنی بھی اب تک کیسے باقی رہیں۔ یہ محرابیں بہت بلند ہیں اور جتنی بلند عمارت ہوتی ہے اُتنی ہی اُس کی بقا معرض خطر میں ہوتی ہے لیکن خدا جانے کس بلا کا مال مسالا لگایا ہے کہ صدیوں پر صدیاں گزر گئیں مگر ذرا بھی جنبش نہیں کھائی۔ بناتے وقت کوئی دقیقہ ان کی خوش نمائی کا اُٹھا نہیں رکھا گیا ان کے رو کار پر سر سے پا تک کلام مجید کی آیات نہایت نفاست سے کندہ ہیں۔ کتبات ما بقری نہیں رہے اول تو کائی جم جم کر ہیئت کذائی بگڑ گئی دوسرے حصۂ زیرین کو جہاں تک کہ

ہاتھ پونچتا ہو بہت نقصان پونچا ہو۔ جا بجا سے حروف جھڑ گئے ہیں اور بلندی پر نگاہ کام نہیں کرتی۔ بہرحال جو کچھ پڑھا جا سکتا ہو اُس کا قلم بند ہو جانا از بس غنیمت ہو کہ کل کو زمانہ کے ہاتھوں اس کو بھی بقا نہیں۔

تین بڑی شکستہ محرابوں پر کے کتبے

شمس الدین التمش کے مقبرے کے سامنے جو بہت بڑی تین شکستہ محرابیں کھڑی ہیں اُن پر یہ کتبے ہیں:-

پہلا پاکھا۔ (۱) کلمہ تھا ٹوٹ گیا۔ (۲) کلمہ۔ (۳) چھوٹے طاق کے اندر قل ھو اللہ۔ (۴) آیۃ الکرسی۔ (۵) باہر کی بڑی لین بسم اللہ و سورۂ ملک تا الیہ النشور۔

دوسرا پاکھا۔ اندر کا طاق (۱) کلمہ جلی خط سے۔ (۲) کلمہ خفی خط سے۔ (۳) شھد اللہ انہ لا الہ الا ھو والملٰئکۃ واولوا العلم قائماً بالقسط تا لا الہ الا ھو العزیز الحکیم (۴) ما کان محمد ابا احد من رجالکم تا و اعدّ لھم اجراً کریما۔ (۵) بسم اللہ الرحمن الرحیم۔ انا فتحنا تا فان تطیعوا یؤتکم اللہ اجراً حسناً۔ تیسرا پاکھا تو گر ہی گیا ہو۔

سوا چار محرابوں پر کے کتبے

(۱) بسم اللہ الرحمن الرحیم وللہ ملک السموات والارض واللہ علی کل شیٔ قدیر ان فی خلق السموات والارض واختلاف الیل تا ربنا فاغفر لنا۔ سورۂ آل عمران پارہ ۴۔ ۱۰ ع۔

(۲) بسم اللہ اور احادیث ہیں جو برابر پڑھی نہیں جاتیں۔

(۳) تبارک الذی جعل فی السماء بروجاً وجعل فیھا سراجاً وقمراً منیرا تا والذین اذا انفقوا لم یسرفوا۔ پارہ (۱۹) الفرقان ۴ ع۔

(۴) احادیث۔

(۵) بسم اللہ۔ سبحٰن الذی اسریٰ بعبدہ لیلاً تا ثم رددنا لکم الکرۃ (پارہ (۱۵) سورہ بنی اسرائیل ع)

(۶) پڑھا نہیں جاتا۔

(۷) سورۂ فتح پارہ (۲۶) از شروع تا وکان ذلک عند اللہ فوزاً عظیما۔

(۸) فسبحٰن اللہ حین تمسون وحین تصبحون ولہ الحمد فی السموٰت والارض (آگے ٹوٹ گیا ہو) پارہ (۲۱) سورۂ روم ۵ ع۔

(۹) الٓمٓ اللہ لا الہ الا ھو الحی القیوم تا ان فی ذلک لعبرۃ لاولی الابصار۔ پارہ (۳) سورہ آل عمران ع



نقشہ مقبرہ سلطان علاؤالدین خلجی

(۱۰) وسارعوا الی مغفرۃ من ربکم تا واللہ یحب المحسنین (پارہ (۴) آل عمران ۵ ع)

(۱۱) یا ایہا الذین اٰمنوا ان تطیعوا الذین کفروا یردوکم علی اعقابکم فتنقلبوا خٰسرین بل اللہ مولٰکم۔ (پارہ ۴ سورہ آل عمران ۷ ع۔)

(۱۲) بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔ سبحٰن الذی اسرٰی بعبدہٖ لیلاً من المسجد الحرام تا وکل شیٔ فصلنٰہ تفصیلا۔ پارہ (۱۵) سورہ بنی اسرائیل ۱ ع۔ موجودہ پائگوں پر یہی آخری ہے اور اس کے آخر پر فی شہر ہٰذی قعدہ اور سنہ سبع عشر وستمائۃ پڑھا جاتا ہے جو ۶۱۷ھ ہوا اور یہی زمانہ سلطان التمش کا ہے پھر خدا جانے کار سٹیفن صاحب نے ۵۹۴ھ (۱۱۹۷ء) کیسے پڑھا ہے۔

مقبرۂ سلطان علاء الدین خلجی

۶۹۵ھ-۷۱۵ھ

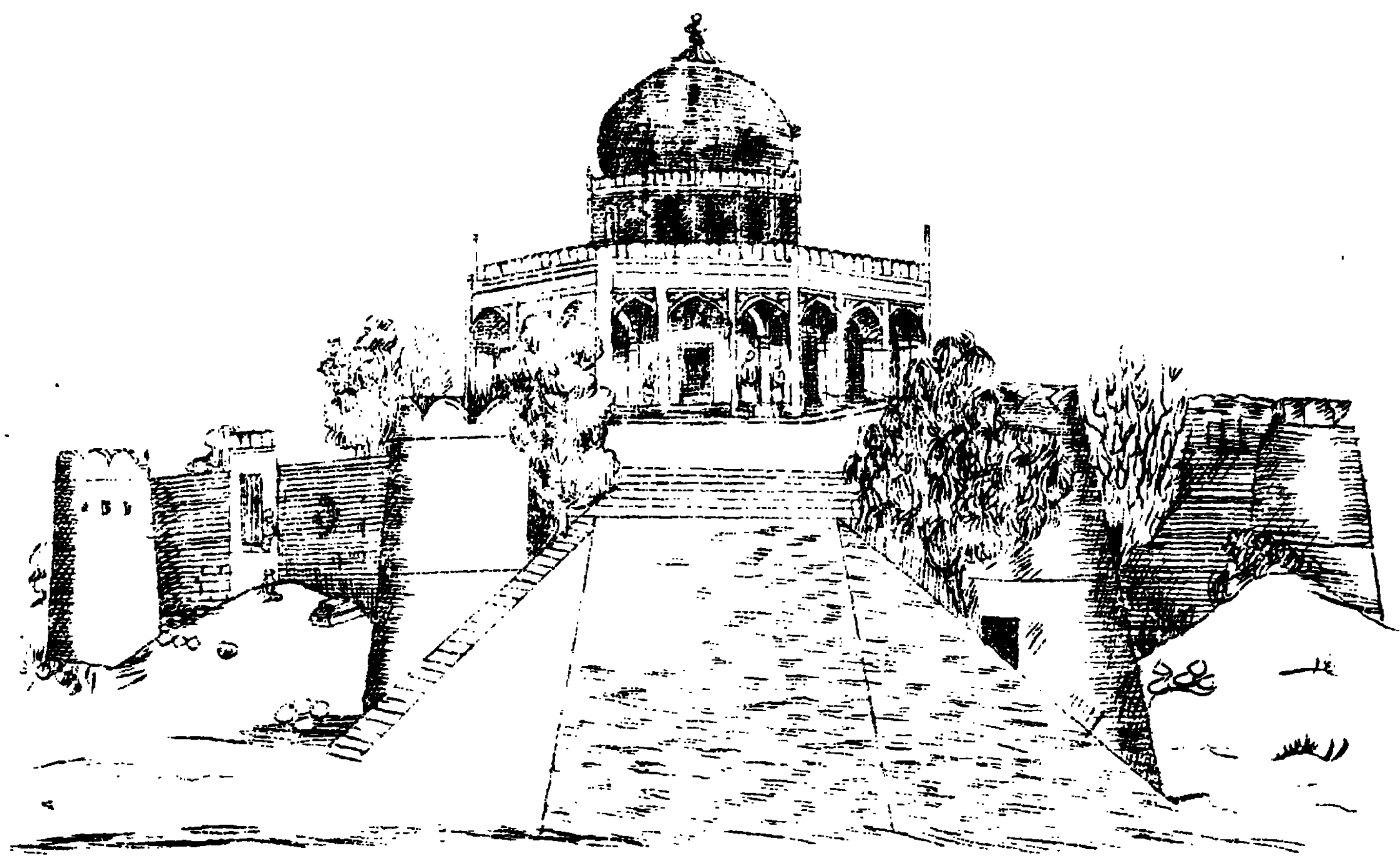
۱۲۹۶ء-۱۳۱۶ء

نہ گورِ سکندر نہ ہے قبرِ دارا
مٹے نامیوں کے نشاں کیسے کیسے

۶۔ شوال ۷۱۵ھ (۱۳۱۶ء) کی صبح کو علاء الدین خلجی نے انتقال کیا۔ اس کا جنازہ سیری کے لال محل سے برآمد ہو کر جامع مسجد میں دفن کیا گیا یہ وہی جگہ ہے جہاں عام روایت کی رو سے اور نیز سرسید کی تحریر کے موافق علاء الدین کا مزار بتلایا جاتا ہے لیکن بگلر صاحب کہتے ہیں کہ "ایک سنگ مرمر کا نہایت عمدہ اور نفیس تعویذ سیری میں پڑا ہے جو امتداد زمانہ اور باہر کھلا پڑے رہنے سے زرد پڑ گیا ہے لیکن کوئی نہیں جانتا کہ ایسا بیش قیمت اور بہتر تعویذ کس کی قبر کا ہے عجب نہیں وہ ضرور علاء الدین ہی کی قبر کا ہوگا کیوں کہ تاریخ میں لکھا ہے کہ علاء الدین قصر ہزار ستون میں دفن کیا گیا تھا" لیکن یہ بات صریح غلط ہے سرسید کے قول کی تائید "تاریخ فیروز شاہی" سے ہوتی ہے۔

فیروز شاہ تغلق کے عہد میں جن عمارات قدیم کی مرمت کرائی گئی اُن کی فہرست میں یہ مقبرہ بھی شامل ہے اس کی مرمت کے علاوہ ایک صندل کے کواڑوں کی جوڑی بھی چڑھائی گئی تھی آبدار خانے اور مسجد قوۃ الاسلام کی غربی دیوار جو مدرسے کے اندر ہے اس کی مرمت بھی اُسی زمانے میں ہوئی تھی اور چوکوں کا فرش بھی بچھوایا گیا۔ علاء الدین کی قبر مسجد کے صحن کے جنوبی حصے میں ہے۔ گنبد کا احاطہ چار سو فیٹ لمبا اور دو سو فیٹ چوڑا ہے جس کے احاطے کی مغربی اور جنوبی دیواریں علاء الدین کے جانشین شہاب الدین کے عہد کی بنی ہوئی ہیں۔ شمالی دیوار ایسا معلوم ہوتا ہے کہ کبھی پوری ہوئی ہی نہیں۔ رہی مشرقی دیوار اُس کے پانچویں حصے کے

قریب مسجد قوۃ الاسلام کے اس حصے کے مغربی دیوار ہے جو سلطان التمش کا بنوایا ہوا ہے۔ گنبد کے صحن میں گو چاروں طرف رستہ ہے لیکن اصل صدر دروازے مشرق اور مغرب کی جانب ہی ہیں۔ مشرقی دروازہ سلطان التمش کی بنائی ہوئی مسجد کی دیوار میں ہے جس کا ذکر اوپر آچکا ہے مغربی دروازہ اس سڑک کی جانب ہے جو قطب صاحب کی لاٹ سے ادہم خاں کے مقبرے کو جاتی ہے۔ یہ دروازہ پٹھانوں کے زمانے کی سی عمارت معلوم دیتی ہے جو پتھر اور گچ کا ہے اور جو باقی عمارتیں اس احاطے میں ہیں وہ بھی اسی قسم کی ہیں۔ دروازہ چودہ فیٹ اونچا اور گیارہ فیٹ چوڑا ہے جس کے اوپر سردل کی دیوار اور چار فیٹ بلند ہے۔ اگر ہم دروازے کے اندر جاکر دروازے کی طرف رخ کرکے کھڑے ہوں تو ہماری داہنی طرف ایک کمرہ جس پر گنبد ہے دروازے سے بھی آٹھ فیٹ اونچا دکھلائی دیتا ہے۔ اسی سے ملے ہوئے اور تین کمرے ۱۴x۱۱ محراب دار ہیں۔ ان کے آگے اور ایک گنبددار کمرہ ہے جو پہلے کمرے سے چوڑا ہے اور بظاہر ایک دوسرا دروازہ معلوم دیتا ہے۔ اس کی داہنی طرف بھی اسی طرح کے تین کمرے ہیں جیسے کہ ہم اوپر لکھ آئے ہیں مگر اس میں کا آخری کمرہ گر کر زمین کے برابر ہو گیا ہے۔ یہ بیان احاطے کے غربی جانب کا ہوا۔ شمال کی طرف سب سپاٹ میدان ہے کوئی عمارت باقی نہیں رہی۔ جنوبی رخ پر تین گنبددار گرے ہوئے کمروں کے نشان باقی ہیں۔ علاء الدین کی قبر بیچ والے کمرے میں ہے جو ۵۰x۲۴ ہے جس کے دونوں طرف رستہ ہے جو دوسرے کمروں سے اسے جدا کرتا ہے۔ بازو کے دونوں کمرے بیچ کے کمرے سے آدھے ہیں۔ ان کمروں پر کے گنبد گر گئے ہیں۔ دیواروں کا پلاستر جھڑ گیا ہے۔ روکاری کی پتھر کی سلیں تھیں ہوئیں کہ لوگ نکال لے گئے۔ ان کمروں کے پچھواڑے کئی کوٹھریاں نشست کی چوبیس فیٹ چوڑی احاطے کی مغربی دیوار کی لمبان کے برابر تھیں جو سب گر پڑیں۔ ان کوٹھریوں کی جنوبی دیوار میں چھ طاق اور بیچوں بیچ میں ایک دروازہ ہے۔ جنوب و مشرق کی دیوار میں چھت پر چڑھنے کا رستہ ہے۔ گنبد اور تمام مکانات ملحقہ کی دیواروں کی استرکاری جھڑ جھڑا کر خالی دیوار کھڑی رہ گیا۔ احاطے کی مشرقی دیوار میں تین نیچی نیچی کوٹھریاں محراب دار دروازوں کی اسی طرح کی ہیں جیسی کہ مغربی طرف ہیں۔ ان سے ملا ہوا ایک دروازہ ہے جو اس کے محاذ کے دروازے کا جواب ہے۔ غالباً یہ دروازہ بستی کے رخ پر تھا اور ادھر ہی سے قطب صاحب کی آبادی کے لوگ آمدورفت رکھتے تھے۔ اس سے آگے بڑھ کے مسجد قوۃ الاسلام کی بڑی ... مغربی



نقشۂ مقبرۂ ادہم خاں عرف بھول بھلیاں

ہوا اور گنبد کے جنوب و مشرقی کونے میں اس مقبرے کے متعلق جو مسجد تھی اُس کے نشان ملتے ہیں۔ مدرسہ اور آب دار خانہ دونوں (جس کی مرمت فیروز شاہ نے کرائی تھی) مقبرے کی مشرقی اور مغربی دیوار سے ملے ہوئے حجروں میں تھے۔ چوں کہ لاٹ کے گرد کے گرے ہوئے کھنڈروں کو صاف کرکے سڑکیں نکال دی گئیں ہیں اور ایک قسم کی چمن بندی ہوگئی ہے اس لیئے موجودہ حالت اس مقبرے کی صرف یہ ہے کہ قطب صاحب کی لاٹ کے مغرب میں قریب ہی ایک خالی چار دیواری کھڑی ہے جس کے تین طرف ایک ایک دروازہ ہے۔ یہ مقبرہ اندر سے ۲۳ فٹ مربع ہے اور بیچ میں ایک خالی چبوترا دو فیٹ اونچا ۱۳×۸ فٹ کے لیے ہے غالباً اسی پر قبر ہوگی جو اب ناپید ہے۔ پلاستر کا نام باقی نہیں خالی سنگ خارا کی دیواریں کھڑی ہیں۔ اندرون مقبرہ فرش کسی قسم کا رہا ہی نہیں صرف بجری کوٹ کر ہموار کر دیا ہے۔ گنبد گر کر زمانہ ہوا اب نری چار دیواری ہی چار دیواری باقی رہ گئی ہے اور مشکل سے یقین آتا ہے کہ یہ اتنے بڑے جلیل القدر بادشاہ کا مقبرہ ہے۔ اس کے زمانے سے پہلے پہلے کی عمارتیں قائم و برقرار ہیں اور یہ ایسی تباہ ہوئی کہ اب صورت تک بھی نہیں پہچانی جاتی۔

ادہم خاں کا مقبرہ یا بھول بھلیاں اور مسجد سنہ ۹۶۹ھ ۱۵۶۱ء

دنیا میں تو دو دن کا فقط جینا ہے
اور اُس پہ یہ حسد اور بغض و کینہ ہے
ظاہر ہے کہ جام جم کا نہ رہا
اور حال سکندر کا تو آئینہ ہے

قطب صاحب کی لاٹ سے جو سڑک مہرولی کو جاتی ہے اُس کی داہنی طرف ادہم خاں کا مقبرہ ہے۔ یہ مقبرہ اکبر شاہ بادشاہ نے ادہم خاں اپنے کوکے اور اُس کی ماں ماہم انگہ کے لیئے بنوایا تھا۔ خان اعظم کے مقبرے کے ضمن میں ہم وہ واقعات لکھ آئے ہیں جس بنا پر آگرے میں اکبر شاہ کے محل میں اعظم خاں کو ادہم خاں اور اُس کے ساتھ والوں نے قتل کر دیا تھا۔ طبقات اکبری میں لکھا ہے کہ "مراسم خسروانہ کے گھمنڈ پر اعظم خاں کو مار کر ادہم خاں دزدانہ حرم سرائے شاہی کے دروازے پر جا کھڑا ہوا۔ بادشاہ سلامت یہ سن کر شمشیر برہنہ ہاتھ میں لیئے ہوئے معًا برآمد ہوئے اور وہیں قاتل کی مشکیں کس لی گئیں اور اُسی طرح بندھا بندھا یا سزائے قتل میں قلعے کی فصیل سے نیچے لڑھکا دیا گیا۔" شمس الدین محمد خاں اتگہ غزنوی المخاطب بہ اعظم خاں

(جو اکبر بادشاہ کی ایک دوسری رضاعی ماں کا شوہر تھا) کے قتل کا افسوس ناک واقعہ ۱۲ رمضان المبارک ۹۶۹ھ کو ہوا۔ بدایونی لکھتا ہے کہ قلعے کی فصیل سے دو بار گرائے جانے کے بعد بھی ادہم خاں سخت جان میں کچھ جان باقی تھی۔ بادشاہ نے اُسے دوبارہ گروایا تب کہیں وہ مرا۔ چنانچہ مقتول خان اعظم کے ایک دن بعد اس کی تجہیز تکفین ہوئی۔ ماہم انگہ نے جب اُڑتی پڑتی خبر سنی تو اُسے یہ معلوم نہ تھا کہ وہاں کام تمام ہو چکا۔ ماں کی ممتا کو بیمار تھی مگر دلی سے گرتی پڑتی آگرے پہنچی۔ بادشاہ کے حضور میں باریاب ہوئی۔ بادشاہ نے ارشاد فرمایا کہ "تمہارے صاحب زادے نے میرے (رضاعی) باپ کو قتل کیا میں نے جان کے بدلے تمہارے بیٹے کی جان لی"۔ ماہم انگہ مزاج شناس تھی سمجھی کہ اب عرض معروض کرنا بے فائدہ ہے۔

بے فائدہ اب ہے رنج و حرماں　　　　خود کردۂ خویش را چہ درماں

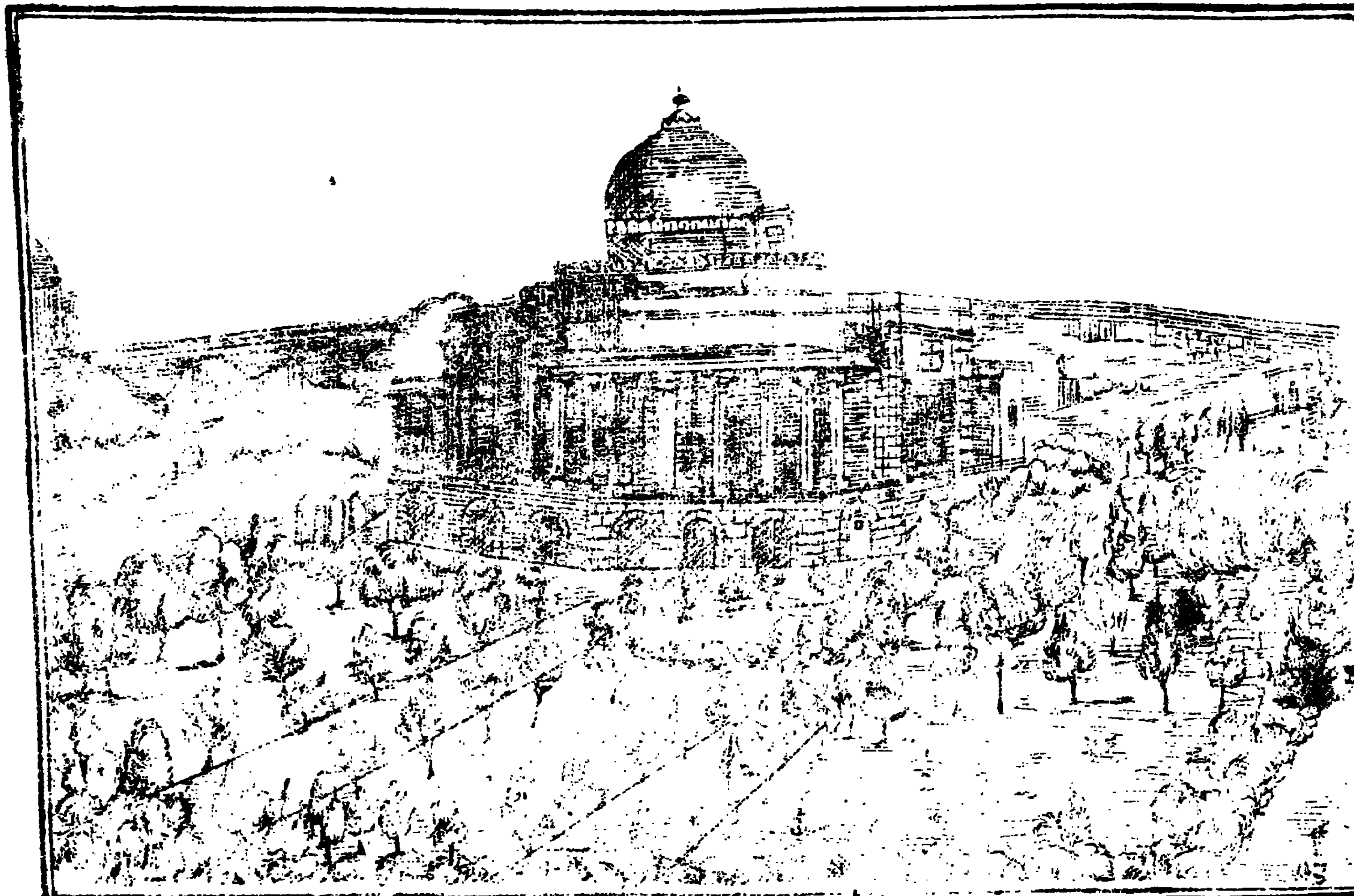
بولی۔ "جہاں پناہ نے جو کچھ کیا خوب کیا" یہ کہہ واپس چلی گئی۔ جوان بیٹے کے بن موت مارے جانے کا بڑھیا ماں کو ایسا دھکا بیٹھا کہ چالیسواں بھی نہیں ہونے پایا تھا کہ اپنے بیٹے سے جا ملی اور اسی مقبرے میں اپنے بیٹے کے پاس دفن ہوئی جو اکبر بادشاہ نے بنوا دیا تھا (از آئین اکبری ترجمہ بلاکمین)

اب ہم مقبرے کی عمارت کا کچھ حال لکھتے ہیں۔ دو اونچی اونچی سیڑھیاں چڑھنے کے بعد مقبرے کا صحن ملتا ہے۔ یہ صحن سڑک کی سطح سے سترہ فیٹ اونچا ہے۔ مقبرہ ہشت پہلو ہے صحن کا قطر دو سو فیٹ کا ہے۔ صحن کا وہ حصہ جو سڑک کی طرف ہے کھلا ہوا ہے۔ شمال و مغرب کی دیوار میں جدھر سے قلعہ رائے پتھورا کا رستہ ہے ایک چھوٹا سا دروازہ ہے اسی طرح کا ایک اور دروازہ جنوب و مغربی دیوار میں بھی ہے جس میں سے اُس مسجد میں جانے کا رستہ ہے جو مقبرے کے مغربی رخ پر کوئی بیس گز کے فصل سے ہے۔ احاطے کی دیوار زمین سے دس فیٹ اونچی ہے جس میں جھانجیاں رکھی گئی ہیں لیکن اب بہت بڑا حصہ اس دیوار کا منہدم ہو کر مشکل سے صرف ایک چوتھائی باقی رہا ہے۔ صحن کے آٹھوں کونوں پر ایک ایک برجی بنی ہوئی ہے اور مقبرے کے گرد چھ فیٹ اونچا کنگورا ہے۔ دیوار اور برجیاں سب گھڑے ہوئے پتھروں اور چونے کی ہیں بیچ کے بیچ میں احاطے کی دیوار سے چند فیٹ ہٹ کر کچھ کھنڈر ہیں نہیں کہا جا سکتا کہ

ہ آیا منہدمہ برجیوں کے ہیں یا اُس چبوترے کے ہیں جو مقبرے کی رونق اور
حُسن کے آرام کے واسطے بنایا گیا تھا۔ مقبرہ ساٹھ فیٹ اونچا ہی اور چبوترے کی کرسی
چار فیٹ کی ہے مقبرے کی ساری عمارت ہشت پہل ہی درمیانی حجرے کے گرد
غلام گردش بطور برآمدے کے ہی۔ چبوترے پر سے گنبد کی بلندی ۴۲ فٹ ہی جس کے
آٹھوں ضلعوں میں ہر طرف تین تین در ہیں۔ ستون ان دروں کے چوکون ایک کے
اوپر ایک پتھر رکھ کر بنائے گئے ہیں۔ بعض بعض ستون سنگ خارا کے ایک ہی ٹکڑے
کے بے جوڑ ہیں جن کے سرے اور بھٹکلیں دوسرے قسم کے پتھروں کی ہیں۔ کونوں
کے ستون دُہرے ہیں۔ چھت پر چار فیٹ اونچی جھانکی دار منڈیر ہی جس کے
دونوں کونوں پر چھ چھ فیٹ اونچی برجیاں ہیں۔ درمیانی ہشت پہل حجرے کا قطر پچاس
فیٹ کا ہی۔ آٹھوں ضلعوں کے بیچ بیچ میں ایک ایک در ہی جس کی دونوں طرف
دو دو فیٹ اونچا ایک ایک طاق ہی۔ گنبد کا قبہ بیرونی رخ سے سولھا اضلاع کے
چبوترے پر بنا ہوا ہی جس کی بلندی بارہ فیٹ ہی اور جس کے ہر ہر کونے پر ایک ایک
چھوٹی برجی بنی ہوئی ہی۔ گنبد پتھر اور چونے کا بنا ہوا ہی جس پر استر کاری کی ہوئی ہی جس کے
قطر کا ارتفاع سولھا فیٹ ہی جس پر پتھر کا کمر کی کلس چڑھا ہوا ہی۔ گنبد کا قطر ۴۴ فٹ ہی گنبد
کے نیچے کی دیواروں کا آثار سات فیٹ کا ہی۔ درمیانی حجرے کی چھت کا اندرونی حصہ
ہشت پہل دیواروں پر کھڑا ہے۔ گنبد لداؤ کا ہی جس کی کُل بلندی ۲۳ فٹ ہی اور یہ دیواریں
سولھا ضلعوں کی ہیں جن کے در بھی سولھا ہی ہیں جن میں سے ایک کھلا اور ایک
بند ہی جس کے اوپر جاکر پھر (۳۲) ضلعوں کی دیواروں پر گنبد ٹکا ہوا ہی۔ گنبد کی دیوار
میں ایک طرف اوپر جانے کا زینہ ہی اور ایسا ہی رستہ بنا ہی کہ دیوار ہی دیوار گرد پھرا کے
ہیں اور اس میں ایک مقام پر ایسا دھوکا رکھا ہی کہ آدمی خیال کرتا ہی کہ جس رستے
کو میں جاتا ہوں اسی رستے سے نیچے اُتر جاؤں گا حالاں کہ برخلاف اپنے قیاس کے
اور اوپر چڑھ جاتا ہی اور پھر جب نیچے اُترنے کا ارادہ کرتا ہی تو بسبب اس کے کہ
نیچے اُترنے کا رستہ ایک کونے میں نظر سے پوشیدہ رکھا گیا ہی اُسی رستے پر
آن پڑتا ہی اور پھر اوپر چڑھ جاتا ہی اسی وجہ سے لوگوں نے اس مقبرے کا نام
"بھول بھلیاں" یعنی ایسا مقام کہ جہاں آدمی بھول جائے اور چکر کھا جائے رکھا ہی

بہر حال قطب صاحب کی عمارتوں میں یہ بھی ایک مشہور اور قابل دید ہے۔ اس میں انگریز اُترا کرتے تھے اور بطور مسافر بنگلے کے استعمال کیا جاتا تھا اسی سبب سے ادہم خاں کی قبر کا تعویذ کوئی اسی برس گزرے کہ اُکھاڑ کر باہر غلام گردش میں ڈال دیا اور سطح زمین سے اپنے آرام و آسائش کے لئے برابر کرلی۔ جب ادہم خان کی قبر کے ساتھ یہ سلوک ہوا تو اُن کی ماں کی قبر کا کیا پتہ چل سکتا ہے۔ ہمارے خیال میں جب ادہم کی قبر اُکھاڑی گئی تب ہی اُس کی ماں کی قبر بھی نکال دی گئی ہو گی کیوں کہ بدون اس کے نہ جگہ صاف ہو سکتی تھی نہ مقبرہ رہنے کے قابل ہو سکتا تھا۔

موجودہ حالت اس مقبرے کی یہ ہے کہ سڑک سے (۱۹) سیڑھیاں چڑھ کر اوپر پہنچتے ہیں چبوترے کے آٹھوں کونوں پہ برج تھے جن میں سے کچھ گر گئے کچھ باقی ہیں چبوترا بھی مقبرے کی مناسبت سے ہشت پہل ہے اور مقبرے میں اور چبوترے میں ۱۵ فٹ کا فصل ہے۔ چبوترا بہت کشادہ ہے جس کا ہر ضلع ۵۷ فٹ لمبا ہے۔ کمپونڈ کی دیوار سڑک کی سطح سے ۱۳ فٹ بلند ہے اور منڈیر ۳ فٹ ½ اونچی ہے۔ گنبد کے چبوترے کی کرسی چار فیٹ کی ہے۔ چھ سیڑھیاں چڑھ کر گنبد کے اندر داخل ہوتے ہیں۔ گنبد کا ہر بیرونی ضلع ۳۰ فٹ ۲ انچ لمبا ہے۔ گنبد ہشت پہل ہے اندر سے قطر ۴۸ فٹ ½ ہے۔ اوپر چھت میں آٹھ طاق کھلے ہیں آٹھ بند یہ دوہری لین ہے۔ یعنی پھر اُس کے اوپر طاقوں کی ایک ایسی ہی لین اور ہے۔ دروازے آٹھ ہیں جن کے دو طرفہ یا اللہ اور کلمے کے طغرے ہیں۔ غلام گردش ۱۲ فٹ عریض ہے اور دروں کی چکلان ۱۱ فٹ۔ گنبد کی بلندی اجارے تک ۲۴ فٹ اور اُس سے اوپر ختم دیوار تک اور ۱۸ فٹ۔ اس طرح صرف دیوار دیوار کا ارتفاع ۴۲ فٹ ہے۔ گنبد دو منزلہ ہے دونوں منزلوں میں بیس بیس سیڑھیاں ہیں۔ اس گنبد کے قعر میں رنگ کے کام کا کچھ کچھ حصہ باقی ہے۔ باہر وار بھی کہیں کہیں رنگ آمیزی پائی جاتی ہے۔ چوں کہ عرصہ تک یہ گنبد بطور مسافر بنگلے کے استعمال کیا گیا ہے اور انگریزی اصول کے موافق وہیٹ واش یعنی سفیدی ہونا ضرور تھی لہٰذا دیواروں پر کئی کئی کوٹ سفیدی کے چڑھ جانے سے سارے نقش و نگار اور گلکاری ڈھک گئی ہے۔ یہی تصرف فرش میں بھی ہوا ہے یعنی پہلا فرش باقی نہیں رہا اب تو گچ کردی گئی ہے۔ جو تعویذ پہلے نکال دیا گیا تھا اب پھر اپنی جگہ پر لگا دیا گیا ہے جو سنگ سرخ کا ہے۔ ۶ فٹ ۱ انچ ۲



نقشۂ کوٹھی صاحب کلان بہادر

اور ایک اونچا چبوترہ جس میں کوئی ندرت نہیں۔ رہی ادہم خاں کی ماں کی قبر اُس کا پتہ نہیں۔ اس مقبرے کے متعلق جو مسجد ہے اُس کی اصلی حیثیت بھی باقی نہیں رہی کہ مرمت کے ساتھ اندر باہر استرکاری کرادی گئی ہے۔

ادہم خاں کے بھائی کا مقبرہ

مسجد کے بعد سڑک پر ہی ایک اور بڑا گنبد ادہم خاں کے گنبد کی طرح کا ہے جس میں اب سرکاری ڈاکٹر خانہ ہے۔ ڈاکٹر خانے کی ضروریات کے موافق اُس کی بھی شکست۔ پخت کی گئی ہے۔ لوگ کہتے ہیں کہ یہ مقبرہ ادہم خاں کے بھائی کا ہے یہ چار بھائی تھے۔ ادہم خاں۔ ٹماٹے خاں۔ عمر خاں۔ محمد قلی خاں جس کو لوگ مُتکلی خاں کہتے ہیں۔ عمر خاں کے مقبرے کا بیان تو آگے آتا ہے اب یہ مقبرہ ہو نہ ہو یا ٹماٹے خاں کا ہوگا یا محمد قلی خاں کا۔ واللہ اعلم۔

عمر خاں کا مقبرہ

قطب کی لاٹ سے بجانب جنوب ایک میل کے اندر ہی اندر مرتفع پہاڑی پر ایک مقبرہ بنا ہوا ہے جو ادہم خاں کے بھائی عمر خاں کا کہلاتا ہے۔ اکتالیس سیڑھیاں چڑھ کے اوپر پہنچتے ہیں۔ یہ گنبد پچاس فیٹ مربع ہے اور چار دروازے چار طرف ہیں جو ۱۰ ف ۲ ا × ۶ ف ۹ ا ہیں۔ اندر سات قبریں چونے گچی کی ہیں جو بہت شکستہ ہیں اور فرش کے برابر ہوگئی ہیں۔

طامس صاحب کی شکارگاہ

اوپر والے گنبد سے کوئی ڈھائی سو قدم کے فصل سے ایک اور اونچی سی پہاڑی ہے اُس پر ایک عمارت بنی ہوئی ہے جو طامس صاحب کی شکارگاہ کے نام سے مشہور ہے پہاڑ پر مع کنگورے دار برج ہیں جن کے بیچ میں ایک دیوار کھچی ہوئی ہے۔ پرانے لوگ اسے سلطان شمس الدین التمش کی شکارگاہ کہتے ہیں۔ میرے خیال میں بادشاہ کی بنائی ہوئی کوئی سیرگاہ ہوگی جسے طامس مٹکاف صاحب نے درست کرالیا ہوگا۔

کوٹھی دلکشا

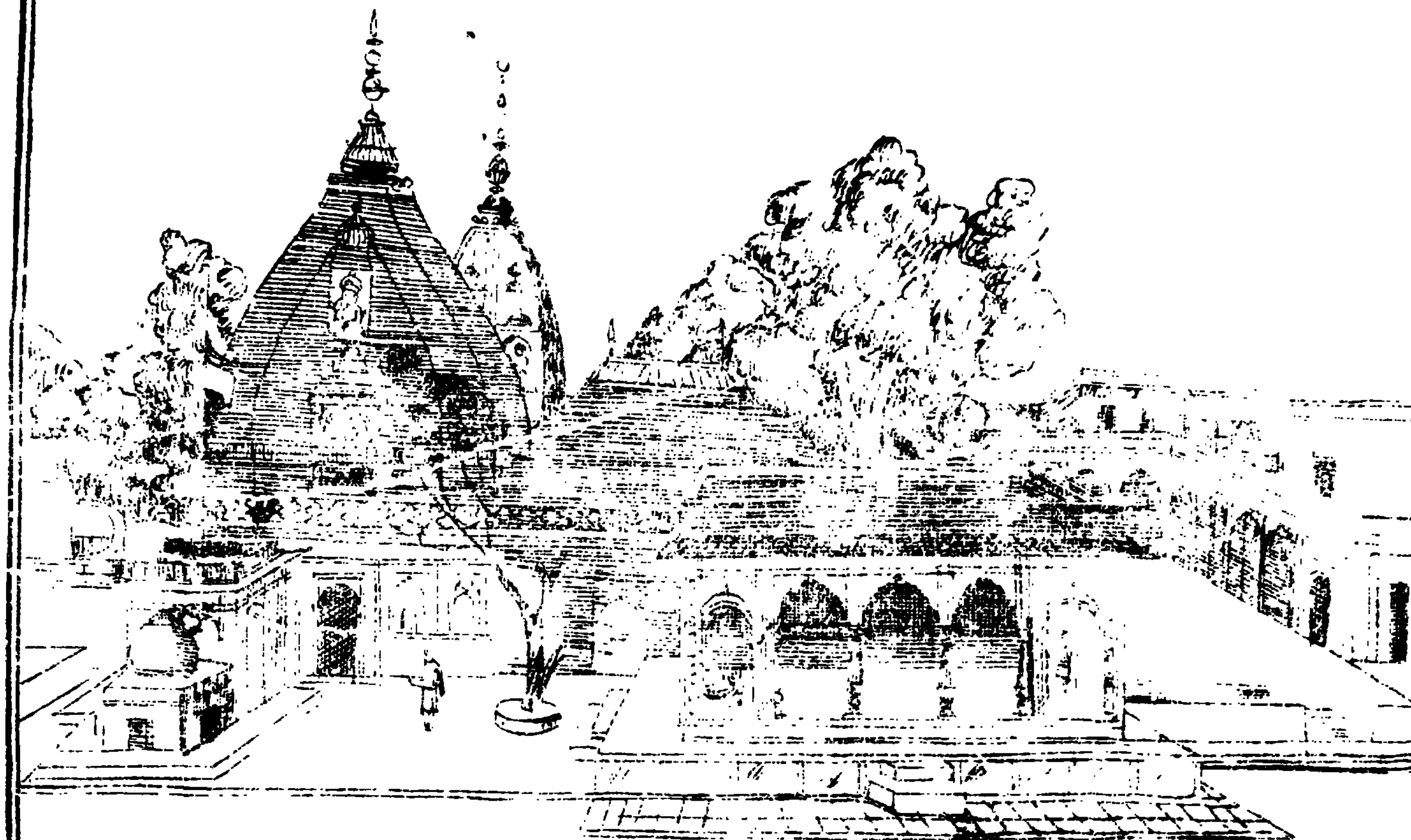
سنہ ۱۲۲۷ھ

۱۸ء

قطب صاحب کی لاٹ کے قریب ایک مکان نہایت خراب خستہ ناقص وشکستہ محمد قلی خاں کے مقبرے کے نام سے مشہور تھا جو اکبر بادشاہ کے کوکا تھے اس لحاظ سے یا تو یہ عمارت اکبر اعظم کے عہد کی ہوگی یا جہانگیر بادشاہ کے وقت کی اس کو سر تھیافلس مٹکاف

نے جن کا شاہی لقب معظم الدولہ امین الملک اختصاص یار خاں طاس تیا فلس شکف صاحب بہادر فیروز جنگ صاحب کلاں تھا بنوایا اور آراستہ کیا اور گرد درخت نصب کرائے۔ اب بالکل ویران اور خستہ حالت میں ہی۔ اب کوٹھی دلکشا جاکر وحشت کدہ ہوگیا ہی۔

جوگ مایا کا مندر قطب صاحب کی لاٹ کے پاس لوہے کی لاٹ سے کوئی ۲۶۰ فٹ کے فاصلے سے سرحد یوسف سرائے پاسے مینار میں ایک اونچے احاطے کے اندر جوگ مایا یعنی مقدس دیوی کا مندر ہی۔ کہا جاتا ہی کہ یہ مندر بہت قدیم اور راجہ یدھشٹر کے زمانے کا بنا ہوا ہی لیکن موجودہ عمارت کو دیکھو تو وہ سو برس کی بھی نظر نہیں آتی۔ ممکن ہی کہ مندر کی پرانی عمارت بوسیدہ ہوجانے سے نئے سرے سے بنایا گیا ہو۔ جوگ مایا کی پوجا تو کم سے کم آٹھ سو سال سے راجہ پتھورا کے وقت سے مروج ہی۔ لیکن اس کی ابتدا کا پتہ نہیں چلتا کہ کب سے اس دیوی کا استھان یہاں پر ہی۔ مندر کا احاطہ چار سو فیٹ مربع ہی۔ احاطے کے چاروں کونوں پر برجیاں ہیں۔ احاطے کے اندر مندر کو ملاکر کُل بائیس عمارتیں ہیں۔ جن کو اکبر ثانی بادشاہ کے عہد کے ایک امیر سیدھ مل نے بنوایا تھا۔ اس مندر میں آس پاس تین برج الگ الگ ہیں اور جس برج کے آگے گھنٹہ لٹکا ہوا ہی اُسی میں وہ پتھر کا ٹکڑا ہی جو دیوی کے نام سے مشہور ہی۔ اصل مندر کوئی خوب صورت اور دل کش عمارت نہیں ہی۔ ایک بھدی سی عمارت کے سامنے یہ مندر بنا ہوا ہی اور یہ عمارت بھی کچھ مندر سے زیادہ قدیم نہیں پائی جاتی۔ اصل مندر مع فرش سنگ سرخ کے باسٹھ سال کے اول بنا تھا اور پھر بعد میں سنگ مرمر سے پاٹا گیا ہی۔ اس کی چوٹی پر سنہری کلس ہی جس کو ملاکر ۴۲ فٹ کی بلندی ہی۔ اس کلس پر آئینہ لگا ہوا ہی جس کی پرچھائیں دور تک جاتی ہی۔ کمرہ جس میں سنگ سیاہ کی دیوی کی مورت ہی ستر فیٹ مربع ہی۔ دراصل یہ کوئی مورت بھی نہیں ہی بلکہ نرا ایک پتھر ہی۔ مندر کی چھت پست ہی جس پر چھوٹی چھوٹی برجیاں ہیں۔ حجرے کا دروازہ سنگ مرمر کا ہی۔ مقدس مورت ایک سنگ مرمر کے حوض میں رکھی ہوئی ہی جو دو فیٹ چوڑا اور ایک فیٹ گہرا ہی جس پر زرق غلاف ہمیشہ پڑا رہتا ہی اور پنکھے کے دو پنکھے چھت میں لٹکے ہوئے ہیں۔ ایک چوکی سنگ[مرمر] کی اٹھارہ انچ مربع اور نو انچ اونچی مورت کے سامنے رکھی ہوئی ہی جس پر چڑھاوا اور پھول

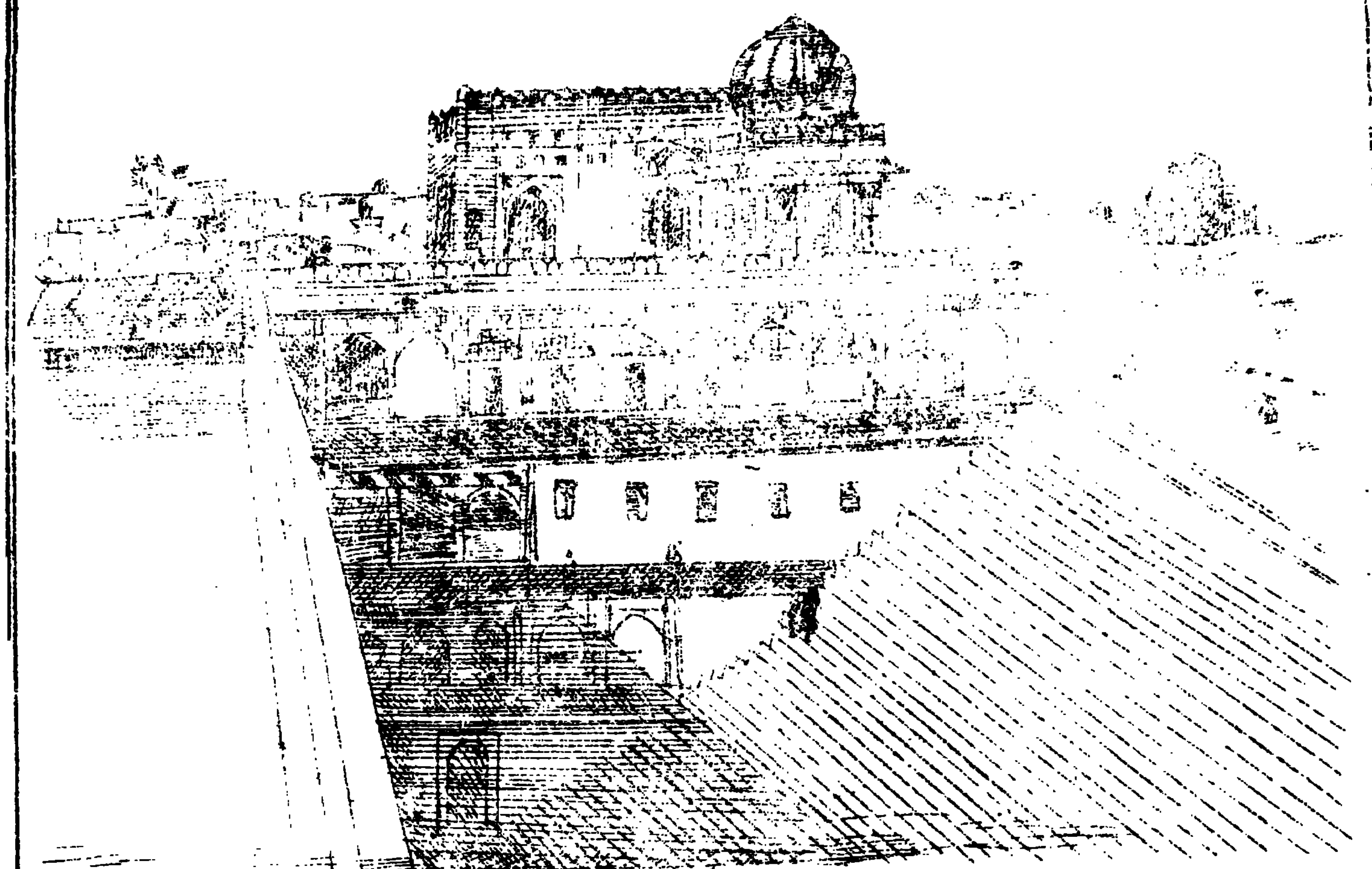


نقشہ مندر جوگ مایا

کوچے ہیں۔ شراب کا یہاں گزر نہیں۔ اکثر مندروں کی طرح یہاں کوئی گھنٹہ بھی نہیں ہے کہتے ہیں کہ دیوی کو گھنٹے کی آواز پسند نہیں۔ مندر کے سامنے آٹھ فیٹ پر ایک لوہے کے پنجرے میں دو پتھر کے شیر ہیں۔ پنجرا پانچ فیٹ مربع اور دس فیٹ اونچا ہے۔ مندر سے پنجرے تک کا رستہ پٹا ہوا ہے۔ چھت ہلکے تختوں کی ہے جس پر اینٹ اور چونے کا پلاستر ہے اس کی چھت میں چار گھنٹیاں پجاریوں کے لیے لٹک رہی ہیں۔ دیوی کی طبعی خاصیت بہت حلیمی اور جابر بتلائی جاتی ہے یعنی جلال بہت ہے اور دنیادی لذّات سے بالکل متنفر ہے اور مندر کو شراب یا گوشت سے ناپاک کرنا بالکل پسند نہیں کرتی اس دیوی کا تفصیلی حال سوائے اس کے کچھ معلوم نہیں ہوتا جو بھگوت پران میں لکھا ہے کہ یہ دیوی کشن اوتار کی بہن تھی جس کا یہ قصہ مشہور ہے کہ وہ بجلی بن کر لوپ ہو گئی اور یہاں آن پڑی۔ جب سے یہ مکان جوگ مایاجی کا استھان ہو گیا۔ اور بعضے لوگ یہ بھی کہتے ہیں کہ یہ رائے پتھورا کی بیٹی مایاجی تھی جو حاجی روزبہ کے پاس گئی اُس وقت اس کے ساتھ بہت سی سہیلیاں تھیں جب وقت رائے پتھورا کی بیٹی مسلمان ہو گئی ان سہیلیوں نے یہ بات سوچی کہ اب ہم راجہ کو کیا منہ دکھائیں گے اور بھگوان جانے وہ ہمارا کیا حال کرے گا۔ اس ڈر اور شرمندگی سے سب کی سب ایک کوئیں میں جو اس مندر کے پاس تھا اور بعض کہتے ہیں یہی کنواں تھا جو اب اس مندر کے پاس موجود ہے گر کر مر گئیں جب کہ رائے پتھورا کو اس حال کی خبر ہوئی اُس نے ان کی لاشوں کو نکالا اور اس مقام پر جہاں اب مندر ہے پھونک دیا اور کہا کہ "اُنھوں نے بڑا جوگ کمایا" جب سے اس کا نام جوگ مایا ہو گیا اور پان پھول مٹھائی چڑھنے لگی اب رفتہ رفتہ یہ نوبت پہنچی کہ یہ لوگ اس کو دیوی کہنے لگے اور پوجا پتری کرنے لگے اور مان منت مانگنے لگے غرض کہ یہ سب پوجاریوں کی لن ترانیاں ہیں حقیقت حال کچھ معلوم نہیں ہوتی۔ لوگ اس دیبی کو کالکا دیبی سے اچھا جانتے ہیں کہ وہاں تو جیو چڑھتا ہے یعنی قربانی ہوتی ہے اور یہاں پھول پنکھڑی۔ احاطے کے اندر پلنگ یا چارپائی لانے کی اجازت نہیں۔ لالہ ہردیال سنگھ صاحب رئیس دہلی نے وقتاً فوقتاً اس مندر کی تعمیر و ترمیم کرائی ہے اور یہی وجہ ہے کہ وہ اچھی حالت میں ہے یہاں ہفتے وار ایک دن چھوٹا سا میلہ ہوا کرتا ہے۔

راجوں کی بائیں (باؤلی) اور مسجد سنہ ۹۱۲ ھ ۱۵۰۶ ء

قطب صاحب کی لاٹ کے قریب مغرب میں کوئی پانچ منٹ کے رستے پر ادہم خاں کے مقبرے کے جنوب میں یہ ایک عالی شان مکان ہے جس کو سنہ ۹۱۲ ھ ۱۵۰۶ ء میں سکندر شاہ لودھی بن بہلول شاہ لودھی کے عہد میں ایک امیر دولت خاں نامی نے بنوایا تھا۔ اس مکان کی لطافت اور نزاکت بیان سے باہر ہے۔ اگرچہ یہ مکان چونے اور پتھر سے بنا ہوا ہے لیکن سنگین مکانوں پر ہزار درجے شرف رکھتا ہے۔ اس مقام پر ایک باؤلی ہے بہت نفیس و لطیف نہایت بڑی اور بغایت دل کشا بالکل سالم گویا ابھی معمار اٹھ کر گئے ہیں۔ کسی زمانے میں اس باؤلی کے مکانوں میں راج بستے تھے جب سے راجوں کی بائیں مشہور ہو گئی ہے مگر پھر راج جا کر مدتوں چمار آ بسے تھے اور اب خالی پڑی ہے۔ باؤلی کے شمالی رخ پر سیڑھیاں ہیں جو پانی کی تہ تک چلی گئی ہیں جن میں سے ستاون تو پانی کے اوپر ہیں اور نو پانی میں دکھلائی دیتی ہیں لیکن قیاس یہ چاہتا ہے کہ یہ سیڑھیوں کا سلسلہ باؤلی کی تہ تک ہوگا۔ باقی باؤلی کے تین طرف اونچی اونچی دیواریں کھڑی ہیں جن میں چار قطاریں محراب دار حجروں کی ہیں جو عرض و طول میں یکساں ہیں مگر تعداد میں مختلف۔ باؤلی کی دیواریں ۲۷ فٹ اونچی ہیں اور شرق اور مغرب کی دیواریں ۸۰ فٹ لمبی۔ اصل باؤلی کی چوڑان ۳۰ فٹ ہے۔ جب ہم نے دیکھا تو نو فیٹ پانی تھا مگر موسم بارش میں پانی بہت چڑھ جاتا ہے بلکہ حجروں کے نیچے کی منزل ڈوب جاتی ہے۔ باؤلی کے جنوب میں اوپر وار ایک ہشت پہل کنواں ۱۰ فٹ قطر کا ہے جس میں مردے لگے ہوئے ہیں۔ باؤلی کے اوپر ایک بہت خوبصورت مسجد ہے جس کے دیکھنے سے آدمی کا دل خوش ہو جاوے اور نہایت فرحت حاصل ہو۔ باؤلی کی مغربی دیوار کی سطح کے برابر مسجد کا پختہ صحن ہے جس میں چوکے بچھے ہوئے ہیں۔ مسجد کا طول ۵۴ فٹ عرض ۲۱ فٹ اور بلندی ۲۲ فٹ ہے۔ مسجد تین دروں کی ہے جو ۹ فٹ - ۹ فٹ × ۷ فٹ - ۸ فٹ ہیں۔ چھت کے نیچے ایک بھاری چھجہ لگا ہوا ہے جو پتھر کے توڑوں پر لگا ہوا ہے۔ مسجد کی دونوں جانب چھت پر چڑھنے کا چھبیس چھبیس سیڑھیوں کا زینہ ہے۔ تمام عمارت پتھر اور چونے کی بنی ہوئی ہے۔ چھت پر ایک کوٹھی دار گنبد ۲۸ فٹ مربع اور ۲۲ فٹ بلند ہے۔ مسجد میں تین سیڑھیوں کا ممبر ہے اور فرش گچ کا ہے۔ لوگوں نے پکا پکا سادی مسجد کو اندر وار سے کالا بھٹ



نقشہ راجوں کی باین

کردیا ہے کیوں کہ مدتوں اس میں لوگ رہے ہیں۔
مسجد کے پیش طاق پر بسم اللہ اور تین سطروں میں اسمائے حسنی اور منبر کے پاس والی محراب پر ھو اللہ الذی لا الٰہ الا ھو عالم الغیب والشھادۃ تا ختم سورۂ حشر پارہ ۲۸ ہے۔ مسجد کے صحن میں پتھر کے ستون کھڑے کر کے ایک نہایت خوب صورت اور مستحکم کھلا ہوا چھپتر بنا دیا ہے جس میں ایک قبر ہے۔ اور باہر اس چھپتر کے ایک قبر اور ہے۔ دولت خاتون کی قبر سنگ خارا اور سنگ سرخ کی ہے جو نو فیٹ لمبی اور چھ فیٹ چوڑی اور دو فیٹ اونچی ہے اس پر کسی قسم کا کتبہ سوائے کلمۂ طیبہ کے نہیں ہے۔ البتہ مذکورۂ بالا برج کی پیشانی پر یہ کتبہ بخط نسخ ہے:۔

(۱) در عہد دولت ھمایون سلطان الاعظم المعظم المتوکل علی
(۲) الرحمان سکندر شاہ بن بہلول شاہ سلطان خلد اللہ ملکہ
(۳) و سلطانہ بناکرد این گنبد بندۂ امیدوار برحمت پروردگار
(۴) دولت خاتون احا قوم خواجہ محمد غرہ ماہ رجب سنہ اثنی عشر و تسعمائۃ

یہ چوکھنڈی ۱۸ - ۱۸ مربع ہے۔ چاروں طرف چار چار در ہیں ۳ - ۱۰ اُونچے چوڑے۔ گنبد کے اندر درود اکبر نہایت خوش خط لکھا ہوا ہے۔ دولت خاتون کون بیوی تھیں معلوم نہیں۔

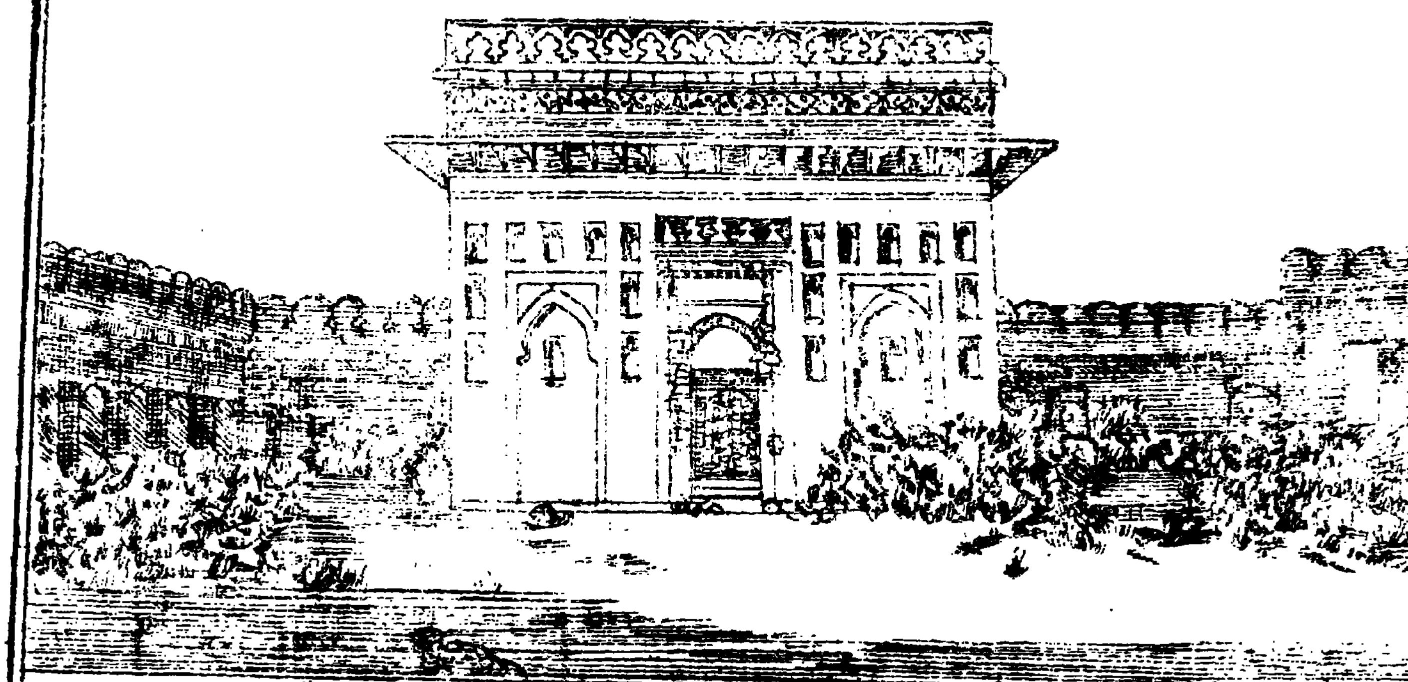
دو برج اس باؤلی کے پاس ہی ایک ٹیلے پر دو چوکھنڈی نما برج سنگ خارا کے بنے ہوئے ہیں۔

(۱) ۹ - ۹ مربع۔ اس میں چار قبریں گچ کی ہیں اور چاروں قبریں مردانی ہیں۔ با این ہمہ یہاں کے لوگ اس برج کو رضیہ بیگم کا برج کہتے ہیں حالاں کہ بیگم موصوف کی قبر دلّی میں ہے نہ کہ یہاں۔ یہاں کی ایک قبر پر سورۂ ملک اور سورۂ حشر کا آخری رکوع گچ میں کھدا ہوا ہے اور اسی طرح بیچ والی قبر پر آیۃ الکرسی ہے۔
(۲) اوپر والے برج کی طرح کا بارہ دروازوں کی باؤلی کے شمال میں ہے۔ برج کے اندر کوئی قبر نہیں ہے مگر باہر چبوترے پر متعدد پختہ قبریں ہیں۔ یہ دونوں برج بے پتہ اور نامعلوم ہیں۔

مولٰنا جمالی اور کمالی کی درگاہ اور مسجد ۹۳۵ھ ۱۵۲۸ء

> ہیہات من از کجا و ایں کار کجا
> در خورد من ضعیف ایں بار کجا
> اوصاف بزرگاں زشمار افزوں است
> در طاقت تقریر من زار کجا

شیخ فضل اللہ عرف جلال خاں جو حضرت جمالی کے نام سے مشہور ہیں۔ ایک بڑے سیاح۔ عالم متبحر۔ نامی گرامی شاعر اور اہل اللہ تھے جن کے علم و فضل اور تقدس کا شہرہ دور دور تھا۔ درگاہ آپ کی راجوں کی بائیں کے پاس پختہ بابر شاہ بادشاہ کے عہد کی بنی ہوئی ہے۔ آپ ایک بڑے باکمال شاعر تھے۔ مثنوی۔ غزلیں قصائد سب ہی کچھ کہتے تھے مگر قصائد آپ کے بڑے پُرمعنی اور پُرزور ہوتے تھے۔ آپ اول جلالی تخلص کرتے تھے پھر جمالی تخلص کرنے لگے۔ آپ مولٰنا سماءالدین علیہ الرحمہ کے مرید تھے۔ آپ کے حسن کلام کی وجہ سے دربار شاہی میں آپ کی بڑی وقعت تھی۔ آپ کے زمانے میں دہلی میں چار بادشاہ ہوئے۔ سکندر لودھی۔ ابراہیم لودی۔ بابر اور ہمایوں۔ سکندر لودی کے زمانے میں آپ کا نیّر اقبال چمک رہا تھا اور طوطی بول رہا تھا اور اُس زمانے کے اولیائے کاملین میں آپ کا شمار تھا۔ اگرچہ ہمایوں بادشاہ کے عہد میں آپ کی وہ بات نہ رہی تھی پھر بھی متوسلان شاہی میں آپ کا مرتبہ بلند تھا۔ آپ کو مذہبی مباحث میں یدطولیٰ حاصل تھا اور سب آپ کے آگے سرتسلیم خم کرتے تھے حتیٰ کہ علماء اور فضلائے دیگر بلاد بھی آپ کو مانتے تھے ۹۳۵ھ ۱۵۲۸ء میں آپ نے ایک مسجد اور یہ درگاہ اور پھر اپنا مقبرہ قطب صاحب کی پرانی بستی میں راجوں کی بائیں کے پاس بنوایا۔ یہ مسجد نہایت عمدہ اور بڑی شان و شوکت کی چونے پتھر سے بنی ہوئی ہے اُس کی خوبی وضع اور دل کشائی کا بیان نہیں ہو سکتا حقیقت میں یہ مسجد کسی زمانے میں بہت دل چسپ اور نہایت دل پسند ہوگی اس مسجد پر کوئی کتبہ یا تاریخ بنا نہیں اس سبب سے یقینی طور پر نہیں کہا جا سکتا کہ یہ مسجد کب بنی اور کس نے بنائی مگر یہ ظاہر ہے کہ درگاہ کے ساتھ کی ہے اور اُسی زمانے میں بنی ہوگی جب کہ درگاہ بنی۔ اس کی وضع قطع ہمایوں بادشاہ کے عہد کی عمارتوں سے بہت ملتی جلتی ہے اس لیئے قیاس کیا جا سکتا ہے کہ یہ مسجد



نقشہ درگاہ مولانا جمالی



نقشہ مسجد درگاہ مولانا جمالی

ہمایوں بادشاہ کے عہد کی بنی ہوئی ہے اور درگاہ کے ساتھ بنی ہے۔ اگرچہ یہ مسجد اب بیابان ہے مگر اگلے زمانے میں عین قطب صاحب کی آبادی میں واقع تھی چنانچہ اب بھی ٹوٹی پھوٹی حویلیوں کے کھنڈر اس کے اطراف میں موجود ہیں۔ آپ ہمایوں بادشاہ کے ساتھ گجرات تشریف لے گئے تھے اور وہیں ۱۰ ذی قعدہ ۹۴۲ھ میں آپ کا وصال ہوا۔ "خسرو ہند والے" آپ کی تاریخ وفات ہے۔ آپ کی نعش گجرات سے دلی لائی گئی اور جس حجرے میں آپ رہا کرتے تھے اُسی میں آسودہ ہیں۔ مسجد اور درگاہ کے احاطے گو علیحدہ علیحدہ ہیں مگر ملے ہوئے ہیں چنانچہ مسجد کی شمالی دیوار جو درگاہ کی جنوبی دیوار ہے درمیان میں راستہ بھی تھا جو اب بند کر دیا گیا ہے۔ صحن مسجد ۱۲۰x۶۰ ہے جس میں جانے کا دروازہ مشرق کی دیوار میں ہے جو حال کا نکالا ہوا معلوم دیتا ہے۔ قدیم دروازہ جنوبی دیوار میں تھا جو ایک جدید دیوار سے جو مشرقی اور مغربی دیواروں کو ملاتی ہے بند ہو گیا ہے۔ جمالی مسجد کی وضع قطع موٹھ کی مسجد جیسی ہے فرق صرف اتنا ہے کہ اول الذکر میں صرف ایک گنبد ہے اور آخر الذکر میں تین۔ جمالی مسجد کا گنبد لودیوں کے زمانے کی آخر طرز کا ہے۔ مسجد ۱۲۰ فٹ لمبی اور ۴۲ چوڑی اور ۳۳ اونچی

(۱) بسیار فاضل و با خرد و دیانت بوده در خوردی نام او جلال خاں بود و تخلص جلالی داشت چوں جوان شد باشارهٔ پیر خود شیخ سماء الدین جمال خاں نام و جمالی تخلص کرد۔ سیر العارفین از تصنیفات او ست و در زمان ابو الغازی سلطان حسین مرزا بخراسان رفته و تا آخر عمر مرزا بداں دیار گزرانیده در ہند مراجعت نموده مصاحب سلطان سکندر بود۔ بابر شاہ بادشاہ احترام او کماہی بجا می آورد و ہمایوں بادشاہ را بہ صحبت او میلے موفور بوده ہموارہ با او مجالست می نمود۔ از ابیات او ست:

ما را ز گرد کویش پیراہنیست بر تن — واں ہم ز آب دیدہ صد چاک تا بدامن

تاریخ رحلت از فخر الواصلین

محو ذات خدا جمالی بود — عاشق و مست لا اُبالی بود
شعر رنگین و تازہ اش بجہاں — ہست عشرت فزائے پیر و جواں
لقبش را بداں ز روئے یقیں — بود بے اشتباہ قمر الدیں
سال نقلش بعزت و تمکیں
خردم گفت ماہ خلد بریں ۔ ۱۲

۹۴۲

اس احاطے کے جنوب و مغرب کے کونے میں ایک حجرہ ہے جو غالباً خدام
کے لیئے بنایا گیا ہے اور یہیں وہ دروازہ تھا جس میں سے مسجد میں جانے کا
رستہ تھا جو اب بند کر دیا گیا ہے۔ حضرت کے مزار کے مشرق میں ایک وسیع
احاطہ ہے جس میں بہت سی قبریں ہیں حضرت کی قبر ۲ مربع اور ۲۱ اونچے حجرے
میں ہے جس کا دروازہ جنوب کی دیوار میں ہے۔ دروازے کے سامنے اور عمارت
کے گرد اگرد سنگین چھجہ ہے جس کے نیچے توڑے لگے ہوئے ہیں۔ اسی کے نیچے
حجرے کے اطراف ایک کاشانی اینٹوں کے کام کا پٹکہ ہے۔ حجرے کی سطح
چھت کے اطراف بھی رنگین نقاشی کا کام ہے۔ دروازے کے دونوں طرف
دو طاق ہیں جن کے اوپر چھوٹے چھوٹے طاق روشنی کے لیئے بنے ہوئے ہیں۔
حجرۂ شریف میں سنگ مرمر کا فرش ہے جس پر سنگ موسیٰ کی تحریر ہے۔ مغربی دیوار
میں ایک چھوٹا سا سنگ مرمر کا طاق قبلہ کی طرف ہے جس پر یہ کتبہ ہے:۔

لا الٰہ الا اللہ الملک الجبار محمد رسول النبی المختار۔ اللہ (۷ مرتبہ) شہد اللہ
انہ لا الٰہ الا ھو والملٰئکۃ واولوا العلم قائما بالقسط لا الٰہ الا ھو العزیز الحکیم
پارہ (۳) س آل عمران ع ۱۰۔ الملک الواحد القہار۔ لا الٰہ الا اللہ محمد الرسول اللہ
یا اللہ۔

شمالی اور مغربی دیواروں میں سنگ سرخ کی جالیاں لگی ہوئی ہیں۔
ان جالیوں کے دونوں طرف جہاں مغربی دیوار میں دروازہ اور دیوار دوز
محراب ہے روشنی اور ہوا کی آمد و رفت کے لیئے دو فیٹ مربع طاق بنا دیئے
ہیں۔ حجرے کی چھت اندر سے گنبددار ہے جس میں نہایت عمدہ مگر ضرورت سے
زیادہ نقش و نگار اور رنگ آمیزی ہے۔ حضرت کی قبر شریف حجرے کے بیچ میں
ہے۔ آپ کی داہنی طرف اور ایک قبر ہے جو آپ کے بھائی کمالی صاحب
کی کہی جاتی ہے۔ بائیں طرف ایک قبر کی جگہ خالی ہے۔ دونوں قبریں نہایت
شفاف سنگ مرمر کی ہیں جو بہت مجلیٰ کیا گیا ہے۔ قبروں کے تعویذ سیدھے
سادے چپٹے ہیں جن پر نہ کوئی نقش و نگار ہیں نہ کوئی کتبہ۔ درگاہ کے اندر گنبد
کے گرد چونے کی منبت کاری میں ذیل کی دو غزلیں آپ کی کہی ہوئی کھدی

ہی۔ چھت سے گنبد تک اور دس فیٹ کی بلندی ہی۔ مسجد پنج دری ہی۔ درمیانی محراب دیوار میں دو فیٹ اندر دار کو ہی جو ۳۰ فٹ بلند اور ۱۵ فٹ چوڑی ہی۔ دیوار دوز ستونوں کے سرے جہاں سے محراب شروع ہوتی ہی سنگ سرخ کے ہیں جن پر عمدہ نقش نگار ہیں۔ نہیں کہا جا سکتا کہ کبھی یہ ستون چھت تک بلند تھے یا نہیں۔ محراب کی اندرونی حصے پر بھی منبت کاری کے عمدہ نقش و نگار ہیں اور محرابوں کی پیشانی پر بھی خوش نما بیل بوٹے بنے ہوے ہیں اور سنگ مرمر اور سنگ سرخ کی پٹیاں پڑی ہوئی ہیں۔ محراب کے نیچے اُس دیوار میں جس میں بیچ کا دروازہ ہی ایک چھوٹی سی محراب دار کھڑکی ہی۔ اس کھڑکی سے تین چار فیٹ نیچے وہ دروازہ ہی جس کا ذکر اوپر آیا ہی جو ۱۴ فٹ بلند اور ۱۰ فٹ چوڑا ہی۔ اس دروازے پر بھی سنگ مرمر اور سنگ سرخ کی پٹیاں بیل بوٹے اور نقش و نگار ہیں۔ درمیانی محراب کی اِدھر اُدھر کی محرابیں ۱۳ فٹ اونچی اور دس فٹ چوڑی ہیں۔ بیچ کی محراب کی چھت دونوں جانب کی محرابوں کی چھت سے ۸ فٹ اونچی ہی۔ آخری بازو کی محرابوں کے دیوار دوز ستونوں میں دو طاق کم گہرے اور تین فیٹ اونچے ہیں۔ بیرونی دیوار دوز ستونوں کی نچلی محرابیں کھلی ہوئی ہیں اور ان میں سے مسجد پر چڑھنے کا زینہ ہی۔ چھوٹی محرابوں کی پیشانی پر بھی نقش و نگار ہیں جن میں بھورا اور لال پتھر لگا ہوا ہی۔ صحن مسجد میں چوکے نچھے ہوئے ہیں۔ پانچوں دروں کے جواب میں پچھیت کی دیوار میں بڑی بڑی دیوار دوز محرابیں ہیں۔ ان محرابوں میں سنگ مرمر کے ٹیکے اور نقش و نگار ہیں۔ بیچ کے حصے پر گنبد ہی جس کی چھت محراب دار ہی اور اطراف کے حصوں کی مسطح۔ درمیانی حصہ مربع ہی مگر اوپر جا کر ہشت پہلو ہو گیا ہی۔ درمیانی حصے کے کونوں کی مثلثی جگہ میں عمدہ نقش و نگار ہیں۔ مسجد کی عقب کی دیوار میں بھاری بھاری توڑے جگہ کو پُر کرنے کو لگا دیئے ہیں۔ صحن مسجد کے شمال و مغرب کے کونے میں کوئی ستر فیٹ مربع زمین فصیل نما احاطے سے محصور ہی۔ احاطے کی دیوار دس فیٹ اونچی ہی اور اسی میں مولنا جمالی کا مزار شریف ہی۔ یہ احاطہ بھورے پتھر اور گچ کا ہی جس میں جانے کے لیئے شمالی دیوار میں ایک پست دروازہ لگا ہوا ہی۔ تمام دیواریں طاق ہی طاق ہیں اور مغرب رُخ کی دیوار کے طاق کھلے ہوئے ہیں۔

ہوئی ہیں ۔

غزل

اگر بکفر کشد سر سیاہ کاری ما — بود بعفو تو چشم امیدواری ما
بآستان تو شرمندہ سگانِ توام — کہ شب قرار ندارد بآہ و زاری ما
اگر بپردۂ رازے تو محرمی یابم — نقر بفخر نماید بپردہ داری ما
بخاک کوے تو در چشم مرداں خوارم — بنزد اہلِ نظر عزت است خواری ما
ز ابر لطف تو شد ناپدید گرد گناہ — ولیک شستہ نشد داغ شرمساری ما
بروز ہجر تو در بیکسی و تنہائی — بجز ہمت نرسد کس بغمگساری ما

جمالیا بدر یار التجائی آر
کہ ہست بر در دلدار رستگاری ما

دوسری غزل

زحد گذشت بعشق تو بے قراری ما — امید ہست کہ رحم آوری بزاری ما
جمالِ عفو تو گر آمدے برون ز نقاب — اگر نہ روے نمودے گناہگاری ما
اگرچہ در خورِ قہریم از گنہ گاری — بود بلطف تو چشم امیدواری ما
بعزت جبروت و بحرمتِ ملکوت — رسیم گر بنوازی بخاکساری ما
اگر بپردۂ رازِ تو پردہ دار شویم — فرشتہ را نسزد جاے پردہ داری ما
زیک ترشحِ ابرِ کرم فروشوئی — غبار جرم ز رخسار شرمساری ما

نظر بسوے جمالی فگن ز روے عطا
ببیں بجانب سستی و خام کاری ما

قطعہ

اے رحمتِ تو از غضب برد گرو — در قہر ترا لطف تو فرمود برو
جاے کہ شد از خرمنِ عفوِ تو سخن — آں جا گنہِ خلق نسنجید بجو

سا تو مختصر ہے مگر بہت خوب صورت اور بالکل درست حالت میں ہے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ کل کی بنی ہوئی ہے۔ اندر فرش سنگ مرمر کے چوکوں کا ہے جس میں سنگ موسیٰ کی پٹیاں بچھی ہوئی ہیں۔ آپ کی قبر کا تعویذ ۶ فٹ ۵ انچ × ۳ فٹ ۸ انچ ہے دونوں قبریں ایک ہی وضع کی ہیں اوپر الله الله اور بیچ میں کلمۂ طیبہ لکھا ہوا ہے۔ حجرہ شریف اندر سے ۱۳ فٹ ۱۰ انچ مربع ہے۔ دیواروں پر خدا جانے کس نفاست سے چج کی ہے کہ شل آئینے کے منہ دکھلائی دیتا ہے۔ دیواروں پر نقش ونگار کے علاوہ گنبد کی چھت پر جو بہت بلند نہیں لاجوردی رنگ کے ایسے گل بوٹے نکالے ہیں کہ چمن کھلا دیا ہے اور رنگ ایسا پائدار ہے کہ ذرا پھیکا بھی تو نہیں پڑا معلوم ہوتا ہے کہ ابھی نقاش نے قلم دھرا ہے۔ درگاہ کے سامنے ۲۶½ × ۲۴½ فٹ کا چبوترہ کا بہت نفیس فرش ہے جس میں سفید اور گردے رنگ کی چھ انچ مربع ٹکلیں لگی ہوئی ہیں اور آج تک باوجود روندن کے یہ فرش جھلملا رہا ہے۔ سبحان اللہ کیسے بنانے والے تھے اور کیسے بنوانے والے۔ اسی فرش کے بیچوں بیچ ۲ فٹ کا حوض ہے جو اب پاٹ دیا گیا ہے۔

آپ کی درگاہ کا احاطہ بہت وسیع اور فصیل نما کنگورے دار ہے جس کا طول و عرض ۱۱۲ × ۹۸ فٹ اور اونچان ۲۰ فٹ ہے۔ ساری دیواریں طاق طاق بنے ہوئے ہیں۔ اتنے بڑے احاطے کے اندر پورا گچ کا فرش تھا جو سب ضائع ہو کر کہیں کہیں کوئی کوئی ٹکڑا رہ گیا ہے۔

سنگ سرخ کی چوکھنڈی

درگاہ کے احاطے کے اندر بجانب مشرق ایک چھوٹی سی مگر بہت سڈول چودری ۹ فٹ مربع چوکھنڈی ہے جس کے بیچ میں سنگ سرخ کی ایک زنانی قبر ہے جس کے دو طرف الله الله اور بیچ میں کلمہ ہے۔

دوسرا احاطہ

اوپر والی چوکھنڈی کے پاس ایک اور کنگورے دار ۱۰۰ × ۴۳½ فٹ طاق دار احاطہ ہے جس کی بلندی ۱۱ فٹ ہے۔ فرش پختہ تھا اب کہیں کہیں کنارے کنارے باقی رہ گیا ہے۔ اس میں بہت سی قبریں ہیں مگر سب بے نشان ہیں۔

مسجد

کا مفصل بیان اوپر آچکا ہے۔ بڑی بھاری اور عالی شان بڑے وسیع احاطے کے اندر یہ مسجد ہے عمارت کے دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ مکمل نہ ہونے پائی اور ادھوری ہی رہ گئی کیوں کہ دو در کتبوں سے خالی رہ گئے ہیں

مسجد میں دو طرفہ انتیس انتیس سیڑھیوں کا زینہ ہے۔ ممبر تک باقی نہیں۔ مسجد کا ممبر صرف روڑی کا رہ گیا ہے۔ داہنی طرف سے پہلے در پر (۱) لیس البران تولوا وجوھکم قبل المشرق والمغرب تا واولئک ھم المتقون۔ پارہ ۲۔ س بقر ع۔ یا ایھا الذین اٰمنوا کتب علیکم الصیام تا لعلھم یرشدون۔ پارہ (۲) س بقر ع

(۲) آیۃ الکرسی فمن یکفر تک۔ اور کلما دخل علیھا ذکریا المحراب تا ان اللہ یرزق من یشاء بغیر حساب۔ پارہ (۳) س آل عمران ۔ ۲ع

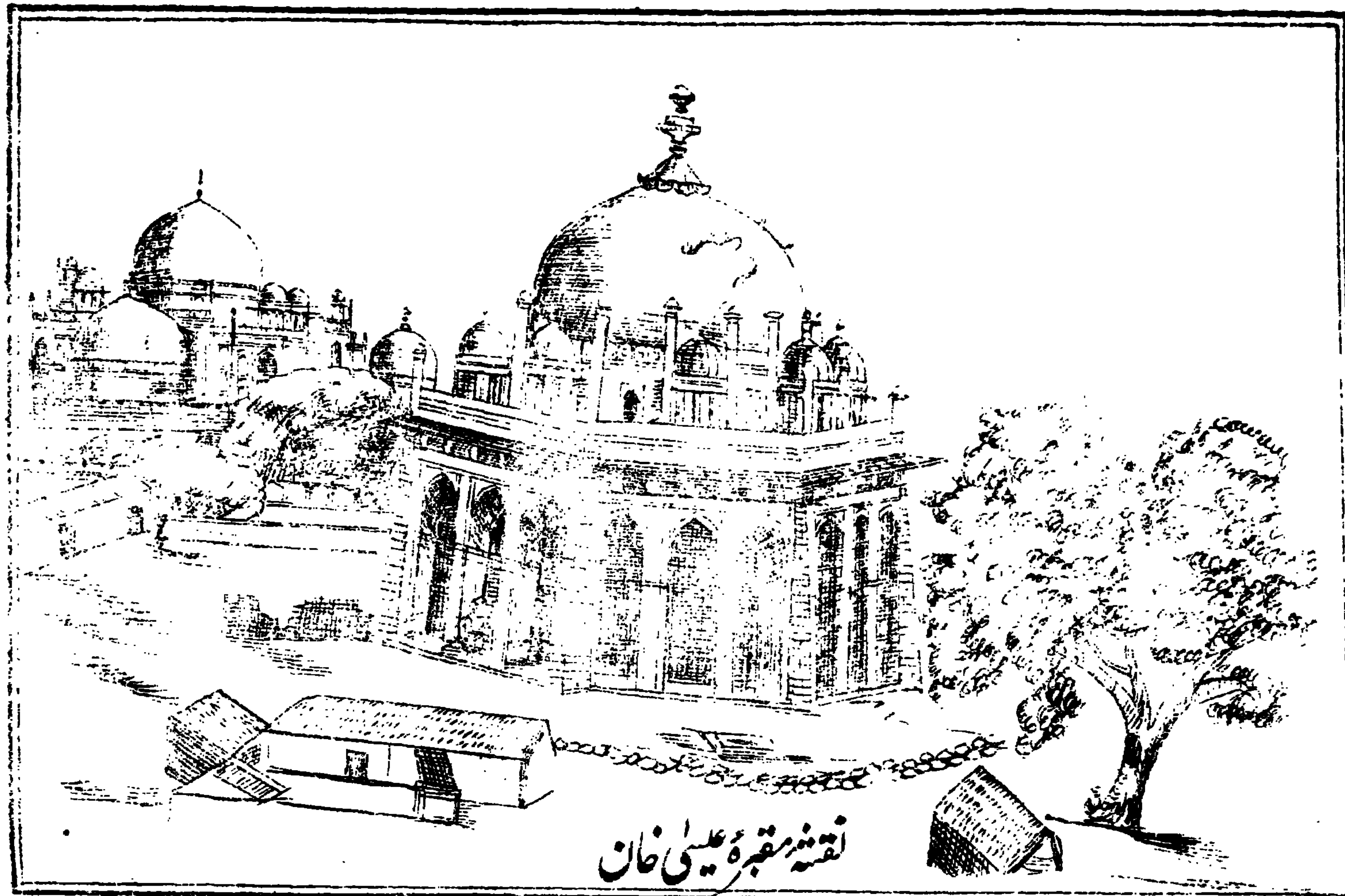
(۳) پیش طاق۔ وما جعلنا القبلۃ التی کنت علیھا تا ان اللہ بالناس لرءوف رحیم پارہ (۲) س بقر ۱ع۔ سبحٰن ربک رب العزۃ عما یصفون وسلم علی المرسلین والحمد للہ رب العلمین۔ پارہ ۲۳۔ س صفت ۹ع۔

باقی دو در کتبوں سے خالی رہ گئے ہیں۔ بیچ کی محراب سنگ مرمر کی ہے جس میں سنگ مرمر اور سنگ سرخ کی نہایت نازک اور نفیس مرغولیں بنی ہوئی ہیں۔ گو مسجد سنگ خارا کی ہے مگر باہر کی محراب کارو کار سنگ سرخ کا ہے۔ اور اس پر ایک بہت خوب صورت نشیمن سنگ سرخ کا بنا ہوا ہے۔

ایک برج مسجد کے شمال میں ایک اونچے ٹیلے پر سنگ خارا کا ایک ہشت پہلو برج بہت مضبوط بنا ہوا ہے جس کا قطر ۱۱½ ہے۔ اور ہر ضلع طول میں ۷ - ۸ ہے اور در کی بلندی ۶½ ہے۔ مگر اس میں کوئی قبر نہیں رہی صرف بن گھڑے پتھروں کا فرش باقی رہ گیا ہے۔ مسجد اور درگاہ کے گرد دور دور تک مکانوں کے کھنڈر ہیں مکانوں کی چار دیواری اور حجروں کی دیواریں کھڑی ہیں جن سے معلوم ہوتا ہے کہ جس طرح اب جنگل میں یہ درگاہ ہے پہلے اس کے گرد آبادی تھی۔

حضرت قطب الدین بختیار کاکی اوشی رحمۃ اللہ علیہ کی درگاہ

اے سرور اولیاے عالم
ای قبلۂ اصفیاے اکرم
روے تو کہ آفتاب حسن ست
پیدا شد از و ضیاے عالم



نقشۂ مقبرۂ عیسیٰ خان

حضرت خواجہ قطب الدین صاحب سید حسینی ہیں آپ کے نسب کا سلسلہ حضرت امام حسین بن علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ تک پونہچتا ہے۔ آپ کے والد ماجد کا نام نامی خواجہ کمال الدین احمد موسیٰ اوشی ہے۔ آپ اوش[1] ملک ماوراءالنہر کے رہنے والے تھے حضرت خواجہ قطب الدین جو عموماً خواجہ صاحب سے مخاطب کیئے جاتے ہیں بزرگان دین میں نہایت اعلیٰ مرتبہ رکھتے ہیں۔ حضرت صرف ڈیڑھ یا ڈہائی ہی سال کے تھے کہ آپ کے پدر بزرگوار نے انتقال فرمایا۔ آپ شہر بغداد میں امام ابو اللیث ثمرقندی کی مسجد میں بماہ رجب المرجب ۵۲۲ھ حضرت معین الدین حسن چشتی سنجری قدس سرہ العزیز کے مرید ہوئے اور مرتبہ خلافت پیران چشت سے حاصل کیا اور ایک مدت خواجہ بزرگ کے ساتھ بغداد شریف میں محنت وریاضت شاقہ کھینچی۔ جب خواجہ موصوف بغداد سے اجمیر شریف تشریف لائے تو بعد میں آپ بھی پہلے ملتان آئے بعد دہلی پونہچ کر آپ نے خواجہ بزرگ کی خدمت میں ایک عریضہ اشتیاقیہ لکھا حضرت نے جواب دیا کہ روحانی نزدیکی کو مکانی فاصلہ نقصان نہیں پونہچاتا اور نہ پونہچائے گا اے بابا بختیار تم کو دہلی میں رہنا چاہیئے چنانچہ آپ دہلی ہی میں رہے مگر تین بار آپ کی زیارت کو اجمیر تشریف لے گئے۔ سراج الاقطاب میں لکھا ہے کہ آپ ۵۸۴ھ ۱۱۸۸ء فتح دہلی سے پورے تین سال پہلے رای پتھورا کے زمانے میں ہندوستان تشریف لائے اُس وقت سن شریف بیس سال کا تھا اور آپ تحصیل علوم سے فراغ حاصل کر چکے تھے آپ کو دنیاوی معاملات یا امور سلطنت سے کسی قسم کا تعلق نہ تھا آپ کا مشرب ہمیشہ صلح کل رہا۔ سراج الاقطاب میں لکھا ہے کہ آپ کے تعلقات سلطان محمد غوری سے شگفتہ نہ تھے مگر سلطان شمس الدین التمش آپ کا بڑا معتقد تھا اُس کے زمان سلطنت میں آپ کا بڑا

---

[1] اوش بر وزن موش ولایت فرغانہ میں ایک قصبہ ہے مابین سمرقند اور اندجان کے۔ آپ کی علاقہ کے سال میں اختلاف ہے۔ کتب تواریخ سے آپ کی وفات یوم دوشنبہ ۱۴۔ ربیع الاول ۶۳۳ھ ۱۲۳۵ء میں ہوئی اور وفات کے وقت آپ کی عمر چوہتر سال کی ثابت ہوتی ہے بلکہ صاحب اسرار الاولیا لکھتے ہیں کہ سن شریف کچھ اوپر سو برس کا تھا کیوں کہ آپ کی ولادت ماہ رجب ۵۱۳ھ ہونا کہی جاتی ہے واللہ اعلم بالصواب۔

دور واقع تھا۔ پہلے پہل آپ نے پانی کے آرام کے خیال سے موضع کیلو کھری
میں لب آب قیام فرمایا اور کچھ دنوں وہیں رہے کہ شمس الدین التمش نے آپ کو
شہر میں لانے کی خواہش کی لیکن آپ نے انکار کیا مگر پھر بھی ہفتے میں دو مرتبہ
بادشاہ آپ کی خدمت میں بالالتزام حاضر ہوا کرتا تھا حالانکہ آپ کی اقامت کا فصل
پانچ کوس تھا۔ آخر بادشاہ بہت مصر ہوا اور آپ کو نہایت عجز و الحاح سے شہر
میں لایا اور اعزاز الدین کی مسجد کے پاس جو ایک پُر فضا اور مصفا مقام تھا آپ کو
ٹھیرایا۔ شہر کے چھوٹے بڑے سب خواجہ صاحب سے رجوع ہو گئے۔ تھوڑے
دنوں بعد مولنا جمال الدین احمد بسطامی شیخ الاسلام نے انتقال کیا۔
بادشاہ نے چاہا کہ یہ خدمت آپ کو دے لیکن آپ کو دنیاوی معاملات سے
کیا تعلق تھا آپ نے ہرگز قبول نہ فرمایا۔ آپ دلی ہی میں شامل ہوئے اور آپ
کے دونوں صاحب زادے سید احمد اور سید محمود صاحبان آپ
کے برابر ہی آسودہ ہیں بڑے صاحب زادے کا مزار تو کٹہرے کے اندر آپ کے
برابر ہی ہے اور چھوٹے صاحبزادے کا کٹہرے کے باہر آپ کی پائینتی۔ بڑے صاحبزادے
سید احمد بڑے صاحب جذبات و کمالات گزرے ہیں۔ سید محمود نے عالم طفلی
میں سات سال کی عمر میں ہی انتقال فرمایا۔ حضرت خواجہ صاحب کے مزار کے
سرہانے خواجہ عبدالعزیز بسطامی اور پائینتی قاضی حمید الدین ناگوری۔ مولنا بدرالدین
غزنوی اور امام الدین ابدال حضرت ضیاءالدین دست غیب خواجہ صاحب کی صاحبزادی
کے صاحب زادے خواجہ شرف الدین بقال اور بہت سے بزرگان دین کے
مزارات ہیں۔ آپ کو حضرت خواجہ خضر سے عالم رویا میں ملاقات ہوئی تھی۔ آپ
کے کمالات خوارق عادات۔ کراستوں، غیب گوئیوں کی بہت سی روائتیں مشہور
ہیں مگر آپ نے خود کبھی اپنے کشف و کرامات کا اظہار نہیں فرمایا۔ آپ جب تک
زندہ رہے مرجع خاص و عام رہے اور گو کہ آپ کے جنازے کو بادشاہ وقت
نے کندھا دیا مگر آپ کے بے شمار مریدیں اور معتقدین کو جو عقیدت آج تک
ہے اُس کے مقابلے میں یہ امر کوئی قابل فخر بات نہ تھی۔ آپ نے اپنے وصال
کے وقت اپنا جبّہ اور عصا اپنے مرید اور خلیفہ حضرت فرید گنج شکر کے پاس

بمقام پاک پٹن جو ملتان کے قریب ہے بھیج دیا۔

روایت ہے کہ جب ایک بار حضرت خواجہ معین الدین چشتی اجمیر سے دہلی اس ضرورت سے تشریف لائے کہ آپ کے دو صاحب زادوں کا علاقہ اجمیر میں ایک گاؤں تھا وہاں کا تعلقہ دار تنخواہ دینے میں آپ کو ستاتا تھا۔ آپ نے صاحب زادوں کی خاطر دہلی چل کر بادشاہ سے مشاہرہ لانے کی آمادگی ظاہر فرمائی۔ خواجہ بزرگ دہلی تشریف لائے اور حضرت قطب صاحب ہی کے مکان پر تشریف فرما رہے قطب صاحب نے فرمایا کہ آپ کو بادشاہ کے دروازے پر جانے کی کیا ضرورت اور میں نہیں چاہتا کہ ذرا سی بات کے لیئے آپ وہاں تک تکلیف فرمائیں یہ کام تو میں بھی کر سکتا ہوں۔ مختصر یہ کہ آپ بادشاہ کے پاس گئے۔ بادشاہ تو آپ کی ملاقات کا بھوکا ہی تھا آپ کی تشریف آوری کو بسا غنیمت سمجھا اور بہت خوش ہوا اور اُسی وقت مقرر مشاہرے کی اشرفیوں کی تھیلیاں نذر کیں۔ اُسی مجلس میں رکن الدین حلوائی حاکم خطہ اودھ بھی آیا اور حضرت کے بلند مرتبے پر بیٹھا بادشاہ کو یہ سوء ادبی ناگوار معلوم ہوئی آپ نے تاڑ لیا اور خندہ پیشانی سے فرمایا کہ جس وقت حلوا اور کاک موجود ہوتا ہے تو ہمیشہ حلوا کاک کے اوپر رہتا ہے پس اگر حلوائی کاکی سے اوپر بیٹھ گیا تو کیا بُرا ہوا۔

حضرت قطب صاحب فرماتے ہیں کہ جب حضرت خواجہ معین الدین صاحب دلی تشریف لائے اُس وقت شیخ نجم الدین صغرا دلی کے شیخ الاسلام تھے اور خواجہ بزرگ سے اُن سے قدیم روابط ملک خراسان سے تھے اور آپ کی طبیعت میں چوں کہ انکسار بہت تھا آپ بے تکلف اُن سے ملنے چلے گئے وہ ایک چبوترے کے بنوانے میں مصروف تھے ان کی طرف متوجہ نہ ہوئے۔ آپ نے نزدیک جاکر السلام علیکم کہا اور کہا کہ شاید تم کو شیخ الاسلامی کا گھمنڈ ہے جو قدیم دوستوں سے یوں بے رُخی کرتے ہو۔ نجم الدین نے بہت کچھ معذرت کی اور کہا کہ معاف کیجئے میں نے دیکھا نہیں ورنہ میں وہی بندہ معتقد اور مخلص ہوں مگر آپ نے اس شہر میں ایک ایسے مرید کو چھوڑا ہے کہ اُن کے سامنے میری خدمت ہیچ ہے۔ آپ مسکرائے اور فرمایا کہ "خاطر جمع رکھو میں بابا قطب الدین

تو اپنے ساتھ اجمیر لے جاؤں گا۔ خواجہ بزرگ نے چند سے دلی میں اقامت فرما
مراجعت کا قصد فرمایا اور قطب الدین صاحب سے فرمایا کہ "بابا بختیار وقت تو
شہر میں مشہور ہوا کہ بعض لوگ تجھ پر رشک کرتے ہیں اُٹھ اور میرے ساتھ چل"
آپ نے بھی حضرت کے ساتھ اجمیر جانے کا تہیہ کر لیا۔ یہ خبر مثل برق صاعقہ
کے پھیل گئی جس سے دلی میں ایک تہلکۂ عظیم برپا ہو گیا اور لوگوں نے حضرت
معین الدین کے حضور میں واویلا اور منت سماجت کی کہ حضرت کو دلی ہی میں
رہنے دیا جائے کہ جن کے دم قدم کی برکت سے ہم لوگوں کی جان میں جان ہے
شہر میں برکت ہے۔ یہاں تک کہ سلطان شمس الدین التمش یہ خبر سن کر پیادہ حضر
کی خدمت میں دوڑا ہوا آیا۔ چوں کہ ایک جم غفیر کی یہ خواہش تھی حضرت
معین الدین نے یہ درخواست قبول فرمائی اور خواجہ بزرگ نے آپ کی مفا
میں تمام شہر کا حال ایسا مضطر و پریشان دیکھا تو فرمایا کہ "بابا قطب الدین تم یہیں
قیام کرو میں نہیں چاہتا کہ تمھاری آتش جدائی میں خلق خدا کے دلوں کو کباب کر دوں
جاؤ اس شہر کو ہم نے تمھاری پناہ میں سپرد کیا۔" قطب صاحب نے بھی قصد روانگی
ملتوی فرمایا اور پھر آپ نے یہیں اقامت فرمائی اور یہیں آپ کا وصال ہوا۔
آپ سے لوگوں کی حسن عقیدت اس درجے بڑھی ہوئی تھی کہ اب تک بھی آپ کا
مزار مہبط انوار الٰہی ہے۔ سبحان اللہ عجب مکان پُر نور اور مقام کرامت نشور اور
آستانۂ فیض گنجور اور بارگاہ سراسر سرور ہے کہ ہر در و دیوار اُس کا مطلع خورشید
سعادت اور ہر گوشہ اُس کا مشرق انوار ہدایت ہے۔ ہر سنگ اُس کا سجدہ
سبحان بیت المعمور اور ہر ذرہ اُس کا بصیرت افزائے دیدۂ تجلی طور۔ ہر طرف
رداے شوارق رحمت رحمانی نور افشاں اور ہر جانب رشحات سحاب لطف
یزدانی فیض رساں۔ باوجودیکہ مزار آپ کے زیر سما ایک انبار گل ہے مگر
اُس کی خوشبو سے شمیم گل و بوئے مشک خجل ہے اور باوصف کہ تربت
کچھ گنبد و آرائش نہیں لیکن اُس کی عظمت و جبروت سے بارگاہ سلطانی
اور شوکت خرگاہ آسمانی منفعل ہے۔
تاریخ سلاطین افاغنہ میں احمد یادگار راوی ہیں کہ محمد عادل شاہ سور کا سپا

ہیمو بقال جب دہلی سے مغلوں کے مقابلے کو نکلا تو وہ آپ کے مزار پر حاضر ہوا اور منت مانی کہ اگر وہ دہلی فتح کرے گا اور مغلوں کو پسپا کر کے دہلی کے تخت پر متمکن ہو جائے گا تو وہ قبول اسلام سے مشرف ہوگا۔

جب آپ کے وصال کی خبر پاک پٹن میں پہنچی تو حضرت فرید شکر گنج دہلی تشریف لائے اور حوض شمسی کی مٹی لاکر آپ کی قبر پر ٹوکریاں بھر بھر کر ڈالیں چنانچہ آپ کی قبر شریف آج تک خام ہے بلکہ اس کا یہاں تک اہتمام و احترام ہے کہ ان ٹوکریوں کی مٹی کو اسی طرح چھوڑ دیا ہے سطح کو ہموار تک نہیں کیا۔ انھیں پر ایک سفید غلاف پڑا رہتا ہے۔

حضرت کے مزار کے گرد سنگ مرمر کا ایک نہایت نفیس جالی دار کٹہرا ۱۲ - ۹ ادبجا ۸ آمدہ ۱ پ سر خورشید جاہ بہادر نے نصب کرایا ہے۔ کٹہرے کی نفاست کا کیا پوچھنا مگر کتبہ جو لگایا ہے وہ ایسا بد خط ہے کہ اس نے کٹہرے کو بھی عیب لگا دیا۔ حالانکہ نواب صاحب مرحوم و مغفور نے حضرت نظام الدین اور روشن چراغ دہلی کی درگاہوں میں بھی کٹہرے لگوائے ہیں ان پر تو بہت خوش خط کتبے ہیں اور ضرور ہے کہ یہ کٹہرا بھی جب ہی لگایا ہوگا مگر کتبہ غالباً بعد میں بے توجہی سے کھدوایا ہے اور وہ یہ ہے:

"گذرانیدہ غلامانِ غلام قدی محی الدین بہادر شمس الامرا
امیر کبیر خورشید جاہ بست ویکم ماہ صفر المظفر ۱۳۰۰ ہجری"

حضرت کے مزار کے سرہانے دیوار میں بطور چراغ دان کے ایک طاق بنا ہوا ہے اس پر یہ خوش خط کتبہ ہے۔

۷۸۶

تاج

لا الٰہ الا اللہ محمد الرسول اللہ

جانشین سلطان الہند غریب نواز خواجہ معین الدین
خواجہ قطب الدین بختیار اوشی کاکی چشتی ر ح

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

یا اللہ بخش

جام شراب الفت انا کہ بر کشید ند   با وند جاں بیازی گری گر آید

چراغ دان مزار مبارک حضرت قطب الاقطاب صاحب رحمۃ اللہ علیہ
۱۴ ربیع الاول ۱۳۴۵ھ

[illegible] از دہلی ۸ ربیع الاول ۱۳۳۲ھ
محمد حسین سنگ تراش
اکبر آبادی

آپ کے سرہانے ایک اور وسیع احاطہ ہے اس میں بھی متعدد قبور بزرگان دین اور آپ کے معتقدین کی ہیں۔ اس احاطے میں بڑے بڑے چار درخت کھرنی کے بہت پرانے ہیں کہتے ہیں کہ حضرت خواجہ مخدوم جہانیاں جہاں گشت کے لگائے ہوئے ہیں بہر حال ہیں بہت پرانے۔ ان کا گھنا سایہ گرمی میں بڑا لطف دیتا ہوگا۔

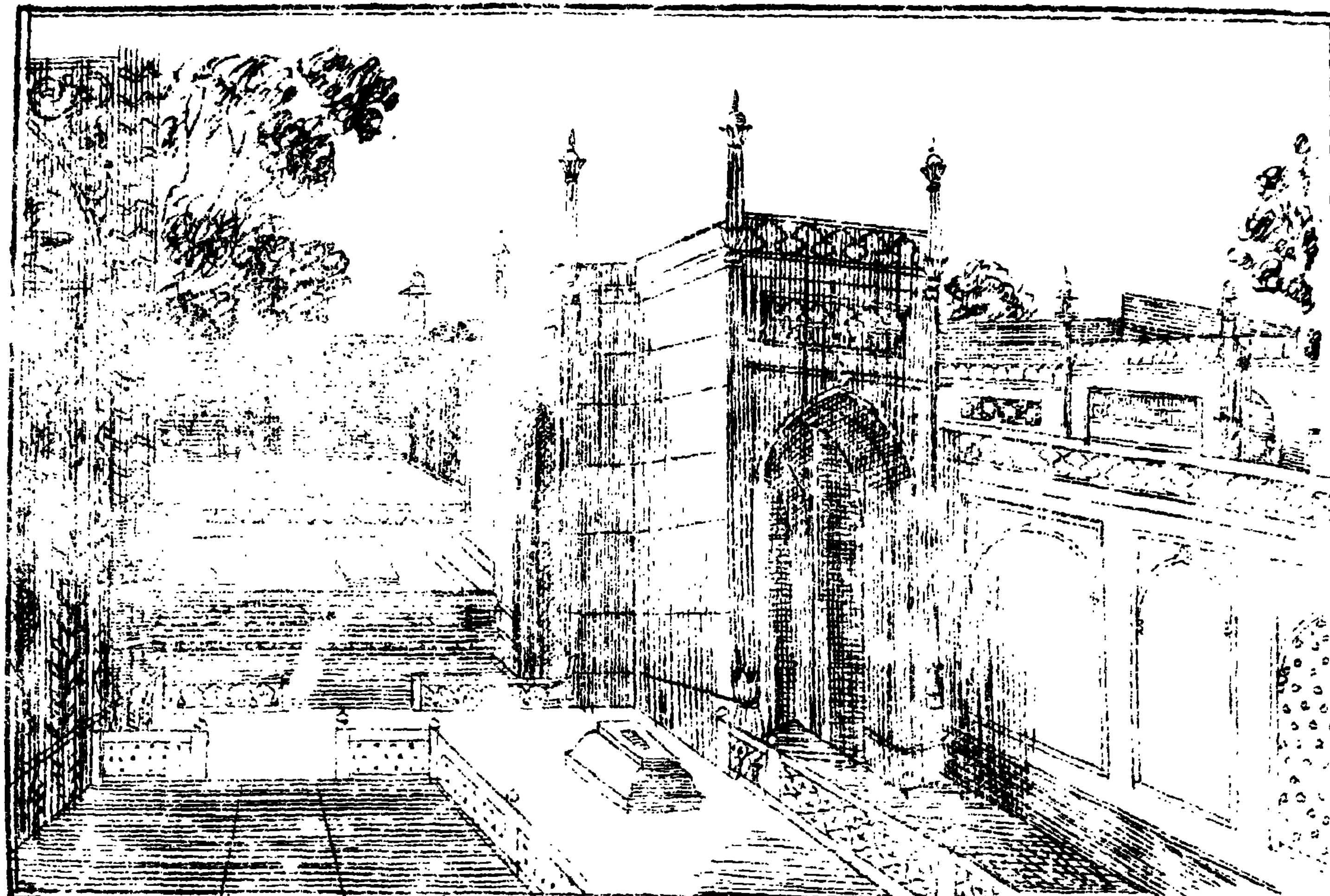
دروازہ متصل مجلس خانہ ۹۴۸ھ ۱۵۴۱ء

۹۴۸ھ ۱۵۴۱ء میں بزمان سلطنت شیر شاہ جلیل الحق نامی ایک بڑے امیر وقت نے آپ کی قبر کے اطراف ایک وسیع احاطہ کھنچوایا اور شمال کی طرف ایک دروازہ بنوا کر یہ کتبہ نصب کیا:۔ (اشعار بر دروازہ متصل مجلس خانہ)

در زمانِ آفتاب چرخ دولت شیر شاہ — شاہ را ارباب کوکب موکب گردوں غلام
ایں عظیم القدر درگاہے کہ اندر باب او — صادق آمد قول ہذا الباب من دار السلام
بود بست و چار و نہصد سال از ہجرت کہ شد — زاہتمام شیخ دیں پرور جلیل الحق تمام

اب یہ دروازہ بسنتی دروازہ کہلاتا ہے۔ دروازہ تو کچھ بڑا عالی شان نہیں ہے۔ اسی دروازے سے بسنت چڑھتی ہے اس سبب سے یہ نام مشہور ہوگیا۔ ۱۴ اور ۱۵ ربیع الاول کو بزمان عرس شریف غلاف خوشبوئیں وغیرہ اسی دروازے سے چڑھتی ہیں۔ اسی دروازے کے پاس سماع خانے کی قدیم عمارت تھی جو اب شکستہ ہو کر سوائے وسیع احاطے اور ایک شاندار گنبددار دروازے کے کچھ باقی نہیں رہا۔ اس احاطے میں اب صرف قبریں ہی قبریں ہیں بسنتی دروازے میں سے ایک چالیس گز لمبی گلی چلی گئی ہے جو مکانوں کی پچھیت کی دیواروں اور صحن درگاہ کی دیواروں سے بن گئی ہے۔ اس گلی کے سرے پر چھ سیڑھیاں چڑھ کر مولانا فخر الدین کے دروازے میں ہم داخل ہوتے ہیں۔ آپ شاہ عالم کے زمانے کے ایک بڑے امیر تھے۔ اس دروازے کے ایک جانب تین اور دوسری طرف ایک حجرہ ہے جو خدام

سلہ مبارک پور کوٹلے کے متعلق دار رہتے تھے ۱۲



نقشہ دروازہ درگاہ حضرت خواجہ قطب الاقطاب مع مزار مولانا فخر الدین

عکس دروازہ اندرون مع دروازہ بیرون

مقبرہ مزار مولانا فخر الدین

لے بنانے کے لیے بنے ہوئے ہیں۔

دروازہ جانب احاطہ ملا موج
۱۵۵۴ء ۹۶۱ھ

دس برس بعد سلیم شاہ کے عہد میں یوسف خاں نے ایک اور دروازہ ۱۵۵۴ء ۹۶۱ھ میں بنوایا جواب صدر دروازہ ہے اور جس پر یہ کتبہ ہے۔

اشعار بر دروازہ جانب احاطہ ملا موج

در زمان شہ جہانِ اسلام	شد بلندی در سپہر جناب
گرچہ صد ہست باب جنت را	لیس باب بمثل ہذا الباب
کرد شخصے بنا کہ در یابش	یوسف ثانی از حق است خطاب
چوں ز تاریخ نام کردم عرض	گفت "درگاہ خواجہ اقطاب"

اس دروازے کا نام مالن دروازہ مشہور ہے جو درگاہ کی مشرق جانب تھا۔ مالن دروازہ اس سبب سے کہلاتا تھا کہ ادھر سے کوئی مالن پھول اور چادر وغیرہ چڑھانے آیا کرتی تھی۔ اب یہ دروازہ گر گیا ہے اس سبب سے یہ کتبہ یہاں سے نکال کر صحن مسجد کے سامنے جو تین حجرے توشے خانے کے بنے ہوئے ہیں اُن میں سے بیچ والے حجرے کی پیشانی پر لگا دیا ہے۔

نوابان جھجر کی ہڑوار

بستی دروازے میں داخل ہونے کے بعد سیدھے ہاتھ کی طرف مجلس خانے کے دروازے کے ملحق ایک احاطہ ۷۵×۵۷ فٹ کا ہے جو جھجر کے نوابوں کی ہڑوار ہے۔ اس احاطے کے اندر مغرب میں ایک چھوٹی سی تین دروں کی مسجد ہے اسی کے صحن میں یہ ہڑوار ہے۔ اسی احاطے میں مسجد کی پشت پر ایک مکان تین در اور دو کوٹھریوں کا ہے جس کے صحن میں ایک برجی بھی بنی ہوئی ہے صحن مسجد کے مشرق میں سنگ مرمر کے دو نفیس چبوترے ہیں۔ دونوں آٹھ آٹھ × ۱۰ فٹ ۳ انچ طول و عرض میں اور دو فیٹ اونچے ہیں۔ دوسرے چبوترے کے گرد سنگ مرمر کا ایک جالی دار کٹہرا ایک فٹ اونچا ہے۔ پہلے چبوترے پر دو قبریں ہیں ایک جھجر کے پہلے نواب نجابت علی صاحب کی اور دوسری اُن کی بیوی کی۔ یہ

نجابت علی [illegible] کے [illegible] صاحب کی تھی
چبوترے پر نجابت علی خاں کے صاحبزادے میر فیض محمد خاں کی قبر ہے جس
پر سنگ مرمر کی لوح پر بہ خط نستعلیق نہایت خوش خط یہ کتبہ ہے:۔

لا الہ الا اللہ محمد الرسول اللہ

نواب چوں گذشت ازیں ایماں سرائے | از جوشش درد و غم ہمہ عالم بہم زدم
تاریخ رحلتش سر لوح مزار او | آرام گاہ فیض محمد الم زدم

۱۲۵۰ھ

اس قبر کی داہنی طرف ایک اور سنگ مرمر کی ایسی ہی قبر ہے مگر اس کے گرد نہ کٹہرا ہے نہ لوح۔ یہ قبر میر فیض علی خاں کی ہے جو نواب عبدالرحمٰن خاں ججھر کے آخری نواب کے والد تھے۔ عبدالرحمٰن خاں کو ۱۸۵۷ء کے غدر میں بعلت بغاوت پھانسی دی گئی تھی جن کی نعش کو سرکار نے اُن کی ہڑواڑے میں دفن کرا دیا۔ اس کے علاوہ اس احاطے میں اور بہت سی قبریں ہیں۔ صحن مسجد سے شروع کریں تو پہلی لین میں تین قبریں ہیں (۱) چبوترا اور قبر سنگ مرمر۔ (۲) سنگ سرخ کی۔ (۳) ایک پست قبر گچ کی دوسری لین (۱) سنگ سرخ کے چبوترے پر دو قبریں سنگ مرمر کی۔ دوسرا چبوترا سنگ مرمر اُس پر دو قبریں جن میں ایک سنگ مرمر کی ہے۔ ان دونوں چبوتروں کے بیچ میں ایک زمین دوز قبر۔ تیسرا چبوترا سنگ سرخ کا اُس پر ایک قبر۔ تیسری لین۔ صحن مسجد پر ایک قبر گچ کی صحن سے اُتر کر تین چبوترے سنگ مرمر کے ہیں جن پر نوابان ججھر کی قبریں ہیں اسی لین میں چوتھی قبر گچ کی ہے اور پانچویں قبر سنگ مرمر کی سنگ سرخ کے چبوترے پر ہے۔ چوتھی لین۔ سات قبریں پانچویں لین۔ چار پختہ دو خام قبریں۔ اس لین کی کونے والی قبر پر جو گچ کی ہے یہ لوح لگی ہوئی ہے:۔

ہو القیوم

فرشتہ خصلت و عصمت پناہ و مرتبت عالی
ہوئی واصل بحق از حکم رب پاک بیہمتا
جو پوچھا اس حسن رضواں سے اس کا ز سر بخشش
زہی جنت میں ممتاز النسا گئی بولا

۱۳۰۹ھ

احاطہ تعمیر ہونے کا ہے۔ احاطہ کے بیچ میں نیم کا ایک بہت پرانا درخت ہے

شاکر خاں کا دروازہ ۱۱۱۷ھ

مولنا فخر الدین کے دروازے کے اندر داخل ہوتے ہی پہلے تو ایک کھلا ہوا پتھر کے صحن کا فرش ملتا ہے جس کے آگے کوئی بیس گز کے فاصلے سے ایک اونچی دیوار میں ایک دروازہ نصب ہے اور داہنی طرف ایک اور محراب دار دروازہ ہے جس کو ۱۱۱۹ھ میں بعہد شاہ عالم بہادر شاکر خاں نے بنوایا۔ اب یہ دروازہ بادشاہی دروازہ اس وجہ سے کہلاتا ہے کہ بادشاہی دروازے کے پاس ہے جس کا ذکر آگے آتا ہے۔ اس دروازے کی پیشانی پر یہ کتبہ ہے:

اشعار بر دروازہ غربی

خلقے کہ دریں گنج سعادت می رفت آخر گہر شار شاکر خاں سفت

گفتم چہ نویسیم رقم تاریخش رضواں بہ دواسرار در جنت گفت

خواجہ نور المخاطب بہ معتمد خاں کی قبر ۱۰۸۴ھ

شاکر خاں کے دروازے کی داہنی جانب محراب دار دروازے میں داخل ہونے سے اول ایک دوسرا احاطہ ۷۵ × ۳۰ فٹ ہے۔ جس کی چار دیواری سنگ سرخ کی دس فٹ بلند ہے جس کے اوپر دو فٹ اونچا اور کنگورا بھی ہے۔ سرتھیافلس مٹکاف کی قبر جو دہلی کے سینٹ جیمس کے گرجا میں بنی ہوئی ہے کہتے ہیں کہ اُس کا تعویذ پہلے جھجر کے نواب نے اپنے لیئے خرید اتھا مگر ۱۸۵۷ء کے غدر سے معاملہ درہم برہم ہوگیا اور ایک مسلمان کی قبر کا تعویذ انگریز کی قبر پر نصب کر دیا گیا۔ اس احاطے میں اب معتمد خاں کی قبر ہے جو اورنگ زیب کے عہد کا ایک خواجہ سرا تھا جس کا اصلی نام خواجہ نور تھا جو قلعہ جات گوالیار و آگرے کا قلعہ دار بھی تھا۔ اس احاطے کے دروازے کی پیشانی پر سنگ مرمر کی ایک تختی پر ایک ایک مصرعہ بخط نستعلیق نہایت خوش خط کندہ ہے کل دس تختیاں ہیں۔

بعہد سلطنت شاہ عالمگیر محی الدین کہ از عدلش بعہد امن باشد الشی و جانی

گزیدہ معتمد خاں خاکپائے شاہ قطب الدین کہ از یمن جوارش ہست چشم عفو یزدانی

نو بنو از فرقش ہر کس تجلی یاب می گردد — شود حشر از جمال جبہ اش چون ماہ نورانی
مکن لس عفو کن یارب زمین قرب آمد اش — شود ساز رحمش راہ نور قطب ربانی
سوال سال تعمیرش چہار گرد و بیان کردم — جواب آمد الٰہی عاقبت مسعود گردانی

اس قبر کا تعویذ بالکل سادا سودا سنگ مرمر کا تین فٹ اونچا اور تین فٹ اونچے چبوترے پر ہے۔ اس احاطے کے مغرب جانب پانچ دروں کی ایک مسجد ہے جو ۲۶ فٹ لمبی اور ۱۳ فٹ چوڑی ہے جس کے صحن میں پتھر کا فرش ہے صحن ۵۰ × ۵ فٹ چوڑا ہے۔ اس احاطے میں اور چار قبریں شاہزادہ مرزا الٰہی بخش صاحب کے خاندان کی ہیں۔ جو مرزا ثریا جاہ کے والد تھے۔ اس احاطے کے اندر بیچوں بیچ میں ایک بہت پرانا نیم کا درخت ہے جو قبروں پر سایہ کیئے ہوئے ہے۔

مراد بخش کا حجرہ سنہ ۱۲۱۵ھ

بادشاہی دروازے کے پاس یہ حجرہ ۳۶ × ۲۶ فٹ ہے جس کے اطراف سنگ سرخ کی جالیاں لگی ہوئی ہیں۔ حجرے کے اندر چھوٹی سی سہ دری اور ایک مختصر سی خانقاہ وہ بھی سہ دری بنی ہوئی ہے۔ اس خانقاہ میں ایک حجرہ بھی ہے۔ حجرے کے اندر چار قبریں ہیں جن میں سے ایک سنگ مرمر کی ہے۔ دو قبریں سنگ مرمر کے تعویذ کی ایک سنگ سرخ کے کٹہرے کے اندر ہیں جس کا چبوترا سنگ مرمر کا ہے۔

اس حجرے کے رو کار پر یہ کتبہ ہے۔

پیر دستگیر	اللہ و محمد علی فاطمہ حسن حسین علیہ السلام	غوث الاعظم
در عہد جہاں پناہ شاہ عالم صد شکر مراد بخش با صدق و صفا	تعمیر شود خانقاہ و مسجد پیش درگاہ قطب دین و دنیا	تاریخ ز عقل چون بجستم گفت این مسجد و خانقاہ او کرد بنا ۱۲۱۵

مراد بخش کے حجرے کے پاس ایک پختہ حوض ۲۵ فٹ مربع چار فیٹ عمیق بیچ میں فوارہ بندش سنگ سرخ کی ہے۔ کہتے ہیں کہ جب بادشاہ زیارت کو تشریف لاتے تھے تو اسی حوض پر وضو کر کے درگاہ شریف میں داخل ہوتے تھے۔

۱۔ نون اور شین کے نقطے اصل میں نہیں ہیں ۔ م۔

گل چشم خاں کی مسجد

مراد بخش کے مجرے سے ذرا آگے بڑھ کر گل چشم خاں کی مسجد ۳۰-۳ ۱/۲ × ۲۶ ۱/۲ باہر سے ہے۔ دالان کا عرض ۱۱ آ ۱/۲ ہے اس میں کوئی خاص بات نہیں۔

مولنا فخر الدین کا مزار ۱۱۹۹ھ

معتمد خاں کے احاطے کی بائیں جانب دروازے کے اندر ۳۵ لمبی اور ۶ فیٹ چوڑی ایک ڈھلواں گلی ہے جس کا ڈھلاؤ شمال سے جنوب کی طرف پورے چار فیٹ کا ہے۔ داہنی جانب قطب صاحب کے مزار مبارک کے احاطے کی سنگ مرمر کی دیوار ہے اور بائیں طرف حضرت کی مسجد کی پشت کی دیوار ہے۔ اس گلی کے سرے پر ایک سنگ مرمر کا دروازہ ہے جس کی سیدھی جانب مولنا فخر الدین کا مزار ہے آپ مولنا نظام الدین اورنگ آبادی کے صاحب زادے اور خلیفہ ہیں آپ کی ولادت ۱۱۲۶ھ میں بمقام اورنگ آباد دکن ہوئی۔ آپ کا سلسلہ نسب شیخ شہاب الدین سہروردیؒ تک پہنچتا ہے۔ آپ کی والدہ ماجدہ سید محمد گیسودرازؒ کی اولاد میں سے ہیں جن کا مزار پُر انوار گلبرگہ شریف میں ہے۔ آپ اورنگ آباد میں پیدا ہوئے مگر پھر دلی میں آن سے تحصیل علوم الٰہی کے بعد یاد الٰہی میں قدم بڑھایا۔ سرگروہ کاملین میں سے ہوے۔ تہتر سال کی عمر میں ۲۷ جمادی الثانیہ ۱۱۹۹ھ کو انتقال کیا۔ آپ کی قبر زیر سما ہے۔ چبوترا سنگ مرمر کا ۱۵ آ ۱/۲ × ۸ - ۹ اور ڈہائی فیٹ اونچا ہے جس کے گرد نہایت خوب صورت جالی دار کٹہرا ایک فٹ اونچا ہے۔ آپ کے مزار کے سرہانے یہ کتبہ ہے۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم لا الہ الا اللہ محمد الرسول اللہ۔ اللہم صلی علی محمد وعلی آل محمد

بگذاشت فخر دیں چوں جہاں سرائے فانی ۔۔۔ بنہاستانہ جاداد آں قطب جاودانی
سال وصال آں ماہ از غیب چوں بجستم ۔۔۔ تاریخ گفت ہاتف خورشید دوجہانی
۱۱۹۹

من کلام سید الشعرا مقبول الٰہی ۱۲۲۳ھ

آپ ہی کی چبوترے پر ایک چھوٹی سی قبر سلطان التارکین شمس الدین التمش کے بیٹے کی ہے جس کا تعویذ ۱۰ آ ۱/۲ × ۱ آ اور نو انچہ اونچا ہے۔ مولنا فخر الدین کے چبوترے کی پائنتی ایک ستون سنگ مرمر کا بلند لالٹین کے تھم کے نواب علاء الدین خاں صاحب

مرحوم رئیس لوہارو نے بنوادیا ہے جس پہ دو طرف قطب مین فخر صاحب ۱۱۹۹
شمع مزار عاشق صادق کندہ ہے اور اسی کے جوڑ کا ایک اور ستون جس پہ
چراغدان لحد ۱۲۲۲۔ مینو مقام فخر الدولہ ۱۲۲۲ کندہ ہے۔ یہ دونوں ستون مولٰنا فخر
کے سنگ مرمر کے دروازے کے دونوں طرف ہیں۔

دو اور مزار مولٰنا فخر الدین رح کے مزار کے سرہانے یہ دو مزار اور ہیں۔ (۱) شیخ حسین دانا رح۔ (۲) شیخ اللہ دیا رح۔

مولٰنا فخر الدین کے احاطے میں اور خواجہ صاحب علیہ الرحمۃ کی درگاہ کے احاطے میں بہت سے اولیا و کاملین اور رؤسائے عظام اور عقیدت مندوں کی قبریں ہیں جن کی کیفیت خدام درگاہ سے معلوم ہو سکتی ہے۔

سماع خانہ درگاہ شریف کی مسجد کے قریب۔ ضابطہ خاں کا بنوایا ہوا ہے اگر یہ صحیح ہے تو ضابطہ خاں نے ۱۷۸۵ء میں انتقال کیا ہے یہی زمانہ اس سماع خانے کی تعمیر کا سمجھئے۔ یہ ایک تین در کا دالان ہے کہ ۹ گز × ۱۶½ گز۔ محرابیں کنگرے دار ہیں۔ سنگ سرخ کا بنا ہوا ہے مگر چھت چوبی کڑیوں کی ہے چھت کے چاروں طرف چوکون برجیاں ہیں۔ سامنے بڑا لمبا چوڑا صحن ہے جو سارا قبروں سے پٹا پڑا ہے۔ اسی صحن میں داؤد خاں کی بڑی بھاری باؤلی ہے جس کا ذکر اپنی جگہ آئے گا۔

ضابطہ خاں کی قبر فرخ سیر کے پہلے سنگ مرمر کے دروازے سے گزرنے کے بعد سیدھی جانب کوئی دس گز کے فاصلے پر بہت سی قبریں ہیں اُن سے اور ذرا آگے بڑھ کر یعنی سماع خانے کے دالان سے ملا ہوا سامنے والا ایک سنگ مرمر کا چبوترا ۱۱½ گز × ۱۱ گز اور دو فیٹ اونچا ہے جس کے گرد ایک خوب صورت کٹہرا ہے چبوترے پر ایک پرانا اور گھنا نیم کا درخت ہے جو قبروں پر سایہ فگن ہے۔ اس چبوترے پر سنگ مرمر کی دو خوب صورت قبریں برابر برابر ہیں جن کے تعویذوں پر علاوہ نقاشی کے کل من علیہا فان اور کلمہ اور گرد آیۃ الکرسی منقوش ہے۔ مردانی قبر ضابطہ خاں کی ہے اور زنانی اُس کی بیوی معصومہ بیگم کی ہے۔ یہی ضابطہ خاں ہیں جو سلطنت مغلیہ کے قلع قمع کے بانی مبانی تھے اور جن کے صاحبزادے غلام قادر خاں تھے جو مفسدہ پردازی میں اپنے

باپ سے کئی ہاتھ بڑھے ہوئے تھے۔ ؎

زناپاک زادہ نداری امید | کہ زنگی بشستن نگردد سفید
پرستار زادہ نیاید بکار | اگرچہ بود زادۂ شہریار

سماع خانے کے صحن کی دوسری قبریں

پہلی قبر جو باؤلی کی طرف ہے اُس پر یہ کتبہ ہے۔ بسم اللہ۔ کلمہ۔ تاریخ وفات ۲۷۔ رمضان المبارک ۱۲۹۲؁ ہجری بروز یکشنبہ مطابق ۱۵۔ اکتوبر ۱۸۷۶؁ء عبدہ نواب محمد کلہ خاں قوم غازی سکنۂ ڈیرہ اسمٰعیل خاں

(۲) کرد رحلت زگیتی گز راں | خان دیں دار حافظ قرآں
گفت سال وصال او ہاتف | بود مقبول حق جواہر خاں

(۳ و ۴) عارف جان و قاسم جان دونوں بھائیوں کی قبریں ہیں۔ یہ قاسم جان وہی تھے جن کی گلی دلی میں مشہور ہے۔

(۵) جناب حافظ حکیم اجمل خاں صاحب حاذق الملک کے جد امجد کی قبر ہے جس پر یہ کتبہ ہے۔ ھوالحکیم۔ ھذا مرقد اشرف الحکماء × محمد شریف خاں الدہلوی × دخل الجنۃ بلا حساب ۱۲۱۱ھ

(۶) نواب محلدار خاں کی قبر جن کا باغ دلی میں مشہور ہے۔

(۷) شیخ حسین فیروز رحمۃ اللہ علیہ۔ مشہور ہے کہ قحط کے دنوں میں مٹی کی گولیاں بانٹا کرتے تھے جو موتی ہو جاتی تھیں۔

نواب علاء الدین خاں کی ہڑوار

یہ قطعہ ایک حصہ ہے مرزا بابر کی کوٹھی کا جو نواب ... نے خرید لیا تھا اس کے احاطے میں کئی قبریں ہیں۔

علاء الدین خاں صاحب نے خرید لیا تھا اس کے احاطے میں کئی قبریں ہیں۔

(۱) ھوالغفور ۱۳۲۸؁ ... سید محمد ... علی ... ۱۳۳۲؁ھ۔

(۲) ھوالغفور الرحیم۔ مدفن۔ مرزا سعید الدین احمد خاں طالب ... ذی الحجہ ۱۳۳۴؁ ہجری یوم یکشنبہ۔

(۳) مدفن امین الدین احمد خاں بہادر ۱۲۸۶ھ۔ تعویذ پر کل من علیہا فان اور کلمہ اور آیۃ الکرسی۔

(۴) چوں ضیاء الدین احمد خاں رشید | رفت از دنیا سوے دارالسلام
گفت ہاتف ماضی سال وفات | روز شنبہ سیزدہ شہر صیام

سرہانے یاحی یاقیوم یاذوالجلال والاکرام قائلہ وکاتبہ محمد رضی الدین دہلوی ۔
اس احاطے میں کل سات قبریں ہیں جن میں چار سنگ مرمر کی ہیں باقی معمولی۔ یہاں ایک سہ درہ بنا ہوا ہے جس کے محرابیں جگڑی دار ہیں۔ کچھ قبریں سہ درے میں ہیں کچھ اس کے سامنے کے صحن میں۔

فرخ سیر بادشاہ کا دروازہ سنہ ۱۱۲۴ھ

فرخ سیر بادشاہ نے مزار مبارک کے گرد سنگ مرمر کی جالیاں اور سنگ مرمر کا دروازہ بنوایا جس کے اندر باہر یہ اشعار کندہ ہیں:۔

کتبہ اندرون دروازہ۔ اللہ محمد ابی بکر عمر عثمان علی

باہتمام کمترین غلامان [illegible] معتقدان فرخ شاہی	ازسعی کمترین غلامان شہریار رفتند قدسیاں بدیار بہشت عدن	بااعتقاد معتقد کامل العیار تاریخ یافتند حصار بہشت عدن	اتمام یافت [illegible] ۱۱۳۰ رقم عبدالرشید [illegible]

کتبہ بیرون دروازہ اللہ محمد ابوبکر عمر عثمان علی

ازحکم بادشاہ جہاں خسرو انام
فرخ سیر شہنشہ نہ آسماں غلام
گرد مزار خواجہ دیں قطب نہ فلک
گرد دیگر و روضۂ او آدم و ملک
تعمیر شد مجر زیبا ومنتظم
مانند قبلہ اشرف وچوں کعبہ منتظم

صندل کا کٹہرا سنہ ۱۲۵۲ھ

سنہ ۱۲۵۲ھ میں خاندان مغلیہ کے آخری بادشاہ ابوظفر سراج محمد بہادر شاہ نے حضرت خواجہ صاحب کے مزار مبارک کے گرد صندل کا ایک کٹہرا ۱۲ مربع دو فیٹ اونچا لگوادیا تھا اور اس کار خیر سے مغافرت سرمدی حاصل کی تھی مگر وہ کٹہرا امتداد زمانے سے بوسیدہ ہوجانے سے سرخورشید جاہ بہادر نے اس کی جگہ سنگ مرمر کا کٹہرا لگوادیا جس کا ذکر ہم اوپر کر آئے ہیں۔

قاضی حمیدالدین ناگوری کا مزار

خواجہ صاحب کے مزار مبارک کے پائنتی قاضی حمیدالدین ناگوری کی تربت ہے۔ نام آپ کا محمد اور باپ کا نام عطا تھا آپ بخارا کے

رہنے والے تھے۔ آپ بڑے عالم اور مشائخ وقت تھے۔ اول آپ کو شیخ شہاب الدین سہروردی اور سید شمس الدین سمرقندی سے فیض خلافت حاصل تھا اور ایک سال دو مہینے مدینۂ منورہ میں رہے پھر حضرت خواجہ صاحب کی خدمت میں حاضر رہے۔ بعد وفات خواجہ صاحب کے سنہ ۶۳۳ھ میں آپ نے انتقال فرمایا آپ کے لوح مزار پر یہ عبارت کندہ ہے:۔

"ہذا مرقد المنور قطب الاولیا فی الآفاق وغوث الاتقیا بالاستحقاق الامام العالم العامل اولی الفاضل الکامل شیخ حمید الدین نور اللہ مرقد المنورہ عمرہ الروضہ خادم الفقرا سلیمان بن شیخ بھیکہ سنتہ اربع وسبعین سبعمائتہ وفات حضرت شیخ المحققین و قطب العارفین شاکر بارگاہ قدس و طائف کعبۂ انس و دریائے حقیقت جوہر کان طریقت حضرت محمد محمود حمید بندگی شیخ محمد حمید نور اللہ مرقدہٗ در شب دوشنبہ یازدہم ماہ رمضان فی الحمد ذلک اللیل جار الشمس سنہ ۶۹۵ھ"

باندے کے نوابوں کی ہڑوار

غربی دروازے سے کوئی تیس فٹ کے فصل سے داہنی طرف قطب صاحب کی درگاہ کے احاطے کی جنوبی دیوار ہے جو سنگ مرمر کی ہے جس میں تین جالیاں ہیں۔ دوسرے سنگ مرمر کے دروازے میں داخل ہونے سے پہلے بائیں جانب نواب صاحب باندے کا مجھر ہے جس میں ایک سنگ مرمر کی چار اور سنگ باسی کی ایک قبر ہے۔ باندے کے نوابوں کی یہی ہڑوار تھی لیکن غدر کے بعد سے یہاں دفن کرنا بند کر دیا گیا۔

حضرت خواجہ فرید الدین گنج شکر کی تعمیر کردہ مسجد

سنگ مرمر کے دوسرے دروازے میں گزرنے کے بعد داہنی طرف ہم کو اور ایک احاطہ ملتا ہے جو احاطۂ درگاہ کی مشرقی اور جنوبی دیواروں سے بنا ہے۔ یہ ایک مستطیل احاطہ ۸ × ۹ فٹ ہے جس کی مغربی دیوار کا ربع حصہ کاشی کام کی اینٹوں سے بنا ہوا ہے اور باقی دیوار پتھر چونے کی ہے مغربی دیوار کے شمالی کونے میں ایک مسجد ہے۔ اس میں بھی کاشی کام کی اینٹیں لگی ہوئی تھیں۔

اور لوگ کہتے ہیں کہ جب حضرت فرید گنج شکر تشریف لائے تھے تو آپ ہی نے یہ مسجد بنوائی تھی۔ اس مسجد کے دونوں جانب کے در درمیانی محراب سے ٹھیک فصل پر نہیں بنائے گئے ہیں۔

قطب صاحب کی مسجد

ضابطہ خاں کی قبر سے داہنی طرف چلیے اور اُسی گلی کے پختہ فرش پر چلیے جس کا ذکر اوپر آچکا ہے تو قطب صاحب کی مسجد ملے گی جو آپ کی درگاہ کی جالیوں کے پاس ہے کہ قدر و منزلت میں ہم پایۂ بیت المقدس ہے اور فیض و برکت میں بے شک خانۂ خدا ہے۔ یہ مسجد ۲۳ × ۲۱ فٹ ہے جس کے تین درجے ہیں۔ پہلا درجہ دو محرابوں کا کچا تھا یعنی صرف مٹی کا۔ اس حصے کو خود جناب حضرت قطب الاقطاب نے مع اپنے ہمراہیوں کے کہ ہر ایک ولی کامل اور شیر بیشۂ زہد و تقویٰ تھا بنایا تھا۔ ۹۵۸ھ مطابق ۱۵۵۱ء میں **اسلام شاہ** نے اس درگاہ کے گرد چار دیواری بنوائی اُسی کے ساتھ اس کچے درجے کے آگے پختہ درجہ بنا دیا۔ اس کے بعد **فرخ سیر** نے ۱۱۳۰ھ مطابق ۱۷۱۷ء میں جس زمانے میں درگاہ کے گرد سنگ مرمر کا مجہر اور دروازہ بنوایا اُسی زمانے میں مسجد کے آگے بھی ایک اور درجہ بنا دیا۔ پس یہ تیسرا درجہ فرخ سیر کا بنوایا ہوا ہے جس پر یہ تاریخ کندہ ہے:۔

خسرو فرخ سیر شاہنشہ مالک رقاب	مورد لطف و عنایات شہ والا جناب
مسجد زیبا بنا و سجدہ گاہ شیخ و شاب	ساخت از روے ارادت وز رسوخ اعتقاد
سال تاریخ بنائش "بیت ربی مستجاب"	با سروش غیب ہاتف گفت در گوش خرد

سنہ ۱۱۳۰ھ

باہتمام کمترین ...... [۱]

موجودہ حالت اس مسجد کی بوجہ ترمیم کے بالکل نئی ہو گئی ہے پہلی حالت صرف اس قدر باقی ہے کہ پہلا حصہ جو خام تھا اُس کا صرف ایک چھوٹا سا در باقی ہے جو بجنسہ تبرکاً قائم رکھا گیا ہے اُس کے آگے دالان در دالان ہے پھر (۵۰) فٹ لمبا اور ۱۴ فٹ چوڑا صحن ہے جس سے ملے ہوئے تین حجرے بطور سٹور روم کے ہیں جن میں درگاہ شریف کا سامان شامیانے وغیرہ رہتے ہیں۔ کہتے ہیں کہ یہ حجرے خانخاناں کے بنوائے ہوئے ہیں چنانچہ جنوب کی طرف کے حجرے میں اُن کی

[۱] ایک وہ تھے جنہوں نے خانۂ خدا بنایا ایک یہ ہیں جنہوں نے بنانے والے کے نام کو بھی عمداً کھرچ دیا رشک و حسد نے گوارا نہ کیا کہ اس بے چارے کا نام بھی رہنے پائے۔ ۱۲

بھی بچہ اور انھیں حجروں میں سے درمیانی حجرے کی پیشانی پر مالن دروازے کا کتبہ لاکر لگادیا تا کہ لوگ یہ سمجھیں کہ مالن دروازہ اب رہا ہی نہیں۔

صحن مسجد کی قبور

(۱) شیخ نظام الدین ابوالمؤید رحمۃ اللہ علیہ
از مشاہیر بزرگان است در زمان سلطان شمس الدین معاصر خواجہ قطب الدین شیخ نظام الدین اولیا نیز او را دیدہ است۔ میرحسن در فوائد الفواد می آورد کہ بندہ عرضہ داشت کرد کہ شما در تذکیر او وقتے بودید فرمود آرے و لے در آں ایام کودک بودم و رک معانی چندانی مرا نبودہ است۔ روزے در تذکیر او بدم بر در مسجد نعلین در پاے داشت آنرا از پاے بکشید و بدست گرفت و در مسجد آمد و دوگانہ بگزارد من ہیچ کس را در نماز بر ہیئت او ندیدہ ام دوگانہ باراحت بگزارد و بالاے منبر رفت مقری بود کہ او را قاسم گفتندے خوش خوان او در آیتے بخواند بعد از اں شیخ نظام الدین آغاز کرد کہ بخط باباے خود نوشتہ دیدہ ام ہنوز سخن دیگر نگفتہ بود کہ ایں سخن در حاضران در گرفت ہمہ در گریہ شدند آنگاہ ایں دو مصرع بگفت ؎

بر عشق تو و بر تو نظر خواہم کرد جاں در غم تو زیر و زبر خواہم کرد

ایں بگفت و نعرہ ہا از خلق بر آمد بعد از اں دو سہ بار ہمیں دو مصراع بگفت آنگاہ گفت کہ اے مسلمانان دو مصراع دیگر ایں رباعی یاد نمی آید چہ کنم ایں سخن بر طریق عجز گفت چنانکہ در ہمہ جمع اثر کرد۔ آنگاہ قاسم مقری آں دو مصراع یاد داد ؎

ہر درد و ے بخاک در خواہم شد بر عشق سرے زگور بر خواہم کرد

ایں رباعی تمام بگفت و فرود آمد۔ جد شیخ نظام الدین ابوالموید را شمس العارفین گویند و شیخ جمال کوتوی کہ مقبرہ او در کول است از اولاد اوست۔

(۲) بی بی بیا پرہ رحمۃ اللہ علیہا۔ والدہ شیخ نظام الدین ابوالموید بسیار بزرگ بود از متقدمین است۔ وقتے امساک باراں شدہ بود مردم ہمہ دعا کردند و باراں نیامد۔ شیخ رشتہ از دامنی مادر خود بدست گرفت و گفت خداوندا بحرمت آنکہ ایں رشتۂ دامنی ضعیفہ است کہ ہرگز چشم نامحرم بر و نیفتادہ است باراں بفرست۔ از شیخ ایں حرف گفتن و از خدا باراں فرستادن۔ قبر او در پہلوے نمازگاہ کہنہ است کہ قبر حضرت خواجہ قطب الدین پس پشت آں واقع است۔ اب بھی امساک باراں کی حالت میں

آپ کے مزار کو غسل دے کر نیاز دلاتے ہیں اور خداوند تعالیٰ بندوں پر اپنا فضل کرتا ہے

بی بی حنبل کا مزار

صحن مسجد کے پاس چھوٹے سے احاطے کے اندر ہے۔ احاطے میں ایک چھوٹی سی کھڑکی لگا دی ہے تاکہ لوگ اندر جھانک سکیں۔ اس احاطے میں دو زنانی قبریں ہیں۔ ایک میں بی بی حنبل خواجہ صاحب کی دایہ آسودہ ہیں اور دوسری قبر خواجہ صاحب کی بیوی صاحب کی کہی جاتی ہے۔ واللہ اعلم بالصواب۔

احاطۂ اولاد فرخ سیر

یہ بڑا وسیع احاطہ ہے جس میں بارہ قبریں سنگ مرمر کی ہیں اور انیس کچ کی۔ ایک قبر پر بسم اللہ کلمہ اور (تاریخ وصال مرزا مدو صاحب۔ دخل فی الجنۃ ۱۲۰۰ھ) لکھا ہوا ہے۔ باقی قبروں پر آیۃ الکرسی کل من علیہا فان اور کلمۂ طیبہ کے طغرے ہیں۔ ان تمام قبروں میں ایک تعویذ سنگ مرمر کا بہت ہی عمدہ نقش و نگار کا ہے جس پر بڑی نفاست اور دیدہ ریزی کا کام کیا ہے اور اس کے گرد آیۃ الکرسی بھی ایسی خوش خط لکھی ہے کہ دیکھنے کے قابل ہے۔

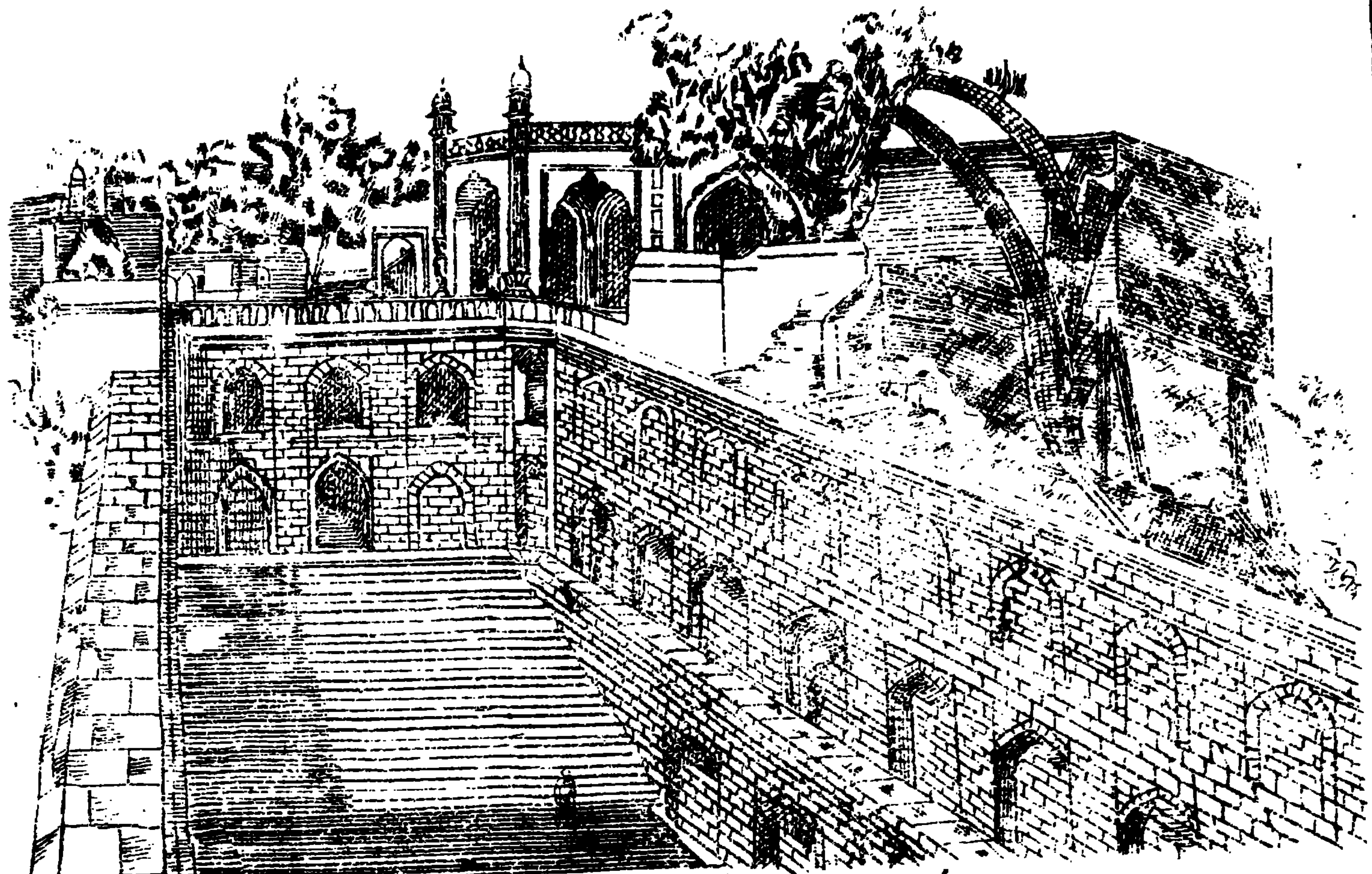
حافظ داؤد کی باؤلی

سنہ ۱۲۶۳ھ ۱۸۴۶ء

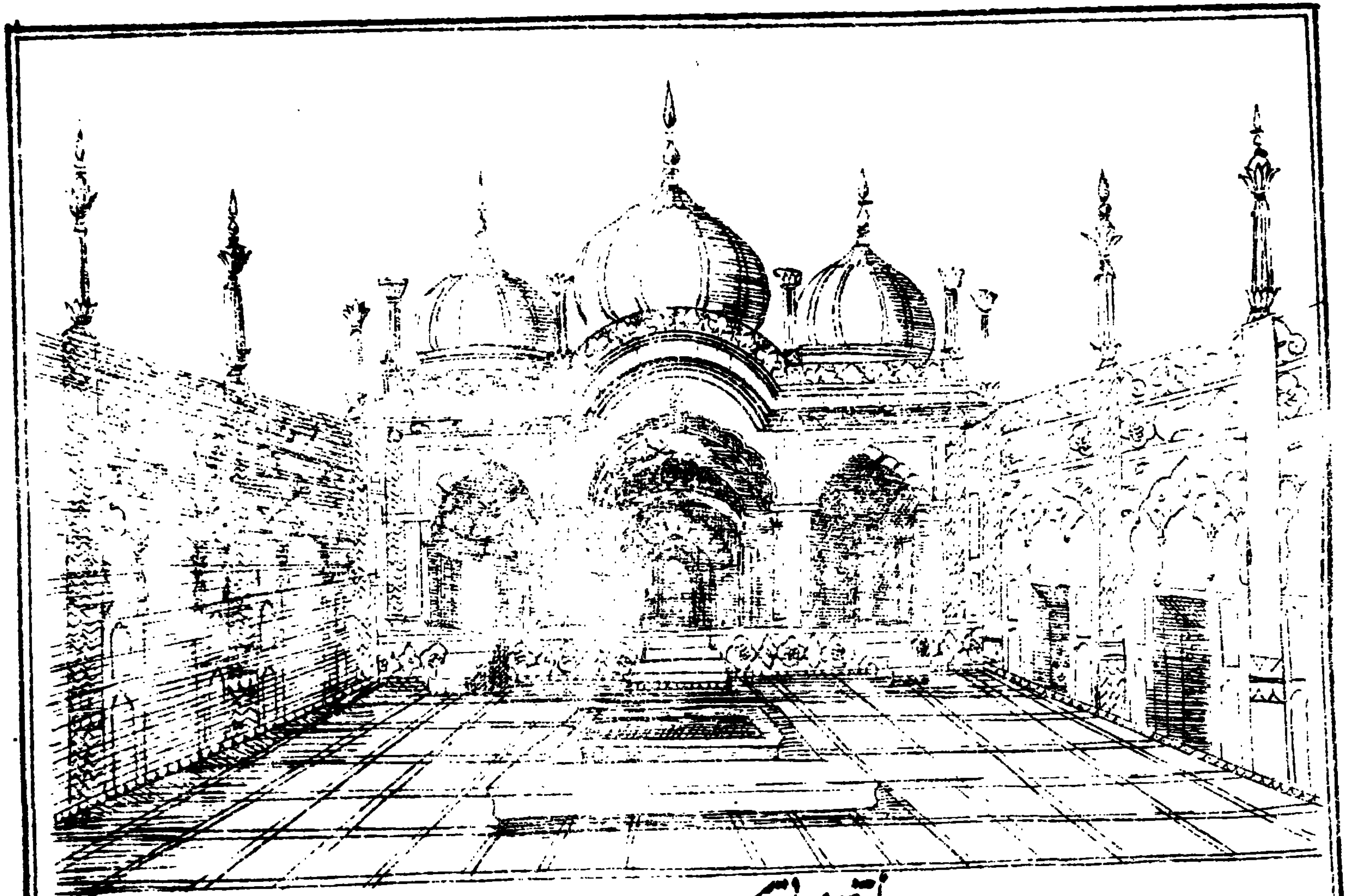
قطب صاحب کی مسجد سے پچیس گز کے فاصلے پر مشرق کی طرف یہ گہری باؤلی ہے۔ اگرچہ مسجد فی نفسہا بے نظیر تھی اور کچھ حاجت مزید خوش نمائی کی نہ تھی۔ ع

حاجت مشاطہ نیست روے دل آرام را

لیکن پانی نہ ہونے سے لوگوں کو بڑی تکلیف تھی اس نظر سے صرف بہ نیت ثواب ندیم الدولہ خلیفۃ الملک حافظ محمد داؤد خاں مستقیم جنگ نے اس مسجد کے پاس اپنی دریا دلی اور فیض بخشی سے بہت عمدہ نفیس دل کشا اور دل ربا باؤلی اور اور اطراف کی عمارات خاص خدام درگاہ کے لیے بنوا دیں کہ خلق اللہ کو ان سے آرام ملے اور یہ باؤلی کیا ہے گویا مسجد کا حوض ہے۔ یہ باؤلی سنہ ۱۲۶۰ھ ۱۸۴۴ء میں بننی شروع ہوئی اور سنہ ۱۲۶۳ھ ۱۸۴۶ء میں اس کی تعمیر ختم ہوئی۔ یہ باؤلی حضرت نظام الدین اولیا، اور دولت خاں کی باؤلیوں کی طرح کی ہے۔ حافظ داؤد نہایت سخی اور بڑی ہمت والے آدمی تھے اور بڑے صاحب خاندان جن کے نسب کا سلسلہ حضرت امام ابو حنیفہ کوفی رحمۃ اللہ تک پہنچتا تھا اور ان کے آبا و اجداد ہمیشہ سے خاندان شاہی میں معزز و ممتاز رہے۔ بہادر شاہ آخری بادشاہ دہلی نے انھیں کے والد حافظ محمد خلیل سے استفادۂ کلام مجید کیا تھا۔ ان کو دربار حضوری دیا



نقشہ مسجد درگاہ مع باؤلی



نقشه موتی مسجد

بڑا درجۂ تقرب حاصل تھا اور وہ خدمت داروغگی نذر و نیاز اور علاقہ خانسامی پر مشرف تھے۔ وہ بڑے بزرگ سراسر خیر مجسم تھے اور ہر دم ہر لحظہ حصول ثواب پر نیت مصروف رہتی تھی۔ یہ باؤلی (۹۶) فیٹ لمبی اور (۴۲) فیٹ چوڑی اور (۵۷) فیٹ گہری ہے۔ اس باؤلی میں عموماً چالیس فیٹ گہرا پانی رہتا ہے اور موسم بارش میں اس سے بھی زیادہ ہو جاتا ہے۔ باؤلی میں مغرب اور جنوب کی طرف سیڑھیاں ہیں اس وقت پانی سے اوپر (۱۷) سیڑھیاں تھیں جو تہ تک چلی گئی ہیں۔ مغرب کی طرف صدر دروازہ ہے جس میں دو منزلہ محراب دار حجرے ہیں جو نو فیٹ اونچے اور سات فیٹ چوڑے ہیں۔ جن کی تعداد اور عرض حسب گنجائش مختلف ہے۔

موتی مسجد

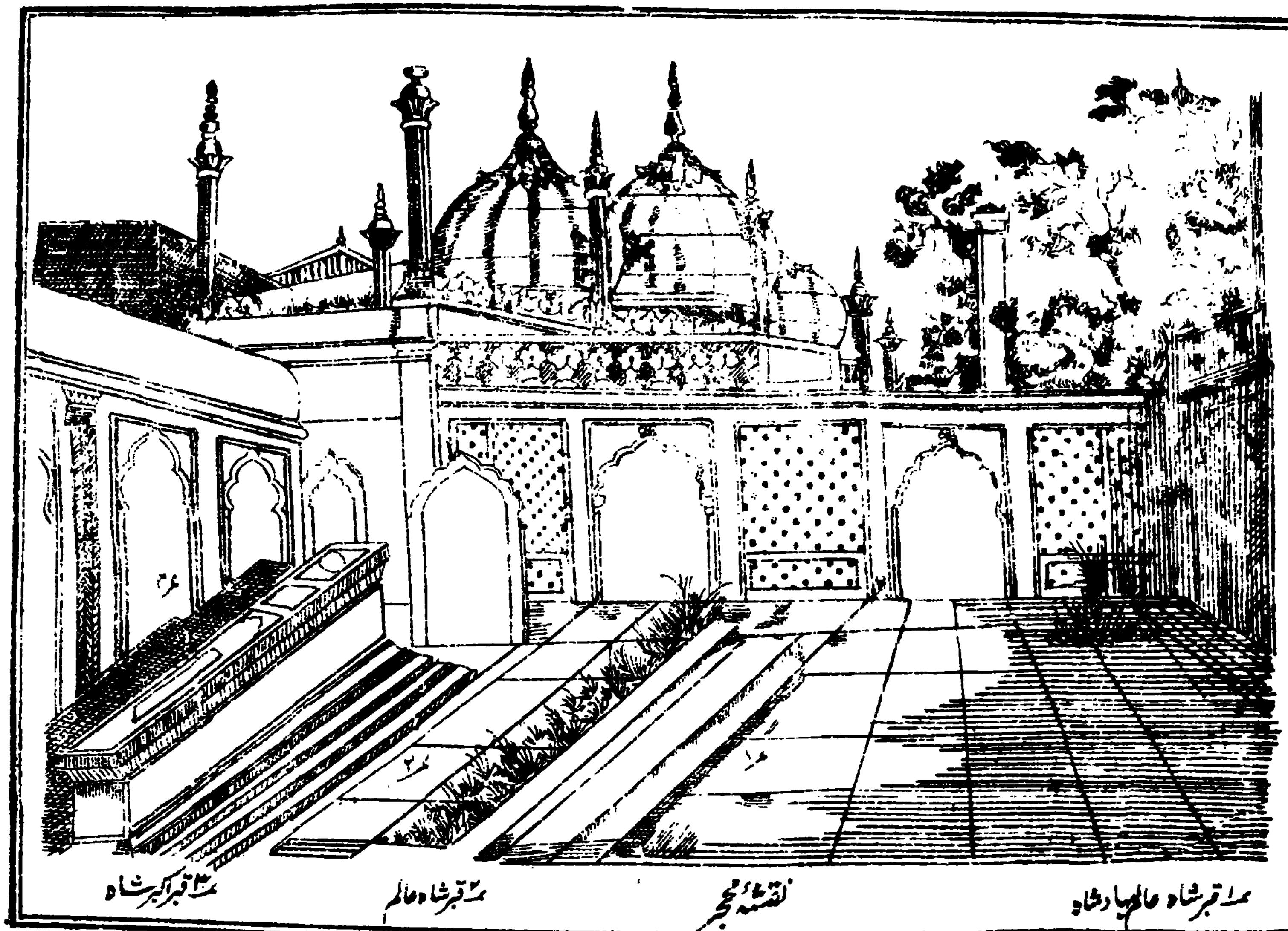
۱۱۲۱ھ / ۱۷۰۹ء

حضرت خواجہ صاحب کی درگاہ کی شمالی دیوار اور معتمد خاں کے مزار کی جنوبی دیوار کے درمیان جو رستہ ہے یہاں مغربی دروازے میں سے نکل کر ہم ایک احاطے میں جا پہنچتے ہیں یہیں بائیں ہاتھ کی طرف موتی مسجد ہے جس کو محمد معظم شاہ عالم بہادر شاہ فرزند اورنگ زیب نے ۱۱۲۱ھ / ۱۷۰۹ء میں تعمیر کرایا۔ مسجد کے صحن میں سنگ مرمر کے مصلے ہیں جن پر سنگ موسیٰ کا حاشیہ ہے۔ صحن کا طول و عرض ۵۴×۵۱ ہے۔ چبوترا دو فٹ اونچا ہے۔ مسجد سہ دری ۵۴×۱۴ کی ہے۔ مسجد کے دونوں طرف دو حجرے ہیں جن میں شمالی طرف کا حجرہ جدید بنا ہوا ہے۔ پہلے حجروں کا رستہ مسجد کے اندر سے تھا۔ مسجد تمام سنگ مرمر کی نہایت حسین بنی ہوئی ہے جس میں جا بجا سنگ موسیٰ کی تحریریں بڑا لطف دیتی ہیں۔ جب بنی ہوگی تو سنگ مرمر بہت شفاف ہوگا اور اسی وجہ سے موتی مسجد کہلاتی ہے کہ اس کی آب و تاب موتی جیسی تھی۔ مسجد کے تین گنبد ہیں کمر کی وضع کے نہایت خوب صورت اور سڈول جن پر سنگ موسیٰ کی عمودی پٹیاں پڑی ہوئی ہیں۔ جس طرح بیاض چشم میں مردمک سیاہ لطف دیتی ہے وہی بات ان گنبدوں میں ہے۔ گاؤدم مینار چھ چھ فیٹ اونچے مسجد کے ادھر ادھر ہیں اور اسی طرح چھوٹی چھوٹی چار برجیاں نہایت نازک مسجد کی چھت کی دیوار میں ہیں۔ جن میں سے دو تو دونوں کونوں پر باقی رہیں دو اُن میں سے بیچ کے گنبد کے ایک ادھر ایک اُدھر۔ چھت کے گرد نفیس کنگورا ہے۔ میناروں پر نہایت

خوشنما وضع برجیاں تھیں۔ لیکن پرانی ہو جانے سے گر جانے کا اندیشہ تھا۔ ابوظفر محمد سراج الدین بادشاہ نے ۱۲۶۲ھ ۱۸۴۶ء میں اُتروا دیں۔ بادشاہ رہے نہیں اور کسی کو توفیق نہ ہوئی جو بنوا دیتا اس وجہ سے مینارے کُنڈی کُنڈی معلوم دیتے ہیں۔ شاہ عالم ثانی کے عہد میں اس مسجد کا بیچ کا گنبد بیٹھ گیا تھا اُنھوں نے اُسی وقت ایسی عمدہ مرمت کرادی کہ معلوم بھی نہیں ہوتا۔ اب گنبدوں کے کلس ٹوٹ گئے صرف ایک کونے پر کے گنبد کا کلس رہ گیا ہے۔ مسجد میں اب منبر تک بھی نہ رہا۔ مسجد کی جنوبی دیوار کی طرف پانچ سیڑھیاں چڑھ کر ایک پختہ دروازہ ہے جس کے باہر ایک احاطہ ہے۔ اس احاطے کے مشرقی اور مغربی رُخ پر پختہ دیواریں ہیں اور جنوب کی طرف محراب دار حجرے ہیں۔ شمال کی طرف ایک اور محصور صحن ہے جس میں خاندان سلاطین دہلی کی قبریں ہیں۔ اسی سے ملا ہوا ایک قطعہ اور ہے جس کا حصار ادھورا رہ گیا ہے یہ بیگمات اور دیگر ممبران شاہی کا مدفن ہے اور یہیں شاہ آبادی بیگم صاحبہ اور دیگر ممبران خاندان شاہی کی قبور ہیں۔ احاطۂ شمالی کا فرش سنگ مرمر کا ہے طول و عرض ۲۱×۶ فٹ۔ اس احاطے کی سنگ مرمر کی دیواریں دس فیٹ بلند ہیں احاطے کا دروازہ جنوبی دیوار میں مغرب کے کونے میں ہے۔

شاہ عالم بہادر شاہ کا مجہر ۱۱۲۴ھ ۱۷۱۲ء

موتی مسجد کے پاس بہت تحفہ اور نفیس یہ مجہر ہے جو سر سے پاؤں تک سنگ مرمر کا بنا ہوا ہے ایسا کہ اُس کی آب تاب موتی کی آب کو خاک میں ملاتی ہے اور اُس کی نمائش قصر بہشت پر فوق لے جاتی ہے۔ یہ مجہر ۱۱۲۴ھ ۱۷۱۲ء میں شاہ عالم بہادر شاہ کے صاحبزادے اور جانشین معز الدین جہاں دار شاہ نے بنوایا جس کا طول و عرض ۱۸ فٹ × ۱۴ فٹ ہے اور گرد سنگ مرمر کے دسے اور جالیاں لگی ہوئی ہیں۔ جہاں دار شاہ خود ہمایوں بادشاہ کے مقبرے کے چبوترے پر مدفون ہیں۔ بعد اس کے سلطان عالی گوہر شاہ عالم ثانی بادشاہ نے ۱۲۲۱ھ ۱۸۰۶ء میں انتقال کیا وہ بھی اسی مجہر میں رکھے گئے۔ پھر محمد اکبر شاہ ثانی نے ۱۲۵۳ھ ۱۸۳۷ء میں سفر آخرت اختیار کیا وہ بھی یہیں آسودہ ہیں جن کی تیسری قبر ہے۔ محمد معظم شاہ عالم بہادر شاہ اورنگ زیب بادشاہ کے


نمبر۱ قبر شاہ عالم بادشاہ
نقشۂ مسجد
نمبر۲ قبر شاہ عالم
نمبر۳ قبر اکبر شاہ

فرزند اکبر تھے جو اورنگ زیب کے فرزندان دعوی دار سلطنت میں سب سے زیادہ ممیز ممتاز اور قابل تھے۔ اس بادشاہ نے سکھوں کی خوب خبر لی اور کئی فاش شکستیں دیں اور مرہٹوں کا بھی بخوبی استیصال کیا۔ بہادر شاہ نے عمر طبعی کو پہنچ کر ستر برس چھ مہینے کی عمر میں انتقال کیا۔ مجھر کی جالیوں کے اوپر سرہانے کی طرف یہ بیت کندہ ہے۔ ؎

درخور نیت بام مصطفی
شاہ عالم را بود جنت جزا

اس احاطے میں کل چار قبریں ہیں (۱) اکبر شاہ ثانی (۲) شاہ عالم۔ (۳) خالی۔ (۴) بہادر شاہ پسر عالمگیر ثانی۔ (۵) مرزا فخرو ولی عہد۔

غرض یہ کہ اسی احاطے میں مرزا فخرو۔ محمد سراج الدین بہادر شاہ ثانی کے ولی عہد کی قبر ہے جنھوں نے بیٹھے بیٹھے انتقال کیا۔ اس قبر کا تعویذ بھی سنگ مرمر کا ہے جو ۶×۲ ہے جس کے گرد دو فٹ اونچا سنگ مرمر کا کٹہرا ہے۔

شاہ عالم ثانی کی قبر نومبر ۱۸۰۶ء ۱۲۲۱ھ

یہ قبر ابو المظفر جلال الدین سلطان عالی گوہر شاہ عالم ثانی بادشاہ کی ہے جو عالمگیر ثانی کے بیٹے تھے۔ انھیں کے داہنی جانب ان کے بیٹے اکبر شاہ ثانی آسودہ ہیں۔ یہ قبر ۶ × ۱۔۸ اور ایک فٹ دو انچہ اونچی ہے۔ تعویذ پر کلمۂ طیبہ اور کل من علیھا فان اور اطراف آیات قرآنی منقوش ہیں۔ اس قبر کے سرہانے لوح پر یہ قطعہ کندہ ہے:۔

ھو الغفور

ویجعل الجنۃ مثواہ

سنہ ۱۲۲۱

ھو الغفار

شد مہر اوج تاجوری در حضیض خاک
در داکہ از غبار کسوف از اجل نہاں

یعنی کہ شاہ عالم عالم پناہ کرد
زیں عالم انتقال بہ نزہت گہ جناں

سید نوشت خامۂ معجز طراز من
بیتے کہ سال آمدنش زہر مصرعے عیاں

وی آفتاب روئے زمیں بودہ پیش ازیں
شد آفتاب زیر زمیں آہ وا اسماں

سنہ ۱۲۲۱ھ — الکاتب میر کلن رضوی — سنہ ۱۲۲۱ھ

اکبر شاہ ثانی کی قبر

سنہ ۱۲۵۳ھ
۱۸۳۷ء

اس احاطے میں سب سے پہلی قبر ابوالنصر معین الدین اکبر شاہ ثانی پسر شاہ عالم بہادر شاہ کی ہے۔ اس قبر کا تعویذ سنگ موسیٰ کا ہے۔ یہ تعویذ پہلے قاسم علی ہروی کی قبر کا تھا جس کے پائین میں "وفات خواجہ قاسم علی ہروی،، کندہ تھا جو چھیل دیا گیا۔ قبر ۵ ف ۷ انچ لمبی ۱ف ۲ انچ چوڑی اور پانچ انچہ اونچی ہے۔ تعویذ پر بسم اللہ اور کلمۂ طیبہ اور بائیں طرف شیخ سعدی کا یہ شعر منبت کندہ ہے ؎

ہر کہ آمد بجہاں اہل فنا خواہد بود   وانکہ پائندہ و باقیست خدا خواہد بود

اور تعویذ کی سیدھی طرف یہ شعر ہے: ؎

جز بداں حضرت غیر... یم... دل خویش مبند   بتدید توزہم..... چونکہ جدا خواہد بود (بالکرم یہم)

قبر کے سرہانے ۴ف ۲ انچ اونچی اور دو فٹ چوڑی سنگ مرمر کی لوح پر سنگ موسیٰ کی پچیکاری سے بہ خط نسخ یہ قطعہ لکھا ہوا ہے:-

ھی اللہ العلی الکبیر

لا الہ الا اللہ محمد الرسول اللہ

شاہ اکبر فروغ بخش جہاں   منخسف گشت از قضا چوں بدر
پی سال وفات گفت ظفر   عرش آرامگاہ عالیقدر

سرسید نے یہ قطعہ تاریخ وفات کا کہا ہے اور کیا خوب کہا ہے:- ۱۲۵۳

چوں برفت از جہاں شہ اکبر   شد سیہ آسماں ز دود جگر
پاے شادی شکست واحمد گفت   سالِ تاریخ او "غم اکبر"

۱۲۶۳-۱۰=۱۲۵۳ھ

صفر دابہ

شاہ عالم ثانی اور محمد اکبر شاہ ثانی کی قبروں کے بیچ میں ابوظفر سراج الدین محمد بہادر شاہ فرزند اکبر شاہ ثانی کا سردابہ تھا جو اپنے باپ کے جانشین ہوئے اور ساڑھے گیارہ برس سلطنت بھی کی لیکن ۱۸۵۷ء کے غدر نے سب سے بڑا ہاتھ اس معمر بادشاہ پر صاف کیا اور پیری میں اُن کو یہ داغ لگا کہ گھر سے بے گھر۔ قلعہ معلیٰ سے اسی طرح بدھو گئے

جیسے کہ حضرت آدم جنت سے نکالے گئے۔ وطن سے جلاوطن اور ہندوستان سے باہر رنگون میں جاکر بقیہ زندگی غم والم میں کاٹی اور آخرکار آلام دنیوی سے ۱۸۶۲ء میں نجات ابدی حاصل کی اور یہ جگہ خالی کی خالی ہی رہی۔ مٹی اُن کی رنگون کی تھی دِلّی کی زمین کا پیوند کیسے ہو سکتے تھے اور یہ بات سچ ہوئی کہ ؎

دو چیز آدمی را کشد زور زور ‏ ‏ ‏ یکے آب و دانہ دوم خاکِ گور

شاہ آبادی بیگم کی قبر ۱۲۶۳ھ

اُس مجرے کے مغرب میں کوئی خانقاہ بنی ہوئی ہے جس کے دالانوں کی چھت گر گئی ہے اس کے صحن میں آٹھ قبریں سنگ مرمر کی ہیں جن میں سے ایک قبر شاہ آبادی بیگم صاحبہ کی ہے جس پر ایک لوح لگی ہوئی ہے باقی کسی قبر پر کتبہ نہیں ہے

یا فتاح۔ کلمہ گرد آیۃ الکرسی

شہ آبادی آں ماہ زہرہ جبیں ‏ ‏ ‏ کہ شد از قضا نعش زیرِ خاک

بجستم تاریخ ہاتف بگفت ‏ ‏ ‏ خرامید در عدن با جانِ پاک

حضرت خواجہ صاحب کے بعض حالات

آپ بختیار کاکی کے نام سے ۶۳۳ھ مشہور ہیں۔ بختیار کا لقب تو آپ کو مرشد کی طرف سے ملا تھا اور کاکی کی وجہ تسمیہ مختلف طور پر بیان کی جاتی ہے۔

سیر الاولیاء میں لکھا ہے کہ آپ کے گھر میں اکثر فاقہ رہتا تھا تو آپ کی حرم محترم وقت ضرورت خواجہ شرف الدین بقال کی بیوی سے جو پڑوس میں رہتی تھی اناج وغیرہ قرض لیا کرتی تھیں۔ عورتوں کی جیسی عادت ہوتی ہے ایک دن بقال کی بیوی نے خواجہ صاحب کی زوجۂ محترمہ کو طعنہ دیا کہ اگر میں وقتاً فوقتاً تمہاری مدد نہ کرتی تو تمہارا کیا حال ہوتا۔ یہ بات شدہ شدہ خواجہ صاحب کے گوش مبارک تک بھی پہنچی آپ نے اپنی بیوی کو قرض لینے کی قطعی ممانعت کر دی اور ارشاد فرمایا کہ یہ جو طاق ہے جس وقت تمہیں ضرورت ہو بسم اللہ کر کے اس میں ہاتھ ڈالا کرو اللہ تعالیٰ تم کو دے گا۔ چنانچہ جب آپ ہاتھ ڈالتیں گرم گرم کاک اُس طاق میں سے نکلتے اور یہ بھی روایت ہے کہ آپ کے مصلے کے تلے سے بہ افراط کاک نکلتے تھے اس واسطے آپ "کاکی" مشہور ہوئے۔

افضل الفوائد میں لکھا ہے کہ حضرت امیر خسرو نے سلطان المشائخ سے پوچھا کہ حضرت خواجہ صاحب کو کاکی کیوں کہتے ہیں۔ آپ نے فرمایا کہ ایک وقت آپ حوض شمسی پر بیٹھے تھے اور ٹھنڈی ہوا چل رہی تھی آپ کے ارباب نے کہا کہ اس وقت گرم گرم کاک ملیں تو کیا اچھی بات ہو۔ آپ نے فرمایا کیا کرو گے۔ انھوں نے عرض کیا کھائیں گے۔ پس آپ اٹھ کر تالاب کی طرف تشریف لے گئے اور پانی میں سے گرم گرم کاک نکال کر ان لوگوں کے سامنے ڈال دیئے جب سے آپ "کاکی" مشہور ہو گئے۔

کتاب فردوسیہ میں لکھا ہے کہ ایک دن بادشاہی نان بائی کے کاک جل گئے وہ بیچارہ گھبرا گیا کہ اب کیا کروں کہ اتنے میں اتفاق سے آپ کا گزر اس نان بائی کی دکان پر ہوا آپ نے اُسے پریشان دیکھ کر فرمایا۔ ای یار کیا دیکھتا ہے تو بسم اللہ کرکے تنور میں ہاتھ تو ڈال۔ اُس نے جو ہاتھ ڈالا تو اچھے خاصے سُرخ سرخ کاک نکلے اور اسی طرح کئی مجالس میں آپ نے آستین جھٹکی تو کاک جھڑنے لگے اور اسی وجہ سے آپ کا نام کاکی مشہور ہو گیا۔

نقل از کتاب سیر الاولیا۔ خواجہ صاحب اور شیخ جلال الدین تبریزی ملتان میں شیخ بہاء الدین ذکریا کے مہمان تھے کہ ایک رات فوج کفار کی ملتان کے قلعے کے نیچے آگئی اور چاہا کہ شہر کو غارت کرے کہ ناصر الدین قباچہ والئ ملتان ہر سہ بزرگان کی خدمت میں فوج کفار کے دفعیہ کے لیئے آن کر خواستگار دعا ہوا اور بہت بے قراری ظاہر کی۔ اتفاق سے اُس وقت خواجہ کے ہاتھ میں ایک تیر تھا قباچہ کو عنایت کرکے فرمایا کہ اس تیر کو اپنے گھر لے جا کر دشمن کی طرف مارو اُس نے ایسا کیا جس وقت وہ تیر فوج کفار میں پڑا ساری کی ساری تتر بتر ہو گئی۔

جواہر فریدی سے منقول ہے کہ جب سلطان شمس الدین کی سخاوت کا آوازہ چار دانگ عالم میں بلند ہوا تو ایران کی طرف سے ایک شاعر ناصری ایک قصیدہ چھپن بیتوں کا بادشاہ کی تعریف میں لکھ کر لایا۔ دلی پہنچ کر اُس نے خواجہ صاحب کے تقدس اور کرامات کا حال سنا۔ آپ کے شان میں بھی ایک قصیدہ کہا اور پہلے حضور کی خدمت میں حاضر ہوا آپ نے فاتحہ پڑھی اور کہا جا بہت انعام ملے گا۔ شاعر بادشاہ کے دربار میں حاضر ہوا نقارخانے میں طوطی کی آواز کون سنتا ہے بادشاہ متوجہ نہ ہوا۔ شاعر بے چارے نے خواجہ صاحب کو دل میں یاد کیا تھا بادشاہ متوجہ ہوا اور کہا پڑھو قصیدہ کا مطلع یہ تھا:—

ای فتنہ از نہیب تو انہار خواستہ تیغ تو آل و نیل ز گردار خواستہ

قصیدے کے (۶۷) شعر سے بادشاہ بہت مسرور ہوا اور چھپن ہزار تنگہ نقرئی انعام سرفراز ہوا۔ ناصری بے چارے کو کب توقع تھی کہ اس قدر زر خطیر انعام ملے گا۔ فوراً حضور اقدس کی خدمت میں حاضر ہوا اور جو نذر اپنے دل میں مانی تھی گزرانی۔ خواجہ صاحب نے وہ نذر اُسی کو بخش دی اور وہ خوش خوش اپنے وطن کو واپس گیا۔

سیر الاولیاء سے مروی ہے کہ ایک دفعہ میں اور قاضی حمید الدین ناگوری سفر کرکے دریا کے کنارے پونہچے کیا دیکھتے ہیں کہ ایک درخت کے تلے ایک شخص پڑا سوتا ہے اور درخت پر سے سانپ لٹک رہا ہے قریب ہے کہ اُسے ڈس لے ناگاہ ایک بچھو نمودار ہوا اور اُس نے ایسا ڈنک مارا کہ سانپ تڑپ کر پلٹ گیا۔ ہم نے جانا کہ یہ شخص کوئی خاصان خدا سے ہے جو اللہ تعالی نے اُسے اپنی حفاظت میں رکھا ہے۔ جب قریب پونہچے تو دیکھا کہ وہ شخص نشۂ شراب میں مست پڑا ہے پس ہم کو حیرت ہوئی کہ یہ آدمی کیسا نافرمان اور وہ کیسا مہربان۔ اتنے میں غیب سے ندا آئی کہ "ای عزیزان اگر من صالحان و پارسایان راحفاظت کنم پس فاسقان و گناہگاران راکہ حفاظت کند"؟ ہم اسی بات میں تھے کہ وہ شخص ہوشیار ہوا ہم نے سارا ماجرا اُس سے کہا وہ سن کر بہت شرمندہ ہوا اور شراب خواری و بدکرداری سے توبہ کی اور خدا کے دوستوں میں سے ہوا۔ ای عزیز! اتمیز کر جب وقت نیک آتا ہے اور ہوا مہربانی اور فضل کی چلتی ہے تو آدمی کیسا ہی خراب ہو ایک دم میں اُس کے سارے گناہ بخش دیتا ہے اور مسند نشین اولیاء کرتا ہے۔ برخلاف اس کے اگر قہر کی گرم ہوا چلے سینکڑوں سجادہ نشینوں کو خراب کرکے غارت کرے۔

اسرار العارفین سے منقول ہے کہ آپ شبانہ روز مراقبے میں رہتے تھے۔ جب نماز کا وقت ہوتا تو آنکھ کھولتے اور تجدید وضو تازہ کرکے نماز پڑھتے۔ آپ کو صغر سنی سے نیند کا غلبہ بہت رہتا تھا آخر عمر میں شب بیدار رہتے تھے اور باقی عمر میں تلاوت قرآن شریف اور ذکر جلی و خفی کیا۔ آپ سالکوں اور برگزیدہ مجاہدوں میں سے تھے گوشۂ خلوت میں رہتے کم سوتے۔ کم کھاتے اور کم بولتے تھے اور ہمیشہ چلہ کشی کرتے تھے۔

جامع الکلام میں لکھا ہے کہ آپ ہمیشہ لب بستہ اور دل شکستہ رہتے تھے اور کوئی دم رونے سے چین نہ تھا اور حجرے کا دروازہ بند کرکے اکیلے بیٹھے رہتے تھے اور آپ کی زیارت کے لوگ بہت مشتاق ہوتے تو خادم جاکر عرض کرتا آپ ایک ٹھنڈا سانس لے کر اجازت دیتے جب لوگ آجاتے آپ کھڑے ہوجاتے اور سب پر نظر شفقت کرتے اور خادم کو اشارہ کرتے کہ سب کو ایک ایک پیالہ پانی کا دے کر رخصت کرے۔ جب تک لوگ پانی پیتے آپ کھڑے رہتے اور باتیں پند و نصیحت کی کرتے رہتے۔ جب سب کو پانی مل جاتا تو آپ رخصت کردیتے۔

افضل الفوائد میں لکھا ہے کہ ایک دفعہ آپ کی مجلس میں سلوک کا ذکر ہو رہا تھا آپ کو بدرجۂ غایت سرور ہوا آپ بار بار ٹھنڈے سانس بھرتے اور زار و قطار روتے جاتے تھے کئی دن آپ کی یہی حالت رہی مگر جب نماز کا وقت ہوتا آپ جماعت سے نماز ادا فرماتے اور پھر وہی حال ہو جاتا۔ کسی طرح صبر نہ آتا۔

مرآۃ المریدین سے مروی ہے کہ آپ حافظ تھے اور اکثر اوقات کلام مجید کا ورد فرماتے تھے۔ جب آیتیں یاس و ہراس کی پڑھتے تو زار زار روتے اور اپنا سینہ ناخن سے نوچتے یہاں تک کہ بے ہوش ہو جاتے اور جب ہوش آتا تو پھر تلاوت کرتے اور جب آیتیں رحمت اور رضا کی پڑھتے تو آپ کے چہرے سے بشاشت اور مسکراہٹ ظاہر ہوتی اور وجد کرتے اور اپنے حسب حال اشعار پڑھتے اور پھر تلاوت کرتے۔

فوائد الفوائد میں لکھا ہے کہ آپ زہد و ریاضت چھپایا کرتے اور اپنے آپ کو خلقت سے چھپاتے اور مریدوں کو بھی اخفائے عبادت کی نصیحت فرماتے اور کرامت کے چھپانے کا حکم کرتے اور فرماتے کہ کچھ ضرورت نہیں ہے کہ یہ چیزیں مشہور ہوں۔ فقیر کے لئے مشہور ہونا سخت آفت کا سامنا ہے۔

افضل الفوائد سے منقول ہے کہ ایک دن عالم سرور و شوق میں ارشاد فرماتے تھے کہ جو کوئی راہ حق میں پورا اترا مقصود کو پہنچا اور جس نے زبان سے اس کی حمد کہی گویا اس سے باتیں کیں اور جس نے کہ آنکھ سے اس کا جمال دیکھا بینا ہوا اور جس نے اس کی وحدت کی شراب پی مرد کامل ہوا اور اس میں مستی پیدا ہوئی اور اس کا غلغلہ بلند ہوا۔ جیسا کہ حضرت نظامی فرماتے ہیں۔ قطعہ

چو ہست مولوش گشتی فلک را خیمہ برہم زن — ستون چرخ در جنباں طناب آسماں درکش
مر نقش بے قدم می زن حدیثش بے زباں می گو — جمالش بے بصیری بیں شرابش بے جہاں درکش

راحت القلوب میں لکھا ہے کہ آپ اکثر مع اہل و عیال کے فاقہ سے رہتے اور صبر فرماتے اگر ایسی حالت میں کوئی مسافر آ نکلتا تو آپ مولانا بدرالدین غزنوی کے پاس جو مرید اور خادم خانقاہ کے تھے بھیجتے اور اشارہ فرماتے کہ خیر پانی تو لاؤ کہ آج کا دن بخشش و عطا سے خالی نہ جائے اور مجلس میں پہنچ کر آپ ہر ایک مسافر کو پانی کا پیالہ دیتے

اسرار الاولیا میں لکھا ہے کہ جب آپ کو فاقہ ہوتا تو آپ اس کا اظہار کسی پر نہ فرماتے اور اگر احیانا اس حالت میں بادشاہ یا کوئی امیر کچھ چیز بھیجتا تو آپ قبول نہ کرتے چنانچہ شمس الدین بادشاہ نے ایک مرتبہ ایک تھیلی اشرفیوں کی آپ کے پاس بھیجی اور کہلا بھیجا کہ اگر آپ اس کو قبول کر لیں گے تو میں بہت ممنون ہوں گا۔ آپ نے فرمایا کہ واپس لے جاؤ اور بادشاہ سے کہو کہ میں تم کو اپنا بڑا دوست جانتا ہوں اور تم مجھ سے دشمنی کرتے ہو جس چیز کو خدائے تعالیٰ دشمنی اور غضب سے اپنے کلام پاک میں یاد کرے اور تمام دوستوں کو اس سے پرہیز کرنا بتاوے تو تم ہمارے واسطے روا رکھتے ہو اور ہم کو اس میں آلودہ کرنا چاہتے ہو۔

کتاب راحت القلوب سے منقول ہے کہ شیخ فرید الدین گنج شکر راوی ہیں کہ ایک دن سلطان شمس الدین کا وزیر آیا اور ایک طشت پر از طلاء اور ایک فرمان دیہ مواضع جاگیر کا لایا اور کہا کہ بادشاہ نے اظہار بندگی کر کے یہ فرمان اور طشت زر آپ کے غلاموں کے لیئے بھیجا ہے۔ خواجہ مسکرائے اور فرمایا کہ ہمارے پیروں نے ایسی چیزیں قبول نہیں کی ہیں۔ اس لیئے میں بھی نہیں لیتا۔ وزیر نے عاجزی شروع کی آپ نے فرمایا کہ اگر میں آج ان کی متابعت نہ کروں اور جاگیرات اور اس زر کو قبول کر لوں تو میں قیامت کے دن ان کو کیا منہ دکھاؤں گا۔ اور ان کے زمرے میں کیوں کر شامل ہوں گا۔ ان چیزوں کے طالب اور بہت سے ہیں ان کو دو۔ ناچار وہ مع ہدایا کے واپس چلا گیا۔

ایک دن آپ کی خدمت میں قوال آئے اور اس شعر کو نہایت خوشنما اور دل ربا طور سے گا رہے تھے۔

سرودِ چیست کہ چندیں فسون عشق دروست	سرود محرم عشق ست و عشق محرم دست

یہ شعر سن کر آپ پر حالت طاری ہوئی اور کئی دن بے ہوش رہے دانہ پانی نہ کھایا مگر نماز کے وقت ہمیشہ ہوش میں آجاتے تھے۔

آپ نے اور قاضی حمید الدین ناگوری نے ایک دفعہ مجلس سماع منعقد کی جس میں بہت سے لوگ جمع ہوئے سلطان شہاب الدین غوری نے سنا اور کہا کہ امام ابو حنیفہ کے ہاں گانا حرام ہے اگر یہ میرے شہر میں گانا بجانا کریں گے تو میں ان کو نکال دوں گا آپ نے سنا تو فرمایا کہ "جو شخص ظالم محض ہے اس پر سماع بے شک حرام ہے اور ہم پر حلال ہے مجھ کو وہ کیا نکالے گا اگر خدا نے بھی چاہا تو وہ خود ہی نکل جائے گا" اس بات پر چند دن بھی نہ گزرنے پائے تھے کہ غزنی جاتے ہوئے رہتک مقام پر گکھڑوں نے اُسے مار ڈالا اور پھر پلٹ کر دلی آنا نصیب نہ ہوا۔

تیر جستہ باز گرداند ز راہ	اولیا راہست قدرت از الٰہ

کبھی آپ بے ساختہ شعر بھی کہہ دیا کرتے تھے چنانچہ یہ نظم آپ ہی کی ہے۔

ای بگردِ شمع رویت عالمے پروانہ	وز لب شیریں تو شور لیست در ہر خانہ
من بچندیں آشنائی من خورم خونِ جگر	قطب مسکیں گر گناہے می کند عیبش مکن
گر رسد از تو بگوشم کہ بمیرای سعدی	تا لب گور بإعزاز و کرامت بروم
در بدانم بدر مرگ کہ مشرم بالست	از لحد رقص کناں تا بقیامت بروم

علالت اور وفات

جب آپ کی عمر آخر ہونے آئی تو ماہ رمضان تھا کہ آپ کو ضعف ہونا شروع ہوا مگر آپ نے سارے روزے رکھے جب عید ہوئی تو عید گاہ تشریف لے گئے اور وہاں سے پلٹ کر جس جگہ آپ کا مزار ہے پہنچ کر چونکہ وہ جگہ مصفا اور پاکیزہ تھی دیر تک کھڑے رہے۔ آپ کے ہمراہیوں نے کہا کہ آپ گھر تشریف لے چلیے کہ لوگ زیارت اور مبارک باد کے لیئے منتظر ہیں اور کچھ کھانا تناول فرمائیے اور لوگوں کو رخصت کیجیئے آپ نے فرمایا کہ "ایں جا مرا بوے دلہا می آید" یہ کہہ کر آپ کو بہت رقت طاری ہوئی۔ اور فرمایا کہ میرا یہ دل چاہتا ہے کہ میرا دفن اسی زمین میں ہو اور اسی وقت مالک اراضی کو بلوا کر اُس کو قیمت دی اور اپنے گھر تشریف لے گئے۔

ایک روز شیخ علی سگزی کی خانقاہ میں مجلس سماع تھی خواجہ صاحب بھی تشریف لے گئے

قوال شیخ احمد جام کا قصیدہ نہایت خوبی سے گا رہے تھے جب اس شعر پر پہنچے:

کشتگانِ خنجرِ تسلیم را ہر زماں از غیب جانِ دیگر است

تو آپ ایسے متاثر ہوئے کہ حالت نزع کی ہوگئی اُسی حالت میں آپ کو گھر اٹھا کر لائے اور چار دن تک اُسی حالت میں رہے اور بار بار قوالوں سے اسی شعر کی تکرار کراتے تھے اور جب نماز کا وقت ہوتا تو ہوش میں آجاتے اور نماز ادا فرماتے مولینا فخرالدین زرادی اپنے رسالۂ اصول السماع میں لکھتے ہیں کہ جب آپ کو سماع میں زیادہ استغراق ہوا اور حالت دگرگوں ہوئی تو آپ کے مرید حکیم شمس الدین صاحب کو جو اپنے زمانے کے بڑے حاذق طبیب تھے بلایا اُنھوں نے نبض دیکھ کر کہا کہ "دل آپ کا آتش عشق سے جل کر کباب ہو گیا ہے اور جگر آپ کا نمک شور محبت سے گھل گیا ہے اب دوا آپ کی سوا شربت دیدار کے اور کچھ نہیں"۔

لقد لسعت حیّۃ الھوی کبدی[۱] فلا طبیب لھا ولا راقی

الا الحبیب الذی قد شغفت بہ فعندہ رقیتی و تریاقی

قوال جب مصرعۂ اول پڑھتے تو آپ کو سکون ہوتا اور مصرع ثانی سے تڑپ پیدا ہو جاتی بالآخر اسی حالت میں آپ کا وصال ہو گیا کہ آپ کے سر مبارک تو قاضی حمید الدین کے زانو پر تھا اور پائے شریف شیخ بدرالدین غزنوی کی گود میں تھے کہ بدرالدین صاحب کی آنکھ جھپک گئی اور ایسا معلوم ہوا کہ آپ فرماتے ہیں کہ اے بدرالدین خدا کے دوستوں کو موت نہیں آتی ہے

مرا زندہ پندار چوں خویشتن من آیم بجاں گر تو آئی بہ تن

دارالبقا کی طرف رحلت فرما چکے تھے۔ شمس الدین التمش نے جب آپ کی وفات کا حال سنا جو روز دوشنبہ ۱۴۔ ربیع الاول ۶۳۳ھ کو تخمیناً (۵۲) اور بقولے (۶۲) سال کی عمر میں ہوا تو دوڑا ہوا آیا اور خود آپ کو غسل دیا اور آپ ہی جنازے کی نماز پڑھائی اور میت کو خود کندھا دیا۔ بادشاہ کو آپ کی صحبت کا نیک اثر ہوا تھا کہ خود بڑا متشرع اور سختی سے پابند صوم و صلوٰۃ تھا اور کہا جاتا ہے کہ اُس نے کبھی نماز کا وقت ٹلنے نہیں دیا قضا کرنا تو ایک دوسری بات تھی۔

---

[۱] میرے جگر محبت کو ایسا ناگ ڈس گیا ہے جس کے لیے نہ کوئی طبیب ہی کافی ہو سکتا ہے نہ کوئی منتر ہی پڑھنے والا البتہ جس دوست پر میں فریفتہ ہوں اُس کے پاس میرا افسوں اور تریاق ہے۔ ۱۲

جس دن آپ نے وفات پائی اسی سال سلطان شمس الدین التمش نے بھی عالم آخرت اختیار کیا۔ حضرت کی وفات کی تاریخ کا یہ قطعہ ہے:۔

فیض بخش جہان بصدق یقین — قطب آفاق خواجہ قطب الدین
اسوۂ دہر و قدوۂ عالم — زبدۂ دودۂ بنی آدم
لقبش بختیار کاکی داں — ہست اوشی اکثیش برخواں
از ربیع تحت چار دہم — بود کاں قطب شد بچرخ ہنم
روز ترحیل آں دو شنبہ داں — بے شک و ریب سے ستودہ چو
عقل تاریخ نقل آں محمود — آب جنت بقطب دیں فرمود
بازگو سال نقل آں نامی — روح اللہ روحہ السامی
عمر پنجاہ و چار سالش بود — کاں زماں سوے عدن نقل نمود
مرقد پاک او بہ دہلی داں — روز و شب فاتحہ بروبرخواں
سال نقلش بہ بحر دیگر نیز — بیتکے گفتہ ام شنو بہ تمیز

سال آں دلی نیک خو
بود بدرو سر قطب الدین بگو
۶۳۳ھ

خواجہ صاحب کی درگاہ کے باہر کی عمارتیں

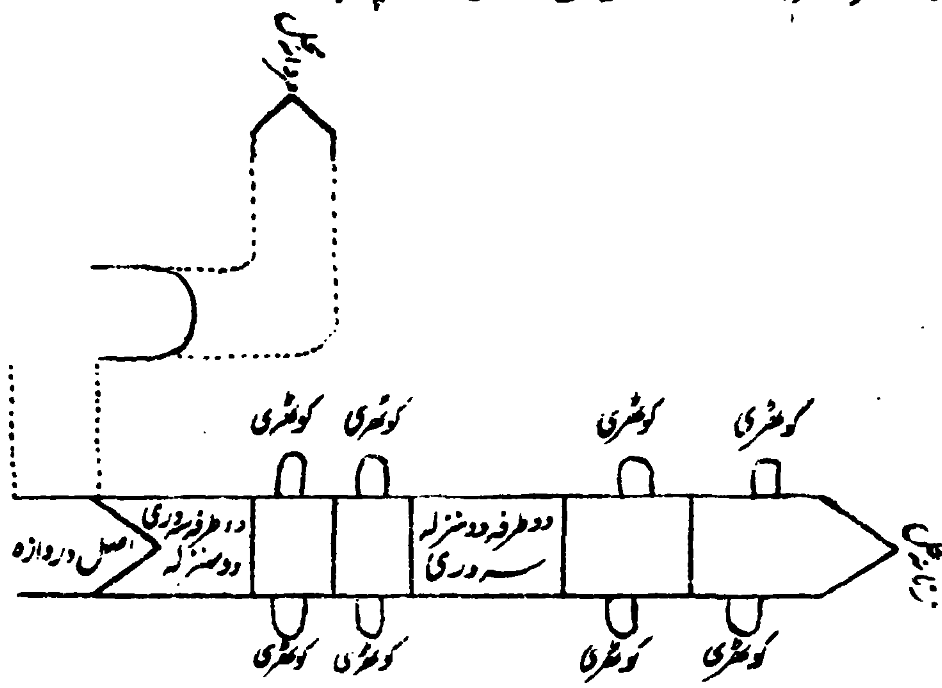
بادشاہی دروازہ

حضرت خواجہ صاحب کی درگاہ کے باہر دراصل ہوا بڑا عالی شان دروازہ ہے جس کی بلندی ۹ گز اور عرض ۱۲-۹ ہے اس پر چڑھنے کا (۷) سیڑھیوں کا چکردار زینہ ہے۔ لوگ اس کو درگاہ کا دروازہ کہتے ہیں اور میں اسے ایک جداگانہ محل کا دروازہ سمجھتا ہوں کیوں کہ اس دروازے کے اندر بڑے بھاری محل کے کھنڈر ہیں۔ یہ دروازہ سنگ سرخ کا ہے جس پر سنگ مرمر کی پٹیاں پڑی ہوئی ہیں۔ دروازہ بالکل درست حالت میں ہے۔ اور سہ منزلہ ہے جس کی پیشانی پر یہ کتبہ ہے۔

(کتبہ برصفحہ آئندہ)

سنہ ۱۱۱۱ — این در عالی چو شد مکرم بناحسب المراد
گفت دل سال بنا باب ظفر پائندہ باد — سنہ ۱۲۶۴

دروازہ سات گھاٹ یعنی ایک کے اندر ایک سات حصے ہیں اور مردانے محل کی طرف بڑے دروازے کے اندر بائیں طرف تین دروازے ہیں۔ ان دروازوں میں دُھر اُدھر بادشاہ کا ہاتھی مع عماری کے چلا جاتا تھا۔



محل تو اب رہا نہیں مگر یہ بات ظاہر ہے کہ جس محل کا دروازہ ایسا نایاب ہو وہ محل خود کیوں نہ لاجواب ہو۔ دروازے کے حصوں کی بعض چھتیں لداوی ہیں بعض چوبی کڑیوں کی ہیں۔ اسی کے پاس خاص محل کے کھنڈر ہیں۔ یہ دروازہ مغلیہ خاندان کے خاتم السلاطین بہادر شاہ مرحوم و مغفور کا بنوایا ہوا ہے۔

سرائے شاہی خاص محل کے عقب میں سرائے شاہی کی قدیم اور شکستہ عمارت ہے۔ اب اس میں زیادہ تر یکے والے ٹھیرتے ہیں۔ چو طرف ریل کھل جانے سے اب سرائیں بیکار ہیں۔ مسافروں کی ریل پیل بھٹیاریوں کی کشمکش اب نظر نہیں آتی۔ تہذیب یافتہ نئی روشنی والے ڈاک بنگلہ اور ہوٹل ڈھونڈتے ہیں معمولی حیثیت کے لوگ دلی سے سویرے سویرے چلے سیر سپاٹے میں دن گزار شاموں شام گھر آن داخل سرائیوں میں

رہے تو کون۔ بھٹیارے بھٹیاریوں کا روزگار بند اب جدھر دیکھو خانساماں اور بیٹلروں کا دور دورہ ہے۔

شیخ سلیمان دہلوی کا مقبرہ ۹۴۴ھ

بادشاہی دروازے کے پاس شیخ سلیمان دہلوی کا مزار ہے جو بہت خوب صورت قلندانی نما دالان سہ در سنگ سرخ کا بنا ہوا ہے جو ۲۳ فٹ ۲ انچ اونچا ہے۔ اس میں دو قبریں سنگ مرمر کی ہیں۔ پہلی قبر شیخ صاحب کی ہے اور دوسری اُن کے بھائی کی کہی جاتی ہے جن کا نام معلوم نہیں۔

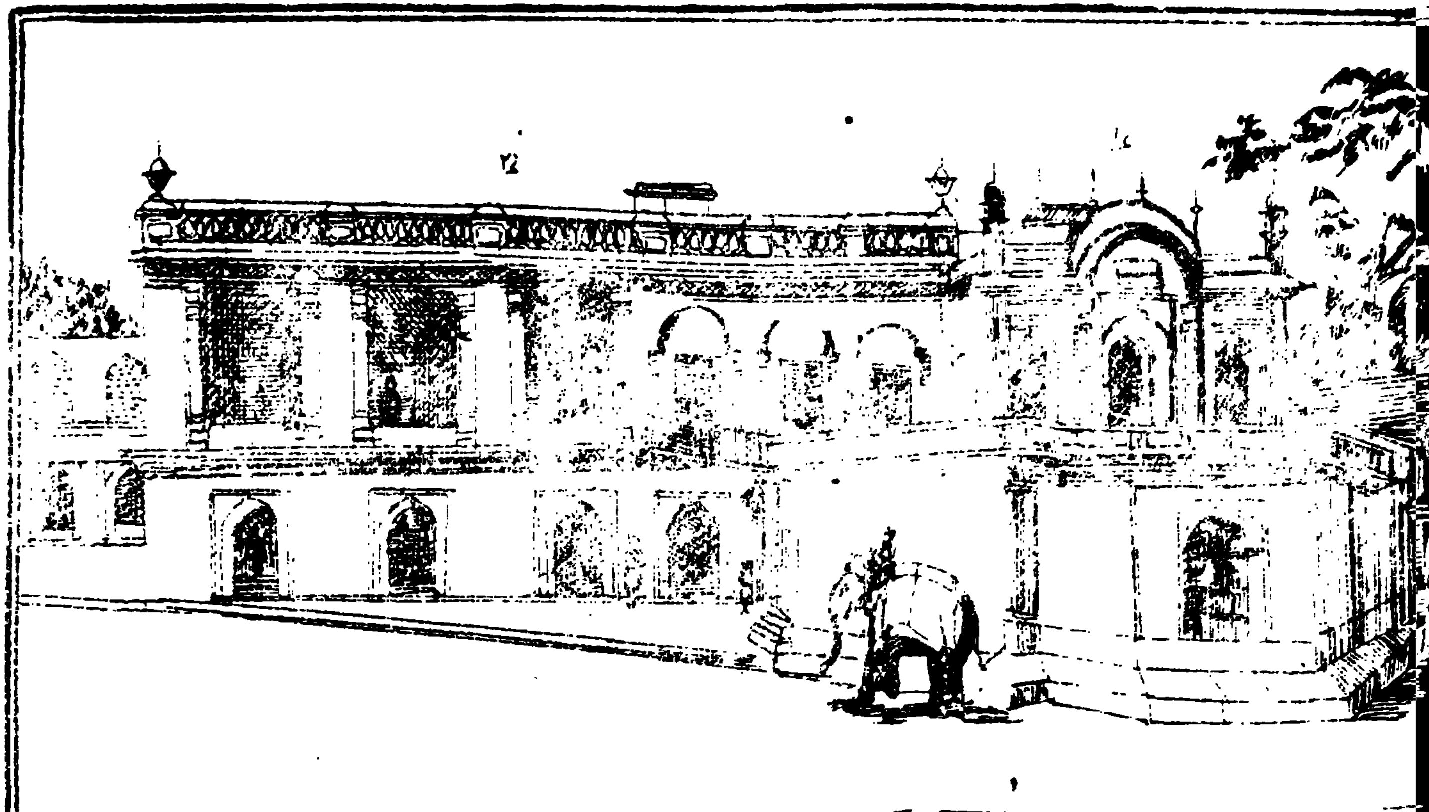
شیخ سلیمان بن عفان المندوی الدہلوی در ارشاد و ترتیب طالبان و تلقین واذکار و اشغال درویشان یگانۂ عصر بود۔ مسافرت بسیار کردہ و نعمتہا یافتہ۔ گویند کہ وی را نقل ارواح کہ مرتبہ الیست از مراتب تصرفات نفس ناطقہ انسانی حاصل بود و بجہت آں از اکثر احوال قرون ماضیہ خبر دادے۔ گویند کہ وی در تجوید قران یگانۂ عصر بود و در معاملہ قرآن راپیش آں سرور صلعم تجوید نمودہ و شیخ عبد القدوس پیش او تجوید کردہ و مدتے مدید در خانقاہ او بودہ۔ وفات او شب چہار دہم ماہ محرم ۹۴۴ھ و مقبرہ او عقب مقبرۂ خواجہ قطب الدین است۔

مینا بازار اور باؤلی

بادشاہی دروازے اور خاص محل سے مغرب جانب جب بازار کی طرف چلیں تو مینا بازار ہے۔ یہ وہی بازار ہے کہ جس کے دو رویہ بنگلے ہیں جو عرس شریف کے موقع پر بھاری بھاری کرایے پر جاتے ہیں اسی کے شروع میں ایک بڑا اعتدار ہشت پہل کنواں ہے جو کہتے ہیں کہ اورنگ زیب نے بنوایا تھا۔ کنواں ہشت پہل بنا ہوا ہے جس کا ہر ضلع ۱۸ فٹ لمبا ہے۔ بہت عمیق اور کشادہ ہے۔ اب تک بھی کثرت سے اس کا پانی استعمال کرتے ہیں اور اچھی حالت میں ہے۔ بہت پختہ بنا ہوا ہے۔

مسجد و مکان حکیم احسن اللہ خاں ۱۲۶۱ھ و ۱۲۶۳ھ

درگاہ شریف کے قریب یہ مکان نہایت خوش نما سر راہ واقع ہے جو مشہور زمانہ احترام الدولہ عمدۃ الحکما معتمد الملک حاذق الزماں حکیم محمد احسن اللہ خاں صاحب بہادر ثابت جنگ کا بنوایا ہوا ہے



نقشۂ مکان و مسجد حکیم احسن اللہ خان بہادر

بہادر شاہ کے دور آخری کے سب سے بڑے رکن رکین یہی تھے۔ مسجد اور مکان دونوں پر قطعات تاریخی لگے ہوئے ہیں اور وہ یہ ہیں:۔

تاریخ مسجد

مسجدے ساخت چوں بحسن عمل ۔ احسن اللہ خان پاک سرشت
ای ظفر بہر سال تاریخش ۔ خامہ ام "خانۂ خدا" بنوشت
۱۲۶۱

تاریخ مکان

از سال بنائے نو بدر گاہ ۔ پیر خرد م نمود آگاہ
برداشت سر از دیار دہلی ۔ تعمیر تعمیر احسن اللہ
۱۲۶۲

اب اس مکان میں عیسائی لوگ رہتے ہیں۔ اسی کے پاس مرزا ثریا جاہ کی حویلی بھی ایک قدیم عمارت ہے۔

گندھک کی باؤلی

درگاہ کے باہر یہ ایک بہت بڑی باؤلی ہے۔ ۱۳۶ × ۳۸ ہے پانی کے اوپر کا عمق ۴۰ ہے۔ پانی کے اوپر (۹۴) سیڑھیاں لگی ہیں جس کا سلسلہ تہ تک چلا گیا ہے۔ کہتے ہیں کہ یہ باؤلی شمس الدین التمش کی بنوائی ہوئی ہے طرز اس کا راجوں کی باؤلیں اور باؤلی درگاہ حضرت نظام الدین کا سا ہے۔ باؤلی کے شمال کی طرف سہ دری ہے جس کے ایک کے اوپر ایک پانچ در ہیں۔ اس باؤلی میں اب بھی پانی موجود ہے جو کسی قسم کے معدنی اجزا گندھک وغیرہ سے مرکب ہے اور اسی وجہ سے یہاں نہانا امراض جلدی کو مفید ہوتا ہے۔

بہشتی دروازے کے سامنے کے دو نقار خانے

درگاہ شریف کے بہشتی دروازے کے سامنے بیچ میں رستہ چھوڑ کر دو نقار خانے قدیم زمانے کے بنے ہوئے ہیں کہتے ہیں کہ شیر شاہ (۹۴۷-۵۲ھ ۱۵۴۰-۴۵ء) اور سلیم شاہ (۹۵۲-۹۶۰ھ ۱۵۴۵-۵۲ء) کے زمانے کے بنے ہوئے ہیں۔ درگاہ کا ایک

دروازہ قاضی کا دربار بھی ہے جو جنوب میں ہے۔

راجوں کی بائیں کے پاس کا ایک اور مقبرہ

راجوں کی باؤلی کا حال اوپر آچکا ہے اسی کے پاس ایک نامعلوم مقبرہ ۳۶ فٹ مربع ہے جو ہشت پہل ہے اور سنگ سرخ کے در ہیں۔ اس گنبد میں دو قبریں ہیں نامعلوم۔ اسی گنبد کے پاس ایک بہت بڑا کھنڈر ایک مسجد کا ہے۔ مسجدوں کے اس طرح متعدد کھنڈر ہیں چنانچہ راجوں کی بائیں کے پاس اور دو ٹوٹی پھوٹی بڑی بڑی مسجدیں ہیں جو بالکل منہدم ہو گئی ہیں۔ غرض یہ کہ راجوں کی بائیں کے چوطرف بہت سے کھنڈر ہیں جس سے معلوم ہوتا ہے کہ قدیم زمانے میں یہ باؤلی آبادی کے وسط میں تھی اور اب تو کھنڈروں کے بیچ میں ہے کہ اکیلے دکیلے جاتے ہوئے بھی ڈر لگے۔

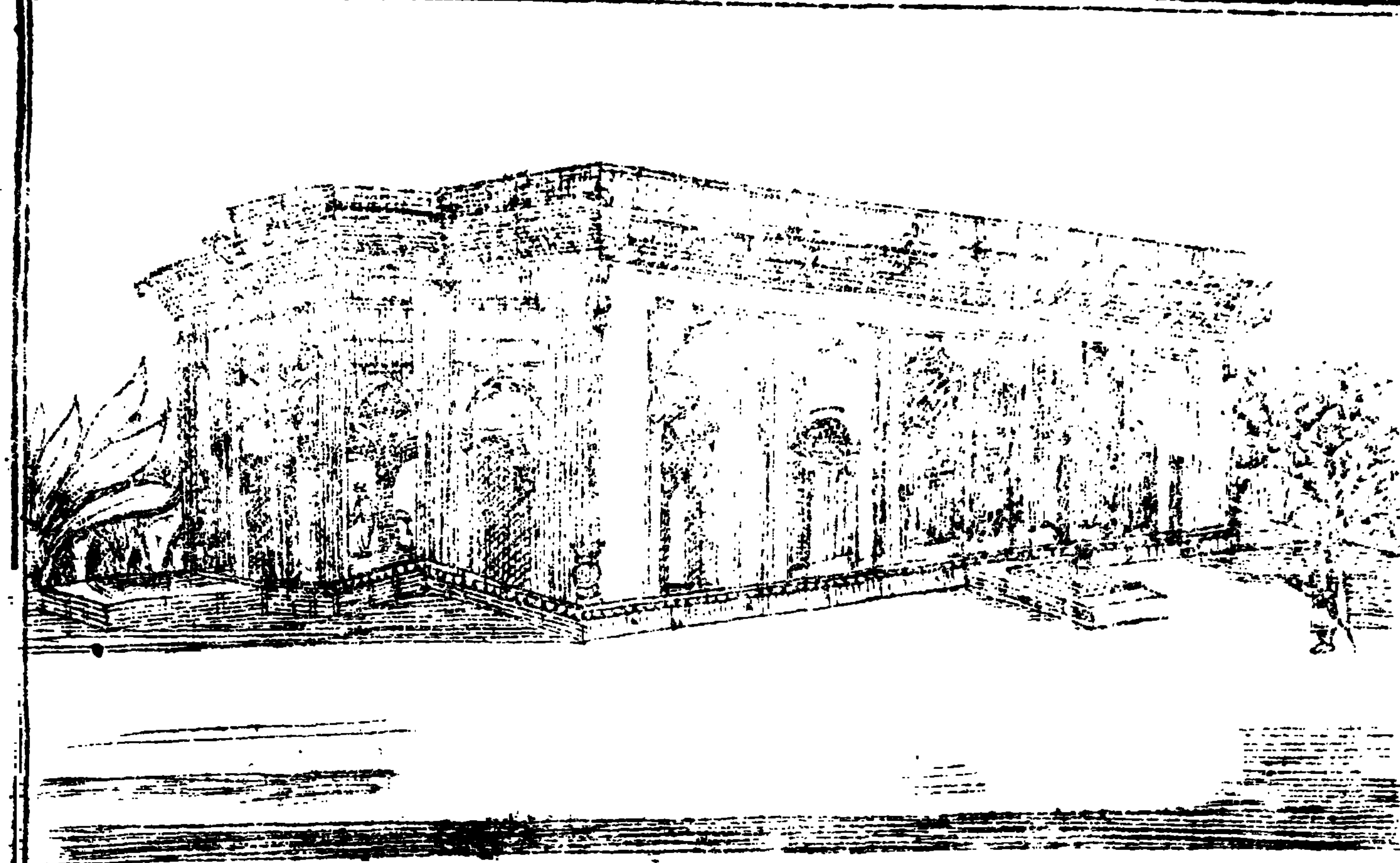
ناظر کا باغ
۱۱۶۱ھ ۱۷۴۸ء

یہ باغ قطب صاحب کے جھرنے کے پاس ہے۔ جو سرسبز و شاداب اور ایک اچھی سیرگاہ ہے۔ اس میں مکانات مرغوب بنے ہوئے ہیں۔ پھول والوں کی سیر میں ہزاروں آدمیوں کا جھمگھٹا یہاں رہتا ہے اور بڑی رونق کا میلا لگتا ہے۔ اس باغ کو ناظر روز افزوں نے محمد شاہ بادشاہ کے عہد میں بنایا تھا۔ اس کے دروازے پر یہ کتبہ ہے جس سے اس کا سال بنا معلوم ہوتا ہے:۔

بفرمانِ محمد شاہ عادل — کہ بر فرقش بود تاج تبارک
بنائے گلشنے در قطب گردید — کہ گلبانگش زند رضوان تبارک
بود سرسبز دائم روز افزوں — بحق سورۂ صاد و تبارک
پئے تاریخ سالش گفت ہاتف — خدا باری بود بانی مبارک

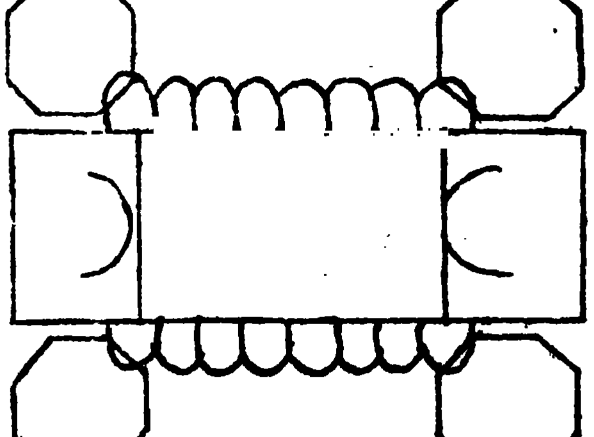
سنہ ۱۱۶۱ ہجری مقدسہ مطہرہ سنہ ۳۱ جلوس مبارک محمد شاہی

اس باغ کے گرد اگرد فصیل نا کنگورے دار نہایت مضبوط چار دیواری ہے جس نے اب تک بھی جنبش نہیں کھائی۔ البتہ مشرق کی طرف کی دیوار گر گئی ہے اور اندر چاروں طرف مکانات سنگین سنگ سرخ کے نہایت عمدہ بنے ہوئے ہیں اور ایک مکان



نقشه باغ نظر

باغ کے بیچوں بیچ بنا ہوا ہے کہ وہ سب سے بڑا اور بہتر ہے۔ صدر دروازہ مغرب رویہ سنگ سرخ کا ہے جو دوہرا ہے جس کی بلندی ۲۲ فٹ ہے۔ دو طرفہ چھپے چھپے سیڑھیوں کا زینہ ہے۔ چوبی پٹ ہیں مگر شکستہ۔ دروازے کے اندر دو طرفہ دو منزلہ سہ دری ہے غرض یہ کہ دروازہ بڑا عالی شان ہے اور ایسے نفیس باغ کا دروازہ بھی ایسا ہی ہونا چاہیے تھا۔ گو احاطے کے چار دروازے تھے مگر وہ معمولی حیثیت کے تھے صدر دروازہ یہی تھا جس پر کتبہ ہے۔ پہلے یہ ایک دلکش باغ تھا اور اب نرا جھاڑ جھنکاڑ ہے۔ روشوں نالیوں اور کیاریوں کے نشان اب بھی موجود ہیں مگر جس میں ہل پھر جائے اور زراعت ہونے لگے تو اب کیا خاک رونق رہ سکتی ہے۔ بارہ دریوں اور پر لطف شہ نشینوں میں چمن کی نفاست اور پر تکلف وضع قطع دیکھا کر اب بھی دل لوٹ جاتا ہے جب مویشی باندھے جائیں اور ان کے گوبر کے چوتھے ہر طرف لگے ہوئے ہوں اور ان کے پیشاب کی بو سے ناک نہ دی جا سکے اور جابجا اوپلیوں کے انبار اور بھس کے ڈھیر لگے ہوں اُن کی کس مپرسی کی یہ حالت دیکھ کر خدا کی قدرت یاد آتی ہے کہ بنانے والے نے روپیہ کی بکھیر کر دی اور اس مقام کو دلچسپ بنانے میں کوئی دقیقہ نہ اٹھا رکھا اور آج اس میں گدھے لوٹ رہے ہیں اور بجائے طرح طرح کے پھولوں کے تختوں کے زراعت ہو رہی ہے اور پھولوں کی بھینی بھینی مہک کے بدلے گوبر اور موت کی سڑاند ہے۔ کون سا پتھر کا کلیجہ ہے جو اس تباہی کو دیکھ کر متاثر نہ ہو۔ اب بھی اس باغ میں اُسی زمانے کے پرانے اور بڑے بڑے املی۔ کھرنی۔ آم۔ جامن۔ نیم۔ شہتوت وغیرہ کے درخت اور دو کنوئیں موجود ہیں۔



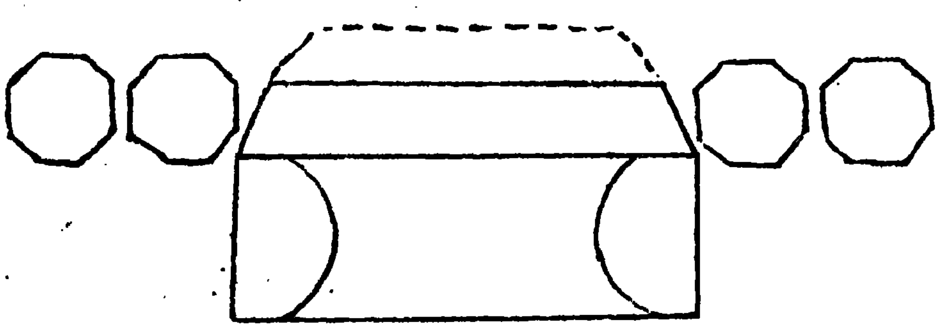
بیچ کی بارہ دری

باغ کے بیچ میں ایک نہایت خوشنما اور بہت بڑی سنگ سرخ کی بارہ دری ہے نقشہ یہ ہے۔

مشرق مغرب کی طرف یہ بارہ دری دُہرے دالانوں کی ہے اندر سے ۱۳ فٹ x ۵ - ۴۰
باہر سے ۲۶ فٹ ۸ x انچ - ۳ فٹ شمال جنوب میں ایک ایک برآمدہ ہے - چاروں طرف
پختہ حوض ہیں جن کے بیچ میں فوارہ ہے - تین جانب کے حوض ایک ہی وضع قطع
کے ۵ فٹ ½ x ۳ - ۹ اور ۲ فٹ ½ عمیق ہیں - صرف شمال کی طرف کا حوض ذرا بڑا ہے
۱۳ فٹ - ۱۰ x ۸ فٹ - ۳ فٹ عمق دو فیٹ باقی مٹی بھری ہوئی ہے - باہر سے عمارت کا طول و
عرض ۵۲ فٹ ½ x ۴۷ - ۲ - کرسی ۵ فٹ ½ بلند - پتھر کی سلوں کی لداوی چھت - گرد چوڑا چھجہ
جس کی سلیں جابجا سے گر گئی ہیں - اس کے سامنے شامیانہ بھی تانا جاتا تھا - ... سے
مرد... لگے ہوئے ہیں -

مشرق کی طرف کا پچ درا

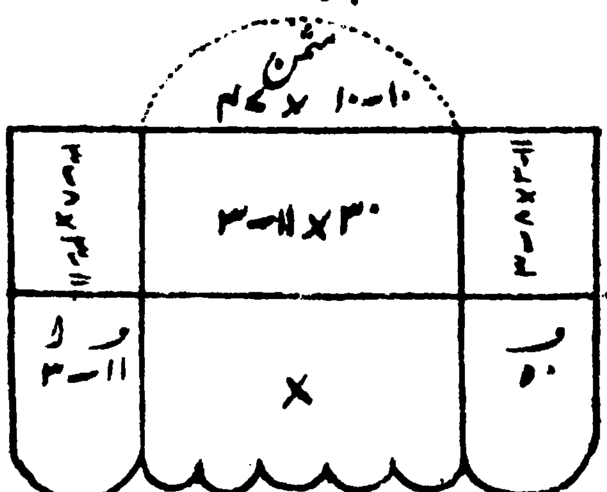
باغ کے مشرق میں یہ عمارت سنگ ہاسی کی بہت نفیس بنی ہوئی ہے یہ عمارت
۲ فٹ بلند ہے اور دو طرفہ الیس الیس سیڑھیوں کا زینہ ہے - شہ نشین کی دیوار میں
سنگ سرخ کی جالیاں باہر دار کو لگی ہوئی ہیں - جو سب ضائع ہو گئیں کہیں کہیں
کوئی ٹکڑا لگا رہ گیا ہے - اس میں ایک دو چھتی بھی ہیں - نظری اور سرسری نقشہ یہ ہے -



جنوب کی طرف کا پچ درا

یہ بھی سنگ ہاسی کا پچ درا ہے جس کی کرسی ۵ فٹ ہے
اور شہ نشین کی کرسی اندر وار سے ا فٹ ۴ ہے - یہ
عمارت باہر سے ۵۴ فٹ x ۲۹ ہے - عمارت کے گرد
چوڑی چوڑی سلوں کا چھجہ تھا یہ سلیں اب جابجا
سے گر گئی ہیں - اس عمارت کی چھت بھی لداوی ہے اور سلوں سے پٹی ہوئی ہے -

اس کو ملا کر اب تین مکان باقی رہ گئے ایک باغ کے بیچ میں اور دو تیغ درے قیاس یہ چاہتا ہے کہ ایسے ہی پنج درے مغرب اور شمال میں اور ہوں گے مگر اب نہیں ہیں اس عمارت کا نظری نقشہ یہ ہے:-



مولٰنا مجدالدین حاجی رحمۃ اللہ علیہ کا مزار اور مسجد ۶۴۲ھ

باغ ناظر کے پاس یہ تین در کی پختہ مسجد ۴۲ × ۱۳ ہے ہر دروں کی اونچان ۷ اور چوڑان ۴ ہے۔ پیش میں

چوڑا چھجہ سنگ خارا کا نیچے بھاری توڑے ہیں۔ فرش اور منبر ٹوٹ پھوٹ گیا۔ مینار شروع ہی سے نہ تھے۔ مسجد کی بائیں طرف ایک حجرہ بھی ہے اور اسی طرف گیارہ سیڑھیوں کا زینہ ہے۔ داہنی طرف صرف چھ سیڑھیاں ہیں شاید اذان دینے کا چبوترا بنایا ہے کیوں کہ سقف مسجد تک سیڑھیوں کا سلسلہ نہیں ہے۔ اس کے صحن میں بہت سی قبریں ہیں مولٰنا کی قبر شریف پر یہ کتبہ لگا ہوا ہے "مولٰنا مجدالدین حاجی ۶۴۲ھ" آپ کی قبر پختہ کی صحن مسجد میں ہے۔ اخبار الاخیار میں مولٰنا کے متعلق لکھا ہے کہ "آپ کا ذکر کسی ملفوظات مشایخ میں نہیں ملا لیکن بعض بزرگوں سے میں نے سنا ہے کہ آپ خاندان سہروردیہ کے ایک بزرگ اور شیخ شہاب الدین سہروردی کے مرید تھے۔ آپ نے بارہ حج کیے تھے اور آخر کار دہلی تشریف لائے سلطان شمس الدین التمش نے آپ کو صدر ولایت بنایا آپ اس خدمت سے نادم تھے تاہم دو سال تک اس خدمت جلیلہ کی مہمات کو بوجہ اتم سرانجام دیا

اور خوب انتظام بٹھلایا اور بخوبی بندوبست کرنے کے بعد التماس کیا کہ فقیر کو اب معاف کریں۔ بادشاہ نے آپ کا فرمانا قبول کیا اور منصب صدارت سے سبکدوش کیا۔ ایام تشریق میں کہ زمانہ اکل وشرب اور ضیافت کا ہے اس نواح کے لوگ شہر کے باہر آپ کے مزار پر جمع ہوتے ہیں اور اس اجتماع کو ختم مولنا مجد حاجی کہتے ہیں"

صحن مسجد میں اور بھی بہت سی قبور ہیں جن میں سے صرف تین قبروں پر کتبے ہیں اور بڑی خوشی کی بات ہے کہ سرکار کی طرف سے دولیست سے بنا کر ان تینوں قبروں کی بخوبی حفاظت کردی ہے۔ پہلے تبے ہیں دو بہت پرانی قبریں ہیں۔ اور دوسرے میں صرف ایک لڑکے کی جس نے سات برس کی عمر میں قرآن شریف حفظ کر لیا تھا۔

الله

(۱) وَکَانَ وَفَاتُهُ ..... اَلْعَبْدُ الضَّعِیْفُ ..... المرحوم محمد بن علی بن عثمان الملقب بنظام الدین (۲) فی الرابع مِنْ شهر المبارك رجب عمر میا هه ثمانٍ وَثلثینَ وَستمائة (۶۳۸ھ)

یہ پتھر کنگھے کی شکل کا محراب دار ہے۔ بڑی مشکل سے اتنی عبارت نکلی ہے۔ اس پتھر کے کنارے کنارے نصف دائرے کی شکل میں آیۃ الکرسی منقوش ہے۔

دوسری قبر۔ (۱) لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ الْجَبَّارُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ الْمُخْتَارُ سُبْحَانَ ذِی الْمُلْكِ وَالْمَلَكُوْتِ وَسُبْحَانَ ذِی الْعِزَّةِ وَالْجَبَرُوْتِ۔

(۲) لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ الْمَلِكُ الْحَقُّ الْمُبِیْنُ مُحَمَّدٌ الرَّسُوْلُ الصَّادِقُ الْاَمِیْنُ سُبْحَانَ الْمَلِكِ الْحَیِّ الَّذِیْ لَا یَنَامُ وَلَا یَمُوْتُ سُبُّوْحٌ قُدُّوْسٌ رَبُّنَا وَرَبُّ الْمَلٰئِكَةِ وَالرُّوْحِ۔

تیسری قبر

فرزندا عز قرۃ العین ثمرۃ الفؤاد

اسعد بن حسین نور الله

در هفت سالگی کلام الله

حفظ کرد و برحمت خدای پیوست

پاس پاس دو گنبد اور ایک قناتی مسجد مسجد کی داہنی طرف رستے کے اس پار ایک ... کے

دو گنبد ہیں جن کے بیچ میں ایک کنواں ہے۔
(۱) ۲۳ مربع ہے۔ کوئی خاص نام نہیں۔ اس کے اندر دو قبریں ہیں۔ دو طرفہ چودہ چودہ سیڑھیوں کا زینہ ہے۔ صدر دروازہ کی طرف جو رستے کے رُخ پر ہے ایک سنگ سرخ کی شہ نشین ہے۔ جنوب رُخ کے دروازے پر دو طرفہ طغرے کلمہ۔ بسم اللہ سبحان اللہ والحمد للہ ولا الٰہ الا اللہ واللہ اکبر ولا حول ولا قوۃ الا باللہ العلی العظیم گچ میں کھدے ہوئے ہیں۔ تین طرف دروازے ہیں مغرب کی طرف دروازہ نہیں ہے۔ شمال کی طرف کے دروازے میں چوبی کواڑوں کے پٹ چڑھا کر پولیاں بھر دی ہیں۔ بڑی مہربانی کی جس سے مقبرے کی حفاظت مقصود نہیں بلکہ اپنی پولیوں کی۔
(۲) دوسرا گنبد کٹورے کا گنبد کہلاتا ہے۔ شاید کبھی اس کی چھت میں کٹورا لٹکتا ہوگا۔ یہ ۲۴ مربع ہے۔ اس میں بھی دو قبریں ہیں اور اس میں بھی پولیوں کا ذخیرہ ہے۔ گویا تمام گنبد بنانے والوں نے اسی مقصد کے لیے یہ یادگاریں ہزار ہا روپیوں کے صرف سے قائم کی تھیں۔ ان کے فرشتوں کو بھی خبر نہ تھی کہ آگے چل کر ایک ایسا زمانہ آنے والا ہے کہ یہ گنبد نہ صرف گھانس پھونس اور مویشی کے چارے کا سٹور ہوں گے بلکہ ان میں گاؤں والے اپنے مویشی باندھ کر ان کو سنڈاس بنا دیں گے۔ اس گنبد کے باہر رنگ آمیزی کا کام بھی تھا جس کا کچھ کچھ حصہ اب تک بھی باقی ہے۔ اس کے دروازوں کے دو طرفہ
اِنَّ اللّٰهَ وَمَلٰٓئِكَتَهٗ يُصَلُّوْنَ عَلَى النَّبِيِّ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا صَلُّوْا عَلَيْهِ وَسَلِّمُوْا تَسْلِيْمًا
اور چھوٹے طاقوں کے دو طرفہ چاروں طرف بسم اللہ۔ کلمہ۔ یا اللہ لکھا ہوا ہے

قنائی مسجد

اس مقبرے کے پاس مشرق کی طرف گنبد سے ملی ہوئی ایک قنائی مسجد ۳۰-۹ ہے جس کے پیش طاق میں بہت سے کتبے ہیں چونکہ چونے میں کھدے ہوئے تھے جا بجا سے جھڑ بھی گئے ہیں۔ اس دیوار پر رنگ آمیزی کا کام بھی تھا جس کی کچھ جھلک باقی ہے۔ مسجد کا صحن عرض میں ۳۰ ہے جس میں بہت سی پختہ قبریں ہیں۔ کتبے یہ ہیں:۔
(۱) بسم اللہ آیۃ الکرسی (۲) قال النبی صلی اللہ علیہ وسلم لا تفسدوا ھو الامر التی لا الصعاد
قال اینما ھی یا رسول اللہ قال اربعۃ الملوک والعلماء والزھاد والتجار قیل وما ھم

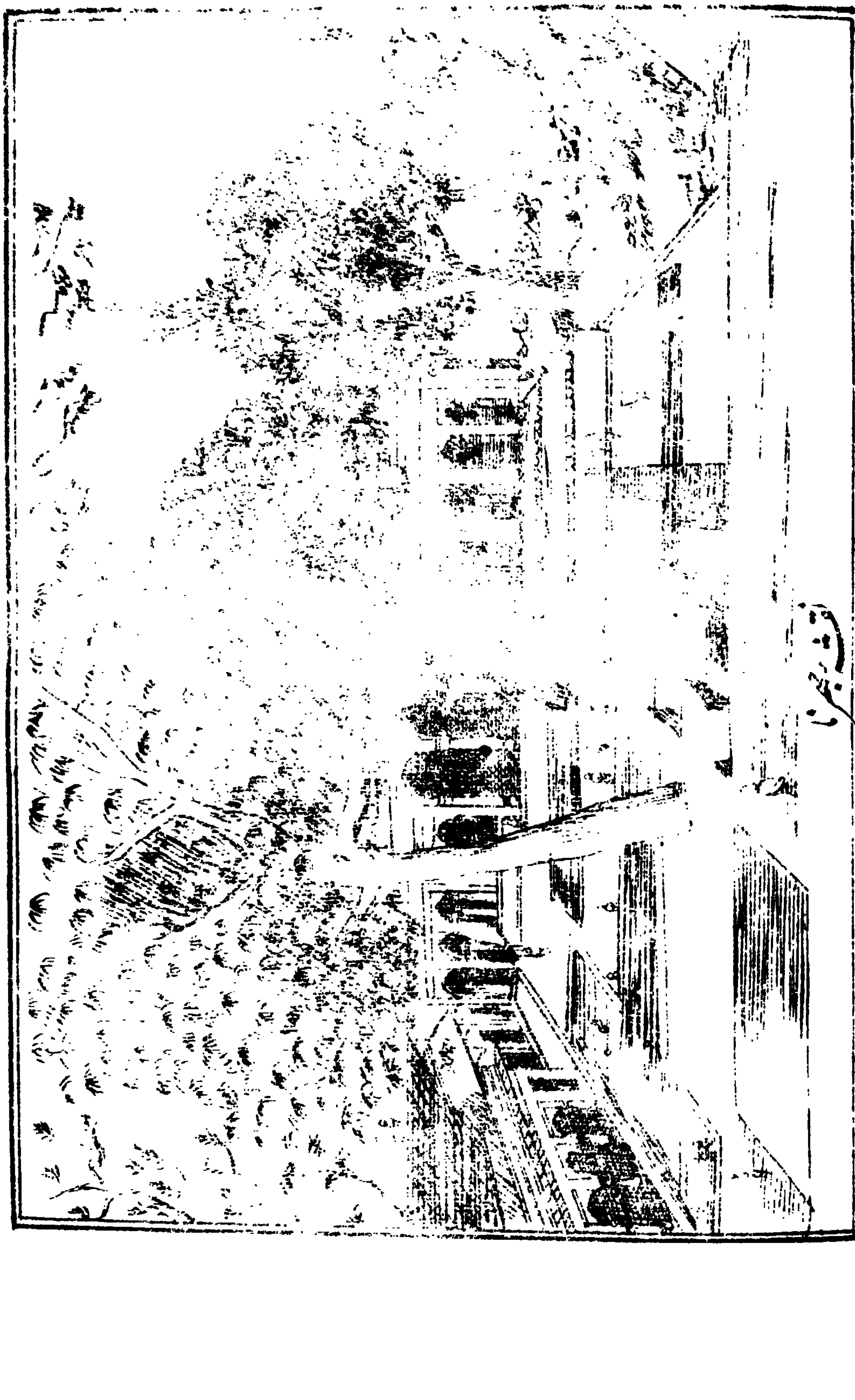
یارسول اللہ قال الملوک رحمات (۲) الملوک العلی ... فاذا کان الراعی دنیا فمن یرعی ... فاذا کان الطبیب مریضا فمن یداوی الخلق والزہاد کالحق فاذا کان اللہ بیضا ..... اللہ اللہ مرتبہ ۔ یہ کوئی حدیث شریف ہے جو جابجا سے بھڑ گئی ہے اس وجہ سے مسلسل عبارت نہیں پڑھی جاتی ۔ یہ حدیث کسی کتاب میں بھی نہیں ملی جو اُس سے مدد ملتی ۔ (۳) کلمہ ۔ قل ھو اللہ پوری اور اشہد ان محمد عبدہ و رسولہ والحمد للہ .....

جھرنہ
سنہ ۱۱۱۲ھ
۱۷۰۰ء

قطب صاحب کا جھرنہ کہلاتا ہے جو درگاہ شریف کے پاس ہے یہ عجیب وغریب ۔ لطیف و نفیس ۔ دلچسپ و دل کشا فرحت بخش و دل ربا سیرگاہ ہے جس کی سیر سے دل سیر نہیں ہوتا ۔ درختان سرسبز و شاداب ۔ نہر دوڑتی ہوئی حوض چھلکتے ہوئے باغ جنت یاد دلاتے ہیں اور بہشت کا سما آنکھوں کے سامنے پھر جاتا ہے ۔ پہلے پہل سلطان فیروز شاہ نے اس مقام پر ایک بند بنایا تھا چنانچہ جھرنے کی دیوار وہی بند ہے جو اب تک موجود ہے اور حوض شمسی کا پانی روک کر نوکھی نالے میں ڈالا تھا وہاں سے یہی پانی تغلق آباد کے قلعے کی خندق میں پہنچایا گیا تھا ۔ چند مدت کے بعد وہ قلعہ تو ویران ہو گیا اور وہاں پانی جانا بھی موقوف ہو گیا ۔ حوض شمسی کا پانی اس بند سے نکل کر جنگل میں رایگاں جانے لگا تو سنہ ۱۱۷۰ھ میں نواب غازی الدین خاں فیروز جنگ نے اس بند کے آگے حوض اور نہر چادریں اور فوارے بنوا دیئے چادروں کا چھوٹنا فواروں کا اچھلنا ایک عجب عالم دکھاتا تھا اور دل کو لبھاتا تھا ۔ اب وہ چادر اور فوارے تو سب بند ہو گئے ۔ کبھی کبھی دیواروں سے پانی البتہ رسنے لگتا ہے اور حوض میں تھوڑا سا جمع ہو جاتا ہے جھرنے کے چاروں طرف کچھ کچھ مکانات بنے ہوئے ہیں جن کا ذکر ہم مختصراً لکھتے ہیں :-

مکانات جانب غرب

بجانب غرب اس دیوار سے لگ کر سنگ سرخ کا ایک سہ درہ دالان ۲۷-۳ × ۸-۵ ہے اور جھرنہ انہیں مکانات کو کہتے ہیں ۔ دالان کی چھت لداؤ کی آٹھ فٹ اونچی ہے جس کے آگے ایک بہت نفیس حوض بنا ہوا ہے ۔ چھت پر سے لوگ کودتے اور حوض میں گرتے تھے ۔ لوگوں کے کودنے کے وقت بڑا لطف ہوتا ہے کوئی قلابازی کھا کر

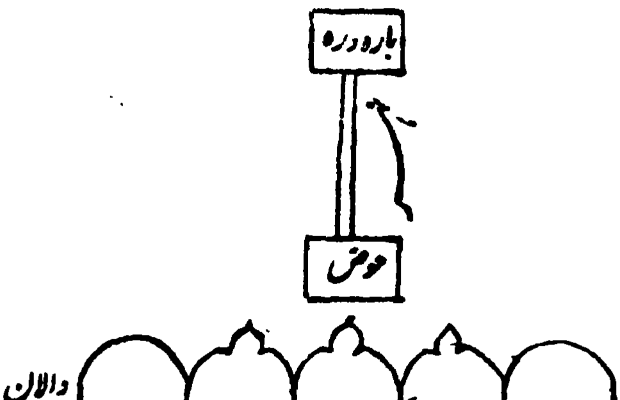


کودتا ہے کوئی چک پھیری پھر کر اور کوئی ہچنی کھا کر اور بعض لوگ یہ کرتے ہیں کہ ایک قوی ہیکل آدمی کو کھڑا کیا اور دو آدمی اس کے کندھوں پر چڑھ گئے اور درختوں کی ٹہنیاں پھول دار ہاتھ میں لیں اور سب سے نیچے کے آدمی نے زغند ماری اور حوض میں کودا اور جو اوپر چڑھے ہوئے تھے وہ بھی لامحالہ ساتھ ہی کودے اور اس طرح کے کودنے کو اصطلاح تیراکی میں "درخت کا کودنا" یا "جھاڑ جھنکاڑ کا کودنا" رکھا ہے۔ غرض طرح طرح کے تماشے برسات میں پھول والوں کی سیر میں ہوتے ہیں۔ اس دالان کی چھت ساری کی ساری اندر سے خالی ہے جس کے چھجے کے نیچے تیرہ انبوبے بطور فوارے کے لگے ہوئے ہیں۔ اس چھت پر بھی پانی چڑھتا تھا اور ان انبوبوں میں سے دھاریں چھوٹتی تھیں اور حوض میں گرتی تھیں۔ اس دالان کے اندر بھی ایک چادر ہے ۲-۳ چوڑی جو ۴-۱۰ کی اونچان پر سے گرتی ہے۔ اس کے نیچے چراغ جلانے کے طاق بنا دیئے ہیں۔ چادر کا چھوٹنا اور اس میں چراغوں کا جھلملانا بجنسہ ایسا معلوم دیتا تھا جیسا کہ آتش بازی کے پھول جھڑ رہے ہیں یا تارے ٹوٹ ٹوٹ کر زمین پر لوٹ رہے ہیں۔

نظر آئی واں چاندنی کی بہار … کہ آنکھوں سے نکلی خیرگی اختیار
در و بام یک لخت سارے سپید … ہر اک طاق محراب صبح امید
لبالب وہ چوپڑ کی پاکیزہ نہر … پڑے چشمۂ نا سے جس میں نہر
لب نہر پر صاف جو غور کی … تو پٹری تھی وہ ایک بلور کی
بڑے اس میں فوارے چھٹتے ہوئے … ہوا میں وہ موتی سے لٹتے ہوئے
زمیں نور کی آسماں نور کا … جدھر دیکھیے واں سماں نور کا
ہر کرتی نگہ جس طرف کو گذر … بجز نور آتا نہیں کچھ نظر

یہ حوض ۲۴ مربع اور ساڑھے سات فٹ عمیق ہے دہانہ ایک فٹ (۷) انچ کا ہے جس سے اس حوض میں پانی آتا ہے۔ حوض کے سامنے ایک بہت خوش نما نہر ۲۲ لمبی اور چھ فیٹ چوڑی اور ساڑھے تین فیٹ گہری ہے۔ اس نہر کا پانی چادر پر جا کر برستا ہے۔ یہ بڑی چادر ہوئی اس کے سوا شمال اور جنوب میں آمنے سامنے دو چھوٹی چھوٹی چادریں اور ہیں جو ۲ چوڑی ہیں اور دو فیٹ کی بلندی پر سے گرتی ہیں۔ ان چادروں کے آگے ۳ کی ہشت کاری کے

سلامی پتھر لگا دیئے ہیں جن کے خاروں میں پانی اٹک اٹک کر لہراتا اٹکھیلیاں کرتا عجب خرام ناز اور معشوقانہ انداز سے جاتا ہے کہ اس کی خوبی حیطۂ تحریر سے باہر ہے۔ ان تینوں چادروں کے سامنے نہریں ہیں۔ بڑی چادر کے سامنے کی نہر ۲۳ گز لمبی - ۲ گز چوڑی اور فٹ بھر گہری ہے اس نہر کے سامنے سنگ سرخ کا ایک بارہ درہ منڈوا ہے ۱۰×۹ گز ہے صحن میں ایک پرانا درخت جامن کا ہے اور کئی درخت آم اور نیم کے ہیں۔ موجودہ نقشہ اس کا یہ ہے:-



چھوٹی نہروں کے سامنے کی نہریں ۱۵ گز لمبی - ۲ گز ۹ چوڑی اور آٹھ انچ گہری ہیں۔ سب سب ٹوٹ ٹٹا کر فوارے اور چادریں سب بند ہیں اور پانی جنگل میں بہ جاتا ہے۔ اب اس مکان کی خوبی اور نفاست کیا لکھی جائے نہ وہ مکان ہی رہا نہ وہ مکین ہی رہے۔ نہ وہ عیش پسند طبیعتیں رہیں نہ وہ مذاق رہا۔ اب زمانے میں کچھ اور ہی ہوا چلی ہے ہم اس ٹوٹی پھوٹی حالت کو بھی دیکھ کر لٹو ہوے جاتے ہیں۔ چادروں کا گرنا۔ پانی کے دھواں دھوں کا عالم جانوروں کا ہرے بھرے درختوں پر پھدکنا اور چہچہانا۔ کوئل کی کوکو پپیہے کی پی کہاں کی صدا مور کا جھنگارنا اور ناچنا۔ فاختاؤں کا کوکوانا خلقت کی کثرت اور ریل پیل۔ تماشائیوں کا بن سنور کر عمدہ عمدہ رنگ برنگ کے لباسوں میں گشت کرنا حسینوں کے جھرمٹ۔ گانے کی الاپ طبلے کی تھاپ۔ کٹوروں کی جھنکار۔ سودے والوں کی پکار۔ دکانوں کی سجاوٹ۔ یار دوستوں کی لگاوٹ۔ پھول گجروں کی بہار۔ خوشبو و عطریات کی مہکار۔ کچھ عجب سماں تھا۔ بلا مبالغہ یہ معلوم دیتا تھا کہ راجہ اندر کا اکھاڑا یا پرستان زمین پر اتر آیا ہے بڈھے ٹھڈے اب بھی یاد کر کر کے مزے لیتے ہیں بھلا ہماری تقدیر ایسی کہاں تھی کہ ہم اس بہار کو دیکھتے ہمارے نصیب میں تو بس یہی رہ گیا ہے کہ گل کی جگہ خار دیکھ کر کف افسوس ملیں۔

کھلی آنکھیں تو دیکھا کچھ نہ تھا جز خار گلشن میں بتاتا باغباں رہ رہ کہ یاں غنچہ یہاں گل تھا

مکانات جانب شمال

سنہ ۱۲۲۱ھ – ۵۳
۳۷ – ۱۸۰۶ء

اس طرف ایک دہرا دالان پختہ و سنگین بہت خوش نما بنا ہوا ہے جو طول میں ۳۱ فٹ – ۸ انچ اور دونوں دالانوں کی چوڑائی (۲۲ فٹ) ہے۔ یہ دالان ابوالنصر معین محمد اکبر شاہ ثانی بادشاہ نے اپنے عہد سلطنت میں (جن کا زمانہ سنہ ۱۲۲۱ – ۵۳ھ / ۱۸۰۶ – ۳۷ء تھا) بنوایا تھا جو اب بھی موجود ہے۔ یہاں کے سب مکانوں میں یہی ہر اعتبار سے بہتر ہے۔ اسی سے ملا ہوا ایک دالان ۳۴ فٹ – ۹ انچ × ۱۱ فٹ – ۹ انچ ہے جس کی چھت چوبی کڑیوں کی ہے۔

مکانات جانب جنوب

سنہ ۱۲۲۱ – ۱۱۷۳ھ
۱۷۵۹ – ۱۸۰۶ء

اس طرف ایک سہ دَرا دالان ہے جس کی بغلی میں دو دَر اور ہیں چنانچہ اسی وجہ سے وہ پنج درہ کہلاتا ہے۔ اور اگر ادھر ادھر کے دروازے ملا لو تو ہشت درہ ہو جاتا ہے۔ یہ شاہ جی کے بھائی سید محمد صاحب نے ابوالمظفر جلال الدین سلطان عالی گوہر شاہ عالم ثانی بادشاہ (سنہ ۱۱۷۳ – ۱۲۲۱ھ / ۱۷۵۹ – ۱۸۰۶ء) کے زمانے میں بنوایا تھا جس کا اب نشان تک نہیں رہا۔ البتہ بیچ میں بہادر شاہ (سنہ ۱۲۵۳ – ۷۳ھ / ۱۸۳۷ – ۵۷ء) کے ایسی سنگین بارہ دری بنوائی تھی جو اب بھی موجود ہے۔

مکانات جانب شرق

۶۱ – ۱۱۳۱ھ
۱۷۱۹ – ۴۸ء

اس طرف کوئی مکان نہیں ہے پہاڑ ہی پہاڑ ہے۔ روشن اختر ابوالفتح محمد شاہ بادشاہ نے (سنہ ۱۱۳۱ – ۶۱ھ / ۱۷۱۹ – ۴۸ء) ایک پھسلواں پتھر کہ اس پر لوگ چڑھتے اور پھسلتے تھے رکھوا دیا تھا۔ یہ پتھر ۱۸ فٹ – ۳ انچ لمبا اور ۷ فٹ چوڑا تھا جو اب بالکل ٹوٹ پھوٹ گیا۔ اب صرف کچھ کچھ نشان باقی رہ گیا ہے۔ دروازہ اس کا کچھ شان دار نہیں ہے معمولی آٹھ فیٹ اونچا اور ۵ فٹ – ۳ انچ چوڑا ہے۔ اس کو آہنی جنگلے کے کواڑ حال میں چڑھا دیئے ہیں۔

امریاں

یہیں پاس بہت سے آم کے درخت ہیں جو "امریاں" مشہور ہے۔ پھول والوں کی سیر میں سیلانی جیوڑے یہاں جھولے ڈالتے اور لمبی لمبی پینگیں بڑھاتے ہیں۔ شہر کی تمام طوائف آتی اور عشق و محبت کی ڈوریاں ملا کر شوق و ذوق کی پینگیں بڑھاتی ہیں۔ تماش بینوں اور اوباشوں کی بے حیائی اور رنڈیوں کی کمائی کا اچھا ذریعہ ہے۔ اس مقام پر ایک قبر بھی ہے جس پر قطعہ کندہ

عارف حکیم فاضل باز ہد پر قناعت — گروہ ملک اللہ فرق بد دیانت
تاریخ سال اور ہاتف مرا خبر داد — روح شہید عابد آمد میان جنت

غرض اس طلسم کدے کا حال کیا لکھوں اس کا نقشہ کوئی عاشق مزاج ہی خوب کھینچ سکتا ہے شیخ کے چہ صاحب کا کھاؤ۔

پھول والوں کی سیر

ساون بھادوں کے مہینے ہر سال بڑی دھوم سے میلا ہوتا ہے۔ اب اس گئے گزرے زمانے میں بھی بہت کچھ اہتمام اور دھوم دھڑکا ہوتا ہے ایسا کہ سارا شہر لوٹ پڑتا ہے۔ پہلے زمانے میں آٹھ آٹھ دن جنگل میں منگل رہتا تھا۔ بدھ سے جمعہ تک تین دن تو میلہ شباب پر رہتا ہے اور بڑا ہجوم ہوتا ہے۔ عین میلے کا دن جمعرات کا ہوتا ہے۔ لاکھ ڈیڑھ لاکھ آدمی سے کم جمع نہیں ہوتا۔ پھول والے اور اہل حرفہ نہایت خوش نما پنکھے بنا کے اور باجے گاجے نوبت نقارے ڈھول تاشے روشن چوکی کے ساتھ لے جا کر حضرت قطب صاحب کی درگاہ پر چڑھاتے ہیں۔ اس وجہ سے اس میلے کا نام "پھول والوں کی سیر" ہے۔ میلے میں شہر کی دکانیں اور بازار خوب سجائے جاتے ہیں۔ سارے مکانات بھر کر لوگ میدان میں رات کو پڑے رہتے ہیں۔ جس طرف دیکھو آدمی ہی آدمی نظر آتے ہیں شہر سے لے کر قطب صاحب تک بہلیوں۔ یکوں۔ گاڑیوں۔ اور موٹروں غرض ہر قسم کی سواریوں کا تانتا لگا رہتا ہے اور پیدل چلنے والوں کا تو کچھ شمار ہی نہیں۔ سال بھر یہاں کے مکانات اور بنگلے جو سر راہ ہیں خالی پڑے رہتے ہیں مگر ان تین دنوں میں ایسا کرایہ وصول ہو جاتا ہے جو سال بھر کی آمدنی کے برابر ہوتا ہے۔ میلے میں لاکھوں روپے کی خرید فروخت ہو جاتی ہے۔ ہزارہا آدمی حوض میں نہاتے ہیں اور دالان کی چھتوں دیوار کی منڈیروں اور درختوں پر سے حوض میں کودتے ہیں اور پھلنے پتھر پھسلتے اور امبرتوں میں جھولے جھولتے۔ اس میلے کو اس زمانے کی بڑی بھاری پکنک سمجھیے۔ دلی والا کام پیشہ کوئی ایسا نہ ہوگا جو نہ جاتا ہو۔ مہینوں پہلے سے طیاریاں شروع کرتے ہیں۔ گھر میں چاہے کھانے کو نہ ہو مگر پھول والوں کی سیل (ان پڑھے کام پیشہ یوں ہی بولتے ہیں) ناغہ نہ ہو۔ قرض کریں گے دام کریں گے۔ جورو کا ٹوم چھلا بیچیں گے مگر پھول والوں کی سیل ناغہ نہیں ہو سکتی۔ چوں کہ ادنیٰ درجے کے لوگ بہت جاتے ہیں اور یہ لوگ وہاں جا کر ادھم مچاتے اور طوفان بے تمیزی برپا کرتے ہیں اس لئے بھلے پوش شریف ذرا جانے میں ہچکچاتے ہیں۔ ایسا ہی شوق چرایا تو صبح گئے اور شام کو

اپنے گھر چلے آتے ۔ بلا مبالغہ ساری دلی خالی ہو جاتی ہی اور چوروں کی بن آتی ہی کثرت سے چوریاں ہوتی ہیں ۔ یہاں کے پراٹھے اور کباب بہت مشہور ہیں ۔ بات یہ ہی جنگل کی ہوا اور اُس پر چلنا پھرنا بھوک خوب لگتی ہی اور بھوک میں سب ہی چیز اچھی معلوم دیتی ہی سوائے اس کے اور کوئی خصوصیت نہیں ۔ بادشاہی زمانے میں اس میلے کا رنگ روپ کچھ اور ہی تھا اور اب دلی والوں کو بس اتنی تفریح بھی غنیمت ہی جہاں رونق نہیں وہاں ارنڈ ہی اوکھ ہوتا ہی ۔

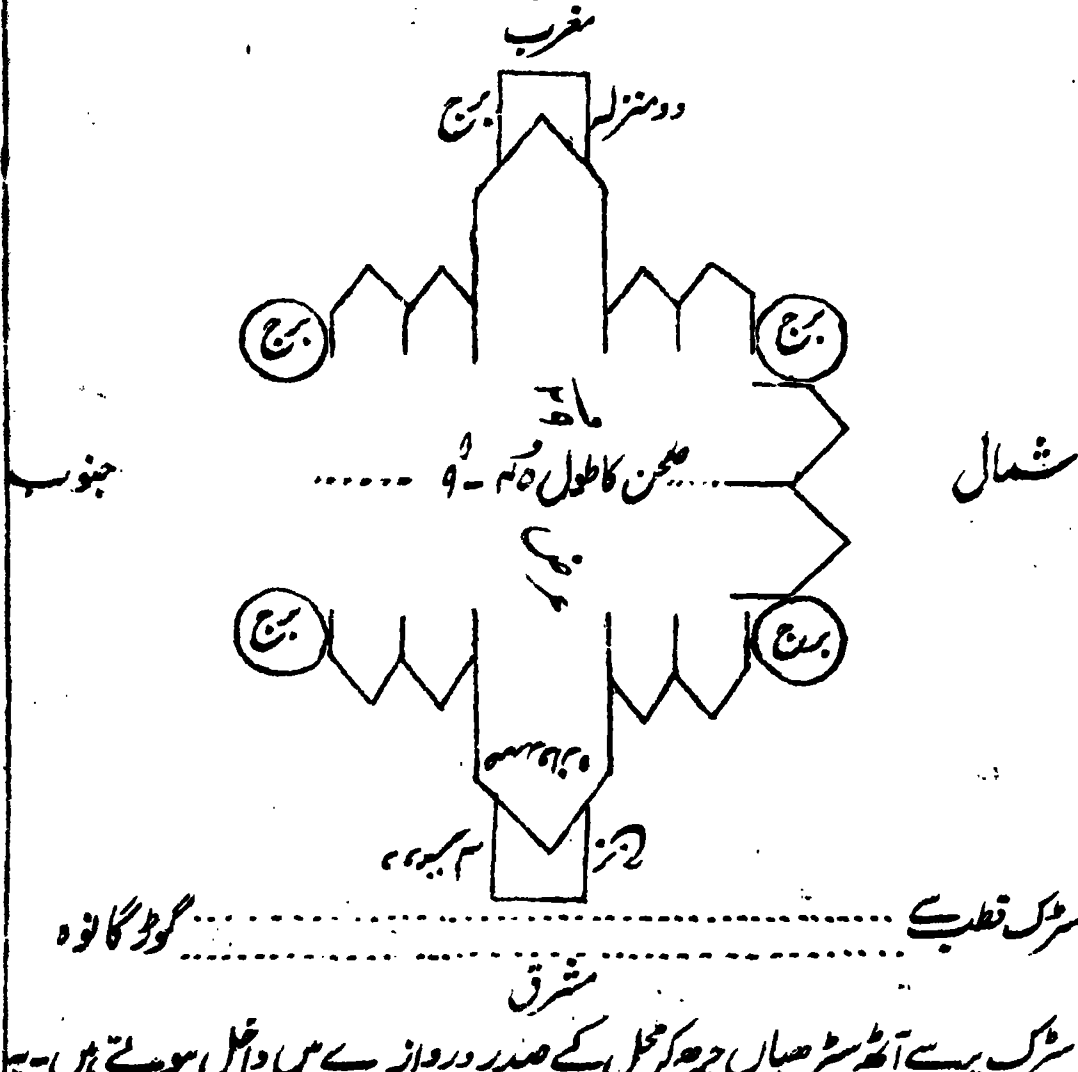
زمانہ دگرگوں شود ہر نفس نگردد بیک گونہ باہیچ کس

گوڑگانوے کی سڑک پر کی عمارتیں

بادشاہ پسند سرائے سڑک کے بائیں طرف ایک بہت وسیع اور پختہ سرائے بنی ہوئی ہی جس کا ایک عالی شان سہ گہا دروازہ سڑک سے ملا ہوا ہی ۔ اس کے مربع احاطے میں چاروں طرف سہ دری مکان اُن لوگوں کے واسطے بنے ہوئے ہیں جو الگ مکان پردے کی جگہ اپنے زنانے کے واسطے چاہیں ۔ باقی تین طرف نو نو حجرے مسافروں کے لیئے ہیں ۔ یہ حجرے ۵-۳ × ۸-۱۰ گیارہ فٹ اونچی محراب کے ہیں جن کے سامنے ۹ × ۸ کا برآمدہ ہی ۔ مغرب کے رُخ صدر دروازہ ہی ادھر اُدھر چار چار حجرے ہیں ۔ چاروں کونوں پر نو نو سیڑھیوں کے زینے ہیں ۔ شمال اور جنوب کے دونوں کونوں میں ایک ایک کوٹھری بھی رکھی گئی ہی ۔ چونکہ یہ سرائے موجودہ بستی سے ذرا پرے ہی لہذا بالکل ویران ہی ۔

جہاز محل یا لال محل یا شیش محل سڑک سے بالکل ملا ہوا داہنی طرف جہاز محل ہی جسے بعض لوگ لال محل بھی کہتے ہیں کہ سر تا پا سنگ سرخ کا بنا ہوا ہی اور شیش محل بھی یہی کہلاتا ہی شاید کسی زمانے میں شیشہ آلات لگے ہوے ہوں اب تو صرف جہاز کے نام سے مشہور ہی ۔ وجہ تسمیہ اس کی کچھ معلوم نہیں ممکن ہی کہ جہاز کی شکل کا مبوترا ہونے سے یہ نام پڑ گیا ہو ۔ لوگ تو یہ کہتے ہیں کہ کسی سوداگر کا جہاز تباہی میں آگیا تھا اُس نے منت مانی تھی کہ اگر اُس کا جہاز صحیح

سلامت آجائے گا تو وہ ایک مکان رفاہ عام کے لیئے بنا دے گا اور اُس کی مراد پوری ہونے سے اُس نے یہ مکان بنوا دیا۔ سنا جاتا ہے کہ بہادر شاہ بادشاہ بھی اس محل میں ٹھیرا کرتے تھے۔ سر سید نے تو لکھا ہے کہ وہ آپ گر پڑ کر زمین کے برابر ہو گیا صرف نام ہی نام رہ گیا ہے، لیکن موقع پر تو اس محل کا بہت کچھ حصہ اب تک بھی باقی ہے اور اُس وقت تو اس سے بھی بہتر حالت ہوگی۔ ہم موجودہ حالت کا خاکہ ناظرین کے سامنے پیش کرتے ہیں۔ پہلے تو نقشہ ملاحظہ فرمائیے:-



سڑک پر سے آٹھ سیڑھیاں چڑھ کر محل کے صدر دروازے میں داخل ہوتے ہیں۔ یہ مکان مستطیل ہے چاروں کونوں پر چودہ چودہ در کے برج ہیں۔ صدر دروازے اور اُس کے مقابل کے دروازے کے اوپر بارہ بارہ در کا برج ہے۔ یہ برج اور دروازے سنگ سرخ کے ہیں باقی اصل محل سنگ خارا اور چونے کا ہے۔ جنوب کی طرف کا ضلع گر گیا ہے باقی تین طرف کا حصہ جوں کا توں کھڑا ہے۔ چاروں طرف لداؤ چھت کے دالان

اور حجرے ہیں۔ برجوں کے قبوں پر چینی کا لاجوردی کوٹ ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ محل کے اندر بھی چینی کا کام ہوگا لیکن جب پلاستر ہی سارا اُجڑ گیا ہے تو اب رنگ کہاں باقی رہ سکتا ہے۔ عمارت کی بلندی چھت تک ۱۹ فٹ ہے۔ زینہ چھت پر جانے کا پندرہ سیڑھیوں کا ہے۔

بارہ درہ جہاز محل کے سامنے سڑک کی بائیں جانب اونچے ٹیلے پہ بارہ درہ ۸ فٹ ۱۰ انچ کا گنبد سنگ خارا کا کھڑا ہے اس کے چوطرف دالان تھے اور بیچ میں یہ گنبد تھا۔ دالان تو سب گر گرا گئے گنبد باقی ہے۔ گنبد کے اندر ایک زمین دوز قبر پتھر کی ہے اور گنبد کے باہر چبوترے پہ ایک سنگ خارا کے تعویذ کی قبر ہے۔

گورکنوں کی مسجد جھرنے کے پاس ایک اونچے ٹیلے پر اُس سڑک کے بائیں جانب گورکنوں کی مسجد ۹ فٹ ۴ × ۲۷ فٹ ½ ہے تین در ادھر تین در اُدھر بیچ میں نو سیڑھیوں کا زینہ۔ دروں کی اونچان چھ فیٹ اور چوڑان ۴ فٹ ½ ہے۔ چھت لداؤ کی ہے۔ سامنے مسجد کے صحن ہے مگر چبوترا شکستہ ہے اسی چبوترے کے نیچے جھرنا ہے۔ مسجد چوں کہ ٹیلے پر بنائی گئی ہے اس واسطے سڑک کے کنارے پانچ در کا ایک لداؤ دالان بنا کر اُس پر مسجد کی عمارت بنائی ہے۔ یہیں سنگ خارا کا ایک ہشت درہ منڈوا ۱ فٹ ½ مربع ہے جس میں ایک زنانی قبر سنگ خارا کی ہے۔

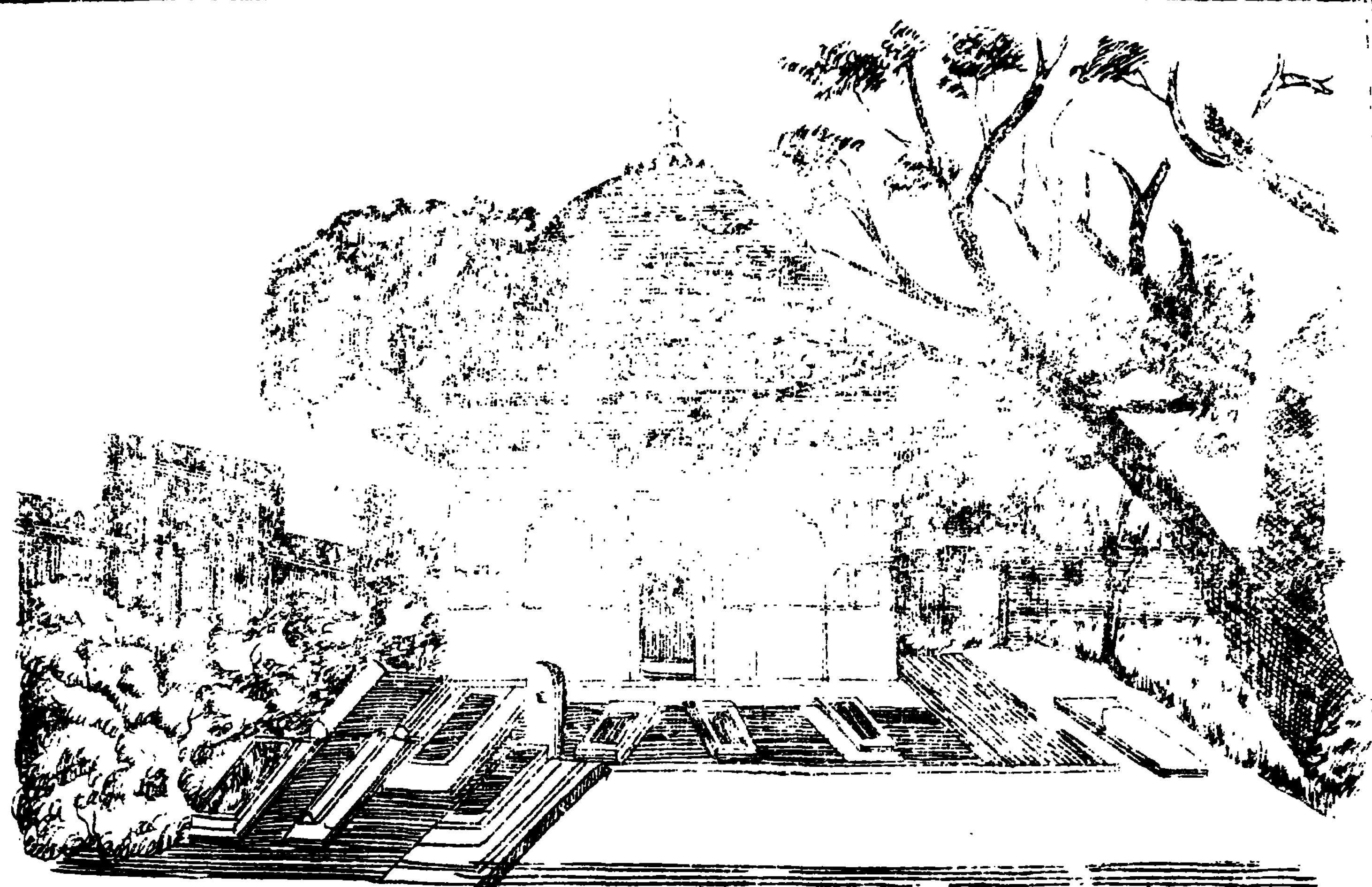
اولیا مسجد یہ مسجد شمسی تالاب کے کنارے مشرق کی طرف سڑک سے لگی ہوئی داہنی طرف ۵۸ × ۳۶ فٹ کے ایک پست احاطے میں واقع ہے۔ بعض جگہ تو دیوار تین ہی فیٹ اونچی ہے۔ اصل مسجد تو اب نرا ایک چبوترا ہی چبوترا ہے۔ صرف مغرب کی طرف ایک محراب چھ فیٹ کی بنی ہوئی ہے۔ مسجد کے صحن میں تین مصلے سنگ خارا کے ہیں جن کی نسبت لوگ کہتے ہیں کہ یہاں حضرت خواجہ معین الدین چشتی رح اور خواجہ قطب الدین صاحب نے چلہ کھینچا تھا اور چوں کہ حضرت خواجہ صاحب اور دوسرے بزرگوں نے خود لکڑیاں ڈھو ڈھو کر یہ مسجد بنائی لہٰذا اولیا مسجد مشہور ہو گئی۔ اب اُس کچی مسجد کو لوگوں نے پکا بنا دیا ہے اور ایک کہرا تین در کا دالان ۲۶ فٹ ½ × ۲ فٹ ½ کا لوہے کے گرڈر اور چوکوں کی چھت کا بنا دیا ہے اور سامنے صحن میں گچ کا فرش کرا دیا ہے۔ اس میں ایک بڑ کا بہت بڑا درخت ہے جس سے تمام

مسجد پر سایہ رہتا ہے۔ مسجد کی بلندی ۷ فٹ ہے۔ دروں کی اونچائی ۱۲ فٹ اور چوڑان ۵ فٹ ۔ ۹ ۔ ایک طرف زینہ ہے۔ مسجد کی چھت کی دیوار میں دو کھلے دروازے ہیں۔ صحن میں ایک کنواں بھی ہے۔ حوض شمسی میں اترنے کی آٹھ سیڑھیاں ہیں نیچے وار اصل مسجد ہے جس کی ایک چھوٹی سی قدیم محراب باقی ہے اور بہت چھوٹا سا ممبر بھی بنا دیا ہے۔ یہ حصہ ۳۲ × ۲۴ فٹ ہے۔ اکثر بزرگان دین مسجد کے اس حصے میں چلہ کشی کیا کرتے تھے اور موقع بھی تخلیہ کا بہت عمدہ ہے۔ مسجد کی غربی دیوار شمسی تالاب سے صرف ۴ فٹ کے فاصلے سے ہے۔ اب حال میں مسجد کے جنوب میں ایک شرق رویہ دالان منشی محمد کرم اللہ خاں صاحب مرحوم رئیس دہلی نے بنوا دیا ہے جس سے لوگوں کو بہت آرام ملتا ہے۔ مسجد کے پختہ صحن کے بعد ایک کونے میں خام صحن کے حصے میں کچھ قبریں بھی ہیں۔

مقبرہ شیخ عبدالحق محدث دہلوی
سنہ ۱۰۵۲ھ
۱۶۴۲ع

ای اجل گر تن بے جاں تہ خاکش ببری
نتوانی کہ نکو نامیش از یاد بری

حضرت خواجہ صاحب کی درگاہ سے آگے بڑھ کر پختہ سڑک پر تھوڑی دور چلنے کے بعد حوض شمسی کے کنارے داہنی طرف آپ کا گنبد پختہ بنا ہوا ہے۔ آپ بڑے عالم متبحر۔ محدث اور مفسر اکبر اور جہانگیر کے عہد کے تھے۔ ملک ہند میں سب سے اول علم حدیث کی ترویج آپ ہی نے دی اور آپ ہی کی وجہ سے کلام رسول مقبول کی شہرت اس ملک میں ہوئی۔ آپ کے جد اعلیٰ آقا محمد اپنے وطن اصلی بخارا سے بعہد سلطان محمد علاء الدین خلجی مابین سنہ ۶۹۵ھ و ۷۱۶ھ ایک جماعت کثیر کے ساتھ دہلی تشریف لائے اور تسخیر ممالک گجرات و بنادر کے مامور ہوئے۔ آپ کے والد ماجد کا نام شیخ سیف الدین تھا جنھوں نے ۲۷ شعبان سنہ ۹۹۰ھ میں ستر سال کی عمر میں بعہد جلال الدین محمد اکبر بادشاہ انتقال کیا اس وقت آپ کی عمر ۳۲ سال سات ماہ کی تھی۔ آپ کی ولادت ماہ محرم سنہ ۹۵۸ھ سلیم شاہ کے عہد میں ہوئی اور وفات ۲۲ ربیع الاول سنہ ۱۰۵۲ھ شاہجہاں کے عہد میں ہوئی۔ دلّی میں اب تک موجود ہے۔ آپ کے آپ کی اولاد محلہ مفتیان ترا ہا بیرم خاں میں رہتی ہے۔ آپ کی نویں پشت میں مولوی محمد احسان الحق صاحب دلّی کے سربرآوردہ لوگوں میں سے تھے۔ ان کے فرزند اکبر خان بہادر مولوی محمد انوار الحق صاحب (بقیہ بر صفحہ آئندہ)



نقشہ درگاہ حضرت شیخ عبد الحق

مقبرے کی نسبت مراۃ الحقایق میں لکھا ہے کہ نواب مہابت خاں سپہ سالار عہد شاہجہاں نے آپکی حیات میں بنوایا۔ نواب ممدوح کو حضرت سے عقیدت مفرط تھی۔ مقبرہ طیار ہونے کے بعد حضرت کی خدمت میں اطلاع دی گئی کہ مقبرہ طیار ہے۔ آپ نے فرمایا کہ "ہم بھی طیار ہیں"۔ سر سید نے لکھا ہے کہ یہ مقبرہ شیخ الاسلام نے بنوایا۔ مقبرے کی شمالی رویہ دیوار پر یہ کتبہ نصب ہے۔

"بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔ مجملے از احوال کرامت منوال مقتدائے وقت صاحب المفاخر ابوالمجد عبدالحق رحمۃ اللہ علیہ آں کہ از مبادیِ شعور بطاعتِ حق و طلب علم کمر بستہ با و ان بلوغ اکثر علوم دینیہ تحصیل کرد و در سن بست و دو سالگی از ہمہ آں فارغ شدہ و کلام مجید از بر گرفتہ۔ بر مسند نشست۔ و ہم در عنفوانِ جوانی جاذبہ الٰہی در رسید۔ بیک بار دل از یار و دیار بر کندہ متوجہ حرمین محترمین گشت۔ مدتے مدید بہ آں مقاماتِ شریفہ اقامت ورزیدہ باقطاب زماں و اولیائے کبار صحبتہا داشتہ بود ائع ارجمند و رخصت ارشاد طالبان اختصاص یافت۔ و علاوہ آں تکمیلِ فنِ حدیث نمودہ با برکات فراواں بوطن مالوف مراجعت فرمود۔ و مدتِ پنجاہ و دو سال بجمعیتِ ظاہر و باطن تمکن یافتہ

(بقیہ نوٹ صفحہ گزشتہ) راجپوتانے کی رزیڈنسی کے بڑے نامور اور مشہور میر منشی تھے جو بڑے ذی علم باخدا اور صاحب تقویٰ تھے۔ فرزند دوم مولوی وحید الحق تھے جو جوان مرے۔ فرزند سوم مولوی سیف الحق صاحب ادیب بڑے پایہ کے شاعر تھے جو دکن حیدرآباد میں پریس رپورٹر تھے یہ بھی نوجوان مرے۔ چوتھے اور سب سے چھوٹے صاحب زادے خان بہادر مولوی شرف الحق صاحب خاکسار کے برادر نسبتی تھے اور حیدرآباد میں مہتمم بندوبست تھے انھوں نے وہیں انتقال کیا۔ اب گیارھویں پشت میں کئی صاحب ایم۔ اے اور بی۔ اے معزز عہدوں پر ہیں جن میں سے مولوی شرف الحق کے دو صاحب زادے جو میرے سگے بھانجے ہیں۔ ہیں۔ بڑے صاحب زادے ڈاکٹر مشرف الحق پی ایچ ڈی ڈھاکہ کالج کے سائنس کے پروفیسر ہیں اور چھوٹے ڈاکٹر اشرف الحق ایم۔ بی۔ سی ایچ بی۔ افواج قلعہ محکمہ گورنمنٹ سرکار عالی نظام کے ڈاکٹر ہیں۔ غرض یہ کہ حصولِ علم میں شیخ کا تصرف اب بھی جاری ہے اور علم کی جھلک اس خاندان میں اب بھی نظر آتی ہے۔ یہ بات دوسری ہے کہ وہ علم الادیان سے بدل کر علم الابدان ہو گیا ہو یا عربی کی جگہ انگریزی نے لے لی ہو۔ سو یہ اقتضائے زمانہ ہے اور اب اسی کی ضرورت اور قدر ہے۔ مشرف الحق نے بھی اس نوٹ لکھنے کے بعد ۱۰ جنوری ۱۹۳۰ء کو بعالم شباب پردیس میں بمقام ڈھاکہ انتقال کیا۔

تحمیلِ فرزندان طالبان بجا آورد۔ وبنشر علوم سیّما بعلم شریف حدیث پرداخته۔ بہ نہجیکہ در دیار عجم احدے را از علمائے متقدمین و متاخرین دست نداده است ممتاز و مستثنیٰ گردید۔ و در فنونِ علمیہ خاصةً فن حدیث کتب معتبرہ تصنیف کرد۔ چنانکہ علمائے زماں اعتنا بآں ورزیدہ دستور العمل خود دارند۔ و اہل دانش از خواص و عوام بجاں خریداری می نمایند۔ تصانیف ایں فیاض والا گہر از صغیر و کبیر بصد مجلد بحسب شمار ابیات بپانصد ہزار رسیدہ است۔ در محرم ۹۵۸ھ ایں نور اتم برتو ظہور بعالم عنصری داد و در ۱۰۵۲ھ بتمام آگہی و کشادہ پیشانی بعالم قدس خرامید۔ تاریخ ولادت "شیخ اولیا" ۹۵۸ و تاریخ رحلت "فخر العالم است" ۱۰۵۲

قطعۂ تاریخ وفاتِ حضرتِ شیخ

فاضل ہند شیخ عبد الحق ‏ ‏ حامیِ شرعِ دیں بہ نیک نسق
عالم و متقی و عارف بود ‏ ‏ بعلوم غربیہ واقف بود
شرح مشکوٰۃ از تصانیفش ‏ ‏ تازی و فارسیست تالیفش
آنچہ او را دگر تصانیف ست ‏ ‏ چہ بہ نظم و چہ نثر تالیف ست
بنہالیش کہ در شمار آمد ‏ ‏ ہمگی ہشصد و ہزار آمد
عمر او بود یکصد و دہ سال ‏ ‏ کاں زماں شد ازیں سرائے ملال
سالِ نقلش خرد عیاں و نہفت ‏ ‏ بخلد او بہشت مرقد گفت ۱۰۵۱
مسکن او بشہر دہلی دال ‏ ‏ مدفن او بشہر دہلی دال

شاہ عبد الحق صاحب رح کا گنبد ۲۔ ۳ مربع ہے۔ دروازہ ایک ہی طرف جنوب رویہ ہے۔ یہ گنبد ایک خوش نما باغ اور پُر فضا مقام پر واقع ہے۔ درخت اب تک بھی بہت سے ہیں۔ مقبرے کے صحن میں آپ کی آل اولاد کی بہت سی قبریں ہیں مگر گنبد کے اندر صرف آپ ہی کا مزار ہے۔ گنبد کے گرد چاروں طرف احاطے کی دیوار پر نہایت عمدہ خوش خط بڑے بڑے حروف میں آیۃ الکرسی لکھی ہوئی ہے۔ گنبد اور اُس کا فرش چونے گچی کا ہے۔ گنبد بہت سادا سیدھا ہے کچھ تکلف اُس میں نہیں کیا گیا مگر اس سادگی میں بھی کچھ عجیب تکلف ہے کہ

ا۔ ایک سال کم بکلتا ہے اگر بہشت شریف بھی آپ کا ۱۰۵۱ سال ہوتا ہے نہ کہ ۱۰۵۲ ۱۲

انسان کے دل میں کشش پیدا ہوتی ہے۔ چونکہ آپ کی اولاد محلہ مفتیاں ترایہ بیرم خان میں موجود ہے آپ کا عرس ہر سال ہوا کرتا ہے اور اسی وجہ سے گنبد کی نگہداشت مرمت پاشی اور صفائی ہمیشہ ہوتی رہتی ہے۔ آپ کے صاحبزادے کا بھی مزار یہیں ہے جس پر یہ کتبہ ہے مدشیخ نورالحق ابن شاہ عبدالحق صاحب ۱۰۷۳ھ ۔ گنبد کے سامنے صحن چھوڑ کر ایک دو منزلہ سہ درہ دالدادی دالان بطور خانقاہ کے ہے جس کا بیچ کا حصہ گر گیا ہے۔ گنبد کا کلس پتھر کا ہے جو قائم ہے۔

خانقاہ سید نیاز محمد صاحبؒ

حضرت شیخ عبدالحق کے مقبرے کی پشت پر ایک احاطہ کے اندر صحن میں صرف ایک قبر پختہ بنی ہوئی ہے جس پر یہ کتابہ لگا ہوا ہے "سید نیاز محمد صاحب رحمۃ اللہ علیہ" اور اسی احاطے میں ایک پختہ دالان جنوب رو بہ نیا بنا ہوا ہے۔ ان بزرگوار کا کچھ حال دستیاب نہیں ہوا۔

۱ حوض شمسی

۶۲۷ھ ۱۲۲۹ء

صفت حوض کہ در قلعۂ سنگیں گوئی
ریختہ دست فلک زآب خضر صورتِ جاں

آب گہر صفوت و دریا شکوہ
در کمر سنگ میان دو کوہ

ساختہ سلطان سکندر صفات
در رسد کوہ آئینہ زآب حیات

تا خضر آب خوش او نوش کرد
آب خوش چشمہ فراموش کرد

شہر گراز وے بنود آب کش
کس نخورد در ہمہ شہر آب خوش

آب کہ علت زبرائے تر لیست
تری آں آب زعلت بر لیست

در نخورد آب وے اندر زمیں
گر بزمیں در خورد آب چنیں

زتر آبش زصفا ریگ خرد
کور تو اندبہ دل شب شمرد

موج بلندش کہ رسد تا بماہ
باند ہر آب بابر سیاہ

سیل وے آہنگ بکہسار کرد
کوہ بتر دامنی اقرار کرد

چوں مد وجزرش زنشیب و فراز
د آب زکوہ آمد ورفتہ باز

چو ترہ و قصر بلندش در آب
گشت ازاں ساغر صافی حباب

ربع بیہے زد بشدۃ تاآب جو (۱)
چوں زدئی آب از جستہ عوں

(۱) دریائے جمنا کا پرانا نام گو۔ ۱۲

مرغ بہر رود وے اندر سرود — رقص کناں ماہی از آوازِ رود
شیشہ گری کرد بدالش حباب — شیشۂ خالی وجہاں پر گلاب
باد کہ بروے خطِ زیبا نوشت — نسخۂ ماہیت دریا نوشت
عمق دروکار بجائے کشید — گز نہ اور گشتہ زمیں ناپدید
رفت زمیں راچو حباب از میاں — گشت پدید از تہ آب آسماں
نیم فلک ہست بزیرِ زمیں — چوں تہش نیست زمیں آں چنیں
بسکہ زمیں رفت ہمہ ماہیش — گاوِ زمیں شد خورش ماہیش
حوض نگویم کہ جہانے ز نور — نور کزو دیدۂ بد باد دور
گرد وے از اہلِ تماشا گروہ — دامنِ خیمہ شدہ دامانِ کوہ

(امیر خسرو۔ از مثنوی قرآن السعدین)

یہ تالاب شمس الدین التمش نے ۶۲۷ھ/۱۲۲۹ء میں بنوایا تھا اور اُسی کے نام سے مشہور ہے۔ خواجہ قطب الدین بختیار کاکی رحمۃ اللہ علیہ المعروف بہ قطب صاحب ہندوستان کے بہت بڑے بزرگ التمش ہی کے زمانے میں تھے اور بادشاہ کو بھی حضرت سے بہت عقیدت مندی تھی۔ اس حوض کے بنانے کے متعلق یہ روایت بیان کی جاتی ہے کہ جناب حضرت علی کرم اللہ وجہہ بادشاہ اور حضرت خواجہ صاحب دونوں کے خواب میں تشریف لائے۔ بادشاہ نے خواجہ صاحب سے خواب کی تعبیر پوچھی تو خواجہ صاحب نے فرمایا کہ جس مقام پر آپ نے حضرت علی کی زیارت کی ہے وہاں ایک تالاب بنوا دینا چاہیے۔ چنانچہ بادشاہ نے بہ تعمیل ارشاد خواجہ صاحب یہ تالاب بنوا دیا۔ جو حوض شمسی کے نام سے مشہور ہے۔ تالاب کے گرد سنگ سرخ کی بندش تھی لیکن اب اُس کا نام بھی باقی نہ رہا۔ تالاب کا رقبہ ۱۰ بیگھے پختہ ہے لیکن برسوں کی کس مپرسی کی وجہ سے بالکل مٹی سے اٹ گیا ہے اور اب ایسے ہی زور کی بارش ہو تو بیچ میں کچھ پانی ٹھیر جاتا ہے ورنہ ہمیشہ خشک پڑا رہتا ہے۔ ۷۱۱ھ/۱۳۱۱ء میں سلطان علاء الدین خلجی نے جب تالاب کی خراب حالت دیکھی تو گل بھر آری اور مرمت کرا دی تھی اور اُسی زمانے میں اس کے بیچوں بیچ ایک لداؤ کی چبوترا جو نیچے سے خالی ہے بنا کر اُس پر ایک نہایت خوش نما برجی بنا دی تھی جس کے سولہ ستون آٹھ آٹھ فیٹ اونچے ہیں اور برجی کا مسقف حصہ (۲۴ فٹ) مربع ہے۔

x

جس کے وسط میں براق کے قدم کا نشان ہونا کہا جاتا ہے جو تصدیق طلب ہے۔ دو صدی بعد محمد شاہ تغلق نے جب سنا کہ لوگوں نے شرارت سے آمدنی آب کے ذرائع مسدود کر دیئے ہیں تو اُن کو قرار واقعی سزا دی گئی اور آمدنی کے منافذ کھلوا کر صاف کرا دیئے گئے اور تالاب کی بھی مرمت کرا دی۔ اسی تالاب سے قطب صاحب کے جھرنے میں پانی جاتا ہے اور اسی تالاب کا پانی تغلق آباد کے قلعے کی خندق میں جاتا تھا۔ حقیقت میں اتنا بڑا حوض تو کہیں دیکھنے میں نہیں آیا۔ لوہے کی لاٹ سے یہ تالاب کوئی ایک میل کے فاصلے پر ہے اور یہ جگہ اولیائے کرام۔ بزرگان دین اور بڑے بڑے مشاہیر کے مزارات اور قبروں سے پٹی پڑی ہے۔ اس تالاب کے گرد کی زمین تاریخی معرکوں کا مخزن ہے۔ اس سرزمین کے چپے چپے پر مقدس اور بہادر لوگوں کی ہڈیاں گڑی ہوئی ہیں جن کا سلسلہ برابر چھ سو سال تک جاری رہا۔ یہیں مشہور اولیا مسجد ہے جس میں حضرت خواجہ معین الدین چشتی اور خواجہ صاحب رحمہما اللہ تعالیٰ نے سلمان بادشاہوں کی کامیابی کی دعا کی تھی۔ حوض کے جنوب میں اندھیریا باغ ہے جس کے اب دس پانچ ہی درخت باقی رہ گئے ہیں۔ اور پانی پت کے کمبوہوں کی ہڑواڑی ہے اور مشرق میں اولیا مسجد۔ اور لال محل ہے جسے جہاز محل بھی کہتے ہیں۔ مغرب میں مولٰنا شاہ عبدالحق صاحب محدث دہلوی مصنف اخبار الاخیار کا گنبد اور اس کے شمال میں ایک اُجاڑ باغ ہے۔ علاوہ اس کے بہت سے مزارات ہیں جن کا کچھ پتہ نہیں چلتا اور بعض مقامات یہ ہیں۔ بلخی شاہزادے کا باغ۔ شادی باغ۔ زین الدین زمردین۔ شیخ وجیہ الدین خلیفۂ سلطان المشائخ۔ شیخ امجد دہلوی۔ شیخ اوحد دہلوی۔ مولنا محمد شعیب۔ سید نور الدین مبارک غزنوی۔ مولنا حامد الدین پیر مولنا جمالی کے مزارات چاندنی چبوترہ بناکردہ محمد شاہ جو اب باقی نہیں ہے۔ پیپل والی کوئیں۔ سوہن برج۔ یارانی چبوترہ۔ چہل تن چہل من۔ تکیہ دین علی شاہ۔ خانقاہ عنایت خاں۔ خانقاہ نواب حفیظ الدین۔ ولی مسجد وغیرہ وغیرہ۔ ابن بطوطہ نے اپنے سفرنامے میں حوض شمسی اور حوض خاص کی وہ حالت جو قدیم زمانے میں تھی خوب دکھائی جسے ہم ذیل میں نقل کرتے ہیں:۔

اس حوض میں برسات کا ہی پانی جمع ہوتا ہے اور لوگ یہی پیتے ہیں۔ اس کا طول

دو میل اور عرض ایک میل کے قریب ہی حوض کے مغربی جانب عیدگاہ کی طرف سنگ بستہ گھاٹ چبوتروں کی شکل بنی ہوئی ہی جا اوپر تلے بنے ہوئے ہیں۔ چبوتروں سے لب آب تک سیڑھیاں ہیں اور ہر چبوترے کے کونے پر گنبد بنا ہوا ہی جس میں بیٹھ کر تماشائی سیر کرتے ہیں اور حوض کے بیچوں بیچ بھی منقش پتھروں کا دو منزلہ گنبد بنا ہوا ہی۔ جب تالاب میں پانی زیادہ ہوتا ہی تو لوگ کشتیوں میں بیٹھ بیٹھ کر گنبد تک جاتے ہیں اور جو تھوڑا پانی ہو تو یونہیں آتے جاتے رہتے ہیں۔ اس کے اندر ایک مسجد بھی ہی جس میں اکثر زاہد اور متوکل رہا کرتے ہیں۔ جب پانی ہٹ جاتا ہی تو کناروں پر فالیز بو دیتے ہیں۔ خربوزہ گو چھوٹا ہوتا ہی مگر شیریں بہت ہوتا ہی۔ دہلی اور دار الخلافہ میں ایک اور حوض **حوض خاص** کے نام کا ہی جو حوض شمسی سے بھی بڑا ہی جس کے کناروں پر کوئی چالیس گنبد ہیں اور اس کے گرد اہل طرب رہتے ہیں اس سبب سے طرب آباد کہلاتا ہی۔ یہاں اہل طرب کا ایک بہت بڑا بازار ہی اور اس میں ایک جامع مسجد بھی ہی اور سوائے اس کے اور مسجدیں بھی ہیں۔ کہتے ہیں کہ گانے بجانے والی عورتیں جو اس محلے میں رہتی ہیں رمضان شریف میں تراویح کی نماز پڑھتی ہیں اور جماعت بھی ہوتی ہی اور اُن کے امام بھی مقرر ہیں۔ عورتیں تعداد میں بہت ہیں اور ڈوم ڈھاڑی بھی بہت ہیں اور میں نے امیر سیف الدین مہتی کی شادی میں دیکھا کہ جوں ہی اذان ہوئی ایک ڈوم وضو کر کے مصلیٰ بچھا نماز پر کھڑا ہو گیا۔

مولنا وجیہ الدین پائلی کا مزار

شمسی تالاب کے مغربی کنارے پر آپ کا مزار ہی حضرت سلطان المشائخ کے آپ خلیفہ ہیں۔ ۳۲ × ۳۲ طول و عرض اور ۲-۹ اونچے چبوترے پر آپ کی قبر ہی اور یہیں ایک نیم کا درخت سایہ کیے ہوئے ہی۔

"دانشمند متبحر بود و استاد وقت و در زہد و ورع ممتاز و در آخر مرید شیخ نظام الدین اولیا شد و کمال اعتقاد بخدمت او داشت۔ نقل است کہ وی می گفت وقتی در پانی پت می رفتم در اثناے راہ صوفی را دیدم پیدا شد در دل من نوعے انکار آمد آں صوفی گفت یا مولنا چیزے مشکل داری و مرا در علم مشکلات ماندہ بود ہر یکے را با وگفت او جواب ہائے موجہ می گفت چنانکہ خاطر من می آسود تا آں حد کہ مسئلہ قضا و قدر ہم بیان

شانی فرمود بعد از اتمام بحث پرسید تو مرید کیستی گفتم مرید سلطان المشائخ والدین او گفت شیخ نظام الدین قطب ماست۔ قبر او بر سر حوض شمسی است در حظیرہ قاضی کمال الدین صدر جہاں و قتلغ خاں کہ نسبت شاگردی بہ مولانا داشتند (از اخبار الاخیار)

شیخ ادھن دہلوی کا مزار

مولانا شیخ عبد الحق کے گنبد کے مشرق میں کوئی سو قدم کے فاصلے سے آپ کا مزار ہے جس پر یہ کتبہ ہے "شیخ زین العابدین عرف ادھن رحمۃ اللہ علیہ" "نام اصل ایشان زین العابدین است عرف شیخ ادھن ۹۳۴ھ۔ دانشمند کامل بود متورع و متعبد و در غایت خشوع و انکسار و تادب و وقار صاحب الاخبار الاخیار از والد خود ناقل است کہ می فرمودند کہ ہیچ کس را ندیدیم کہ در بیرون و درون یکساں باشد الا ایشاں بہماں آداب و اوضاع کہ درمیان مردم می بودند درون خانہ نیز بودند و زبان ایشاں دایم بذکر اللہ مشغول بود و حلیہ در غایت جمال و نورانیت داشتند چنانکہ انوار علم و تقویٰ از جبین ایشاں لائح بود۔ اکثر احوال صائم بودے و در لقمہ احتیاط تمام داشتے۔ سلطان ابراہیم بن سلطان سکندر لودی ایشان را بجانب خویش خواند قبول نکردند۔ وے مرید مولانا سماء الدین و شاگرد میاں عبد اللہ طلبنی است۔ وفات او در سنہ ۹۳۴ھ است و مقبرہ او در جانب غربی حوض شمسی است"۔ (از اخبار الاخیار)۔

چہل تن چہل من

سڑک کی بائیں جانب ٹیلے پر ایک بارہ فیٹ مربع گنبد بنا ہوا ہے جس کا فرش ریل سوؤن زین گھڑے پتھر کا ہے اس میں کوئی قبر نہیں۔ گنبد کے سامنے ایک پختہ فرش کا احاطہ ۶۲×۳۵ فٹ کا ہے جس میں برابر برابر چالیس قبریں ہیں۔ ان بزرگواروں کے حالات کچھ معلوم نہیں کہتے ہیں کہ چالیس ابدال کی قبریں ہیں۔ جو سید احمد کبیرؒ کی اولاد سے ہیں اور اسی میں سید صاحب موصوف کی قبر بھی ہے۔ ٹیلے کے نیچے اٹھارہ سیڑھیاں اتر کر ایک تین دری مسجد ۳۲×۱۵ فٹ کی ہے جس کا منبر تک باقی نہیں ہے۔

سوہن برج یا ہشت محل

سڑک کی بائیں طرف ہے یہ در اصل ہشت دار مگر کس کی ہے خبر نہیں اتنا بڑا عالی شان

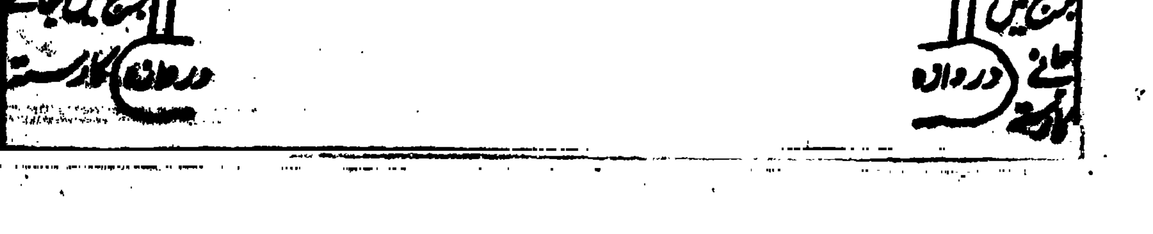
خوشس نما برج اور ہال اور حال کچھ کھلتا نہیں۔ ایک طرف تین دروں کا بجا بھاری پختہ لداؤ کا بنا ہوا تین کمروں کا ہال ۲۶ × ۱۵ – ۹ کا ہے جس پر تین گنبد ہیں اور سرے پر ایک مربع حجرہ ۱۷ × ۱۵ کا ہے جس پر ایک اونچا برج ہے اور یہی سوہن برج کہلاتا ہے بعض ہشت محل بھی کہتے ہیں۔ اس مکان کے نیچے تہ خانہ بھی ہے اور اسی کے متعلق ایک قناتی مسجد ۱۱ مربع ہے جس کی پانچ پانچ دو طرفہ دیوار دوز محرابیں ہیں اور بیچ میں ایک بڑا پیش طاق۔ اس مسجد کا صحن پختہ ہے جس میں متعدد قبریں ہیں۔ اس کا صدر دروازہ مشرق کی طرف ہے اس کے آگے پھر ایک بہت اونچا اور وسیع چبوترا ہے جس کی بیس سیڑھیاں ہیں۔

دو نامعلوم مقبرے

(۱) سوہن برج کے دروازے سے کوئی پچیس قدم کے فاصلے پر بالکل بالمقابل ایک اونچے ٹیلے پر سولہ سیڑھیاں چڑھ کر ۸ مربع ایک گنبد ہے جس میں قبر نہیں ہے۔ اسی کے پاس شمال کی طرف ایک چھوٹی سی تین دیوار دوز محرابوں کی قناتی مسجد اور چھوٹا سا چبوترہ ہے۔ (۲) اس مسجد سے کوئی پچاس قدم آگے بڑھ کر شمال کی طرف ایک دوسرا گنبد ۲۵ مربع دو دروازوں کا ہے ایک مشرق میں ایک مغرب میں۔ قبر اس میں بھی نہیں ہے جو دو حال سے خالی نہیں یا تو قبر تلف ہو گئی یا یہ کہ یہ برج اسی قسم کے ہیں جیسے کہ تاجر بنا بنا کر طیار رکھتے تھے جن کو ضرورت ہوتی تھی لے لیتے ورنہ یوں ہی خالی پڑے رہے

ہڑواڑوں کا جمگھٹ

سڑک کے بائیں ہاتھ کو سوہن برج کے مقابل ہڑواڑوں کا ایک سلسلہ دور تک چلا گیا ہے۔ ہم سب کا حال یکجائی طور پر بیان کرتے ہیں۔ (۱) قناتی مسجد تین ادھر تین ادھر بیچ میں بڑی محراب۔ طول مسجد کا ۳۵ ہے۔ دونوں سروں پر دو گول برج ۷ – ۹ قطر کے اور یہیں دونوں طرف ایک ایک محراب دار در۔ اس طرح :-

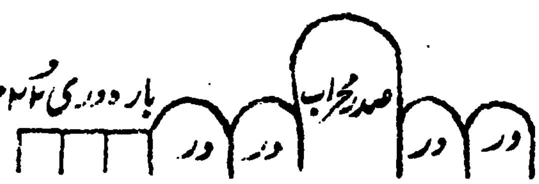


اس کے سامنے ٦٩ فٹ چوڑا چبوترا جس پر متعدد قبریں ہیں - شمال جنوب میں ایک ایک دروازہ -

(٢) ہشت پہل برج - قطر ١٢ فٹ - بیچ میں ایک قبر گچ کی جس پر کلمہ کھدا ہوا ہے - دوسری ایک قبر اور تھی جس کا صرف نشان باقی ہے - پانچ در کھلے ہوے - دو میں اینٹ کی جالیاں ایک میں طاق بجانب مغرب - اور اسی طرف قناتی مسجد کی دیوار دروں کی اونچان ٦ فٹ چوڑان ٣ فٹ -

(٣) پنج دری قناتی مسجد ٢٥×٤٠ فٹ مع چبوترہ - جنوب رویہ دالان ٣٠×١٥ - سیڑھیاں زینے کی سترہ -

(٤) یہ سب سے بڑی ہشت ہہرہ ٢٢٥×٩٠ فٹ کا احاطہ اور پختہ فرش پر صدہا قبریں - قناتی مسجد ٩٠×١١ - ٩ فٹ - شکل یہ :-



جنوب میں پنج درہ دالان اور پندرہ سیڑھیوں کا زینہ - بارہ دری میں چھ قبریں گچ کی ہیں جن میں سے ایک حضرت مولٰنا سماء الدین رح کی کہتے ہیں -

مولٰنا سماء الدین جامع بود میان علوم رسمی و حقیقی و تقوی و ورع از دنیا زیادت بر قدر بالحتاج اختیار نکردہ - وے مرید شیخ کبیر است نبیرۂ مخدوم جہانیان سید جلال الدین البخاری رح و گویند پیش مولٰنا سناء الدین کہ از شاگردان میر سید شریف جرجانی بود تلمذ کردہ بود و از ملتان بسبب بعضے وقائع کہ دراں دیار واقع شدہ برآمد و چندے در رنتھنبور و بیانہ وغیرہ آں گزرانیدہ بعد ازاں بہ دہلی آمد و توطن کرد و سن کبیر داشت و در آخر عمر حاسۂ بصرش رفتہ بود حق سبحانہ و تعالیٰ بے واسطۂ علاج بصارت را بوے باز دادہ (از اخبار الاخیار)

(٥) بارہ دری سنگ خارا ١٨ فٹ مربع - چھ قبریں - قناتی مسجد - بیچ میں بڑی محراب ادھر اُدھر دو دو محرابیں - دونوں سروں پر ایک ایک چھوٹی محراب صحن - ٥٠ فٹ ٣٠ مربع -

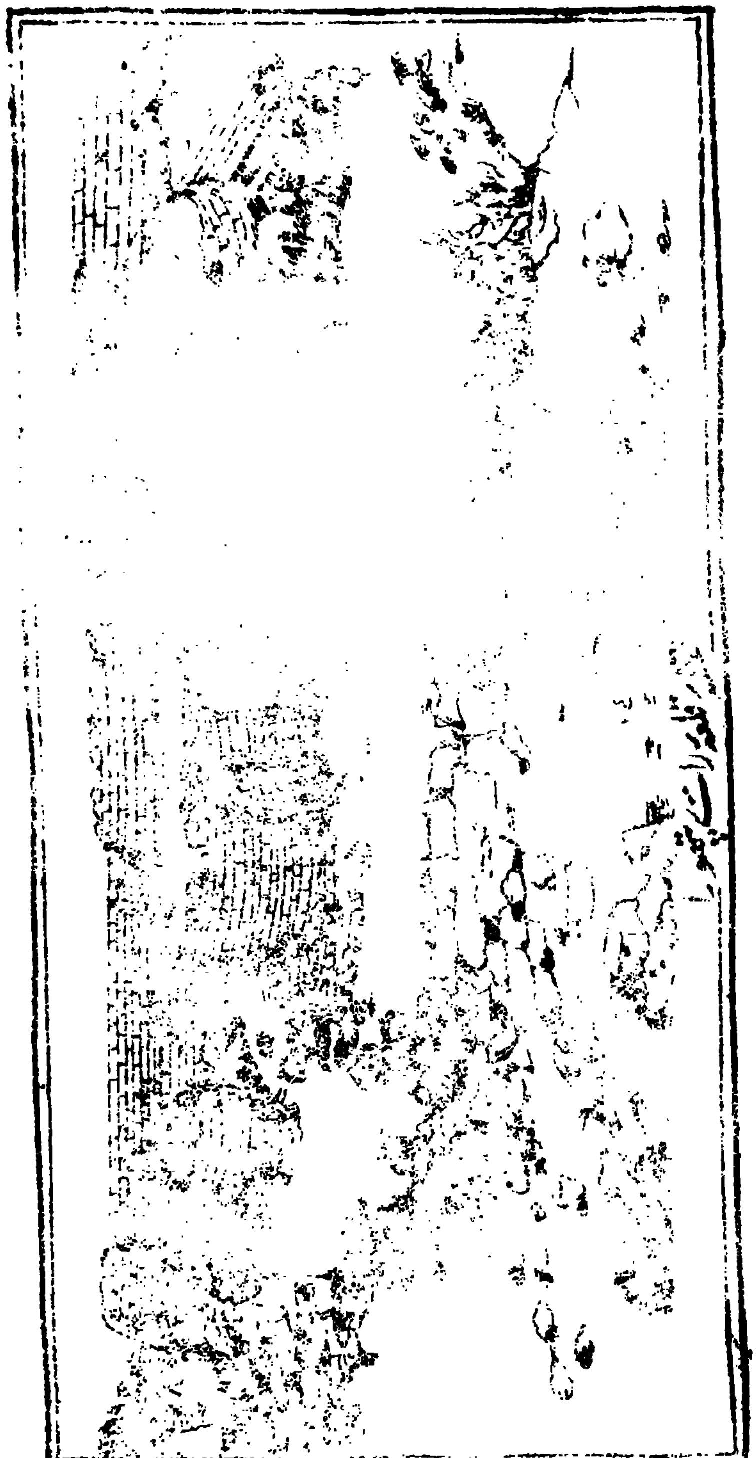
(۶) قناتی پنج دری مسجد ۳۴ × ۲۸ فٹ - صحن میں قبریں۔

(۷) مسجد مسقف ۳۶ × ۹½ صحن ۳۶ × ۲۸ فٹ - صحن میں قبریں۔

قلعہ رائے پتھورا بقول سرسید سمت بکرمی ۱۱۹۸ سنہ ۵۳۸ھ سنہ ۱۱۴۳ء بقول جنرل کننگھم سنہ ۱۱۸۰ء یا سنہ ۱۱۸۶ء

جہاں کل جواہر کے انبار تھے　　کروروں درم اور دینار تھے
وہاں کیا ہے اب خاک اور سنگ ہے　　عجب کچھ زمانے کا نیرنگ ہے

شہر دہلی سے سات کوس جنوب کی طرف قطب صاحب کی لاٹ کے پاس یہ قلعہ پرتھی راج نے جو زیادہ تر رائے پتھورا کے نام سے مشہور ہے بنوایا تھا یہ راجہ سومیسور راجہ کا بیٹا اور وسال دیو چوہان فاتح دہلی کا پوتا انیک پال سوم کی بیٹی کے بطن سے تھا۔ جنرل کننگھم اس راجہ کی مدت سلطنت (۲۲) سال سنہ ۱۱۷۰–۹۱ء بتلاتے ہیں اور سرسید (۴۹) برس سنہ ۱۱۴۲–۹۱ء لکھتے ہیں۔ سرسید خلاصۃ التواریخ پر سے قلعے کی تعمیر کا سال سنہ ۱۱۴۳ء کہتے ہیں اور جنرل صاحب ہنود کی پرانی اور قلمی کتابوں پر سے (جو میرے خیال میں زیادہ معتبر ہیں) سنہ ۱۱۸۰ یا ۸۶ء ٹھہراتے ہیں۔ اب ان میں قول فیصل کون کرے؟ جنرل صاحب لکھتے ہیں کہ یہ قلعہ صرف ہند کے شمال رخ پر سے جو مسلمان بڑھتے چلے آرہے تھے اُن کی پیش قدمی روکنے اور شہر کو اُن کی زد سے بچانے کے لئے بنایا گیا تھا۔ محمود غزنوی کی اولاد نے کچھ عرصے سے پنجاب پر اپنی حکومت جما لی تھی اور رائے پتھورا کی گدی نشینی کے بعد محمد غوری نے لاہور میں غزنوی حکومت کا قلع قمع کر ڈالا تھا جس سے پنجاب سے اس طرف قدم بڑھانے کا زبردست خدشہ لگا ہی ہوا تھا اس لئے ایک قلعے کے بنانے کی ضرورت داعی ہوئی۔ اب تو قلعہ بالکل منہدم ہو گیا ہے اور نرا نام ہی نام رہ گیا ہے کہیں کہیں ٹوٹی پھوٹی فصیل کا کوئی ٹکڑا باقی رہ گیا ہے۔ اس قلعے کے کھنڈر اور شکستہ دیواروں کو دیکھ کر اُس کی عظمت و شان کا خاکہ نظروں تلے پھر جاتا ہے کہ کتنا بڑا یہ قلعہ تھا اور کیسے کیسے بڑے بڑے عالی شان مستحکم و مضبوط اس کے برج تھے اور کس اہتمام اور کس قدر زر خطیر کے صرفے سے بنا ہوگا یا آج صفحۂ ہستی سے حرف غلط کی طرح مٹ گیا۔ اس قلعے کے آثار اور نشانات دو دو تین تین کوس تک معلوم ہوتے ہیں اور تمام



چھوٹا محل اور مندر جہاں اب قطب صاحب کی لاٹ ہے سب اسی کے اندر تھے۔ یہ قلعہ ایک چھوٹی سی پہاڑی پر بنا ہے اور اس کے گرد پہاڑ ہی میں خندق بھی بنائی ہے اور اس خندق میں سارے جنگل کا پانی گھیر کر ایک بند بنا کر ڈالا تھا کہ بارہ مہینے بھری رہتی تھی۔ یہ قلعہ سب طرف سے شکستہ ہو گیا لیکن مغرب کی طرف کہ یہاں "غزنی دروازہ" تھا فصیل کا کچھ کچھ نشان باقی ہے اور غزنی دروازے کا بھی ٹوٹا حصہ معلوم دیتا ہے۔ قلعے کا بہترین منظر شمال و مغرب کی طرف سے ہے اور قطب صاحب کی لاٹ پر سے تو یوں نظر آتا ہے جیسا کہ ہتھیلی میں۔ قلعے کے حدود کی ابتدا ہم ادہم خاں کے مقبرے سے کرتے ہیں کیوں کہ قلعے کی فصیل اس مقبرے کے احاطے سے بالکل ملی ہوئی ہے۔ اس جگہ سے فصیل سیدھی مغرب کی طرف اُس دروازے تک چلی گئی ہے جو چار سو فیٹ کا فاصلہ ہے۔ اور پھر ذرا سے موڑ کے بعد شمال مغرب کی جانب پاؤ میل تک فصیل چلی گئی ہے یہاں سے شمال مشرق کی طرف رُخ پلٹتا ہے اور کوئی دو سو قدم آگے بڑھو تو رنجیت دروازہ ملتا ہے اسی سیدھ میں دو سو قدم آگے جا کر ایک بڑا بُرج ملتا ہے جو اب بھی اچھی حالت میں ہے۔ کننگھم صاحب اس حصے کو لال کوٹ کی مغربی فصیل قرار دیتے ہیں۔ فصیل تیس فیٹ چوڑی اور خندق کی تہ سے ساٹھ فیٹ بلند ہے۔ خندق کی چوڑان مختلف طور پر ۱۸ سے ۳۵ فیٹ تک ہے۔ پہلے دروازے میں کوئی خاص بات قابل ذکر نہیں ہے دوسرا دروازہ "رنجیت دروازہ" جسے کننگھم صاحب مسلمانوں کا غزنی دروازہ لکھتے ہیں البتہ ایک بہت بڑا عظیم الشان بڑے معرکے کا مقام ہے جہاں تین بُرجیں بنے ہوئے ہیں۔ یہ دروازہ ۱۷ فٹ چوڑا ہے جس میں پتھر کا ایک کھم سات فیٹ اونچا دروازہ اٹھانے اور گرانے کا اب تک موجود ہے۔ فصیل کا یہ حصہ "فتح برج" پر ختم ہو جاتا ہے فتح برج کا قطر اسّی فیٹ ہے۔ یہاں فصیل کے شمال و مغرب میں پرانی عیدگاہ کے کھنڈر ہیں جو ایک بہت وسیع اور بلند عمارت تھی جہاں دہلی کے لوٹنے سے پیشتر امیر تیمور کا کیمپ تھا اور دربار ہوا تھا (از سوانح عمری تیمور مصنفہ مسٹر بگلر)۔ فتح برج سے فصیل کی دو شاخیں ہو جاتی ہیں۔ نیچے والی شاخ شمالی رُخ لیے ہوئے رای پتھورا کے شہر کو محصور کرتی ہے اور بالائی شاخ سیدھی مشرق کی طرف قلعے کے حصار کی ہے جو آگے وار کو بڑھی چلی گئی ہے

اول الذکر شاخ "سوہن برج" سے جاملی ہے۔ جو بمقابلہ فتح برج کے ذرا پست ہے اوران دونوں برجوں میں صرف دوسو فیٹ کا فصل ہے۔ فتح برج اور سوہن برج کے درمیان بھی غالباً ایک دروازہ جیسا کہ ادہم خاں کے مقبرے کے پاس ہے تھا جس کا اب کوئی نشاں سوا اس کے نہیں کہ فصیل میں بقدر دروازے کے جگہ خالی چھٹی ہوئی ہے سوہن برج سے تین سو فیٹ کے فاصلے پر "سوہن دروازہ" ہے اور یہ بھی برائے نام ہے صرف فصیل کے ٹوٹ جانے سے معلوم ہوتا ہے کہ یہاں بھی ایک دروازہ تھا۔ یہاں سے فصیل بسمت جنوب ادہم خاں کے مقبرے تک جو نصف میل کا فاصلہ ہے نظر آتی ہے۔ فتح برج اور سوہن برج کے مورچوں کے درمیان بھی چھوٹے چھوٹے سلامی نما دمدمے تھے جو نیچے سے بہت پھیلے ہوئے تھے اور جن کے بالائی دور کا قطرہ کم تھا اور ایک دوسرے کے درمیانی فصل ۸۰ فٹ تھا۔ یہ دمدمے گرگرا کر اب بھی تیس تیس فیٹ اونچے باقی ہیں۔ اس فصیل کے علاوہ ایک بیرونی فصیل اور بھی ہے جسے بطور دھس (Fausse braye) کے بنایا تھا جو تیس فیٹ اونچی ہے۔ سوہن دروازے سے پھر اونچی فصیل کی دو شاخیں ہو جاتی ہیں۔ اُجڑے پُجڑے نشانات سے جنوب کی طرف فصیل کا سلسلہ یوں معلوم دیتا ہے کہ انیک تال کے پاس سے گزر کر پھر وہ "ہھنڈ دروازہ" ملتا ہے وہ فصیل ادہم خاں کے مقبرے پہ جاکر ختم ہو جاتی ہے۔ دوسری شاخ سو گز تک جنوب مشرق کے رُخ پہ چلی گئی ہے اور علاءالدین خلجی کے ناتمام مینار کو اگر مرکز فرض کیا جائے تو ایک باقاعدہ ربع دائرے کی شکل بنتی ہے جو مینار سے تین سو گز کے نصف قطر کو قائم کرتی ہے اور قوس کے آدھوں آدھ پر دہلی کی سڑک سے تقاطع کرتی ہے اور تغلق آباد کی سڑک کے قریب جاکر ختم ہو جاتی ہے۔ یہاں سے ادہم خاں کے مقبرے تک کوئی ثلث میل تک فصیل کا پتہ نہیں ہے۔ جنرل کننگھم اس ربع دائرے کی شکل کو لال کوٹ کی شرقی دیوار قرار دیتے ہیں لیکن انھیں کے اسسٹنٹ مسٹر بگلر جیسا کہ اوپر لکھا جا چکا ہے لال کوٹ کو مغربی فصیل اور اُن کھنڈروں کی لین کے اندر ہی اندر محدود کرتے ہیں جو لین کہ سوہن دروازے سے ادہم خاں کے مقبرے کو جاتی ہے۔ انیک پال کا لال کوٹ اور رائے پتھورا کا قلعہ بالکل دو جداگانہ چیزیں ہیں۔ غرض کننگھم صاحب بگلر صاحب کو بر سر غلط کہتے ہیں کہ انھوں نے انیک تال کے تالاب کو لال کوٹ کی حدود میں شامل نہیں کیا لیکن سٹیفن صاحب کی رائے میں بعض

دائرے کی شکل کا خطہ لال کوٹ کی پرانی فصیل کی جدید توسیع ہے جو قدیم زمانے کے قلعے کا اصلی جزو کسی طرح قرار نہیں دیا سکتا جس کی مغربی اور اندرونی فصیلوں کا تفصیلی ذکر بگلر صاحب کر چکے ہیں۔ بگلر صاحب کی رای نہایت مستحکم اصول پر مبنی ہے۔ دونوں فصیلوں کی ساخت اور سالے میں فرق بین ہے۔ جو کھلی دلیل اس بات کی ہے کہ نصف دائرے کی شکل کا ٹکڑا لال کوٹ کے پرانے قلعے کا اصلی جزو نہیں ہے۔ مسٹر بگلر اس کو صحیح طور پر علاء الدین خلجی کے زمانے کی توسیع خیال کرتے ہیں۔ ضیاء الدین برنی تاریخ فیروزشاہی میں لکھتے ہیں کہ جب مغلوں نے ۱۲۹۷ء میں دلی پر یورش کی تو سلطان علاء الدین خلجی نے دیکھا کہ پرانی دلی کی فصیلیں خراب وخستہ حالت میں تھیں۔ اس حملے کے وقت اہالی شہر کی سراسیمگی ناقابل بیان تھی اور جب مغل بلا جنگ وجدال کے چلے گئے تو یہ بات من جانب اللہ اور بہت مغتنم سمجھی گئی اور لوگوں کی جان میں جان آئی۔ علاء الدین خلجی شہر کی اس مخدوش حالت سے آگاہ تھا اس نے مغلوں سے مقابلے کے لئے پرانی فصیلوں کی مرمت کرائی اور پرانے قلعے کی توسیع کی۔ ۱۳۱۶ء میں قطب الدین مبارک شاہ اپنے بھائی شہاب الدین عمر کا جانشین ہوا تو اس نے بھی اس شہر اور پرانے قلعے کی تعمیر کی تکمیل کی جس کو اس کا باپ علاء الدین خلجی ناتمام چھوڑ گیا تھا۔ اس سے ظاہر ہے کہ علاء الدین خلجی اور مبارک شاہ نے بہت تعمیر اور توسیع کرائی چنانچہ ابن بطوطہ جو دلی میں ۱۳۳۳ء میں آیا تھا لکھتا ہے کہ قلعے کی فصیل کا حصہ زیرین پتھر کا بنا ہوا ہے اور بالائی اینٹ کا۔ اس سے بھی معلوم ہوتا ہے کہ فصیل کا نیچے کا حصہ جو قدیم ہے ہندوؤں کا بنایا ہوا اور اوپر والا جدید حصہ مسلمانوں کا۔ اب پھر فتح برج سے چلیے جہاں سے فصیل کی دو شاخیں پھوٹی ہیں۔ ان میں سے ایک شاخ جو مشرق کی طرف جاتی ہے وہ قلعے کی فصیل ہے اور دوسری سیدھی شمال کی طرف چلی گئی ہے اور اس جگہ بیچوں بیچ میں ایک دروازے کا نشان ہے۔ اسی رخ پر یہ فصیل قریب قریب نصف میل تک جا کر جہاں پناہ کی شمالی ویران فصیل سے جا ملی ہے۔ یہاں سے فصیل کا رخ جنوب مشرق کو پلٹتا ہے اور تین سو گز سے کچھ اوپر ہی اوپر جا کر ایک دروازہ ملتا ہے اور آگے جنوب کی طرف بڑھو تو جنوب مشرقی رخ پر ایک اور دروازہ ملے گا اور اس حصے کے درمیان میں دہلی مہرولی کی سڑک سے تقاطع بھی ہوتا ہے۔ اور ایک پاؤ میل پر ایک تیسرا دروازہ ملتا ہے جہاں قلعے کی فصیل جہاں پناہ کی دوسری فصیل سے

پھر مل گئی ہے۔ اب یہاں سے فصیل کا رُخ سیدھا جنوب کی طرف ہو گیا ہے اور یہیں "حوض رانی دروازہ" ہے اور اسی سیدھ میں آگے چل کر ایک بڑا بھاری دروازہ ہے جو "بیلی دروازے" کے نام سے مشہور ہے۔ یہاں سے فصیل جنوب مغرب کی طرف پلٹتی ہے اور قطب صاحب سے جو تغلق آباد کو سڑک جاتی ہے اُس سے تقاطع کرتی ہے۔ یہاں سے آدھ میل کے بیچ میں "بدر قعہ دروازہ" ملتا ہے۔ یہاں سے فصیل مغرب کی طرف مڑی ہے اور تین سو گز جا کر ایک ویران دروازہ ملتا ہے جس کے باہر دمدمے بنے ہوئے ہیں۔ یہاں سے جمالی مسجد تک جو تین سو گز کا فاصلہ ہے فصیل کا سلسلہ ٹوٹ گیا ہے۔ پھر جمالی مسجد سے فصیل ادہم خاں کے مقبرے سے جا ملی ہے۔ اس طرح یہ پورا چکر ختم ہوا اور جہاں سے ہم نے شروع کیا تھا وہیں پھر آن پہنچے۔ قلعہ کے اطراف خندق ہے جس میں اُس پہاڑی حصے کا جو شمالی رُخ پر ہے پانی جمع ہو کر تمام سال خندق میں رہتا ہے۔ ابن بطوطہ محمد شاہ تغلق کے زمانے میں دلی آیا تھا اُس نے اس قلعہ کی فصیل کی نسبت لکھا ہے کہ "فصیل کا آثار ۱۱ ہاتھ ہے جس کے اندر حجرے بنے ہوئے ہیں جس میں رات کو پہرے والے اور دربان رہتے ہیں۔ انھیں کوٹھریوں میں غلہ، سامان رسد۔ گولی بارود وغیرہ کے مخزن بھی ہیں۔ ان حجروں میں غلہ بگڑتا نہیں محفوظ رہتا ہے۔ یہ فصیل اس قدر چوڑی ہے کہ اس کے اندر ہی اندر سوار اور پیدل ایک سرے سے دوسرے سرے تک بے تکلف چلے جا سکتے ہیں"۔ اس قلعے کے دروازوں کے نام ہم اوپر بتلا چکے ہیں۔ اکثر معتبر رُوات ان دروازوں کو پرانی دلّی کا بتلاتے ہیں اور ساتھ اس کے اس بات کو بھی تسلیم کرتے ہیں کہ مسلمانوں کی عہد حکومت میں رائے پتھورا کی پرانی دلّی کے بعض دروازوں کے نام بدل بھی گئے ہیں۔ حضرت امیر خسرو دلّی کے بارہ دروازے بتلاتے ہیں لیکن امیر تیمور کی روایت اور مسٹر بگلر کی تصدیق سے شہر کے دس دروازے ہونا ہی زیادہ صحیح معلوم دیتا ہے۔ سردست مسٹر بگلر کے نشان دادہ "حوض رانی" اور "برقعہ" نامی دو دو دروازوں سے بحث کی جاتی ہے۔ جو بدایوں دروازے کے شمال مشرق اور جنوب مغرب میں ہیں۔ قلعہ رائے پتھورا کا نقشہ ملاحظہ کرنے سے ناظرین کو معلوم ہو جائے گا کہ حوض رانی کا موضع رای پتھورا کے شہر کی مشرقی فصیل کے مقابلے میں جہاں پناہ کی جنوبی فصیل سے زیادہ قریب ہے (ملفوظات تیموری

جس کا حوالہ شرف الدین یزدی نے جابجا اپنے "ظفر نامے" میں دیا ہے اور اسی کا مسٹر بجلر بھی حوالہ دیتے ہیں اُس میں لکھا ہے کہ سلطان محمود اور ملّو خاں جب قلعۂ جہاں پناہ چھوڑ کر پہاڑوں پہاڑوں بھاگ گئے تھے تو اول الذکر تو "رانی دروازے" سے نکلا تھا اور آخر الذکر "برقعہ دروازے" سے۔ ظفرنامے کو جو دیکھا تو یزدی نے صاف لکھا ہے کہ یہ دونوں دروازے یعنی حوض رانی اور برقعہ دروازہ جہاں پناہ کے جنوب میں تھے۔ غزنی دروازے اور برقعہ دروازے کا موقع و محل تو متعین ہے مگر باقی دروازوں کا ٹھکانا یقینی طور پر مقرر کرنا ناممکن ہے۔ قلعۂ رای پتھورا کے ضمن میں غزنی دروازے کا ذکر اوپر آچکا ہے۔ پرانی دلّی کا ایک یہ واقعہ قابل ذکر ہے جب کہ چند ملحدوں نے مل کر ۱۲۳۷ء میں جامع مسجد پر یورش کی۔ ان میں کے کچھ لوگ تو "قلعۂ نور" (جس کی جگہ معلوم نہیں) سے "معزّی دروازے" پر جا پہنچے جو ایک مسجد کے دروازے کے مشابہ تھا۔ اب اس میں جو معزّی دروازے کا ذکر آیا ہے اُس کا کہیں پتہ نہیں چلتا۔ "معزّی دروازہ" جس کا نام تھا اس کی وجہ تسمیہ کے دو وجوہ قرار دیئے جا سکتے ہیں یا تو وہ ہندوؤں کا بنایا ہوا دروازہ ہوگا اور معزّی امراء نے قبضہ کر لیا ہوگا اور اپنی طرف سے یہ نام رکھ دیا ہوگا یا یہ کہ خود انھیں امراء نے بنوایا ہوگا۔ سلطان معز الدین محمد عرف شہاب الدین غوری کے عہد کے امراء کو مورخین معزّی امراء کہتے ہیں۔ "بھنڈارکل" نام کے دروازے کا بھی سراغ نہیں ملتا۔ غالباً یہ دروازہ لال محل اور جامع مسجد کے بیچ میں کہیں ہوگا۔ یہ بیان کیا گیا ہے کہ ملک حمید الدین کے پارٹی کے لوگوں نے حاجی مولیٰ کا بلوہ جو علاء الدین خلجی کے مقابلے میں ہوا تھا فرو کیا تھا۔ یہ لوگ غزنی دروازے سے قلعے میں داخل ہوئے تھے اور شہر میں بلوائیوں سے کچھ جھڑپ ہونے کے بعد وہ بھنڈارکل دروازے تک پہنچ گئے۔ یہ دروازہ غالباً اُس فصیل کا ہوگا جو قلعہ اور شہر میں مشترک تھی۔ بدایوں دروازے کی ہسٹری جداگانہ ہے۔ ابن بطوطہ نے اسی کو سب سے بڑا دروازہ لکھا ہے اور واقعی یہ تھا بھی صدر دروازہ کیوں کہ اسی میں سے پرانی دلی کے بڑے دروازے کے مشہور بازار کا رستہ نکلتا تھا۔ اس دروازے کے سامنے فصیل میں حجرے بنے ہوئے ہیں جن میں شراب خواروں کو بند کیا جاتا تھا۔

یہی وہ دروازہ ہے جس کے سامنے علاء الدین خلجی نے مغلوں کو حوض رانی کے میدان میں شکست دے کر اُن کے سر کاٹ کر دو مرتبے چبوترے بنائے تھے تاکہ آنے والی نسلوں کو عبرت ہو۔ طبقات ناصری میں لکھا ہے کہ حوض رانی کا میدان بھی تاریخی لحاظ سے عجیب و غریب مقام ہے جس میں بڑے بڑے ہیبت ناک واقعات ہوئے ہیں۔ باغی مغلوں اور بلوائی ملحدین کا قتل عام اسی جگہ کیا گیا۔ ان میں سے کوئی تو ہاتھی کے پاؤں کے تلے روندوا دیے گئے کیسو کی ترکوں نے ٹکڑے ٹکڑے اڑا دیئے یا جلادوں نے سر سے پاؤں تک اُن کی زندہ کھال کھینچ لی۔ اسی بدایوں دروازے پر علاء الدین خلجی نے شراب سے توبہ کی اور صراحی و جام اور تمامی لوازمات شراب نوشی کو توڑ پھوڑ ڈالا اور ساری شراب بہادی جو اس قدر تھی کہ سارے میدان میں ایسی کیچڑ ہوئی جیسی کہ برسات میں ہوتی ہے۔ یہ بدایوں دروازہ ہی بیرونجات کے حملہ آوروں اور راجگان و شاہان دہلی کے فیمابین قاتلانہ حملوں اور معرکہ ہائے کارزار کا پہلا مورچہ رہا ہے نیز اس دروازے سے بڑے بڑے جلوس نکلے ہیں۔ غیر ممالک سے ایلچی یا سفیر جو کوئی بھی آیا۔ اسی دروازے سے رجب سے اس قلعہ سے مستقر سلطنت اُٹھا ویرانی اور تباہی کا پیش خیمہ آیا۔ وہ دروازہ جو کبھی باب السلطنت تھا اب مٹی کا ڈھیر ہے۔ دوسرے دروازوں کے صرف نام ہی نام یاد رہ گئے ہیں۔ دروازہ "حوض خاص" کا نام بھی کہیں کہیں تاریخ میں آیا ہے اور "بغدادی" دروازے کا ذکر تو متعدد مقامات پر ہے۔ یہ وہی بغدادی دروازہ ہے جہاں ابراہیم لودی بادشاہ نے گوالیار سے ایک برنجی بیل لاکر استادہ کیا تھا بریں ہم آج کوئی نہیں بتلا سکتا کہ یہ دروازہ تھا کس جگہ۔ قلعہ اور رای پتھورا کی دلی کا گھیر قریب قریب (۵) میل کے ہے۔ امیر تیمور نے پرانی دلی کے دس دروازے لکھے ہیں جن میں سے بعض باہر وار کو کھلتے تھے اور بعض جہاں پناہ کی طرف۔ یزدی اپنے ظفر نامے میں اٹھارہ دروازے لکھتا ہے جن میں سے پانچ جہاں پناہ کی طرف کھلتے تھے۔ جنرل کننگھم امیر تیمور کے بیان کو ترجیح دیتے ہیں یہ کوئی تعجب کی بات نہیں کہ اب ان دس دروازوں کا بھی ٹھیک ٹھیک پتہ نہیں چلتا کہ کہاں کہاں تھے اور چلے کیسے کیوں کہ فصیل تو جا بجا سے ٹوٹ گئی ہے اور بعض بعض

جگہ خالی چھٹی ہوئی ہے مثلاً شمالی شرقی فصیل کی دیوار۔ پرانی دلی اور جہاں پناہ کی مشترکہ دیوار میں خالی جگہ موجود ہے۔ بہرحال نقشے میں دس دروازوں کی جگہ بتلائی گئی ہے۔ ۱۱۹۱ء میں رائے پتھورا سے سلطنت منتزع ہوکر مسلمانوں کا دور دورہ شروع ہوا۔ دریائے گھگر کے کنارے رائے پتھورا جیسے بہادر، سنجیح، جری اور دلاور چوہان خاندان کے ممبر کا خاتمہ ہوا اور اُسی کے ساتھ اُس کی تمام سطوت وجبروت بھی خاک میں مل گئی۔ پہلا مسلمان بادشاہ جس نے دلی کو دارالسلطنت قرار دیا اور وہاں رہا قطب الدین ایبک تھا۔ شروع شروع میں تو رائے پتھورا ہی کا قلعہ مسلمان بادشاہوں کی تخت نشینی کا مرکز اور دارالسلطنت رہا۔ آگے چل کر جلال الدین فیروز شاہ خلجی نے کوکھری میں "کوشک لعل" محل بنوایا۔ جب سے ہی رائے پتھورا کا شہر "پرانی دلی" کہلانے لگا اور جلال الدین خلجی کا شہر "نئی دلی" مشہور ہوا۔ ابن بطوطہ نے بھی ہندوؤں کے شہر کو پرانی دلی ہی لکھا ہے۔ رائے پتھورا کے پانچ میل کے محصور شہر کی سرزمین دلی بڑی بڑی مشہور یادگاروں سے پٹی پڑی ہے۔ لوہے کی مشہور لاٹ جس کی دریافت سے ماہرین آثار قدیمہ چکر میں ہیں اسی احاطے کے اندر ہے۔ اسی میں ہندو راجاؤں کے بنائے ہوئے بیسوں مندر تھے جن کو مسلمانوں نے ڈہا ڈھوا ان کا مال مسالا اپنی مسجدوں میں لگا دیا۔ یہی خطہ دلی کے قدیم سلاطین کا دارالسلطنت تھا۔ یہیں قطب الدین ایبک کا قصر سفید نامی شہرۂ آفاق وہ محل تھا جس میں چھ بادشاہ یکے بعد دیگرے تخت نشین ہوئے۔ اسی احاطے میں قطب صاحب کی وہ عجیب وغریب لاٹ ہے جو اولوالعزم مسلمان بادشاہوں اور ہندو صناعوں کی قابل فخر یادگار ہے۔ غرض یہ خطہ زمین کا عجیب وغریب ٹکڑا ہے۔ اسی میں سلطنتیں بنیں اور بگڑیں۔ کسی بادشاہ کا عروج ہوا تو کسی کا زوال۔ کوئی سرفراز ہوا تو کوئی پامال۔ کسی کو خلعت ملا کسی کی گردن ماری گئی۔ کسی کے ہاں خوشی کے شادیانے بجے تو کسی کے ہاں کہرام مچ گیا۔ غرض کوئی بن گیا اور کوئی بگڑ گیا۔ کسی کو اتباری ملی تو کسی کو ذلت وخواری نصیب ہوئی۔ کسی نے جشن منایا تو کوئی قید میں سڑ سڑ کر مرگیا۔ لاکھوں کے سرتن سے جدا ہوگئے۔ خون کے ندی نالے بہ گئے۔ اسی میدان میں وزراء اور امراء کی گردنیں ماری گئیں۔ قتل عام۔ غارت گری۔ آتش زنی۔ غرض کہ بے چاری دلی پر جو کچھ بلا آئی وہ سب اسی زمین پر گزرا۔ یہ زمین جنت اور دوزخ دونوں کے خواص رکھتی تھی۔ جس سر کو آج تاج پہناتی تھی کل اُسی کو خاک میں رُلا بھی دیتی تھی سہ

خواہانِ طرب ہی جسے ادراک نہیں | آرام تہِ گنبدِ افلاک نہیں
پیمانۂ گردوں میں کہاں بادۂ عیش | جز دُردِ تہِ جام یہاں خاک نہیں

جہاں ای برادر نماند بکس
دل اندر جہاں آفریں بند و بس

بابا حاجی روزبہ کا مزار

اس قلعے کی خندق میں ایک پتھر کی چار دیواری کے اندر نیم کے درخت کے نیچے بابا حاجی روزبہ کا مزار ہے آپ بڑے ولی اللہ تھے اور اوش کے رہنے والے تھے۔ رائے پتھورا کے وقت میں یہاں آئے اور اس خندق میں جہاں آپ کا مزار ہے آن بیٹھے رائے پتھورا کے وقت میں جو منجم تھے انھوں نے ان کے آنے کو فالِ بد سمجھ کر رائے پتھورا سے کہا کہ اس شخص کے آنے سے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ قریب میں مسلمانوں کی عملداری ہونے والی ہے اور ایسا ہی ہوا بھی۔ کہتے ہیں کہ رائے پتھورا کی بیٹی مایا بلی عرف بیلا رانی نے آپ کے ہاتھ پر توبہ کی اور مسلمان ہوئی چنانچہ آپ کے مزار کے پاس مشرق کی طرف جو ایک عورت کی قبر ہے وہ اسی لڑکی کی کہی جاتی ہے جب تک آپ زندہ رہے ہزاروں ہندو مشرف بہ اسلام ہوئے روز بروز شوکت اسلام کی زیادہ ہوتی گئی اور اسی وجہ سے "روزبہ" آپ کا لقب پڑ گیا۔ آخر آپ نے انتقال فرمایا۔ جہاں آپ بیٹھے تھے وہیں آپ کو دفن کیا۔ پورے حالات آپ کے کہیں نہیں ملے آپ کے مزار کے مغرب میں قلعہ کی فصیل میں اب تک ایک چھوٹا سا دروازہ ہے بیلا رانی اسی دروازے سے آپ کی خدمت میں حاضر ہوتی تھی۔ کہتے ہیں کہ وہ اپنی سہیلیوں سمیت مسلمان ہوئی تھی حضرت کے مزار کے قریب تین قبریں اور ہیں جو کہ گھوڑے اور سانپ کی بتلاتے ہیں نیم کا درخت جس کی نسبت مشہور ہے کہ جو حصہ اس کا آپ کی قبر پر سایہ کیے ہوئے تھا وہ میٹھا تھا باقی کڑوا اب وہ درخت ہی نہیں رہا جو اس کی تصدیق ہو سکے نیم کے کڑوے میٹھے ہونے کی روایتیں اور مزاروں سے بھی منسوب کی جاتی ہیں اور یہ بھی ایک تصرف سمجھا جاتا ہے۔

شیخ شہاب الدین عاشق کا مزار
سنہ ۶۱۴ھ

رائے پتھورا کے قلعہ کے غرب میں فصیل سے کوئی ہزار قدم ہٹ کر ایک احاطے کے اندر ۱۲ پلہ مربع چوکھنڈی میں حضرت

موصوف کا مزار ہے جس پر بھی آپ کے نام کا کتبہ سرہانے لگا ہوا ہے تعویذ سنگ خارا کا ہے۔ پائنتی آپ کے ایک بہت پرانا پیلو کا درخت ہے۔ اس چوکھنڈی کے باہر زمین میں آپ کے بھائی کا مزار ہے جن کا نام بھی معلوم نہیں۔ اس مزار سے آٹھ سیڑھیاں چڑھ کر ایک چبوترے پر سات قبریں ہیں جن کو سات دوستوں کی قبریں کہتے ہیں۔ یہ مقام تو وہ مقام ہے جہاں اور بادشاہ و گدا سب [illegible] ہوتی۔ قبریں بہت بڑی ہیں سنگ خارا کے پتھر جوڑ دیئے ہیں جو [illegible] ہیں اور چبوترہ بھی اسی طرح کا بنا ہوا ہے۔ اس چبوترے کے قریب [illegible] میں ایک [illegible] کے اندر ایک چھوٹا سا خام مزار ہے جو بی بی سرسبز بے نام کے نام سے مشہور ہے کہتے ہیں کہ یہ بی بی بھی کوئی بڑی عابدہ زاہدہ اپنے تقویٰ کے زمانے میں تھیں۔

عیدگاہ شمس الدین التمش

بہت بڑی اور نہایت درست حالت میں ہے جس کی ایک وسیع چار دیواری ہے۔ مغربی رخ کی دیوار جس میں آٹھ دیوار در محراب ہیں لکھوری اینٹ کی بنی ہوئی ہے۔ عیدگاہ کے پیچھے ایک چھوٹی سی سہ دری مسجد ہے جس کی چار دیواری سنگ خارا کی بنی ہوئی ہے اس پر یہ کتبہ نہایت خوش قلم بخط نسخ ہے:-

هو العلی العظیم

ظفر چوں بترمیم آخون جی　　صفا داد این مسجد کہنہ را
بپرسید سال مرمت ز عقل　　بگفت آفرین نیک مرد خدا　　۱۲[illegible]

مسجد کے صحن میں اوحد الدین کرمانی رح کا مزار ہے۔ یہیں ایک شکستہ چبوترے پر چند قبریں ہیں جو چہل بیبیوں کے مزار کہلاتے ہیں۔ عیدگاہ کی پچھیت کی دیوار سے ملے ہوئے چند مزار ہیں جن میں سے دو کے نام لوگ بتلاتے ہیں جنانہ دہپانا شیخ جلال الدین تبریزی اور تین قبریں بے نام ہیں۔

تالاب پیراں

قلعہ رای پتھورا کے مغرب میں ایک چھوٹا سا تالاب ہے جس کے گرد چار دیواری ہے اس کو لوگ تالاب پیران کہتے ہیں اور یہ بھی کہتے ہیں کہ شمس الدین التمش نے بنوایا تھا۔ چھان بین کا کوئی موقع نہیں جو لوگ کہہ دیں اسے آمنا صدقنا کہنے کے سوا اور کیا چارہ کار ہے۔

بھیم کی چھٹنکی قلعے کے مغرب میں پہاڑوں کی چٹانوں پر ایک پتھر ۶ فٹ لمبا ۳ فٹ عرض و طول میں اور دبازت میں ۳ فٹ ۹ انچ رکھا ہوا ہے۔ چوں کہ وہ ادھر رکھا ہوا ہے اور باوجود اتنا بھاری ہونے ایک ہی آدمی اُسے ہلا سکتا ہے۔ اس واسطے اس نام سے مشہور ہے مگر بھیم جس کے نام سے شہرت پاگیا ہے اس کا پتہ نہیں کہ کون تھا۔

چبوترۂ ناصرہ

ہر سراسر فریب وہم دکھاں — تاج مغفور وہ تخت خاقانی
بے حقیقت ہے شکل موج سراب — جام جمشید و راح ریحانی

۶۴۵ھ ۱۲۴۶ء

یہ چبوترہ بھی اُسی زمانے میں بنا تھا جب کہ قصر فیروزی بنا۔ اس کا نام ہی بتلا رہا ہے کہ سلطان ناصرالدین محمود (۶۶۵ھ ۱۲۴۶ء) کا بنوایا ہوا ہے۔ جب جلال الدین خلجی نے علم بغاوت بلند کیا اور قلعہ بند ہو کر کلوکھری کے پاس پہاڑ میں بیٹھ گیا اور کیقباد کا صغرسن لڑکا دلی کا بادشاہ ہوا تو اُس نے اسی جگہ کئی مہینے تک دربار کیا۔ جب علاءالدین خلجی (۱۲۹۵ء) ملک دکن میں دیوگیری (دولت آباد) کو جو مہم سر ہوئی اور شکل تھا۔ لوٹ کر دلی واپس آیا تو جو کچھ مال غنیمت لایا تھا اسی چبوترے پر سب پھیلایا گیا تھا۔ جہاں امراء و اراکین سلطنت سب جمع تھے اور یہیں اُس نے جلوس بھی کیا اور دربار کے لیے ایک بڑا سیاہ شامیانہ تانا گیا۔ یہ تمام محلات قصر سفید، کوشک فیروزی۔ کوشک سبز۔ چبوترۂ ناصرہ۔ رائے پتھورا کے قلعے کے اندر ہی تھے اور امرائے معزی خاندان غلامان کے بنائے ہوئے تھے۔ ہمایوں بادشاہ کے محل کا بھی سراغ نہیں ملتا کہ وہ کہاں تھا۔ البتہ صرف اتنی بات کا پتہ چلتا ہے کہ وہ بدایوں دروازے کے پاس تھا۔ بعض لوگ ہمایوں کا محل جہاں پناہ میں بتلاتے ہیں جب شاہی محلات کا یہ حال ہو کہ ڈھونڈے پتہ نہ لگے تو وائے بر حال بادشاہ کے مکانوں کے جن پر ہم آج فخر و ناز کرتے ہیں اور پھولے نہیں سماتے اور مونچھوں پر تاؤ دیتے ہیں۔ ؎

اسی نقش موہوم پہ ناز ہے — جہاں اک طلسم خدا ساز ہے

ہماری مثال اُس چوہے کی سی ہے جو ایک ہلدی کی گرہ پا کر پنساری بن بیٹھا تھا۔ امیر تیمور کا قدم جب پرانی دلی میں آیا (۱۳۹۸ء) اور لوٹ مار شروع کی تو اُس نے چن چن کر محلات کو برباد و تاراج کیا اور اس لیے اُس سے یہ محلات بھی نہ بچ سکے۔ یہ بتلانا

بہت مشکل ہے کہ جن محلات کا ذکر اوپر آیا ہے آیا ان میں سے کوئی ٹوٹ کھسوٹ سے بچا بھی یا نہیں (از ظفرنامۂ مولینا شرف الدین علی یزدی)

قصر سفید
۱۲۰۵ء سنہ ۶۰۲ھ

رہنے والے ہیں یہ نادان کہ جانے والے
خاک سمجھے نہ مکانوں کے بنانے والے

۱۲۰۵ء میں جب کہ راے پتھورا کو مرکر سولھا برس ہوے تھے قطب الدین ایبک نے ایک محل جو تاریخ میں قصر سفید کے نام سے مشہور ہے تعمیر کرایا تھا۔ ابن بطوطہ نے اپنے سفرنامے میں سفید محل کا ذکر کیا ہے اور ضیاء الدین برنی نے جو تاریخ میں معزی محل کا بیان لکھا ہے وہ غالبًا یہی محل تھا۔ ممکن ہے کہ ایک ہی محل کے دو نام رہے ہوں۔ ابن بطوطہ پتہ بتلاتا ہے کہ یہ محل بڑی مسجد کے پاس تھا۔ خدا کی قدرت اور زمانے کے فنا کرنے والے اور مٹانے والے زبردست ہاتھوں کو دیکھو کہ جو محل کسی زمانے میں بادشاہوں کے قدموں سے منور اور مشہور زمانہ تھا اور جس میں تقدیروں کے فیصلے رات دن ہوتے تھے اور جشن شاہانہ بپا رہتے تھے آج وہ ایسا پردۂ دنیا سے مفقود ہے کہ ڈھونڈنے سے بھی اُس کا نشان نہیں ملتا۔ ملک بختیار خلجی جو شہاب الدین غوری کا ایک بڑا فوجی سردار اور فاتح بنگال تھا وہ اسی محل کے احاطے میں لڑا تھا۔ اسی محل کی چار دیواری کے اندر خاندان غلامان کے سب سے بڑے اور نامور بادشاہ سلطان شمس الدین التمش اور اُس کے پوتے ناصر الدین محمود شاہ نامور بلبن اور دوسرے بھی چند بادشاہوں کی تخت نشینی کے جشن ہوئے۔ جلال الدین فیروز شاہ خلجی کلوکھری میں کیقباد کو (جس نے کلوکھری بسائی تھی) قتل کرکے بادشاہ ہوگیا مگر حسب دستور سلاطین ماضیہ تخت نشینی اُس کی بھی اسی محل میں ہوئی اور اسی طرح اس کے بعد اس کا بھتیجا علاء الدین خلجی بھی اسی محل میں تخت پر بیٹھا۔ تاریخ فرشتہ میں لکھا ہے کہ ناصر الدین محمود شاہ (۱۲۵۹ء) نے ہلاکو خاں کے ایلچی کو اسی محل میں بڑی شان و شوکت سے باریابی سے سرفراز کیا تھا۔ محمد شاہ تغلق اگرچہ تغلق آباد میں تخت پر بیٹھا مگر چالیس دن بعد پھر قصر سفید ہی میں باقاعدہ مراسم ادا ہوے اور قدیم تخت سلاطین دہلی پر یہیں رونق بخش ہوا۔ یہ محل محض تخت نشینی یا دربار یا باریابی سفرا و ایلچیان کے لیے مخصوص نہ تھا بلکہ کبھی کبھی اس میں ذی مرتبت لوگ قید بھی

رہے ہیں۔ بعض وقت اس میں خون کے ندی نالے بھی بہ گئے ہیں۔ ملک اختیار الدین کو جو معز الدین بہرام شاہ کا وزیر تھا فرمان قضا شیم کے مطابق تخت شاہی کے سامنے دو ترکوں نے سنہ ۱۲۴۱ء میں قتل کیا۔ جب کبھی امور عظام میں مشورہ کی ضرورت ہوتی یا بیرونجات کے حملوں کا خطرہ پیش آتا تو مجلس شوریٰ اسی محل میں منعقد کی جاتی تھی اور یہیں سے مقابلہ مقاتلہ اور مجادلے کے سب مراتب ابتدائی طے ہوتے تھے (از طبقات ناصری)۔ بہرام شاہ کے جانشین کو جو اس محل میں نظر بند تھا کوشک فیروزی میں بخطاب سلطان علاء الدین مسعود تخت نشین کیا۔ جب سے یہاں سے دارالسلطنت اٹھ کر دلی چلی گئی اور یہاں کے محلات چھوڑ دیے گئے بس تباہی شروع ہوگئی۔

کوشک فیروزی
سنہ ۱۲۰۶ء

عیش دنیا سے ہوگیا دل سرد
دیکھ کر رنگ عالم فانی

یہ محل غالباً سلطان التمش نے بنایا تھا سنہ ۱۲۳۵ء جو سب سے بڑا محل تھا جس میں رضیہ سلطانہ کی والدہ یعنی سلطان التمش کی بیگم رہا کرتی تھیں۔ ہم اوپر لکھ آئے ہیں کہ معز الدین بہرام شاہ کی جگہ سلطان علاء الدین مسعود شاہ کو سنہ ۱۲۴۲ء میں قصر سفید سے لاکر یہیں تخت نشین کیا تھا۔ اور اسی محل میں سلطان ناصر الدین محمود شاہ نے جو علاء الدین کے بعد بادشاہ ہوا اپنا پہلا دربار کیا تھا۔ بایں کر و فر اب اس کا نشان نہیں ملتا کہ کہاں تھا۔ اے کاش کھنڈر ہی باقی رہتے! اب صفحۂ دنیا سے بالکل مٹ گیا۔ صرف نام ہی نام رہ گیا۔ مسٹر بگلر نے مسجد قوۃ الاسلام کے عقب میں کھدوایا تو کئی ٹوکرے سبز رنگ چینی کی اینٹوں کے نکلے جن پر الفاظ عربی اور طرح طرح کے گل بوٹے منقش تھے۔ اس پر سے قیاس دوڑایا گیا کہ یہ اینٹیں کوشک سبز کی ہوں گی جن کا ذکر آگے آئے گا لیکن جنرل صاحب ان اینٹوں کا رنگ نیلا بتلاتے ہیں جس میں کچھ سبزی کی بھی جھلک مارتی ہے۔ ممکن ہے کہ یہ اینٹیں اسی محل کی ہوں یا کسی اور رنگین محل کی ہوں۔ گر پڑ جانے کے بعد اس پر طرہ یہ ہوا کہ زمین کے اندر مدفون۔ بھلا اصلی رنگ اور اس کی آب و تاب کیسے برقرار رہ سکتی ہے۔ اسی زمانے کے مال مسالے کی خوبی ہے جو اتنا بھی باقی رہا ورنہ



مدفن شهید خان

نقشهٔ مقبرهٔ سلطان غیاث الدین بلبن و خان شهید

مدفن سلطان غیاث الدین بلبن

پاکھ ہو جاتا۔

کوشک سبز
۶۰۷ھ ۱۲۱۰ء

کچھ نہیں جز طلسم خواب و خیال
گوشۂ فقر و بزم سلطانی

قصر فیروزی اور یہ محل دونوں ساتھ ساتھ بنے تھے۔ تاریخ میں اس کا ذکر پہلے پہل ناصرالدین محمود شاہ خلف سلطان التمش کے عہد کے ضمن میں آیا ہے جس کی تخت نشینی اسی محل میں ہوئی تھی۔ اور یہیں اُس نے ہلاکو خاں کے سفیر کو باریابی کی عزت بخشی تھی۔ جب کہ جمعیت کی بیس قطاریں کلوکھری سے لے کر یہاں تک کھڑی کی گئی تھیں۔ لیکن فرشتہ اس واقعہ کا قصر سفید میں ہونا لکھتا ہے۔ اور منہاج السراج طبقات ناصری میں کوشک سبز میں بتلاتا ہے اور یہی زیادہ قرین قیاس ہے۔ نصف صدی بعد رکن الدین پسر اصغر سلطان جلال الدین خلجی یہیں تخت نشین ہوا۔ جلال الدین خلجی کو علاء الدین خلجی (رکن الدین کے بھتیجے) نے قتل کیا تھا۔ غرض جشن دربار، حکم احکام سب یہیں سے ہوتے تھے۔ ظفر خاں بعد فیروز شاہ تغلق خان جہاں سے ملنے دلی آیا تھا تو اسی محل میں اتارا گیا تھا۔

کوشک لعل یا قلعہ مرزغن
۶۶۴ھ ۱۲۶۵ء ۶۶۶ھ ۱۲۶۷ء

بزخم تیغ جہانگیر و گرز قلعہ کشا
جہاں مسخر من شد چو من مسخر رائے
بسے بلاد گرفتم بیک فشردن دست
بسے قلاع کشودم بیک فشردن پائے
چو مرگ تاختن آورد ہیچ سود نداشت
بقا بقائے خدا ہست و ملک ملک خدائے

یا دارالامان و شاہ غیاث الدین بلبن کی قبر
۶۶۴-۸۶ھ ۱۲۶۵-۸۷ء

لمعہ سر سید اس محل کا بانی جلال الدین فیروز خلجی کو بتلاتے ہیں اور سال تعمیر ۶۸۸ھ ۱۲۸۹ء۔ لیکن کار سٹیفن صاحب نے کوشک فیروزی کو سلطان التمش کا بنایا ہوا بتلایا ہے اور کوشک سبز کو بھی اُسی زمانے کا بنا یا ہوا بتلاتے ہیں۔ بہر حال اس محل کا وجود وقت تخت نشینی ناصرالدین محمود شاہ کے تھا اور جس کا سال تخت نشینی ۶۴۴ھ ۱۲۴۶ء ہے۔ تو لا محالہ اس سال سے پیشتر کا بنایا ہوا ثابت ہوتا ہے۔ واللہ اعلم بالصواب۔

اس محل اور قبر کے حالات چوں کہ ایک دوسرے سے ملے جلے ہیں۔ لہذا اجمالی طور پر بیان کئے جاتے ہیں۔ سرسید لکھتے ہیں کہ سلطان غیاث الدین بلبن نے [illegible] میں کوشک لعل جسے لال محل بھی کہتے ہیں تعمیر کرایا تھا۔ اس محل کے حالات بہت کم معلوم ہیں۔ تاریخ بھی سرسید کی بتلائی ہوئی ہے جلال الدین عہد بلبن کے سرداروں میں سے تھا۔ جب بلبن کا پوتا کیقباد مے نوشی کی کثرت سے لقوے اور فالج میں مبتلا ہو گیا تو جلال الدین قصر سفید میں تخت شاہی پر جلوہ افروز ہوا۔ کچھ عرصے بعد کوشک لعل میں گیا جو سلطان بلبن کا دیوان خاص تھا۔ وہاں پہنچ کر دستور قدیم کے موافق گھوڑے سے اتر پڑا۔ مقربان خاص سے ایک نے سبب پوچھا تو کہا کہ میں اس مکان کا ادب اس لئے کرتا ہوں کہ وہ میرے آقا کا بنوایا ہوا ہے۔ مجھے اپنی جان کے خوف سے مجبوراً بادشاہ بننا پڑا ورنہ میں کہاں اور تختِ شاہی کہاں؟ خاندان غلامان میں التمش کے بعد بلبن ہی کا مرتبہ تھا۔ کوشک لعل میں مختلف سلطنتوں کے پندرہ ذی مرتبت اشخاص اس بادشاہ کی پناہ میں تھے اور بڑے بڑے علماء و حکماء اور نامور اشخاص کا ایک بڑا اچھا مجمع اس قدردان بادشاہ کے گرد تھا۔ اس محل کے متعلق اور اہم واقعات قابل تذکرہ ہیں یعنی سلطان بلبن اور علاء الدین خلجی کی وفات

ضیاء الدین برنی لکھتا ہے کہ "بلبن بادشاہ کی نعش سیری کے لال محل سے برآمد ہو کر جامع مسجد کے سامنے دفن ہوئی"۔ سٹیفن صاحب کی رائے میں کوشک لعل رائے پتھورا کے شہر کے اندر تھا جو خلاف رائے سرسید کے ہے۔ سید صاحب اس محل کو درگاہ حضرت نظام الدین اولیاء کے قریب بتلاتے ہیں چنانچہ اس کے کھنڈر کے نشانات اب تک بھی موجود ہیں۔ برنی نے یہ بھی لکھا ہے کہ معز بلبن کے بیٹے کیقباد نے شہر کے لال محل کی سکونت چھوڑ کر کلوکھری میں ایک نیا قلعہ بنایا تھا، "شہر" کے لفظ سے غالباً پرانی دلی مراد ہے اور جب کہ بلبن نے قلعۂ رائے پتھورا کو درست کرایا تھا تو یہ بات بعید القیاس ہو کہ اس نے اپنا محل اس قلعے کی حدود کے باہر بنوایا ہو۔ سیری میں کسی عمارت کا نام لال محل کہیں سنا نہیں گیا بلکہ برخلاف اس کے پرانی دلی میں لال محل کا ذکر جا بجا پایا جاتا ہے۔

اگر فرشتہ کی روایت صحیح سمجھی جائے کہ علاء الدین خلجی لال محل میں رہتا تھا اور وہیں مرا بھی اور وہیں سے اُس کی نعش دفن کی غرض سے نکلی تو یہ محل ضرور بلبن ہی کا ہوگا جو رای پتھورا کی دلی میں جس کو پرانی دلی بھی کہتے ہیں ہوگا۔ سرسید لکھتے ہیں کہ "قلعۂ مرزغن کوشک لعل کے پاس ہی بنایا گیا تھا اور بلبن اُس میں دفن کیا گیا"۔ اس سے بھی کوشک لعل کے مقام کے تعین میں مدد ملتی ہے کہ بلبن کی قبر اور کوشک لعل دونوں رای پتھورا کی دلی کے حدود میں تھے اور قلعۂ مرزغن بھی وہیں تھا۔ بقول امیر خسرو اور ابن بطوطہ کے مرزغن کو قلعۂ غلطی سے کہا گیا ہے۔ مرزغن کو بلبن نے ۶۶۴ھ (۱۲۶۶ء) میں دلی کی تخت نشینی کے وقت بنوایا تھا۔ وجہ تسمیہ اس کی کچھ معلوم نہیں ہوتی لغوی معنے تو اس کے دوزخ۔ گورستان اور انگیٹھی ہیں۔ قدیم مورخین نے اس کو صرف ایک مکان سے تعبیر کیا ہے جو بالعموم "دارالامان" کے نام سے مشہور تھا۔ ابن بطوطہ لکھتا ہے کہ "اس محل میں قرض داروں کے قرضے چکائے جاتے تھے اور ہر شخص کے معاملات کا منصفانہ تصفیہ اس میں ہی ہوتا تھا۔ ہر دشمن کو یہاں پناہ اور امن ملتا تھا۔ تیرھویں صدی میں جب ابن بطوطہ دلی میں آیا تو یہ محل موجود تھا چنانچہ اُس نے لکھا ہے کہ "بلبن نے ایک محل بنوایا تھا جس کا نام "دارالامان" تھا۔ بادشاہ اسی محل میں دفن ہوا اور میں خود اس کی قبر پر گیا ہوں"۔ بابر بھی اس محل میں آیا تھا اور بلبن کی قبر پر بھی گیا تھا اُس نے بھی کسی قلعے کا ذکر نہیں کیا۔ ابوالفضل نے البتہ اس محل کو قلعہ لکھا ہے جس کی تقلید مابعد کے لوگوں نے بھی کی ہے۔ امیر خسرو ابن بطوطہ "مکان" کے لفظ سے تعبیر کرتے ہیں۔ ۶۸۳ھ (۱۲۸۴ء) میں بلبن کا بڑا بیٹا جو ملتان کا گورنر تھا منگلوں کی لڑائی میں لاہور میں مارا گیا۔ برنی لکھتا ہے کہ اس ناگہانی سانحے سے ملتان میں کہرام مچ گیا اور اسی وقت سے شاہزادے کو خان شہید کا لقب ملا۔ بادشاہ کے صدمے اور الم کا کچھ نہ پوچھیے۔ دن کو دربار کرتا تھا لیکن ساری ساری رات اُسے تڑپتے گزرتی تھی۔ اپنا لباس فرط غم سے چاک کر ڈالتا اور سر پر خاک اڑاتا تھا۔

گر پیر نود سالہ بمیرد عجبے نیست　　ایں ماتم سخت است کہ گویند جواں مرد

اس وقت بادشاہ کا سن اسی برس کا تھا۔ بلبن کی سلطنت قریب الاختتام تھی اور اسی صدمے میں گھل کر اُس نے ۶۸۶ھ میں انتقال کیا اور دارالسلام میں دفن ہوا۔ بلبن کی قبر قطب مینار سے چند منٹ کا رستہ ہی اور قطب صاحب کی ویران بستی کے کھنڈروں سے جواب بالکل اجاڑ ہی سو گز کے فاصلے پر ہی۔ یہ قبر بڑے بڑے پتھروں کی چھوٹی چھوٹی دیواروں کے احاطے میں ہی جس میں چھوٹے چھوٹے طاق بنے ہوئے ہیں۔ اسی کے پاس ایک بہت بڑے احاطے کا نشان ہی جو غالباً کوئی محل سرا سے تھی اور اغلب ہی کہ یہی محل دار الامان تھا۔ اب جو حالت قبر کی ہی وہ بس یہ ہی کہ خالی چار دیواری کھڑی ہی کہ جس کے سارے پتھر باہر کے لوگ اُکھاڑ لے گئے اور دیواریں بحالت موجودہ پتھر اور چونے کا ایک ڈھیر پڑا ہی اس ڈھیر اور بنیاد کے دیکھنے سے دیوار کا آثار نوفیٹ کا معلوم دیتا ہی۔ بلبن کی قبر التمش کی قبر سے دو چند بڑی ہی۔ اس کے گنبد کو گرے ہوئے کچھ بہت زیادہ عرصہ نہیں ہوا کہ اب بھی چوطرف ملبہ بکھرا پڑا ہی۔ قبر کا تعویذ تک لوگ اُکھاڑ لے گئے لیکن خالی قبر کا نشان اب بھی موجود ہی۔ اس گنبد کے چار دروازے ہیں۔ مغرب اور جنوب کے دروازے بہ نسبت مشرق اور مغرب کے دروازوں کے ذرا بڑے ہیں۔ مشرقی اور مغربی دروازوں کی پیشانی پر اب بھی کچھ مٹے مٹاے نشان کتبوں کے ہیں جو بالکل پڑھے جانے کے قابل نہیں ہیں۔ گنبد کے کونے باہر سے گول کیے ہوے ہیں اور گنبد کی شکل ہشت پہلو تھی۔ اسی کے قریب ایک اور چار دیواری ہی اس کا گنبد بھی گر پڑا ہی۔ سر سید اس گنبد کو بلبن کے بیٹے خان شہید کا بتلاتے ہیں۔ یہ گنبد بہ نسبت بلبن کے گنبد کے بہت چھوٹا ہی اس میں قبر کا پتہ نہیں۔ اس گنبد کا دروازہ بہت بڑی محراب کا اور کشادہ ہی مگر اب بالکل گرنے کے قریب ہی۔ اس کی محراب کے اندرونی رُخ پر دیکھنے سے کچھ کچھ جھلک رنگ کی بھی نظر آتی ہی جس سے معلوم ہوتا ہی کہ رنگین کام بھی تھا۔ شمالی دیوار میں کوئی دروازہ نہیں ہی۔ جنوبی دیوار میں البتہ ایک دروازہ بلبن کے مقبرے میں آنے جانے کا ہی۔ مغربی دروازہ اب تک موجود ہی۔ مغربی اور جنوبی دیواروں کے دروازے بہ مقابلے صدر دروازے کے جو مشرق رو ہی بہت چھوٹے ہیں۔ چھوٹے صحن کے گنبد کی دیواروں اور

محراب دار دروازوں کے نشانات اب بھی بعض بعض جگہ ملتے ہیں۔ بڑے احاطے کے نشانات اور بھی زیادہ معدوم ہیں مگر پھر بھی کہیں کہیں نظر آجاتے ہیں۔ عام خیال یہ ہے کہ غیاث پور غیاث الدین بلبن کا بسایا ہوا ہے جیسا کہ اُس کے نام سے خود ظاہر ہے مگر یہ ایک معمولی سا گاؤں تھا جس کی شہرت پرانی دلّی۔ کلوکھری سیری یا تغلق آباد کی طرح نہ تھی۔

لال کوٹ ہم کو یہ معلوم نہیں کہ اننگ پال اول کے کتنے جانشین تھے جنھوں نے اُس کی دوبارہ بسائی ہوئی دلّی میں سلطنت کی۔ جنرل کننگھم دو ہندی قلمی کتابوں پر سے لکھتے ہیں کہ اننگ پال دوم جو کمار پال کا جانشین تھا اور جس نے ۱۰۶۰ء میں دلّی بسائی تھی۔ اُس نے اپنے آباد شہر کے پاس ہی ایک قلعہ بھی بنوایا تھا جو "لال کوٹ" کے نام سے مشہور ہے۔ دلّی کے پنڈتوں کو بھاٹوں کی تحریرات میں کہیں لال کوٹ کا پتہ نہیں ملتا۔ رای جیون لال صاحب آنریری مجسٹریٹ جو دلّی میں سب سے زیادہ ان امور سے واقف ہیں اُن کا خیال ہے کہ زمانہ مابعد سے کوٹلہ تغلق کی طرح لال کوٹ بھی بادشاہوں کی اقامت گاہ رہا ہوگا۔ مگر چاند یا دوسرے مسلمان مورخین نے اُس کا کوئی ذکر نہیں کیا۔ جنرل صاحب کہتے ہیں کہ مسلمان مورخین لال کوٹ کو قلعہ رای پتھورا کا ایک جزو سمجھتے تھے اور اسی وجہ سے جداگانہ طور پر اُس کا کہیں ذکر نہیں آیا۔ موضع مہرولی کے باشندے جہاں لال کوٹ کے کھنڈر ہیں کہتے ہیں کہ پتھورا کے مندر کے پاس لال کوٹ نام کی ایک بڑی مشہور عمارت تھی چنانچہ چند شاعر کا بیان ہے کہ اننگ پال نے بیاس کی بات سُن کر غور کیا اور ایک محل بنانا شروع کیا (کانٹو اول پرتھی راج ریاسا) مسلمان مورخین کے سکوت نے ہم کو بڑی مشکل میں ڈال دیا ہے اور اُن کا یہ سکوت ہمارے تحیر کا باعث ہے کیوں کہ یہ لوگ بڑے پایے کے اور تفصیلی وقائع نگار تھے۔ مقامی لوگوں کا کہنا کچھ زیادہ لائق اعتبار نہیں۔ اس پر یہ طرہ یہ کہ ہندو مورخین بھی اس معاملے میں بالکل ساکت اور صامت ہیں۔ مسٹر بگر نے جنرل کننگھم کی

رائی کے خلاف لال کوٹ کی حدود سے مسلمانوں کے مسمار کردہ مناور۔ لوہے کی لاٹ اور خشک شدہ اننگ تال سب کو خارج کر دیا ہے انگ پال کا لال کوٹ غالباً سنگ سرخ کا ایک بڑا محل تھا جس کی حیثیت کو یا تو چوہانوں نے بدل دیا یا یہ کہ اُن کی نظر ہو کر نیست و نابود ہو گیا۔

انیک تال
بکرمی سمبت ۱۰۷۶

یہ تالاب بہت قدیم زمانے کا بنا ہوا ہے جو کسی زمانے میں بڑی سیرگاہ رہا ہو گا اب تو اُجاڑ پڑا ہوا بھائیں بھائیں کر رہا ہے۔ یوگ مایا کے مندر کے شمال کے رُخ پر۔ مسجد قوت الاسلام کے شمال و مغربی گوشے میں کوئی پاؤ میل پر جو ایک بڑا گہرا کھلا نظر آتا ہے وہ اسی تالاب کا ہے جس کا طول شمالاً جنوباً ۱۶۹ فٹ اور عرض شرقاً غرباً ۱۵۲ فٹ اور عمق ۴۰ فٹ ہے یہ تالاب راجہ انیک پال تنور ثانی دلی کے راجہ نے بنوایا تھا چنانچہ اُسی کے نام سے اب تک مشہور ہے۔ سر سید لکھتے ہیں کہ ۱۰۶۰ھ تک یہ تالاب درست حالت میں تھا۔ اور علاء الدین خلجی (۱۲۹۶ء – ۱۳۱۶ء) کی ادھوری لاٹ کی تعمیر کے لیئے اسی تالاب سے پانی جاتا تھا جس کی نالیوں کے نشانات اب تک بھی بعض بعض جگہ پائے جاتے ہیں۔ اب یہ تالاب بالکل خشک ہے حتیٰ کہ موسم بارش میں اتنا بھی پانی نہیں ٹھیرتا کہ اس کے شکم کو تر رکھ سکے۔

انیک پور
بکرمی سمبت ۱۰۷۶

یہ موضع بلب گڑھ کے سب ڈویزن میں تغلق آباد سے تین میل پر واقع ہے۔ یہ موضع اپنے اُس بے نظیر بند یا پشتے کے لئے مشہور ہے جس سے پانی روکا گیا ہے۔ اگر ہم اس بند کی قدامت کو خیال کریں جس پر صدیوں کی صدیاں کس مپرسی کی حالت میں گزر گئیں تو ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ شمالی حصۂ ہند میں یہ فن تعمیرات کا بڑا بھاری کام ہے۔ یہ بند ایک گھاٹی پر بنایا گیا ہے ۹۸ فٹ لمبا ہے۔ اسی عظیم الشان اور پُر شوکت بند کے شمال میں یہ موضع ہے جس کی

آبادی تخمیناً ہزار نفوس کی ہے۔ سرسید لکھتے ہیں کہ اس گاؤں کو راجہ انیک پال تنور ثانی نے جو دلّی کا راجہ تھا سمت ۷۳۳ یعنی ۶۷۶ء میں آباد کیا تھا اور اُسی کے نام سے یہ گاؤں موسوم ہے لیکن جنرل کننگھم اس سمت کو بلبھی سمجھتے ہیں اور اس حساب سے موضع کی آبادی کا سال سنہ ۱۰۶۰ء قرار دیتے ہیں۔ اسی راجہ نے پہاڑوں کے بیچ میں سیر و شکار کے واسطے ایک نہایت نفیس بند بنا کر پانی کو روکا ہے۔ اس بند کے دو طرف تو پہاڑ ہیں اور بیچ میں ایک چھوٹی سی گھاٹی تھی اُس گھاٹی کو بند سے بند کر دیا۔ یہ بند بالکل پختہ اور مستحکم ہے اور سر تا پا پتھر کا بنا ہوا ہے۔ بند پایہ میں ۱۰۵ فٹ چوڑا اور ۲۰ فٹ اونچا ہے۔ اس بند کے بیچ میں ایک در ۲۰ فٹ گہرا اور ۱۲ء۵ چوڑا ہے۔ اس در کے سامنے تین نالیاں آٹھ آٹھ فیٹ اونچی بنی ہوئی ہیں یہ نالیاں دیوار کی ساری چوڑان میں دوڑی ہوئی ہیں۔ ان نالیوں کی دونوں طرف پانی چھوڑنے اور بند کرنے کی کھڑکیوں (Sluices) کے نشان اب تک موجود ہیں۔ اس محراب کے دونوں جانب ۷۳ - ۷۳ فیٹ لمبی دیوار ہے جس کی سترہ سیڑھیاں اب موجود ہیں اور پرانے زمیندار بیان کرتے ہیں کہ ہمارے ہوش میں قد آدم سے سوا اونچا تھا اور کئی سیڑھیاں اور نکلی ہوئی تھیں جو اب دب گئی ہیں۔ موری اس بند کی اتنی بڑی ہے کہ کھڑا آدمی اُس میں سے چلا جاتا ہے۔ اگرچہ اس بند میں اب پانی نہیں ٹھہرتا مگر پھر بھی جڑوں میں سے بارہ مہینے پانی رستا رہتا ہے۔ اُسی زمانے میں راجہ نے اسی بند کے پاس ایک پہاڑ کی چوٹی پر گاؤں کے شمال مغرب کی طرف ایک چھوٹا سا قلعہ بنانا شروع کیا تھا مشہور ہے کہ قلعے کی چار دیواری کے سوا اور کچھ بننے نہیں پایا تھا۔ اب وہ چار دیواری بھی نہ رہی۔ کہیں کہیں سے دیوار کا ٹوٹا پھوٹا نشان اب بھی دکھلائی دیتا ہے۔ کنور بھوپال جو انیک پال کا بارہواں بیٹا تھا اس جگہ آباد ہوا چنانچہ ایک عرصے تک اُسی کی آل اولاد بستی رہی چوتھی پشت میں مسمی ساکرا نے ایک گوجرنی گھر میں ڈال لی اور اس سے

اولاد جیلی چوتنور خاندان سے خارج ہو کر گوجر کہلائے اور یہی لوگ یہاں بھی بستے ہیں۔ اس قلعے کے ایک پہاڑ میں بلور کی کان بھی تھی جس میں سے بہت عمدہ بلور نکلتا تھا مگر کسی سبب سے راجہ نے اسے بند کرا دیا۔

سورج کنڈ

سمت ۷۴۳ - $\frac{۶۸۶}{۶۸۶}$ (۶۷۶ / ۶۸۶ء)

سر سید بھاٹوں کی روایتوں پر سے اس عالی شان تالاب کو انیک پال کے پانچویں فرزند سورج پال کے وقت کا بتلاتے ہیں یعنی سمت ۷۴۳ - ۶۸۶ء میں بنا ہے۔ لیکن جنرل کننگھم بلبھی سمت کے حساب سے ۱۰۲۱ء زمان تعمیر شمار کرتے ہیں۔ اگرچہ یہ تالاب اب بالکل خستہ و شکستہ حالت میں ہے مگر اس کے دیکھنے سے نظروں تلے اس کی عظمت اور شان کا وہ نقشہ پھر جاتا ہے جیسا کہ یہ کبھی رہا ہوگا۔ اتنا بڑا بھاری تالاب ایسے ویرانے اور جنگل میں بنا دینا قصہ اور کہانیوں میں تو سنا ہے مگر دیکھا کہیں بھی نہیں گیا۔ پچھلے لوگوں کے عزم میں خدا جانے کیا استقلال تھا۔ اُن کے حوصلے کیسے بلند تھے۔ اُن کے پاس دولت کس قدر بے شمار تھی جو ایسے ایسے کام کر کے دکھا گئے کہ جن کا اب بننا محالات سے ہے۔ تالاب کے چاروں طرف کے ویرانے اور کھنڈروں کے دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ جنگل میں منگل تھا۔ شکم تالاب کا رقبہ چھ ایکڑ ہے۔ یہ تالاب دو موضعوں بہار پور اور لکڑپور کے درمیان دلی کے پہاڑی میدان میں شہر دہلی سے بارہ میل کے فاصلے پر ہے۔ تالاب کی شکل مدور نہیں ہے بلکہ بقول مسٹر ٹرملٹ کے اس کا سارا مغربی ضلع بالکل سیدھا چلا گیا ہے۔ تالاب کے چاروں طرف پتھر کی پختہ سیڑھیاں ہیں جو نیچے سے اوپر تک سطح زمین سے جا ملی ہیں۔ یہ سیڑھیاں نو دس فیٹ کی بلندی تک تو معمولی چکلان کی ہیں جیسی کہ عموماً تالابوں میں ہوتی ہیں لیکن اوپر جا کر سیڑھیاں بہت کشادہ ہو گئی ہیں اس کشادہ جگہ میں گچ کا پختہ فرش بنا دیا گیا ہے جو ایک قسم کے چوڑے چکلے چبوترے نظر آتے ہیں جو ایک کے اوپر ایک

تالاب کے گرد دوٹے ہوئے ہیں۔ تالاب کے غربی رخ کے بیچ میں ایک منہدمہ مندر کا نشان معلوم دیتا ہے۔ تالاب میں سے مندر پر چڑھنے کی پچاس سیڑھیاں ہیں اور ان سیڑھیوں کے دونوں طرف اونچی اونچی دیواریں ہیں۔ مندر کی سیڑھیاں گھاٹ کی سیڑھیوں سے تالاب کی سطح آب کے نصف فاصلے پر جا ملی ہیں۔ مشرق کی طرف بھی ایک گھاٹ بطور جواب کے بنا ہوا ہے جو بالکل پہلے گھاٹ کی طرح کا ہے اور اس طرف بھی پہلے زمانے میں کسی قسم کی عمارت کا وجود کھنڈروں سے معلوم دیتا ہے لیکن وہ کھنڈر اب ایسی حالت میں ہیں کہ ان پر سے ہم قیاس بھی نہیں کر سکتے کہ جب کبھی یہ عمارت رہی ہوگی تو کس قسم کی ہوگی۔ تالاب کی شمالی دیوار کے بیچ میں مویشیوں کے لیے ایک ریٹ نما پھسلواں گئو گھاٹ بنا ہوا ہے۔ اس گھاٹ سے اس ٹوٹی ہوئی دیوار کی طرف جو مغرب میں ہے سیڑھیاں نہیں ہیں جو غالباً اس غرض سے خالی چھوڑ دیا گیا ہے کہ اس طرف سے آس پاس کے پہاڑوں کا پانی بہہ کر تالاب میں جمع ہوتا ہے۔ تالاب کے چاروں طرف برجیاں بھی تھیں چنانچہ اب تک شمال مشرقی۔ جنوب مشرقی اور شمال مغربی کونوں کی طرف ملبے کے ڈھیر بکھرے پڑے ہیں۔ اب رہا جنوب مغرب کا کونا یہاں بھی برجی ہی تو ضرور ہوگی مگر اب تو سپاٹ زمین پڑی ہے۔ تالاب سے ذرا ہٹ کر بھی اور مکانات اور برج تھے جن کا ملبہ تالاب سے آٹھ نو گز کے فاصلے پر پڑا ہے۔ تالاب کے شمالی کنارے پر ایک محل تھا۔ اس محل میں سے تالاب میں جانے کے لیے نہایت خوب صورت سیڑھیاں بنائی تھیں۔ وہ محل تو اب ہوا ہو گیا مگر سیڑھیاں البتہ باقی ہیں۔ بھادوں کی سدی چھٹ کو یہاں ہر سال نہان کا ایک میلا ہوتا ہے۔ تالاب کے جنوب و شرقی کونے پر اسی زمانے کا ایک پرانا درخت پیپل کا کھڑا ہوا ہے جس کی پوجا ہوتی ہے اور ناریل یا جو کچھ اس پر چڑھایا چڑھتا ہے وہ انیک پور اور لکڑ پور کے برہمنوں کا حق ہے۔ یہ میلا بالکل معمولی ہوتا ہے کچھ بڑا نہیں ہوتا۔

قطعہ تاریخ نوشتہ جناب شاہ محمد حمید احسینی صاحب ضیا نامی کوہ سوار نظامی صدر مدرس دیودرگ ضلع رائچور دکن

دہلی کا مثل روئے زمیں پر نہیں ہے آج — مشہور ہے زمانے میں یہ آپ بے عدیل
اسلام و کفر نے کیئے یاں راجدھانیاں — یہ جلوہ گاہ طور ہے یہی شرک کی کفیل
عزل و نصب رہا ہے زمانے کا قاعدہ — نمرود آستاں یہ کبھی گلخن خلیل
آماجگاہ ابیض و اسود ہے اس کی شان — معیار خیر و شر کی ہے دنیا میں یہ دلیل
ترک و عرب کی جان تھی اک وہ بھی عہد تھا — رہتے تھے جس میں شیر و شکر کثرت و قلیل
علمائے علم کے اسے مرکز کا فخر ہے — حکمائے بے نظیر کی یہ ساحت نزیل
عقلائے روزگار کی یہ بزم عام تھی — شعرائے نامدار کی یہ مسند جلیل
ہر ایک علم و فن کے یہاں آزمودہ تھے — ایک ہی بساط پہ تھے یہاں اشرف و ذلیل
یہ تخت گاہ اکبر و محمود پر شکوہ — یہ جلوہ گاہ حضرت اورنگ شاہ عقیل
آثار جن کے آج ہیں مشہور کائنات — ہے چپہ چپہ فن عمارت کا خود وکیل
اس کو شرف ہے رزمگہ خاص و عام کا — رہتے تھے اس میں شیر فگن شہسوار یل
دنیا میں اس کا نام عروس البلاد تھا — بازار حسن حلقۂ خوبان مہ جمیل
آتے تھے اس کو دیکھنے سیاح نامور — دہلی تھی سرزمین پہ فردوس کی مثیل
جس کا سواد باعث تسکین اضطراب — جس کا خیال موجب آسائش طویل
ہر ذرہ ذرہ جس کا رہا جان آفتاب — جاں بخش کائنات رہی جس کی قال و قیل
تاریخ اس کی لکھی بشیر نذیر نے — جو فاضل یگانہ ہیں علامۂ عدیل
طرز بیان حسن ادا دلفریب ہے — انداز گفتگو ہے روانیٔ سلسبیل
کوثر میں جو دھلی ہوئی ہے یہ زبان ہے — سرمایۂ حیات ہے انداز قال و قیل
مبسوط واقعات ہیں دہلی کے بے بدل — حالات ہیں صحیح صحیح تاریخ ہے اصیل

تاریخ الطباع بگفتہ سروش غیب
نامی بدل نویس کرو تاریخ بے عدیل
۱۳۴۷ھ

قلعہ سرزغن ۶۶۶ھ جب سلطان غیاث الدین بلبن بادشاہ ہوا اُس نے ۶۶۶ھ میں ایک قلعہ بنایا اور اُس کا نام سرزغن رکھا اب اس قلعہ کا نشان تک باقی نہیں رہا مگر لوگ کہتے ہیں کہ جہاں حضرت نظام الدین اولیا کا مزار ہے وہاں تھا۔ بلکہ اُسی کی آبادی کا موضع غیاث پور نام ہے۔

قلعہ علاول ۶۹۵ھ جب کہ سلطان علاء الدین خلجی بادشاہ ہوا اُس نے اپنے عہد میں کہ ۶۹۵ھ سے شروع ہوا تھا ایک اور قلعہ بنایا اور اُس قلعہ کا نام سیری رکھا۔ چنانچہ اب بھی قطب صاحب کو جاتے ہوے بائیں ہاتھ کو اُس قلعہ کا کچھ کچھ نشان پایا جاتا ہے۔ یہی قلعہ علاول بھی کہلاتا تھا۔

دیدم چغد نشستہ در صبح وپگاہ — سیری یا دہلی علائی

برکنگرۂ مقبرۂ نوشرواں شاہ — سنہ ۷۰۳ہجری

فریاد کناں زروئے عبرت می گفت

کو آں ہمہ حشمت و منال و آں جاہ

بقول سرسید علاء الدین خلجی نے ۷۰۳ھ میں سیری نام موضع کے پاس اسی نام کا ایک قلعہ بنوایا۔ یہ موضع رای پتھورا کے قلعے سے شمال و مشرق میں کوئی دو میل پرے ہٹ کر ہے اب اس جگہ شاہ پور یا شاہ آباد آباد ہے۔ مغل حملہ آوروں نے دومرتبہ پرانی دلی کو لوٹا۔ اس لیئے علاء الدین نے رای پتھورا کے قلعے کو درست کیا اور اس کے علاوہ خود بھی ایک نیا قلعہ بنایا جس کا نام "سیری" رکھا۔ دلی کی پیاپی لوٹ کا بدلہ علاء الدین خلجی نے یوں لیا کہ اُس نے اس قلعے کی بنیاد اور فصیلوں میں ایک دم سے آٹھ ہزار مغلوں کے چنوا دیئے۔ قلعہ کی فصیل پتھر اور چونے کی پختہ بنی ہوئی تھی۔ یہ قلعہ کیا باعتبار عمدگی و استحکام عمارت کے اور کیا بلحاظ

مقاصد فوجی کے اپنی نظیر نہیں رکھتا تھا۔ ۹۴۸ھ میں شیر شاہ نے اس قلعے کی اینٹ سے اینٹ بجا دی اور اُس کا سارا مال مسالا ڈھلوا کر ایک نیا شہر شیر گڑھ اپنے نام سے بسایا اور اُس میں لگایا۔ تیمور نے سیری کی نسبت لکھا ہے کہ "یہ ایک مدور شہر ہے جس کی عمارت بلند اور دیواریں اینٹ پتھر کی نہایت مضبوط بطور گڑھی کے ہیں۔ پُرانی دلّی میں بھی اسی قسم کا ایک قلعہ ہے مگر وہ اس سے کچھ بڑا ہے۔ اس قلعے سے پُرانی دلّی تک ایک نہایت مضبوط فصیل پتھر چونے کی ہے۔ سیری کے سات دروازے ہیں چار باہر وار کو تین جہاں پناہ کی جانب اندر وار کو"۔ یزدی نے اپنے ظفر نامے میں لکھا ہے کہ "سیری کی شمال مشرقی فصیل سے پُرانی دلّی کی جنوب مغربی فصیل تک دو طرفہ ایک اور فصیل بنائی گئی ہے اور اس کا درمیانی قطعہ جہاں پناہ کہلاتا ہے"۔ عہد اسلامی کی تیسری سلطنت سیری میں تھی۔ سلاطین خاندان غلامان نے باستثنائے کیقباد جو اس خاندان کا آخری بادشاہ تھا سب قلعہ رای پتھورا ہی میں رہے۔ جلال الدین خلجی نے کیقباد کے کلوکھری والے قلعے کی تکمیل کی جس کا نام بعد میں "نیا شہر" پڑا۔ اُس کے بھتیجے اور جانشین علاء الدین خلجی نے سیری کا قلعہ بنایا جو ۱۳۲۱ء تک دار السلطنت رہا۔ جس کے بعد سلطان غیاث الدین تغلق نے تغلق آباد کا ایک نیا شہر بسایا اور وہیں قلعہ بھی بنایا۔ قلعۂ سیری کے ٹھیک مقام کی نسبت اختلاف ہے۔ برجس۔ لوئی۔ کوپ اور کیمبل صاحب قطب صاحب میں بتلاتے ہیں۔ لفٹنٹ برجس کے علاوہ کرنل لوئی اور مسٹر کوپ جنھوں نے آثار قدیمۂ دہلی پر نہایت عمدہ مضامین لکھے ہیں لیکن انھوں نے اس قدر تعجیل سے لکھا ہے کہ اُن کی رائے استناداً پیش نہیں کی جاسکتی۔ مسٹر کیمبل البتہ سوچ سمجھ اور تحقیق سے لکھنے والے ہیں لیکن جنرل کننگھم صاحب کی تحقیق سب سے زیادہ قابل توثیق ہے۔ چنانچہ سٹیفن صاحب نے بھی بہت کچھ چھان بین کے بعد بھی یہی رائے قائم کی ہے کہ اگر موضع شاہ پور وہ جگہ نہیں ہے جہاں کہ سیری کا قدیم شہر بنا تھا تو پھر یوں سمجھنا چاہیئے کہ اور کسی دوسری جگہ تو اس کا پتہ چل بھی نہیں سکتا۔ تیمور اور یزدی نے جو دلّی کے تینوں شہروں کا تذکرہ کیا ہے اس سے بھی یہی معلوم ہوتا ہے کہ شہر کی آبادی کا شمالی مشرقی حصہ سیری تھا اور سیری کے شمال مغرب

میں دلی شہر تھا جو سیری سے کہیں بڑا تھا اور ان دونوں کے بیچ میں جہاں پناہ کی آبادی تھی جو دلی سے بھی بڑا شہر تھا - جنرل صاحب نے سیری کا مقام وہی قرار دیا ہے جہاں کہ فی زمانناشاہ پور آباد ہے اور یہی رائے مسلمان مورخین کی بھی ہے جو دلی کو شاہ پور کے جنوب و مغرب میں بتلاتے ہیں اور جہاں پناہ کو دلی اور شاہ پور کے بیچ میں اور ساتھ ہی اس کے شاہ پور کو دلی سے چھوٹا بتلاتے ہیں - سیری کی جغرافی پوزیشن (تعیین مقام) کے متعلق برجس صاحب اور اُن کے ساتھ اور چند اصحاب کی رائے ایک طرف اور جنرل صاحب کی رائے ایک طرف - مزید برآں جنرل صاحب کی رائے کی تائید میں بہت قوی دلائل موجود ہیں :-

(۱) قلعۂ رای پتھورا کے باہر سیری کی بستی تھی - حوضِ رانی کے میدان کی طرح سیری کی زمینات بھی بطور کیمپ کے استعمال کی جاتی تھیں - جب کیقباد نے ۶۸۷ھ/۱۲۸۷ء میں سیری کو دارالاقامہ مقرر کیا تو کہا جاتا ہے کہ لشکر کا میمنہ تل پت میں تھا اور میسرہ اندرپت میں تو قلب لشکر لامحالہ بیچوں بیچ میں موضع شاہ پور میں آکر ٹھیرتا ہے اس سے صاف ظاہر ہے کہ سیری کی بستی قلعۂ رای پتھورا کے باہر تھی اور مواضع اندرپت اور تل پت کے بیچ میں تھی -

(۲) سیری کی بنیاد خواہ بطور شہر کے سمجھی جائے یا بطور قلعے کے ۷۰۳ھ/۱۳۰۳ء ہی لیکن سیری کی بستی کا وجود ۶۰۵ھ/۱۲۰۵ء سے پایا جاتا ہے کہ وہ جمنا کے کنارے پرانی دلی اور نئے شہر دونوں کے بیچ میں سیری نام کی ایک بستی تھی - جب علاء الدین خلجی کا بھانجا رکن الدین ابراہیم پرانی دلی میں تخت نشیں ہوا تو علاء الدین کا قیام سیری میں تھا (برنی) - اس زمانے میں سیری کے نام کا کوئی قلعہ نہ تھا تو علاء الدین لامحالہ سیری کی بستی ہی میں رہتا ہوگا -

(۳) ۶۹۷ھ/۱۲۹۷ء میں سلطان علاء الدین نے بڑے ترک و احتشام سے دلی سے کوچ کیا اور اپنے خیام سیری میں نصب کرائے (برنی) - تو یہ خیام ضرور دلی شہر سے کچھ فاصلے پر ہی ہونگے غایت مافی الباب شہر میں تو ہو نہیں سکتا ضرور شہر کے باہر ہی ہوگا -

(۴) ایک دوسرے موقع پر یہ بھی لکھا ہوا ہے کہ علاء الدین نے شہر سے کوچ کر کے

سیری میں مقام کیا۔ شہر سے مراد پرانی دلی ہے اس سے بھی ظاہر ہے کہ سیری ایک جداگانہ مقام تھا۔

۵) مغلوں کے پیاپے خطرناک حملوں نے علاء الدین خلجی کو دلی کے پرانے قلعوں کی مرمت کرنے پر مجبور کیا اور اس نے ایک نیا قلعہ بھی بنوایا پس اگر یہ نیا قلعہ پرانی دلی کے اندر ہی ہوتا تو کوئی وجہ نہ تھی کہ اس کا ایک جداگانہ نام سیری رکھا جاتا۔ ابو الفضل نے جو سیری کا ذکر کیا ہے بالکل غلط ہے کہ شہر بنا ایک جگہ ہو اور نام دوسری جگہ کا رکھا گیا ہو۔ جب کہ نئے قلعے کا نام سیری تھا تو یقیناً وہ رای پتھورا کے قلعے کی چار دیواری کے اندر تو بنا ہی نہ ہوگا۔ ہم اوپر امیر تیمور اور یزدی کی تحریرات کا حوالہ دے آئے ہیں جن میں انھوں نے تین شہروں کا ذکر کیا ہے جو سب مل کر دلی کہلاتے تھے۔ ابن بطوطہ نے ایک چوتھی دلی بھی لکھی ہے یعنی ہندوؤں کی اصلی دلی پرانی دلی اور سیری کو وہ مسلمانوں کا دار السلطنت لکھتا ہے۔

قصر ہزار ستون

سنہ ۷۰۳ھ / ۱۳۰۳ع

اگر پردہ برگیری از روئے خاک
روی تا بہ ہفتم زمیں در مغاک

ہمہ فرقِ شاہانِ سرکش بود
رخِ نوعروسانِ مہوش بود

سراپائے گیتی ہمہ غیرت است
پس و پیشِ او حیرت و حسرت است

سنہ ۷۰۳ھ / ۱۳۰۳ع میں جب علاء الدین خلجی سیری میں قلعہ بنوا چکا تو اس نے ایک محل بھی بنوایا جس کا

۵؎ چوتھی دلی تو کچھ بھی تعجب کی بات نہیں بڑی لی ہرن صاحب نے اپنی کتاب میں سات دلیاں بتلائی ہیں پرانی دلی۔ سیری۔ تغلق آباد۔ جہاں پناہ۔ فیروز آباد۔ شیر شاہ کی دلی۔ شاہ جہاں آباد۔ اور آٹھویں دلی رای سینا میں اب انگریزوں کے عہد میں بن رہی ہے۔ صانہا اللہ تعالےٰ عن حوادث الدہر



عمارت هزار ستون

نام "ہزارستون" رکھا۔ اُس زمانے کے دستور کے موافق اس محل کی بنیاد اور ستونوں کھمبوں میں ہزاروں سر چنوا دیئے گئے۔ جنرل کننگھم نے اس محل کا مقام قلعہ سیری قصبۂ شاہ پور کے اندرونی نصف مغربی حصے میں بتلایا ہے۔ مسٹر بگلر نے اس کے خلاف قلعہ سیری میں جنوبی فصیل سے کچھ آگے بڑھ کے اس کے کھنڈر دریافت کیئے ہیں۔ امیر تیمور نے اس محل کو عمارت ہزارستون سے گڈمڈ کر دیا ہے جس کو محمد تغلق شاہ عرف جونا شاہ نے عادل آباد عرف محمد آباد میں ۷۲۸ھ ۱۳۲۷ء میں پچیس برس بعد بنوایا تھا۔ چنانچہ محمد شاہ تغلق نے بزمانۂ شاہزادگی لکھا ہے کہ "بیگمات نے محل ہزارستون کے دیکھنے کی خواہش کی جسے ملک جونا نے قلعہ جہاں پناہ کے اندر بنوایا تھا"۔ کھنڈر کے دیکھنے سے اس محل کی اصلی شان و شوکت کا کوئی اندازہ نہیں کیا جاسکتا۔ امیر خسرو لکھتے ہیں کہ "ملک کافور جو علاء الدین خلجی کا ایک نامور سردار تھا جب ورنگل سے بے شمار دولت لوٹ کر لایا تو وہ ساری کی ساری سنہری محل کے سامنے لوگوں کو دکھلائی گئی تھی لیکن تاریخ فیروز شاہی میں اسی واقعے کو زیادہ تفصیل سے بیان کیا گیا ہے مگر وہ اس واقعہ کو قصر ہزارستون میں ہونا لکھتا ہے۔

علاء الدین خلجی کی وفات (۷۱۵ھ ۱۳۱۵ء) کے پچیس دن بعد ملک کافور شیر اعظم سلطان علاء الدین کو قطب الدین مبارک شاہ کے غلاموں نے اسی قصر ہزارستون میں قتل کر ڈالا۔ ۷۲۰ھ ۱۳۲۰ء میں خسرو خاں کے ہندو ملازمین نے سلطان قطب الدین مبارک شاہ کو اسی محل کے کوٹھے پر قتل کیا جس کے چند مہینے بعد خسرو خاں بھی غیاث الدین تغلق شاہ کے حکم سے اسی جگہ جہاں قطب الدین مبارک شاہ مارا گیا تھا اس کی بھی گردن ماری گئی اور جس طرح قطب الدین کا سر محل کے نیچے پھنکوا دیا گیا تھا اس کی نعش بھی سر راہ پھینک دی گئی اور کہ کردو کہ نیافت کا مضمون صادق آیا۔ اور اسی سال اسی محل میں تغلق شاہ بھی تخت نشین ہوا اور سر دربار قطب الدین اور علاء الدین اپنے مربی کے دوسرے بیٹوں کے ساتھ جو برا سلوک ہوا تھا اُس پر بہت رویا۔ اس مشہور محل میں ایسے ایسے اہم و سترگ تاریخی واقعات گزرے لیکن یہ کہ یہ محل کس قسم کا تھا کچھ پتہ نہیں چلتا سوائے اس کے کہ ہم اس کے نام سے اندازہ کرلیں کہ جس محل کے کہ ہزارستون ہوں گے وہ اسی مناسبت سے کتنی بڑی

اور کیسی عظیم الشان عمارت ہو گی لیکن فنا کی دست درازی کا سب شکار ہیں۔ دنیا کی تمامی چیزیں فانی اور مٹنے والی ہیں چنانچہ اس محل کو دیکھیے کہ با این شان و شوکت آج ہم کو ضرورت اس تلاش کی پڑی ہے کہ وہ کس مقام پر تھا۔

ایسا مکاں بتاؤ جو بن کر گرا نہو
پیدا ہوا ہے کوئی بشر جو مرا نہو

جہاں پناہ

۷۲۸ھ
۱۳۲۷ء

ویرانۂ دہلی میں جو گیا اک فاختہ مجھ سے یوں بولی
پیغام تجھے اک دیتی ہوں سن اے غافل کو کو میری
یہ ویرانے جو دیکھتے ہو معمور تھے آبادی سے کبھی
یاں شہر بھی تھے باغات بھی تھے بستی تھی کنار جو میری
گو چرخ فلک کی گردش سے روپوش ہوئی محفل اپنی
ہے آج کے دن تک متجسس یہ چشم نظارہ جو میری
شاہوں کے مقابر کو دیکھو عبرت کے مناظر کو دیکھو
اینٹ اینٹ میں قصر جمشیدی ہے دیکھتی آنکھ ہر سو میری
تھا شور جہاں تکبیروں کا ہنگامے تھے جراروں کے
اب عالم ہو ہے چار طرف باقی ہے فقط کو کو میری
نت رنگ نیا ہے دنیا کا مایوس نہ ہو اے بے خبرو
کہتی ہے یہ کو کو میری۔ کہتی ہے یہ کو کو میری

خاندان غلامان دہلی کے عہد میں قلعۂ رای پتھورا کے چوطرف دور دور تک بستی ہی بستی پھیل گئی تھی۔ میواتیوں کی لوٹ مار سے قلعے والے پریشان تھے۔ کیقباد کی ضعیف حکومت نے ان لٹیروں کے حوصلے بہت بڑھا دیئے تھے سلطان علاء الدین خلجی کو تخت پر بیٹھتے ہی پہلے یہی مشکل پیش آئی کہ کھلے خزانے لٹ رہی تھی۔ پانی بھرنے کے لیئے جو عورتیں کنوؤں اور حوضوں پر جاتی تھیں ان کی جان غضب میں تھی۔ میواتیوں کا یہ آسان شکار تھا ان کے کپڑے تک اتروا لیتے تھے اسی لیئے مغرب ہوتی کہ شہر کے دروازے بند ہو جاتے تھے۔ یہ بادشاہ فیروز شاہ کی طرح نرم تھا اس نے اپنی سطوت اور جبروت کا سکہ اس طرح

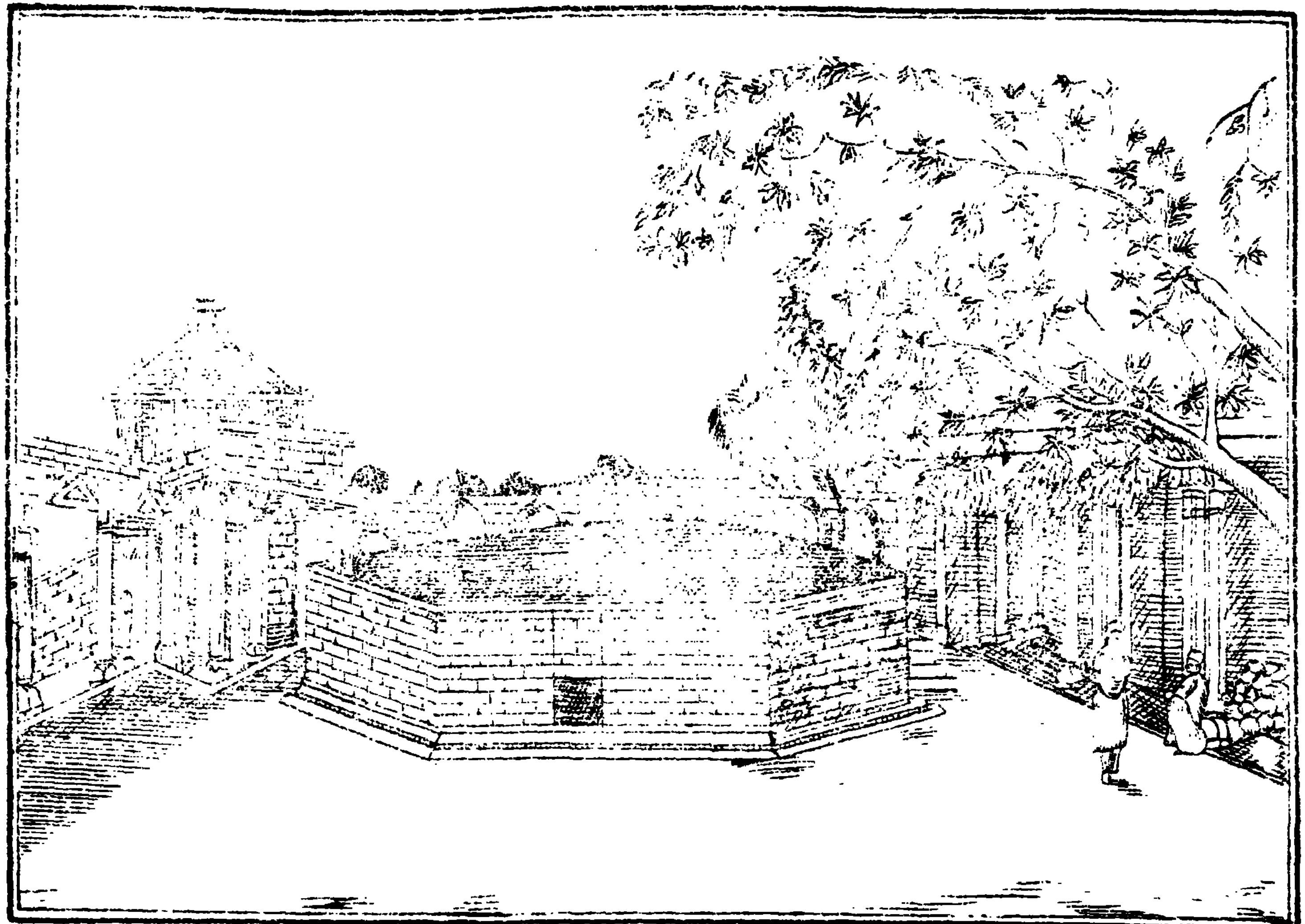
بچایا کہ اُس نے میواتیوں کے ملک پر تاخت کی اور ایسی تلوار اور آگ برسائی کہ سب کے سب کے چھکے درست ہو گئے۔ جب مغلوں نے جلال الدین خلجی کے وقت میں دلی پر حملہ کیا تو شہر کے مقامات کو لوٹ لات کر تباہ کر دیا تھا اور جب علاء الدین خلجی نے سیری کی بنا ڈالی تو رائے پتھورا کے قلعے کے مقامات اتنے بڑھ گئے تھے کہ دونوں شہر مل گئے تھے اور مواضع حوض رانی۔ لوٹی سرائے۔ اور کھڑکی بھی اسی سلسلے میں آ گئے تھے۔ محمد تغلق شاہ کو خیال ہوا کہ تمام مختلف مقامات جو پرانی دلی اور سیری کے بیچ میں پڑتے ہیں ان سب کو ملا کر میرے وقت میں ایک جداگانہ شہر ہی کیوں نہ بسایا جائے جس سے مغلوں اور میواتیوں کی روک تھام کے علاوہ میری ایک یادگار بھی رہے چنانچہ ۷۲۸ھ (۱۳۲۷ء) میں یہ ارادہ پورا ہوا اور پرانی دلی اور سیری دونوں کی آبادیوں کو فصیلیں کھڑی کر کے ملا دیا گیا اور جہاں پناہ نام رکھا گیا۔ شمال مغرب کی طرف کی فصیل قریب دو میل کے اور شمال جنوب و شمال مشرق کی طرف کی دو فصیلیں سوا دو میل لمبی ہیں۔ اور تینوں فصیلوں کی لمبان پانچ میل ہے۔ شمال مشرق کی طرف کی دیوار سیدھی نہ تھی بلکہ ٹیڑھی میڑھی تھی وہ تو گر گرا گئی اور مشرقی دیوار گو سیدھی تھی مگر وہ بھی گر گئی اب رہی تیسری دیوار جو جنوب رخ پر تھی وہ بھی بالکل سیدھی تھی اُس کا ایک ثلث حصہ تو گر گیا ہے باقی موجود ہے۔ اس نئے شہر جہاں پناہ کے تیرہ دروازے پرانی دلی اور سیری کے ملا کر تھے۔ ان تیرہ دروازوں میں سے چھ تو شمال مغرب میں تھے جن میں سے ایک کا نام میدان دروازہ تھا لیکن یزدی اس کا نام حوض خاص دروازہ لکھتا ہے کیوں کہ وہ اسی نام کے حوض کی طرف کھلتا تھا (از تاریخ مبارک شاہی) باقی دروازے جنوب و شمالی رخ پر تھے۔ جن میں سے صرف دو کے ناموں کا اور پتہ چلتا ہے ایک حوض رانی دروازہ اور دوسرا برقعہ دروازہ۔ اس نئے شہر کی چار دیواری کے اندر ایک مشہور عمارت بدیع منزل جس کو عوام بجے منڈل کہتے ہیں تھی جس کا بیان اپنے موقع پر آیا ہے۔ ابن بطوطہ جہاں پناہ کے متعلق لکھتا ہے کہ وہ صرف محمد شاہ تغلق کے رہنے کی غرض سے بنایا گیا تھا اور اس شہر کی تعمیر سے اُس کا ارادہ یہ تھا کہ پرانی دلی۔ سیری۔ جہاں پناہ۔ اور تغلق آباد۔ ان سب کو ملا کر محصور

کر دیا جاوے - چنانچہ بادشاہ نے فصیل کا کچھ حصہ بنوایا تھا لیکن چوں کہ مصارف بے شمار ہوتے تھے لہذا ادھورا چھوڑ دیا" - جنرل کننگھم جہاں پناہ کو دلی کا ساتواں قلعہ لکھتے ہیں اور مشہور ضرب المثل "سات قلعے یا باون دروازے" کی صراحت یوں کرتے ہیں کہ حسب ذیل سات تو قلعے تھے - (۱) لال کوٹ - (۲) قلعہ رای پتھورا - (۳) سیری یا قلعہ علائی - (۴) تغلق آباد - (۵) قلعۂ تغلق آباد - (۶) عادل آباد - (۷) جہاں پناہ باون دروازوں کی یہ تفصیل ہے - لال کوٹ ۳ - قلعہ رای پتھورا ۱۰ - سیری ۳ - جہاں پناہ ۱۳ - تغلق آباد ۱۳ - قلعہ تغلق آباد ۳ - عادل آباد ۲ - جملہ ۵۲ - لیکن مسٹر فنچ اور سٹلاائٹ نو قلعے لکھتے ہیں اور یہی صحیح بھی ہے - کیوں کہ کننگھم صاحب نے کلو کھری اور غیاث پور کے قلعوں کو شمار نہیں کیا جو پہلے محصور تھے - رہا لال کوٹ اُس کا شمار ہندوستانیوں کی روایتوں میں قلعوں میں نہیں ہے - ہندوستانی مورخین صرف تغلق آباد کے باون دروازے اور چھپن برج لکھتے ہیں لیکن کننگھم صاحب سولہا ہی دروازے لکھتے ہیں جو غالباً وہ دروازے ہوں گے جو اب باقی ہیں اور پھر جنرل صاحب نے تغلق آباد کے پاس دو اور چھوٹے قلعے جو ہیں وہ بھی چھوڑ دیئے ہیں اور اُن کے دروازوں کو بھی قلعۂ تغلق آباد کے دروازوں میں شمار نہیں کیا -

بادمنڈل جہاں پناہ میں اِس نام کا ایک وسیع چبوترا ہے جس پر سے اطراف و جوانب کا ایک عمدہ نظارہ ہوتا ہے - کہتے ہیں کہ یہ چبوترا سلطان محمد تغلق کے قصر ہزار ستون کا ایک جزو ہے -

دوسرا باب سلطان غازی

یہ مقام قطب صاحب سے تین میل ہے مگر رستہ پہاڑی ایسا پتھریلا ناقص اور ناہموار کہ بگھی تو بگھی یکہ بھی نہیں جا سکتا ہاں بیل گاڑی چل سکتی ہے بشرطیکہ اُلٹ نہ جائے میں کہنے کو تیسے پر گیا مگر مجھے اپنے ہاتھ پاؤں تڑوانے نہ تھے گیا بھی پیدل اور آیا بھی پیدل - قطب صاحب سے جاتے ہوئے داہنے ہاتھ کو چھوٹا برج



نقشهٔ درگاه حضرت سلطان غازی

ملتا ہی اور بائیں ہاتھ کو سو باتوں کا گنبد ہی جو ایک بارہ درہ ہشت پہل برج ہی۔ راست دروغ برگردن راوی۔ مشہور یہ ہی کہ اس میں ایک فقیر کی قبر ہی جس نے اللہ تعالیٰ سے سو باتیں کی تھیں۔ یہیں ایک وسیع اور پختہ فصیل نما احاطہ بھی ہی۔ اس گنبد کے شمال کی طرف ایک اور چار دیواری میں مولینا شعیب[ح] کا مزار ہی آپ مولینا کمال الدین اور جمال الدین رحمۃ اللہ علیہما کے خلیفہ تھے۔ اس سے آگے بائیں ہاتھ کو بامن کا مندر اور جوہڑ ہی جس میں مہادیو کا پنڈ ہی۔ یہ مندر ہشت پہل ہی جس کا ہر ضلع ۶ ½ فیٹ کا ہی۔ دو دروازے ہیں ایک جنوب میں دوسرا مشرق میں۔ مغرب کی جانب ایک نیا پنج درہ دالان بنا ہوا ہی اور اسی کے پاس جوہڑ یعنی چھوٹا سا تالاب ہی جسے دکن میں کنڈ کہتے ہیں۔ اسی رخ پر اوپر کے دالان سے ہٹا ہوا ایک اور پنج درہ دالان ہی علاوہ اس کے سہ دریاں بھی ہیں مندر کے سامنے صحن میں ایک پرانا پیپل کا درخت بھی ہی اب مندر سے آگے بڑھیے تو گنیشی لال وتی کے کسی باخیر شخص کا پختہ تالاب ہی اس سے آگے جو گاؤں ہی وہ مسعود پور کہلاتا ہی۔ سامنے وار کچھ فاصلے پر جو کھنڈر نظر آتے ہیں وہی سلطان غاری کا مزار ہی۔

مقبرۂ سلطان غاری ۶۲۹ھ ۱۲۳۱ء

نصیب ما ز باغ آفرینش میوۂ غم شد
نہالے را کہ پروردیم آخر نخل ماتم شد

سلہ عالم عامل در صورت و سیرت ملک مثال بود و در صنعت تذکیر بے نظیر زمان خود در زمانے کہ او وعظ گفتے و قرآن خواندے ہیچ کس را مجال عبور از انجا نبودے اگرچہ خود بار گران بر سر داشتے ایستادہ شدے و استماع نمودے و او را در وعظ بحسب اختلاف مقامات و عد و وعید حالات عارض شدے۔ جمیع اکابر و علمائے شہر در پائے وعظ او حاضر شدندے و اکثر از موالی و اہالی شہر در ابتدا شاگرد او بودند والد ماجد او مولنا منہاج در آوان صغر از بلدۂ لاہور بہ قصد تحصیل علم در دہلی آمد و در تحصیل علم ریاضت شاقہ کشید بعد ازاں در عہد دولت سلطان بہلول بودے مفتی شہر شد وہمیں جا سکونت فرمود۔ نقل است کہ مولنا منہاج در بعضے اوقات آرد و روغن از دکانہا گدائی کردے و ازاں چراغ ساختے و تمام شب بمطالعہ پرداختے و چوں روز شدے از ہماں نان پختے و بہماں قدر اکتفا کردے مدتہا بریں حال گزرانید تا علمے بدست آورد۔ وفات مولانا شعیب در ۹۳۶ھ و قبر او بالائے حوض شمسی ہست متصل خانقاہ ملک زین الدین کہ از صلحائے زمان سکندر بود۔ (از اخبار الاخیار)

ناصرالدین محمود شاہ خلف اکبر سلطان شمس الدین التمش لکھنوتی[1] کا حاکم تھا - تمام ارکین سلطنت اور رعایا اسی کو ولی عہد مانتے تھے مگر حکم قضا و قدر اس کے خلاف تھا - انسان سوچتا کچھ ہی اور ہوتا کچھ ہی - شاہزادہ یکایک ایسا بیمار پڑا کہ جاں نہ ہو سکا جب اس کی وفات کی خبر ۶۲۶ھ ۱۲۲۸ء میں دلی پونہچی تو اس سانحۂ ہوش ربا سے شہر بھر میں ایک کہرام مچ گیا - جوان بیٹے کی موت کا داغ شمس الدین التمش کو ایسا پونہچا کہ جتنا غم کیا تھوڑا تھا -

ع

من چوں نہ سیم کہ سینۂ من چاک کردہ اند ۔۔۔ لخت جگر بہ دیدہ تر خاک کردہ اند

نعش لکھنوتی سے دلی لائی گئی اور موضع ملک پور میں جو قطب صاحب کے جنوب مغرب میں ساڑھے تین کوس پر ہی دفن کیا گیا - مرنے کے تین سال بعد ۶۲۹ھ ۱۲۳۱ء میں باپ نے اپنے چہیتے بیٹے کا مقبرہ باپ کی چاہت کی آخری یادگار بنایا - اس مقبرے کا تہ خانہ بشکل ایک غار کے ہی اس واسطے غاری مشہور ہو گیا - تہ خانے کی وضع سے معلوم ہوتا ہی کہ عہد اسلامی سے پیشتر کا بنا ہوا ہی - مگر اس بات کا فیصلہ مشکل ہی کہ یہ عمارت سرے سے اہل ہنود ہی کی تھی یا یہ کہ مسلمانوں نے ہندو کاریگروں سے بنوائی تھی - مسلمان اس بات کو گوارا نہیں کر سکتے کہ اتنے بڑے بادشاہ نے اپنے چہیتے بیٹے کو کسی ہندو بت کدے میں دفن کرنا گوارا کیا ہو - گنبد ایک مربع پختہ احاطے کے اندر ہی - استرکاری بوجہ کہنگی کے سیاہ پڑ گئی ہی - گنبد کا چبوترا چار فٹ نو انچ اونچا ہی - جس پر گول قبہ بنا ہوا ہی جس کے چاروں کونوں پر برجیاں ہیں - گنبد میں داخل ہونے کا محراب دار دروازہ مشرق کی طرف ہی - صدر دروازہ احاطے کی دیوار سے تین گز ہٹ کر بغلی حجروں سے چار فیٹ کے فاصلے سے ہی جس کے اوپر ایک نشیمن نما کھڑکی ہی - صدر دروازہ تیس فیٹ اونچا اور ۱۲ فٹ چوڑا ہی جس کے ادھر ادھر کے در چار فیٹ پست ہیں - دروازے کی محراب کا حصہ زیریں

(سلسلۂ متن کے لیے ملاحظہ ہو صفحہ ۳۴۹)

[1] اس شہر کا قدیم نام گوڑ تھا - بنگال کے ہندو راجاؤں کا دارالخلافہ تھا - بعض کہتے ہیں کہ شہر کا نام لکھنوتی یعنی لکھنوتی تھا اور علاقے کا نام گوڑ بنگالہ تھا - ۱۲۰۴ء میں جب مسلمانوں نے ملک بنگال کو فتح کیا تو اپنا دارالحکومت اسی شہر میں رکھا اور تین سو سال تک

(بقیہ نوٹ بر صفحہ آئندہ)

(بقیہ نوٹ صفحہ گزشتہ)

مسلمان بادشاہ اسی شہر میں رہے - بیچ میں کچھ دنوں بعضے بادشاہ پنڈوہ میں جا رہے تھے جس کو حضرت پنڈوہ کہتے ہیں وہ بھی مالدہ کے ضلع میں گوڑ کے قریب ہی واقع ہی - **فیروز آباد** بھی اسی شہر کے نواح میں واقع تھا - شمس سراج عفیف نے لکھا ہی کہ فیروز شاہ نے ۱۳۵۳ء میں لکھنوتی پر چڑھائی کی تو اُس وقت اُس شہر کا نام فیروز آباد رکھا تھا لیکن یہ غلط ہی کیوں کہ اُس زمانے سے پہلے سکوں میں فیروز آباد نام درج ہی اور غالباً یہ نام سلطان شمس الدین فیروز بن ناصر الدین بغرا بن بلبن نے رکھا تھا - جب گنگا کی وہ شاخ جس پر یہ شہر واقع تھا سوکھ گئی اور اُس کا پانی کسی اور رستے پڑ لیا تو دلدل کے باعث شہر کی آب و ہوا بگڑ گئی بنگال کے بادشاہوں نے اپنا پایۂ تخت بدل دیا لیکن پھر بھی وہ حاکم نشین جگہ رہی - ۱۵۳۷ء میں اُس کو **شیر شاہ** نے لوٹ لیا اور ۱۵۷۵ء میں **منعم خاں** خانخاناں نے جو اکبر کا سپہ سالار تھا اُس پر حملہ کیا - آب و ہوا کے بگڑ جانے کے سبب سے حملہ آور لشکر میں وبا پھیل گئی اور خان خاناں بھی وہیں مر گیا - بعضے کہتے ہیں کہ اس زمانے کے بعد پھر گوڑ بالکل غیر آباد ہو گیا لیکن یہ غلط ہی کیوں کہ **ابو الفضل** نے جو **آئین اکبری** میں اس شہر کی بابت لکھا ہی اُس سے اس کی تردید ہوتی ہی اور تاریخ سے معلوم ہوتا ہی کہ **شاہ شجاع** کے وقت مغلئی صوبہ دار اسی شہر میں رہے - حقیقت میں یہ شہر اُس وقت غیر آباد ہوا ہی جب شاہ شجاع نے **راج محل** کو بنگالے کا دار الخلافہ بنا لیا اور اُس کے بعد آباد نہیں ہوا - پچیس تیس میل مربع میں مسجدوں اور بازاروں اور محلوں کے کھنڈر اب تک نظر آتے ہیں - اُجڑنے کے بعد اس کثرت سے جنگل ہو گیا تھا کہ آدمی کو وہاں جاتے دہشت معلوم ہوتی تھی لیکن اب کچھ عرصے سے جنگل صاف کیا گیا ہی اور وہاں چھوٹی چھوٹی بستیاں نکلتی چلی آتی ہیں - اُس کی اینٹوں سے **انگریز آباد - مرشد آباد - مالدہ** اور **پرنیا** کی عمارتیں بنائی گئی ہیں - اس کے کھنڈروں کے دیکھنے سے معلوم ہوتا ہی کہ کسی زمانے میں یہ شہر **کلکتہ** سے کم نہیں تھا اور چھ یا سات لاکھ کی آبادی رہی ہو گی - اُس کی فصیل جو فقط شمال کی طرف بنی ہوئی تھی کھود کر دیکھی گئی تو اُس کی بنائیں سو فیٹ چوڑی ہیں اور کبھی کہیں خندق کا نشان ملتا ہی تو معلوم ہوتا ہی کہ وہ ڈیڑھ سو فیٹ سے کم چوڑی نہیں تھی - فصیل کے شمال مشرقی کنارے پر ایک محل کا کھنڈر پایا جاتا ہی جو چار سو فیٹ مربع تھا اُس کو **راجہ بلال سین** کا محل کہتے ہیں - فصیل کے باہر بھی آبادی کے کھنڈر ہیں اُس میں ایک تالاب **ساگر ڈگی** سولہ سو گز لمبا اور آٹھ سو گز چوڑا ہی اب تک موجود ہی جس کی بندش پختہ اینٹوں کی ہی اور پانی نہایت صاف اور خوش گوار ہی - قلعہ کے پاس ایک تالاب **پیاس باڑی** نام اب تک ہی

(بقیہ نوٹ صفحہ آیندہ)

لیکن اس کا پانی کھاری ہے۔ کہتے ہیں کہ یہ تالاب قیدیوں کے استعمال کے واسطے بنایا گیا تھا۔ ابوالفضل نے بھی اس تالاب کا ذکر کیا ہے۔ قلعہ اور پیاس باڑی کے درمیان سنہری مسجد ہے جو ساٹھ گز لمبی اور بیس گز چوڑی اور بیس گز اونچی عمارت ہے۔ کہتے ہیں کہ اس کی چھت پر تینتیس گنبد تھے۔ ابوالفضل آئین اکبری میں لکھتا ہے کہ **جنت آباد** پرانا شہر ہے۔ پہلے پایۂ تخت تھا جسے لکھنوتی اور بعض گوڑ کہتے۔ **ہمایوں** بادشاہ نے اس کا نام جنت آباد رکھا تھا۔ یہاں ایک بہت عمدہ قلعہ ہے اور مشرق میں ایک تالاب ہے جس کا نام **چھتیا بتیا** ہے۔ اس میں بہت سے ٹاپو ہیں اگر اس کا بند ٹوٹ جائے تو سارا شہر ڈوب جائے۔ شہر کے شمال میں ایک کوس کے فاصلے پر ایک عمارت اور حوض ہے جس کا پانی زہر کی خاصیت رکھتا ہے اس حوض کو **پیاز** (پیاس) **باڑی** کہتے ہیں جن قیدیوں کو مار ڈالنا منظور ہوتا تھا وہاں قید رکھتے تھے یہ پانی پی کر تھوڑے دنوں میں مرجاتے تھے ہمارے بادشاہ نے اس کی ممانعت کر دی۔ **شیخ اخی سراج** کی خانقاہ بھی گوڑ میں ہے آپ سلطان المشائخ **حضرت نظام الدین** اولیا کے خلیفہ تھے۔ یہ خانقاہ شہر کے ایک نواح میں ہے جس کو **سعد اللہ پور** کہتے ہیں ساگر ڈگی تالاب کے شمال مشرق گوشہ پر واقع ہے آپ کا وصال ۷۵۸ھ میں ہوا۔ باہر دروازے پر ایک کتبہ ہے جس پر ۹۱۶ھ درج ہے اور یہ دروازہ **حسین شاہ** بادشاہ بنگال کا بنایا ہوا ہے۔ خانقاہ غالباً **سکندر شاہ** کی بنائی ہوئی ہے لیکن یہ بات محقق نہیں۔ کتبہ کی جگہ خالی پڑی ہوئی ہے۔ کلکتہ کے عجائب گھر میں کچھ اینٹیں گوڑ سے آئی تھیں ان میں **غیاث الدین** بن سکندر شاہ کا نام لکھا ہوا تھا اور سنہ سات سو کے اوپر کچھ اور لکھا ہوا ہے۔ کننگھم صاحب کا خیال ہے کہ پیمائش کی رو سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ اینٹیں اسی کتبے کی جگہ کی ہیں لیکن یہ نرا ایک قیاس ہی قیاس ہے ممکن ہے کہ صحیح ہو کیوں کہ یہ سلطان غیاث الدین سکندر شاہ کا بیٹا تھا اور وہ بادشاہ تھا جس نے **خواجہ حافظ** کو شیراز سے طلب کیا تھا اور آپ نے وہ غزل جس کا یہ شعر ہے اس کے پاس بھیج کر آنے کا عذر کیا۔

شکر شکن شوند ہمہ طوطیان ہند ۔۔۔ زیں قند پارسی کہ بہ بنگالہ می رود

کتاب **اخبار الاخیار** میں لکھا ہے کہ شیخ سراج الدین عثمان المشہور باخی سراج از مشاہیر خلفاء شیخ نظام الدین است و وی از عنفوان شباب کہ ہنوز موے ریش آغاز نشدہ بود در حلقۂ ارادت شیخ در آمدہ بود و در سلک خدمت گاران پرورش یافتہ بعد از چند سال برائے دیدن والدہ بہ مقام لکھنوتی کہ الآن بہ گوڑ مشہور است رفت و باز بہ خدمت می رسید۔ در وقت عطاے خلافت اما شیخ فرمود کہ اول

(بقیہ نوٹ صفحہ آئندہ)

سنگ سرخ کا بنا ہوا جا بجا سے کے اوپر سنگ مرمر - ستونوں اور محرابوں وغیرہ پر جا بجا آیات قرآنی بخط نسخ و کوفی کندہ ہیں - چبوترا - دروازے کی بغلیاں - دیواریں اور برجیاں سب چونے گچی کی پختہ بنی ہوئی ہیں - دروازے پر پہنچنے کی سیڑھیاں دوہری ہیں - پہلے آٹھ سیڑھیاں چڑھ کر تو چبوترے پر پہنچتے ہیں اور پھر چودہ سیڑھیاں اور چڑھ کر ایک کمرے میں پہنچتے ہیں جو زمین سے چودہ فٹ اونچا ہی اور اسی میں سے گنبد کے صحن میں جا پہنچتے ہیں - صدر دروازے کی دونوں طرف صدر دیواریں دو محراب دار کھڑکیاں بھی ہیں اور احاطے کی دیوار کے دونوں سروں پر ایک ایک برجی ہی اس میں بھی دو دو کھڑکیاں ہیں لیکن پتھروں سے چن دی گئی ہیں - اس طرف کا گنبد کا ضلع سو فیٹ لمبا ہی - احاطے کی شمالی دیوار بھی پختہ ہی اس کے دونوں سروں پر برجیاں ہیں اور تیسری دیواریں اس کے علاوہ اور چھ کھڑکیاں تین تین ملی ہوئی ہیں - احاطے کی غربی دیوار شمالی رخ کے طرح کی ہی لیکن چوں کہ اسی کے وسط میں مسجد بھی ہی لہذا یہ دیوار کچھ آگے بڑھی ہوئی ہی - احاطے کے جنوب رخ کی دیوار جا بجا سے گر گئی ہی اور اس کی بعض کھڑکیاں بھی بند کر دی گئی ہیں باقی حالت شمالی دیوار کی سی ہی - گنبد اندر سے بہت پر رونق اور آراستہ ہی - اندرونی دروازے کی دہلیز پر بہت کچھ نقش و نگار ہیں اور یہیں یہ کتبہ ہی :-

امر به بناء هذه البقعة المباركة السلطان المعظم شاهنشاه الاعظم مالك رقاب الامم ظل الله في العالم ذو الامان . . . سلطان السلاطين شمس

(بقیہ نوٹ صفحہ گزشتہ)

درین کار علم است او را چندان نصیبے از علم نیست مولنا فخر الدین زرادی عرض کرد که او را از شمس ماه عالم می کنم بعد ازاں مولنا فخر الدین زرادی تعلیم کرد - مولنا برائے او تصریفے تصنیفے کرد و او را عثمانی نام نہاد و بعد ازاں پیش مولنا رکن الدین کافیہ و مفصل و قدوری و مجمع البحرین تحقیق کرد و بعد از انتقال شیخ بہ سال دیگر تعلیم کرد و بعضے کتب از کتاب خانہ شیخ مقفل بود جابجا و خلافت نامہ کہ از خدمت

شیخ یافتہ بود با خود برد و آن دیار را بہ جمال ولایت خود بیاراست -

صاحب او مفتی شیخ چنیں رفتہ بود کہ آئینہ ہندوستان ہست - ۱۲

الدنیا والدین المخصوص بعنایت رب العالمین ابی المظفر التمش السلطان ناصر امیر المومنین خلد اللہ ملکہ ابی الفتح محمود تغمدہ اللہ بغفرانہ بجوبیۃ جنانہ فی شہور سنہ سبع وعشرین وستمائۃ – ۶۲۷

اس دروازے میں داخل ہو کر ہم ایک کمرے میں پہنچ جاتے ہیں جس میں سے صحن کا رستہ نکلتا ہی - اس کمرے کی چھت سنگ سرخ کی ہی مگر دیواریں سنگ مرمر کی ہیں - باہر وارسے بغلیوں کے دروازے کا جو حصہ نظر آتا ہی وہ درحقیقت دو چھوٹی چھوٹی کوٹھڑیوں کی مشرقی دیوار ہی جو بڑے کمرے کے ادھر ادھر ہیں ان دونوں کوٹھڑیوں کی دیواریں اور چھت سب سنگ مرمر کی ہیں جس میں چار چار ستون ہیں - صحن میں پہنچ جانے کے بعد ایک پٹا ہوا حصہ ہی جس میں چھ دیوار دوز ستون ہیں اور چھ ستون چھ چھ فیٹ کے فاصلے سے بیچ یہ دالان دیوار کی ساری لمبائی کی برابر نہیں ہی بلکہ صرف ۴۲ فٹ لمبا ہی - اس کے مقابل میں احاطے کی غربی دیوار سے ملا ہوا ایک اور دالان ہی جو شمال سے جنوب کی طرف جا کر احاطے کی دیوار سے جا ملا ہی - ان دونوں دالانوں کے ستونوں میں نقش ہیں - مغرب رخ کے دالان میں چودہ دیوار دوز ستون ہیں جس کی شکل ایک پست گنبد کی سی ہی جس میں آگے نکلے ہوئے نقشین پتھر ہندوانی وضع کے لگے ہوئے ہیں - اسی دیوار کے بیچوں بیچ ایک تین در کی چھوٹی سی مسجد ہی - اس مسجد کے دونوں طرف سنگ مرمر لگا ہوا ہی باقی لال پتھر ہی - مسجد کی دونوں جانب دو دالان سنگ مرمر کے ہیں جن میں بارہ ستون ہیں - ان کا وہ حصہ جو مسجد کے محاذی ہی سنگ مرمر کا ہی باقی سنگ سرخ کا - ان دو دالانوں کے سوا سنگ مرمر کے چار ستون بطور مسجد کے مکبر کے ہیں - اس طرح مسجد میں سنگ مرمر کے کھمبات ستون ہوئے تین تو دروں کے سامنے اور دو دو ادھر ادھر - مسجد دس فیٹ مربع ہی - چھت مثمن شکل کی سنگ سرخ کی قبہ نما ہی - چوترا چھوڑ کر گنبد ۱۲ فٹ اونچا چونے کا بنا ہوا ہی - مسجد کی دیواروں اور محرابوں میں سنگ مرمر لگا ہوا ہی اور مختلف اقسام کے طغرے آیات قرآنی کے منقوش ہیں - مغربی جانب کے احاطے کی دیوار کی کھڑکیاں کھلی ہوئی ہیں - جنوبی رخ کی دیوار کے اندرونی سمت پر بیچ میں چراغ

جالے کے طاق بنے ہوئے ہیں۔ شمالی دیوار میں کوئی خاص بات نہیں۔ احاطے کے چاروں کونوں پر جو نوک دار برجیاں ہیں وہ ہندوانی وضع کی ہیں۔ ناصرالدین کی قبر ایک پست ہشت پہلو غار میں ہے۔ اس غار میں ستون کھڑے کر کے بڑی مضبوطی سے پاٹ کر چھت پر ہشت پہلو چبوترہ ۷ ۱/۲ فٹ × ۴ فٹ اونچا بنا دیا ہے۔ یہاں کوئی روشن دان نہیں ہے اور تہ خانے میں اندھیرا ہی اندھیرا ہے۔ اس تہ خانے میں تیرہ سیڑھیاں اتر کر جانا پڑتا ہے جو چھبیس فیٹ عمیق اور اٹھارہ فیٹ چوڑا ہے جس میں سنگ خارا لگا ہوا ہے۔ اس چھت کی سنبھال کو چودہ ستون لگائے ہیں جن میں سے آٹھ دُہرے ستون تو دیواروں سے لگے کھڑے ہیں اور چار اکہرے ذرا دیوار سے الگ ہیں۔ یہ ستون سلطان التمش کے زمانے کے ہیں۔ اس تہ خانے کے ہشت پہلو اضلاع میں سے ہر ضلع میں دو دو طاق ہیں۔ تہ خانے کا عمق ۱۶ فٹ ہے جو بلحاظ طول و عرض ۲۵ فٹ ۱ انچ مربع ہے مگر ساخت اس کی ہشت پہل ہے۔ داخلی دروازہ جس کو کھڑکی کہنا چاہیئے جنوب کی طرف ۳ فٹ ۹ انچ اونچا اور صرف دو فیٹ چوڑا ہے۔ اوپر چبوترا ہشت پہل ہے جس کا ہر ضلع ۱۰ فٹ ۴ انچ ہے۔ اندر چار قبریں ہیں چونے گچی کی جن پر عرس کے موقع پر جو ۱۷ ۔ ۱۸ ذی قعد کو ہوتا ہے سفیدی کر دی جاتی ہے۔

(۱) ۹ فٹ ۔ ۷ انچ × ۲ ۱/۲ فٹ طول و عرض ۔ ۵ فٹ ۔ ۳ ۔ انچ بلند ہے سلطان غاری کی قبر ہے جو سب سے بڑی اور تہ خانے کی مغربی دیوار سے ملی ہوئی ہے۔

(۲) ۸ فٹ چار انچ × ۵ ۔ بلندی ۴ فٹ ۔ اسی کے پائیں ہیں۔

(۳) ایک چھوٹی سی قبر سیڑھیوں سے ملی ہوئی کسی بچے کی ۳ فٹ ۔ ۹ انچ × ۲ فٹ ۔ ا فٹ ۔ ۷ ۔ انچ بلند ہے۔

(۴) ۷ ۱/۲ فٹ × ۷ فٹ ۔ ۲ ۔ انچ ۔ بلندی ۳ فٹ ۔ ۸ ۔ انچ ۔

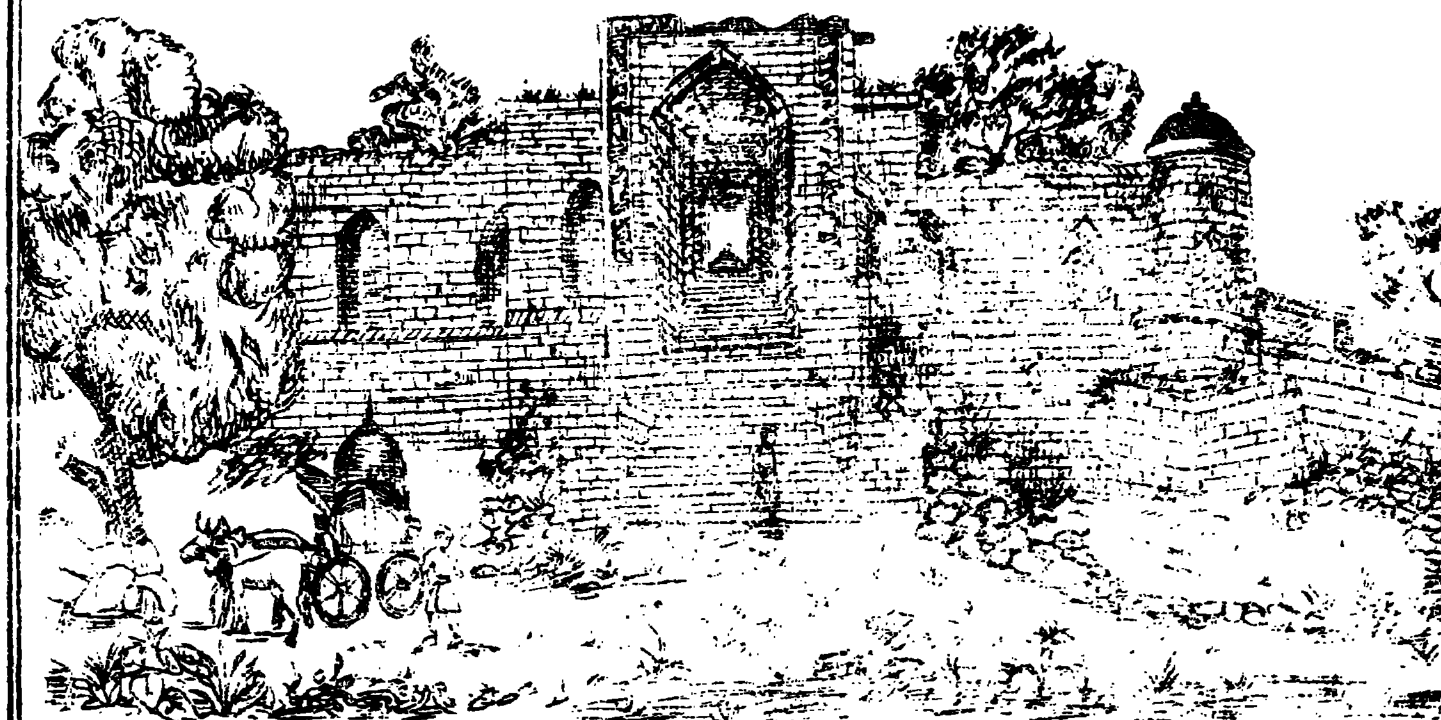
مسجد کا ذکر اوپر آچکا ہے صرف اس کا پیش طاق رہ گیا ہے۔ سلطان غاری کی قبر گویا اسی مسجد کے صحن میں ہے۔ یہ سارا پیش طاق سنگ مرمر کا ہے جس پر پہلے کلمہ ادھر اُدھر الله الله پھر وَاَنَّ المساجد لله فلا تدعوا مع الله احدا اُس کے نیچے الله ۔ اس کے گرد خط کوفی میں آیات ہیں جو پڑھی نہیں جاتیں پھر

(۱) اِنَّ اَوَّلَ بَیْتٍ وُّضِعَ لِلنَّاسِ لَلَّذِیْ بِبَکَّۃَ تا فَاِنَّ اللّٰہَ غَنِیٌّ عَنِ الْعٰلَمِیْنَ۔
(۲) خط کوفی۔ سوائے بسم اللہ کے کچھ پڑھا نہیں جاتا۔
(۳) اِنَّا فَتَحْنَا لَکَ فَتْحًا مُّبِیْنًا تا وَکَانَ ذٰلِکَ عِنْدَ اللّٰہِ فَوْزًا عَظِیْمًا۔

ستون سنگ مرمر کے ہیں۔ فرش گچ کا ہی پہلے سنگ مرمر کا تھا جس کی سلیں کہیں کہیں باقی ہیں۔ پیش طاق کا قطعہ ۱۵ فٹ۔ ۷ انچ × ۱۲ فٹ × ۲۔ انچ ہی۔ حصۂ مسجد کے چھ درا دھر چھ اُدھر بیچ میں پیش طاق ہی۔ صحن مسجد ۷۶ فٹ × ۹۹ فٹ ہی۔ دالان کا مسقف حصہ ۷۶ × ۲۴ فٹ۔ پیش طاق کے آگے سنگ مرمر کے چار ستونوں کا برآمدہ ہی۔ کمپونڈ وال دس فیٹ اونچی ہی جس میں طاق طاق ہیں اس پر چڑھنے کا بارہ سیڑھیوں کا زینہ ہی۔ اس احاطے کے چاروں کونوں پر برجیاں ہیں۔ مسجد کے صحن کے سامنے شرق رویہ ایک بیچ درہ ہی جس میں صدر دروازہ ہی اور جس کے ادھر اُدھر دو دو در ہیں۔ سات سیڑھیاں اُتر کے صدر دروازے میں پہنچتے ہیں۔ ان سیڑھیوں میں ایک سنگ سرخ کی ہی ایک سنگ مرمر کی۔ صدر دروازہ شش پٹ چوبی ہیں مگر بعد کے۔ صدر دروازے کے ہر دو جانب بغل میں ایک ایک درہ ۶ فٹ۔ ۱۰ انچ مربع ہی۔ صدر دروازے کی سیڑھیاں بیس ہیں۔ دروازے کی محراب کی بلندی ۲۲ فٹ۔ کنگورا دو فیٹ۔ چبوترا ۴ فٹ۔ ۹ انچ۔ جملہ ارتفاع ۲۸ فٹ۔ ۹ انچ۔ چوڑائی دروازے کے بیرونی حصے کی ۱۰ فٹ۔ ۵ انچ۔ اندر سے چوڑائی ۵ فٹ۔ ۸ انچ۔ بلندی اندر سے ۸½ فٹ۔ صدر دروزے کی چوکھٹ سنگ مرمر کی ہی جس کے چاروں طرف کتبے ہی کتبے ہیں ایک کتبہ تو ہم اوپر لکھ آئے ہیں باقی یہ ہیں:۔

(۱) بسم اللہ الرحمن الرحیم۔ اِنَّمَا یعمر مساجد اللہ من آمن باللہ والیوم الآخر
تا اَنْ یکونوا مِنَ المھتدین۔
(۲) خط کوفی کا وہی کتبہ جو اوپر لکھا گیا۔
(۳) بسم اللہ اور آیۃ الکرسی تا ھم فیھا خالدون۔

ہشت درہ سلطان غاری کی درگاہ سے جنوب رخ سے ملا ہوا سنگ خارا کا



نقشهٔ دروازهٔ سلطان محمود غوری غازی

ایک کھلا ہوا ہشت درہ ۱۰ فٹ قطر کا ہے۔ فرش باقی نہیں رہا قبر کا صرف نشان ہی نشان رہ گیا ہے۔ دروں کے سردل بوجہ سے سب تڑخ گئے اس سبب سے ہر ہر در میں ایک ایک فیل پایہ کھڑا کر کے چھت کو اڑ واڑ لگا دی ہے جس سے چھت تھم گئی ورنہ کبھی کی گر جاتی۔ آٹھ اصلی در سنگ خارا کے نو فیل پلے نو تعداث اب اس طرح ستر ہ در ہو گئے۔ ہشت درہ ہشت پہلو عمارت ہے جس کے گرد ستونوں کا چوڑا چھجہ تھا جو جا بجا سے گر گیا ایک آدھ سل رہ گئی ہے۔ معلوم نہیں ہوتا کہ یہ کس کا مقبرہ ہے۔

منہدمہ مکانات سلطان غازی کا مقبرہ ویرانہ میں نہ تھا جیسا کہ اب ہے بلکہ آبادی کے بیچوں بیچ میں تھا یا یہ کہ اس گنبد کی وجہ سے آبادی ہو گئی ہو بہر حال اس کے چوطرف دور دور عمارتوں کے کھنڈر پھیلے ہوے ہیں۔ گنبد کے پاس ہی دو بڑے بڑے احاطوں میں مکانات پھیلے ہوے ہیں۔ ان مکانوں کی صرف چار دیواریاں رہ گئی ہیں۔ ایک چھوٹی مسجد بھی تھی جس کی صرف غربی دیوار رہ گئی ہے باقی گر گئی۔

بڑی مسجد اور ایک بہت بڑی مسجد غار کے مشرق میں ہے جس کی پشت غار کی جانب ہے۔ یہ مسجد پنج دری تہرے دالانوں کی ہے۔ باہر والے دالان کا شمالی رخ کا ڈیڑھ گنبد گر گیا ہے۔ مسجد کا طول ۶۰ فٹ اور تینوں دالان ملا کر چوڑان ۲۶ فٹ ہے۔ دروں کی چوڑان ۱۰ فٹ ۳ انچ ہے۔ تینوں دالانوں کے کل در چوبیس ہیں۔ فرش اور منبر باقی نہیں رہا۔ یہ مسجد سنگِ خارا اور چونے کی ہے۔

دو محلوں کے کھنڈر اوپر والی مسجد کے سامنے ایک بڑے عالیشان اور وسیع محل کی چار دیواری کھڑی ہے جس کے اندر دالانوں کمروں کوٹھڑیوں کی دیواریں کھڑی مکان کی پوری حیثیت

شان اور وسعت بتلاتی ہیں صرف چھت نہیں ہے۔ صحن بھی وسیع ہے جس کے چاروں طرف دالان اور پیش دالان تھے۔ اس سے ملا ہوا شمال کی جانب ایک اور محل ہے جو سارے کا سارا گر گیا اب صرف چھت کا ایک دالان رہ گیا ہے جس کے تین در کھڑے ہیں اور ادھر ادھر بغلی حجروں کی دیواریں۔ یہ دونوں محل بھی سنگ خارا اور چونے کے ہیں۔ باقی چھوٹے موٹے گرے پڑے مکانوں کا کچھ شمار نہیں۔

غرض یہ کہ سلطان غاری کا مزار جس طرح اب ویرانے میں ہے کہ انسان کا نام نہیں اکیلے جاتے ہوئے بھی ڈر لگتا ہے پہلے اس کی یہ حالت نہ تھی بلکہ گنجان آبادی کے بیچوں بیچ میں تھا۔

رکن الدین فیروز شاہ اور معز الدین بہرام شاہ کے مقبرے سنہ ۶۳۹ھ ۱۲۴۲ء

اس نامور بہ زیر زمیں دفن کردہ اند
کز ہستیش بہ روئے زمیں یک نشاں نماند
واں پیر لاشہ را کہ سپردند زیر خاک
خاکش چناں بخورد کزو استخواں نماند

رکن الدین فیروز شاہ سلطان شمس الدین التمش کا بیٹا تھا جو باپ کی جگہ شعبان سنہ ۶۳۳ھ ۱۲۳۵ء میں تخت پر بیٹھا۔ وہ تو ملک اعزاز الدین حاکم ملتان کی تنبیہ کو پنجاب کی طرف روانہ ہوا اس کے پیچھے امراء و ارکان سلطنت نے سازش کر کے جھٹ سلطان رضیہ بیگم کو تخت پر بٹھلا دیا۔ بادشاہ یہ خبر سن کر عجالۃً دلی واپس آیا۔ یہاں آ کر دیکھا بساط الٹ گئی تھی۔ کلوکھری کے میدان میں لڑائی ہوئی گرفتار ہوا اور قید میں ہی سنہ ۶۳۴ھ ۱۲۳۶ء میں مر گیا۔ اس نے صرف ۶ ماہ ۲۸ یوم سلطنت کی۔ مرنے کے بعد اپنے بڑے بھائی سلطان ناصر الدین محمود شاہ کے مقبرے کے قریب ہی موضع ملک پور میں ایک دوسرے گنبد میں دفن کیا گیا۔ رضیہ بیگم کے بعد ۲۸ رمضان سنہ ۶۳۷ھ ۱۲۴۰ء میں بروز شنبہ معز الدین بہرام شاہ سلطان التمش کا چھوٹا بیٹا تخت نشین ہوا۔ وہ سلے چار دو سال ایک مہینے دو دن ہی سلطنت کرنے پایا تھا کہ نظام الملک مہذب الدین اور دوسرے امراء نے بادشاہ کو

ڈلی میں محصور کرلیا اور تین مہینے تک ہر روز لڑائی رہی آخر کار بادشاہ کو پکڑ کر
۸ ذی قعدہ ۶۳۹ھ میں مار ڈالا اور وہ بھی یہیں ایک گنبد میں دفن کیا گیا۔

شربت سلطنت و جان و جہان شیرین است
کہ شہاں از پدر و خونِ برادر ریزند
خونِ آزادہ دلاں راز پئے ملک مریز
کہ ترا نیز ہماں جرعہ بساغر ریزند

رکن الدین کا مقبرہ معز الدین بہرام شاہ نے ۶۳۸ھ میں بنوایا اور معز الدین بہرام شاہ کا مقبرہ علاء الدین مسعود شاہ پسر رکن الدین فیروز شاہ نے ۶۳۹ھ میں بنوایا۔ سر سید دونوں مقبروں کی تعمیر میں ایک سال کا آگا پیچھا بتلاتے ہیں لیکن یقینی طور پر نہیں معلوم ہو سکتا کہ رکن الدین کا مقبرہ کون سا ہی اور بہرام شاہ کا کون سا۔ اسی واسطے دونوں کا ذکر یکجائی طور پر کیا گیا ہی۔ دونوں گنبد ساخت میں بالکل ایک ہی وضع قطع کے ہیں۔ ان کے گنبدوں میں پتھر کی سلیں لگی ہوئی ہیں جن کے اوپر استرکاری ہی۔ گنبدوں میں آٹھ در ہیں۔ ہر گنبد کے گرد ایک چھوٹی سی سنگ بست پست چار دیواری ہی جس کے مشرقی جانب ایک چھوٹا سا دروازہ ہی۔ گنبدوں کے اندر اب کوئی قبر باقی نہیں ہی نہ کوئی کتبہ ہی۔ اگرچہ مہرولی کے گائیڈ بتلاتے ہیں کہ یہ فلاں کا مقبرہ ہی وہ فلاں کا مگر اس کا کوئی ثبوت نہیں کہ ہم کسی گنبد کو کسی ایک شخص سے مخصوص کرسکیں ہاں اتنا ضرور ہی کہ دونوں گنبد التمش کے بیٹوں اور دونوں بھائیوں کے ہیں۔ ان گنبدوں کے ستون تو کسی قدیم عمارت کے معلوم دیتے ہیں اور گنبد اس کے بعد کے بنے ہوئے نظر آتے ہیں مسٹر ٹریلیٹ ان گنبدوں کو فیروز شاہ کے بنوائے ہوئے کہتے ہیں کیوں کہ ان گنبدوں کی وضع قطع اہل ہنود کے قدیم زمانے کے گنبدوں سے مختلف ہی چنانچہ انھیں کے بھائی سلطان غاری کے گنبد کو ہی دیکھ لیجیے

جو یہیں پاس کے پاس کھڑا ہی اور جس کی وضع ان سے بالکل الگ ہی اور صاف طور پر یہ گنبد زمانۂ ما بعد کے بنے ہوئے معلوم دیتے ہیں۔ اور بن گھڑے پتھروں کے بنے ہوئے ہیں جو خاص کر فیروز شاہی طرز تھا البتہ پتھر کی بڑی بڑی سلیں جو ستونوں کے اوپر چڑھی ہوئی ہیں وہ اُس زمانے کی نہیں معلوم دیتیں۔ مسٹر بگلر ان گنبدوں کو مسلمانوں کی ایک معمولی طرز کی عمارت بتلاتے ہیں کیوں کہ سلطان التمش کے زمانے سے مسلمان اس طرز سے واقف ہو چکے تھے مسٹر بگلر نے ان مقبروں کی مرمت جو فیروز شاہ نے کرائی تھی اُس کا کچھ ذکر ہی نہیں کیا۔ خود فیروز شاہ نے تاریخ میں لکھا ہی کہ "مقبرہ سلطان معزالدین پسر سلطان شمس الدین جو ملک پور میں ہی بالکل گر پڑا تھا حتیٰ کہ قبر کا نشان تک باقی نہ رہا تھا۔ میں نے گنبد چبوترے اور احاطے کی تعمیر از سر نو کرائی سلطان رکن الدین پسر شمس الدین کے مقبرے واقع ملک پور کے احاطے کو میں نے بنوایا۔ نیا گنبد طیار کرایا اور ایک خانقاہ بنوائی"

تیسرا باب قطب صاحب سے تغلق آباد

پانچ میل کا فصل ہی۔ سیدھی سڑک ہی۔ رستے میں لاٹ سے نکلتے ہی لاڈو سرائے ملتی ہی پھر داہنی طرف دو میل چھ فرلانگ پر سید العجائب کی بستی ذرا سڑک سے ہٹی ہوئی۔ ساڑھے تین میل پر خان پور چوتھے میل پر تگلری یہ دونوں گاؤں بھی سڑک کی سیدھی طرف ہیں اس کے بعد قلعۂ تغلق آباد بائیں طرف تغلق شاہ کا مقبرہ داہنی طرف آگے تغلق آباد کی بستی۔ قلعہ سے تین میل آگے بدرپور ہی اور یہیں تغلق آباد نام کا ریلوے سٹیشن ہی جو قلعہ سے چار میل اور دلی سے براہِ ریل بارہ میل ہی۔

حضرت قطب صاحب کا چلّہ لاٹ سے چلتے ہی پہلے حضرت قطب صاحب کے چلّے کا متبرک مکان ملتا ہی جو بالکل سڑک کے کنارے داہنی طرف ہی

اور لاڈو سراے سے بائیں طرف - یہ ایک لداوی چھتے نما مکان ہی تین در کا ۲۵×۸ فٹ بلندی محراب ۶ فٹ - تینوں مجرے الگ الگ ہیں پہلا حضرت بابا صاحب فریدالدین گنج شکر کا چلہ ہی دوسرا حضرت قطب صاحب کا اور تیسرا خالی - چلہ شریف کے سامنے کا صحن ۴۰ فٹ مربع ہی - شمال کی جانب مسجد کا ایک چبوترہ ہی - تین درخت نیم کے ہیں - حضرت قطب صاحب کے چلے کے در میں آہنی سلاخیں لگا دی گئی ہیں - اس احاطے کے دو دروازے ہیں شمال میں ایک دوسرا جنوب میں دونوں کو لوہے کی سلاخیں لگی ہوئی ہیں - احاطے کی دیوار گیارہ فیٹ بلند ہی -

لاڈو سراے عرف چنڈال پور

چلہ شریف سے دو سو قدم پر بائیں طرف لاڈو سراے کی بستی ہی لوگ اسے غدا جانے کیوں چنڈال پور بھی کہتے ہیں - اس نواح میں سراے کے نام پر بہت سی بستیاں ہیں مگر سراے کسی میں بھی نہیں

شیخ شہاب الدین کی مسجد

یہ ایک بہت بڑی سہ دری قناتی مسجد ایک وسیع احاطے کے اندر ہی - دیوار پر برجیاں اور کنگورے بنے ہوے ہیں - خواجہ شہاب الدین کے نام سے یہ مسجد مشہور ہی - مسجد کے بڑے احاطے کے اندر ایک چھوٹی سی چار دیواری کے اندر بہت سی قبریں ہیں - پیلو کے درخت کے نیچے دو قبریں ہیں جن پر زمانہ حال میں کتبے نصب کیئے گئے تھے جو کسی وجہ سے اکھاڑ لیئے گئے - اسی احاطے میں ذیل کی قبور ہیں :-

(۱) مولانا شہاب الدین امام اول سلطان المشایخ - آپ شیخ فریدالدین قدس سرہ کے فرزند تھے علوم وفنون وفضائل سے آراستہ -

(۲) رکن الدین[ا] امام دوم ایضاً

(۳) شیخ مشتو دبک (۴) فریدالدین چاک پڑاں -

[ا] شیخ رکن الدین ابو الفتح بن شیخ صدر الدین بن شیخ الاسلام بہاؤ الدین صاحب

(بقیہ نوٹ بر صفحۂ آئندہ)

(تکملہ نوٹ صفحہ گزشتہ)

سجادہ نشین بہاؤ الدین است۔ در مقالات صوفیہ کہ یکے از مریدان ایشان تصنیف کردہ است ذکر او بسیار می کند و در مجمع الاخبار می نویسد من ملفوظاتہ فی بعض رسائلہ الی بعض المریدین معزز آں عزیز باد کہ مجموع آدمی عبارت است از دو چیز صورت و صفت و حکم مر صفت راست نہ صورت را إِنَّ اللهَ لَا يَنظُرُ إِلَىٰ صُوَرِكُمْ وَلَكِن يَنظُرُ إِلَىٰ قُلُوبِكُمْ (اللہ تعالیٰ تمہاری صورتوں کو نہیں دیکھتا بلکہ وہ دیکھتا ہے تمہارے دلوں کو) اما ظہور حکم صفت بر سبیل تحقیق خبر در دار آخرت صورت نہ بندد و چہ آنجا حقائق اشیا ظاہر گردد و ایں صورت متلاشی شود و ہر کس را در صورتیکہ ملائم صفت او باشد حشر کنند چنانچہ بلعم باعورا با چنداں طاعت در صورت سگے برانگیزند فَمَثَلُهُ كَمَثَلِ الْكَلْبِ (اس کی مثال کتے کی سی ہے) و ہمچنیں صاحب ظلم و تعدی خویشتن را در صورت گرگے بیند و صاحب کبر در صورت پلنگے و صاحب بخل و حرص در صورت خوکے فَكَشَفْنَا عَنكَ غِطَاءَكَ فَبَصَرُكَ الْيَوْمَ حَدِيدٌ (جو پردہ تیری آنکھوں پر پڑا تھا اب ہم نے تیرے (اس) پردے کو تجھ پر سے ہٹا دیا تو آج تیری نگاہ بڑی تیز (معلوم ہوتی) ہے) و ایں باشد و تا آں گاہ کہ مردم ازیں اوصاف ذمیمہ تزکیہ نیابد ہنوز در اعداد بہائم و سباع است أُولَٰئِكَ كَالْأَنْعَامِ بَلْ هُمْ أَضَلُّ (یہ لوگ چارپایوں کی مثل ہیں بلکہ ان سے بھی گئے گذرے ہوئے) و تزکیہ نفس حاصل نشود مگر بہ التجا و استعانت حضرت عزت وَمَا أُبَرِّئُ نَفْسِي إِنَّ النَّفْسَ لَأَمَّارَةٌ بِالسُّوءِ إِلَّا مَا رَحِمَ رَبِّي إِنَّ رَبِّي لَغَفُورٌ رَّحِيمٌ (اور یوں (میں بھی) بندہ بشر ہوں) اپنی نسبت نہیں کہتا کہ میں (نفس کی طرح) ہر آلائش سے پاک صاف ہوں کیونکہ نفس (انسانی تو) برائی ہی سکھاتا ہے مگر یہ کہ میرا پروردگار رحم کرے بیشک میرا پروردگار بخشنے والا مہربان ہے) تا فضل و رحمت او دستگیری نکند تزکیہ حاصل نشود وَلَوْلَا فَضْلُ اللَّهِ عَلَيْكُمْ وَرَحْمَتُهُ مَا زَكَىٰ مِنكُم مِّنْ أَحَدٍ أَبَدًا[1] و علامت ظہور ایں فضل و رحمت آنست کہ او را بعیوب نفس خود بینا کند و پرتوے از انوار عظمت الٰہی کہ ہمہ مکونات در جنب آں متلاشی است بر درون او بتابد تا ہمہ دنیا و بزرگی ہائے آں در نظر او خاک بود و اہل آں را در دل وے سنگے نماند چوں ایں حالت بر درونہ مستولی گشت ہر آئینہ از اوصاف سبعی کہ ارباب دنیا بداں گرفتار اند او را نفرت آید و خواہد کہ بجائے آں اوصاف اخلاق ملکی روئے نماید چنانچہ بجائے ظلم و غضب و کبر و بخل و حرص ہمہ عفو و حلم و تواضع و سخاوت و ایثار پدید آید و ہنوز ایں معاملت طلاب عقبیٰ راست کار طالبان حق بالاتر ازیں است تَخَلَّقُوا بِأَخْلَاقِ اللهِ (اللہ کے سے اخلاق اختیار کرو) ایشاں را مسلم است فہم ہر کس بداں نرسد

عہدیست مرمرا کہ نگیرم بجز تو دوست　　　شرطیست مرمرا کہ نخواہم بجز تو ہیچ

و نیز در مجمع الاخبار می گوید کہ شیخ رکن الدین در بعضے رسائل خود کہ بہ بعضے مریداں فرستادہ نوشتہ است

[1] اور اگر تم پر اللہ کا فضل اور اس کا کرم نہ ہوتا تو تم میں سے کوئی کبھی بھی پاک (و صاف) نہ ہوتا۔ ۱۲ بقیہ نوٹ بر صفحہ آیندہ۔

وقتے امیر المومنین حضرت علی کرم اللہ وجہہ می فرمود کہ ہرگز من با کسے نیکوئی و بر کسے بدی نکردہ ام حاضران آن مقام ازاں کلام تعجب تمام نمودند و گفتند یا امیر المومنین شاید کہ بدی بر کسے از شما در وجود نیامدہ باشد فاما در نیکی چہ می فرمایند فرمود حق جل و علا می فرماید مَنْ عَمِلَ صَالِحًا فَلِنَفْسِهٖ وَمَنْ اَسَاۤءَ فَعَلَيْهَا[1] پس ہر نیکی و بدی کہ از من صادر و حادث شدہ باشد و حقیقت بر آن خود و بر خود بودہ نہ بر دیگرے۔ من وصایا الشیخ متابعت بر اعمال آنست کہ جوارح را از مناہی و معاصی شرعی قولاً و فعلاً بند کند و از مجلس لایعنی پرہیز و ہرچہ طالب را از حق مشغول کند مالایعنی وقت اوست و از صحبت ابطالان احتراز کند و ہر کہ طالب حق نیست بحقیقت بطال است۔ در مجمع الاخبار می نویسد کہ روزے سلطان شہید غیاث الدین تغلق شاہ از مولنا ظہیر الدین لنگ سپید وقتے از کرامات شیخ معائنہ کردہ مولنا گفت روز جمعہ خلق را دیدم کہ برائے قدم بوس مجمع کردہ در خاطر من گزشت کہ خدمت شیخ تسخیر دارد من نیز دانشمندم ہیچ کس بمن توجہ نمی کند باید از خدمت شیخ بردم این مسئلہ از خدمت ایشاں پرسم کہ حکمت در سنت مضمضہ و استنشاق چیست چوں شب بخفتم در واقعہ خدمت شیخ ملوا در حلق من می کند چنانچہ تا روز شیرینی آن را واجد بودم فکر کردم کرامت ہمچنین است کہ شیطان ہمچنیں عوام را از راہ می برد پگاہ ترک باید رفت و مسئلہ باید پرسید چوں پگاہ بخدمت شیخ آمدم فرمود منتظر شما بودم بعدہ سخن آغاز کرد کہ جنابت بر دو نوع است جنابت اول و جنابت تن۔ جنابت تن از صحبت بازن حاصل شود و جنابت دل از صحبت ناہموار۔ جنابت تن پاک بآب شود اما جنابت دل بآب دیدہ محو گردد و بعدہ فرمود کہ آب را سہ صفت باید تا مطہر افتد و مزیل جنابت باشد و آن سہ صفت لون و طعم و ریح است لہذا شرع برین شرع مضمضہ و استنشاق در وضو مقدم فرمود تا طعم بمضمضہ تحقیق شود و بوئے باستنشاق باز فرمود کہ شیطان چنانچہ بصورت نبی نتواند شد بصفت شیخ حقیقی ہم نتواند شد زیرا کہ او را متابعت کامل نبی حاصل می شود و بعدہ فرمود مولنا ظہیر الدین از علوم قالی حالی است اما از علوم حالی خالی است۔ شیخ در زمان سلطان قطب الدین بن علاء الدین بدہلی تشریف آوردہ بود۔ شیخ نظام الدین در آن زمان بر مسند ارشاد و تربیت جا داشت برائے استقبال او از مقام خود تا حوض علائی رفت چوں مجلس سلطان قطب الدین را بحضور شریف خود مشرف ساخت پرسیدند کہ کدام کس از اہل شہر شما را اول استقبال کرد فرمود کسیکہ بہترین اہل شہر است و سلطان را با شیخ نظام الدین نقارے و ہمیان بود بعضے گویند کہ مقصود او از طلبیدن شیخ رکن الدین رغم و کسر شیخ نظام الدین بود و

[1] جو نیک عمل کرتا ہے تو اپنا ہی بھلا کرے گا اور جو بدی کرتا ہے تو اس کا وبال اسی پر ہے ۱۲ (بقیہ نوٹ بر صفحہ آئندہ)

شیخ مخدوم حیدر کا مقبرہ

لاڈو سرائے کے پاس ہی سڑک کی داہنی طرف ایک معمولی سا گنبد ۱۹ فٹ مربع شیخ مخدوم حیدر کسی بزرگ کا ہے جن کو حضرت نظام الدین اولیا کے خلیفہ کہتے ہیں۔ اس کا ایک ہی چھوٹا سا دروازہ اور اندر ایک ہی قبر ہے۔ آپ کا مزار دلی کے مابین گراؤنڈ کرتے ہیں آپ کے پچھواڑے زیر سما حضرت شاہ طیفور شامی کا مزار ہے۔

سید العجائب یا سید الحجاب

اب سید العجائب نام کا گاؤں ہے بعض پڑھے لکھے لوگ صحیح نام سید الحجاب کہتے ہیں حاجب کے معنے نودربان کے ہیں لیکن حاجیوں کے میر قافلہ ہونے سے ان بزرگ کا یہ نام پڑا ہے۔

(تتمہ نوٹ بر صفحہ گزشتہ)

شیخ رکن الدین باین کلمہ منع توہم او کرد و اورا ازیں توقع نا امید ساخت۔ یک بار شیخ رکن الدین در مرض بجہت عیادت شیخ نظام الدین آمد فرمود کہ عشرہ ذی الحجہ است ہر کس بجہت دریافت سعادت حج سعی می کند من سعی کردم تا سعادت زیارت شیخ المشائخ دریابم۔ بعد از آں شیخ نظام الدین رحلت فرمود نماز جنازہ را شیخ رکن الدین حاضر شد و گفت کہ ظاہر الحکمت آں کہ مارا سہ سال در دہلی داشتند حصول ایں نعمت بود و در ادنی مدت رجوع بوطن اصلی فرمود۔

۲ شیخ مسعود بک از اقربائے سلطان فیروز است نام اصل او شیر خان است در لباس اغنیا و اہل دولت بود ناگاہ جذبہ از جذبات حق گریبان گیر حال او شد و بخدمت درویشاں و حلقہ صحبت ایشاں آمد مرید شیخ رکن الدین بن شہاب الدین امام شد۔ بغایت حالت سکر داشت و بحر از مستان بادۂ وحدت و خم شکنان خمخانہ تحقیقت است سخن مستانہ می گوید۔ در سلسلۂ چشتیہ ہیچ کس ایں چنیں اسرار حقیقت را فاش نگفتہ و مستی نکردہ کہ او کرد و بگویند کہ اشک او بحدے گرم بود کہ اگر بر دست کسے می افتاد می سوخت۔ در علم تصوف و توحید تصنیفات بسیار دارد و دیوان و اشعار دارد و قصائد و غزل و باقی اقسام سخن در کتاب او موسوم بہ تمہیدات است اکثر قصائد و اشعار امیر خسرو را جواب گفتہ اگرچہ در بعضے مواضع طریقۂ شاعری نا مرعی ماندہ اما بعضے سخنان متین شاعرانہ نیز آمدہ۔ مراۃ العارفین نیز از تصنیف اوست (از اخبار الاخیار)

۳ فرید الدین چاک پراں۔ آپ کا حال کسی کتاب میں نہیں ملا لوگ کہتے ہیں کہ آپ پر حالت بہت شدت سے طاری ہوتی تھی اس واسطے آپ کے گلے میں کمہار کا چاک ڈال دیتے تھے مگر اس کو بھی لیکر آپ اڑ جاتے تھے

واللہ اعلم بالصواب

کسی کتاب میں آپ کا حال احقر کی نظر سے نہیں گزرا۔ اس گاؤں میں سوا ہندوؤں کے مسلمان کا نام نہیں ہے۔ موضع سے بجانب شمال کوئی ایک میل پر ایک اونچے ٹیلے پر ایک پختہ چبوترہ ۸۰×۱۲۰ فٹ کا بنا ہوا ہے جس کے بیچ میں پانچ قبریں سنگ خارا کی ہیں اور تین چونے کی۔ ان قبروں کے بیچ میں جو ایک قبر ہے اسے سید العجائب کی بتلاتے ہیں لیکن کوئی کتبہ نہیں۔ چبوترے کے مغربی رخ پر ۹۰×۷ فٹ دیوار ہے جس میں جالیاں بنی ہوئی ہیں جو بشکل ایک قناتی مسجد کی ہے۔

اب گاؤں میں چلیئے تین چھوٹے چھوٹے گنبد برابر برابر ایک ہی لین میں ہیں جن میں گاؤں کے لوگ رہتے ہیں باقی گری پڑی عمارتوں کے کھنڈر ہیں جن میں کوئی خاص بات نہیں۔ گاؤں کے پچھواڑے ایک دہری پختہ سہ دری سنگ خارا کی مسجد ۳۱ + × ۱۰ فٹ – ۲ انچ ہے جس کے اندر وار کو چھ برج ہیں سب کھنڈے ہوئے ہیں سنگ خارا کا ایک بارہ کھمبا مدتر بنا ہوا ہے بنیڈ سٹینڈ کی طرح کا جس کے اندر تین قبریں ہیں مسجد کے سامنے ایک وسیع صحن قبرستان کا ہے جس میں سنگ سرخ کی تعویذ کی متعدد قبریں ایک ہی کینڈے کی ہیں اور بہت پرانی ہیں جن پر کلمۂ طیبہ اور سورۂ اخلاص کندہ ہے اور جن پر خاص کتبے ہیں وہ ہم نقل کر دیتے ہیں:۔

(۱) اَللّٰھُمَّ اِنَّکَ عَفُوٌّ تُحِبُّ الْعَفْوَ فَاعْفُ عَنْ عَبْدِکَ الْمُشْفِقِ عَلٰی نَفْسِہٖ
(۲) بِخَطِیْئَتِہٖ اَلْمَعْرُوْفُ بِحُرْمَۃِ اَبُوْبَکْرِ بْنِ مَعْرُوْفِ بْنِ وَحِیْدِ الْقُرَشِیْ۔

(۱) یَاکَرِیْمُ الْمَعْرُوْفِ یَاقَدِیْمُ الْاِحْسَانِ۔
(۲) اَحْسِنْ اِلَیْنَا بِاِحْسَانِکَ الْقَدِیْمِ۔

(۱) اَشْھَدُ اَنْ لَّآ اِلٰہَ اِلَّا ھُوَ قَآئِمًا بِالْقِسْطِ لَآ اِلٰہَ اِلَّا ھُوَ الْعَزِیْزُ الْحَکِیْمُ الدِّیْنَ عِنْدَ اللّٰہِ الْاِسْلَامُ تا فَاِنَّ اللّٰہَ سَرِیْعُ الْحِسَابِ۔ پارہ (۳) سورۂ آل عمران ع
(۲) آیۃ الکرسی پوری۔

(۱) شھد اللہ انہ لا الہ الا ھو والملائکۃ واولوا العلم قائما بالقسط تا وھو العزیز الحکیم
(۲) رَبَّنَا رَبَّنَا رَبَّنَا اَنْبِتْہُ فِی الْاِسْلَامِ نَبَاتًا حَسَنًا وَاسْکِنْہُ جَنَّۃً حَسَنًا یَامُحْسِنَ الْخَلْقِ اَحْسِنْ اِلَیْہِ وَاجْعَلْہُ بَعْدَ مَوْتِہٖ حَسَنًا۔

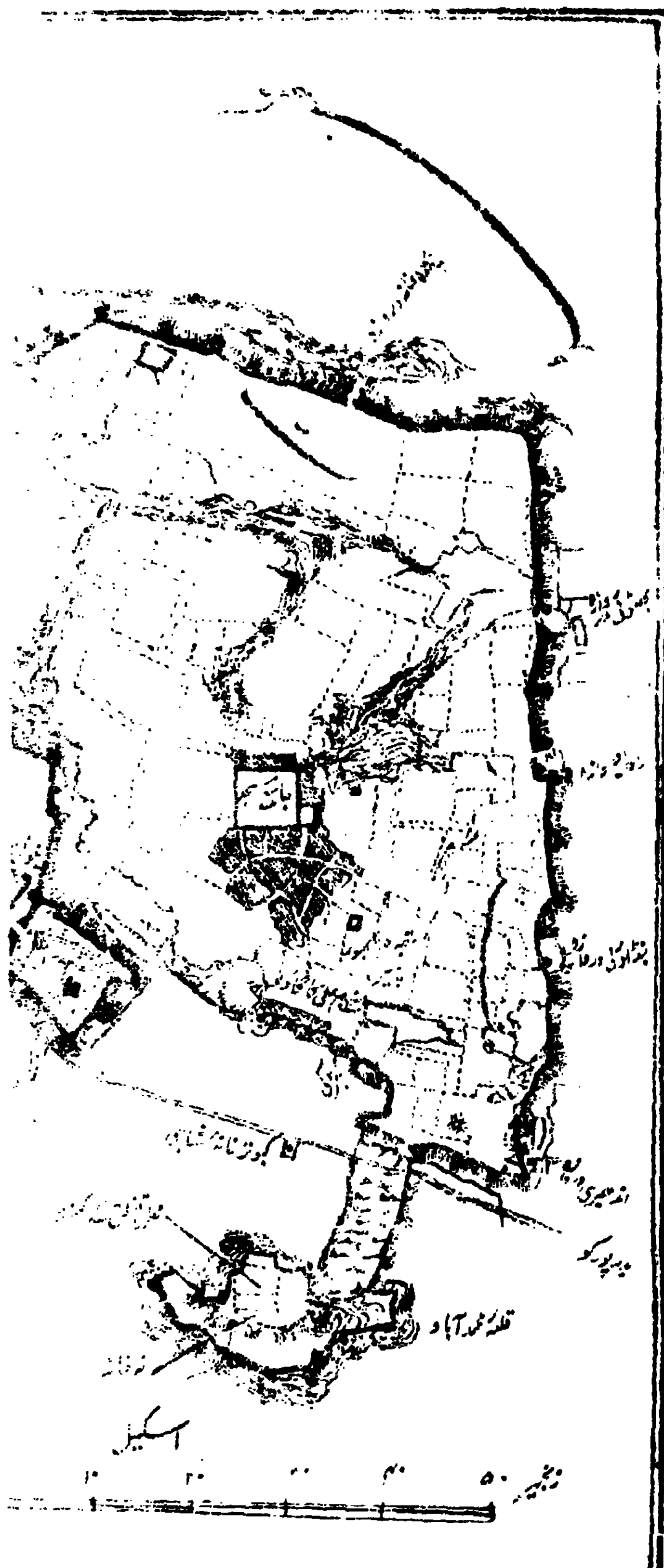
نام کے لحاظ سے یہ قبریں عربوں کی معلوم دیتی ہیں اور وضع قطع بہت پرانی ہے چنانچہ موضع خیر پور کے لودھیوں کے اُس کے مقبرے کے سامنے جو مسجد کا دروازہ کہلاتا ہے بجنسہ اسی طرح کی ایک قبر ہے۔

قلعہ اور شہر تغلق آباد

از ۷۲۱ھ ۱۳۲۱ء تا ۷۲۳ھ ۱۳۲۳ء

از بلندیش فرق نتوان کرد
آتشِ دیدباں زنورِ زحل

یہ قلعہ اور شہر دہلی کے جنوب رخ پر چھ کوس کے فاصلے پر ہے۔ اسی نام کا جی۔ آئی پی ریلوے کا سٹیشن ہے مگر وہاں سے بھی چار میل کا فصل ہے اور رستہ خراب لہذا جانے والے زیادہ تر قطب صاحب ہوکر جاتے ہیں۔ یہ مقام پہلے بلب گڑھ کے راجہ کے علاقے میں تھا۔ غدر ۱۸۵۷ء میں راجہ کی بغاوت کی وجہ سے سرکار نے ضبط کر لیا۔ سرسید لکھتے ہیں کہ اس قلعے اور شہر کی بنیاد ۷۲۱ھ ۱۳۲۱ء میں پڑی اور تکمیل ۷۲۳ھ ۱۳۲۳ء میں ہوئی۔ دارالسلطنت دہلی کا یکے بعد دیگرے یہ چوتھا شہر تھا۔ ابن بطوطہ لکھتا ہے کہ "پہلا شہر پرانی دلی یہ رائے پتھورا کا قلعہ تھا۔ دوسرا کلوکھری یا نیا شہر۔ تیسری سیری اور چوتھا تغلق آباد۔ فرگسن صاحب نہایت واجبی طور پر اس کو "افغان حکمرانوں کا ایک عظیم الشان قلعہ" لکھتے ہیں۔ اس قلعے کی شکل ظلی قاعدہ مثمن کی ہے جس کے تین چھوٹے ضلعے مشرق مغرب اور جنوب میں ہیں۔ جن میں کا ہر ایک ضلع تین چوتھائی میل سے کچھ بڑا ہے۔ جانب جنوب اس شکل کا قاعدہ ڈیڑھ میل لمبا ہے جس کے برابر برابر خندق دوڑی ہوئی ہے جو ایک بڑا تختہ آب ہے جس کے جنوب و شرق کے کونے میں ایک عالی شان کٹہ (بند) باندھ کر پانی کو روک دیا ہے۔ تغلق آباد کا سارا دَور چار میل سے صرف ایک ہی فرلانگ کم ہے۔ قلعہ ایک مرتفع پہاڑی ٹیلے پر واقع ہے جو چاروں طرف سے پہاڑی دروں سے گھرا ہوا ہے۔ صرف ایک ہی طرف نشیب ہے جو غالباً خشک شدہ تالاب کا شکم ہے۔ قلعے کی فصیل بڑے بڑے بھاری پتھروں کی ہے جو غیر معمولی جسامت کے ہیں۔ فصیلوں میں



قلعه محمد آباد
اسکیل

میں دو منزلے برجی دار حجرے بنے ہوئے ہیں۔ اس فصیل میں سب سے بڑا بھاری پتھر جو جنرل صاحب نے دیکھا وہ ۱۴ فٹ × ۲ فٹ لمبا اور ۲ فٹ × ۱ فٹ - ۱۰ انچ چوڑان میں تھا۔ جس کا وزن چھ ٹن یعنی ۱۶۸ من سے زیادہ ہوگا۔ جس پہاڑی پر قلعہ بنا ہوا ہے اُس کا جنوبی رخ ڈھلوان ہے اس مقام کی فصیل ۴۰ فٹ اونچی ہے جس میں جابجا بندوق مارنے کی جھانجیاں بنی ہوئی ہیں۔ جن پر سات فیٹ اونچا کنگورا ہے۔ اس اونچی فصیل کے عقب میں ایک اور ۱۵ فٹ اونچی فصیل ہے اور جہاں نشیب آگیا ہے بلندی یکساں کرنے کو فصیل کی بلندی ۹۰ فٹ تک پونہچ گئی ہے۔ جنوب و مغرب کے کونے میں بالا حصار سارے قلعے کے چھوٹے حصے میں ہے اور اسی میں ایک بہت بڑے عالی شان محل کے کھنڈر بھی نظر آتے ہیں۔ فصیل کے اندرونی رخ پر لداؤ کے متعدد حجرے ہیں جو بقول جنرل کننگھم قلعے کی فوج کے رہنے کے کوارٹر تھے۔ فصیل کے بعض بعض برج اب بھی بالکل درست حالت میں ہیں۔ فصیل کا رخ اندروار کو مصری عمارتوں کی طرح گاؤدم ہے۔ قلعے کی وسعت۔ اُس کی نئے انتہا مضبوطی اور جس چیز کو دیکھو نئے انتہا مستحکم اور پائدار۔ تغلق آباد کی عمارت کی نسبت ایک تعجب خیز عظمت شان و شوکت۔ کا خیال پیدا کرتا ہے (از آرکیالوجیکل رپورٹ جلد اول صفحہ ۲۱۲)۔ کیپٹن آرچر لکھتے ہیں کہ "تغلق آباد کو دیکھتے ہی اس کی حالت ظاہری شان و شوکت و عظمت کا ایک ایسا نظارہ پیش نظر ہوتا ہے کہ میں نے اس سے بڑھ کر اور کہیں نہیں دیکھا۔ مجھے تعجب ہے کہ پتھروں کے اتنے بڑے بڑے لنڈ (ڈھیم) کیونکر گھڑے گئے ہوں گے اور کس طرح (اوپر چڑھاکر) اپنے اپنے موقع سے لگے جمائے گئے ہوں گے۔ تھارنٹن گزیٹر میں لکھا ہے کہ "قلعے کی فصیل ایسی عظیم الشان ہے کہ اس کو اگر کبھی کچھ زوال آسکتا ہے تو بجز زلزلے کے اور کوئی حادثہ نقصان نہیں پونہچا سکتا"۔ فرینکلن صاحب لکھتے ہیں کہ "قلعے کی حفاظت نہایت مضبوطی سے مورچوں اور برجوں سے کی گئی ہے۔ قلعے کے اندر ہی شاہی محل بھی تھا۔ خطرے کے وقت شاہنشاہ یہاں ہر طرح محفوظ و مصئون تھا کیوں کہ اس قلعے کی چڑھائی اب تک بھی بہت موڑ توڑ کی اور مشکل ہے۔ چٹانوں کی ڈھلان کی

وجہ سے وہاں تک پونہچنا ہی متعذر ہی۔ قلعے کے پائیں میں ایک بڑا وسیع اور عمیق تالاب ہی۔ جس سے ساری فوج کو پانی میسر آتا تھا"۔ قلعے کے کھنڈروں پر سے جو اندازہ اُس وقت کی عمارت کا کیا جا سکتا ہی اُس کی نسبت مسٹر ٹیگر لکھتے ہیں کہ "صحن کی تین طرف اور بعض جگہ چاروں طرف مکانات ہی مکانات تھے۔ ہر مکان کی چار دیواری کے اندر جانے کا ایک ہی دروازہ تھا۔ عموماً دروازے کے سامنے ایک دالان ۲۲ × ۱۲ ہوتا تھا اور دالان کی دونوں طرف دو دو کوٹھریاں ہوتی تھیں جن کا رستہ دالان اور صحن میں نکلتا تھا۔ بعض جگہ دالانوں کے پیچھے وار بھی متعدد چھوٹی چھوٹی کوٹھریاں ہوتی تھیں۔ ہر کمرے میں کئی کئی طاق رہتے ہیں لیکن باہر کھلتی ہوئی کوئی کھڑکی نہیں ہوتی۔ قلعے کے صدر دروازے کی چڑھائی بڑی سخت اونچی اور پتھریلی ہی۔ چوں کہ قلعے کے اندر کی اکثر عمارتیں منہدم ہو گئی ہیں تو اُن کے ملبے سے رستہ اور بھی اَٹ گیا ہی۔ یہ چڑھائی ایسی بے ڈھب ہی کہ چڑھتے چڑھتے دم چڑھ جاتا ہی۔ صدر دروازے بڑے بڑے پتھروں کے ڈھیموں سے پٹے ہوے ہیں جو اِس کے پاس اسی پہاڑ میں سے تراش لیئے ہیں۔ قلعے کے کل تیرہ دروازے ہیں اور بالا حصار کے تین اس کے سوا۔ سر سید جو روایتوں کی بنا پر بلشتر لکھتے ہیں وہ کہتے ہیں کہ شہر اور قلعے کے ملا کر (۵۶) کوٹ (برج) اور (۵۲) دروازے تھے لیکن جنرل کننگھم کا قول اس کے خلاف ہی جیسا کہ ہم اوپر لکھ آئے ہیں۔ تغلق آباد میں سات تالاب ہیں اور بڑی بڑی عمارتوں کے کھنڈروں کا تو کوئی شمار نہیں مثلاً جامع مسجد اور برج مندر[1]۔ جنرل کننگھم صاحب تغلق آباد میں برج مندر کا ہونا تسلیم نہیں کرتے اور سر سید بھی اس نام کا مندر جہاں پناہ میں ہونا کہتے ہیں اور یہی صحیح بھی ہی جس کی صراحت اپنے موقعے پر آئے گی۔ فریکلین صاحب لکھتے ہیں کہ "یہاں تین بڑی بڑی باؤلیاں بھی ہیں جو اب بھی درست حالت میں ہیں۔ یہاں بڑے بڑے پختہ تہ خانے بھی ہیں جو تیس سے لے کر چالیس چالیس فٹ

---

[1] قلعہ کے ایک برج کا نام شیر منڈل ہی ورنہ تغلق آباد کہاں اور یہ منڈل کہاں۔ یہ منڈل تو ہیلم پور کے پاس۔ ۱۲

گئیں قلعہ تک پونہچنا بھی دقت طلب ہی۔ دروازے سے آگے بڑھنے کے بعد
بائیں طرف ایک بڑا عمیق وسیع گڑھا ملتا ہی جس میں اب زراعت ہوتی ہی۔ میں تو
سمجھتا ہوں کہ یہ کوئی تالاب تھا جو خشک ہوگیا لوگ کہتے ہیں کہ نہیں یہاں پہاڑ تھا

[illegible] ہیں نہ یہاں تین برجی [illegible]
میں ہیں ۔ یہاں بڑے بڑے پختہ تہ خانے بھی ہیں جو تیس سے لے کر چالیس چالیس فٹ

۱؎ قلعہ کے ایک برج کا نام شیر منڈل ہے ورنہ تغلق آباد کہاں اور بیجے منڈل کہاں۔ بیجے منڈل ہے بیگم پور کے پاس ۔ ۱۲

سطح زمین سے گہرے ہیں۔ شاہی تہ خانے میں چھ مدور کمرے ہیں جنکی چھت محرابدار بنی ہوئی ہے اور چھت میں دو فیٹ قطر کا روشن دان بھی ہے۔ یہ کمرے بیس بیس فٹ قطر کے ہیں جو گرمی میں سردخانے کا کام دیتے تھے۔ ان کمروں کے ساتھ ۲۴×۲۴ کے پختہ سنگ بست حوض بھی ہیں۔ علاوہ دو باولیوں کے تیسری باولی بالاحصار کے پاس ہے"۔ بالاحصار تو بالکل تباہ اور نرا کھنڈر رہ گیا ہے۔ بالاحصار کے نیچے کا حصہ تو شاید کبھی آباد رہا ہو تو رہا ہو۔ قلعہ جس قدر دور سے بھاری بھرکم اور شاندار عظیم الشان معلوم دیتا ہے اندر جاکر اتنی ہی مایوسی ہوتی ہے کہ بجز ٹوٹی پھوٹی عمارتوں۔ کھنڈروں اور مٹی پتھر کے ڈھیروں۔ ویرانی اور تباہی کے اور کچھ نظر نہیں آتا۔ سیاح جب اس ہیبت ناک نظارے کو چھوڑ کر باہر نکلتا ہے تو پھر عالی شان فصیل سر بفلک مورچوں کو دیکھتا ہے اور اُس کی نظروں کے سامنے وہی سماں پھر جاتا ہے کہ اللہ اکبر جس قلعے اور شہر کی بیرونی حالت ایسی پرشوکت وشان ہے اُس کے اندر کیا کچھ نہ رہا ہوگا۔ کبھی تو قلعہ تھا اور یہ ایک بڑا بھاری شہر یا ایسی بساط اُلٹی کہ آج صرف گوجروں کا ایک کم حیثیت گاؤں رہ گیا۔ جس کا نام صرف اُن اُجڑے پجڑے مکانوں اور کھنڈروں کی بدولت چار دانگ عالم میں مشہور ہے اور دور دور سے لوگ زمانۂ گزشتہ کی شان وشوکت عزت وجبروت کی اس بچی کھچی گری پڑی باقی ماندہ یادگار کو دیکھنے کے لیئے برابر چلے آتے ہیں۔ دیکھتے ہیں اور حسرت وافسوس کرتے ہیں کہ فنا کے زبردست ہاتھوں کے سامنے سب خاک ہے۔

٥ زمین چمن گل کھلاتی ہے کیا کیا بدلتا ہے رنگ آسماں کیسے کیسے

جو بیان قلعۂ تغلق آباد کا اوپر لکھا گیا وہ اُس ویرانے کی بہت عمدہ تصویر ہے لیکن بطور فنیشنگ ٹچ (کیفیت ختم) کے اتنا اور لکھا جاتا ہے کہ گو قلعے کے متعدد دروازے ہیں مگر سڑک کی جانب جو دروازہ ہے وہ تو بالکل معمولی سنگ خارا کا ہے اور اتنا بلند بھی نہیں کہ اُس میں سے ہاتھی جاسکے سیڑھیاں ساری ٹوٹ پھوٹ گئیں قلعہ تک پہنچنا بھی دقت طلب ہے۔ دروازے سے آگے بڑھنے کے بعد بائیں طرف ایک بڑا عمیق وسیع گڑھا ملتا ہے جس میں اب زراعت ہوتی ہے۔ میں تو سمجھتا ہوں کہ یہ کوئی تالاب تھا جو خشک ہوگیا لوگ کہتے ہیں کہ نہیں یہاں پہاڑ تھا

اُسی کو کاٹ کاٹ کر قلعے کے لیئے پتھر لیئے ہیں اس وجہ سے یہ گڑھا ہوگیا ممکن ہو کہ ایسا ہی ہو مگر یہ گڑھا قدرتی طور پر چاروں طرف سے پہاڑوں سے گھرا ہوا ہو اور ایک بنا بنایا مضبوط اور قدرتی بند کا تالاب ہو۔ اس کے بعد پھر ایک دروازہ ملتا ہو اُس کے اندر سے قلعے کی عمارتوں کا سلسلہ شروع ہوتا ہو یہیں ایک قلمدان نما چھت کی چھوٹی سی شکستہ مسجد ہو لیکن قلعے کی وسعت اور مکانات کی کثرت کے لحاظ سے بڑی مسجد اور کوئی رہی ہوگی جو ہم کو نہیں ملی۔ پہلے ہم سب سے اونچے برج پر چڑھے جو شیر منڈل کہلاتا ہو اور اچھی حالت میں ہو اس پر سے سارے قلعے کی عمارتوں کو بخوبی دیکھ سکتے ہیں اور دور دور کا نظارہ ہوتا ہو۔ تعجب ہو کہ قلعے کے اندر کی ساری عمارتیں کیا چھوٹی کیا بڑی سب کی چھتیں گر گئی ہیں چار دیواریاں کھڑی ہیں دالان پیش دالان کوٹھریاں غسل خانے پائخانے۔ در اندر کے چھوٹے دروازے اور باہر کے بڑے پھاٹک سب موجود ہیں مگر چھت کسی کی نہیں خدا جانے چھتوں پر کیا آفت آئی تھی۔ مکان چھوٹے معمولی حیثیت کے اور بڑے بڑے محل یک منزلہ اور دو منزلہ اور بعض سہ منزلہ سب قسم کے ہیں بعض جگہ بہت بڑے بڑے محل ہیں بعض جگہ خالی محرابیں کھڑی ہیں۔ جابجا تہ خانے بھی ہیں۔ معمولی حیثیت کے لوگوں کے مکانات بھی ہیں اور امرا کے عالی شان محل بھی۔ ساری عمارتیں سنگ خارا کی چونے سے بنی ہوئی ہیں اور مکانوں کی وہ کثرت اور پیچ پیچ ہو کہ تل دھرنے کو خالی جگہ نہیں۔ پہلے ضرور سڑکیں اور رستے ہوں گے مگر اب تو ساری جگہ کو جھاڑیوں اور کانٹوں نے گھیر لیا ہو۔ مکانات جو گر گئے ہیں اُن کے ملبے اور پتھروں نے رہا سہا رستہ بھی بند کر دیا اور ایسی چپقلش ہوگئی ہو کہ قدم دھرنا محال ہو۔ فصیل کے بڑے بڑے برج بعض قائم ہیں بعض گر گئے کچھ گر رہے ہیں۔ فصیل بھی جابجا سے گر گئی ہو مگر پھر بھی بہت بڑا حصہ قائم و برقرار ہو اسی میں مقررہ فصل سے برج بنے ہوئے ہیں عمارتوں کی موجودہ حیثیت سے نزاکت اور نفاست نہیں معلوم ہوتی۔ صدر دروازہ بھی بھدا ہو جس میں بڑی بڑی لمبی لمبی کڑیاں لگی ہوئی ہیں اور انہیں کڑیوں کا پاٹاؤ بھی ہو۔ شیر منڈل کے برج پر سے دیکھو تو دلی کا سارا شہر اور عمارتیں صاف نظر آتی ہیں۔ شمال مشرق کی طرف ریل دوڑتی ہوئی نظر آتی ہو اور اُس کے پیچھے او کھلا

شمال کی طرف کالکاجی کا مندر - درگاہ حضرت نظام الدین کا گنبد - کلوکھڑی کا ریلوے اسٹیشن ہمایوں کے مقبرے کا انڈے کی طرح کا سفید سفید خوش نما گنبد پرانے قلعے کی فصیل کا کچھ حصہ - جامع مسجد کے مینار - لال قلعے کے وائسرس ٹیلیگراف کے اونچے اونچے کھمبے - صفدر جنگ کا مقبرہ - رائے سینا کی عمارتیں وغیرہ وغیرہ - اب کم سے کم اتنا چاہیئے کہ قلعے کے اندر کے بکھرے ہوئے پتھر ایک طرف کر دیئے جائیں کچھ جھاڑی کٹوا دی جائے کہ ذرا چلنے کا رستہ نکل آئے اب تو بے ٹھوکر کھائے اور ہاتھ پاؤں زخمی کیئے دو قدم چلنا مشکل ہے - شیر منڈل کے پاس ایک بہت بڑی منہدمہ باؤلی ہے ۱۱۱ × ۷ ۷ ف - اور ستر فیٹ گہری جو ڈھ گئی ہے اور شکم جھاڑ جھنکاڑ سے اٹ گیا ہے - یہ باولی سنگ خارا کے بڑے بڑے ڈھیموں سے بنائی گئی ہے اور سنگ خارا کی بندش چو طرف ہے - پہلے سیڑھیاں بھی ہوں گی جن کا اب صرف نشان رہ گیا ہے - باؤلی مستطیل ہے - شمال اور جنوب کے دو طرف کی بندش کی دیواریں ابھی باقی ہیں اور یہی اُس کا طول ہے مشرق مغرب عرض کی دیواریں ڈھ گئی ہیں - یہاں ایک بڑی بھاری لمبی اور گہری سرنگ ہے جو ایک طرف بدرپور روڈ کی جانب قلعہ کے باہر نکل گئی ہے اور دوسرا رخ اُس کا خدا جانے کہاں تک گیا ہے - سرنگ کا ایک دروازہ ہے تھوڑی دور تک دو طرفہ طاق نما حجرے بنے ہوئے ہیں مگر تاریکی کے سبب سے اندر جاتے ڈر لگتا ہے - آگے چل کر حجروں کا سلسلہ منقطع ہو گیا ہے نری سرنگ چلی گئی ہے جو تھوڑی دور آگے بڑھ کر بیٹھ گئی ہے - سرنگ میں بالکل اندھیرا ہے لالٹین ساتھ ہونا ضرور ہے ہم دیاسلائیاں کھینچ کھینچ کر ٹٹول ٹٹول کر قدم بڑھاتے تھے پچاس سیڑھیاں اُتر کر ہم کھڑکی میں پہنچے - شروع شروع میں تو کچھ اُجالا ہے پھر اندھیر اگھپ سیڑھیاں کچھ درست ہیں کچھ شکستہ جو درست ہیں اُن پر بھی روڑے رکر پاؤں نہیں جمتا - پہلے تو ہم سیدھے چلے آئے اندھیرے کے ساتھ سر پر چٹان بھی آگئی بیٹھ کر گھسٹنا پڑا اب کھڑکی آئی جان میں جان آئی تاریکی سے روشنی کی نعمت پائی - کھڑکی کا پٹ پتھر کی سلوں کا ہے اُس کے پیچھے مٹی اٹ جانے سے برابر نہیں کھلتا کچھ بھڑا رہتا ہے دُبلا پتلا آدمی تو خیر معمولی جسامت کا آدمی آڑا ترچھا ہو کر دب دبا کر نکل جا سکتا ہے مگر موٹے آدمی کا گزر نہیں اب ہم قلعے کے دامن

میں آگئے پھر یہاں سیڑھیاں ہیں جو ٹوٹ پھوٹ گئیں غرض پھسلتے پھسلاتے سڑک پر پہنچے کیونکہ قلعہ بالکل سڑک سے ملا ہوا ہے۔ قلعے کے دروازے اس وقت جو مشہور ہیں وہ یہ ہیں۔ چکلا خانہ دروازہ۔ دھوبن دھوبنی دروازہ۔ نیم والا دروازہ۔ سولی دروازہ کھڑکی دروازہ۔ ہاتھی دروازہ۔ اندھیری دروازہ۔ بنڈاولی دروازہ۔ راول دروازہ بھٹوئی دروازہ۔ کھجور والا دروازہ۔ چوک دروازہ۔ ہوڑی دروازہ۔ لال گھنٹی دروازہ تکمنڈ دروازہ۔ طلائی دروازہ۔ وغیرہ وغیرہ۔

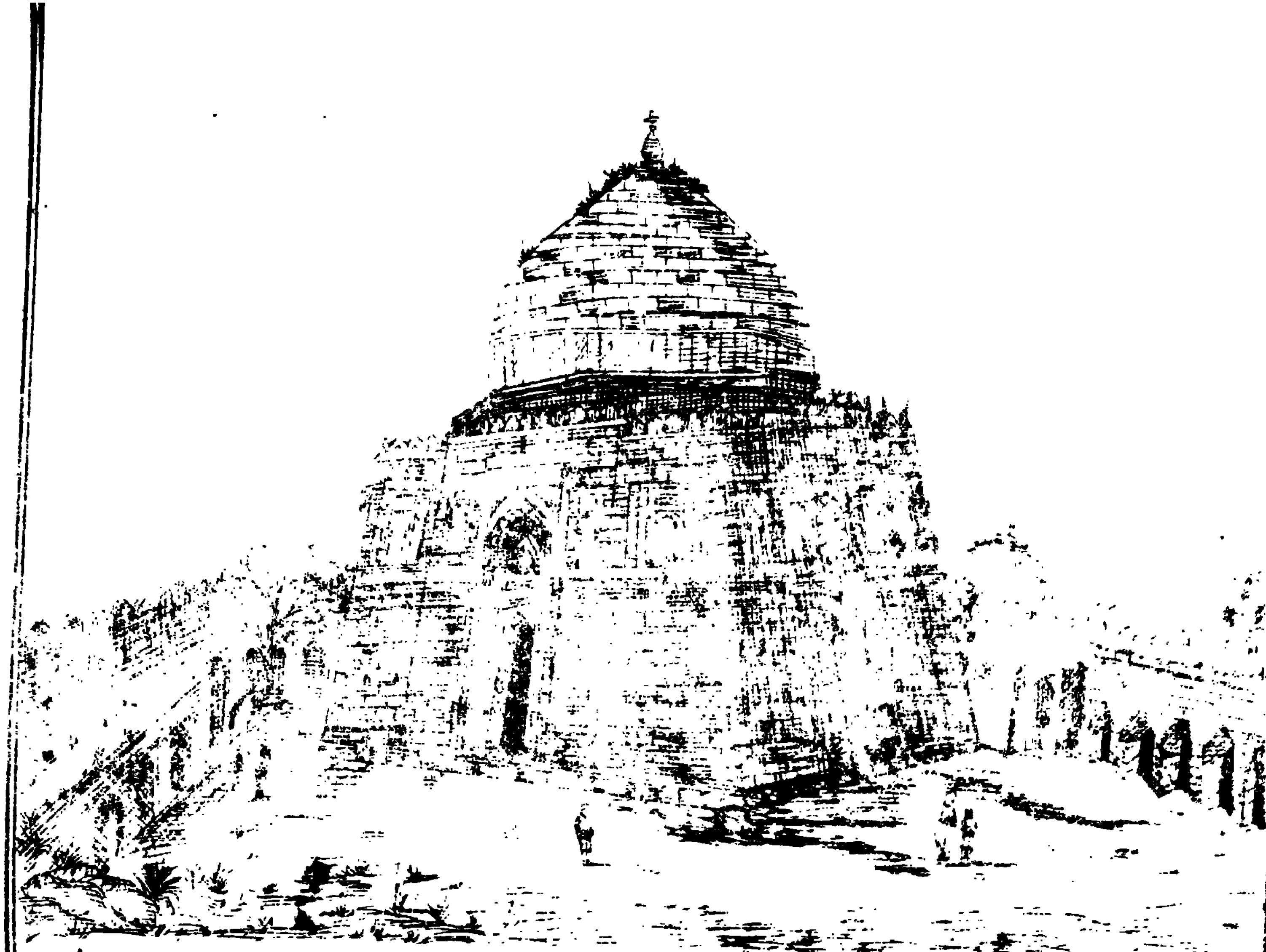
مقبرۂ غیاث الدین تغلق شاہ

۷۲۵ سنہ ہجری – ۱۳۲۰ – ۲۱ – ۲۵

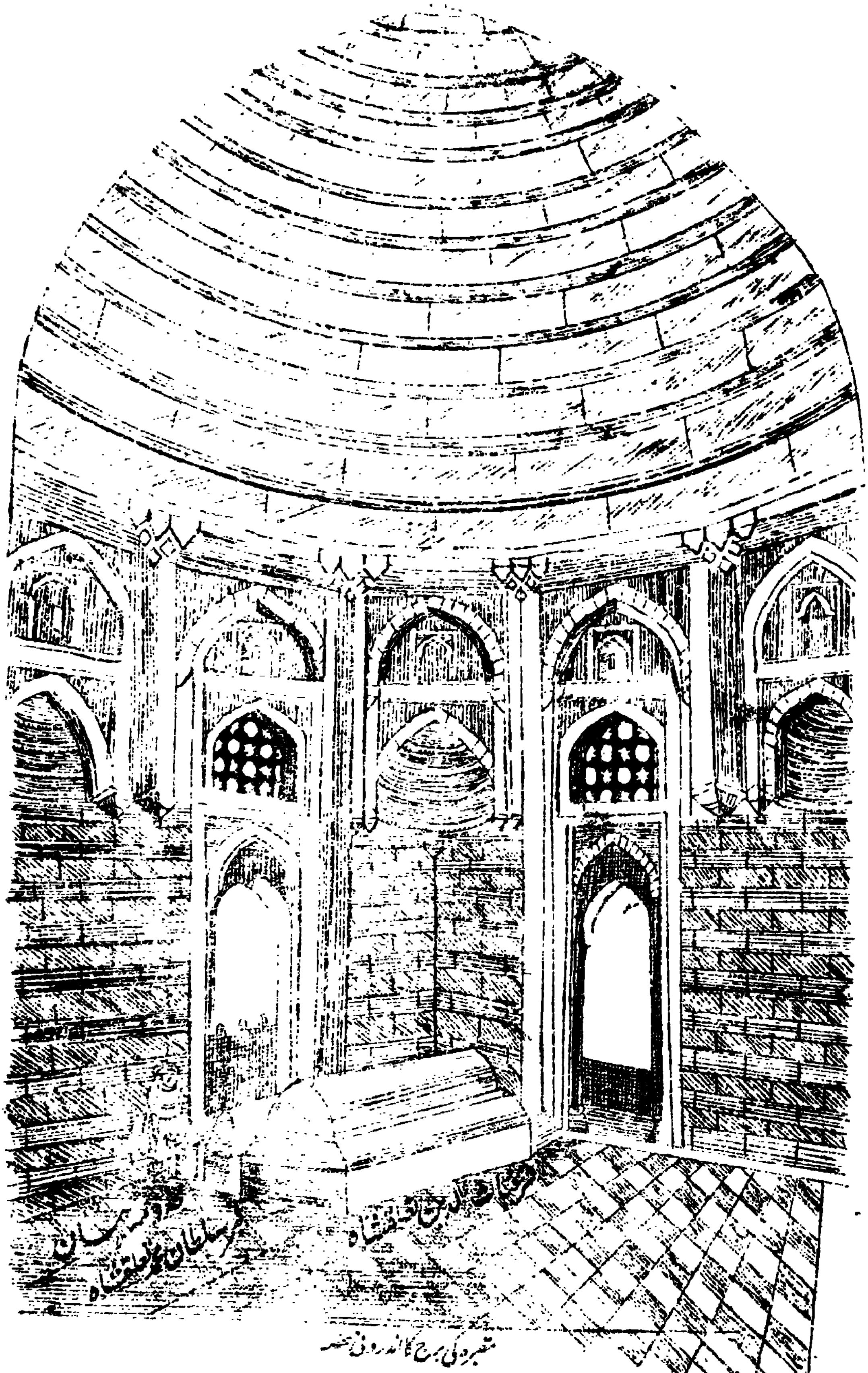
این دہر کہ بود مدتے منزل ما
نامد بجز از بلا و غم حاصل ما
افسوس کہ حل نہ گشت یک مشکل ما
رفتیم و ہزار حسرت اندر دل ما

اس بادشاہ کا مزاج عجیب و غریب اور انوکھا تھا۔ لیکن بڑا جفاکش اور جری تھا اس نے مغلوں کے دانت کھٹے کر دیئے اور پیاپے چار حملوں کا منہ اس زور و شور اور قتل عام سے پھیرا کہ مغلوں کے پرخچے اُڑ گئے اور وہ ایسے مرعوب ہوئے کہ پھر اس بادشاہ کی زندگی تک تو مغلوں نے ہندوستان کا رخ بھی نہ کیا۔ اس بادشاہ کی غایت درجے کی جرأت۔ ہمت اور استقلال کے ڈنکے دنیا میں بج گئے ۷۲۵ھ ۱۳۲۰ء میں بنگالہ پہنچ کر وہاں کے صوبہ دار کی سرکوبی کی اور اُس کے گلے میں رسّی بندھوا کر گھسیٹتا ہوا دلّی بھجوایا اور خود بھی بعد فتح و نصرت دلّی کو واپس ہوا وہیں خبر لگ گئی تھی کہ بادشاہ کے غیاب میں چند بڑے بڑے لوگ کہہ رہے ہیں کہ بس اب بادشاہ دلّی آچکا اور نجومی بھی اُن کی ہاں میں ہاں ملا رہے ہیں لیکن اس اولوالعزم نے ذرا بھی ان جہلات کی پروانہ کی اس کان سنا اور اُس کان اُڑا دیا ان یا دھوائی باتوں سے ذرا بھی اُس کی ہمت اور استقلال میں فرق آیا حضرت نظام الدین اولیا بھی بادشاہ سے کچھ بدظن تھے اور کہا جاتا ہے کہ اُن کا رجحان خاطر شاہزادے محمد شاہ تغلق کی طرف زیادہ تھا اور وہی آپ کا مورد عنایات والطاف تھا۔ بادشاہ کو حضرت کا شاہزادے کی طرف ضرورت سے زیادہ متوجہ ہونا





برج مقبرہ غیاث الدین تغلق شاہ



مقبرہ کی برج کا اندرونی حصہ

اور اپنے سے رکاوٹ ناگوار تھی حکم دیا کہ اُن سے کہدو کہ دلی سے چلے جائیں
اور یہ بھی کہا کہ خیر جس کے دل میں جو آئے کہہ لینے دو۔ ذرا مجھے دلی پونہچ لینے دو
پھر دیکھنا کیسی ان سب کی خبر لیتا ہوں۔ آخر الامر بادشاہ کی آمد آمد کا غلغلہ بلند ہوا
اور یہ بھی معلوم ہوا کہ بادشاہ کی سواری دلی کے قریب تک آن پونہچی ہے اور اب کوئی دن جاتا ہے کہ
دلی میں داخل ہوگی۔ حضرت کے حلقے کے لوگ بادشاہ کی آمد آمد سن کر گھبرائے
کہ خدا جانے کیا واقعہ پیش آئے اور آپ کو ملتان تشریف لے چلنے کی صلاح
دی۔ لیکن آپ کا بھروسہ خدا کی ذات پر تھا اور بڑے کو وہ وقار و متانت شعار
تھے اور لَمۡ نَخۡشَعۡ اِلَّا اللّٰہ (ہم سوائے خدا کے کسی سے نہیں ڈرتے) پر
پورا عمل رکھتے تھے۔ ذرا بھی آپ کو ہراس نہ ہوا اور جب آپ نے سنا یہی فرمایا
"ہنوز دلی دور است"۔ آخرکار بادشاہ افغان پور تک آن پونہچا جو دلی سے
صرف چھ میل ہے۔ افغان پور ہی میں بادشاہ کے نزول اجلال کے لیئے ولی عہد
نے ایک چوبی محل طیار کرایا تھا جو صرف تین دن میں بنا کر کھڑا کر دیا تھا۔
ضیاء الدین برنی مصنف تاریخ فیروز شاہی لکھتے ہیں کہ "یہ مکان صرف بادشاہ
کی شبا شب استراحت کے لیئے بنوایا گیا تھا تاکہ اس میں شب باش ہو کر صبح کو
جلوس کے ساتھ شاہی سواری دارالسلطنت میں داخل ہو۔ بادشاہ کی سواری دوپہر
ڈھلے رونق افروز ہوئی اور اسی محل کو اپنے قدوم میمنت لزوم سے شرف
بخشا۔ بادشاہ دوپہر کے خاصے سے فارغ ہوا۔ امراء و اراکین سلطنت ہاتھ دھونے
کو باہر نکلے کہ اسی اثناء میں بجلی گری اور چھت دھڑام سے آن پڑی۔ بادشاہ اور
اُس کے ساتھ اور پانچ چھ شخص دب کر مر گئے"۔ ابن بطوطہ نے ایک اور ہی روایت
لکھی ہے اور بجلی گرنے کے مقابل میں وہ زیادہ قرین قیاس معلوم ہوتی ہے۔ ابن بطوطہ
نے پہلے تو اس عارضی عمارت کا حال لکھا ہے بعد یہ بھی لکھا ہے کہ وہ موقع نہ محل
تاک کر ہی ایسی حکمت سے بنایا گیا تھا کہ ذرا سی ٹھیس کے ساتھ دھڑام سے
آن پڑے۔ غرض یہ کہ بادشاہ اسی محل میں اُترا اور لوگوں کی دعوت کی اور لوگ
کھا پی کر جدھر کے اُدھر چلے گئے۔ ولی عہد نے معروضہ پیش کیا کہ ہاتھیوں کا جلوس
نظر انور سے گزرے جو معروض اجابت ہوا۔ بادشاہ کا چہیتا بیٹا محمود بھی ہم رکاب تھا

القصہ جب ہاتھی اُس طرف سے گزر رہے تھے (تو خدا جانے کیا واقعہ پیش آیا) کہ ایک دم سے محل بیٹھ گیا۔ بادشاہ اور شاہزادۂ محمود دونوں اُس میں دب گئے۔ محمد شاہ گھبرایا اور فوراً کدال پھاوڑے وغیرہ لانے کا غل مچایا مگر در پردہ آنکھ مار دی اور شاموں شام تک کسی نے خبر نہ لی۔ شام ہونے کے بعد کہیں کھدائی کی نوبت آئی تو بادشاہ کی نعش اس حیثیت سے نکلی کہ بادشاہ تو اوپر تھا اور شاہزادہ نیچے۔ جس سے معلوم ہوتا تھا کہ بادشاہ شاہزادے کو بچانے کے لیئے اوپر پڑ گیا تھا۔ بعض کہتے ہیں کہ بادشاہ کا دم نکل گیا تھا اور بعض کہتے ہیں کہ نہیں زندہ تھا لیکن اُسے مار ڈالا۔ یہ واقعہ یکم ربیع الاول ۷۲۵ھ (فروری ۱۳۲۵ء) کو ہوا۔ نعش کو راتوں رات لے جا کر اُس مقبرے میں دفن کیا جو خود بادشاہ نے تغلق آباد میں بنوایا تھا۔ یہ سب چال بازی خواجہ جہاں وزیر کی تھی کیوں کہ وہ محمد شاہ کا طرف دار تھا اور اُسی کی سفارش سے مرتبۂ وزارت کو پونہچا تھا اور اُسی کا کلمہ پڑھتا تھا"۔ ابن بطوطہ نے تو ساری بلا محمد شاہ تغلق کے سر دھر دی اور باپ کے قتل کا مجرم اُسے ٹھیرا دیا اور پہلے سے بھی باپ بیٹوں میں کشیدگی تھی۔ باپ حضرت نظام الدین اولیا سے صاف نہ تھا اور بیٹا اُن کا حد درجے معتقد اور ہمیشہ اُن کی مجالس میں آیا جایا کرتا تھا چنانچہ حضرت نے حالت وجد میں تخت و تاج کی اُسے بشارت دیدی تھی۔ ابو الفضل وزیر اعظم اکبر شاہ بالکل اس بات کو بے اصل لکھتا ہی اور وہ لکھتا ہی کہ "محمد شاہ تغلق پر ذرا بھی اشتباہ نہیں۔ چوں کہ محل جلدی میں بنوایا گیا تھا اُس کا گر جانا محض ایک اتفاقی حادثہ تھا"۔ الغرض جب محمد شاہ تغلق تخت نشیں ہوا تو سب سے پہلے وہ حضرت کا قدم بوس ہوا اور جب حضرت کا وصال ہوا تو آپ کے جنازے کو کندھا بھی دیا۔ بقول ابن بطوطہ کے "غیاث الدین تغلق کا مقبرہ خود اُسی کا بنوایا ہوا ہی اور ایسا ہی ایک مقبرہ اُس نے اپنی صوبہ داری کے زمانے میں ملتان میں بھی بنوایا تھا"۔ لیکن قول مرجح و معتبر یہ ہی کہ یہ مقبرہ محمد شاہ تغلق نے اپنے باپ کی وفات کے بعد برس کے اندر ہی اندر بنوا دیا۔ دارالامان کا ذکر اوپر آچکا ہی۔ یہ وہ محل ہی جہاں بلبن بادشاہ کی قبر ہی لیکن غیاث الدین تغلق کا مقبرہ بھی اسی نام سے مشہور ہی۔ فیروز شاہ تغلق جو غیاث الدین تغلق کا پوتا تھا یہ لکھتا ہی کہ "یہ مقام مدفن اصحاب کبار

گاہ ہے۔ میں نے اس میں صندل کی لکڑی کے دروازوں کی نئی جوڑیاں چڑھوائیں اور بزرگوں کے مزاروں پر شامیانے تنوائے اور پردے ڈلوائے۔"

اس مقبرے کی حالت جو جنرل کننگھم صاحب نے اپنی رپورٹ میں لکھی ہے وہ یہ ہے:-

"یہ مقبرہ ایک مصنوعی جھیل کے بیچ میں بنا ہوا ہے۔ جس میں حوض شمسی کی چادر اور قلعے کے اطراف کے قدرتی نالوں کا پانی جمع ہوتا ہے اور کسی زمانے میں یہ قلعے کی خندق کا کام دیتا تھا جس سے ایک گونہ محافظت بھی تھی۔ جھیل کی بیرونی شکل پانچ ضلعوں کی ہے۔ جو قلعے سے بذریعہ ایک چھ سو فیٹ لمبے محراب دار پست پل سے ملا دی گئی ہے۔ پل کے ستائیس در ہیں۔ مقبرہ مربع شکل کا ہے۔ جو اندر سے ۳۸½ فٹ اور باہر سے ۶۱½ فٹ ہے۔ بیرونی دیواریں کنگورے تک ۳۸½ فٹ اونچان میں ہیں۔ جن میں فی فٹ ۲۳ء۲ کا ڈھلان ہے۔ اس حساب سے ۳۸½ فٹ میں کل ڈھلاؤ ۰½ فٹ کا ہے۔ دیوار کا آثار پایے میں ۱۱½ فٹ ہے جو اوپر جاکر صرف چار فیٹ رہ گیا ہے۔ اتنی بلندی پر صحیح پیمایش کرنے کا کوئی ذریعہ نہ تھا مگر جہاں سے گنبد شروع ہوتا ہے وہاں سے آثار چھ یا سات فیٹ کا اندازہ کیا جاتا ہے۔ گنبد کا قطر اندر سے ۳۴ فٹ اور باہر سے ۴۴ فٹ اور بلندی ۲۰ فٹ ہے۔ گنبد تمام سنگ مرمر کا ہے۔ کل مقبرے کی بلندی ۷۰ء۷ فٹ ہے اور کلس جو سنگ سرخ کا ہے ملالیں تو اونچان اسی فیٹ کے قریب ہو جاتی ہے۔ گنبد کی چاروں طرف چار بڑے بڑے محراب دار چوبیس چوبیس فیٹ اونچے دروازے ہیں۔ گنبد کا داخلی دروازہ جو بڑے دروازے کے اندر ایک اور چھوٹا دروازہ ہے صرف ۵ فٹ دس انچ چوڑا ہے جس کی محراب میں سنگ مرمر کی موٹی جالی لگی ہوئی ہے۔ مقبرہ باہر وار سے مختلف رنگ کے پتھروں سے آراستہ ہے۔ جابجا سرخ پتھر کے ساتھ سنگ مرمر کے پٹکے حاشیے اور کارنس لگانے سے دوبالا رونق ہو گئی ہے۔ محرابیں سب سنگ مرمر کی ہیں اور ایک چوڑا پٹکہ سنگ مرمر کا جہاں سے محرابیں شروع ہوتی ہیں عمارت کے چاروں طرف دوڑا ہوا ہے۔ ایک اور سنگ مرمر کا چوڑا اور گہرا پٹکہ چار فیٹ بلند سیدھی سلوں کا جہاں سے کہ گنبد شروع ہوتا ہے گرداگرد ہے۔ موجودہ حالت اس مقبرے کی عمدہ اور نفیس رنگ کے پتھروں کی وجہ سے بہت دل خوش کن اور نظر فریب ہے لیکن

زمانے کے استداد نے کچھ اور نکھار اور روپ اور حسن پیدا کر دیا ہی۔ سنگِ سرخ کا
جو تیز اتنا شوخ رنگ جا کر ہلکا پیازی ہو گیا ہی اُدھر سنگِ مرمر کی شفافی اور چمک دمک اور
جلا سے بھی خیرگی دور ہو کر اعتدال آ گیا ہی۔ غرض سرخی اور سفیدی کے رنگ میں پہلے
تباین کلی تھا اب ایک جان و دو قالب ہو کر ایسے مکمل مل گئے کہ اُس میں ایک نئی
لطافت اور توافق پیدا ہو گیا ہی۔ مقبرہ مجموعی حیثیت سے فی الجملہ اچھی حالت میں ہی"
(از آرکیالوجیکل رپورٹ جلد اول صفحہ ۱۲۶)
جب کہ مستقل مزاج تجربہ کار سورما تغلق شاہ نے (سنہ ۱۳۲۱ء) میں نئی دلی کی جو اُس کے
نام سے مشہور ہی بنا ڈالی تو اُسی کے ساتھ ساتھ اُس نے اپنا مقبرہ بھی بنوایا جیسا کہ
عموماً دستور ہی (کہ بادشاہ اپنی زندگی میں اپنا مقبرہ بنوا لیتے ہیں)۔ یہ مقبرہ کسی باغ
میں نہیں بنایا گیا بلکہ ایک نہایت مضبوط اور محصور قلعے میں ایک مصنوعی جھیل کے اندر بنایا ہی
گاؤدم دیواریں اور مصر کی عمارتوں کے طرز کا مستحکم مقبرہ جو عظیم الشان حصار اور
شان دار برجوں کے بیچوں بیچ ہی اس شجیع بادشاہ کے لاثانی مقبرے کی تصویر
نظر میں جما دیتا ہی جو بمقابلہ اُس کے مابعد کے ٹھنڈے دل والے امن پسند خاندانوں
کے مقبروں سے جو نفیس اور ہرے بھرے باغوں میں ہیں بالکل ایک جداگانہ حیثیت
رکھتا ہی (از ہسٹری آف آرکیٹیکچر فرگسن صاحب جلد دوم صفحہ ۶۵۳)۔ مقبرے کا
باہر کا دروازہ بڑا عالی شان سرخ پتھر کا بنا ہوا ہی جس پر تیئیس سیڑھیاں چڑھ کے پہنچتے
ہیں۔ احاطے کی دیواروں میں بہت سے حجرے ہیں جو غریب غربا کے آرام کے لیئے
بنائے گئے ہیں۔ گنبد میں تین قبریں ہیں۔ بیچ والی قبر سلطان غیاث الدین تغلق کی
ہی اور اس کے ادھر اُدھر جو ایک ایک قبر ہی اُس کی نسبت یقینی طور پر نہیں کہا جا سکتا
کہ کس کی ہیں۔ اس پر جو سنگ مرمر کا حظیرہ بنا ہوا تھا وہ خدا جانے اُکھاڑ لیا گیا یا
ٹوٹ پھوٹ گیا۔ ان دو قبروں میں سے ایک تغلق شاہ کے حرم محترم مخدومۂ جہاں
کی کہی جاتی ہی اور دوسری محمد شاہ تغلق فرزندِ غیاث الدین تغلق شاہ کی جس نے سنجار
سے سندھ میں سنہ ۱۳۵۱ء میں انتقال کیا۔
یہ امر واقعاتِ تاریخی سے پایۂ ثبوت کو پہنچ گیا ہی کہ ہندوستانی شاہزادوں کی تعلیم
کبھی ایسے عمدہ اصول پر نہیں دی جاتی جن سے اُن کے اوصاف اخلاقی راسخ

اور مستحکم ہو جائیں چنانچہ اس کی ایک کھلی ہوئی مثال محمد شاہ تغلق کے حالات ہیں۔
یہ شخص تمام سلاطین ماضیہ دہلی سے قابلیت اور لیاقت میں بدرجہا بڑھا ہوا تھا۔
اس کی وسیع معلومات علوم و فنون و ریاضی کی اس درجے بڑھی ہوئی تھی کہ اُس
وقت کے علماء اور فضلا جنھوں نے اپنی ساری زندگی اکتساب علوم میں صرف
کر دی تھی وہ بھی اس کی اعلیٰ درجے کی قابلیت کے معترف تھے۔ لیکن افسوس
ہے کہ محمد شاہ تغلق ایک بیباک اکھڑ اصول جابر تھا۔ بدقسمتی سے وہ اپنے جذبات
پر قابو نہ رکھتا تھا اور اُس کی چھبیس سالہ سلطنت مصائب و آلام کے واسطے
مشہور ہے۔ ابن بطوطہ لکھتا ہے کہ " اس میں صفات متضاد اور فوق العادت خصائل
تھے۔ اُس کی داد و دہش ایسی تھی کہ گویا ہاتھ میں پڑی نہ تھی مع ہذا خون کے
ندی نالے بہا دینا بھی اُس کا ادنیٰ کرشمہ تھا۔ ملکی پیچیدگیوں اور بیماری نے ٹھٹھے
کے مقام پر اُس کا خاتمہ کر دیا۔ سلطنت کی حالت اس وقت بہت متزلزل تھی۔
اُس کا بھانجا اور جانشین فیروز شاہ تغلق ایک ہر دل عزیز بادشاہ تھا اور ساتھ ہی
اس کے بہت نرم دل بھی تھا۔ وہ ہمیشہ محمد بن تغلق کی سختیوں کو سخت تاسف کی نگاہ سے
دیکھتا رہتا تھا۔ تخت پر بیٹھتے ہی اُس نے سب سے پہلے تلافی مافات اور مرحوم
کی روح کو ایصال ثواب اور مواخذۂ عقبیٰ سے بچانے کی کوشش کی۔ گناہ دو قسم کے
ہوتے ہیں حقوق اللہ اور حقوق العباد۔ حقوق العباد بدون شخص متضرر کے معاف کیئے کے ساقط
نہیں ہوتے۔ فیروز شاہ کی نیک دلی نے بہت کچھ اشک شوئی کی اور لوگوں کے زخمی
دلوں کو چنگا کیا۔ جن جن کے ہاتھ پاؤں اور ناکیں کٹوائی تھیں یا آنکھیں نکلوا ڈالی
تھیں سب کو بہت کچھ دے دلا کر استمالت اور دلجوئی کی اور اُن کے تحریری معافی نامے
ایک صندوق میں رکھ کر بادشاہ کے سرہانے دفن کرا دیئے تاکہ ارحم الراحمین اپنی
رحمت سے اُس کی خطاؤں پر قلم عفو پھیر دے ع۔ حق مغفرت کرے عجب آزاد مرد تھا

رباعی

ممکن نہیں عبد سے عبادت تیری لطف و کرم و عطا ہے عادت تیری
قطرہ قطرہ ہیں گو کہ عصیاں میرے دریا دریا مگر ہے رحمت تیری

دلی میں سنگ سرخ کی عمارتیں کثرت سے ہیں لال قلعہ اور جامع مسجد میں زیادہ تر

سنگ سرخ ہی ہی مگر تغلق شاہ کے مقبرے کا سنگ سرخ ایسے چھپو آئے شوخ رنگ
کا ہی کہ آج بھی نظر میں کھبا جاتا ہی - ایک تو پتھر چنندہ اُس پر پالش ایسی کہ نظر پھسلتی ہی
پھر وصل ایسا کیا ہی کہ باوجود صدہا برس گزر جانے کے اب تک ایک درز بھی نہ کھلی ایسا
معلوم دیتا ہی کہ آج بنا ہی - قلعہ کے پاس مغرب کی طرف یہ مقبرہ ہی - گنبد کا طرز مصری
وضع کی عمارتوں کا ہی دیواریں اوپر سے سکڑی نیچے سے چوڑی - اسی طرز کا دلی
میں قاضی کے حوض کا پولیس سٹیشن بنا ہی - دیواروں میں اجارے تک
سنگ مرمر لگا ہوا ہی - فرش سنگ خارا کے چوکوں کا ہی - اندر تین قبریں دو ایک ہی
وضع کی ۹ × ۵ × ۵ فٹ - مشرق کی طرف کی قبر ۹ × ۴ × ۴ فٹ ہی - یہ قبریں مشرق کی طرف
ہٹا کر بنائی گئی ہیں مقبرے کے وسط میں نہیں ہیں - معلوم ہوتا ہی کہ اور قبروں کے
لیئے عمداً جگہ چھوڑی گئی ہی - تینوں طرف کے دروازوں کے اوپر سنگ مرمر کی جالیاں
ہیں - مغرب میں پیش طاق اور دروازہ بند ہی - دروازوں کی چکلاں چھ فیٹ کی ہی -
مقبرہ اندر سے ۲۸ فٹ - ۹ - انچ مربع ہی - مقبرہ باہر سے مثمن ہی جس کا ہر ایک ضلع ۰ فٹ
ہی - جنوب کی طرف ایک سہ گیے دالان کے باہر وار ایک کنواں ہی جو پردے کا کنواں
کہلاتا ہی - اس طرف تہ خانے کا دروازہ ہی جو اندر ہی اندر چلا گیا ہی -
گرد مقبرے کے ایک وسیع کنگورے دار فصیل نما کمپونڈ ہی جس کی دیوار ۱۲ فیٹ اونچی
ہی جس میں (۴۶) کوٹھریاں ہیں - کمپونڈ کے چاروں کونوں میں سہ دریاں بنائی ہیں -
مقبرے اور کمپونڈ وال کے درمیان ۲۹ ½ فٹ کا فصل ہی - کمپونڈ وال کیا ہی قلعے کی
فصیل ہی کہ بہت بلند کرسی دے کر مقبرہ بنایا ہی - کمپونڈ کے چاروں کونوں پر برج نما
فیل پائے دمس کی طرح کے بنائے ہیں - مقبرے کے مشرق میں ایک دالان
میں قبر کا ایک تعویذ سنگ خارا کا ۲ فٹ ½ × ۱ فٹ - ۴ انچ - ۱ فٹ - ۷ انچ اونچا ہی - لوگ کہتے ہیں
کہ یہ کتے کی قبر ہی مگر مجھے اس میں شک ہی - مجھے تو وہ کسی قبر کا اکھڑا ہوا تعویذ معلوم
دیتا ہی جو اس دالان میں یونہیں لا کر ڈال دیا ہی - مسلمانوں کے ہاں تو کتا ناپاک ہی
پھر اُس کی قبر کیسی - مجھے تو یہ لوگوں کی من گھڑت معلوم دیتی ہی - مقبرے کا سنگ سرخ
کا صدر دروازہ گو بڑی کرسی دے کر بنایا ہی مگر مقبرے اور کمپونڈ کے لحاظ چھوٹا ہی
۳۸ فٹ کی اونچان اور چھ فیٹ کی چوڑان کا دروازہ بالکل غیر موزوں ہی پٹ چوبی ہیں

مگر زمانۂ حال کے پہلے کے اصلی کواڑ نہیں رہے - کلس سنگ سرخ کا ہے اوپر کا نوکدار حصہ ٹوٹ گیا حصۂ زیرین باقی ہے - اس گنبد میں اوپر چڑھنے کا کوئی زینہ نہیں رکھا گیا

مقبرے کے دروازے کے پاس کا نامعلوم مقبرہ

سلطان محمد تغلق کے مقبرے کے کمپونڈ کے اندر مشرق کے کونے میں اور صدر دروازے کے باہر کونے میں خدا جانے کس کی قبریں ہیں جو فیروز شاہ کی ترمیم کے وقت بھی موجود تھیں بس اتنا ہی سٹیفن صاحب لکھ کر چپ ہو گئے اور سر سید نے تو اس برج کا ذکر ہی نہیں کیا - مقامی لوگ ان قبور کو محمد تغلق کے وزرا اور اُن کی بی بی کی قبریں بتلاتے ہیں مگر نام کسی کا نہیں لیتے - مقبرے کے داخلی دروازے پر ایک لمبا چوڑا کتبہ ہے جو باوجود غور کے مجھ سے پورا نہیں پڑھا گیا لیکن بادشاہ کا نام علاء الدولہ والدین صاف ہے جس کا زمانہ ۱۲۹۵-۱۳۱۵ء ہے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اس بادشاہ کے عہد میں یہ مقبرہ بنا اور طرز عمارت اور کتبوں کے خط کی روش بھی علائی دروازے کی سی ہے - کتبہ میں سے صرف اس قدر عبارت نکلی ہے :- " باب عمارت خیر در عہد ہمایون مجلس اعلی ...... عالم علاء الدولہ والدین المظفر ...... "

یہ مقبرہ ہے تو چھوٹا سا جس کا قطر ۱۹½ فٹ ہے مگر بہت خوب صورت ہشت پہل نہایت پالش کیے ہوئے سنگ باسی اور سنگ خارا کا بنا ہوا ہے جس کا ایک ضلع ۱۱ فٹ ہے - اندر تو آٹھ در ہیں مگر دروازے دو ہی ہیں ایک جنوب میں دوسرا مشرق میں جو تنگ اور پست ہیں اس سبب سے مقبرے کے اندر تاریکی رہتی ہے - گیلری ۲ فٹ ۷ انچ چوڑی ہے مقبرے کے اندر صرف دو قبریں ہیں ایک سنگ مرمر کی ۷ فٹ ۳ انچ × ۲ فٹ ۸ انچ - ۳ فٹ ۴ انچ - اونچی - دوسری گچ کی ۵ فٹ ۱۰ انچ × ۲ فٹ ۷ انچ - ۲ فٹ ۳ انچ اونچی - ہر ہر در کی محراب پر کلام مجید کی آیتیں کثرت سے لکھی ہوئی ہیں -

جنوب کی طرف - پہلی آرچ - بسم اللہ - قل ھو اللہ - دوسری - شَہِدَ اللہُ اَنَّہٗ لَآ اِلٰہَ اِلَّا ھُوَ تا وَھُوَ الْعَزِیْزُ الْحَکِیْمُ اور آیۃ الکرسی - تیسری - بسم اللہ - قل ھو اللہ - چوتھی - پانچویں - چھٹی آیۃ الکرسی - ساتویں بسم اللہ - قل ھو اللہ

آٹھویں سنشہد اللہ اور آیۃ الکرسی۔

مشرق کی طرف - پہلی آرچ - بسم اللہ قل اللھم مالک الملک توتی الملک من تشاء و تنزع - دوسری الملک ممن تشاء تا انک علی کل شیء قدیر - تیسری تولج اللیل فی النہار تا وترزق تشاء بغیر حساب -

چوتھی - بسم اللہ انا فتحنا لک فتحاً مبیناً تا ما تقدم من ذنبک - پانچویں و ما تاخر تا و ینصرک اللہ نصراً عزیزاً - چھٹی - ھو الذی انزل السکینۃ تا وللہ جنود السموات والارض - ساتویں تا فوزا عظیماً - آٹھویں - ویعذب المنفقین والمنفقت تا عزیزاً حکیماً -

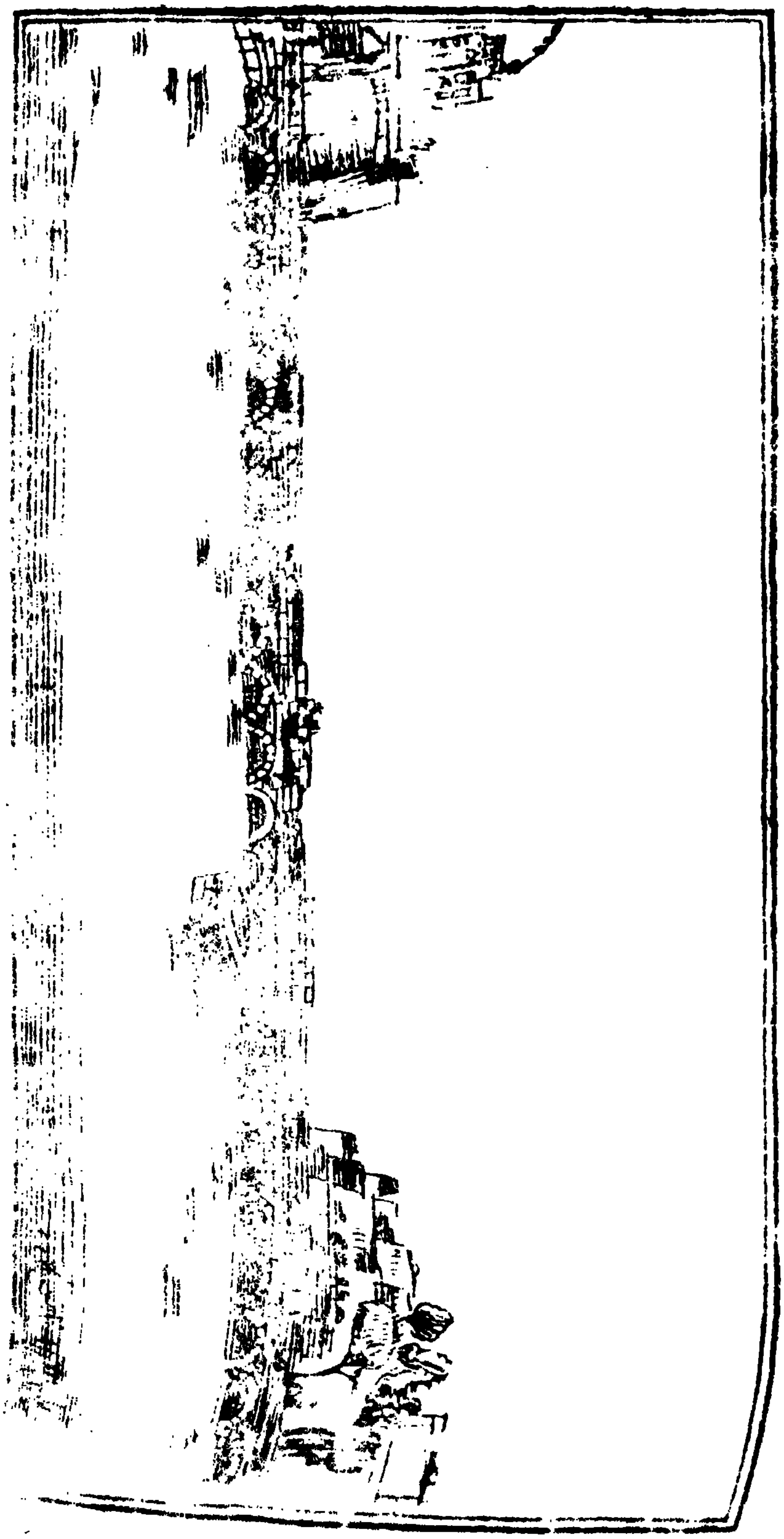
بالائی محرابوں پر - (۱ و ۲) بسم اللہ سورۃ والفجر -

(۳) بسم اللہ - سورۃ قل (او ر آیۃ الکرسی تا لہ ما فی السموات -

(۴) وما فی الارض تا الا بما شاء - (۵) وسع کرسیہ السموات تا وھو العلی العظیم - (۶) لاحول ولا قوۃ الا باللہ العلی العظیم - رب قد آتیتنی من الملک وعلمتنی تا والحقنی بالصلحین - (۷) یسئلونک عن الخمر والمیسر تا لعلکم تتفکرون -

اب صرف ایک کتبہ رہ گیا اور وہی بڑا اہم ہی جس میں بانی وغیرہ کا نام ہی یہ جنوب رخ پر دروازے کی دہلیز میں اندر دار لگا ہوا ہی - کچھ بہت اونچے پر بھی نہیں ہی لیکن اول تو اندھیرا ہی دوسرے یہ کہ لوگوں نے چربلے اُتارنے کی غرض سے روشنائی لگا لگا کر بالکل غارت کر دیا ہی صرف داود خاں مرحوم ہدار پڑھا جاتا ہی باقی حصہ نہیں نکلتا اگر یہ کتبہ پڑھا جا سکے تو اس مقبرے میں کون دفن ہی صحیح طور پر اُس کا پتہ معلوم ہو جائے -

فصیل مقبرہ اُس مقبرے کی فصیل اور دروازہ بھی نہایت شان دار اور بنایت خوب صورت ہی - دروازہ تمام سنگ سرخ کا ہی اور اُس میں ایک دالان ہی - تیئیس سیڑھیاں چڑھ کر مقبرے کے صحن پر پہنچتے ہیں - فصیل اُس کی نہایت عجیب ہی - سمجھ میں نہیں آتا کہ



بنانے والے نے اُس کی فصیل ایسی ٹیڑھی میڑھی کیوں بنائی شاید جس طرح کا پہاڑ ہوگا اُسی لحاظ سے فصیل کو پیچ و خم دیئے ہوں گے۔ اگرچہ یہ مقبرہ تکونیہ کوٹ کر کے مشہور ہی یعنی مثلث پر یہ بھی غلط ہی اس واسطے کہ دونوں ساقیں اُس کی مستقیم نہیں ہیں اُن کے بیچ میں بھی ایک ایک زاویہ منفرجہ پیدا ہوگیا ہی۔ فصیل میں قلعہ کی طور پر برج دبارہ بنے ہوئے ہیں۔ ایک برج تو راس مثلث پر جانب جنوب ہی اور دوسرا مثلث کے شرقی ضلع پر اور تیسرا اور چوتھا قاعدہ مثلث پر جانب شمال او رغرب بنا ہوا ہی۔ تیسرے برج پر ایک اور برج ہی اور اُس میں بھی کچھ نامعلوم قبریں ہیں اور ضلع غربی میں مقابل برج ضلع شرقی کے پکا کنواں ہی کہ اُس کا پانی مقبرے کے رہنے والوں کے خرچ میں آتا تھا۔ فصیل کے اندر کے رخ حجرے فقرا اور ساکین کے رہنے کے بنے ہوئے ہیں۔ گرد اس مقبرے کے سلطان فیروزشاہ نے پانی کا بند بنایا تھا اور مقبرے اور قلعے کے دروازے کے بیچ میں پل باندھا تھا کہ اس سبب سے اس مقبرے اور قلعے کو عجیب رونق ہوگئی تھی۔

مقبرے کا پُل یقینی طور پر نہیں کہا جاسکتا کہ یہ پُل کس نے بنایا ہی لیکن قرینہ اس بات پر دال ہی کہ یہ پُل فیروزشاہ بن سالار رجب کا بنوایا ہوا ہی جو سلطان محمد تغلق شاہ کے بعد تخت پر بیٹھا تھا۔ فیروزشاہ نے اپنے عہد میں بہت سے پُل اور بند بنائے ہیں عجب نہیں کہ یہ بھی اُسی نے بنایا ہو۔ اگر یہ بات صحیح ہی تو ۷۵۲ھ کے بعد یہ پُل بنا ہوگا۔ اس پل اور پانی کے بند بندھنے کے سبب حقیقت میں اس قلعے اور مقبرے میں جان پڑ گئی ہی۔ مشرق کی طرف تو تغلق آباد کا قلعہ ہی اور مغرب کی طرف پہاڑ اور جنوب کی طرف عمارت ہزارستون شمال کی طرف سے پانی آکر قلعے کے نیچے کوسوں تک بھرا رہتا تھا اور مقبرے کے گرد پانی بھر کر عجیب عالم دکھاتا تھا اور یہ مقبرہ کٹورہ سا

معلوم دیتا تھا۔ پانی کا لہریں کھاتا اور ٹھنڈی ہوا کا چلنا اور پہاڑوں پر سے سبزے کا دکھائی دینا جنت کی یاد دلاتا تھا۔ مقبرے کے چاروں طرف اس قدر پانی بھرا رہتا تھا کہ مقبرے میں جانے کو رستہ نہ ملتا تھا اس واسطے یہ پل مقبرے کے دروازے سے قلعے کے دروازے تک بنایا گیا تھا۔ سرسید نے جب ۱۲۶۳ھ میں آثار الصنادید لکھی ہے اُس وقت تک بھی مقبرے کے گرد پانی بھرا ہوا تھا مگر اب تو ایک قطرہ بھی نہیں زراعت ہوتی ہے۔ یہ بند پہلے بلبم گڑھ کے راجہ ناہر سنگھ کی عمل داری میں تھا جب ہی وہ شکستہ تھا اب سرکار نے اُس کی مرمت کرادی ہے۔ مقبرے سے سڑک تک پل برقرار ہے اور سڑک کی دوسری طرف سے قلعے تک کا حصہ ٹوٹ گیا۔ اب یہ پل صرف ۵ فٹ چوڑا ہے جس پر ۳ فیٹ اونچی منڈیر ہے اور گہراں ۱۹ فیٹ ہے۔ پہلی حالت قایم نہیں اب تو صرف رستے کے طور بنا دیا گیا ہے۔ در بھی ریت بھر جانے سے اٹ گئے ہیں۔ اگلے وقتوں میں بڑے بڑے نالے جو اس نواح میں جاری تھے اس بند میں کاٹ کر ڈالے گئے تھے اور قطب صاحب کے شمسی تالاب سے اس میں بارہ مہینے پانی آتا تھا چنانچہ جھرنے میں اب تک بند موجود ہے۔ اب وہ تالاب بھی ٹوٹ پھوٹ گیا اور اُس کے شکم میں بھی زراعت ہونے لگی۔ غرض یہ کہ ذرائع آمدنی مسدود ہو گئے اب پل صرف برائے نام باقی ہے۔

عادل آباد یا محمد آباد

یا عمارتِ ہزار ستون ۱۳۲۷ء ۷۲۵ھ

غضب ہے کہ دو دن ہے فصلِ بہار
چڑھے گا چمن پہ خزاں کا بخار
یہی ہستیِ چند روزہ بھی ہے
کہ دو دن میں ہے دفترِ عیش طے

اسی زندگانی پہ سب مست ہیں
کہ دو دن میں سب حوصلے پست ہیں
اسی نقشِ موہوم پر ناز ہے
جہاں اک طلسمِ خدا ساز ہے
کوئی ملک گیری میں بے تاب ہے
کوئی عیش و عشرت میں بے خواب ہے

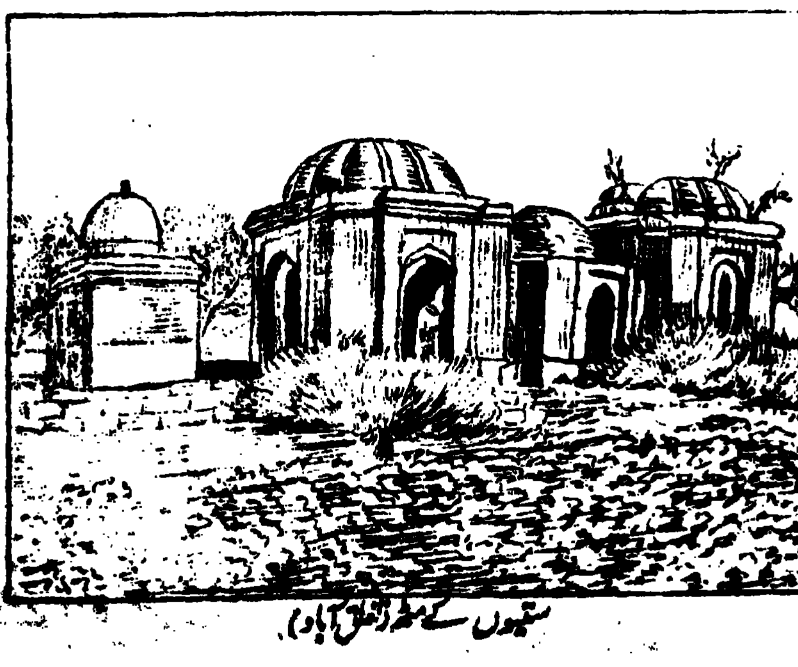
تغلق آباد کے جنوب میں اسی ــــ کے ساتھ دو قلعے اور بھی ہیں جنوب مشرق
کے کونے میں جو ایک چھوٹی سی پہاڑی ہے اُس پر کا قلعہ محمد شاہ تغلق کے نام
پر سے محمد آباد کہلاتا ہے اور چوں کہ بادشاہ کا پورا نام محمد عادل تغلق شاہ عرف
فخرالدین جونا تھا اسی کو بعض لوگ عادل آباد بھی کہتے ہیں اور ہزار ستون سنگ مرمر
کے اس میں لگائے تھے اس سبب سے "عمارت ہزار ستون" بھی کہتے تھے۔
ایسا معلوم ہوتا ہے کہ یہ مکان صرف بطور سیرگاہ کے پہاڑوں کے بیچ میں کہ میدان
ہے جس میں ہمیشہ پانی رہتا ہے اُس پہاڑی پر جو بالکل لب آب ہے یہ قلعہ بنایا اور
شہر تغلق آباد کے دروازے سے اس قلعے کے دروازے تک ایک پل بنایا
اور اُسی میدان کے غرب میں اپنے باپ کا مقبرہ بنوایا اور مقبرے اور اس
قلعے کے دروازوں کے پاس بھی پل بنوایا اور قلعے کی شمالی دیوار کے آگے
پانی کے کنارے عمارت ہزار ستون بنائی۔ اب تو اس قلعے میں کچھ باقی نہیں تمام
ساری عمارتیں گر گرا گئی ہیں اور عمارت ہزار ستون کا تو نام و نشان بھی باقی نہیں
لیکن وضع و قطع مکانات کے لحاظ سے قرینہ مقتضی اس امر کا ہے کہ ہزار ستون
کی عمارت بارہ دری کی وضع کی تھی اور دو منزلہ تھی بلکہ عجب نہیں کہ سہ منزلہ بھی
رہی ہو۔ اس قلعے کے تعمیر کی تاریخ فَادْخُلُوْهَا ہے۔ بعض لوگوں کو شبہ پڑا ہے
کہ یہ وہی محل تھا کہ جس کے تلے غیاث الدین تغلق شاہ دب کے مرا تھا حالاں کہ
یہ بات بالکل غلط ہے وہ چھوٹا سا محل افغان پور کے پاس تین دن میں ۱۳۲۴ء ۷۲۵ھ
میں بنا تھا جو بجلی کے صدمے سے گر پڑا اور وہ محمد تغلق نے زمان ولی عہدی میں
بنوایا تھا اور یہ اپنی تخت نشینی کے بعد بنوایا۔ کہاں وہ کہاں یہ؟ — ابن بطوطہ نے
اس بادشاہ کی شان میں بہت کچھ زہر اُگلا ہے اور بہت کچھ برا بھلا کہا ہے مگر اَلْحَقُّ
یَعْلُوْا وَلَا یُعْلٰی اُس کے منہ سے بھی یہ نکلا کہ "یہ بادشاہ سب سے زیادہ معدلت گستر
تھا"۔ شہر تغلق آباد کے جنوب و مشرق میں جو قلعہ ہے اُس کے کئی نام ہیں جس سے
معلوم ہوتا ہے کہ بادشاہوں کے رد و بدل کے ساتھ مقامات کے نام بھی بدلتے رہتے
ہیں۔ کوئی تو اسے "قلعہ شاہنشاہی" کہتا ہے کوئی "دھوبی کا قلعہ" کوئی "واہنا قلعہ"
دونوں قلعے بالکل چھوٹے سکیل پر قلعۂ تغلق آباد کی نقل ہیں۔ ان کی فصیل بھی پیچھے

پھیلی ہوئی اور اوپر سے سکڑی ہو جو بڑے بڑے پتھر کے ٹکڑوں سے بنی ہوئی ہے اور حصار کے اندر قلعے کے علاوہ بستی بھی تھی۔ عادل آباد کا دَور کوئی نصف میل کا ہے اور دوسرے قلعے کا اس سے بھی کم ہے دونوں قلعوں کے اندر بالاحصار مرتفع مقام پر بنا ہوا ہے جو خود فصیل سے محصور ہے۔ عادل آباد کا صدر دروازہ بالاحصار کا بھی داخلی دروازہ ہے۔ باہر کی فصیل قلعے کے جنوب میں بستی کی طرف ہو مشرق کی جانب تغلق آباد کے سلسلے کے شمول سے فصیل دوہری ہو گئی ہے اور پل کے برابر دور تک چلی گئی ہے جو نشیب میں بنا ہوا ہے۔ اس قلعے میں ہزار ستون نامی ایک مشہور محل تھا جو علاء الدین خلجی کے اسی نام کے محل سے بالکل جدا تھا اور جو بعد میں جہاں پناہ کے حصار میں آگیا تھا۔ سرسید نے اس محل کے متعلق لکھا ہے کہ اس کے ستون سنگ مرمر کے تھے اور یہ محل سہ منزلہ تھا۔ لیکن ابن بطوطہ اس کے خلاف اسے ایک بڑا ہال لکھتا ہے کہ "جس کے ستون چوبی وارنش کیے ہوئے تھے اور چھت بھی چوبی تھی جس پر نہایت عمدہ اور نفیس رنگ کیا ہوا تھا"۔ دوسرا قلعہ گو چھوٹا ہے مگر وضع قطع میں پہلے قلعے کی طرح کا ہے۔ اس قلعے کے چاروں طرف مکانات اور عمارات کے کھنڈر پڑے ہیں اور جا بجا گھڑے گھڑائے اور نقش و نگار کیے ہوئے پتھروں کے ٹکڑے بکھرے ہوئے ہیں۔

ستیوں کے مٹھ

تغلق آباد کے پاس ہی ایک پہاڑ پر چار برج ہندوانی وضع کے بنے ہوئے ہیں جو کہتے ہیں کہ ہندوانی عورتوں کے ہیں جو اپنے شوہروں کی وفات کی وجہ سے ستی ہو گئیں اور زیادہ کوئی تفصیل معلوم نہیں۔

حصہ سوم واقعات دارالحکومت دہلی



بالمقابل

ستیوں کے مٹھ (تغلق آباد)

ضمیمہ (۱) فرامین شاہی وغیرہ

دہلی کے عجائب خانۂ آثار قدیمہ واقع قلعہ میں بہت سے فرمانوں اور مراسلوں کو بڑی خوش اسلوبی سے سجایا ہے۔ یہ ایک نادر مجموعہ ہے جس کی نقل ہم ناظرین کے سامنے پیش کرتے ہیں۔ عجائب خانے کے فرامین کے علاوہ بھی کچھ دستیاب ہوئے تھے وہ بھی اس میں درج کیئے گئے۔ فرمانوں کی خطاطی اور عبارت آرائی دونوں قابل قدر ہیں۔ اب اس زمانے میں نہ یہ خط باقی ہیں نہ یہ سیاہی میسر آتی ہے جو صدہا سال کے بعد بھی ایسی منجلی ہے کہ گویا آج کا لکھا ہوا ہے۔ ان فرامین کے ملاحظہ سے پرانے زمانے کی شاہی مراسلت اور احکام کا طرز اس زمانے کے محصولات مقامی کے نام ایسے نظر سے گزریں گے جن سے ہمارے کان آشنا نہیں۔ فرامین کے نقل کرنے میں تا بہ امکان اصل فرامین کی طرز کتابت کا تتبع کیا گیا ہے زمانۂ حال کی املا نویسی کے طریقے کی پابندی نہیں کی گئی اور جہاں سطر ختم ہوئی ہے وہاں ایک چلیپہ بنا دیا گیا ہے۔ یہ تمام فرامین اس قابل ہیں کہ ان کے فوٹو دیئے جاتے مگر اس صرف خطیر کے بار کا تحمل ناممکن تھا پھر بھی آپ کو صحیح نمونہ دکھلانے کے لیئے دو فرمانوں کے فوٹو دیئے ہیں اسی پر سے ان کی خوبی کا اندازہ ہو سکتا ہے۔

(۱) فرمان سلطان علاءالدین خلجی بنام راجہ رتن سین راجہ چتوڑ مع جواب راجہ موصوف

بسمع[1] اقدس وہمایون ما رسیدہ کہ آن زبدۂ راجگان عقیدت نشان کنیز خوش جمال فرخندہ خصال از جزیرۂ سراندیپ آوردہ است باید کہ آں تحفۂ صنعت الٰہی و نمونۂ ندرت ایزدی را بزودی روانۂ درگاہ فلک اشتباہ ما سازد ہر آئینہ بظہور این خدمت شایستہ مورد تفضلات شاہی و مطمح نظر الطاف خسروی تواند بود و در صورت انحراف و نافرمانی بپاداشش کردار خواہد رسید۔

عرضی جوابی راجہ رتن سین برضمیر آفتاب نظیر آں خدیو کشور گیر مخفی نخواہد بود

---

[1] یہ واقعہ ۳۰۳ھ کا ہے۔ ۱۲

کہ شاہان دین دار و خواقین معدلت شعار حرمات محترمات و مخدرات محصنات فدویان خاص و جان نثاران با اختصاص را ننگ و ناموس خود تصور می فرمایند و ذوات قدسی صفات خویش از ظل الحق دانسته مخلوق الہی را بزیر سایۂ حفاظت و امنیت خود نگاہ می دارند نہ باغواے نفسانی و ترغیب شہوانی از حد حق پرستی و دائرہ خداشناسی بیرون شتافتہ راہ ناواجب طی می نمایند ـ حیف است کہ مسیحا کار اجل فرماید و خضر طریقہ گمرہی نماید ـ پاسبان را دزد شدن نشاید و راعی را گرگ بودن نباید و اگر غیرت حق طویت ہمی اقتضای کند بسم اللہ این گوے و این میدان ـ

فداے مقدمت پیمانۂ چند بیا و نوش کن پیمانۂ چند

لیکن معلوم است کہ در عالم غیرت و ناموس ذرہ با خورشید ہمچشمی می کند و مو با سلیمان مقابل میشود ـ اینک رخش ہمت و مردانگی ما در صف و سر شجاعت و شیر دلی بر کف

دست بگیر و سر شمشیر تیز وقت ضرورت چو نماند گریز

(۲) عرضداشت خان اعظم مرزا کوکلتاش بجواب فرمان اکبر بادشاہ کہ از مکہ معظمہ فرستادہ بود منقول از دربار اکبری

کمینۂ فراشان آستان کیوان مکان ملایک آشیان خاقان جمشید نشان فریدون شان کیخسرو دستگاہ کیومرث بارگاہ سکندر جاہ عالم پناہ انجم سپاہ آسمان خرگاہ ظل سبحانی عزیز کوکہ بعرض میرساند کہ راے انور بر طلب این غلام کمینہ فایض و صادر گشتہ بود جان و دل ـ اگہ خلاصۂ آب و گل است با جمعی کثیر از زرو سائے اخلاص و ابتہال بخدمت حجاب درگاہ گیہان پناہ کہ مبداے سخا و منشا عظمت و کبریا است فرستادن چون مفتی عقل و فتوی قاضی گمان بلکہ یقین سجل ہجران مہجوری کہ در دست ملے و رہان نوشتہ دادہ بود بر ناقابلی فرسودہ دست ملالت و در گردن کردہ ماند چون دانست ہم یقین کہ احادیث تحریک اعدا موثر و کارافتادہ مزاج اشرف را بعنیت وحشی کہ بسامع جاہ و جلال رسانیدہ از کمینۂ درگاہ منحرف ساختہ اند و ہادی راے عالم آرائے

بساط بوسان آن درگاه به قتل و قمع این سفله گناه رهنمون گشته بخاطر رسید که چشم
خاکسار سفلی مقدار را که در خدمت قابلان آن درگاه آسمان نشان پرورش یافته بمرتبهٔ اعظم خانی
و عزیز کوکگی و حکومت گجرات سرافراز شده هم بواسطهٔ این تشریفات بخاک مکهٔ معظمه
مقدسهٔ منوره رسانیده که با کافران هندوستان جمعی را که پروردهٔ خوان الوان انعام
و احسان بادشاه جهان پناه باشد در یک خاک و در یک محل مدفون سازد محض گستاخی
و غایت سفله ادبی است و لاجرم گجرات را که آنکه معمورهٔ دارالسلطنة بود به معتمدان سپرده
غبار ملال و اختلال خویش را از گوشهٔ خاطر خاکروبان آن آستان ملائک آشیان شسته
دست از مطالبات آنجا و پاے ادب را کوتاه ساخته مواشی که محض بسعی جانسپاری
خود از معارک کفار جمع ساخته بود بدست عدل بیرون آورده از حلال ترین چیزها
دانسته سفر گزیده آن قدر جمعیت از مکاسبات مذکور بدست آورد که اگر خواهند منصب
اعظم خانی را در بارگاه بادشاه روم کی اشرف مکان ربع مسکون بتصرف ایشانست
میتواند خرید - اما خلاصهٔ همت مصروف آنست که وظیفه بردم مستحق مصالح پاک دین آن
ملک مقرر سازد ۔ مدرسه بنام نامی حجاب بارگاه بنده پرور حضرت خاقانی باتمام رساند
که تا انقراض عالم ورد زبان مورخان جهان باشد و خود در ان مدرسه بحث علوم دینی و فکر شعر که
عبارت از توحید و نعت و منقبت اصحاب بوده باشد و دعاے دولت روز افزون
اشتغال میداشته باشد - امید آنست که از رفتن این کمترین غلامان بر حاشیهٔ ضمیر
خاکروبان آستان غبارے نخواهد نشست بلکه مطلب سخن چینان و عیب کنندگان که
عدم بود این معدوم است بحصول خواهد پیوست که منصب اعظم خانی و حکومت گجرات
و عشرت عزیز کوکگی را بایں محروم سفلے شمرند بناچار جمع مذکورات را پیشکش عیان
نموده که ایشان را میسر نیست بدون بنده و ممکن که این کمینه را میسر باشد بدون
ایشان چون آخر الامر نسیم لطف شامل حال بوستان مطالب و مقاصد دیگران
شد و نهال امید و حقوق خدمت بنده را سموم محرومی خشک سالی بخشیدند - بنده
از فدوی که نهاد عاقبت اندیشی با بسگان آن آستان چند کلمه گستاخی نموده بعرض
می رساند که جمعی خاطر اشرف را از دین محمد صلی الله علیه وسلم بیگانه و متجنب می سازد
حاشا که دوست باشند و کمینه که نیک نامی دنیا و عقبی می طلبد دشمن و واجب الاخراج

باشم والا کار دنیا بازیچہ ایست ناپائدار بر حرف دو سہ خوش آمد گوئی آخرت بدنیا فروش اعتماد نباید کرد - ہمہ عالم را گوش ہوش است - پیش ازیں سلاطین بودہ اند کہ ہمہ صاحب تمکین بودند ہیچ بادشاہ را دغدغہ نہ شد کہ دعوی پیغمبری و نسخ دین محمدی نماید - بل با ولے کہ چوں مصحف انجازی چوں چہار یار چند بار پسندید صاحب وشق قمر با مثال ایں چیزہا واقع نبود مردم میکند یا رب و غدغہ چہار یار بودن کدام صحابی رامی شدہ باشد - قلیج خاں صفائی ظاہر و باطن و عصمت جبلی دارد یا صادق خاں کہ شرف رکابداری از بیرام خان یافتہ یا ابو الفضل کہ شجاعت و حیایش بجای علی و عثمان می تواند بود - بخداوند بخاکپاے بادشاہ قسم جز عزیز کسی کہ نیکنامی طلب باشد نیست و ہمہ مدار بر خوش آمد و روز گذرانیدن دارند و آنکہ نیکنامی طلب بندہ است کہ تا بود جز حرف نیکنامی بر زباں نہ آید الحال ہم در مکۂ مقدسہ منورہ کاری نخواہد کرد کہ خلاف نیکنامی باشد - ؎

خلاف پیمبر کسے رہ گزید کہ ہرگز بمنزل نخواہد رسید

فرقے کہ میان اکابر مجلس بہشت آئین و بندۂ کمترین است ہمین است کہ ابو الغازی در فرمان بندہ اضافہ کردہ دیگران کافران را بر مسلمانان ترجیح دادند کہ بر صحف لیل و نہار خواہد ماند - آنچہ بر بندہ واجب است در آں تقصیر نرفت والدعا -

(۴۲) فرمان مہری شاہنشاہ جہانگیر - جس کی رو سے پچاس بیگہ اراضی پرگنہ سکیت میں فیروز خاتون زوجۂ سید محمود کو بطور مدد معاش عطا ہوئی مورخہ [illegible] جلوس مطابق [illegible] ھ - پشت فرمان پر مہر غیاث الدین کی ہے جو زیادہ تر اپنے خطاب اعتماد الدولہ سے مشہور ہیں اور مشہور نور جہاں بیگم کے والد تھے جو شاہنشاہ جہانگیر کی چہیتی بیگم تھیں - مہر میں یہ کندہ ہے (مرید شاہ جہانگیر شد غیاث الدین)

درینوقت فرمان عالیشان سعادت نشان شرف اصدار وعز ....

یافت موازی پنجاہ بیگہ زمین افتادہ لایق زراعت بار آبھے از پرگنہ سکیت سرکار ×

از ابتداے خریف تو شقان ییل در وجہ مدد معاش مسماۃ فیروز خاتون کوج

محمود وغیرہ با فرزندان بموجب ضمن مقرر و مسلم شد کہ × حاصلات آنرا فصل بفصل سال بسال

در وجہ معیشت خود خرج و صرف نمودہ بدعاگوئی دوام دولت ابد قرین اشتغال نمودہ باشند
می باید کہ حکام و عمال و جاگیرداران و کروریان حال و استقبال و استمرار و استقرار این حکم
اقدس اعلی کوشیدہ اراضی مذکور را پیمودہ و چک بستہ بتصرف آنہا بازگذاشتہ
اصلاً تغییر و تبدیل بدان ندہند و بعلت مالوجہات و اخراجات مثل قلغہ و پیشکش و جریانہ
و ضابطانہ و محصلانہ و مہرانہ و بیگار و شکار و دہ نیمے مقدمی و صدروئی قانون گوئی
و ضبط ہر سالہ بعد از تشخیص چک و تکرار زراعت و کل تکالیف دیوانی و مطالبات
سلطانی مزاحمت نرسانیدہ دریں باب × ہر سال فرمان و پروانہ مجدد نطلبند و اگر
محلی دیگر چیزی داشتہ باشد آنرا اعتبار نکنند از فرمودہ در نگذرند تحریراً فی التاریخ
۳۱ ؍ خورداد ماہ الہی سنہ ۔

(۴) فرمان مہری شاہنشاہ شاہجہاں جس کی رو سے عہدۂ صدارت
سرکار سنبھل اور بدایوں مع یومیہ دو روپیہ جس کی ادائی خزانۂ اکبرآباد سے کی جائے گی
بنام شیخ فتح محمد جو داماد تھے ملا عبداللطیف کے مورخہ ۱۴ ؍ رمضان سنہ جلوس
شاہجہانی (۱۸) مطابق سنہ ۱۰۵۴ھ ؍ ۱۶۴۴ء

اللہ اکبر

دریں وقت عالیشان سعادت نشان شرف اصدار دایراد دریافت کہ × خدمت
صدارت سرکار سنبھل و سرکار بدایوں بفضیلتماب شیخ فتح محمد خویش × ملا عبداللطیف
سلطانپوری و مبلغ دو عدد روپیہ روزینہ بلاقصور از خزانۂ دارالخلافۂ اکبرآباد
بشرط مذکور در وجہ مدد معاش مشار الیہ حسب الضمن مقرر و مفوض باشد کہ کما ینبغی
بلوازم و × مراسم آنخدمت قیام و اقدام نمودہ در تحقیق فوتی و فراری ارباب مدد معاش
و وظائف و بازیافت تغلب و لباکس آنہا مساعی موفورہ بتقدیم رسانیدہ موافق
دستور و قانونی کہ دریں ولا مقرر شدہ × بہ عمل آوردہ ہر سال نسخۂ منقح دراں باب
درست داشتہ بدیوان الصدارہ میرسانیدہ باشد می باید کہ حکام و عمال و متصدیان
مہمات و جاگیرداران و کروریان حال و استقبال در استمرار و استقرار این حکم اشرف اقدس
اعلی کوشیدہ دست متصدی مومی الیہ را در امور متعلقۂ آں امر قوی و مطلق داشتہ

تمامی اصحاب مدد معاش و وظایف را با اسناد آنہا بدو رجوع نمودہ × بموجب تصحیح و منظورہ معتمد شناسیدہ اراضے و وظیفہ جمعی راکہ باز یافت نماید بخالصہ شریفہ ضبط نمایند و متصدیان مہمات دیوانی دار الخلافہ مذکورہ مبلغ مزبور را سامان و سرانجام نمودہ بموسے الیہ میرسانیدہ × باشند و چیزی از انجملہ قاصر و منکسر نگردانند و اگر دیگر محالے دیگر چیزی داشتہ باشند آنرا اعتبار نکنند سبیل جمیع اہل مدد معاش و وظایف آں سرکار ہا آنکہ مشار الیہ را صدر مستقل خود ہا دانستہ تمامے اسناد خود را × بد نمودہ اراضے جمعی را بتصحیح نرسانند قابض و متصرف بودہ بدعاے دوام دولت ابدی الاتصال اشتغال مینمودہ باشند از فرمودہ تحاشی و انحراف نورزند تحریراً فی التاریخ ۱۴ شہر رمضان المبارک ۳۰ جلوس میمنت مانوس ۱۰۶۶ ہجری۔

(۵) فرمان مہری شہزادہ داراشکوہ موسومہ راجہ ٹوڈرمل مزینہ

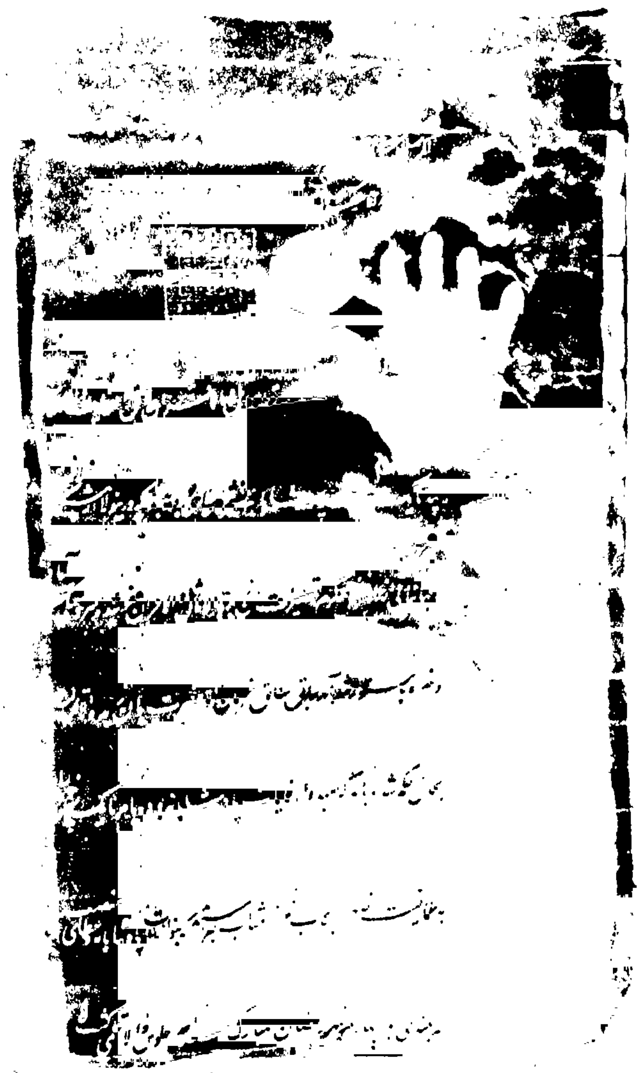
۲۰ محرم ۱۰۶۰ ہ

۲۲ جنوری ۱۶۵۰ ع

لایق العنایہ والاحسان قابل الرحمہ والامتنان راجہ ٹوڈرمل بعنایات × سلطانی مفخر و مباہی گشتہ بداند کہ چوں وزیر لا شیخ اللہ داد نواسہ ملا عبد اللطیف مرحوم بعرض عالی کہ آنمرحوم بموجب فرمان خجستہ عنوان ظل سبحانی خلیفۃ الرحمانی یکقطعہ باغ و کٹرہ و دکاکین چند در × قصبہ سلطان پور داشت و در حالت حت...[1] س و ثبات عقل ہمہ املاک خود را مع حویلی مسماۃ اللہ ستی کہ والدہ رافع باشد بطوع و رغبت خود × تملیک نمودہ و تملیک نامہ را بدستخط و مہر خود درست کردہ بدو دادہ چنانچہ رافع فرمان عالیشان و خط تملیک مزبور بدست ....[2] لہذا احکم والا × شرف صدور یافت کہ آں شجاعت شعار بر طبق فرمان و تملیک نامہ مسطور عمل نمودہ

---

[1]و[2] دونوں جگہ کے حروف کاغذ پھٹ جانے سے ضائع ہو گئے ہیں۔ پہلی جگہ باقیماندہ س و سیاق عبارت سے معلوم ہوتا ہے کہ ہوش و حواس ہوگا۔ حت کا مطلب سمجھ میں نہیں آتا۔ ۱۲



فرمان [illegible] پاد[illegible] [illegible]

ادراک [illegible] مقرر و مسطور [illegible]
[illegible] و متعرض احوال او نشوند [illegible]
[illegible] نوازند [illegible] تحریر [illegible]

پروانہ فرمان عالمگیری

۱۰۶۸

[illegible]

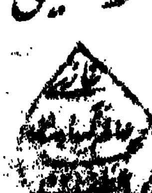
[illegible]



[illegible]

مہاشبان [illegible]

له یہ فرمان [illegible] سال جلوس [illegible]
اس پر ایک چھوٹی مہر ہے جو [illegible] میں ہوتی ہے
[illegible] پر سال جلوس [illegible]
[illegible] ہیں جس کی عبارت [illegible]
بخط نستعلیق



املاک مذکور را برافع مقرر و مسلّم دارد و قدغن نماید کہ احدے بیوجہ حساب و برخلاف حکم مزاحم و متعرض احوال او نشود و در آن املاک مداخلت ننماید درین باب تاکید شناختہ تخلف نورزد — ۲۰ محرم سنہ ۱۰۶۰ ہجری —

(۶)

پہلا فرمان عالمگیری

سنہ ۱۰۶۸ھ / ۱۶۵۹ء

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الحمد و الشکر
اگر مسلمان
می شد برادر
دین ما شدے محفوظ می ماند و از بلاے
بے وطنی و غمہا بعید محفوظ می ماند اما چون مسلمان نشد



زبدۃ الاماثل والاقران لایق العنایت والاحسان

پیڈ نایک بعنایت بادشاہانہ مفتخر و مباہی بودہ بدانند کہ دریں ولا از پیشگاہ خلافت و جہانبانی از راہ فضل و کرم تقصیرات آں زبدۃ الاماثل والاقران عفو شدہ سر ویسکی نصرت آباد

لہ یہ فرمان سنہ ۱۰۶۹ء سال اول جلوس اورنگ زیب کا پیڈ نایک راجہ شوراپو ضلع گلبرگہ کے نام کا ہے اس پر ایک چھوٹی مہر ہے جو بالکل مٹی ہوئی ہے اور دوسری مربع ہے جس میں طغرائے سرخی ہے لیکن دوسرے دو فرمان چھتیسویں سال جلوس کے چکنا نایک دوسرے راجہ شوراپور کے نام ہیں ان پر بھی ایسی ہی مہریں ہیں جن کی عبارت ہم نے خوردبین کی مدد سے بدقت تمام پڑھ لی ہے —

بخط نستعلیق

بسم اللہ الرحمن الرحیم

نشان عالی متعالی
پادشاہ
جہان شاہ
اعظم شاہ

فرمان ابوالمظفر
محی الدین اورنگ زیب عالمگیر
پادشاہ غازی



غازی
محمد عالمگیر پادشاہ
محمد اعظم شاہ

وغیرہ بدستور شد آمد سابق مطابق فرمان والا حضرت بآں زبدۃ الاقران بحال گشتند بایدکہ امیدوار عنایات پادشاہانہ بودہ پام نایک پسر خود را بہ طمانیت خاطر بہ رکاب ظفر انتساب بفرستند کہ بنوازشات پادشاہانہ و عطائے منصب سربلندی یابد چہارم شہر رمضان المبارک سنہ احد جلوس والا قلمی گشت ۔

(۷) بسم اللہ الرحمن الرحیم

سیادت و نقابت مرتبت نجابت و شرافت منزلت نقاوہ دودمان ارشاد و ہدایت خلاصۂ خاندان رشاد و افاضت نیر جہانتاب برج رسالت اختر نور بخش اوج ولایت المختص بعواطف الباطنی والظاہری شاہ حضرت قادری بفیض ایزدی بہرہ ور باشند بعد ہٰذا مخفی نماند کہ سابقاً حقیقت رسیدن مغل بموضع کرباسنگی و تکیوتہ نگارش فرمودہ بسارعت تمام فرزند و لشکر و احتشام ل عالیشان رفیع القدر بلند مکان مسعود خاں را بحضور انور آوردن نگاشتہ شدہ بود اما تا حال آں مکان متمکنہ عدول نکردند و احوال اینجا اینست کہ لشکر مغل در پی تخریب پرگنہ جمکندی تیرول وغیرہ ملک معمور شدہ و خان رفیع الشان شرزہ خاں را کہ حکم فرمودہ بودیم معز الیہ ہست بدار الخلافہ امروز کہ تاریخ ششم است بمجرد اطلاع اخبار حادثات رسیدند و غلغلہ مغل مشار الیہ می رسد یقین تصور نمودہ در حالیکہ حقیقت مرقومہ بمطالعہ درآید مع فرزند و لشکر و احتشام خاں معز الیہ راہ دار السلطنۃ پیش گرفتہ بیایند

یا محی الدین مدد

والا رسیدن بآں سیادت پناہ ممکن و میسر نخواہد شد مشہور است کہ کار امروز بفردا مفگن ہاں زنہار چوں شود روز دگر نوبت کاری دگر است الحال بجز جنگ و جدال و قتل و قتال صورتی دیگر مقصود نیست زیادہ آں سیادت پناہ دانا اند

نوٹ ۔ یہ اصل فرمان مجھ کو سید احمد صاحب نبیرۂ قادری جاگیردار آنا ہسور سے ملا ہے جو نہایت خوش خط سنہری ڈگلی دار کاغذ پر لکھا ہوا ہے ۔ اس پر کوئی تاریخ نہیں ہے مہر دستی میں صرف مدد یا محی الدین کندہ ہے جو فرمان کے داہنے حاشیہ پر ثبت ہے اور کسی وزیر کی معلوم ہوتی ہے مگر بلحاظ واقعات اواخر زمانۂ سلطنت علی عادل شاہ ثانی (۱۰۶۶ تا ۱۰۸۳ھ) یا اوائل سلطنت سکندر عادل شاہ کا معلوم ہوتا ہے کہ اُس زمانے میں سید الیاس المخاطب بہ شرزہ خاں اور مسعود خاں دونوں موجود تھے اور شرزہ خاں کے نام اورنگ زیب کا فرمان ۱۰۹۳ھ کا علیحدہ (بقیہ نوٹ برصفحۂ آئندہ)

بسم الله الرحمن الرحيم

سیادت و نقابت مرتبت نجابت و شرافت منزلت سعادت و ارشاد و هدایت خلاصه خاندان شاه ولایت

شاه حضرت قادری

مهر جهانتاب برج سیادت اختر تابنده اوج ولایت المختص بلطف الباطنی والظاهری بفیض ایزدی

بهره ور باشند بعد هذا مخفی نماند که سابقا حقیقت رسیدن غنیم بموضع کرباسنگی وتیکوته نکار

نموده بسارت تامه فرزند دولتکده احتشام خان عالیشان رفیع القدر بلند مکان مسعود خان بحضور

آوردن نگاشته شده بود اما حال از مکان متمکنه عدول نکردند احوال اینجا اینست که لشکر مغل در پی

تخریب پرگنه جکندی و بیردل و غیره ملک نموده شده و خان رفیع الشان شهزاده خان را که حکم

نموده بودیم معزالیه راست بدار الخلافه آمده اند تاریخ ششم است بمجرد اطلاع

رسیدند و مغل در پی مشارالیه میرسد یقین تصور نموده در حالتی که حقیقت مرقومه بمطالعه در آید

مع فرزند دولتکده احتشام خان معزالیه با دار السلطنه پیش آمده بیایند و الا رسیدن

سیادت پناه ممکن و میسر نخواهد شد ... است کار امروز نفرد امعکل

چون شود روز دگر نوبت کاری بدگر است الحال بجز جنگ و جدال و قتل و قتال صورتی دیگر نیست زیاده آنسیادت پناه وانا

(۸) منشور مہری شاہنشاہ اورنگ زیب بعطاے دہ بیگہ اراضی واقع پتی ہیبت پور صوبۂ لاہور بہ سماۃ عایشہ مورخہ ۱۲ رجب ۱۰۶۹ھ – یہ فرمان بحالت شہزادگی نافذ ہوا ہے کیونکہ اورنگ زیب گو ۱۰۶۸ھ میں تخت نشین ہوا لیکن باقاعدہ طور پر تخت نشینی کا اعلان ۲۴ رمضان ۱۰۶۹ھ کو ہوا یعنی اس فرمان کی اجرائی کے دو مہینے بعد۔

الله اکبر

دریں وقت منشور لامع النور شرف صدور وعز ظہور یافت کہ ×
پتی ہیبت پور من مضافات صوبۂ دار السلطنت لاہور از ابتداے ربیع تنکوزئیل
در وجہ مدد معاش سماۃ عایشہ حسب الضمن مقرر شد × کہ حاصلات آنرا
فصل بفصل سال بسال صرف یحتاج خود نمودہ بدعاے دوام دولت ابد طراز
اشتغال مینمودہ باشد می باید کہ × حکام و عمال و جاگیرداران و کروریان حال
و استقبال در استمرار و استقرار اینحکم والا کوشیدہ اراضی مذکورہ را پیمودہ
و چک بستہ × بتصرف او باز گذاشتہ اصلا و مطلقا تغییر و تبدیل بدان راہ ندہند
و بعلت مالوجہات و اخراجات مثل قنلغہ و پیشکش و جریانہ و ضابطانہ × و
محصلانہ و مہرانہ و دارو غگانہ و بیگار و شکار و دہ نیمی و مقدمی و صدد وی
قانون گوئی و ضبط ہر سالہ بعد از تشخیص چک و تکرار زراعت و کل × تکالیف
دیوانی و مطالبات سلطانی مزاحمت نرسانند و دریں باب ہر سالہ سند
مجدد نطلبند و اگر در محلی دیگر چیزی دیگر داشتہ باشد آنرا اعتبار نکنند از
فرمودہ درنگذرند بتاریخ ۱۲ شہر رجب ۱۰۶۹ ہجری ست تحریر پذیرفت ۵

(تکملۂ نوٹ صفحۂ گزشتہ)

موجود ہے جس سے اندازہ اس فرمان کے سنہ کتابت کا لگایا جا سکتا ہے۔ قدیم زمانے میں ایسے فرامین ملبق اور کمربند لگ کر آتے تھے اور کمربند پر ایک طرف القاب اور دوسری طرف تاریخ تحریر اور درمیان حصے پر نام مکتوب الیہ اور پشت پر مہر ہوتی تھی یہ طریقہ مراسلت کا میرے دیکھنے تک نواب مختار الملک بہادر سر سالار جنگ اول کی مدار المہامی تک جاری تھا۔ اب انگریزی تہذیب نے ان سب قیود سے آزاد کر دیا۔ الا من المصنف

(۹) فرمان مہری اورنگ زیب بعطاے اراضی یکصد بیگہ در پرگنہ بہت سرکار سہارنپور صوبہ دار الخلافہ شاہجہان آباد بنام سماۃ صاحب دولت وغیرہ بطور مدد معاش مورخہ ۴ ربیع الاول سنہ ۵ جلوس م سنہ ۱۰۷۳ھ / ۱۶۶۲ء

دریں وقت فرمان عالیشان فرخندہ عنوان شرف صدور یافت کہ موازی یکصد بیگہ زمین افتادہ لایق زراعت خارج جمع از پرگنہ بہت متعلق سرکار سہارنپور سن مضافات صوبہ دار الخلافہ شاہجہان آباد × از خریف پارس ئیل در وجہ مدد معاش سماۃ صاحب دولت وغیرہا حسب الضمن مقرر و مفوض باشد کہ حاصلات × آنرا فصل بفصل و سال بسال صرف مایحتاج خود ہا نمودہ بدعای بقای دولت ابد مدت اشتغال مینمودہ باشند × می باید کہ حکام و عمال و جاگیرداران و کروریان حال و استقبال در استمرار و استقرار این حکم والا × کوشیدہ اراضی مذکور را پیمودہ و چک بستہ بتصرف آنہا بازگذاشتہ اصلاً و مطلقاً تغییر و تبدیل × بدان راہ ندہند و بعلت مال الوجہات و اخراجات مثل قلنیہ و پیشکش و جریبانہ و ضابطانہ و محصلانہ و × مہرانہ و داروغگانہ و بیگار و شکار و دہ نیمی و مقدمی و صدد و می قانون گوی × و ضبط و سالہ بعد از تشخیص چک و تکرار زراعت و کل تکالیف دیوانی و مطالبات سلطانی مزاحمت نرسانند و درین باب ہر سالہ سند مجدد × نطلبند و اگر در محلی دیگر چیزی داشتہ باشد آنرا اعتبار نکنند تاریخ چہارم شہر ربیع الاول سنہ پنج از جلوس والا نوشتہ شد ۔

(۱۰) فرمان مہری اورنگ زیب بعطاے یومیہ عـــه از خزانہ لاہور بنام محمد باقر نبیرۂ عبد اللطیف مورخہ ۱۹ شعبان سنہ ۶ جلوس م سنہ ۱۰۷۴ھ / ۱۶۶۴ء

دریں وقت فرمان عالیشان سعادت نشان شرف صدور یافت کہ مبلغ یکروپیہ بلاقصور یومیہ از خزانہ دار السلطنت لاہور در وجہ مدد معاش محمد باقر نواسۂ ملا عبد اللطیف سلطانپوری کہ طالب علم کثیر العیال است حسب الضمن

مقرر و مفوض باشد از اصرف × ما یحتاج خود نموده بدعاء بقاء دولت ابد مدت اشتغال مینموده باشد می باید که حکام و عمال × متصدیان مہمات و متکفلان معاملات و داروغگان و مشرفان حال و استقبال آنجا در استمرار × و استقرار این حکم اشرف اقدس اعلےٰ کوشیده مبلغ مذکور را از خزانۂ مزبور بمشار الیہ میرسانیده باشند و از انجملہ چیزی قاصر و منکسر نگردانند و دریں باب ہر ساله حکم و سند مجدد نطلبند و اگر در محلی دیگر چیزے داشته باشد آنرا اعتبار نکنند بتاریخ نوزدہم شہر شعبان سنہ شش از جلوس والا نوشته شد۔

(۱۱) سند مطلا و مہری محمد شاہ بادشاہ بخط شفیعه مشعر سرفرازی بر عہدۂ قضاءت پرگنۂ جلیسر صوبۂ اکبر آباد بنام شیخ محمد رضا سنہ جلوس (۱)

علیین آشیان[1]

گماشتہای جاگیرداران و کروریان و جمہور سکنۂ پرگنۂ جلیسر وغیرہ سرکار و صوبہ اکبر آباد را اعلام آنکه × وکیل شیخ محمد رضا ولد شیخ محمد عوض التماس نمود که موکل بموجب پروانه عہد مرقوم بست ہفتم رجب سنہ الیہ × منصب قضای پرگنه مذکور وغیرہ سرفرازی دارد امیدوار است که پروانه مطابق عہد مرحمت شود حسب الحکم اعلےٰ قلمی میگردد که مشار الیہ را بدستور سابق حسب الضمن دانسته دست القعدیس[2] مومی الیہ در امور متعلقه انخدمت مستقل دانند × و دیگر را سہیم و شریک او ندانند دریں باب قدغن دانسته حسب المسطور بعمل آید بیجم[3] شہر ربیع الثانی سنہ

---

[1] فرامین و احکام میں بہ پاس ادب سطر میں جگہ چھوڑ کر نام بادشاہ کا پیشانی پر لکھ دیتے ہیں۔

[2] بجنسہ ایسا ہی لکھا ہوا ہے۔

[3] فرامین پر بجائے دستخط کے صاد بنا دیتے تھے یا بعض کر دیتے تھے۔۱۲

(۱۲) فرمان مُہری محمد شاہ بادشاہ متضمن عطاے خدمت قلعہ داری ارک بندر مبارک سورت اور خطاب بیگلرخاں ۱۴ جمادی الاولی سنہ ۳۰ جلوس م ۱۱۶۱ھ ۱۷۴۸ء

لایق العنایت وقار خاں بنوازش بادشاہی امیدوار بودہ بداند
کہ درین زمان × میمنت اقتران بفضل و کرم خسروانہ از راہ بندہ پروری و اوامر حمت
خدمت × حراست قلعۂ ارک بندر مبارک سورت و عطاے خطاب بیگلرخان از انتقال
بگلرخاں حارس متوفی سرمایہ مفاخرت و مباہات بخشید × باید شکر و سپاس
عنایت مقدس و معلی بجا آوردہ در محافظت قلعہ و توزوک و احتشام و موجود
داشتن ذخیرہ مطابق ظابطہ مستمرہ × جد و جہد فراوان بکمال ہوشیاری و خبرداری
بتقدیم رساند درین امور از حضور ساطع النور تاکید موفور داند چہاردہم جمادی الاولی
سال سیم از جلوس والا نوشتہ شد۔

(۱۳) سند مطلّا بنام نجیب الدولہ جن کو منصب سہ ہزاری اور غیاث الدین حیدر کا خطاب ملا۔ مورخۂ ۳ محرم ۱۱۸۲ھ ۱۷۶۸ء

بتاریخ چہارشنبہ سوم شہر محرم الحرام
سنہ جلوس میمنت مانوس موافق ۱۱۸۲ ہجری
مطابق ماہ برسالہ امارت و نجابت
و مرتبت و شہامت و ایالت منزلت × دانای
مدارج دین و دولت شناسای مراتب ملک و ملت
فرازندۂ لوای شوکت و حشمت طرازندہ بساط ابہت
و عظمت اعتضاد خلافت و فرمان روایی × اعتماد سلطنت
کشور کشای ظفر پیرای معارک جہان ستانی
عیش آرای محافل کامرانی ماہج مناہج ملک

بتاریخ بیست و پنجم شہر محرم سنہ جلوس والا بعرض مقدس و معلی رسید

نجیب الدولہ

سلہ اصل فرمان میں اسی طرح ہے۔ در اصل یہ ضابطہ ہے۔ ۱۲

غازی الدین حیدر

وبال بانی مبانی دولت واقبال دقیقه یاب
سرائر سلطانی رمز شناس × عالم مزاجدانی
جوہر مرات حقیقت دودا فروغ شمع یکرنگی وصفا
ہمدم دلکشای مجلس خاص محرم خلوت سرای
صدق و اخلاص کارفرمائی سیف وقلم مدبر امور
عالم × قدوه خوانین بلندمکان عمدهٔ امرای
عظیم الشان مرید مرشد پرست بی ریو رنگ نقاوه فدویان بافرہنگ استظہار
مجاہدان باعلم افتخار دلیران معرکهٔ رزم × امیر صیانت تدبیر ممالک مدار مشیر روشن ضمیر
عالی مقدار لازم الاختصاص والاعزاز واجب الاحترام والامتیاز رکن السلطنة
پادشاه سلیمان اقتدار بخشی الممالک × امیر الامرا ناصر الملک نجیب الدوله نجیب خان
بہادر ثابت جنگ سپه سردار نوبت واقعه نگاری کمترین خانه زادان درگاه آسمان جاه
عقیدت التیام × اندرام قلمی میگردد وعلم جہان ستاع آفتاب شعاع شرف نفاذ
یافت که غاز(ی) الدین حیدر به منصب سه ہزاری ذات و دو ہزار سوار وخطاب
خانی وبہادری × سرفراز باشد واقعه بتاریخ دوم محرم الحرام سنه بموجب
تصدیق یادداشت قلمی شد

شرح دستخط ×
امارت ونجابت مرتبت ×
شجاعت وایالت منزلت ودانائی مدارج ×
دین ودولت شناسائی مراتب سالک ملت وارنده
لوای × شوکت وحشمت طراز اب طراز ابہت وعظمت
اعتضاد خلافت و × فرمان روائی اعتضاد سلطنت وسریرآرائی
ظفر پیرائی معارک جہانبانی عیش آرائی × محافل کامرانی
تاج مناہج ملک ومال بانی مبانی دولت واقبال
دقیقه یاب سرائر سلطانی رمز شناس ×
عالم مزاجدانی جوہر مرات
حقیقت

ووفا فرمان شیع
پیکر کیش و صفا همدم دل کشای مجلس
خاص محرم خلوت سرای صدق و اخلاص کار فرمای
سیف و قلم پیرا امور عالم قدوهٔ خوانین بلند مکان عمدهٔ امرای
عظیم الشان مرید شیر پرست بی ریو و رنگ نقاوهٔ فدویان بافرهنگ
استظهار مجاهدان با عزم اتقیاء دلیران سعر کو رزم امیر سیاست تدبیر ممالک
والا شیر روشن ضمیر عالی مقدار لازم الاختصاص و الاعزاز واجب الاحترام
والا معیار × رکن السلطنت بادشاه سلیمان اقتدار عضد الملک امیر الامرا
نام الملک نجیب الدوله نجیب خان بهادر ثابت جنگ سپه‌سالار
سردار آنکه داخل واقعه نمایند ×

نقل خط انوار صاد

فرو مزین صاد خاص بدفتر رسید که غازی الدین حیدر را
پیشگاه خلافت و جهانبانی امیدوار تفضلات خاقانیست
که به منصب سه هزار ذات دو هزار و خطاب خانی و بهادری
سرافراز شود شرح دستخط
بخشی الممالک آنکه مطابق صاد خاص بعمل آرند

سه ۳ هزار ذات
ا... سوار

تحریر فی تاریخ شهر صد ۵ سنه الیه

(۱۴) فرمان شاہ عالم ثانی متضمن عطاے جاگیر مالیتی ۱٫۷۵ لاکھ دوام جس کی آمدنی نوسو روپیہ تھی مورخہ ۷ ربیع الاول سنہ ۲۲ جلوس معظم سنہ ۱۱۹۵ھ / ۱۷۸۱ء

درینوقت میمنت اقتران فرمان والاشان واجب الاذعان صادر شد که مبلغ یک لک و هفتاد و پنج هزار و ہشتصد و شصت و پنجدام موضع کوئلیہ وغیرہ عملہ پرگنہ شکرپور وغیرہ سرکار صوبہ دار الخلافہ شاہ جہان آباد که مبلغ نہصد روپیہ حاصل آنست بابت محال جاگیر محمدی خان عرف بچو خواص و وجہ انعام التمغائی حسین بخش وغیرہ متعلقان خان مشار الیہ با فرزندان تصدیق و یادداشت و توفیر آنچه از حسن تردد بر جمع آن بیفزاید از ابتدای ربیع او ذیل حسب الضمن مقرر شد باید که فرزندان نامدار کامگار و الاتبار و وزراے ذوی الاقتدار و امراے عالی مقدار و حکام کرام و عمال کفایت فرجام و متصدیان مہمات دیوانی و متکفلان معاملات سلطانی و جاگیرداران و کروریان حال و استقبال ابداً و مؤبداً در استقرار و استمرار این حکم مقدس معلی کوشیده و امہای مرقومہ را نسلاً بعد نسل و بطناً بعد بطن خالداً و مخلداً بتصرف آنہا واگزارند و از صوابدم تغییر و تبدیل مصئون و محروس دانستہ بعلت پیشکش صوبہ داری و فوجداری و مال و جہات و سائر اخراجات مثل قلعہ و محصلانہ و داروغانہ و ضابطانہ و شکار و بیگار و دہ نیمی مقدمہ و صدودی و قانون گوئی مزاحم و متعرض نشوند و از کل تکالیف دیوانی و مطالبات خاقانی معاف و مرفوع القلم شمارند درین باب تاکید اکید و قدغن شدید دانستہ ہر سال سند مجدد نطلبند و از یرلیغ کرامت تبلیغ و الا تخلف و انحراف نورزند بتاریخ ہفدہم شہر ربیع الاول سال بیست و دوم از جلوس ابد مانوس معلی

زیب تحریر یافت

---

(۱۵) نکاح نامہ مرزا شہاب الدین و مداری بیگم مورخہ شب ۷ شوال سنہ ۱۲۲۱ھ مہری قاضی مرزا خلیل الرحمن جو نہایت مطلا اور مذہب ہے۔ یہ نکاح نامہ ۲۰ ستمبر ۱۸۵۷ء کو قلعہ معلی میں بوقت قبضۂ انگریزی ملا اور مسٹر امری شونگر نے

(... ۱۸۵۷ء) عجائب خانہ واقعہ قلعہ کو تحفہ دیا

اطلعت بهذا

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الحمد للہ الذی جعل النکاح سنۃ سنیۃ للانام وفصلا قاطعا تمیزاً بین × الحلال
والحرام حصناً حصیناً عن التفاحش والاثام وتمتعاً فی الایام والایام × والصلوٰۃ
والسلام علی من جاء بامر فانکحوا ماطاب لکم من النساء وقال تزوجوا وتناسلوا ×
تکاثروا فانی مکاثر بکم الامم یوم العرض واللقاء وعلی آلہ المعصومین واصحابہ اجمعین
اما بعد این وثیقہ صحیحہ شرعیہ نبویہ بزیور صدق آراستہ مشعر مبنی است براینکہ ×
تاریخ شب ہفتم شوال المکرم ۱۲۴۱ھ ہجریہ مقدسہ نبویہ علیہ التحیۃ والثناء در محفل
عقد حاضر آمدہ × حافظ نظام علی بن نور محمد کہ وکیل ثابت الوکالت بالنکاح است از
پردہ تتق نشین عصمت سماۃ × مداری بیگم بنت مرزا مولنگا بشہادت شاہدین
العادلین الحرین البالغین احدہما مرزا حسین بخش ابن ... وثانیہما ... الدین
... مرزا شجاع الدین وکیل مذکور نفس نفیسہ سماۃ مذکورہ بعوض کابین مبلغ
پنجاہ ... روپیہ سکہ رائج الوقت کہ ثلث از ان معجل وثلثان منہ موجل الی بقاء النکاح
... فی زوجیت وزوجہ دودمان سلاطین نامدار × مرزا شہاب الدین بن مرزا الکھو
داد وناکح مذکور نفس نفیسہ سماۃ ممدوحہ را بعوض کابین المذکورین × خواست
قبول کرد ودر عقد نکاح صحیح شرعی خود در آورد وبینہما ایجاب وقبول شرعی
واقع شد × وعقد نکاح منعقد گشت نکاحاً صحیحاً شرعیاً جائزاً نافذاً علی سبیل
الشہرۃ والاعلان ولا علی الطریق الخفیۃ والکتمان قد وقع ذالک فی التاریخ شہر
صدر وسنہ الیہ ببصر

اس نکاح نامے کے حاشیئے پر شاہزادوں کی گواہیاں حسب ذیل ہیں :-
مرزا شہاب الدین (ناکح) مرزا الکھو صاحب - مرزا ملو صاحب - مرزا احمد - محمود

مرزا سربلند بخت ۔ مرزا خداداد ۔ مرزا ببو ۔

(۱۶) خط فارسی من جانب لارڈ منٹو موسومہ مہاراجہ رنجیت سنگھ بہادر مورخہ ۳۱ اکتوبر ۱۸۰۸ء مع لفافہ طلائی ٹکلیاں اور افشاں کیا ہوا مخط شکستہ جس کی پشت پر مہر گورنر جنرل بہادر کے دفتر کی ہے۔

مہاراجہ صاحب بسیار مہربان شفیق دوستان باستظہار مخلصان سلامت

بعد اشتیاق دریافت مہلت موفور مسرت کہ مستغنی از التحریر × و التقریر است مشہود خاطر مہربانی مظاہر میدارد سوال و جواب × مطارحاتیکہ از وقت ورود شہامت و عوالیمرتبت × ابہت و معالی منزلت مٹکف صاحب بہادر بدربار آنمشفق × بعمل آمدہ کیفیت آن مفصل از ارقام صاحب موصوف بدریافت مخلص رسید بعض مراتبیکہ در اثنا سے این گفتگوہا × بظہور آوردہ موجب تحیر و تاسف خاطر اتحاد مآثر شد × بمقتضے برین گشت کہ مخلص بذریعہ قطعہ محبت نامہ کیفیت × مافی الضمیر و مکنونات خاطر خود بحیطہ بیان درآرد × مشفقا مقصود از تعینانی صاحب موصوف بدربار آنمشفق × ہمین بودہ کہ معزی الیہ از کماہی خطراتیکہ عاید شدن آن × بمرور ایام نسبت بملک آنمشفق متصور است بخدمت اطلاع دادہ × جہت انفاع آن طرح انداز مصلحت و موافقت ہر دو سرکار شود × چنانچہ صاحب موصوف تفصیل این اجمال را تصریحانہ × درخدمت آن شفیق بمعرض اظہار درآوردہ اند واگرچہ درحقیقت تقرر انچنین سررشتہ موافقت خالی از انتفاع × این سرکار ہم نیست زیراکہ گروہ خذلان پژوہیکہ متبع زیان رسانے نسبت بممالک سرکار آنمشفق است × از معاندان این سرکار نیز متصور لیکن درصورت پیشقدمی × آن گروہ محفوظ و مصئون بودن ملک آنمشفق از آسیب و تعدی آنہا × بلا اعانت و امداد اہالی سرکار کہ بفضل الہی نظر بر مراتب قدرت و فرط استعداد و اقتدار خودہا × اسباب محافظت و حراست ممالک محروسہ بجمیع وجوہ × حاصل و واصل دارد امر محال است از انجاکہ بظاہر اسباب × صداقت این مقال بروجہ احسن و روش

مستحسن منقوش (حاشیہ پر آڑی سطروں سے) خاطر آنمشفق گردید
درینصورت بالفعل دریافت اینمعنے کہ × آنمشفق اقبال سوال مزبور اکہ کمال
منفعت × بل قیام سرکار آنمشفق دران متضمن است منحصر ومشروط برین
داشتہ بودند × کہ سرداران سکھان اینطرف رود ستلج کہ از متوسلان وزیر
سایہ × بحفاظت این سرکار بستند اہالی این سرکار روادار دست درازی
آنمشفق زیر تعلقات اینہا شود موجب × استعجاب خاطر اتحاد مآثر گردیدہ معہذا
ہرگاہ اینہم بظہور پیوست × کہ آنمشفق باوجود معقول ومسطور داشتن اینمعنے کہ در
مقدمہ × سرداران مزبور از مخلص استصواب واستصلاح بعمل آید × خود مع فوج
رود ستلج را عبور ساختہ در ممالک آنہا × درآمدہ بتسخیر قلعہ جات اقدام نمودہ
بودند مکان استعجاب × زیادہ از سابق لاحق خاطر مودت ذخائر گردید مشفقا
مدارج وفاپرستے واعتدال پژوہے اہالے سرکار × انگریز بہادر بر آنمشفق
وجمیع رؤسا وسرداران اینڈیار × بخوبی واضح ولائح است × چنانچہ قوم مرہٹہ
در ایام تسلط خود × بممالک سمت شمال ہندوستان از سرداران سکھان ×
پیشکش وخراج میگرفتند ودست اختیار از سر اینہا × دراز و آنہا را زیر اطاعت
خود بامید اشتند × بعد ازان وقتیکہ اہالی این سرکار محض جہت صیانت × ممالک
محروسہ از دست پیش قدمی وزبردستی قوم مزبور × مجبوراً ارتکاب محاربہ پرداختہ
بر ممالک ہندوستان × مسلط شدند × ایتلاف وانجذاب قلوب سرداران
سکھان بذریعہ تمشیت سررشتہ فلاح وبہبود اینہا پیشنہاد خاطر خواطر داشتہ
از اخذ پیشکش وخراج مال از ہر گونہ مطالبہ و × مزاحمت اجتناب ورزیدہ سرداران
مذکورین را بلاقید × وحصر درمیان تعلقات اینہا مختار گردانیدہ پس ہرگاہ × اہالی
موصوف محض نظر بر رفاہ احوال واستقرار اختیار × سرداران مذکور درمیان تعلقات
مفوضہ اینہا × از اجرای حکومت واجبی نسبت باینہا دست بردار شدند چہ جای
امکان باشد کہ اہالی موصوف روادار تحکم × سرکاری وگریز سپہر سرداران
سکھان مذکورین بتوانند گردید × از انجا کہ اینمعنی برراے رزین آنمشفق نیکو ظاہر خواہد بود
درینصورت مخلص را یقین حاصل کہ آنمشفق از تقدیم ارادۂ خود نسبت سرداران

خود ہیں حقوق انسان خواہند شست - مشفقا بزودی بعضے مراتب بالے

Minto
(دستخط)

نقل لفافہ - بمطالعہ ساطعہ مہاراجہ صاحب بسیار مہربان شفیق دوستان استظہار مخلصان مہاراجہ رنجیت سنگہ بہادر سلمہ اللہ تعالے موصول باد -
لفافے کے عرض پر - مرقومہ سی ویکم ماہ اکتوبر ۱۸۰۸ء عیسوی مطابق دہم رمضان ۱۲۲۳ھ ہجری

(۱۷) لارڈ آکلینڈ کا خط موسومہ ابو نصر معین الدین محمد اکبر شاہ ثانی بادشاہ دہلی مورخہ ۱۵ ستمبر ۱۸۳۷ء جس میں لاٹ صاحب موصوف نے حضور بادشاہ ولیم چہارم کی وفات اور حضور ملکہ معظمہ وکٹوریا کی تخت نشینی کی اطلاع دی ہے -

To His Majesty,

Abu Nusur Moyeen-ooddeen
Mohummad Akber Shah Badshah Ghazi

My royal and illustrious friend,

I have learned by Dispatches recently received overland from England the mournful intelligence of the death of His most gracious Majesty King William the Fourth, whom after a happy and prosperous reign of seven years it pleased the Almighty to call to his Mercy on the 20th of June in the year of our Lord One thousand Eight Hundred and thirty seven.

The late Sovereign by his many excellent

ملہ عبارت نامکمل ہونے سے یہ خط ناتمام معلوم ہوتا ہے مگر اختتام عبارت پر لاٹ صاحب کے دستخط ہیں کی دلیل ہیں یہ بھی ممکن ہے اور کچھ عبارت رہی ہو - ۱۲

qualities, had greatly endeared himself to his subjects who deeply and unanimously lament his loss.

By the demise of His late Majesty the Imperial Crown of the United Kingdom of Great Britain and Ireland has solely and rightfully come to the High and Mighty Princess Alexanderina Victoria, niece of the late Sovereign, who has been duly proclaimed, by the Grace of God, Queen of the United Kingdom of Great Britain and Ireland and Defender of the Faith. May her reign be prosperous.

Considering your Majesty as a sincere friend of the British Government I have deemed it necessary to communicate the above circumstances for your information.

In conclusion I beg to express the high consideration I entertain of your Majesty and subscribe myself—

Your Majesty's Sincere friend
Auckland

Fort William
11th September 1837

(ترجمہ) بحضور ابو النصر معین الدین محمد اکبر شاہ بادشاہ غازی —
میرے شاہی اور والا قدر دوست — ان مراسلوں سے [illegible] انگلستان

سے موصول ہوے ہیں ۔ مجھے حضور بادشاہ ولیم چہارم کی وفات کی افسوسناک
خبر ملی ہے جن کو خداوند تعالی نے اپنی مرضی سے سات سال کی خوش اور با اقبال
سلطنت کے بعد ۲۰ جون ۱۸۳۷ء میں اپنی جوار رحمت میں طلب فرمالیا ۔
مرحوم بادشاہ کو اپنی بہت سی صفات حسنہ کی وجہ سے رعایا بہت عزیز رکھتی تھی
جو گہری طور پر متفقاً اُن کی وفات کا ماتم کرتی ہے ۔ حضور مرحوم کی وفات سے سلطنت
متحدہ برطانیہ اعظم و آیرلینڈ کا شاہی تاج بالکلیہ استحقاقاً علیا حضرت شاہزادی
الگزینڈرینا وکٹوریا شاہ متوفی کی بھتیجی کے قبض تصرف میں آیا ہے جن کے بفضل خدا ملکہ سلطنت متحدہ
برطانیہ اعظم و آیرلینڈ و حامی دین ہونے کا اعلان باقاعدہ طور پر کیا جاچکا ہے ۔
بخیال اس امر کے کہ حضور سرکار برطانیہ کے مخلص دوست ہیں میں نے واقعات
بالا کی اطلاع دینا ضروری خیال کیا ۔ خاتمہ پر میں اُس واجب التعظیم خیال کا اظہار
کرتا ہوں جو مجھے حضور کی ذات سے ہے ۔

میں ہوں حضور کا مخلص دوست ۔ آکلینڈ

---

(۱۸) فرمان مطلا اکبر شاہ ثانی موسومہ کرنل اسکنر سنہ جلوس (۳۰)
جس پر دو طغرے طلائی اور شاہی مہر ہے اور مہر پر چتر شاہی کی شکل بھی بنی ہوئی ہے ۔
قول قرار استمراریہ باسم ناصر الدولہ کرنیل جیمس اسکنر بہادر غالب جنگ ۔
عقیدت نہاد خانزاد قدیم الخاندان والا عرضی بایں مضمون گذرانیدہ کہ ٹھیکہ پتہ
ریوپورہ از ابتدای سنہ ۱۱۹۵ فصلی لغایۃ سنہ ۱۲۱۰ واجب شانزدہ سالہ بنام فدوی زادہ
از حضور مقرر است ۔ درا نمیان ہفت سال منقضی گردیدہ و نہ سال باقیست ازانجا
کہ رعایا سقیم و ویران بود کاشتکاران را از جا بجا طلبیدہ قریب چہل ہزار روپیہ بوجہ
تقاوی مزارعان سقیم داده آباد نمود از قلت پیداواری کیمچہ از تقاوی بوصول انجامیدہ
و در سرشتۂ حضور والا سال بسال و فصل بفصل بلا توقف و بلا عذر از قرضوام ادا نمودہ
زیر باری کثیر برداشتہ ام و آیندہ بتصرف سی چہل ہزار روپیہ در آبادی و تعمیر چاہ ہای
پختہ صورت نہ بندہ و حاصل ہم گذارہ اینفدوی غیر ممکن باستحقاق خانہ زادگی قدیم

امیدوارم کہ پتہ مذکور بجمع زر شخصہ شانزدہ ہزار روپیہ سالیانہ بطور بدا استمرار نسلاً بعد نسل و بطناً بعد بطن بنام اینفدوی مقرر گردد کہ باطمینان خاطر بصرف فدویگر از قرضوام پرداختہ این فدوی و فرزندان اینفدوی جمیع زر شخصہ حضور انور سال بسال و فصل بفصل داخل خزانۂ عامرہ کردہ باشد لہذا بعد نظر اینکہ آن عقیدت کیش خانہ زاد این خاندان علیا است و در ادای زر شخصہ و صرف نمودن زر خطیر و جلتعاری و خانہ آبادی مقروض و زیر بار گردیدہ بمورد تفضلات و پرورش قدیمانہ پتہ ربوہ تیولخاص از ابتدای ۱۲۳۲ء بجمع شانزدہ ہزار روپیہ سکۂ کلدار سالیانہ مساوی بطور استمرار نسلاً بعد نسل و بطناً بعد بطن بنام ایشان مقرر کردہ شد باید کہ آن فدوی و فرزندان پتہ مذکور را استمرار نسلاً بعد نسل و بطناً بعد بطن بدینحکم محکم و مستقل برای علی الدوام بذمہ خود دانستہ بخاطر جمع تمام بصرف زر دیگر پتہ مذکور را آبادساختہ جمع استمرار سال بسال و فصل بفصل داخل خزانۂ عامرہ حضور والا کردہ باشند کمی و بیشی پیداوار ذمہ خود شناسند و اگر خدانخواستہ تصرف و پایمالی زبردست رود بموجب تحقیقات این حضور انور مجرائی خواہد یافت باید کہ فرزندان نامدار کامگار عالی نسب والا تبار و وزرای ذوالاقتدار و امرای عالیمقدار و حکام کرام و عمال کفایت فرجام و متصدیان مہمات دیوانی و متکفلان معاملات سلطانی و جاگیرداران و کروریان حال و استقبال ابداً و مویداً در استقرار اینحکم مقدس معلی بکوشند و بوجہی من الوجوہ سوائی از زر شخصہ طلب ننمایند و لوازمہ عہدہ داران و زمینداران و مقدمان پتہ مذکور آنچنان کہ ہر آئینہ در اطاعت و فرمانبرداری اہلکاران آنعقیدت کیش پرداختہ پیداوار محال سال بسال و فصل بفصل ادا میکردہ باشند نوعی تخلف و انحراف نورزند بتاریخ بست و ہفتم شہر شوال میمنت اشتمال سنہ ۔۔ ام از جلوس معلی زیب تحریر یافت ×

(۱۹) تصدیق نامہ متضمن اس امر کے کہ سرفراز خاں کو اکبر شاہ ثانی نے پرورش فرما کر خطاب حبیب الدولہ محب الملک افضل الامرا شمشیر جنگ مرحمت فرمایا تھا اور سلاح خانے میں ایک اعلیٰ عہدے قورخانے اور حبیب خاص پر مقرر فرمایا تھا یہ کاغذ ۲۰ ستمبر ۱۸۵۷ء کو بوقت فتح قلعہ انگریزوں کے ہاتھ لگا اور ۔۔۔

عجائب خانے کو تحفہ دیا۔ یہ تصدیق نامہ مطلا و مذہب ہے جس پر دو بڑی شاہی مہریں اور چودہ مہریں اور صاحبوں کی ہیں۔

حضرت محمد اکبر شاہ بادشاہ انار اللہ برہانہ و مرقدہ

ولا تکتموا الشہادۃ ومن یکتمہ فانہ آثم قلبہ واللہ بما تعملون علیم

ازانجا کہ بمقتضای آیہ کریمہ ادای شہادت دلیل سعادت و کتمانش موجب شقاوت است × لہذا از حضرت سلاطین والا تبار عالی وقار علمار تقوی وصداقت التیام ومہذب امور اسلام وفقرار ہدایت وصفا شعار کرامت × وضیا وثار و رؤسا ر شوکت وحشمت مآب وامرار امارت وابہت نصاب این خاکسار ذرۂ بے مقدار المخاطب بسرفراز خان × سوال میکند و استشہاد حق خود میخواہد برانیمعنی کہ حضرت عرش آرامگاہ این سائل را از عمر شیرخوارگی بظل عاطفت وسایۂ ملاطفت مثل فرزندان پرورش فرمودہ بتقرر معلم وادیب بہ تعلیم وتادیب × مشرف نمودہ بسن تمیز بتعین خدمت شایستہ وعہدۂ بابستہ اعلی خدمت قورخانہ وحبیب خاص وبخطاب حبیب الدولہ × محب الملک افضل الامرار محمد سرفراز خان بہادر شمشیر جنگ در اقران وامثال معزز وممتاز فرمودہ سند فرمان × والاشان مزین ومسجل بمہر تزک وطغرا مشعر بمضمون مرقوم الصدور مصدرہ ششم رمضان المبارک سنہ سی ویکم جلوس معلی بنام خاکسار صادر وعطا فرمودند چنانچہ سائل فرمان کرامت ترجمان را فخر او سندا بدست × میدارد ونیز تا زمان رحلت فرمودن حضرت عرش سلطانی وحاضر باشی دربار خاقانی بمفخر وسرفراز ماند حضرتی را از حضرات ممدوحین بر صحت اینحال × وصدق ہذا المقال اطلاعی وآگاہی باشد حسبۃً للہ مہر گواہی خود برین قرطاس ثبت فرمایند کہ عند اللہ ماجور وعند الناس مشکور شوند ×

(۴۰) سر چارلس مٹکاف کا خط تعزیت مورخہ ۱۲ اکتوبر ۱۸۳۷ء موسومہ ابوالمظفر سراج الدین محمد بہادر شاہ ثانی بحضرت ممدوح کے والد کی وفات پر لکھا گیا۔

To,

His Majesty
Abool Mozaffur Surajooddeen Mohummud
Buhadur Shah Badshah Ghazi,

May it please your Majesty,

I have received with the deepest sorrow the mournful intelligence communicated to me by Mr Metcalfe of the demise of His Majesty on this melancholy occasion with sentiments of sincere and respectful condolence. I fervently Pray that Your Majesty may be supported and comforted by the reflection that all things proceed from the Will of the Creator; and that it has pleased Almighty Providence to take unto himself Your Majesty's venerable Father after a long and happy reign.

When time shall have mellowed recollections of a dear Parent, your Majesty will call up with pleasure to the remembrance of the amiable qualities which distinguished His late Majesty, and by which he will ever live in the memory of those who had the honor of approaching him.

I now beg leave respectfully to offer my sincere and heartfelt congratulations on your Majesty's succession

to the Throne of your ancestors.

May you be blessed with a long life, Health, Happiness and Prosperity.

Your Majesty's
Faithful Servant
Agra
The 4th October 1837. C. T. Metcalfe

(ترجمہ) بحضور ابوالمظفر سراج الدین محمد بہادر شاہ

بادشاہ غازی

التماس آنکہ - میں نے اُس اندوہ ناک خبر کو جو مسٹر مٹکاف نے حضور کی رحلت کے متعلق دی ہے نہایت افسوس اور اس الم ناک واقعہ کو مخلصانہ ومؤدبانہ خیالات تعزیت کے ساتھ سنا - میں گرمجوشی سے دعا کرتا ہوں کہ حضور کو اس امر کے تصور سے سہارا اور تسلی ہو کہ تمامی امور خلاق عالم کی مرضی سے وقوع پذیر ہوتے ہیں اور یہ کہ قادر مطلق کی اسی میں خوشی تھی کہ حضور کے والد ماجد کو ایک طویل اور خوش گوار مدت سلطنت کے اپنے نزدیک بلا لے - جب وقت حضور کے غم (والم) کے اشتداد کو اپنے پیارے والد کی مقدس یاد سے نرم کر دے گا تو حضور کو حضور مرحوم کی اُن صفات پسندیدہ کی یادگاری سے جس کے سبب سے وہ ممتاز تھے مسرت ہوگی اور یہی صفات ایسی ہیں جن کی یاد ہمیشہ کے لیئے اُن لوگوں کے دلوں میں تازہ رہے گی جن کو (حضور ممدوح) کی خدمت میں باریابی کی عزت حاصل تھی - اب میں ادب سے اپنی مخلصانہ اور دلی مبارک باد حضور کی اپنے آباواجداد کے تخت پر جلوس فرمانے کی پیش کرنے کی اجازت چاہتا ہوں - خداوندتعالی

آپ کو عمر کی درازی ۔ تن درستی اور اقبال مندی نصیب فرمائے ۔ حضور کا
وفادار خادم ۔ سی ۔ ٹی ۔ مٹکاف ۔ مقام آگرہ ۔ ۴ر اکتوبر [illegible]

(۲۱) خط مطلا بعبارت فارسی بخط شکستہ لارڈ النبرا موسومہ بہادر شاہ ثانی بادشاہ مشعر اطلاع اخذ جائزہ عہدہ جلیلہ گورنر جنرلی در ۱۸۴۲ء

درۃ التاج افسر سلطنت و شہریاری زیب افزاے اورنگ خلافت و جہانداری خدیو مملکت عدل و رافت شہریار کشور داد و نصفت خلد اللہ ملکہ و سلطانہ۔
بر لوح ضمیر منیر مہر تنویر مبرہن و منکشف میگرداند خبر معین و مامور شدن ارادتمند × در عہد ریاست ممالک محروسہ سرکار کمپنی انگریز بہادر متعلقہ کشور ہند بے شبہہ بذریعۂ × و واسطۂ معمولی واضح خاطر عاطر شدہ باشد بالفعل بپاس اطلاع بخانۂ اخلاص نگار × می در آرد کہ عقیدت اشتمال بتاریخ بست و ہشتم ماہ فروری ۱۸۴۲ء مطابق × بشانزدہم شہر محرم الحرام ۱۲۵۸ھ ہجرے بدار الامارۃ کلکتہ داخل گردیدہ انجام و × اہتمام امور متعلقہ عہدہ مزبورہ برخود لازم گرفتہ و یقین خاطر خطیر شفقت نظیر × باشد کہ مدارج کمال اکرام و احترام نسبت مرتبہ خلافت منزلت و مراتب خلوص × عقیدت نسبت بذات ستودہ صفات آنخدیو مملکت عدل و رافت و آنخاندان × سلطنت نشان و تمناے ابراز آن ہموارہ بپاس لوازم آسایش و × آرامش منسبان آن دودمان قسمیکہ از طرف گورنر جنرل بہادر × سابق سمت وضوح یافتہ از تہ دل عقیدت منزل منتقش و منطبع خاطر ارادت مظاہر است و خواہد بود حق سبحانہ و تعالی تا دوام × ماہ و مہر و قیام سپہر آن درۃ التاج افسر سلطنت و شہریاران را بتائیدات غیب الغیب موید و مشید داراد ۔

(النبرا) Ellenborough

لہ یہ خط غور اور توجہ سے پڑھنے کے قابل ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ گورنر جنرل بہادر سلاطین ہند کو کس طرح مخاطب کرتے تھے ۔ اس خط کے نیچے صرف لاٹ صاحب کے دستخط انگریزی میں ہیں اور بس ۔

(۴۴) یہ خط جو ایک بہت بڑے مطلا و مذہب کاغذ پر نہایت خوش خط لکھا ہوا ہے بہادر شاہ ثانی بادشاہ کا ہے جو ۹ شوال سنہ ۲۲ جلوس (۱۸۵۹ء) کو ملکہ معظمہ کوئین وکٹوریا کے نام لکھا گیا۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم

جواہر زواہر ہزاران ستائش وثنا نثار پایۂ عرش عظمت وا جلال وقدیمی کہ اوراق مستغرق افراد عالم بہ حدوث را بشیرازہ بندی جہان آرائی شاہنشاہان والا اقتدار وخواقین نصفت شعار مجلد ومجموع ساختہ ومظلومان کائنات وملہوفان موجودات را بداد رسی وحق پژوہی بہ فرمانروایان نصفت پرور وخسروان معدلت گستر از نعمای

سلہ یہ طول اور مفصل خط بلحاظ عبارت آرائی کے بہت غور سے پڑھنے کے قابل ہے۔ چونکہ بہت بڑے کاغذ پر لکھا گیا ہے قلعہ کے عجائب خانے میں تین حصے کرکے آئینہ دار چوکھٹوں میں جڑا گیا ہے۔ لفافہ ایک علیحدہ فریم میں ہے۔ اس سے معلوم ہو سکتا ہے کہ بادشاہ کس خیال کے تھے کہ ولی عہد کی چند روزہ جدائی کی تصویریں سامنے پیچھے ہٹ گئے برخلاف اس کے ملکہ معظمہ کو دیکھئے کہ اُن کے تینوں صاحب زادے یکے بعد دیگرے ملک ہند میں تشریف تشریف لائے اور نہ صرف بیٹے بلکہ بہویں اور پوتے تک آئے اور خود بادشاہ سلامت مع ملکہ معظمہ کے رونق افروز ہوئے اور اب پھر پرنس آف ویلز ولی عہد بہادر کی تشریف آوری کی خبر مسرت اثر گرم ہے۔ یہ فرق ہے عزم واستقلال ارادے میں ہمارے اور انگریزوں کے۔ ہمارے شاہزادے بھونروں کے پلے بھلا کیسے وطن چھوڑ کر باہر نکلتے اس خط میں بات تو صرف اتنی ہی ہے کہ میں شہزادے کو آپ کی خدمت میں بھیجتا اگر اُس کی جدائی اور دوری گوارا نہ ہوتی۔ یہ بھی صرف کہنے کی بات ہے اور نری سخن سازی ہے ورنہ در اصل بادشاہ کو ایسا خیال کبھی تو نہ آیا ہوگا۔ اپنے پندار میں ملکہ سے اظہار خلوص وعقیدت کا یہ ایک ذریعہ ٹھیرایا ہے جسے بے انتہا لمبی چوڑی تمہید اور عبارت آرائی کے علاوہ گہرے سنہری کام سے لیپ دیا ہے۔ اس عطلی انشا پردازی اور عبارت آرائی کی قدر لندن میں کس نے کی ہوگی اور اس کی نفیس مقفیٰ اور مسجع عبارت کی داد کس نے دی ہوگی اور جب اصل مطلب کی طرف غور کیا ہوگا تو بادشاہ کی اولوالعزمی استقلال ہمت وجرأت ملک داری کی نسبت دانایان فرنگ کا کیا خیال ہوا ہوگا ظاہر و باہر ہے۔ اگر اسی مطلب کو سیدھی سادی انگریزی میں لکھوا دیتے تو شاید اس تمام بکھیڑے اور کھڑاگ سے زیادہ موثر اور مفید ہوتا اس میں کلام نہیں کہ وضع الشیئ فی غیر محلہ فرد شعا گر ہر کسے مصلحت خویش نکو می داند ۔ ؎
گوہرے گر شنیدہ تو ما خفا مخروش رموز مصلحت خویش خسروان دانند (من المصنف)

کامیابی حقوق واجب نواختہ و لآلی متلالی فراوان نیایش و اعتنا ایثار جناب مقدس نصاب کامعتقد
از اتحاد و ایتلاف سلاطین دادگر و بادشاہان والاگہر بتشیید ترصیص اساس آسایش
و آرامش خلایق پرداختہ و بارتباط و روابط محبت و انضباط ضوابط مودت سروران عظام
و حکام عالیمقام طرح انفتاح امن و امان زمان و زمانیان انداختہ پاسداری عہود و معہد
مواثیق موثق بمقتضای آیہ کریمہ اوفوا بالعہود و خمیر مایۂ ذات بابرکات ملوک ملکی صفات
از تائید حکمت بالغۂ دست تا گروہ تابعین و لاحقین بفحوای الناس علی دین ملوکہم این طریقہ
انیقہ را پیش گیرند و امتناع نقض عہد و ارتکاب خلاف بمواد عظیمہ الذین ینقضون العہد
من بعد میثاقہ از تہدید قدرت کاملہ او تا عموم عوام مرتکب اینحرکت وہمیہ و بادی این فعل
و خیم نشوند و در غرۂ رود نامعدود و نقود محمود صلوٰۃ غیر محدود و ہدیہ بارگاہ ملایک پناہ
حضرت احمد مجتبی محمد مصطفی سلطان العرب والعجم فخر الانام کہف الامم آفتاب جہانتاب
سپہر نبوت سپہر آفتاب علو و عظمت گوہر آبدار رفعت و ہیبت حصۂ دوم - صدف
گوہر شہوار شفاعت سید الثقلین سرور خافقین مسند آرای مقام قاب قوسین
شہسوار مضمار لیلۃ الاسری عارج معارج اقصی صلوٰۃ اللہ علی نبینا و عموما علی سائر الانبیاء
خصوصا علی مسیح ابن مریم و علی آلہ الاطہار و اصحاب الکبار اجمعین اما بعد تحمید حامد حضرت
کردگار و اہدای ہدایای سرور روزگار بر مرآت ضمیر قدسی تخمیر اعلی حضرت کیوان منزلت
سپہر جناب رخشندہ کوکب آسمان سلطنت جہانداری دری سمار خلافت و شہریاری
محمود آکاسرہ و رشک افزای قیاصرہ شاہ جمجاہ فلک بارگاہ خورشید کلاہ
ستارہ سپاہ محی مراسم سیمیہ مکرم مکارم انگلشیہ آنکہ آوازہ کمال عدالتش سرتاسر
آفاق فراگرفتہ و صیت عنایت مکرمتش باطراف و اکناف عالم وارسیدہ از ہیبت
داور عدلش فلک کجرفتار سرنگون و از خوف شحنۂ سیاستش برق اشرار بار
تفتہ درون و در مصاف معرکۂ شجاعتش رستم دوران ترسان و در میدان نبرد شجاعتش
مریخ فلک بر خود لرزان با تباع احکام مطاعش سروران نامدار غاشیۂ اطاعت
بر دوش و بامتثال فرمان واجب الاذعانش ملوک عالیمقدار حلقۂ فرمانبرداران
انگلستان خلد اللہ ملکہا و سلطانہا و افاض علی العالمین برہا و احسانہا منطبع و منقش
می گرداند کہ نظر بسوابق اتحاد این دودمان از زمان حضرت خاقان گیتی ستان امیر تیمور

گورکانی صاحبقران وجدا عن جد از زمان حضرت جلال الدین عرش آشیان انار الله برهانه آن
خاندان عالیشان وابقاے آن یگانگت واتحاد تا این زمان وظهور اتحاد وعنایت و
امداد ازان دولت ابد بنیاد نسبت باین خاندان عظمت نشان که شمه از کیفیت این استان
در سابق آوان بذریعهٔ مکتوب وسفیر بمسامع ومجامع آن سرو فرشاهان ذی شان
رسیده است و احتمال اضاعت اوقات معدلت گستری ورعایا پروری آن کهف
امن وامان × از تکرار تذکار آن بالغ است از ساله‌ها ارادهٔ ارسال نور حدقه
سلطنت ونور حدیقهٔ حشمت برخوردار کامگار سعادت اطوار رسید و تار فرزند ارجمند
مرزا محمد جوانبخت بهادر که با وجود صغر سن آثار بزرگی از ناصیه اش پیدا است وآثار
بختیاری از چهره اش × هویدا ودرینعمر که شعور کامل نمیباشد اکثر اوقاتش بطلب
مرضیات خالق ورضا جوئی خلق وخدمت والدین ورحم براهل قرابت واحقاق حق
وابطال باطل وشوق کسب کمال واجتناب از خصائل اراذل بدرجهٔ کمال مصروف
اند و × دویدن همین خصال با شرافت جوهر ذاتی خاطر ما بدولت را در کرو محبت آن
نونهال وهمیشه جویای ترقی مدارجش در حال ومآل میدارد وبخدمت سراپا معدلت
مکنون بود تا ملاحظهٔ حال آن ستوده خصال باعث وفور توجه معدلت × پژوه بر حالش
شود ونسبت فرزندی که سبب برادرزادگی هست وعمه را بر برادرزاده بپاس خاطر
برادر شفقتها بیشتر از مادر می باشد افزایش یابد ودر زمرهٔ فرزندان دست گرفته
کشاهان باشکوه را پاسداری این بیشتر می شود ومنسلک گردد - حصه سوم - و
بیمن حفظ وحمایت آن معدن جود وعدالت از شر حسودان مصئون ومامون ماند
لاکن وفور محبت وعدم تحمل کلفت مفارقت ازین اراده مانع آمد درینحال همین مناسب
متصور شد که نقش مقصود را بارقام مختصری از احوال این نونهال وارسال
نقش دست این خوشخصال ارتسام یابد یقین است که هرگاه این نقش بدست
آنشاه قوی بازو رسید پاس دست گرفتگی بر ذمت همت والا نهمت متحتم وواجب
خواهد گردید وشاهد مقصود از جلباب خفا سر بعرصهٔ ظهور خواهد کشید × توقع ازان

هرکس بعقل خود بکمال و فرزند خود بجمال - ۱۲

سرگروہ سلاطین والاشکوہ نیست کہ بعد ورنامہ نامی حاوی منظوری و قبول این ناسول آگاہ فرمودہ دریں عالم ناتوانی و پیرانہ سالی از دست رنج این مکرمانیت افزائی خاطر فاتر و ممنون ہزاران ہزار شادکامی خواہند گردانید × او سبحانہ تعالیٰ شانہ کہ ثمرات حسنات بر کافۂ روزگار فواید را و پروری و نتائج عدل گستری مخصوص بملوک عدالت شعار منتقم مرتسم ساختہ از زور بازوی اقبال آن انجم سپاہ سینۂ دشمنان پر غم و آرزومندان استعانت را خوش و × خورم و شاداب داشتہ ہموارہ بآبیاری افضال لایزال گلستان دولت و سلطنت روز افزوں سرسبز و ریان چمنستان عدل و معدلت شگفتہ و خندان دارا دالی یوم التناد ۔ **لفافہ** ۔ .... لت سپہر جناب ثریا قباب درخشندہ کوکب آسمان جہانداری درّی سمار خلافت و شہریاری محو و اکاسرہ رشک افزاے قیاصرو شاہ جاہ فلک بارگاہ خورشید کلاہ محی مراسم سیحہ مکرم مکارم انگلشیہ جمشید حشمت فریدون شوکت نوشیروان عدالت حاتم ہمت معدن مروت بیکران منبع الطاف بی پایان ہمشیرہ صاحب مشفقہ بسیار مہربان ملکہ معظمہ وکٹوریا صاحبہ خلد اللہ ملکہا و سلطانہا مشرف باد ×

(۲۳) لارڈ کالون کا خط موسومہ ابوظفر سراج الدین محمد بہادر شاہ بادشاہ دہلی

مورخہ ۲۲ اگست ۱۸۵۵ء متعلق بہ انسداد گاؤکشی

To,

His Majesty Aboozaffur Surajooddeen
Bahadur Shah Badshah Ghazi

ﻪ دراصل یہ خط مرزا جواں بخت کی ولی عہدی کی منظوری کے متعلق ہے ۔ خدا جانے جواب بھی کچھ ملا یا نہیں اور ملا تو کیا ملا ۔ ع ۔ ای بسا آرزو کہ خاک شدہ ۔ وہ بساط ہی الٹ گئی بادشاہت ہی نہ رہی تو ولی عہدی کیسی اور کس کی ؟ ۔ یہ بھی عجیب بات سوجھی کہ شاہزادے بکنے بچنے کی عوض بچہ کا چربہ اُتروا کر بھیج کر دستگیری کی درخواست کی ۔ وقت ہی ایسا ٹیڑھا آن پڑا تھا یہ نہ کرتے تو اور کیا کرتے ؟ ﻪ

My most es..eemed and Royal Friend,

I have received and attentively perused, Your, Majesty's Waseega and its enclosures, regarding the restriction which has been placed upon the practice of Killing cows in the city of Delhi.

My Royal Friend, the restriction I objected to have been imposed by the local authorities for the paramount object of the preservation of the peace of the City, and reference should be made by the parties, desirous of offer-ing a representation on such a point, to those authorities, as having full power to enquire and decide regarding it.

With sincere wishes of Your Majesty's prosperity

Your Majesty's Sincere Friend

Head Quarters
22nd August 1854

S. R. Colvin

(ترجمہ) بہ حضور ابوظفر سراج الدین محمد بہادر شاہ بادشاہ غازی -
میرے محترم اور شاہی دوست حضور کا وثیقہ مشعر اُن قیود کے جو شہر دہلی میں گاؤکشی کے عمل درآمد کے متعلق عائد کی گئی ہیں مع ملفوفات کے پوہنچا جسے میں نے بغور ملاحظہ کیا - میرے شاہی دوست - جس شرط پر میں نے اعتراض

کیا تھا جو مقامی عہدہ داروں سے عائد کی تھی اور جس کی بڑی غرض شہر کا امن قایم رکھنے کی تھی - فریقین جو اس معاملے کو پیش کرنا چاہیں - اُن کو چاہیئے کہ اس معاملے کو اُن عہدہ داروں کے سامنے پیش کریں جن کو اس کی تحقیق اور تصفیہ کا پورا اختیار حاصل ہو -

مقام مستقر
۲۲ / اگست ۱۹۲۳ء

اس - آر - کالون

(ضمیمۂ اول ختم ہوا)

قطعات تاریخی نوشتہ جناب مولوی محمد عبد الحکیم صاحب سوم تعلقہ دار ضلع ایچپور

فتح مملکت دہلی مبارک باد
۱۳۴۷ھ

(۱) بشیر الدین احمد منبع علم
پئے تاریخ چوں رفتم بہ فکرش
تہلشت از طبع خود تاریخ دہلی
شدہ جادو بیاں تاریخ دہلی
۱۳۴۷ھ

(۲) بشیر الدین احمد دہلوی نے
لکھی تاریخ نادر چشم بد دور
ہوئی جب فکر مجھکو بہر تاریخ
جہالت سے ہوا میں سخت مجبور
تو ہاتف نے مجھے مژدہ سنایا
ذرا سی فکر میں کیوں تو ہی رنجور
سر انصاف سے تو کہہ دے تاریخ
وقایع سلطنت دہلی مشہور
۱۳۴۶+۱ = ۱۳۴۷ھ

(۳) تاریخ لاجواب لکھی ہے بشیر نے
سیرت میں بے مثال ہے صورت میں ہے جمیل
ہر کلمہ اس کا جامع و مانع ہے اس طرح
فضل و کمال اور ہنر کی ہے دلیل
تصنیف میں بہت سی کتب آپنے لکھیں
یہ فضل اور کمال ہے از رحمت جلیل
عبد الحکیم مرض کرا از حضرت بشیر
تصنیف لاجواب کی تاریخ بے عدیل

ضمیمہ دوم

قیصر ہند ملکہ معظمہ وکٹوریا آنجہانی کے مختصر حالات

گو صفحۂ دنیا سے کوئین وکٹوریا کی جیتی جاگتی تصویر مٹ گئی مگر احسان مندی کی قلم سے لوگوں کے دلوں پر ایسا گہرا نقش ہے کہ نسلاً بعد نسلٍ بھی محو نہیں ہو سکتی۔ ملکہ کی بے نظیر حکمرانی نے ثابت کر دیا کہ حکومت کا دار و مدار صرف مردوں ہی پر نہیں ہے بلکہ جو مرد کر سکتے ہیں وہ عورت ذات بھی کر سکتی ہے اور ملکہ نے تو اس سے بھی بڑھ کر کر دکھایا کہ جو مردوں سے نہ ہو سکا وہ اس نیک ذات عورت نے کیا۔ ابھی ملکہ لڑکی ہی تھیں کم سن کہ خداوند تعالیٰ نے اُن کے دست قدرت میں ایسی بڑی وسیع سلطنت دی۔ چونسٹھ برس کی طول طویل مدت ان کے ظل عاطفت و حمایت میں ایسی گزری کہ دن عید رات شب برات۔ ان کے عہد معدلت مہد میں علاوہ توسیع سلطنت کے ملک اور رعایا نے ہر اعتبار سے بے انتہا ترقی کی اور ملکہ نے اپنی خوش خصالی اور جبلی نیک دلی کے سبب سے رعایا کے دلوں میں وہ جگہ پائی کہ ایسی ہر دل عزیزی کسی بادشاہ کو نصیب نہیں ہوئی۔ جو بادشاہ ہوتا ہے اُس کا اثر ملک و رعایا پر پڑتا ایک معمولی بات ہے لیکن یہ بات البتہ عجیب و غریب ہے کہ جس بادشاہ نے اس ملک میں قدم تک نہ رکھا اور کالے کوسوں سمندر پار سے [illegible] ہو یہاں کے حالات سے آپ چشم دید واقفیت نہ ہو وہ کیسی بیدار مغز ہوگی کہ ہزاروں کوس سے اتنے بڑے ہندوستان پر حکومت کرتی رہی۔ ملکہ معظمہ کو اس پیرانہ سالی میں بھی اپنی رعایا برایا کی بہبودی اور بہتری حالت کے مقابلے میں اپنے آرام و آسایش کا مطلق خیال نہ تھا۔ یہ بات خالی از تعجب نہیں کہ باوجود اس کثرت مشاغل و انہماک امور اہم و مہتم بالشان سلطنت کے اُنھوں نے کچھ کچھ اردو بھی سیکھ لی اور خاص اسی غرض سے مولوی محمد عبدالکریم خاں صاحب بہادر سی۔ آئی۔ ای متوطن آگرے کو اپنا ہندوستانی سکرٹری مقرر فرمایا اور ہندوستانیوں کی خاطر مدارات [illegible]

یہاں تک مرکوز خاطر اقدس تھی کہ آخری وقت میں بھی آپ کے جنازے کے پاس دو ہندوستانی مسلمان ملازمہ نگہبان رہیں۔ جشن جوبلی میں بھی ہندوستانی فوج ہی کا باڈی گارڈ آپ کے جلوس کے ہمراہ تھا۔

اگر اس مبارک سلطنت کے زمانے کے مختصر اور ضروری حالات بھی لکھے جائیں تو ایک بہت بڑی کتاب بن جائے بھلا اس مختصر ضمیمے میں سوائے چند ضروری اور اہم مطالب کے اور کیا لکھا جا سکتا ہے پھر بھی اس تاریخ کی تکمیل کی غرض سے چیدہ چیدہ حالات وواقعات لکھے گئے ہیں۔ دراصل یہ بیان اس کتاب کے پہلے حصے میں آنا چاہیے تھا مگر دربار کا نقشہ دکھانے سے بہت جگہ گھر گئی اور ضخامت بہت بڑھ گئی اس مجبوری سے حصہ سوم میں ملکہ معظمہ اور اُن کے بعد کے دو اور بادشاہوں اُن کے صاحبزادے اور پوتے کے حالات لکھنے پڑے۔

پیدایش ملکہ معظمہ ۲۴ مئی ۱۸۱۹ء کو چار بجے صبح پیدا ہوئیں اس حساب سے آپ نے بیاسی سال کی عمر میں چونسٹھ برس کی طول طویل سلطنت کے بعد رحلت فرمائی۔ آپ محل کنسنگٹن واقع لندن میں پیدا ہوئیں۔ آپ کے والد ماجد کا اسم گرامی **ڈیوک آف کنٹ** تھا جو آپ کی ولادت کے چند ماہ بعد قضا کر گئے اور والدہ آپ کی لوئیسا وکٹوریا **ڈچس آف کنٹ** تھیں۔ پیدایش کے ایک مہینے بعد آپ کے اصطباغ کی رسم ادا ہوئی اور آپ کا اسم مبارک **الگزینڈرینا وکٹوریا** رکھا گیا۔ اس مبارک رسم میں شہنشاہ روس **الگزینڈر** اور دوسرے عزیز و قریب موجود تھے۔ شہزادی وکٹوریہ کی تعلیم و تربیت کا اہم فریضہ اُن کی بیوہ والدہ ماجدہ نے بڑے اہتمام اور عمدگی سے انجام دیا۔ **سر والٹر سکاٹ** مشہور فسانہ نگار نے آپ کو پانچ برس کے سن میں دیکھا تھا اور تب ہی کہہ دیا تھا کہ وہ اس صغر سن لیڈی کی تعلیم نہایت حزم و احتیاط سے ہو رہی ہے اور ایسی سخت نگرانی کی جاتی ہے کہ کسی کو اتنا کہنے کا بھی موقع نہیں ملتا کہ وہ تخت انگلستان کی وارث ہیں ۔ جوں جوں ملکہ کی عمر بڑھتی گئی ویسے ہی ویسے نگرانی کی ضرورت گھٹتی گئی۔ جب آپ نے بفضل خدا اٹھارویں سال میں قدم دھرا تو آپ کی سالگرہ کی تقریب بڑی دھوم دھام سے منائی گئی۔

تخت نشینی

اس سالگرہ کے چند ہی روز بعد آپ مالک تخت و تاج انگلینڈ ہوئیں جارج ثالث بادشاہ انگلینڈ کے چار بیٹے تھے اور ملکہ کے والد ڈیوک آف کنٹ سب سے چھوٹے تھے۔ بظاہر کوئی اُمید جناب ممدوحہ کے مالک تخت ہونے کی نہ تھی مگر جناب ممدوحہ کا ستارۂ اقبال چمک رہا تھا۔ ولیم چہارم بادشاہ کے کوئی اولاد نہ ہوئی انتقال کے بعد ان کے چھوٹے بھائی ڈیوک آف کنٹ کی اکلوتی صاحبزادی شاہزادی الگزینڈرینا وکٹوریا کے فرق مبارک سے تاج انگلینڈ نے زینت پائی۔ ان دونوں ولیم چہارم کی عمر بہتر سال کی تھی۔ ورم گردہ کی شکایت تھی۔ سات برس سلطنت کرنے کے بعد ولیم چہارم نے ۲۰ جون ۱۸۳۷ء کو دو بجے شب کے انتقال فرمایا۔ آرچ بشپ آف کنٹربری اور لارڈ چیمبرلین دونوں پانچ بجے صبح کے کنسنگٹن کے محل میں پہنچے۔ دربان کے بیدار کرنے میں بہت دقتیں دینا پڑیں گھنٹی کو کھینچا اور دروازے کو کھٹکھٹایا تب کہیں دروازہ کھلا تب صحن میں داخل ہوئے۔ دربان نے خبر نہ لی اور تھوڑی دیر ان کو انتظار کرنا پڑا پھر اُنھوں نے گھنٹی بجائی اور کہا کہ ہم شہزادی کو ایک اہم خبر سے فوراً مطلع کرنا چاہتے ہیں۔ تھوڑی دیر پھر سناٹا رہا اور کسی نے آکر جواب نہ دیا۔ پھر تیسری مرتبہ گھنٹی بجائی تو شہزادی کی خادمہ آئی اور اس نے کہا کہ "شہزادی ایسی میٹھی نیند آرام فرما رہی ہیں کہ میں اُن کو بیدار کرنے کی جرأت نہیں کر سکتی"۔ اس پر لارڈ چیمبرلین نے کہا کہ "ہم انتظام ملک کی غرض سے اپنی ملک کی خدمت میں حاضر ہوئے ہیں اور وہ انتظام ایسا ضروری ہے کہ وہ اگر خواب استراحت سے بیدار کی جائیں تو کچھ مضائقہ نہیں"۔ اس پر جناب ممدوحہ بیدار کی گئیں اور چند ہی منٹ میں شب خوابی کی سفید گون پہنے سر کے بال کھلے شانوں پر بکھرے شال اوڑھے نری سلیپر پہنے برآمد ہوئیں تاکہ یہ معلوم ہو جائے کہ جو کچھ دیر لگی وہ خود بدولت کی طرف سے نہ تھی۔ جب آپ کو ولیم چہارم کی وفات اور اپنے ملکۂ انگلستان ہونے کی اطلاع ہوئی تو آپ کی آنکھوں میں آنسو ڈبڈبا آئے کہ ایسی ذمہ داری کے بوجھ کو یہ کمزور کندھے کیسے سنبھال سکیں گے۔ غرض یہ کہ سوئی تھیں شہزادی اور آنکھ جو کھولی تو انگلینڈ کی ملکہ تھیں! جب آپ نے

بادشاہ کے انتقال کی خبر سنی تو یوں گوہر فشاں ہوئیں کہ "میری طرف سے آپ نماز ادا کیجئے"۔ جس وقت آپ تخت نشین ہوئیں آپ کی عمر کیا تھی صرف اٹھارہ برس لیکن وہ اس صغر سنی میں بھی اپنی بھاری ذمہ داریوں سے بخوبی واقف تھیں چنانچہ آپ نے بر سر دربار ارشاد فرمایا۔ "یہ بھاری ذمہ داری مجھ پر اس قدر دفعۃً کم عمری میں آن پڑی ہے کہ اگر مجھ کو اُس باری تعالیٰ پر جس نے مجھ کو یہ کام سپرد فرمایا ہے پورا بھروسہ نہ ہوتا کہ وہ میرے ادائے فرائض منصبی میں طاقت بخشے گا اور اپنے پاک و صاف خیالات اور رفاہ عام کی بابت اپنی سرگرمی پر مجھ کو اطمینان نہ ہوتا جیسا کہ پختہ اور تجربہ کار لوگوں کو ہوتا ہے تو میں ایسی بھاری ذمّے داری سے بالکل پریشان ہو جاتی"۔ جناب ممدوحہ نے اُسی وقت پیشین گوئی فرمائی تھی کہ "حتی المقدور اپنی ہر درجے کی رعایا کو آسائش اور راحت پہونچانے کے لیئے میں کوشش کروں گی اور اُن کے حقوق کی حفاظت استحکام کے ساتھ کروں گی"۔ ہر ایک عہدہ دار آپ کے سامنے دو زانو ہو کر دست مبارک کو بوسہ دیتا تھا۔ ڈیوک آف سسکس ملکہ سے کسی قدر فاصلے پر تھے اور بسبب کبر سنی کے اس ریل پیل میں جناب ممدوحہ تک نہیں پہونچ سکتے تھے یہ دیکھ کر حضور ممدوحہ نے اپنا دست شفقت خود اُن کی طرف بڑھایا۔ حضور ممدوحہ نے باوجود حداثت سن اپنے پہلے درباری فرائض کو اس حسن و خوبی سے انجام دیا کہ ارکان و اعیان سلطنت متحیر رہ گئے۔

شادی میمنت آبادی

تخت نشینی کے دو سال بعد ملکہ معظمہ کی زندگی میں سب سے ضروری اور اہم واقعہ آپ کی شادی خانہ آبادی تھی جو ۱۰ فروری ۱۸۴۰ء کو پرنس البرٹ کے ساتھ ہوئی جن کو شادی کے بعد پرنس کنسورٹ کا لقب ملا اور جو آپ کے چچیرے بھائی تھے یہ شادی پولیٹکل یا خارجی اسباب سے نہیں ہوئی بلکہ صرف باہمی محبت کی وجہ سے ۱۶ جنوری ۱۸۴۰ء کو ملکہ معظمہ نے افتتاح پارلیمنٹ کے وقت بہ نفس نفیس اس شادی کا ارادہ ظاہر فرمایا ملکہ اپنے شوہر سے تین مہینے عمر میں بڑی تھیں ۱۸۳۶ء میں پہلے پہل آپ کا تعارف شہزادے سے ہوا۔ تب ہی ملکہ کے دل میں آپ کی خوب صورتی اور دل فریب اوضاع و اطوار نے اپنا نقشہ جما لیا تھا حضور ممدوحہ

نے اس شادی کو نہ صرف اپنی خانگی مسرت بلکہ رعایا کے ملک کی بہبودی کے لئے بھی ضروری خیال کیا تھا۔ تین سال کے بعد پھر شاہزادے انگلستان تشریف لائے ملکہ نے انھیں دونوں شہزادے کے حسن و جمال اور اوصاف کے ایک پرجوش خط اپنے چچا شاہ بلجیم کو لکھا اور اس کے بعد اپنے وفادار مشیر بیرن سٹاک مار کو تحریر فرمایا کہ "پرنس البرٹ نے میرا دل چھین لیا ہے اور آج صبح سے ہم دونوں نے تمام باتوں کا تصفیہ ہو گیا ہے" چنانچہ جب آرچ بشپ آف کینٹربری نے خانگی مشورے کے وقت آپ سے یہ دریافت کیا کہ بلحاظ اعزاز شاہی کہ اگر شادی کے خطبے میں لفظ تابع خارج کر دیا جائے تو مناسب ہے۔ آپ نے فرمایا "مائی لارڈ شادی کی رسموں میں سے کوئی چیز ترک نہ ہونے پائے میں بہ حیثیت ایک زوجہ کے شادی کرنی چاہتی ہوں نہ بہ حیثیت ملکہ کے"۔ شادی کے بعد اکیس برس تک اس شاہی جوڑے کے باہمی اتحاد۔ پاکبازانہ زندگی اور سادگی وغیرہ سے انگلستان کی رعایا کے دلوں پر جو عمدہ اثر ہوا اُس سے ملک کو بے انتہا فائدہ پونہچا۔ بادشاہان سلف کے زمانے میں محلات شاہی اور دربار دں میں جو جو خرابیاں تھیں سب رفع ہو گئیں۔ ان ہر دو نیک زادوں کے عمدہ رویہ نے ایسا بیش بہا فائدہ ملک کو پونہچایا کہ جس کا حد و حصر نہیں۔ ۲۱ر نومبر ۱۸۴۰ء کو پہلی شہزادی پرنسس رائل تولد ہوئیں۔

پرنس کنسرٹ کا انتقال

شاہ ہو یا گدا سب کو مرنا برحق۔ جھونپڑی ہو یا محل ہادم اللذات سب جگہ موجود۔ دنیا میں آنا جانے کی خبر دیتا ہے۔ جس نے ماں کا پیٹ دیکھا وہ قبر کا گڑھا ضرور دیکھے گا پر دیکھے گا دنیا میں موت جیسی متیقن اور کوئی چیز نہیں۔ ۱۶ر مارچ ۱۸۶۱ء کو ملکہ معظمہ کی والدہ ماجدہ نے سفر آخرت اختیار کیا ابھی آنسو نہ تھمے تھے ۱۴ر دسمبر ۱۸۶۱ء کو شوہر کا داغ کا بیٹھا۔ یہ جوانی اور رنڈاپا۔ اللہ اکبر۔ یہ وہ مقام ہے جہاں بڑے سے بڑے بادشاہ کی بھی کچھ نہیں چلتی اُس شاہنشاہ کے سامنے سب کے سر تسلیم خم ہیں جس کی بادشاہت ابدی اور ازلی ہے۔ پرنس کنسرٹ کے متعلق اُس وقت پارلیمنٹ میں لارڈ ڈزریلی نے جو تقریر کی تھی اس کا ماحصل یہ تھا کہ "پرنس البرٹ کی وفات سے ہم نے اپنے ملک کا بادشاہ

کھویا ہے۔ ملکہ کے وہ مستقل خانگی معتمد اور مستقل وزیر اعظم تھے۔ ہمارے ملک کے بزرگ لوگ اور اس وقت جو جوان لارڈ اس کیبنٹ میں موجود ہیں وہ بالاتفاق تسلیم کریں گے کہ اس جرمن شہزادے نے جس عقل مندی اور مصلحت کے ساتھ ملکۂ انگلستان کی اکیس سال خدمت ادا کی ہے ویسی ہمارے کسی بادشاہ میں نظر نہیں آتی؛ انگریزوں میں شادی اپنی پسند کی ہوتی ہے اسی طرح ملکہ نے بھی اپنے شوہر کو پسند فرمایا تھا۔ اس انمول جوڑے میں بے انتہا محبت تھی۔ حیف صد حیف کہ چند ماہ کے فصل سے ماں کا سایہ سر پر سے اُٹھ گیا اور پھر جوڑا بچھڑ گیا۔ یہ دوسرا صدمہ ماں اور شوہر کے انتقال کا جناب ممدوحہ پر ایسا پڑا کہ تمام ملک میں غم و الم کی گھٹا چھا گئی میاں بیوی نے ہل مل کر صرف اکیس ہی سال مسرت و انبساط سے کاٹے کہ ملکہ عین عالم جوانی میں بیوہ ہو گئیں۔ جس قیامت کی رات ملکہ کے شوہر نے انتقال کیا جناب ممدوحہ نے نرغۂ غم و الم سے فرمایا " آج میری نظروں میں دنیا اندھیری ہے۔ میرے حساب سے سب چیزیں مر گئیں "۔ لیکن اُسی وقت دل کڑا کر کے یہ بھی ارشاد فرمایا کہ "میں اپنے فرائض کی ادائی میں تو کبھی کوتاہی کرنے والی نہیں "۔ سبحان اللہ کیا استقلال ہے اور کیسی ہمت ہے! شوہر کی وفات کے بعد کئی برس تک ملکہ غم و الم میں ایسی ڈوبی رہیں کہ گویا یہ وہ ملکہ نہ تھیں جو کہ پہلے تھیں لیکن زمانہ بڑا مصلح اور غم غلط کن ہے۔ جب صاحب زادے اور صاحب زادیاں بڑے ہوئے۔ پروان چڑھے۔ پوتوں اور نواسوں نے گھر کی چہل پہل اور رونق بڑھائی تو لامحالہ غم کے اشتداد میں کمی ہوئی اور ملکہ معظمہ تھوڑی بہت دلچسپی کاروبار دنیا میں لینے لگیں۔

ولی عہد کی خطرناک علالت اور دیگر حوادث

ہندوستان کے غدر کے بعد ۱۸۷۱ء میں پرنس آف ویلز کی خطرناک علالت نے ملکہ کے دل پر سخت صدمہ پہنچایا۔ شہزادے کی زیست کی اُمید بہت کم تھی لیکن وہ کریم و کارساز جس نے ملکہ کو ہمارے سروں پر (۵۲) سال قایم و برقرار رکھا اور (۵۰) برس اُن کی سلطنت کی برکات سے مستفید کیا۔

اُس نے اِن کے بعد ایک لایق وفایق شہنشاہ ہونے کے لئے جو اپنی والدہ ماجدہ کے قدم بقدم چلے پرنس آف ویلز کو حیات تازہ بخشی کہ وہ آگے چل کر بہ لقب ایڈورڈ ہفتم ایک لایق۔ تجربہ کار اور ہر دل عزیز بادشاہ بنے۔ ۱۸۷۲ء میں ملکہ کی ہمشیرہ[1] عزیزہ کا انتقال ہوا اور ۱۸۷۸ء میں شہزادی الیس کے انتقال سے آپ کے دل پر سخت صدمہ ہوا۔ ۱۸۷۹ء میں زولو کی لڑائی کے وقت ملکہ کو کچھ کم بے چینی نہیں رہی اُس پر طرہ یہ ہوا کہ کابل میں رزیڈنٹ اور اُن کے تمام لوگوں کو سکھوں کو کابلیوں نے قتل کیا اور اُس کے بعد ایک بھاری جنگ ہوئی۔ ۲۸ مارچ ۱۸۸۴ء کو ملکہ معظمہ کے فرزند کہیں ڈیوک آف البینی نے عین عالم شباب اکتیس سال کی عمر میں دو چھوٹے چھوٹے بچے چھوڑ کر انتقال کیا۔ دنیا دار المحن ہی فکر اور غم سے کوئی خالی نہیں۔ ملکہ کی عمر جوں جوں بڑھتی گئی افسوس ناک واقعات کی بھی ترقی ہوتی گئی۔ شہنشاہ جرمن فریڈرک ایمینویل آپ کے داماد نے انتقال کیا۔ یہ دونوں جانکاہ صدمے ہنوز جناب محتشمہ کو تازہ ہی تھے کہ ۱۴۔ جنوری ۱۸۹۲ء کو ملکہ کے بڑے پوتے ڈیوک آف کلیرنس نے عین عالم شباب یعنی (۲۸) کی اُٹھتی جوانی میں اُس وقت میں جب کہ اُن کی تقریب شادی کی تیاریاں بڑی دھوم دھام سے ہو رہی تھیں سخت بخار سے انتقال کیا۔ شادی کے گھر میں صف ماتم بچھ گئی۔ بڑھیا دادی کے غم زدہ دل پر کوہ الم ٹوٹ پڑا۔ ؎

گر پیر نود سالہ بمیرد عجبے نیست
ایں ماتم سخت است کہ گویند جواں مرد

ملکہ معظمہ کو بڑہاپے میں جوان بیٹے اور ہونہار پوتے نے بڑا داغ دیا۔ یہ دہرا اُوہرا صدمہ ایسا نہ تھا کہ سارے ملک میں سنسنی نہ پھیل جائے تمامی سلطنت میں ان حوادث کا سخت ماتم ہوا اور رعایا و برایا نے اپنی ملکہ کی مصیبت میں پوری ہمدردی کی جس کا اُن کے قلب صافی پر بڑا گہرا اثر ہوا اور قلعہ آسبرن سے ۲۶ جنوری ۱۸۹۲ء کو ایک نہایت پر درد و اثر فرمان اپنی جان نثار رعایا کے نام بقلم خاص تحریر فرمایا۔ جو یہ ہے:-

"میری سلطنت کے ہر خطے کی رعایا نے اس غمگین اور جانکاہ سانحے پر جو صرف

[1] حقیقی بہن تو آپ کی کوئی تھیں نہیں یہ کوئی رشتے کی بہن ہوں گی ۱۲

ایک حادثے کے سوائے (شوہر کی وفات) سب سے زیادہ رنج دہ تھا مجھ پر اور ساری قوم پر پڑا ہے مجھے پھر اُس نہایت گہری خیر خواہانہ شفقت آمیز ہمدردی کا اظہار کرنا چاہیئے۔ یہ مصیبت ناک سانحہ جب کہ دفعتہً میرے پیارے پوتے کی زندگی کا پھول عنفوان شباب میں مرجھا گیا جو آیندہ بہت ہونہار تھا اور پسندیدہ اور حلیم اور ہمیشہ سب کا پیارا تھا۔ مشیت ایزدی کے سامنے سر تسلیم خم کرنے کے لیئے اُس کے غم زدہ والدین۔ اُس کی پیاری نوجوان دلہن اور اُس کی شیدا دادی کے لیئے اور زیادہ مصیبت ناک ہے۔ ایسے وقت میں لاکھوں اشخاص کی موثر ہمدردی نہایت تسلی دہ ہے۔ میں خود اور اپنے بچوں کی طرف سے نہایت گرم جوشی سے سب کے احسان مندی کا اظہار کرتی ہوں۔ ہمارے ساتھ اس قسم کی ہمدردی کی شہادت اور میرے پوتے کی پسندیدگی کا اظہار جس کو میں بیٹے کی طرح چاہتی تھی اور جو خود بھی مجھ سے بیٹوں کی سی عقیدت مندی رکھتا تھا ہمارے واسطے اس مصیبت میں امداد اور تسلی ہوگی۔ میرے حوادث میری سلطنت کے پچھلے تیس سالوں میں بے شک بہت بھاری ہوئے ہیں۔ اگرچہ وہ محنت۔ ترددات اور ذمہ داریاں جو میرے مرتبے سے جدا نہیں ہو سکتیں بہت بڑی ہیں تاہم میری دلی دعا ہے کہ خداوند کریم مجھے صحت و توانائی عطا فرمائے تاکہ اپنے پیارے ملک اور سلطنت کی بہتری اور خوشنودی کے لیئے جب تک زندگی باقی ہے کام کرتی رہوں۔ دستخط وکٹوریہ۔

اس کے بعد اگست ۱۹۰۰ء میں آپ کے صاحبزادے **ڈیوک آف کوبرگ** نے جن کو لوگ زیادہ تر **ڈیوک آف ایڈنبرا** کے نام سے جانتے ہیں۔ انتقال فرمایا۔ ان پیہم صدمات سے جو جناب محتشمہ کے دل پر پہنچے اُن کے غم و الم کا اندازہ بہت مشکل ہے۔

اتفاقی حوادث

کہتے ہیں کہ بادشاہ کی جان کا محافظ اللہ ہوتا ہے ورنہ ہزار دشمن ہزار دست۔ ملکہ کی زندگی بھی ایک قدرت الہیٰ کا نمونہ ہے کئی موقعوں پر آپ کی جان کو دیوانوں اور مجنونوں سے بے انتہا خطرے پہنچے ہیں۔ شادی کے بعد ہی ۱۰ جون ۱۸۴۰ء کو ایک نوجوان شخص نے جس کا نام **ایڈورڈ آکسفورڈ** تھا آپ پر تفنگچہ سر کیا جب کہ

آپ مع اپنے شوہر کے ایک کھلی گاڑی میں سوار تھیں۔ اُس نے ایک چھوڑ دو فیر تیں لیکن دونوں نشانوں نے خطا کی اور ملزم گرفتار کر لیا گیا۔ اُس کی پھانسی کا حکم ہوا تھا مگر پھر دارالمجانین میں حبس دوام کیا گیا اور آخر کار ۱۸۶۷ء میں اُس کی جان بخشی ہو کر جلاوطن کر دیا۔ اس سانحے پر ولایت میں بڑی ہلچل پڑ گئی۔ ہزاروں تار مبارک باد کے آئے۔ بہت سے سپاس نامے پیش ہوئے۔ اس کے دو سال بعد جب جناب ممدوحہ گرجے سے واپس تشریف لا رہی تھیں تو ایک بدمعاش نے پھر تفنگچہ چلایا مگر گولی نے خطا کی اور ملزم بھاگ گیا دوسرے دن پھر اسی شخص نے ملکہ پر جبکہ وہ گاڑی میں سوار تھیں وار کیا یہ بھی خالی گیا اب کی دفعہ وہ نابکار پکڑا گیا اور پھانسی کا حکم ہوا لیکن شاہی مرضی کے مطابق اس کی جان بخشی ہوئی اور عمر قید پر اکتفا کیا گیا جس دن یہ فرمان عطوفت نشان صادر ہوا اسی روز ایک کبڑے چھوکرے نے ملکہ معظمہ پر حملہ کیا لیکن شکر خدا کا کہ کچھ ہوا ہوایا نہیں غرض اسی طرح جناب ممدوحہ پر اسی قسم کے مخبوط[۱] الحواس لوگوں سے کئی حملے کئے۔ اگر جناب ممدوحہ مستقل مزاج۔ جری۔ اور مضبوط القوی نہ ہوتیں یا اور کوئی آپ کی جگہ ہوتا تو ضرور گھبرا جاتا۔ چند سال بخیر و خوبی گزرے پھر ۱۸۴۹ء میں ایک آئیرش نے آپ پر خالی کارتوس چلایا اور اس کے دوسرے برس ایک فوجی کپتان نے آپ کے چہرۂ مبارک پر ایک بید مارا۔ ۱۸۷۲ء میں ایک آئیرش دیوانہ چھوکرا آپ کے پاس جا گھسا جس کے ایک ہاتھ میں عرضی اور دوسرے میں پستول تھا۔ دس سال بعد جب کہ آپ ونڈزر کے سٹیشن پر گاڑی میں سوار ہوتی تھیں ایک دیوانے شخص نے گولی چلائی۔ آپ پر صرف یہی حوادث پیش نہیں آئے بلکہ بچپنے میں بھی ایک دفعہ آپ بندوق کی زد سے بال بال بچ گئیں۔ ایک لڑکا کسی چڑیا پر نشانہ لگا رہا تھا کہ کھڑکی توڑ کر چھرے آپ کے سر پر سے نکل گئے۔ جب آپ کی عمر چار سال کی تھی تو آپ کی گاڑی اُلٹ گئی تھی۔ ایک آئیرش سپاہی نے گاڑی کو آپ کے جسم مبارک پر گرنے سے تھام لیا۔ آپ کی عمر چودہ برس کی تھی کہ آپ ایک کشتی پر سوار تھیں قضارا کشتی کا مستول ہوا کے صدمے سے ٹوٹ گیا ممکن تھا کہ وہ آپ پر

سلہ[۱] اکثر دیکھا گیا ہے کہ بادشاہوں یا کسی اور بڑے آدمی پر حملہ کرنے والے اپنے آپ پاگل بنا لیتے ہیں۔ ۱۲

کرتا اور خدانخواستہ کچھ آپ کے دشمنوں کو نقصان پونہچاتا۔ مگر آپ کو کوئی گزند نہیں پونہچا۔ اُسی وقت ایک دوسری کشتی اتفاق سے آگئی اور آپ اُس میں سوار ہوگئیں۔ ایک دوسرا حادثہ کشتی کا اس سے بڑھ کر ہوا کہ آپ جس کشتی میں رونق افروز تھیں اُس کی ٹکر کسی دوسری کشتی سے ہوگئی وہ کشتی آپ کے دیکھتے دیکھتے مع اُن آدمیوں کے جو اُس پر سوار تھے ڈوب گئی جس کا آپ کو بڑا افسوس ہوا مگر قدرت خدا کی کہ آپ کی کشتی بالکل محفوظ رہی۔ ایک مرتبہ جب کہ آپ اور آپ کی والدہ بگھی میں سوار تھیں گھوڑے بھڑکے اور لے بھاگے بڑی خیر گزری کہ ایک راہ چلتے نے جھپٹ کر گھوڑوں کو تھام لیا۔ اس کے سوا اور بھی ایسے کئی واقع پیش آئے ہیں مگر ہر حال میں خدا حافظ و نگہبان رہا۔

اولاد ملکہ معظمہ جہاں ہر اعتبار سے خوش نصیب تھیں وہاں اولاد کی طرف سے بھی اُن کی گود پیٹ بھری پُری تھی۔ آپ کے پوتے پوتیاں نواسے نواسیاں وغیرہ ملا کر خدا رکھے بھرا پُرا کنبہ تھا لیکن ساتھ ہی اس کے آپ نے اپنے جگر گوشوں کی موت کے بڑے بڑے صدمے بھی اُٹھائے۔ اول ہی آپ اپنے شوہر کے انتقال سے عمر بھر رنجیدہ اور ملول رہیں اور سوائے اکیس سال کے ساری عمر رنڈاپے میں تیر کی اور جوان جوان صاحبزادوں اور صاحبزادیوں اور پوتوں کے مرنے کے صدمات عظیم کو بھی نہایت تحمل و استقلال اور صبر و شکر سے برداشت کیا۔ مگر بڑھاپے میں اولاد کا داغ خدا نہ دکھائے اواخر عمر میں آپ کو بہت بڑے بڑے صدمے اُٹھانے پڑے۔ ایک نوجوان بیٹے ڈیوک آف البنی کا انتقال پھر جان جوان پوتے ڈیوک آف کلیرنس کا صدمہ اور تیسرے سب سے اخیر ڈیوک آف اڈنبرا کا سنہ ۱۹۰۰ء کا اس دار فانی سے کوچ۔ ان صدمات کا حال اُس ماں کے دل سے پوچھا چاہیئے جس پر یہ گزرے۔ ملکہ معظمہ کو نونچے ہوئے (۱) سب سے بڑی آپ کی وہ صاحبزادی تھیں جو بادشاہ جرمن کی خاتون محترم تھیں اور حال شہنشاہ جرمن کی والدہ۔ (۲) پرنس آف ویلز جو شہزادی ڈنمارک سے منسوب تھے اور جن کے پانچ بچے تھے۔ جن میں کے چار زندہ ہیں۔ پرنس آف ویلز کے بڑے صاحبزادے ڈیوک آف یارک (حال ملک معظم جارج پنجم)

کے چار بچے۔ ایک صاحب زادی کے دو بچے۔ ایک نا کتخدا اور ایک اولاد نہیں۔ (۴) شہزادی ایلس ماڈ میری جو سات بچے چھوڑ کر ۱۴۔ دسمبر ۱۸۷۸ء کو فوت ہوئیں سہ ۱ ؎ (۳) ڈیوک آف اڈنبرا جن کی خاتون شہنشاہ روس کی شہزادی ہیں۔ ان کے پانچ بچے ہیں ڈیوک نے سنہ ۱۹۰۰ء میں انتقال کیا۔ (۵) شہزادی ہلنا۔ پانچ بچے۔ (۶) شہزادی لوئی (۷) ڈیوک آف کناٹ جو پروشیا کی شہزادی سے منسوب ہیں تین بچے۔ جناب ممدوح عرصے تک ہندوستان میں کمانڈر ان چیف رہے ہیں اور پھر سنہ ۱۹۰۳ء کے کارونیشن دربار میں بھی تشریف لائے تھے (۸) ڈیوک آف البنی جنھوں نے دو بچے چھوڑ کر سنہ ۱۸۸۴ء میں انتقال کیا۔ (۹) شہزادی بیاٹرس (چار بچے)

آپ چھ بچے چھوڑ کر مریں پوتے پوتیوں نواسے نواسیوں اور اُن کی اولاد ملائی جائے تو جو مر گئے اُن کو چھوڑ کر بھی (۴۷) ملکہ کی زندگی تک موجود تھے۔

ڈیوک آف یارک کی شادی

پرنسس میری ڈیوک آف کلیرنس کی منگیتر تھیں وہ اچانک عالم جوانی میں عالم بقا کو سدھارے انھیں سے ۶ جولائی سنہ ۱۸۹۳ء کو اُس کے چھوٹے بھائی **ڈیوک آف یارک** (ملک معظم جارج پنجم) کی شادی بڑی دھوم دھام سے ہوگئی جن کے ایک لڑکا بھی پیدا ہوا جو اب **پرنس آف ویلز** ہیں اور جو ملکہ مرحومہ کے پڑ پوتے ہیں۔ ملکہ معظمہ کی ایک بسوط سوانح عمری میں ہم نے ایک تصویر دیکھی ہے جس کا عنوان **چار پشت یا چار پیڑھی** ہے اس تصویر میں ملکہ معظمہ اپنے اس چھوٹے سے پڑ پوتے کو آغوش محبت میں لیئے ہوئے اُن کے چہرے سے مسکراہٹ اور آثار مسرت ظاہر ہیں۔ دائیں اور بائیں پرنس آف ویلز (ایڈورڈ ہفتم) اور ڈیوک آف یارک (جارج پنجم) باپ بیٹے کھڑے ہیں۔ اس حساب سے جناب ممدوحہ نے چوتھی پشت دیکھ لی جو اس زندگی ناپائدار میں سوائے ایسے خوش نصیبوں کے دوسروں کو کم نصیب ہوتی ہے۔

کچھ بچپنے کی چٹپٹی باتیں

ملکہ معظمہ کے متعلق بے شمار حکایتیں مشہور ہیں۔ جن میں خاص کر بچپنے کی باتیں بڑی دل آویز ہیں۔ ہونہار بروے کے چکنے چکنے پات پوت کے پاؤں پالنے ہی میں معلوم

سہ ۱ ؎ [illegible] بچے بھی ہوئے ہیں سنہ بعد میں ان کی بھی شادی ہوگئی ۱۲

دیتے ہیں اچھوں کے اچھے ہی ہوتے ہیں۔ ملکہ معظمہ شروع ہی سے بڑی خلیق اور ملنسار تھیں۔ آپ اکثر ایک خچر پر سوار ہو کر نکلا کرتی تھیں جس پر ایک مکلف زین کے علاوہ خچر کے گلے میں نیلے گنڈے بھی پڑے رہتے تھے۔ آپ کی عادت تھی کہ راہ چلتوں سے اکثر پوچھ لیا کرتی تھیں۔ "اچھے ہو؟" اور سلام میں بھی خود تقدیم کرتی تھیں۔ جو لوگ آپ کو سبز کٹہرے کے اندر ہری گھانس کے تختوں پر کھیلتے دیکھ لیتے تھے اکثر آپ کے ہاتھ چوم لیتے تھے۔ آپ نے بچپنے میں بھی کبھی فضول خرچی نہیں کی حالاں کہ گھر میں اللہ کا دیا سب ہی کچھ تھا اور پھر ماں باپ کی اکلوتی اور لاڈلی شاہی گھرانے کی بیٹی جتنا کرتیں تھوڑا تھا مگر یہ رکھ رکھاؤ اور تعلیم کی خوبی تھی جو کفایت شعاری خمیر میں داخل ہوگئی۔ ایک مرتبہ کیا ہوا کہ ۱۸۲۷ء میں آپ کسی میلے میں تشریف لے گئیں تھیں۔ بہت سے عزیز واقارب دوست احباب کے لئے تحفے تحائف خریدنے میں آپ کو جو کچھ روپیہ میوہ خوری کے لئے ملا تھا صرف ہو گیا اس وقت آپ کو خیال آیا کہ اوہو فلاں بھانجے کے لئے کچھ نہیں لیا۔ آپ نے اس کے لئے ایک بکس پسند کیا جس کی قیمت بھی کچھ زیادہ نہ تھی صرف نصف کراؤن۔ دکان دار نے چاہا کہ آپ کی اور چیزوں کے ساتھ اس بکس کو بھی رکھ دے دام کوئی بھاگے جاتے تھے آ جائیں گے۔ لیکن آپ کی گورنس نے کہا "نہیں۔ اس وقت دام نہیں ہیں اس وجہ سے شہزادی خرید نہیں سکتیں پھر دیکھا جائے گا آپ اس بکس کو نکال کر الگ رکھ دیجئے"۔ شہزادی اس بات سے خوش ہوئیں اور جب حسب معمول آپ کو جیب خرچ ملا تب آپ خچر پر سوار ہو کر آئیں اور اس بکس کو خرید لے گئیں۔ اس سے ہر شخص کو ایک عمدہ سبق حاصل ہوتا ہے کہ جب تک پیسہ ہاتھ میں نہ ہو اُدھار کبھی بھول کر نہ کرے جو لوگ قرض سودا خریدتے ہیں وہ بے دھڑک جو دل میں آیا لے لیتے ہیں کیوں کہ دام تو اُس وقت دینے ہی نہیں پڑتے جو بوجھ معلوم دے۔

آپ کی اکثر عادت تھی کہ اپنے گورنس کے ساتھ بازار تشریف لے جایا کرتی تھیں ایک دن کا ذکر ہے کہ آپ ایک جوہری کی دکان پر کچھ خریدنے آئیں دیکھا کہ دکان دار کسی ایک اور نوجوان گاہک لیڈی کی طرف متوجہ ہے جو گھڑی کی ایک زنجیر کا سودا کر رہی تھی۔ زنجیر پسند کی۔ دام پوچھے تو بہت تھے۔ دام سُن کر وہ لیڈی بولی

ہو گئی اور کہا۔ "دام بہت ہیں اور مجھ میں اتنی سکت نہیں" یہ کہہ کر چلی گئی کہ "پھر کم دا موں کی لے لوں گی" شہزادی یہ سب ماجرا دیکھ رہی تھیں۔ اُس کے چلے جانے کے بعد آپ نے دکان دار سے پوچھا کہ "کیا تم جانتے ہو کہ یہ کون لیڈی تھیں؟" دکان دار "ہاں میں جانتا ہوں" آپ نے فرمایا کہ "جو زنجیر اُنھوں نے پسند کی ہے وہ تم اُن کو بھیج دو اور یہ بھی کہلا بھیجو کہ وکٹوریا چاہتی ہے کہ تم اس کو اُس عمدہ صفت کے عوض قبول کرو کہ تم نے جس چیز کو تم نہ لے سکتی تھیں نہیں خریدی اور اپنی خواہش نفسانی کو روکا" کئی برس کے بعد آپ کی ایک تصویر سرتاپا ماتمی لباس میں کھینچی گئی اور آپ کے جسم پر کوئی زیور نہ تھا۔ لوگوں نے التماس کیا کہ تصویر کھنچوائی ہے آپ کچھ تو زیور زیب تن فرمائیں۔ آپ نے فرمایا "نہیں۔ یہ تصویر تو میرے لوگوں میں جائے گی۔ جہاں تک میرے بس میں ہے میں یہ چاہتی ہوں کہ فضول خرچی کا سدباب ہو"

ملکہ کو اس طرح اُٹھایا گیا کہ غریب اور امیر سب کے ساتھ یکساں اخلاق اور پسندیدہ اطوار کا برتاؤ کریں۔ ایک دن جب کہ شہزادی ملبرن میں اپنی والدہ کے ساتھ مقیم تھیں اپنے چھوٹے سے کتے کو لیے ہوئے اپنی ماں اور اتالیقہ کے آگے آگے دوڑ رہی تھیں کہ رستے میں اُن کو اپنی ایک ہم عمر لڑکی ملی جو تھی تو دیہاتی مگر لباس صاف ستھرا تھا۔ بوجہ ہم سنی شہزادی کا دل چاہا کہ اس سے کچھ بات کریں تو اُنھوں نے یوں بات چھیڑی کہ "میرا کتا بہت تھک گیا ہے کیا تم مہربانی کر کے اسے اُٹھا لو گی؟" اُس خوش مزاج لڑکی نے جسے خبر نہ تھی کہ یہ لڑکی شہزادی ہے کہا "ہاں کیا مضائقہ ہے" اور جھٹ کتے کو گود میں اُٹھا لیا اور دونوں برابر ہنسی خوشی باتیں کرتی چلی جا رہی تھیں تھوڑی دور جا کر اُس لڑکی نے کہا کہ "میں تو تھک گئی اور آپ کے کتے کو زیادہ دیر تک نہیں اُٹھا سکتی" شہزادی۔ "کیا واقعی؟ ناممکن۔ تم تو ابھی تھوڑی ہی دور لائی ہو" لڑکی۔ "میں تو خاصی دور لے آئی اور مجھے اپنی خالہ کے ہاں جانا ہے۔ اگر آپ کو کتے کو اُٹھوانا ہی ہے تو آپ خود کیوں نہیں اُٹھا لیتیں؟" شہزادی۔ "تمہاری خالہ کون ہیں؟" لڑکی۔ "مسز جانسٹن" شہزادی۔ "کہاں رہتی ہیں؟" لڑکی۔ "وہ سامنے والے چھوٹے سے گھر میں جو پہاڑ کے دامن میں نظر آتا ہے۔" یہ باتیں دونوں لڑکیاں کھڑی آپس میں کر رہی تھیں کہ اتنے میں شہزادی کی والدہ اور اتالیقہ

بھی آگئیں۔ شہزادی۔ "میرا دل تمھاری خالہ سے ملنے کو جا ہتا ہے۔ میں تمھارے ساتھ چلتی ہوں۔ آؤ ہم تم دونوں دوڑ چلیں" گورنس۔ (ملکہ کا ہاتھ پکڑ کر) "شہزادی نہیں نہیں۔ آپ اس لڑکی سے بہت دیر باتیں کر چکیں۔ آپ کی اماں جان فرماتی ہیں کہ گھر چلیئے" شہزادی کے لفظ کو سن کر بے چاری غریب لڑکی سٹپٹا گئی اور تھر تھرانے لگی۔ لیکن ملکہ کی والدہ نے اسی وقت نہایت تلطف آمیز مہربانی سے اس لڑکی کی تکلیف فرمائی کا شکریہ ادا کیا اور ایک اشرفی اسے انعام دی۔ وہ لڑکی بہت خوش ہوئی اور شکریہ ادا کیا اور دوڑی دوڑی اپنی خالہ پاس جا کر سب ماجری بیان کیا۔ وہ اشرفی ایک چوکھٹے میں جڑ کر اب تک ملکہ کی ملاقات کی یادگار میں اُن کے مکان میں لگی ہوئی ہے۔

ملکہ کی ہمدردی اور نیک مزاجی کی بہت سی حکایتیں آپ کی تخت نشینی کے بعد کی بھی ہیں۔ ایک دن آپ کے ملاحظہ اور پسند کے لئے کچھ کنگھن پیش کیے گئے تھے۔ اُن میں سے آپ نے پچیس پونڈ کی ایک جوڑی پسند فرمائی۔ اسی اثناء میں کسی لیڈی نے ایک قدیم عہدہ دار کی بیوہ عورت کی عرضی پیش کی۔ ملکہ نے عرضی پڑھی اور متاثر ہو کر وہ کنگھن تو دیئے رکھ اور اُس کی قیمت پچیس پونڈ اِس بیوہ کو بھیج دی۔

برسوں سے ایک بڈھا کنسنگٹن کے محل کے سامنے والی سڑک جھاڑا کرتا تھا۔ ملکہ شہزادگی کے زمانے سے جب کبھی گاڑی میں نکلتی تھیں اس بڈھے پر ترس کھا کر کچھ نقرئی سکے پھینک دیا کرتی تھیں۔ جب آپ خود ملکہ ہوئیں تو تو اُس بڈھے کی آٹھ شلنگ ہفتہ وار پنشن مقرر کر دی لیکن افسوس ہے کہ وہ بڈھا صرف چھ ہی مہینے جیا۔

ملکہ معظمہ نے اپنے والد کا قرضہ جو پچاس ہزار پونڈ تھا ادا کر دیا۔ آپ کو اس بات کا بھی علم تھا کہ اُن کی والدہ بھی کچھ قرض دار ہیں۔ اُن کی راست باز صاحب زادی نے ایک دن ناشتہ کے وقت میز پر اُن کی رکابی کے پاس ایک لفافے پر اُن کا نام لکھ کر رکھ دیا۔ انھوں نے جو لفافے کو کھولا تو کیا دیکھتی ہیں کہ اُن کے سارے قرضے کی ادائی کی رسیدیں اُس میں موجود تھیں۔

ملکہ کی کام کی قابلیت

ملکہ معظمہ کبھی کام کرنے سے ہچکچاتی نہ تھیں۔ اوائل زمان سلطنت میں سویرے آٹھ بجے ہی سے کاغذات ملاحظہ فرمانے لگتی تھیں۔ لارڈ ملبرن نے ایک مرتبہ کاروبار کی فضولیت اور کثیر التعداد غور طلب کاغذات کے پیش کرنے کی معذرت بھی کی۔ آپ نے فرمایا "یہ تو صرف ایک تبدیل مشغلہ ہے۔ آپ جانتے ہیں کہ میں نے کبھی آرام طلبی کی زندگی بسر نہیں کی۔ مجھے اپنے روزانہ سبقوں کو چھوڑ کر ابھی کچھ زیادہ عرصہ نہیں ہوا" ارنسٹ پامرسٹن لکھتے ہیں کہ صرف ایک سال ۱۸۴۸ء میں اٹھائیس ہزار مراسلات ملاحظۂ اشرف سے گزرے۔ ایسے اہم دسترگ کاغذات کو اُن کے منسلکات کے ساتھ دیکھنا اور غور کرنا کوئی آسان کام نہ تھا۔ ذیل کے واقعے سے حضرت ممدوحہ کی غایت درجے کی انسانیت، نرم دلی اور پابندی اوقات کا حال معلوم ہوگا۔ آپ کے سٹاف میں ایک عہدہ دار بڑا جلد باز اور گڑبڑیا تھا۔ ایک دفعہ وہ ملکہ کی حضوری میں سلطنت کی ایک بڑی بھاری تقریب کے متعلق کچھ احکام اور ہدایات لینے کی غرض سے حاضر ہوا۔ ملکہ معظمہ نے ساری تفصیل اُسے سمجھا دی خدا جانے گھبراہٹ میں اُس نے پوری طور سے سنا نہیں یا سنا اور باتیں ذہن سے اُتر گئیں بہرحال وہ اُن ہدایات کو بھول گیا اور اب بہت سٹپٹایا کہ کیا کروں اور کیا نہ کروں۔ ملکہ معظمہ کی سمع مبارک تک بھی اُڑتی پڑتی یہ خبر پہنچی۔ آپ خود بدولت کمرے میں تشریف لے گئیں اور میز پر سے ایک تختہ پروگرام جو دست خاص سے ارقام فرمایا تھا وہ ایک عہدہ دار کو دیا اور کہا کہ فلاں صاحب کے پاس لے جاؤ اور اُن سے کہدو کہ وہ خیر کچھ مضائقہ نہیں میں نے جو کچھ اُن سے زبانی کہا تھا وہ سب اس کاغذ میں لکھا ہوا ہے اس سے اُن کو اُن امور کی تفصیل بخوبی معلوم ہو جائے گی۔ حضرت ممدوحہ بڑی پابندی سے اپنا روزنامچہ بھی قلم بند فرماتی تھیں جو مشہور اور ضروری واقعات سمجھتے تھے سب اس میں لکھتی تھیں سلطنت کی نسبت اخباروں میں جو مباحث ہوا کرتی تھیں اُن کو بہت غور سے دیکھتی تھیں۔

اتوار کا دن

اتوار کا دن بالکل چھٹی اور عبادت کے لئے مخصوص تھا۔ ایک مرتبہ کا ذکر ہے کہ ہفتے کی شام کو آخیر وقت ایک وزیر در دولت پر کچھ ضروری اور اہم کاغذات لے کر حاضر ہوا اور عرض کیا کہ کاغذات ضروری اور

غور طلب ہیں شب کے وقت حضور کو تکلیف دینا نہیں چاہتا صبح سویرے حاضر ہوں گا۔" ملکہ۔ "کل صبح؟" پھر مکرر فرمایا۔ "کل تو اتوار ہے۔" وزیر۔ "پیر و مرشد بجا ارشاد ہوا لیکن کام ایسا ضروری ہے کہ اس میں تاخیر کا محل نہیں۔" ملکہ۔ "ہاں۔ مجھے معلوم ہے۔ اگر کاغذات ایسے ہی سخت ضروری ہیں تو خیر کل صبح دیکھ لوں گی۔"

صبح کو ملکہ مع اپنے درباریوں اور حوالی موالی کے گرجا تشریف لے گئیں۔ گرجا میں اس روز اتوار کے دن کی عظمت اور احترام پر ہی وعظ تھا۔ نماز کے بعد ملکہ اس وزیر کی طرف مخاطب ہوئیں اور استفسار فرمایا "آپ نے سنا۔ وعظ کیسا تھا کچھ پسند آیا؟"

وزیر۔ "یور میجسٹی۔ سبحان اللہ! وعظ کا کیا کہنا فی الواقع بہت ہی عمدہ تھا۔"

ملکہ۔ "تو مجھے آپ سے اس امر کے پوشیدہ رکھنے کی کوئی ضرورت نہیں کہ اس وعظ کا مسودہ کل رات کو میں نے ہی پادری صاحب کے پاس بھیج دیا تھا۔ مجھے امید ہے کہ اس وعظ سے آپ صاحبوں کو فائدہ پہنچے گا۔"

اتوار کے سارے دن ان کاغذات کا کچھ ذکر نہیں آیا۔ رات کے وقت جب ملکہ وزیر کو سلام کر کے رخصت ہونے لگیں تو فرمایا۔ "مائی لارڈ! کل صبح آپ جس وقت چاہیں اگر آپ کو پسند ہو تو سویرے سات ہی بجے میں ان کاغذات کو دیکھوں گی۔" وزیر۔ "اتنے سویرے حضور کو تکلیف دینا میں مناسب نہیں خیال کرتا۔ جلدی سے جلدی نو بجے بھی کافی ہے۔" حضرت اپنے ملازمین سے بھی اتوار کے دن غیر ضروری کام نہیں لیتی تھیں۔ نوکروں کے ساتھ آپ کا سلوک بڑی مہربانی اور شفقت کا تھا۔ ایک بڑی دعوت درپیش تھی۔ بینڈ والوں کو درست کرنا تھا۔ وہ عین وقت پر غیر حاضر ہو گئے اور اسی قصور میں خدمت سے موقوف کر دیئے گئے۔ آپ نے جب سنا تو فوراً بحال کر دیا اور فرمایا کہ "میں اپنے ملازموں کو سزا دینا نہیں چاہتی۔ آئندہ خیال رہے کہ اتوار کو ان سے کام نہ لیا جائے۔"

قصاص کا حکم ملکہ کی تخت نشینی کو ابھی تھوڑے ہی دن ہوئے تھے کہ جناب ممدوحہ کو شاہی اقتدار زندگی یا موت کے برتنے کا اتفاق پیش آیا۔ ڈیوک آف ولنگٹن نے ایک فوجی حکم نامہ ایک سپاہی

کی پھانسی کا آپ کی منظوری کے لیے پیش کیا۔ اس زمانے میں پھانسی کے لیے بادشاہ وقت کی منظوری مشروط تھی۔ آپ اس کاغذ کو ملاحظہ فرما کر دستخط کرنے سے رکیں۔ آپ کی آنکھوں میں آنسو بھر آئے۔ فرمایا: "کیا آپ اس شخص کی طرف سے کچھ کہنا نہیں چاہتے؟" آیرن ڈیوک (رومیں تن ڈیوک) "جی کچھ نہیں۔ یہ تیسری مرتبہ ہے کہ یہ شخص فرار ہو چکا ہے۔" ملکہ۔ "اوہ ڈیوک! ذرا پھر خیال کیجیے۔" ڈیوک۔ "بہت خوب حضور سپاہی کی حیثیت سے تو یقیناً یہ شخص بہت برا ہے لیکن میں نے سنا ہے کہ اس کا رویہ اچھا ہے شاید وہ اپنی خانگی طرز معاشرت میں اچھا ہو۔" ملکہ "تب تو میں آپ کا شکریہ ادا کرتی ہوں اور **معاف** لکھ کر اپنے خوب صورت دستخط فرما دیے۔ ملکہ معظمہ کو اس تکلیف دہ فریضے سے سبکدوش کرنے کے لیے آخر کار پارلیمنٹ سے قانون پاس ہو گیا کہ ایسے احکام رائل (شاہی) کمیشن سے جاری ہوا کریں۔

زخمیوں سے ہمدردی

اول تو عورت کی ذات یوں بھی نرم دل ہوتی ہے پھر ملکہ جیسی رقیق القلب۔ رحم دل۔ جنگ کریمیا کے بعد آپ نے خواہش کی کہ میں کچھ زخمیوں کو دیکھنا چاہتی ہوں جو چنگے ہو گئے ہوں اور قصر بکنگھم کو آ سکتے ہوں۔ چنانچہ بہ اتباع ارشاد خداوندی چند لوگ حاضر کیے گئے وہ سب ایک قطار باندھ کر ایک کمرے میں کھڑے کیے گئے۔ ملکہ نے سب کو بغور ملاحظہ فرمایا ایک شخص سے مخاطب ہو کر یوں گوہر فشاں ہوئیں۔ ملکہ: "میں دیکھتی ہوں کہ تمہارا سیدھا بازو ضائع ہو گیا ہے۔ تم کہاں زخمی ہوئے تھے؟" سپاہی۔ "حضور خندق میں۔" ملکہ: "میں خیال کرتی ہوں کہ اب بھی جب موسم بدلتا ہے تو تمہارے درد ہوتا ہوگا؟" سپاہی: "حضور بے شک مجھے درد کی کسک معلوم ہوتی ہے۔" سپاہی جب عرض کر رہا تھا تو اس نے اپنی انگلیاں اپنے دل پر رکھ لی تھیں مگر انگوٹھا وہ بائیں شانے کی طرف تھا کیوں کہ صرف بایاں ہی ہاتھ رہ گیا تھا۔ ملکہ معظمہ ڈاکٹر کی طرف متوجہ ہوئیں اور فرمایا: "میں نے اکثر سنا ہے مگر کچھ سمجھ میں نہیں آتا کہ کیوں؟ اگر ایک جانب کا بازو ضائع ہو جائے تو دوسری طرف بھی درد ہوا کرتا ہے۔ اس کی وجہ کیا ہے؟" سپاہی۔ "اگر غلام کو معافی دی جائے تو غلام عرض کرے؟" ملکہ: "میں پسند کرتی ہوں کہ اس کی وجہ اسی شخص سے سنوں جس پر بیتی ہو بہ نسبت اس شخص کے کہ جس پر یہ ماجرا گزرا نہیں۔" سپاہی: "حضور والا! ایک وقت وہ تھا کہ میرا ہاتھ صحیح سلامت تھا جس سے میں اپنی ملک کی خدمت گزاری میں ہتھیار چلاتا تھا۔ اگر میرے ایسے ایسے پچاس ہاتھ بھی ہوتے تو بھی

اگر وقت ہوتا تو کم از کم اپنی ملکہ کی خدمت کے لئے مخصوص کرتا۔ لیکن کیا کروں کہ اب وہ بالکل تھرا
اس بات کا رنج مجھے یہاں ہے (دل کی طرف اشارہ کرکے) ملکہ نے بھی دیکھا کہ وہ دل کی طرف
اشارہ کر رہا ہے۔ آپ متاثر ہوئیں اور نہایت متاثر لہجے میں فرمایا۔ "میں اس بات کے لئے
تمہارا شکریہ ادا کرتی ہوں" اور پھر مکرر یہی کلمات زبان فیض ترجمان سے فرمائے۔ اس کے
بعد چار شخصوں کو کچھ عرض معروض کرنا تھا اُن کی طرف متوجہ ہوئیں۔ پھر جناب ممدوحہ نے
جنگ کی خوفناک حالت۔ لوگوں کے مصائب۔ کنبوں اور ملک کے متعدد نقصانات کا
ذکر فرمایا۔ آخرکار جناب ممدوحہ ایک اور سپاہی کے پاس تشریف لائیں جو بیساکھیوں کے
سہارے کھڑا تھا۔ اُس سے دریافت کیا کہ "تم کہاں زخمی ہوئے؟" سپاہی نے ایک
بھدی آواز اور اکھڑ لہجے میں کہا۔ "گولی دن کر کے میری ٹانگ میں لگی" ملکہ معظمہ نے
فرمایا "ہے تو یہ بھی اُسی مرتبے کا (یعنی کہ جیسا کہ پہلا سپاہی تھا) لیکن پہلے میں خلقی ادب تھا
یہ اُس کے برعکس ہے۔ خلاصہ یہ ہے کہ وہ ایک پیدائشی دربار دار تھا اور یہ نہیں" پہلے شخص نے
کس خوبی اور شاہی آداب ملحوظ رکھ ملکہ کو جواب دیا اور دوسرے نے کیا اجڈ پنا دکھلایا۔

کچھ خوشی کی باتیں

ملکہ معظمہ کی زندگی میں جو جو افکار و حوادث پیش آئے اُن کا
ذکر اوپر آچکا اب کچھ دل خوش کن باتیں بھی سنیئے کہ ؎

رنج و راحت جہاں میں توام ہے
کبھی شادی ہے اور کبھی غم ہے

قیصر ہند کا خطاب

۱۸۷۷ء میں ملکہ ممدوحہ نے قیصر ہند کا خطاب
لیا جس کا عظیم الشان جلسہ بعہد لارڈ لٹن گورنر جنرل
دہلی میں ہوا جہاں تمام رجواڑے اور رئیس مع اپنی افواج و لوازمہ و تزک و احتشام کامل
جلوس سے موجود تھے۔ ایسا عظیم الشان جشن اس سے پہلے ہندوستان میں کبھی نہیں ہوا۔

جوبلی

۲۱ رجون ۱۸۸۷ء کو ملکہ معظمہ کے پچاس سالہ دور حکومت کی شکرگذاری
میں ایک بڑا جلسہ تمام ملک میں ہوا جو گولڈن جوبلی یعنی جشن طلائی
کہلاتا ہے۔ اس کے بعد ۱۸۹۷ء کو شصت سالہ سلطنت کی خوشی میں اس سے بھی بڑھ کر
دھوم دھام ہوئی جو ڈایامنڈ جوبلی جشن الماسی کے نام سے مشہور ہے۔ ہندوستان
میں اس سرے سے اُس سرے تک بڑی خوشیاں منائی گئیں بلکہ ہر ہر مقام پر جلسے اور
جشن ہوئے لیکن لندن کا منظر عجیب و غریب [illegible] ملکہ معظمہ کی سواری [illegible]

دھوم دھام اور جلوس سے برآمد ہوئی۔ اس وقت دوہری خوشی تھی۔ ایک یہ کہ جناب ممدوحہ کی حکم رانی پر ساٹھ سال گزرے اور دوسرے یہ کہ آپ کا زمان سلطنت یورپ کے کل بادشاہوں سے بڑھ گیا کسی بادشاہ کو اتنے دنوں سلطنت کرنا نصیب نہیں ہوا۔ اس بے نظیر تقریب کے دیکھنے کو چاردانگ عالم سے لوگ جمع ہوئے کیوں کہ ایسا نظارہ کاہے کو کسی کو نصیب ہوسکتا ہے۔ نہ کوئی ساٹھ برس سلطنت کرے گا نہ کوئی بادشاہ اپنی قوم کا ایسا پیارا ہوگا۔ نہ یہ جوش وخروش ہوگا۔ ہر ہر خطۂ ملک سے جہاں جہاں وکٹوریا کا جھنڈا لہراتا ہے سفیر اور ایلچی تہنیت اور مبارک باد کو حاضر ہوئے۔ لندن میں آسمان ابر آلود رہتا ہے اور کُہر سے دُھندلا رہتا ہے مگر اُس دن افضال الٰہی سے مطلع بالکل صاف تھا گویا آفتاب عالم تاب نے بھی اس سین کے دیکھنے کے شوق میں اُفق مشرق سے گردن نکالی تھی۔ لندن میں ملکہ کی تاج پوشی سے لے کر اب تک جبے ساٹھ سال کی طویل مدت گزر چکی تھی ایسا عظیم الشان جشن جس میں ہر شخص مگن تھا اور مارے خوشی کے باچھیں کھلی جاتی تھیں۔ نہیں ہوا تھا۔ صبح سویرے ہی سے تمام لوگ راستوں اور ریل پر سے ٹڈی دل کی طرح اُمنڈ پڑے جس کی نظیر کسی قوم کی تاریخ میں نہیں مل سکتی۔ دوسری سلطنتوں کے بادشاہ بھی مہمان تھے۔ اس تقریب میں پچاس ہزار فوج سڑک کے دو طرفہ صف بستہ کھڑی تھی۔ ہندوستانی فوج کو یہ اعزاز خاص دیا گیا تھا وہ بطور باڈی گارڈ کے تھی۔ اس تقریب پر پیشگاہ خسروی سے ہندوستان اور کل ممالک کو ایک مختصر تار دیا جس کے لفظ لفظ سے محبت ٹپکتی ہے اور وہ یہ ہے:-

"میں تہ دل سے اپنی پیاری رعایا کا شکریہ ادا کرتی ہوں خدا اُن کو برکت دے۔" اسینٹ پال کے مشہور گرجا میں جو شکرانے کی نماز ادا ہوئی اُس کا کیا پوچھنا ہے۔ قوم کا ایک ایک شیدا دل وجان سے اپنی ملکہ کی سلامتی کی دعا کرتا تھا جناب معزا اپنی رعایا کے اس اظہار عقیدت اور جوش خروش سے نہایت متاثر ہوئیں اور بڑی مشکل سے تحمل فرمایا ورنہ بڑے بڑے کڑے دل والے اس وقت آب دیدہ تھے۔ ہر شہر۔ ہر گاؤں حتیٰ کہ ہر مکان میں اس شب مبارک کو روشنی کی گئی۔ لندن کا تمام شہر اور بازار بقعۂ نور بن گیا تھا غریبوں کو کھانا کھلایا گیا اور بہت سے سیر تماشے ہوئے۔ اس کے سوا جو بلی کی دوامی یادگار میں دواخانے۔ مسافر خانے۔ آرام گاہیں گھنٹے گھر وغیرہ بنائے گئے۔ شب میں بحری قوت کا

ملاحظہ ہوا۔ (۱۶۲) جہاز آراستہ و پیراستہ کھڑے تھے۔ ملکہ معظمہ بنفس نفیس ملکی جشن کی تقاریب کی تکان اور نقاہت کی وجہ سے اس سین کو ملاحظہ نہ فرما سکیں اور اپنی طرف سے اپنے فرزند دلبند پرنس آف ویلز کو بھیج دیا تھا۔ اس موقع پر صرف شاہی مہمانوں کی اس قدر کثرت تھی کہ دو سپیشل ٹرینیں بھر بھر کر گئیں۔ دن کو جو کچھ بہار تھی وہ تو تھی ہی رات کا سماں کچھ اور ہی تھا کہ ایک دم سارے جہازوں پر بجلی کی روشنی جگمگانے لگی جو اندھیری گھپ رات میں نظروں میں کھبی جاتی تھی تیس ہزار اشخاص سے اوپر ہی اوپر ان جہازوں پر مامور تھے۔ تیس ہزار گلوں نے جب آن واحد میں چیرز کا پُرجوش نعرہ لگایا ہوگا تو کرہ سماوی میں اس کی گونج کا محض تصور سے کام نہیں چلتا جس کے کانوں نے سُنا ہوگا وہی اس کا لطف جانے۔

دوسرے سلاطین ہم عصر سے طرز مراسلت

ملکہ معظمہ کی سلجھی ہوئی سمجھ بلند نظری اور دوربینی سے نہایت تعجب ہوتا ہے وہ نہایت مبہم اور معاملات کی تہ کو اس قدر جلد پونہچتی تھیں اور مآل اندیشی اس درجے تھی کہ بڑے بڑے امرا و وزرا اور مشیران مملکت آپ کی فراست سے دنگ رہ جاتے تھے جس کی بیشتر مثالیں تاریخ میں موجود ہیں۔ دوسرے بادشاہوں کو جب کبھی مراسلت کی ضرورت داعی ہوتی تھی تو آپ ہمیشہ طرفین کی عظمت اور وقار ملحوظ رکھتی تھیں آپ نے کبھی دب کر تحریر نہیں کی یہ بات سب لوگوں کو یاد ہے کہ جناب ممدوحہ نے اپنے نواسے شہنشاہ ولیم کو کس طرح ڈانٹ کر لکھا تھا اور لوئیس فلپ بادشاہ کو تو ایسی برجستہ تحریر کی کہ کسی بادشاہ نے شاید آج تک کسی بادشاہ کو نہ کی ہوگی۔ ملکہ کے طرز عمل سے یہ بات کبھی ظاہر نہیں ہوئی کہ اُن کے سینے میں ایک عورت کا دل ہے۔ دوسرے بادشاہوں سے اُن کے تعلقات دوستانہ تھے۔ رعایا کے ساتھ اُن کی مصیبت میں بڑی ہمدردی فرماتی تھیں خصوصًا ایسے واقعات اتفاقی میں جیسے جہاز کی تباہی۔ ریل کا ٹکرا جانا۔ معدنوں کا بیٹھ جانا اور کسی قسم کی خطرناک ناگہانی آفت۔ ایسی مصائب کے وقت سب سے پہلے آپ کا دست شفقت اور تسلی دراز ہوتا تھا۔ خواہ کوئی تسلی آمیز فرمان جاری فرمائیں یا نقدی امداد فرمائیں۔ جناب ممدوحہ ایسی رقیق القلب تھیں کہ کسی کی تکلیف نہ دیکھ سکتی تھیں اور روتے کے ساتھ خود بھی بے اختیار رونے لگتی تھیں۔

ہندوستان پر مہربانی

ملکہ معظمہ یوں تو اپنی ساری وسیع سلطنت کی رعایا پر دل وجان سے فدا تھیں مگر اہل ہند کی خاص جگہ آپ کے دل میں تھی جب کبھی ہندوستانیوں کو کوئی تکلیف پونہچی معاً آپ نے تشفی اور تسلی فرمائی تا آنکہ بعض اوقات اپنے وزراء کے خلاف یورپین رعایا پر ہندوستان والوں کو ترجیح دی جس کی عملی مثال غدر کے حالات ہیں۔ جب کہ ولایت کے سارے اخبار شور وشغب مچا رہے تھے۔ گورے کالے پر مطاعن اور مظالم کی بوچھاڑ کر رہے تھے۔ غرض ہر شخص جوش انتقام میں بھرا ہوا اور پُر دل تھا۔ لارڈ کیننگ نے جو اُس زمانے میں گورنر جنرل تھے جناب معزز کی خدمت میں اظہار واقعات کیا جس کے جواب میں بالاتفاق رائے گورنر جنرل ارشاد ہوا کہ " جناب ممدوحہ یہاں کی عامۂ خلایق کی اُس عام نکتہ چینی پر جو بلا امتیاز احد سے اور خلاف شان مذہب عیسوی کی گئی ہے۔ افسوس کا اظہار فرماتی ہیں لیکن توقع کی جاتی ہے کہ یہ خیالات دیرپا نہیں ہیں۔ یہ صرف ایک اُبال ہے اُن خوف ناک مظالم کا جو بے گناہ عورتوں اور بچوں پر توڑے گئے جن کے سننے سے (جسم میں) خون جم جاتا ہے اور دل خون آلود ہو جاتا ہے۔ ایسے خوف ناک افعال کے مرتکبین کے لیئے کوئی سی بھی سزا سخت نہیں گو یہ امر نہیت افسوس ناک ہے مگر سب خطا کاروں کے ساتھ پورا پورا انصاف ہونا چاہیئے لیکن عموماً ہندوستانی قوم وہاں کے ضلع جو باشندوں۔ بہت سے مہربان ہندوستانی دوستوں جنھوں نے ہم کو مدد دی ہے اور ہمارے سچے وفادار خیر خواہ ہیں بہت بڑی مہربانی کرنی چاہیئے۔ اُن کو معلوم کرانا چاہیئے کہ کالے چمڑے سے کوئی نفرت نہیں ہے۔ اُن کی ملکہ کی کوئی خوشی اس سے بڑھ کر نہیں ہے کہ وہ اُن کو خوش وخرم۔ راضی اور پھولتا پھلتا دیکھیں "

غدر کے بعد جب ملکہ معظمہ نے زمام سلطنت اپنے دست مبارک میں لی تو جو مسودہ شاہی اعلان کا ملاحظۂ اقدس میں پیش ہوا تھا اُس میں کچھ زیادہ سختی تھی جس میں ناجائز الفاظ سلطنت کی قوت اور دباؤ کے تھے جو مذاہب پر ناجائز اور خلاف مصلحت ریمارک تھے۔ جناب ممدوحہ نے نہایت سختی سے اس کی مخالفت کی اور تحریر فرمایا کہ " ملکہ معظمہ اس جملے کو ناپسند فرماتی ہیں کہ " اُن کو ہندوستانی مذاہب کی بیخ کنی کرنے کی قوت حاصل ہے " ملکہ معظمہ اس بات کو ترجیح دیتی ہیں کہ اس مضمون کو بہ طرز بظاہر کیا جائے کہ " ملکہ معظمہ جو اپنے مذہب سے محبت کا خاص تعلق رکھتی ہیں اور جس سے تسلی اور آرام پاتی ہیں وہ مانع ہے کہ وہ دوسرے ہندوستانی مذاہب میں مداخلت فرمائیں

اور یہ کہ ہمارے ملازمین کو ایسا کیا جائے کہ ہماری ان ہدایات کے موافق وہ موبتعمیل کریں۔ حضور ملکہ جناب ممدوحہ اس اعلان کو پھر از سر نو لکھا گیا اور جناب ممدوحہ نے لارڈ ڈاربی کو اپنی قلم سے تحریر فرمایا کہ "ہا بدولت کو مسرت ہوگی کہ اگر اس تحریر کو لارڈ ڈاربی خود اپنی عمدہ انگریزی میں لکھیں اور لکھتے وقت اس امر کو ذہن نشین رکھیں کہ ایک عورت ذات بادشاہ براہ راست انتظام سلطنت اپنے ہاتھ میں لیتے وقت اپنی دس کروڑ سے زیادہ رعایا سے خطاب کرتی ہے اور ایک خونخوار جنگ (غدر) کے بعد ان سے وہ وعدے کر رہی ہے کہ اُس کی آیندہ سلطنت کیا کرے گی۔ ان کو میری گورنمنٹ کے اصول بتلائے جائیں۔ ایسے فرمان میں فیاضی اور مراعات اور مذہبی آزادی کے خیالات کی خوشبو آنی چاہیے اور وہ رعائتیں بتلائی جائیں جو ہندوستانیوں کے ساتھ اُن کو رعایائے برطانیہ کے برابری کے مرتبے میں رکھنے کی وجہ سے کی جائیں گی اور جس سے تہذیب کے ساتھ ملک کی شادابی ہوگی"۔ چنانچہ حضور عالی کے منشا کے مطابق پرنس کنسرٹ کے مشورے سے وہ اعلان شائع کیا گیا جو آج سارے ہندوستان میں امن و آسائش اور فخر کا باعث ہے اور اُسی کی بدولت اہل ہند اپنے مذہبی عقائد اور افعال میں پورے پورے آزاد ہیں۔ اس اعلان کو حصہ اول میں درج کیا گیا ہے۔

زندگی کے آخری دن

اگرچہ زندگی کے آخری سالوں میں آپ کی صحت اچھی نہ تھی مگر آپ کی مستعدی میں کچھ بھی فرق نہیں آیا تھا۔ ۱۸۹۸ء میں آپ شہر نیس کو تشریف فرما ہوئیں اور ۹ مئی کو کوئینز کالج ملاحظہ فرمایا۔ چودھویں کو نٹلی ہاسپٹل میں جس میں جنگ کے (۵۳) زخمی زیر علاج تھے تشریف لے جا کر ملاحظہ کیا۔ اس موقعہ پر آپ نے دو شخصوں کو تمغہ بھی مرحمت فرمایا۔ اس کے دو دن بعد پھر جنگ کریمیا اور غدر کے سو بہادروں کو ملاحظہ کیا اور ایلڈر شاٹ میں افواج کو نشان مرحمت فرمائے۔ دوسرے دن بارہ ہزار فوج ملاحظہ سے گزری۔ اس عرصہ میں ملکہ آسٹریا کے قتل کی خبر آئی جس سے آپ کو بڑا صدمہ ہوا اور نیز ویسٹ انڈیز میں طوفان سے چالیس ہزار آدمی خانماں برباد ہو گیا جن میں سے تین سو جان سے گئے۔ اس سانحے سے خاطر عاطر بہت ملول رہی۔ آپ نے پھر فوج کو نشانات سے سرفراز کیے تیسری کو آپ پھر اسپتال میں تشریف لے گئیں اور جنگ سوڈان کے زخمیوں کو ملاحظہ فرمایا۔ ۱۸۹۹ء میں آپ کی اسی سالہ سالگرہ بڑی دھوم سے منائی گئی۔ نومبر میں آپ نے

جزیرہ[illegible] میں ایک شفاخانے کا افتتاح فرمایا جو آپ کی جوبلی کی یادگار میں بنایا گیا تھا۔ ۲۶ر دسمبر کو آپ نے قلعۂ ونڈزر میں عہدہ داران جنگ سوڈان کی بیبیوں اور بچوں کو چائے نوشی کی دعوت دی۔ سنہ ۱۹۰۰ء میں آپ آیرلینڈ تشریف لے گئیں۔ جہاں آپ کی تشریف آوری پر بے انتہا خوشی منائی گئی اور اسی طرح کئی دفعہ آپ نے فوج کو ملاحظہ فرمایا۔ آپ کی اس توجہ گرانمایہ اور محبت سے ساری فوج آپ کی جاں نثار تھی۔ اسی سال کے اوائل میں یہ افواہ اُٹھی کہ جناب ممدوحہ کی صحت اطمینان بخش حالت میں نہیں ہے مگر آپ حسب معمول ہواخوری کے لیئے برآمد ہوا کرتی تھیں۔ سب سے آخری شاہی کام جو آپ نے فرمایا وہ لارڈ رابرٹس سے ملاقات تھی جب کہ وہ جنگ جنوبی افریقہ سے واپس آئے تھے اُسی وقت آپ نے اُن کو ارل کا خطاب دیا۔

آخری حالت اور وفات حسرت آیات

ملکہ معظمہ کچھ بہت دن علیل نہ رہیں اُن کی موت کی خبر بالکل اچانک آئی۔ مدراس میل راوی ہے کہ چند روز پیشتر حضور عالیہ کی ممالک میں ہر شخص اس خیال سے خوش تھا کہ ابھی ملکہ میں اس قدر جسمانی اور دماغی توانائی باقی ہے کہ ملک رانی کا کام برابر چلانے پر قادر ہیں۔ چنانچہ حال کا ذکر ہے کہ جب جنوبی افریقہ سے آپ کی فاتح افواج انگلینڈ کو واپس ہوئیں تو آپ نے اُن کو بچشم خود ملاحظہ فرما کر اُن کے بعض افسروں کو طلائی تمغے بھی مرحمت فرمائے۔ ۲ر جنوری کو آپ نے لارڈ رابرٹس سے ملاقات کی اور فوج کی شجاعت اور دلیری کا شکریہ ادا فرمایا۔ ایک ماہ قبل حضور عالیہ قلعۂ ونڈزر سے آسبرن تشریف فرما ہوئیں اور آپ کا قصد تھا کہ وسط فروری میں واپس تشریف لا کر اقلیم ولایت کی بعض ممالک کا سفر تفریحاً فرمائیں۔ کرسمس کا جشن آسبرن میں ہوا۔ اُس وقت تک کسی قسم کی شکایت نہ تھی اور مزاج وہاج بالکل اچھا تھا مگر اس کے بعد ہی دفعتہً طبیعت میں ایک قسم کا تغیر واقع ہوا۔ ضعف دماغ کی علامات ظاہر ہونے لگیں۔ قلت اشتہا اور بیخوابی کی شکایت مزید براں۔ اگرچہ باسباب ظاہر آپ کی حالت صحت تشفی بخش تھی مگر جنوبی افریقہ کی لڑائی میں تباہی خلق اللہ سے آپ کے نازک اور پُر رحم دل پر کچھ ایسا [illegible] اثر دماغ معلی تک جا پہنچا چونکہ حضور عالیہ نہایت مستقل مزاج اور [illegible] کرتے کچھ نہ کہا نہ [illegible] کی [illegible] دل ہی دل [illegible]

اس لڑائی میں جو عزیز جانیں ضائع ہوئیں اُن کا قلق غم والم اس قدر آپ پر طاری رہا کہ جو شخص آپ کے چہرۂ مبارک کو دیکھتا تھا وہ اس بات کو بخوبی دریافت کر لیتا تھا کہ حضور عالیہ سخت ملول ہیں اصل ہمارا یہ خیال ہے کہ یہ غم نہانی اثر کرتا رہا جس کے باعث دماغ ضعیف ہو گیا اور آپ کی عمر بھی زیادہ تھی ان صدمات گراں کی متحمل نہ ہو سکیں۔ جب برداشت کی طاقت تھی تو آپ نے اپنے جگر گوشوں کی موت کو تحمل واستقلال سے برداشت کیا اور صحت میں خلل نہیں آیا۔ بلکہ سچ بات یہ ہے کہ) آپ نے اپنے بچوں کی موت کا اس قدر غم نہیں کیا جو آپ نے اپنے اُن فوجی افسروں اور سپاہیوں اور رعایا کی موت کا اپنے دل پر لیا جو کہ جنگ افریقہ میں ہلاک ہوئے۔ وہ اپنے جاں نثار افسروں اور اپنی ہر دل عزیز رعایا کی عاشق تھیں۔ آپ کی موت کی بڑی وجہ یہی صدمۂ جانکاہ تھا۔ ۱۸ جنوری سے علالت کے تاروں کی بھرمار شروع ہوئی۔ ۱۹ کو معلوم ہوا کہ حالت نہایت خطرناک ہے۔ بیسویں کو تو یقین ہو گیا کہ آخری حالت ہے اور چند گھنٹوں میں یہ چراغ گل ہوا چاہتا ہے۔ ۲۱ کی صبح کو ذرا سکون ہوا (جسے سنبھالا کہتے ہیں) مگر پھر کرب شروع ہو گیا اور شب میں سخت بے چینی رہی۔ سوائے ڈاکٹروں اور تیمارداروں کے کسی کو آپ کے پاس اندر جانے کی اجازت نہ تھی۔ ۲۲ کو تین مرتبہ شاہی خاندان کے لوگ آپ کے بستر کے پاس طلب کیے گئے آخری دفعہ ساڑھے تین بجے دن کے اور پھر تو سب وہیں رہے۔ آپ کبھی کبھی ہوش میں بھی آجاتی تھیں لیکن اُسی دن ساڑھے چھ بجے شام کے بیہوشی کی سی حالت میں روح پرواز کر گئی۔ آپ کی نعش سلطنتی طور پر نہیں رکھی جائے گی لیکن خانگی ملازموں کو آپ کا دیدار دیکھنے کی اجازت ہے۔ چہرہ آپ کا بالکل آسودہ اور مستقل تھا۔ ایسا معلوم دیتا تھا کہ گویا میٹھی نیند آرام فرما رہی ہیں۔ سینے پر دونوں ہاتھ آڑے رکھے ہوئے تھے اور ایک طلائی صلیب سینہ پر دھری تھی۔ دو ہندی اور ایک یورپین لیڈی میت کی نگہبانی کر رہی تھیں۔ تاروں سے معلوم ہوا کہ دولت انگلینڈ کے سارے ممالک میں خواہ اندرون انگلینڈ ہو یا بیرون درد والم ایسا ہی محیط ہے جیسا کہ خاص لندن میں۔ دنیا کے سارے حصوں میں مستحکم علامات ہمدردی کی پائی جاتی ہیں جو اُس نقش کے عمق پر دلالت کرتی ہیں جو ملکہ معظمہ نے سارے جہان کی خلایق کے دلوں پر جما رکھا تھا۔

حضور عالیہ کے جانشین

انتقال پر ملال کے دوسرے حضور عالیہ کے ولی عہد پرنس آف ویلز تخت نشین ہوئے تخت نشینی کے بعد

بشدت اندوہ وغم کے آپ نے ایک مختصر تقریر فرمائی کیونکہ فرط غم سے آپ کو یارائے تقریر نہ تھا مگر بایں ہمہ ادائے رسم کے لیئے ذیل کی مختصر سی اسپیچ دی۔ جناب ممدوح کے آنسو جاری تھے اور جب اپنی مادر مہربان کا نام نامی آپ کی زبان مبارک پر آیا تو زبان قابو میں نہ تھی :-

یور رایل ہائینس مائی لارڈز اینڈ جنٹلمن۔ آپ سے خطاب کرنے کا میرے لیئے اس سے زیادہ دردناک موقع کبھی نہ ہوگا۔ میرا مقدم اور رنج آمیز فرض یہ ہی کہ میں آپ کو اپنی والدہ ماجدہ ملکہ معظمہ کے انتقال کی اطلاع دوں۔ میں جانتا ہوں کہ آپ کو اور تمام قوم کو بلکہ میرا یہ خیال ہی کہ تمام عالم کو اس ناقابل تلافی صدمے میں جو ہم سب کو ہوا ہی میرے ساتھ کیسی دلی ہمدردی ہی۔ مجھے اس امر کے اظہار کی ضرورت نہیں ہی کہ میری ہمیشہ یہ کوشش رہے گی کہ اس بار عظیم کے اٹھانے میں جو مجھ پر اب عائد ہوا ہی عالیہ حضرت موصوفہ کی اتباع کروں۔ میرا مصمم ارادہ ہی کہ میں کانسٹیٹیوشن کو پورے طور پر ملحوظ رکھوں اور جب تک میرے دم میں دم رہے اپنی رعایا کی بہبودی اور ترقی کے لیئے کوشش کروں۔ میں نے ایڈورڈ کا نام اختیار کیا ہی جس نام سے میرے اجداد میں سے چھ موسوم رہ چکے ہیں۔ اس نام کے اختیار کرنے میں میں ایلبرٹ کے نام کی وقعت کم نہیں کرتا ہوں جو نام مجھے اپنے عظیم الشان والا شان والد سے جن کی وفات کا رنج ہمیشہ باقی رہے گا وراثتہً پہونچا ہی اور جو میرے خیال میں باتفاق انام ایلبرٹ دی گڈ کے نام سے استحقاقاً ملقب ہیں میری خواہش ہی کہ یہ نام انھیں کے لیئے مخصوص رہے۔ خاتمے پر مجھے پارلیمنٹ اور قوم سے یہ توقع ہی کہ جو فرض عظیم مجھ پر وراثتہً عائد ہوا ہی اس کی انجام دہی میں وہ میری امداد کرے گی اور میرا مصمم عزم ہی کہ اپنی بقیہ زندگی میں اپنی تمام قوت کو اس فرض کے پورا کرنے میں صرف کروں۔

ہندوستان میں ماتم

سرکنم نالہ اگر تاب شنیدن داری
سینہ بشگافم اگر طاقت دیدن داری

ملکہ معظمہ کی جانکاہ وفات پر ہندوستان کے کل مقامات پر خواہ وہ چھوٹے ہوں یا بڑے ہر قوم اور ہر مذہب کے لوگوں نے بے انتہا دلی رنج کیا جس کی نظیر ملنا محال ہے

اس خبر کے سنتے ہی سارے شہروں و دیگر مقامات میں بازار وغیرہ میں بند ہو گئیں شہروں میں ایک سناٹا سا چھا گیا۔ تمام خلقت بحر غم و الم میں غرق ہو گئی۔ سوگواری کی گہری گھٹا چھا گئی۔ بیاہ برات موقوف کر دیئے گئے۔ مختصر یہ کہ اہل ہند نے اپنی ملکہ کی صفات حسرت آیات پر ایسے حسرت و ملال کے اشک برسائے کہ شاید اس سے بڑھ کر کوئی عالمگیر غم آج تک نہیں ہوا اور یہ بڑی دلیل اس کی ہے کہ ملکہ معظمہ کو ہر شخص دل و جان سے ممدوحہ کی نیک صفات اور رعایا سے سچی ہمدردی کے لحاظ سے بہت زیادہ عزیز رکھتا تھا کسی بادشاہ نے پبلک کے دلوں کو اس طرح مسخر نہیں کیا اور جب تک دلی محبت عقیدت مندی اور جوش جاں نثاری نہ ہو ایسا سچا غم کبھی حکومت کے دباؤ سے ممکن نہیں ہم اس مقام پر وائسرائے بہادر کے اس تار کی نقل کرتے ہیں جو جناب ممدوح نے سکرٹری آف سٹیٹ کے نام روانہ کیا اور اس کا جو جواب آیا وہ بھی اسی کے ساتھ

وائسرائے کا تار منجانب وائسرائے بنام سکرٹری آف سٹیٹ۔ ۲۶ جنوری ۱۹۰۱ء۔ گورنمنٹ آف انڈیا کی جانب سے میں مؤدبانہ پیام ذیل روانہ کرتا ہوں تاکہ ہر مجسٹی قیصر ہند کے حضور میں پیش کیا جائے۔

"گورنمنٹ ہند نے کمال غم و درد کے ساتھ عالی جناب ملکہ معظمہ قیصرۂ ہند کی وفات کی خبر سنی۔ ہر حصہ ہندوستان سے ہر قوم و ہر فرقہ و ملت کی جانب سے بے ساختہ و بے ریا غم و الم کی خبریں آ رہی ہیں۔ گورنمنٹ، شاہزادے اور رعایا بالاتفاق ملکہ قیصرہ کی وفات پر عزاداری کرتے ہیں۔ جن کا یہاں اس قدر اعزاز و اکرام کیا جاتا تھا کہ کبھی بادشاہ سابق کا نہ ہوا تھا اور جس کی نسبت وفاداری محبت میں غرق ہو گئی تھی۔ دلی خیال تو یہ ہے کہ ہند کا صدمہ ملکہ کا نہیں بلکہ ماں کے انتقال کا ہے سب اقوام کی جانب سے ہم آپ کی خدمت میں یہ التماس کرتے ہیں کہ ہز مجسٹی بادشاہ قیصر ہند کے حضور میں ہمارے درد و غم اور ہمدردی کے خیالات کا یقین دلاویں اور سلطنت برٹش کی تخت نشینی پر جناب ممدوح کے حضور میں ہماری عاجزانہ بندگی پیش فرمائیں"

جوابی تار منجانب سکرٹری آف سٹیٹ۔ بخدمت وائسرائے و گورنر جنرل ہند۔ ۲۹ جنوری ۱۹۰۱ء "پیش گاہ بادشاہ قیصر ہند سے مجھے فرمان صادر ہوا ہے کہ مرقوم الذیل جواب آپ کی خدمت میں جو حضور ممدوح نے اسنو

تعزیت کے جواب میں جس کو آپ نے گورنمنٹ اور شہزادگان و رعایائے ہند کی جانب سے میرے پاس روانہ کیا تھا تاکہ میں اس کو ہز مجسٹی بادشاہ قیصر کے حضور میں پیش کروں نہایت خوشی سے ارشاد فرمایا ہے۔ "میں آپ کے پیام تعزیت میں وہ محبت اور خلوص پاتا ہوں جس کا نقش ملکۂ قیصرہ نے اپنی طویل سلطنت کی عقلمندی اور انصاف پرستی مع اپنی سرگرم ہمدردی فلاح خواہی تمامی حقوق سے اپنی رعایا کے دلوں پر بٹھایا تھا اور یہ کہ جناب ممدوحہ کے انتقال کے عالمگیر تاسف والم کے اظہار کا میرے دل پر گہرا اثر ہوا ہے۔ میری خواہش ہے کہ میری تخت نشینی پر جو رسوخیت واطاعت بجا لائی گئی ہے اس کے تسلیم کرنے سے والیان و رعایائے ہند کو اطلاع دی جائے۔ جن کا ملک میں نے دیکھا ہے اور میں ان کی محبت اور گرویدگی پر جو میرے تخت کے ساتھ ہے اعتماد کامل رکھتا ہوں۔ ان کی خوش حالی اور سرسبزی میں میری کمال دلچسپی اور دلبستگی رہے گی۔"

ملک معظم کا ایک دوسرا تار ۱۴ر فروری ۱۹۰۱ء کا والیان ریاست اور رعایائے ہند کے نام کا جو کلکتہ سے ۵ رمنہ کو گورنمنٹ کی جانب سے شائع ہوا حصۂ اول کتاب ہذا میں درج کیا جا چکا ہے۔

تجہیز و تکفین

غضب کا سامنا ہے آج وہ گھر سے نکلتا ہے
دل مضطر تڑپتا ہے کلیجہ کوئی ملتا ہے

ملکہ معظمہ کے جنازے کے ساتھ فوج کی تعداد (۳۰۷۵) تھی۔ جن میں بلوجیکٹ اور ہر قسم کی فوج اور نوآباد ملکوں کے (۱۲۵) اور ہندوستانی فوج کے بھی بیس سپاہی شامل تھے۔ جس راستے سے جنازہ گزرا (۳۲۳۳۵) سپاہیوں کی قطار بندی کی گئی تھی۔ جنازے کی گزرگاہ پر بے حساب استادگاہیں باندھی گئی تھیں۔ تمام مکانوں پر ماتمی پوشش کی گئی تھی۔ جنازے کے دیکھنے کے لیے نشستگاہوں کی اس قدر کثرت سے خواہش تھی کہ فی بے سایہ نشست گاہ چھ سے سات پونڈ تک اور ہر کھڑکی کا ایک سو پونڈ سے بھی زیادہ کرایہ دینا پڑا۔ مکانوں کے سامنے بے شمار ہار آویزاں کیے گئے تھے ملکہ معظمہ کا جنازہ جس پر خلعت جلوس کا غلاف تھا اور جس پر تاج۔ کرہ اور شاہی عصا رکھا ہوا تھا جس کی مرصع کاری اور چمک دمک دھوپ میں جگمگا رہی تھی۔ ایک خاکی رنگ

کی توپ کی گاڑی پر جس میں آٹھ گھوڑے جتے ہوئے تھے اور گو لندازوں کا کمک رہے تھے) یکم فروری کو دن کے ایک بج کر (۴۵) منٹ پر آسبرن کے قلعے سے برآمد ہوا جنازے کے صندوق پر لیٹن میں یہ تحریر ثبت تھی۔ "بکمال تسلیم الطیع و رضاء اور ملکہ وکٹوریا اول حامی دین عیسوی ملکہ گریٹ برٹن و آئرلینڈ و قیصرہ ہند کی نعش یہاں آرام پاتی ہے" جنازے کے پیچھے ملکہ کے بڑے صاحب زادے یعنی ملک معظم ایڈورڈ ہفتم اور شہنشاہ جرمن بہ لباس امیر البحر۔ ڈیوک آف کناٹ بہ لباس جنرل پا پیادہ ہمراہ تھے۔ ان کے بعد دوسرے اور چھ شہزادے تھے بعدہ بہ سرکردگی ملکہ یعنی خاتون محترم بادشاہ ایڈورڈ ہفتم اور نو خواتین خاندان شاہی ماتمی لباس میں چہروں پر نقاب پڑی ہوئی تین تین کی صفوں میں پا پیادہ تھیں۔ خلاصیوں نے جنازے کے بار گرانمایہ کو دوش بدوش لے کر ایلبرٹا نامی جہاز پر ایک یاقوتی رنگ کے شامیانے کے تلے ایک گنبد نما بلند چبوترے پر آسودہ کیا۔ شامیانہ چو طرف سے کھلا ہوا تھا تاکہ لوگ جنازے کو دیکھ سکیں۔ ایلبرٹا کے آگے آگے آٹھ تار پیڈو جہاز تھے۔ جنازہ دول خارجہ کے سات جہازوں کی صفوں میں سے گزرتا ہوا گیسپورٹ میں شاموں شام پانچ بجے پوہنچا۔ جب ایلبرٹا جہاز قریب آتا تو ہر ایک جہاز کی سپاہ نے صف بندی کر کے ماتمی باجا بجایا۔ منٹ منٹ کے وقفے سے توپیں اس کثرت سے سر ہوئیں کہ رستے بھر سمندر میں توپوں کی غمگین گرج اور باجوں کی دردمند آواز برابر سنائی دیتی رہی۔ اس شب بھر جنازہ جنگی جہازوں کی حفاظت میں رہا۔ آسبرن سے جنازہ نکلتے وقت کچھ عجیب عبرت ناک منظر تھا۔ ملکہ کے شہنائی نواز کوئی آدمی میل تک جگر پر چوٹ لگنے والا غمناک اور دل سوزی کا راگ بجاتے رہے۔ سولنٹ کے شمالی ساحل پر پانچ لاکھ آدمیوں کا ازدحام تھا۔ یہ مجمع ڈایامنڈ جوبلی سے بھی زیادہ تھا۔ دوسری فروری کو آدھی رات سے ہی خلقت کے بے شمار ہجوم کے اہتمام کے لیے پولیس جمع ہو گیا تھا کیونکہ رات سے ہی بھیڑ بھاڑ شروع ہو گئی تھی۔ صبح کی ساری ٹرینیں ٹھسا ٹھس بھری ہوئی تھیں۔ لوگ ہیڈ پارک کی طرف جوق جوق چلے جا رہے تھے۔ تمام شب فوجوں کی آمد کا تانتا لگا رہا۔ جس مکان کو دیکھو ماتمی کپڑے لٹکے ہوئے تھے۔ خود لندن میں لاکھوں آدمیوں کا مجمع تھا اور باہر کے لوگ کھچا کھچ بھر گئے

تھے۔ جنازے کو گشت کرا کے سینٹ جارج گرجا میں نماز جنازہ پڑھانے کے بعد جنازے کو البرٹ میموریل گرجا میں لے گئے جہاں دوشنبہ تک رکھا رہا لندن کا مجمع کمال درجے خاموش اور باوقار تھا۔ ہر قسم کی فوج صف بہ صف آراستہ و پیراستہ تھی۔ ارل رابرٹس فیلڈ مارشل کا عصا لیئے ہوئے اپنے سارے سٹاف کے ساتھ تھے۔ اُن کے بعد جنازے کا مجمع تھا۔ جنازے کے تابوت پر لوازمہ شاہی رکھا ہوا تھا اور اوپر سفید ریشم کا شامیانہ تنا ہوا تھا۔ جنازہ ایک توپ کی گاڑی پر تھا جس میں آٹھ سفید گھوڑے جُتے ہوئے تھے اور گھوڑ چڑھے سوار ہانک رہے تھے۔ جنازے کے پیچھے ایک نہایت عظیم الشان مجمع برٹش اور فارن شہزادوں کا بسرکردگی شاہ انگلینڈ و شہنشاہ جرمن تھا۔ ہر دو بادشاہ فیلڈ مارشل کے لباس میں تھے۔ بادشاہ جرمن ایک سفید جنگی گھوڑے پر سوار تھے۔ بادشاہ بلجیم مع اپنی ملکہ اور شہزادیوں کے شاہی گاڑیوں کی ایک بڑی لمبی قطار کے آگے آگے تھے۔ سب سے آخر کلونیل اور ہندوستانی اور لائیف گارڈ فوجوں کی جماعتیں تھیں۔ بہت سے والیان ملک نیابتہً موجود تھے۔ انگلینڈ کے کل معززین و عمائدین سینٹ جارج گرجا میں جمع ہو رہے تھے جہاں جنازہ ایک گنبد نما چبوترے پر رکھا ہوا تھا۔ تابوت پھولوں کے ہاروں سے لدا ہوا تھا۔ ملکہ کی میت ایک پتھر کے صندوق میں اپنے پیارے شوہر پرنس البرٹ کے پہلو میں ۴ فروری ۱۹۰۱ء کو تین بجے شام کے آخری منزل پونہچائی گئی اور اس طرح ایک نام آور۔ نیک نہاد۔ نیک دل۔ ہمہ تن خیر مجسم ملکہ کا خاتمہ ہوا۔ گو اُن کا جسم خاکی تہ خاک ہو گیا مگر اُن کے بے حد و بے شمار احسانات ایسے ہیں کہ کسی کے مٹائے مٹ نہیں سکتے فقط

(ضمیمہ دوم ختم ہوا)

قطعہ تاریخ نوشتۂ جناب حافظ اسعد حسین صاحب انسپکٹر پولیس ضلع میرٹھ

اگرچہ ہیں فوق تاریخ و سیر عرشی ۔۔۔ تو پر ہیں بے خلل تاریخ دہلی کی
ہے یہ تصنیف مولانا بشیر الدین ۔۔۔ نہ ہو کیوں بے بدل تاریخ دہلی کی

ضمیمۂ سوم

شہنشاہ ایڈورڈ ہفتم (ایڈورڈ دی پیس میکر[۱]) کے حالات

ولادت ۹ نومبر ۱۸۴۱ء۔ تخت نشینی ۲۳ جنوری ۱۹۰۱ء وفات ۷ مئی ۱۹۱۰ء
مدت سلطنت (۹) سال ۳½ ماہ

بقوے کہ نیکی پسند خدا ۔۔۔ دہد خسرو عادل و نیک رائے

آپ ۹ نومبر ۱۸۴۱ء بمقام قصر بکنگھم پیدا ہوئے۔ آپ بہت خوش رو اور باجمال تھے آپ کے والد ماجد پرنس البرٹ اکثر فرمایا کرتے تھے کہ "انگلینڈ کا آئندہ ہونے والا بادشاہ نہایت شکیل اور پیارا بچہ ہے"۔ جب آپ خیر سے تین مہینے کے ہوئے تو ۲۵ جنوری ۱۸۴۲ء کو سینٹ جارج چیپل ونڈزر میں آپ کی رسم اصطباغ ہوئی۔ شہنشاہ فریڈرک ولیم متوفی قیصر جرمن آپ کے دینی باپ قرار دیئے گئے یہ تقریب بہت بڑے پیمانے پر کی گئی اور زر کثیر صرف ہوا۔

ملک انگلینڈ کا وارث تخت و تاج پیدا ہونے کی بڑی خوشیاں منائی گئیں اور جان نثار رعایا آپ کے دیدار مسرت آثار کی از حد مشتاق تھی اس لیئے گو کہ آپ کی عمر اس وقت صرف دس ہفتے کی تھی مگر رعایا برایا کو ولی عہد کا جمال مبارک دیکھنے کی جائز آرزو کو پورا کرنا ازبس ضرور تھا۔ اس موقع پر ونڈزر پارک میں تمام افواج صف بندی کے ساتھ آراستہ و پیراستہ کی گئیں اور شاہزادہ والا شان کا عالی شان محل کے ایک دریچے میں سے مشتاقین دیدار پر بہار کو جمال مبارک دکھلایا گیا۔

---

[۱] جس طرح ہمارے ہاں بادشاہوں کی وفات کے بعد تعظیماً جنت آشیانی۔ عرش مکانی۔ خلد مکان غفران مکاں وغیرہ لقب قرار دیتے ہیں اسی طرح وکٹوریا دی گڈ یعنی نیک نہاد یا خیر مجسم اور ایڈورڈ دی پیس میکر یعنی صلح کل ہے کہ آپ کے عہد سلطنت میں سوائے امن و امان کے کسی قسم کی جنگ نہیں ہوئی۔

تعلیم و تربیت

آپ کی والدہ ماجدہ اور والد ماجد کو شہزادے کی تعلیم و تربیت کا بڑا اہتمام تھا چنانچہ ان دونوں اصحاب کی نگرانی میں تعلیم شروع ہوئی اور بسم اللہ مذہبی تعلیم سے ہوئی۔ ابتدائی تعلیم کے بعد آپ کی انتہائی تعلیم آکسفورڈ کیمبرج اور اڈنبرا کی نامی گرامی یونیورسٹیوں میں ہوئی۔ آپ کو ہر شعبے اور صیغے کی تعلیم دی گئی مگر آپ کو تاریخ زباندانی اور قانون کا خاص شوق تھا چنانچہ آپ نے بیرسٹری کا امتحان بھی پاس فرمایا تھا۔ آپ نے کئی جنگی امتحان پاس کیئے۔ آپ اعزازی امیر البحر اور رایل نیوی رزرو کے اعزازی کپتان اور جرمن آرمی کے فیلڈ مارشل اور بہت سی انگریزی افواج کے کرنل ان چیف قرار دیئے گئے۔ ولایت میں دستور ہے کہ سن رشد کو پہنچنے سے پہلے ولی عہد مذہبی اور اخلاقی جذبات کا امتحان آرچ بشپ آف کنٹربری لیتا ہے اس میں بھی آپ تعریف کے ساتھ پاس ہوئے تب آپ اٹھارہ سال کی عمر پوری ہونے پر ۹ر نومبر ۱۸۵۸ء کو ولی عہد گزٹ کیئے جانے کے علاوہ آرڈر آف دی گارٹر کا اعزازی تمغہ بھی آپ کو دیا گیا۔ ملکہ معظمہ نے آپ کو بلوغت پر اپنی نگرانی سے آزاد کرتے ہوئے ایک نہایت موثر تحریر بطور پند نامے کے کی جس کی بیش بہا اور مشفقانہ ہدایت کا اثر آپ پر مدۃ العمر رہا۔ ۲۰ر نومبر ۱۸۵۸ء کو حضور والا کرنل بروس وغیرہ کے ہمراہ دار السلطنت جرمن کو تشریف فرما ہوئے جہاں آپ کے والدین محترمین پہلے سے مقیم تھے۔

۱۰ر جنوری ۱۸۵۹ء کو آپ اٹلی کی سیاحت کو روانہ ہوئے اور پوپ آف روم سے ملاقات کی۔ وہاں سے واپس آ کر آپ ایڈنبرا گئے اور ہالی روڈ میں قیام فرما کر پھر مشغلہ حصول علم میں لگ گئے۔ آپ کو علم کمسٹری کا بڑا شوق تھا۔ ڈاکٹر لین پلے فیر کمسٹری پر جو لکچر دیا کرتے تھے ان میں آپ خاص کر جایا کرتے تھے۔ یہ مشہور بات ہے کہ پرنس البرٹ اپنے بچوں کی تعلیم میں بڑے سخت آدمی تھے۔ جب آپ نے سنا کہ شہزادے اکثر ناول[1] پڑھا کرتے ہیں تو آپ نے بلا کر فرمایا کہ "مجھے یہ سن کر بے حد ملال ہوا کہ تم ناول خوانی آئندہ شاہ انگلستان کی تعلیم کے لیئے موزوں سمجھتے ہو۔" شہزادے نے عرض کیا کہ "میں تو سر والٹر سکاٹ کے ناول پڑھتا ہوں"

---

[1] ناول بالعموم عشقیہ اور مخرب اخلاق ہوتے ہیں جیسے رینالڈز کے ناول۔ (بقیہ نوٹ بر صفحہ آئندہ)

انہیں دنوں میں آپ نے اطالی جرمن اور فرانسیسی زبانیں بھی سیکھنی شروع کر دیں اس کے بعد آکسفورڈ میں آپ کا زمانۂ تعلیم باقاعدہ اور محنت کا گزرا جہاں آپ نے اپنے والد کی تحت نگرانی میں اپنی عادات کو بالکل باقاعدہ کر لیا۔ آپ ہمیشہ سات بجے صبح سے پہلے اٹھا کرتے تھے اور حاضری سے پہلے کم از کم ایک گھنٹہ مطالعہ کتب میں منہمک رہتے۔ جنگ کریمیا میں ملکہ معظمہ وکٹوریا نے اہل کینیڈا کی وفاداری کا ثبوت پا کر اپنی دریا دلی سے وعدہ فرمایا تھا کہ ہم بھی کبھی امریکن مقبوضات کی سیر کو آئیں گے مگر سلطنت کے امور عظام نے آپ کو فرصت نہ دی حضور ممدوحہ نے اہالی کینیڈا کو لکھا کہ "ہم خود تو آ نہیں سکتے البتہ اپنے فرزند کو بطور نائب کے بھیجیں گے" امریکن اخباروں نے ہر چہار جانب یہ مژدہ پہنچا دیا۔ پریذیڈنٹ اضلاع متحدہ امریکہ نے اس مژدۂ جاں بخش کی خبر سنتے ہی ملکہ معظمہ کی خدمت میں لکھا کہ "اگر آپ کے فرزند بحیثیت نیابت اس ملک میں تشریف لائیں گے تو اُن کا استقبال بڑی گرم جوشی سے کیا جائے گا اور جس حصۂ ملک میں قدم رنجہ فرمائیں گے ہر جگہ یہی سلوک ہوگا" ملکہ معظمہ نے جواب میں لکھا کہ "ہمارا فرزند آپ کا مہمان ہونا پسند کرتا ہے اور جب وہ وہاں سے واپس آ کر ہم سے آپ کی عنایات اور شریفانہ سلوک کا ذکر کرے گا تو ہمیں بے حد خوشی ہوگی" ۹ر جولائی سنہ ۱۸۶۰ء کو شہزادہ والا جاہ بندرگاہ آسبورن سے اپنے والد ماجد کی معیت میں امریکہ کے عظیم الشان سفر پر روانہ ہوئے۔ آپ کی ہم رکاب ڈیوک آف نیوکیسل۔ جنرل بروس۔ کپتان گرے۔ ڈاکٹر ایکلنڈ وغیرہ سات ارکین اعظم تھے۔ یہ معزز و محترم پارٹی ۲۵ر جولائی کو سنٹ جان واقع نیو فونڈ لینڈ میں وارد ہوئی۔ آپ کا استقبال بڑی دھوم دھام سے ہوا۔ گاڑی کے گھوڑے کھول کر جوشیلی رعایا نے خود کھینچا۔ الغرض کینیڈا پہونچ کر یکم ستمبر کو وہ کام تکمیل کو پہونچایا جس کی اہمیت کے باعث آپ نے یہاں تک تشریف آوری کی زحمت گوارا فرمائی تھی یعنی بہ حیثیت نائب ملکہ

(تکملہ نوٹ صفحہ گذشتہ) اس میں شک نہیں کہ طرز ادا اور خوبی عبارت کے لحاظ سے جیسے بے نظیر ہیں ویسے ہی اخلاقی نقطۂ خیال سے ردی ہیں۔ مگر سکاٹ کے ناولوں میں یہ بات نہیں [illegible] اعتبار سے لاجواب اور لاثانی ہیں۔ ۱۲

انگلستان پارلیمنٹ کے دونوں ہئوسوں کا سنگ بنیادی نصب فرمایا اور دریائے ہالسنٹرنل کے ریلوے کے پُل کا افتتاح فرمایا۔ پھر کینیڈا کے مختلف صوبہ جات اور مشہور مقامات کی سیاحت فرماتے رہے۔ اس کے بعد اٹھارویں تاریخ بجانب ہیملٹن نہضت فرما ہوئے جہاں آپنے آخری دربار منعقد فرمایا اور زراعتی انجمن کے ایڈریس کے جواب میں فرمایا:۔ وہ حضور ملکہ معظمہ انگلستان کے ارشاد سے میں اُن کا نایب ہو کر برٹش شمالی امریکہ کی سیاحت کو آیا تھا۔ یہ کام اب ختم ہو گیا اور آج سے اُن تمام فرائض کا بار میرے کندھوں پر نہیں رہا جو بحیثیت ملکۂ انگلستان کے نایب ہونے کے مجھ پر واجب تھا۔ اب میں انگلستان جانے سے پیشتر پرایوٹ طریقے پر اس مشہور ملک کی سیر کرنی بھی ضروری سمجھتا ہوں جس کے بزرگ باشندے اور ہمارے بزرگ ایک تھے اور جن کی غیر معمولی ترقی کو ہر ایک باشندۂ انگلستان باہمی دلچسپی سے ملاحظہ کرتا ہے۔ اس سے پہلے کہ میں اس انگریزی ساحل سے آگے قدم بڑھاؤں میں آپ تمام صاحبوں کو محبت سے بھری الوداع کہنی چاہتا ہوں۔ خداوند کریم اس صادق اور قابل عزت قوم کو اپنی منتخب نعمتیں عطا فرمائے۔" اس کے بعد حضور معز اضلاع متحدہ امریکہ کی سیاحت میں مشغول ہوئے اور ۲۰ اکتوبر تک فراغ حاصل فرماکے ۱۵ نومبر کو پلائی متھ پونہچے۔ یہاں ونڈزر کیسل میں آپ کے والدین نے بڑی محبت سے آپ کا خیر مقدم کیا۔ ۱۸۶۱ء میں آپ کی اقامت گاہ کے لیئے باضابطہ طور پر مارلبرا ہئوس تجویز کیا گیا۔

سپاہیانہ زندگی

بادشاہ کی ذات میں ضرور ہے کہ سب قسم کی صفات ہوں ملک داری کے نظم ونسق کے علاوہ اُس میں ملٹری سپرٹ (فوجی ولولے) کا ہونا بھی لازم و متحتم ہے کہ اُس کی ذات اہل قلم اور سیف دونوں کا ملجا و ماوی ہے۔ جون ۱۸۶۱ء میں حضور والا کراہ آف الگزنڈرا کے کیمپ میں تشریف لے گئے۔ یہاں آپ گرینڈیر گارڈز کی اول پلٹن کے ساتھ قواعد وغیرہ میں شامل ہوتے تھے اور عام سپاہیوں کی طرح کیمپ کی ایک کاٹج میں رہتے تھے اور

سلہ آپ کی تعلیم میں شروع سے اس بات کا خیال تھا کہ جہاں تک حصول علم کا تعلق ہے آپ کا ذاتی مرتبہ شاہی اُس میں مخل و مانع نہ ہو اور اسی لیئے سادگی کا بڑا خیال تھا جس کا بہترین نتیجہ یہ ہوا کہ (بقیہ نوٹ بر صفحہ آیندہ)

ہر قسم کی فوجی ذمہ داریوں پر جفاکشی کے ساتھ کاربند تھے۔ آپ عملی طور پر فوجی لائف بسر کر چکے تھے اس لیئے حضور کو فوجی لوگوں کی خوشنودی اور دلجوئی کا بڑا خیال تھا برلن سے نہضت فرما ہونے سے پیشتر آپ نے چھتیسویں پلٹن کو بطور اعزاز ایک جھنڈا عطا فرمایا۔ ملاحظہ افواج کی غرض کے علاوہ حضور کے جرمنی تشریف لے جانے کی ایک اور بھی وجہ خاص تھی اور وہ ایسی وجہ تھی جس پر حضور ممدوح کی آئندہ مسرت اور آرام کا دارومدار تھا یعنی **ڈنمارک** کی شہزادی **الگزینڈرا** ان دنوں جرمنی میں تھیں۔ آپ نے ان کے اوصاف حمیدہ اور خصائل پسندیدہ کا شہرہ پہلے ہی سے سنا تھا اس لیئے مناسب خیال کیا گیا کہ باہمی ملاقات سے تعلقات زن و شو کا فیصلہ کر لیا جائے چنانچہ شہزادے اور شہزادی صاحبہ کی اس اثناء میں کئی ملاقاتیں ہوئیں اور ہر دو ایک دوسرے سے مل کر نہایت مسرور ہوئے۔ یہاں سے مراجعت فرمانے کے بعد آپ قصر ونڈزر میں ۱۴ر نومبر کو تشریف لے گئے۔ سر ہنری ہالینڈ کے ذریعے سے آپ کو اطلاع پہنچی کہ آپ کے والد ماجد **پرنس کنسرٹ** نے انتقال فرمایا۔ یہ خبر وحشت اثر سن کر آپ کو بڑا بھاری صدمہ ہوا اور ۲۳ر دسمبر کو **سینٹ جارج چیپل** میں پہنچ کر شریک تجہیز و تکفین ہوئے۔ کچھ عرصے بعد آپ نے ملکہ معظمہ کی ایما سے **یورشلم** کا سفر کیا اور اسی کے ساتھ **اسکندریہ** (مصر) **قاہرہ** وغیرہ کی سیر کی۔

شادی

یہ خبر عام طور پر مشہور تھی کہ آپ کی شادی ڈنمارک کی شہزادی الگزینڈرا سے ہونے والی ہے مگر سرکاری طور پر اس کی تصدیق نہیں ہوئی تھی لیکن جب ملکہ معظمہ خود ڈنمارک کو تشریف لے چلیں تو اس خبر کی تصدیق ہو گئی چنانچہ فروری ۱۸۶۳ء کے اخباروں میں بھی یہ خبر علی التواتر شائع ہو گئی اور سرکاری طور پر بھی اس کی تصدیق کی گئی۔ شہزادی پہلے ہی انگلستان کے لوگوں کے دلوں میں گھر کر چکی تھیں اور بڑی ہر دل عزیزی حاصل کر لی تھی اس لیئے آپ شادی سے پہلے ہی ۷ر مارچ ۱۸۶۳ء کو لندن تشریف لے آئیں۔ ۱۰ مارچ کا دن انگلینڈ کی تاریخ میں ایک

(بقیہ نوٹ صفحہ گزشتہ) سادگی آپ کے خمیر میں داخل ہو گئی۔ ۵ اے ذوق تکلف میں ہے تکلیف سراسر آرام سے وہ ہیں جو تکلف نہیں کرتے۔ اگر شاہی اعزاز و احترام کی پخ لگی رہتی تو آپ کے مزاج کا اور ہی رنگ ڈھنگ ہوتا۔ ۱۲

جو مبارک دن تھا اس دن عام تعطیل تھی۔ سینٹ جارج کے مشہور گرجا واقع ونڈزر کیسل میں ساڑھے گیارہ بجے دن کے بموجودگی ممبران خاندان شاہی آرچ بشپ آف کنٹربری نے بمعیت آرچ بشپ آف ایبرڈین رسوم شادی ادا کیں۔ حضور ملکہ معظمہ بنفس نفیس اس مبارک موقع پر تشریف فرما تھیں مگر اپنے شوہر کے غم میں ماتمی لباس میں تھیں۔ اس تقریب پر شب میں سارے شہر میں علاوہ آرائش کے آتش بازی چھوڑی گئی۔ صرف شہر کی آراستگی کے لیئے تین لاکھ پونڈ کی رقم منظور ہوئی تھی۔ صرف شاہی دعوت میں دس لاکھ پونڈ کے برتن استعمال ہوئے تھے اور مصارف کا کیا کہنا۔ تحائف کا کچھ شمار نہ تھا جن کی مالیت دو لاکھ پونڈ کی کہی جاتی ہے۔ شہزادی کو جو کچھ بیش بہا زیورات اور پارچہ جات ملکہ معظمہ کی طرف دیئے گئے تھے اُس کے علاوہ لندن کمیٹی نے ایک جڑاؤ گہنا دس ہزار پونڈ یعنی ڈیڑھ لاکھ روپیہ کا نذر دیا۔ پارلیمنٹ نے شاہزادہ ویلز کے لیئے چالیس ہزار اور شہزادی کے لیئے دس ہزار پونڈ سالانہ کی جاگیر منظور کی۔ اب چونکہ آپ متاہل ہو گئے پھر قصر ونڈزر میں رہنے لگے اور عارضی طور پر بود و باش کے لیئے آپ نے ٹرانکھور کو منتخب فرمایا ہیں ۱۸۔ جولائی ۱۸۶۴ء کو فرزند نرینہ پیدا ہوا جن کا نام **البرٹ وکٹر کرسچین ایڈورڈ** رکھا گیا۔ ۱۷ نومبر کو حضور والا مع اپنی خاتون محترمہ کے براعظم یورپ کی سیاحت کو تشریف لے گئے۔ فرانس۔ ڈنمارک۔ سٹاک ہوم وغیرہ مشہور مقامات ملاحظہ فرماتے ہوئے ۴ فروری ۱۸۶۵ء کو اسکندریہ (مصر) پونہچے۔ وہاں سے چند دنوں بعد شاہی جہاز حدود ترکی میں پونہچا۔ بڑے بڑے ترکی افسر آپ کے استقبال کے لیئے حاضر تھے۔ سلطانی محل واقع سلیح بازار آپ کے قیام کے لیئے آراستہ کیا گیا جہاں خود سلطان المعظم بذات خاص چشم براہ تھے اور سیڑھیوں تک اپنے معزز مہمان کے استقبال کو تشریف لائے۔ سلطانی حکم سے آپ کے لیئے ہر قسم کا سامان آسایش اعلیٰ درجے کا مہیا کیا گیا۔ سلطان کا کمرہ خاص جس میں آپ کو اتارا تھا بڑے بیش بہا سازو سامان سے آراستہ و پیراستہ تھا۔ رات کو بینڈ بجتا رہتا تھا اور صبح کو سلطان المعظم آپ کی خدمت میں تازہ بتازہ گلدستے اور نادر میوہ جات کی کشتیاں بھیجا کرتے تھے شاہزادہ ویلز اور سلطان المعظم نے ایک ہی میز پر خاصہ بھی تناول فرمایا۔ آپ شاہانہ

تزک و احتشام اور ظاہری ٹیم ٹام سے بہت گھبراتے تھے اور سادی سودی طرز زندگی کو بہت پسند کرتے تھے۔ مزاج میں حد درجے کی سادگی تھی اور تکلفات سے کوسوں دور تھے۔ بہت سے سفر آپ نے In cognito (اس طرح کہ کوئی نہ جانے) کیئے۔ آپ کو بھیس بدل کر لوگوں میں گھل مل کر اُن کے اصلی حالات زندگی دیکھنے اور دریافت کرنے کا بہت شوق تھا اور اس میں شک نہیں کہ بادشاہوں کے لیئے تفحص حالات کا یہ ایک عمدہ طریقہ ہے۔ چنانچہ قسطنطنیہ میں بھی آپ بھیس بدل کر دکانوں پر جاکر سامان خریدتے قہوہ خانوں میں جاتے لوگوں سے ملتے جلتے اور بے تکلف بات چیت کرتے اور گلی کوچوں میں مثل ایک عام شخص کے بے کھٹکے پھرتے تھے ۱ر اپریل ۱۸۶۹ء کو قسطنطنیہ سے واپس ہوکر راہ میں جنگ کریمیا کے مشہور مقامات دیکھتے بھالتے مع الخیر والعافیۃ اپنے وطن مالوف کو تشریف لے آئے۔

زندگی اور موت کے بیچ میں

یورپ کی سیاحت سے واپسی کے کچھ دنوں بعد آپ تبدیل آب و ہوا کی غرض سے کسن گن اور سکالس کوہ ہارے ڈبلن اور کوہ وکلو وغیرہ دلچسپ مقامات کی سیر کو تشریف لے گئے۔ وہاں سے تشریف لانے کے بعد نصیب اعدا مزاج وہاج جادۂ اعتدال سے منحرف ہو گیا۔ ڈاکٹروں نے آپ کو سکاٹ لینڈ جانے کا مشورہ دیا لیکن تبدیل مقام سے بجائے فائدے کے نقصان ہوا۔ سکاربارو پونہچ کر تو طبیعت اس قدر بگڑی اور ایسی خطرناک بیماری لاحق ہوئی کہ جس سے بڑے بڑے تجربہ کار اور حاذق شاہی ڈاکٹروں کے بھی چھکے چھوٹ گئے۔ ہر چند بہتر سے بہتر علاج کیا گیا مگر بے سود روز بروز خطرہ زیادہ بڑھتا گیا آخر کار ۲۲ر نومبر ۱۸۶۹ء کو ملکہ معظمہ کو اس خطرناک علالت کا تار دیا گیا کہ "شہزادے صاحب تپ محرقہ میں مبتلا ہیں" شہزادی الگزینڈرا شبانہ روز اپنے معزز شوہر کی تیمارداری میں حاضرباش تھیں مگر اب مریض کی حالت اور بھی نازک ہو گئی۔ تمام انگلستان میں تلاطم پڑ گیا۔ ہر شخص قصر سینڈرنگھم کی تازہ ترین خبر معلوم کرنے کے لیئے مضطر تھا مگر حضور کی حالت ساعت بساعت دگرگوں ہوتی جاتی تھی۔ ہر کہ دمہ کو حضور کی جان کے لالے پڑ گئے۔ دسمبر کے اول ہفتے میں صحت یا

کی امید منقطع ہوگئی۔ پادریوں نے کہا کہ جب علاج مفید نہیں تو اب دوا کا وقت باقی نہیں ہاں دعا کا دروازہ کھلا ہوا ہے جب تک سانس ہے آس بھی ہے۔ ملکہ معظمہ مع خاندان شاہی کے سینڈرنگھم پہنچ گئیں۔ ملکہ معظمہ نے جب اپنے نور نظر اور لخت جگر کی حالت دیکھی تو غشی کا عالم تھا آپ کسی کو پہچان نہ سکے۔ ولی عہد کی ایسی مایوسانہ حالت سے سارے ملک میں سنسنی پھیل گئی۔ ہندوستان۔ کینڈا۔ اضلاع متحدہ امریکہ سب جگہ ہر مذہب و ملت کے لوگوں نے اپنے اپنے عقائد کے موافق مسجدوں۔ مندروں۔ گرجاؤں میں شہزادے کی صحت کے لئے نمازیں پڑھیں خلوص دل سے گڑگڑا گڑگڑا کر بارگاہ شافی مطلق میں دعائیں کیں۔ اب ۱۴ر دسمبر کا وہ دن آگیا جو آپ کے والد کی برسی کا تھا لوگوں کو وہم آنے لگا طرح طرح کے توہمات دل میں آتے تھے کہ کہیں باپ کی طرح یہ بھی نہ چل بسیں۔ گو اتوار سے منگل تک آپ کی حالت معرض خطر میں تھی مگر اسی دن سے آثار افاقہ کے نظر آئے اور بدخوابی اور کرب دونوں میں افاقہ ہوا۔ روز بروز طبیعت سنبھلتی گئی۔ ماں کی جان میں جان آئی بیوی کی باچھیں کھل گئیں۔ نیند اور غذا وہی چیزیں ضامن صحت ہیں۔ گہری نیند اور غذا کی طرف میلان ہوگیا اب صرف خفیف حرارت رہ گئی تھی تاہم صحت کی طرف سے اطمینان ہوگیا۔ جنوری ۱۸۷۲ء کے پہلے ہفتے میں آپ کو اس قدر توانائی آگئی کہ آپ بستر علالت سے اٹھ کر چند قدم چلنے لگے اور اسی دن آپ کا کمرہ بدلا گیا۔ اب کیا تھا اگلا دن پچھلے سے بہتر ہوتا گیا۔ اب تبدیل آب و ہوا ضرور تھی ڈاکٹروں کی رائے سے آپ جزیرہ وہیٹ تشریف لے گئے اور خدا نے وہ دن دکھایا کہ آپ تن درست و توانا لندن تشریف لائے۔ پبلک نے بڑی گرم جوشی سے آپ کا استقبال کیا۔ اس دن عام تعطیل رہی شاندار جلوس نکالا گیا اور اظہار مسرت کا کوئی دقیقہ اٹھا نہ رکھا۔ چوں کہ آپ کو اتنی بڑی علالت کے بعد جیسی چاہیئے ویسی توانائی نہیں آئی تھی نہ آپ پوری طرح چاق چوبند تھے لہٰذا ڈاکٹروں کی رائے سے بغرض تبدیل آب و ہوا پھر آپ سفر پر تشریف فرما ہوئے چنانچہ آپ اٹلی تشریف لے گئے۔ چوں کہ آپ میں نظر تا غور و خوض و تحقیق کا مادہ زیادہ تھا اس لئے جہاں جہاں گزر ہوا عجائبات روزگار کو نگاہ تعمق

وینس سے دیکھا۔ آثار قدیمہ کے دیکھنے میں گھنٹوں مصروف رہے اور جون کے مہینے میں اس سفر سے انگلینڈ واپس تشریف لے آئے۔

سفر و سیاحت

گر قدم برچشم ما خواہی نہاد
دیدہ در رہ می کنم تا می روی

دنیا میں جو آیا ہی اگر اس نے سفر و سیاحت نہ کی تو کچھ بھی نہ کیا جیسا کورا آیا تھا ویسا ہی چلا گیا۔ حصول واقفیت عامہ کے لئے سفر سے بہتر کوئی چیز نہیں جس سے ہم جیسے چھوٹے موٹے آدمیوں کی آنکھیں کھل جاتی ہیں۔ تجربہ بڑھتا ہے۔ عقل پختہ ہوتی ہے۔ چہ جائیکہ بادشاہ جس کو سلطنت چلانی پڑتی ہے وہ اگر بھونرے میں بیٹھے اور اپنی سلطنت کی مقامی حالت وہاں کے لوگوں کی سوشل لائف نہ دیکھے دوسرے ملکوں سے اپنے ملک کی حالت کا مقابلہ نہ کرے تو بادشاہ نہ ہوا شیر قالین ہوا۔ شہزادہ معظم ایک بہت بڑے سیاح تھے آپ نے سوئیزرلینڈ۔ جرمنی۔ بحیرۂ روم اٹلی (روما) جبرالٹر۔ ہسپانیہ۔ پرتگال۔ کوبیس میکڈونی۔ سکاٹ لینڈ۔ آئرلینڈ۔ گلاسکو۔ کینڈا۔ ڈیون پورٹ۔ امریکہ۔ برگ رائل۔ کوبرگ۔ ہیلٹن۔ واشنگٹن۔ نیویارک۔ بوسٹن۔ پولینڈ۔ بیروشلم (بیت المقدس) مصر (قاہرہ) اسکندریہ قسطنطنیہ۔ دمشق۔ بحیرۂ بالٹک۔ بیروت۔ ڈارڈنلز۔ مارسلیز۔ براعظم یورپ۔ ڈنمارک۔ سوئیڈن۔ برلن۔ دایانا۔ فرانس۔ سینٹ پیٹرزبرگ۔ بلجیم۔ ہندوستان وغیرہ وغیرہ مقامات کو سیری اور اچٹتی نظر سے محض سیر تماشے کی غرض سے ملاحظہ نہیں فرمایا بلکہ خرما وہم ثواب اکثر اوقات لباس بدل بدل کر لوگوں کے اصلی حالات طرز حکومت۔ وغیرہ سب باتوں پر نظر ڈالی۔ جہاں جہاں آپ گئے شاہانہ اعزاز سے آپ کا خیر مقدم کیا گیا جس سے دوسری سلطنتوں کے تعلقات میں زیادہ پائداری اور استحکام ہوا۔ ہندوستان کے سفر کے حالات حصہ اول میں آگئے ہیں۔ اس سفر وسیلۃ الظفر کے جو پولیٹکل فوائد ہوں گے وہ وہ جانیں جن کے دست قدرت میں ملک کا رتق و فتق ہی ہم جیسے موٹی سمجھ والے تو یہ سمجھتے ہیں کہ جب سے سلطنت کا خاتمہ ہوا ہم نے سنا کہ برٹش راج قائم ہوا بادشاہ رہا انگلینڈ میں اور ہم ہند میں۔ ہزاروں کوس کا فاصلہ بیچ میں اکثر ہندوستانی حائل

وہاں تک خیال کی رسائی بھی متعذر ہے ہندوستان کے لوگ بادشاہ کے وجود خارجی کے دیکھنے کے عادی اب اُن کو بادشاہ کا خیالی خدا جانے کالا ہے یا گورا آدم خاکی ہے یا کوئی پُتلا۔ انسان ہے یا فرشتہ۔ پرنس آف ویلز نے آکر اپنا جمال مبارک دکھایا تب ہمیں یقین ہوا کہ او ہو یہی ملکہ کے بیٹے اور ولی عہد ہیں اور یہی آگے چل کر ہمارے بادشاہ ہونے والے ہیں جن کے ہاتھ میں ہندوستان کی باگ ہوگی۔ آہا یہ تو ہم جیسے ہی انسان ہیں ہمارے جیسے ان کے بھی ناک کان ہیں۔ خدا کے بندے ہم بھی اور یہ بھی فرق صرف اتنا ہے کہ وہ بادشاہ ہم رعایا وہ حاکم ہم محکوم۔ اب جا کر ہماری کُٹھل سمجھ میں آیا کہ جس طرح اکبر۔ جہانگیر۔ شاہ جہاں اور اورنگ زیب بادشاہ تھے یہ بھی بڑے پائے کے بادشاہ ہیں بلکہ اُن سے بھی کسی کسی باتوں میں بڑھ چڑھ کر ہیں وہ اسی ملک میں رہ کر حکمرانی کرتے تھے اور ان کا حسن انتظام ایسا ہے کہ کالے کوسوں دور نظروں سے غایب پھر بھی ہمارے حال سے باخبر اور ہم پر اس طرح سے حکومت کر رہے ہیں گویا کہ ہم ہی میں بیٹھے ہیں۔

۱۸۹۱ء میں آپ کی پچاسویں سالگرہ خاص طور پر بڑی دھوم دھام سے منائی گئی اور تمام انگلستان میں جشن منایا گیا مگر ۱۸۹۲ء آپ کے لئے بڑا ارنج دہ ثابت ہوا یعنی آپ کے بڑے صاحب زادے **ڈیوک آف کلیرنس** نے جن کی شادی کی تیاریاں بالکل مکمل ہو چکی تھیں عین عالم شباب میں چند روز کی علالت سے انتقال کیا بڑھیا دادی کی کمر توڑ دی اور باپ کے کلیجے پر وہ داغ دیا کہ ؎

من چوں نریم کہ سینہ سن چاک کردہ اند　　لخت جگر بریدہ تہ خاک کردہ اند

ضمیمۂ اول میں اس سانحۂ ہوش ربا کا ذکر زرا تفصیل سے آچکا ہے۔

آپ کی اولادیں

آپ کے چھ بچے ہوئے:۔ (۱) پرنس البرٹ وکٹر ۸ ارجولائی ۱۸۶۴ء کو پیدا ہوئے۔ ولی عہد سلطنت قرار پائے۔ ہندوستان کا سفر بھی کر گئے۔ تعلیم اور سیاحت ہر اعتبار سے وارث تخت و تاج قرار پائے مگر زندگی نے وفا نہ کی اور ۱۴ ارجنوری ۱۸۹۲ء کو انتقال کیا۔ (۲) پرنس فریڈرک ارنسٹ۔ پیدائش ۳ رجون ۱۸۶۵ء جو اپنے بڑے بھائی کے انتقال پر ولی عہد قرار پائے اور انھیں کی منگیتر سے آپ کی شادی ہوئی

اور اب بفضل خدا یہی ہمارے بادشاہ جارج پنجم ہیں۔

"خدا ہمارے بادشاہ کو سلامت رکھے!"

(۴) پرنس لوئی وکٹوریا الگزینڈرا۔ پیدائش ۲۰ فروری ۱۸۶۷ء جن کی شادی ڈیوک آف فیف سے ہوئی۔ (۵) پرنس وکٹوریا آسکا میری۔ ولادت ۶ جولائی ۱۸۶۸ء (۶) پرنسس ماڈ شیرلاٹ ملکہ ناروے۔ ولادت ۲۶ نومبر ۱۸۶۹ء (۷) پرنسس الگزینڈرا (جو پیدائش سے چند ہی دنوں بعد انتقال کر گئیں)۔

جس طرح اکثر ہندوستانی امراء و رؤسا اپنے بچوں کا لاڈ پیار میں ستیاناس کرتے ہیں یہ حال یورپ میں نہیں بلکہ جس گھر میں جو بچہ پیدا ہوتا ہے اُس کو اُسی حیثیت سے تعلیم و تربیت کی جاتی ہے اور ہمیشہ اُس کو اُس پوزیشن کے قابل بنایا جاتا ہے جو نیچرلی اُسے ملنے والی ہے۔ اسی اصول پر ایڈورڈ ہفتم نے اپنی اولاد کو بڑے اہتمام سے پوری طرح سے تربیت کی اور اعلیٰ درجے کی تعلیم دلوائی اور پھر سیاحت کراکے دنیا کے نشیب و فراز کا پورا تجربہ کرا دیا۔

اشغال و عادات

آپ کو کتب بینی اور اخباروں کا بڑا شوق تھا۔ گھوڑ دوڑ اور سائیکل کی سواری سے بھی خاص رغبت تھی۔ آپ کی رحم دلی کے متعلق ایک روایت ہے کہ ایک دن آپ گاڑی پر جا رہے تھے کہ آپ کی نظر ایک نابینا پر جا پڑی جو بے چارہ بازار کے اس سرے سے اُس سرے تک گزرنے کی کوشش کرتا تھا لیکن لندن کا ٹریفک رستہ نہ ملتا تھا اُس کو دھکے لگ رہے تھے اور بے طور ٹھوکریں کھا رہا تھا۔ اُس کی درماندگی کی حالت دیکھ کر آپ کا دل نہ مانا آپ جھٹ گاڑی پر سے اُتر پڑے اور اُس اندھے کا ہاتھ پکڑ کر اُسے اس بھیڑ بھڑکے سے پار کر دیا اور چپکے سے اُسے کچھ دیا بھی۔ چند دنوں بعد آپ کے نام ڈاک سے ایک قلمدان پہنچا جس پر یہ عبارت کندہ تھی "یہ ناچیز تحفہ پرنس آف ویلز کی خدمت میں ایک ایسے شخص کی طرف سے پیش کیا جاتا ہے جنھیں اُس نے سچے مسیحیوں کی طرح اپنے مرتبوں کو بالائے طاق رکھ کر ایک اندھے کی خدمت کرتے دیکھا ہے"۔

پابندی ضابطہ

ایک دن آپ چند دوستوں کے ساتھ کھیلتے کھیلتے ایک شخص کے کھیت میں سے گزرے۔ کھیت والا خفا ہو کر اُٹھ کھڑا ہوا کہ آپ لوگ بلا میری اجازت میرے کھیت میں کیوں گھسے ایک شلنگ جرمانہ سیدھے ہاتھ سے دھر دیجئے۔ آپ کے ہمراہیوں نے چاہا کہ آپ کا مرتبہ اُسے بتلا کر دھتکار دیں لیکن آپ نے منع کیا اور اُس سے معذرت خواہ ہوئے اور فوراً ایک شلنگ اُسے دے دی۔

مدرسہ کا ایک چھوکرا اور پرنس آف ویلز

برآور دن کار اُمیدوار
بہ از قید بندی شکستن ہزار

آپ نے بہت سے کام بے ریائیگی کے کئے ہیں اُن میں سے ایک یہ ہے کہ ایک دن آپ ذرا دیر سے باہر سے تشریف لائے دیکھا تو پھاٹک پر ایک چھوٹا سا لڑکا کھڑا رو رہا ہے۔ آپ نے پہرے والے سے پوچھا یہ لڑکا کون ہے اور کیوں رو رہا ہے سپاہی نے کہا حضور یہ چھوکرا ملکہ معظمہ کو دیکھنا چاہتا ہے بھلا یہ کیسے ممکن ہے یہی میں نے اُس سے کہہ دیا۔ لاکھ سمجھایا مانتا ہی نہیں جب سے کھڑا رو رہا ہے شہزادے نے جھٹ اُس لڑکے کا ہاتھ پکڑ لیا اور بڑی محبت سے کہا ”میاں! تم میرے ساتھ آؤ یہ پہرے والے تو میرے تابعدار ہیں ملکہ کو تم دیکھنا چاہتے ہو تو میں تم کو ضرور دکھلا دوں گا“ شہزادے نے اپنا وعدہ پورا کیا لڑکے کو لے جا ملکہ کے سامنے کھڑا کر دیا۔ اُس نے اس نیک نہاد ملکہ کو دیکھا کیسی پیاری مگر غمگین صورت تھی۔ آپ نے بہت سے شفقت آمیز کلمات فرمائے لڑکے کا نام اور اُس کی عمر پوچھی اور چلتے وقت اُسے ایک اشرفی بھی دی ؎

دل بدست آور کہ حج اکبر است از ہزاراں کعبہ یک دل بہتر است

یہ لڑکا اب بڈھا پھونس ہو گیا سارے بال سفید گالا ہو گئے مگر ملکہ کے کریمانہ اور محبت بھرے الفاظ اُس کے دل پر نقش ہیں اور اُس کے نزدیک سب سے عزیز چیز وہی اشرفی ہے جسے اُس نے اپنے کلیجے سے لگا رکھا ہے۔ وکٹوریا اور ایڈورڈ دونوں کا وجود تو دنیا سے مٹ گیا لیکن نیکی کے کام نہ کبھی مٹے ہیں نہ مٹیں گے ڈاُن کے

نام ہمارے دلوں میں زندہ ہیں اور ہمیشہ ہمیشہ ہمارے دلوں میں رہیں گے۔

نئی پرانی چھتریوں کا لطیفہ

ایک مرتبہ آپ کسی دوست کے ساتھ پھرتے پھراتے ایک گاؤں میں جا نکلے۔ یکایک زور کا مینہ آگیا تھوڑی دیر کے لیئے آپ نے ایک نان بائی کی دکان میں آسرا لیا لیکن مینہ کے کھلنے کے آثار نہ تھے۔ آپ کے دوست نے دکان دار سے پوچھا کہ تمھارے پاس کوئی چھتری بھی ہے؟ اُس نے کہا کہ میرے پاس ایک چھوڑ دو دو چھتریاں ہیں ایک نئی اور ایک پُرانی۔ نئی چھتری تو میں کسی دھنتر کو بھی نہ دوں خواہ وہ پرنس آف ویلز ہی کیوں نہ ہو ہاں پرانی چھتری حاضر ہے وہ بھی اس شرط سے کہ آپ واپسی کا ذمہ لیں۔ اُس کا مطلب کسی بڑے آدمی سے تھا رہا پرنس کا نام آمد نکل گیا۔ کیوں کہ اُن سے بڑا اور تھا کون اُس کے فرشتوں کو بھی خبر نہ تھی کہ پرنس آف ویلز تو یہی ہیں۔ ع یار در خانہ و ما گرد جہاں می گردیم۔ غرض وہ پرانی چھتری یہ اس وقت معتنمات سے ہو گئی۔ پرنس نے محل میں پہونچتے ہی اُس کی غریبانہ چھتری شکریئے کے ساتھ واپس کی اور اُسی کے ساتھ ایک عمدہ نئی قیمتی چھتری اور بھیج دی جس کو دیکھ کر نان بائی کی آنکھیں کھل گئیں۔ دیکھنے میں تو یہ ذرا سی بات ہے مگر ایک بادشاہ ذی جاہ کو ایسی جزئیات کا خیال رہنا کیا نعمت الٰہی سے کم ہے۔

تاج پوشی

اگرچہ بالعموم تخت نشینی سے سال بھر بعد تاج پوشی کی رسومات ادا ہوتی ہیں مگر ۵ ہر اگست ۱۹۰۱ء کو آپ کی ہمشیرہ یعنی پرنسس فریڈرک شاہ جرمن کی والدہ کا انتقال ہو گیا اور ٹرینسوال میں جنگ چھڑ گئی لہذا کچھ تاخیر ناگزیر ہو گئی۔ کچھ دنوں بعد اعلان کر دیا گیا کہ انگلستان میں ۲۶ جون ۱۹۰۲ء اور ہندوستان میں یکم جنوری ۱۹۰۳ء کو جشن تاج پوشی منایا جائے گا۔ آپ کا تاج نہایت خوشنما۔ شاندار اور بیندرہ لاکھ روپیے کی قیمت کا نہایت مرصع تھا۔ ملکہ کے لیئے ہلکا اور سبک جڑاؤ تاج کیر تھس ریجینٹ سٹریٹ کے جوہری نے بڑی نزاکت اور نفاست سے تیار کیا

جو بیش قیمت جواہرات سے لیا ہوا تھا اور اس میں کوہ نور نامی مشہور ہیرا بھی دمک رہا تھا اس میں سب ملاکر (۳۴۰۰۰) ہیرے تھے یعنی کوئین وکٹوریا آنجہانی کے تاج سے بھی (۶۰۰) زیادہ۔ تاجپوشی کے اخراجات کے لیئے سوا لاکھ پونڈ کی منظوری ہوئی تھی چنانچہ زرین لبسوں اور درباری تلواروں اور موٹروں پر (۵۰) لاکھ اور آرائش اجلسوں پر پونے دو کروڑ روپیہ صرف ہوا۔ علاوہ بہت سے ہندوستانی رؤسا و امراء وغیرہ کے ہندوستانی فوج کے ایک ہزار جوان اور سو جوان امپیریل سروس ٹروپس کے بھی مدعو کیئے گئے تھے ہندوستانی شاہی مہمانوں کو بڑی بڑی بھاری پُرتکلف دعوتیں دی گئیں جن کی تفصیل طول طویل ہے۔

حضور کی ناگہانی علالت اور عین وقت پر جشن کا التوا

لندن میں جشن کی تیاریاں بڑے اہتمام اور زور شور سے اصلی پیمانے پر ہو رہی تھیں اور مختلف دیار و امصار اور ممالک سے معزز و محترم مہمانوں کی تعداد کثیر آن پہنچی تھی اور بظاہر اسباب اس تقریب کے بروقت انجام پانے میں کوئی کسر نہ تھی مگر مشیت ایزدی کچھ اور ہی تھی کہ عین وقت پر بادشاہ سلامت کی طبیعت ناساز ہوگئی ۱۳ جون کو مزاج کچھ کسل مند رہا پھر اگلے دن کمر میں درد ہوا جو باوجود علاج معالجے کے روبہ ترقی تھا۔ ڈاکٹروں نے آپ کو آرام لینے کے لیئے کہا مگر ایسے موقع پر آرام کہاں۔ ۱۸ جون کو تپ بھی آگئی اور دائیں پسلی میں آماس معلوم ہوا۔ ۲۴ جون کو اس میں پیپ پڑ گئی جس کے لیئے آپریشن ناگزیر تھا۔ آپ کو بہ مقابلے اپنی رعایا اور مہمانوں کی مایوسی کے اپنی بیماری کا مطلق خیال نہ تھا ڈاکٹروں سے کہا کہ کوئی ایسی صورت نکالو کہ یہ تقریب نہ رکے ورنہ لوگوں کو بڑی ناامیدی تکلیف اور حرج ہوگا اگر میں کھڑے ہو کر رسوم تاجپوشی ادا نہ کر سکوں تو خیر بیٹھے بیٹھے یا لیٹے لیٹے ہی سہی۔ ڈاکٹروں نے کہا کہ آپریشن کے بعد نقل و حرکت سراسر خلاف احتیاط ہے اور آپریشن کی تاخیر میں بھی مرض کے جڑ پکڑ جانے کا سخت خطرہ ہے۔ جب بادشاہ

کی جان کے ہی لالے پڑے تھے کیسی تاجپوشی اور کہاں کا دربار۔ جان ہے تو جہان ہے۔ اسل آف مارشل نے اس شدید مجبوری سے جشن کے التوا کا اعلان کر دیا۔ اس خبر کے سنتے ہی ایک عام افسردگی چھا گئی اور مجمع کا تمام رُخ شاہی محل کی طرف ہو گیا اور مجمع جب تک کہ آپریشن کامیابی سے ختم نہیں ہوا اور لوگوں کی جان میں جان نہ آئی وہاں سے نہ پلٹا۔ ٹھیک بارہ بجے دن کے سر فریڈرک ٹریوس نے عمل جراحی نہایت کامیابی سے کیا۔ ۴½ انچ گہرا نشتر دے کر گیارہ چھٹانک پیپ[1] نکالی۔ اس کے بعد وقتاً فوقتاً ملک معظم کی حالت صحت کے بلیٹن[2] شائع ہونے لگے۔ عمل جراحی کے بعد جب آپ نے آنکھ کھولی تو سب سے پہلے آپ نے شہزادے ویلز سے کہا۔ "کیا میری رعایا میری اس مجبوری کی وجہ سے مجھے معاف کرے گی" جس سے آپ کے اس بے حد انس اور پیار کا پتہ چلتا ہے جو آپ کو اپنی رعایا کے ساتھ تھا۔ آپ کی صحت یابی کے لیئے انگلینڈ تو انگلینڈ تمامی ممالک اور ہندوستان میں دعائیں کی گئیں خدا جانے کس کی دعا لگی کہ آپ کو صحت ہو گئی۔ زخم کے اندمال اور پوری صحت کا اندازہ مشکل تھا لہذا سفراے دول خارجہ اور جنگی جہازوں کو رخصت کرنا پڑا۔ لیکن ہندوستانی فوج کے لوگوں کو گو کہ اجازت مل گئی تھی مگر وہ اپنی خوشی سے بادشاہ کی صحت عاجل کے لیئے دعا کرتے ہوئے ٹھیرے پڑے رہے۔ بعض تقریبیں۔ فہرست خطابات کا شائع ہونا۔ فوجی ریویو۔ روشنی۔ دربار لیوی بہ نیابت پرنس آف ویلز۔ غربا کی دعوت وغیرہ پوری کر دی گئیں۔ ۲۴ جون کو بادشاہ کی صحت یابی کا اعلان کیا گیا اور اسی دن روشنی کے الاؤ جلائے گئے ۲ رجولائی کو فوجی ریویو اور لارڈ ولینگڈن کی طرف سے ایک پُر تکلف دعوت دی گئی ۴ رجولائی انڈیا آفس میں دربار لیوی۔ ۵ رجولائی غربا کی شاہی دعوت جس میں علاوہ ارکین سلطنت کے حضور پرنس آف ویلز اور ڈیوک آف کناٹ آپ کے چچا نے بھی موجود جا کر ملاحظہ فرمایا اور حضور ملک معظم نے بھی لارڈ میئر کو اس دعوت کا خاطر خواہ انتظام کرنے کو لکھا۔ کہیں غریبوں کی دعوت سمجھ کر دعوت کو بھی

[1] پیپ کو اپنڈی سائٹس Appendicitis کی خطرناک بیماری تھی جو ایک قسم کا ورم اسعا ہوتا ہے۔ [2] تحریری نوٹس جو کسی امر اہم کے متعلق بعد سرکاری شائع کیا جاتا ہے۔

غریب نہ سمجھے گا۔ دعوت کا اندازہ اس سے کیجئے کہ فی کس للعہ کا صرفہ بیٹھا۔ دعوت میں ۱۲۵ لاکھ کابیاں۔ دو لاکھ چھری کانٹے۔ دس لاکھ چمچے استعمال ہوئے تھے۔ اتنی بڑی دعوت ایک جگہ کیسے ہو سکتی تھی اس لئے ٹکڑے ٹکڑے کرکے مختلف مقامات پر ہوئی اور ہر جگہ شہزادہ ویلز بنفس نفیس تشریف لے گئے۔ غریبانے نہ صرف پیٹ بھر کر لذیذ کھانے کھائے بلکہ شہزادے کو دیکھ کر دل بھی خوش کیا۔ ؎

فرض کردم کہ بیاد تو دلم خورسند است — آخر ایں دیدۂ دیدار طلب را چہ علاج

۱۱ر جولائی کو حضور پرنس آف ویلز نے اپنے عالی شان ایوان میں ہندوستان کے معزز مہمانوں کو شرف باریابی بخشا۔ اسی شام کو گلڈ ہال میں نہایت اعلیٰ پیمانے پر چھ سو معزز مہمانوں کی دعوت ہوئی جس کے صدر لارڈ آنسلو تھے اس دعوت میں مہاراجہ صاحب بہادر کولہاپور نے بھی تقریر فرمائی سلک معظم کی طبیعت اب روز چاق ہوتی جاتی تھی ۲۶ر جولائی کو آپ نے اپنے پریوی کونسلرز کو جہاز پر طلب فرما کر جشن تاجپوشی کے لیے ۹ر اگست کی تاریخ مقرر فرمادی اور بوجہ نقاہت کے بہت سی رسموں کی کاٹ چھانٹ فرمادی۔ اس خبر مسرت اثر سے پھر ملک میں جان آگئی بالخصوص ہندوستانی مہمانوں کو کہ وہ اسی دن کے انتظار میں پڑے ہوئے تھے۔ تاج پوشی کی تقریب اپنی جگہ کیا کم مسرت بخش تھی چہ جائیکہ جب اس کے ساتھ بادشاہ سلامت کی صحت وعافیت کا مژدۂ جاں بخش بھی منضم ہو غرض دہری خوشی ہوئی۔ ۸ر اگست کو انڈیا آفس میں لارڈ جارج ہیملٹن نے تمام والیان ریاست۔ ہندی رؤسا و افسران فوج کو مدعو فرما کر مراسم تاج پوشی کی تعلیم فرمائی۔

تاج پوشی کا مبارک دن

آج صبح سویرے سے توپوں کی گرج شروع ہوگئی ویسٹ منسٹر ایبی کا گرجا دلہن بنا ہوا تھا جس شارع عام سے جلوس گزرنے والا تھا صبح سویرے ہی سے لوگ آن ڈٹے تھے۔ جہاں جلوس تین بجے پہنچا تھا وہاں بھی لوگ صبح ہی سے چشم براہ تھے۔ رستے میں آٹھ جگہ بینڈ باجے کی ٹکڑیاں تھیں۔ اگرچہ عام طور پر درباریوں کی آمد آٹھ بجے ہی سے شروع ہوگئی تھی مگر مستورات

خاندان شاہی۔ ۱۰ بجے اور حضور شاہزادہ اور ڈیوک آف کناٹ اور ہندوستانی
ایڈی کانگوں۔ مہاراجگان کوٹا پور۔ ایڈر اور گوالیار کے جو گھوڑوں پر سوار تھے
پہنچے گیارہ بجے دربار میں پہنچے۔ حضور ملک معظم مع ملکہ معظمہ کے ٹھیک گیارہ بجے
قصر بکنگھم سے برآمد ہوئے چنانچہ جس وقت محل شاہی سے گھوڑوں نے پہلا قدم
اٹھایا اسی وقت توپوں کے دغنے نے لوگوں کو چونکا دیا حضور ملک معظم اور ملکہ معظمہ
دونوں ہشاش بشاش دو طرفہ بڑے تپاک سے لوگوں کا سلام لیتے ہوئے گیارہ بج
(۲۵) منٹ پر گرجا میں داخل ہوئے۔ دربار میں بادشاہ سے دو منٹ پہلے ملکہ معظمہ داخل
ہوئیں جس پر ایبی سکول کے طلبا نے "خدا ملکہ الگزینڈرا کو سلامت رکھے" کا
ترانہ گایا اور دو منٹ بعد ملک معظم تشریف لائے جن کی ٹرین (دامن) کو کئی معززین اٹھائے
ہوئے تھے۔ بادشاہ کی تشریف آوری پر لڑکوں نے "خدا ایڈورڈ ہفتم کو ابد الآباد
تک زندہ رکھے" کا گیت گایا۔ چونکہ آپ کو اتنی ہی نقل و حرکت سے قدرے تکان
ہوگئی تھی اس لئے آپ کو ایک کمرے میں جو آپ کے آرام کے لئے بنایا گیا تھا لے گئے۔

مراسم تاج پوشی

ساڑھے گیارہ بجے لارڈ سالسبری اور ڈیوک آف ڈیون شائر لمبے
چغے پہنے دربار ہال میں آئے۔ ٹھیک گیارہ بج کر
(۵۵) منٹ پر بادشاہ سلامت دربار ہال میں رونق افروز ہوئے اور رسوم مقررہ شروع ہوئیں
جن کی تفصیل کے لئے جگہ درکار ہے۔ بڑی رسم یہ تھی کہ بادشاہ سلامت کو تاج پہنایا گیا
تخت پر آپ نے قدم دھرا اور خیر و برکت کی دعا ہوئی اور تمام ممبران خاندان شاہی اور حاضرین
دربار نے اظہار اطاعت کیا اور پھر توپوں کی سلامی پر اس مبارک رسم کا اختتام ہوا۔
واپسی کے وقت جلوس کی وہی شان تھی جو آمد کے وقت تھی سب کا سلام لیتے ہوئے
بادشاہ محل شاہی میں داخل ہوئے لیکن مشتاقین دیدار شاہی کا جم غفیر محل کو گھیرے ہوئے
تھا لہٰذا آپ دوبارہ پھر رعایا کی خاطر درشن دینے کو دریچے میں برآمد ہوئے
اسی دن مہاراج کمار ٹیگور نے ہندی مہمانان کی طرف سے ایک ایڈریس
مبارکباد کا ملک معظم کے حضور میں پیش کیا۔ اسی طرح خواتین ہند کی طرف سے
نواب بیگم صاحبہ مرشد آباد نے تہنیتی ایڈریس گزرانا۔

بادشاہ سلامت کا پیام رعایا کے نام

اسی دن ملک معظم کا یہ فرمان شائع ہوا:-

"تاج پوشی کی تقریب سعید کے متعلق جو ہماری زندگی کا اہم اور سنجیدہ واقعہ ہے ہماری خواہش ہے کہ اپنی تمام رعایا کی نسبت جو خاص ہمارے وطن اور نوآبادیوں اور ہندوستان میں آباد ہے اور جس نے اپنی گہری ہمدردی مابدولت کی خطرناک بیماری کے دنوں میں ظاہر کی ہے اپنا دلی شکریہ ظاہر کریں کیوں کہ ہمارا خیال ہے کہ ہماری بیماری کے دنوں میں جو نمایاں طور پر ظاہر ہوئی تھی ان سب کو سخت تکلیف اور رنج کا مقابلہ کرنا پڑا ہے کیوں کہ وہ اس تقریب کو تاریخ مقررہ پر نہایت فرحت و شادمانی سے منانا چاہتے تھے اور پھر اس کے ناگزیر طور پر ٹل جانے سے انھوں نے قابل تعریف صبر و اعتدال کا لحاظ رکھ کر دلی خلوص سے ہماری صحت اور سلامتی کی دعاؤں میں مصروفیت دکھائی۔ پس ان سب کو خوشی ہوگی کہ خداوند تعالیٰ نے ان کی دعائیں قبول فرماکر ہماری زندگی کو تمام خطرات سے بچایا اور ہم کو صحت و طاقت عطا فرمائی جس کا سچا شکریہ یہ ہے کہ ہم ان فرائض کو بوجہ احسن انجام دیں جو بلحاظ ایسی وسیع سلطنت کی فرماں روائی کے ہم پر عائد ہوتے ہیں۔"

قصر آسبورن کا قوم کو عطا کیا جانا

حضور ملک معظم نے کمال مہربانی سے محل آسبورن کو سوائے چند خاص شاہی کمروں کے حضور ملکہ معظمہ آنجہانی کی یادگار میں قوم کو عطا فرما دیا۔

قوم کی طرف سے چوبیس لاکھ کا پیشکش

۲۰ اگست کو لارڈ میئر آف لندن نے پیشگاہ خداوندی میں حاضر ہوکر قوم کی طرف سے غسل صحت اور تاج پوشی کی مسرت میں ایک لاکھ ساٹھ ہزار پونڈ کا ایک چک پیش کیا جس کو آپ نے بڑی خوشی سے قبول فرماکر شفا خانوں میں دے دیا اور خود بھی امداد کا وعدہ فرمایا۔

ہندوستانی رؤسا کی باریابی

اسی دن ہندوستانی والیان ریاست کو شرف باریابی بخشا اور ان کی دلی مسرت و وفاداری پر اظہار تشکر فرمایا۔

ہندی فوج کا سلام ۱۳؍ اگست کی سہ پہر کو ہندوستانی فوج کے افسروں کو حضور ملک معظم نے اپنے دست مبارک سے تمغے سرفراز فرمائے اور ہندوستانی فوج کے متعلق بہت اچھے کلمات بھی فرمائے۔

بحری ریویو ۱۶؍ اگست کو بحری ریویو ہوا جس میں (۱۰۸) جہاز تھے اور رات کو روشنی بھی ہوئی۔

پرنس آف ویلز کا ہندوستان بھیجنا آخر ۱۹۰۶ء میں حضور ملک معظم نے حضور پرنس آف ویلز کو مع اُن کی بیگم صاحبہ کے سیاحت ہند کے لیئے روانہ فرمایا تاکہ وہ بھی اپنے والد ماجد کی طرح ملک ہندوستان کی مقامی حالت اور والیان ملک سے ذاتی واقفیت پیدا کریں۔

پیام شاہی ۱۹۰۸ء ملکہ معظمہ کے اعلان یکم نومبر ۱۸۵۸ء کو جو ہوا تھا یکم نومبر ۱۹۰۸ء کو پورے پچاس برس ہو چکے اس لیئے ملک معظم نے اُس اعلان کی تجدید یکم نومبر ۱۹۰۸ء کو فرمائی۔ یکم نومبر کو اتوار آن پڑی لہذا ۲؍ نومبر کو حضور والیسرائے لارڈ منٹو نے جو بتقریب دورہ جودھپور میں تھے وہیں ذیل کا شاہی اعلان دربار میں پڑھا اور شائع فرمایا:۔

اعلان شاہی موسومہ شہزادگان و اشخاص ہندوستان مورخہ ۲؍ نومبر ۱۹۰۸ء

"آج سے پچاس سال پیشتر ما بدولت کی مادر مشفقہ اور محترمہ پیش رو ملکہ معظمہ وکٹوریا نے جو اُس وقت تخت سلطنت پر متمکن تھیں مختلف اہم وجوہ کی بنا پر اور پارلیمنٹ کے مشورے اور رضامندی سے اس ملک کی عنان حکومت اپنے ہاتھ میں لی تھی جو اُس وقت تک ایسٹ انڈیا کمپنی کے زیر انتظام تھا۔ وہ عظیم الشان کام جو اُس وقت نہایت استحکام سے عمل میں لایا گیا تھا اُس کی یادگار میں ما بدولت مناسب ہیں کہ اس اہم سالگرہ کے موقع پر والیان ریاست و رعایائے ہند کو مخاطب

کریں۔ آپ کی طویل تاریخ میں پچاس سال کی مدت نہایت قلیل ہے پھر بھی یہ نصف صدی جو آج ختم ہوتی ہے آپ کے تاریخی سیلابوں کے درمیان نہایت نمایاں اور ممتاز نشان کا کام دے گی۔ ملک براہ راست تخت کے ماتحت ہونے کے اعلان سے حکومت ہند کے اتحاد پر گویا مہر کر دی تھی اور اس سے ایک نئے عہد کا آغاز ہوا تھا۔ سفر چونکہ نہایت دشوار تھا اس لئے ممکن ہے کہ بعض وقت رفتار سست معلوم ہو۔ مگر برٹش ہدایات و اقتدارات کی بہت سی نہایت مختلف الخیال جماعتوں اور تقریباً تیس کروڑ نوع انسان کے اتحاد نے ثابت قدمی کے ساتھ مسلسل ترقی کی ہے۔ ہم اپنی گزشتہ صدی کی محنتوں کو صفائی نظر اور اطمینان قلب کے ساتھ دیکھتے ہیں۔

جس قسم کی مشکلات ہر زمانے اور ہر مقام پر تمام انسانی حکومتوں کو پیش آتی رہتی ہیں وہ یوماً فیوماً اس ملک پر بھی پڑی ہیں لیکن تاج برطانیہ کے خدام نے ان مشکلات کا مقابلہ ایسی جفاکشی اور ہمت و صبر کے ساتھ اور ایسی دانش مندی اور استقلال کے ساتھ کیا ہے جس میں کبھی نقص یا لغزش واقع نہیں ہوئی۔ اگر کبھی غلطی واقع ہوئی تو مابدولت کی گورنمنٹ کے کارپردازوں نے اس کی اصلاح میں تکلیف اور ایثار نفسی کا کوئی دقیقہ فروگزاشت نہیں کیا۔ اگر کہیں نقائص ثابت ہوگئے تو ان کے رفع کرنے کے لئے فوراً طاقت ور ہاتھ بڑھے ہیں۔

سلطنت کا کوئی ہاتھ قحط اور وبا کی مصیبت کو ٹال نہیں سکتا مگر تجربہ کار منتظموں نے تمام وہ تجاویز عمل میں لائیں جو قابلیت اور سرگرمی کے امکان میں ہیں اور قدرت کی یہ ہیبت ناک مصیبتیں ایسی جلد رفع ہوگئیں کہ آپ کے ملک کی تاریخ میں اس کی نظیر نہیں ہے۔ آپ اپنی حدود کے اندر ہولناک جنگوں سے مامون و مصئون ہوگئے ہیں۔ قومی صلح کا سلسلہ کبھی نہیں ٹوٹتا۔

۱۸۵۸ء کے اعلان شاہی میں ملکہ وکٹوریا نے آپ کو واثق یقین دلایا تھا کہ ان کی یہ دلی آرزو ہے کہ ہندوستان کی حرفت زندہ ہو، رفاہ عام کے کاموں میں ترقی ہو اور ملک کی حکومت تمام باشندگان کے فائدے کی خاطر کی جائے۔ اس اعلان میں وہ تجاویز ہیں جو آپ ہی کی آسائش و ترقی کی خاطر وضع کی گئی اور عمل میں لائی گئی ہیں۔ یہ وہ تجاویز ہیں جو اپنی وسعت اور افادت میں بے مثل ہیں

اور جو دنیا کے روبرو شہادت پیش کرتی ہیں کہ کس فیاضی اور ہمدردی کے ساتھ ان وعدوں کا ایفا کیا گیا ہے۔

ماتحت اور خود مختار والیان ریاست کے حقوق و مراعات کا لحاظ کیا گیا ہے انھیں قایم رکھا گیا ہے اور ان کی حفاظت کی گئی ہے اور اُن کی وفادارانہ خیر خواہی بھی مستحکم رہی ہے۔ مابدولت کی رعایا میں کوئی شخص ایسا نہیں ہے جس کو بوجہ اُس کے مذہب یا عقیدے یا طریقہ عبادت کے تکلیف دی گئی ہو یا آزار پونہچایا گیا ہو یا اُس کے ساتھ رعایت برتی گئی ہو۔ کل رعایا نے قانون کی حفاظت سے نفع اُٹھایا ہے خود قوانین اس طور پر وضع کیئے گئے ہیں کہ اُن میں آپ کے مذہب و قومیت اور آپ کی مراسم و روایات کا لحاظ رکھا گیا ہے جو آپ کی تہذیب میں جڑ پکڑے ہوئے ہیں۔ قوانین کو سادہ رکھا گیا ہے اور اُس کے کل پرزوں کو اس طرح ترتیب دیا گیا ہے کہ وہ ان قدیم جماعتوں کی ضرورتوں کے مطابق ہوسکے جو آہستگی کے ساتھ نئی دنیا میں داخل ہو رہی ہیں۔

مابدولت کی گورنمنٹ کے ساتھ بے شمار بنی نوع انسان کی قسمتیں زمانۂ حال و زمانہ مستقبل کے لیئے وابستہ ہیں پس یہ اہم ترین فرض ہے کہ ان مفسدانہ سازشوں کا جن کے لیئے کوئی معقول وجہ یا جن کا کوئی مناسب مقصد نہیں ہے قوت بازو کے ساتھ استیصال کیا جاوے۔ ایں جانب واقف ہیں کہ یہ سازشیں ہماری ہندوستانی رعایا کے کثیر التعداد وفا شعار حصے کے لیئے سخت جاں گسل ہے پس ایں جانب ان کو ہرگز اجازت نہ دیں گے کہ وہ ایں جانب کو اپنے امن و عافیت کی تعمیر کرنے سے باز رکھیں۔

چوں کہ مابدولت کو یہ منظور نہیں ہے کہ یہ قابل یادگار سالگرہ الطاف مراحم خسروانہ کے نمایاں آثار کے بغیر رہے اس لیئے مابدولت نے حکم دیا ہے جیسا کہ ۱۹۰۳ء کے دربار تاج پوشی کے قابل یادگار موقع پر حکم دیا گیا تھا کہ وہ لوگ جن کو مابدولت کی عدالتوں نے قانون کی خلاف ورزی پر سزا دی ہو اُن کی سزائیں معاف یا مختلف درجوں میں کم کردی جائیں اور مابدولت کی یہ خواہش ہے کہ ایسے غلط کار لوگ اس شاہی ترحم کو یاد رکھیں اس کے بعد اپنی غلط کاریوں سے باز آئیں۔

اس قسم کی کوشش کی جا رہی ہے کہ اعلیٰ سرکاری عہدوں کے حاصل کرنے کے لیے قومیت کا امتیاز محو کر دیا جائے۔ مابدولت کو یقین کامل ہے کہ جوں جوں تعلیم پھیلتی جائے گی تجربہ پختہ ہوتا جائے گا اور ہندوستان کے ذہین و قابل لوگوں کو ذمہ داری کے سبق ازبر ہوتے جائیں گے اور اس جانب ترقی کی رفتار مضبوط اور یقینی ہوتی جائے گی۔

ابتدا ہی سے قائم مقامی کا اصول مدنظر رکھا گیا تھا اور اب وہ وقت آگیا ہے کہ مابدولت کے وائسرائے اور گورنر جنرل اور دوسرے مشیر اس اصول کو ترقی دیں۔ آپ کے درمیان جو قابل لحاظ طبقے ہیں اور جو ان خیالات کے قائم مقام ہیں جو برٹش حکومت نے قائم کیے ہیں اور جن کو برٹش حکومت نے ترقی دی ہے ان کو شہریت کی مساوات اور قانون سازی و حکومت میں زیادہ حصہ دیا جائے گا۔ ان مطالبات کے پورا ہونے سے موجودہ حکومت اور اقتدار کو ضعف نہیں پہنچے گا بلکہ اس کو تقویت ہوگی۔ نظم ونسق اور زیادہ مکمل ہو جائے گا اگر وہ عہدہ دار جن کے ہاتھ میں اس کی باگ ہے ان لوگوں کو جن پر وہ موثر ہیں باقاعدہ میل جول کے زیادہ مواقع دیں اور نیز ان لوگوں کو جو ایسے ابواب میں عام رائے پر پہلو اور اثر ڈالتے ہیں۔ میں ان تدابیر کا ذکر نہیں کروں گا جو اب بڑی تن دہی سے ان اغراض کے لیے مرتب کی جا رہی ہیں جو بہت جلد آپ کو معلوم کرائی جائیں گی اور مابدولت کو یقین ہے کہ آپ کے معاملات کی مفید ترقی کا ایک ممتاز دور شروع ہو جائے گا۔

میں اپنی ہندوستانی افواج کی شجاعت اور وفاداری کو تسلیم کرتا ہوں اور آغاز سال ہی میں حکم دے چکا ہوں کہ ان کی جنگی دانش مندی ان کی پرشکوہ تعلیم و تربیت (آراستگی) اور ان کی وفادارانہ مستعدی خدمت کی نسبت میری اعلیٰ درجے کی قدردانی کو ایک مستقل شکل میں اظہار کا موقع دیا جائے۔

ہندوستانیوں کی بہبودی ملکہ وکٹوریا کو سب سے زیادہ عزیز تھی۔ جب سے کہ ۱۸۷۵ء میں میں گیا ہوں ہندوستان اس کے شہزادگان اور لوگوں کی بہبودی کو میں ایسا محبتانہ آرزومندی سے دیکھتا رہا ہوں جو امتداد زمانے سے کم نہیں ہو سکتی۔ مابدولت کے فرزند پرنس آف ویلز اور شہزادی ویلز آپ کے درمیان سیاحت کر کے واپس آتے وقت آپ کے ملک کے ساتھ گہری وابستگی اور

اُن کی بہبودی اور فلاح کا حقیقی اور دلی شغف اپنے ساتھ لاتے ہیں ہندوستان کے ساتھ ایسے مخلصانہ عملی ہمدردی اور توقعات کے جذبات جو ابد دولت کے شاہی خاندان اور نسل کو ہیں یہ صرف ایک اظہار ہی جو درحقیقت ایک واقعی اظہار ہی اُس گہرے اور متحدہ ارادے اور مقصد کا جو اُس سلطنت کے لوگوں کو ہی۔

دعا ہی کہ خداوند تعالیٰ کی حفاظت اور مہربانی دانائی اور باہمی خیر سگالی کو تقویت بخشے جو ایک ایسے عظیم الشان مقصد کے حصول کے لیے ضروری ہی جو کبھی کسی علاقے یا سلطنت کے تاریخی زمانے میں حکمراں یا محکوموں کو پیش نہیں آیا تھا۔

آپ کا عہد گو بہت مختصر تھا مگر کام بہت بڑے بڑے ہوئے مثلاً پرانی عمارات کی نگہداشت کے لیے ایک جداگانہ محکمہ آثار قدیمہ کا قایم ہوا جس نے بہت سی نادر الوجود تاریخی عمارتوں کو جو کس مپرسی کی حالت میں پڑی تھیں اچھی طرح سنبھال لیا جو بلحاظ بقائے نام سلاطین ماضیہ ایک بڑا اہم کام تھا۔ لارڈ کرزن وائسراے کی جدت پسند طبیعت نے ڈھاکے اور مشرقی بنگال کو ملا کر ایک نیا صوبہ ایک جدید لفٹنٹ گورنر کے ماتحت قایم کیا۔ آپ کا زمانہ پُرامن ہونے کے سوا ملکی سود و بہبود کے لیے بھی بہت اچھا گزرا کیوں کہ آپ ہی کے زمانے میں شاہان یورپ نے آے دن کی خوں ریز جنگوں کی موقوفی اور عالم گیر امن کے سوال پر توجہ کی اسی لیے آپ کو پیس میکر (امن پسند) کہتے تھے۔ آپ اپنی رعایا کو جائز حقوق دینے میں ہمیشہ فیاض طبیعت ثابت ہوے۔ آپ کی تخت نشینی کے وقت انگلستان و ٹرینسوال کے بوئروں میں جنگ جاری تھی مگر جب انگریزوں نے ٹرینسوال فتح کر لیا اور بوئروں کے جنرل حضور ممدوح کی خدمت میں پیش ہوے تو آپ نے اُن کی درخواست پر نہایت فیاضی سے جداگانہ پارلیمنٹ اور حکومت خود اختیاری منظور فرمائی۔

ہندوستان میں جب آپ نے ہندوستانیوں کو اعلیٰ ملازمت میں حصہ لینے اور انتظامی معاملات میں دخل دینے کے لیے جد و جہد کرتے دیکھا تو لارڈ منٹو جیسے مشہور مدبر نے پراونشل کونسلوں کے علاوہ امپیریل کونسل میں بھی ہندوستانی ممبر زیادہ لیے جانے کی سکیم کو منظور فرمایا۔ انڈیا کونسل میں بھی ہندوستانی ممبر لیا جانا منظور ہوا حضور وائسراے کی اگزیکٹیو کونسل کے ممبر ...

علاوہ ازیں اس میں ہندوستانی ممبر ہوتے ہیں جو پہلے صرف ساتوں کے ساتوں یورپین ہوا کرتے تھے لیکن اب ہندوستانی بھی ہونے لگے۔

انتقال پُرملال

یکم مئی ۱۹۱۰ء کو آپ پیرس سے بعض پولیٹیکل گتھیوں کو سلجھا کر تشریف لائے تو ۴ مئی کو آپ کے گلے میں خراش شروع ہوئی جس نے خناق کی خطرناک شکل اختیار کر لی۔ اگرچہ پہلے بھی دو دفعہ آپ کو یہی شکایت ہوئی تھی مگر چونکہ زندگی کے دن باقی تھے صحت ہوگئی اور اس دفعہ آناً فاناً میں مرض ترقی کر گیا باوجودیکہ ایک چھوڑ سات ڈاکٹر جان توڑ کوشش کر رہے تھے مگر موت کے آگے کس کی چلتی ہے مرض کسی کے قابو میں نہ آیا حلق کی نالیاں ماؤف ہوگئیں اور سخت کھانسی کے ساتھ غشی طاری ہونے لگی۔ بیماری کی حالت میں بھی آپ کا سارا خیال اپنی عزیز رعایا کی طرف بٹا ہوا تھا۔ جب آپ ہوش میں آتے تو تیمارداروں کی تشفی یوں فرماتے "کچھ فکر نہیں جس طرح پہلے آرام ہو گیا تھا اگر خدا نے چاہا تو اب بھی ہو جائے گا۔ ذرا افاقہ ہو جائے تو میرا منشا یہ ہے کہ دم واپسیں تک ملک و اہل ملک کی خدمت کروں"۔ جس وقت لوگوں کو بادشاہ کی علالت کی خبر ملی تو سارے کاروبار بند ہو گئے اور لوگ سراسیمہ قصر شاہی کی طرف آپ کے لئے دعائے صحت مانگتے ہوئے دوڑے اور انٹرنس ہال میں لوگوں کا ایک ٹھٹ لگ گیا کہ آرچ بشپ آف کنٹربری کی باریابی بھی دیر تک نہ ہو سکی۔ بادشاہ کے بستر کے گرد سارا خاندان شاہی جمع تھا۔ ابھی لوگ اُمید و بیم ہی میں تھے کہ یکایک حالت میں تغیر ہوا اور دم زدن میں روح پرواز کر گئی اور معاً شاہی جھنڈا سرنگوں کر دیا گیا۔ آپ نے ۶۹ برس کی عمر میں ۶ مئی ۱۹۱۰ء کو صرف سوا نو سال سلطنت کر کے انتقال کیا۔ آپ کی امن پسندی، نیک مزاجی اور ہر دل عزیزی کی وجہ سے آپ کی وفات کا بہت رنج ہوا اور چونکہ ہندوستان فطرتاً بادشاہ پرست واقع ہوا ہے اس لئے اس ملک میں بھی بہت کچھ رنج و غم کا اظہار کیا گیا چنانچہ ہندوستان میں بے شمار جلسہ ہائے تعزیت ہونے کے علاوہ جابجا شہنشاہ کی یادگاریں قائم کی گئیں۔ لاہور میں پندرہ لاکھ روپئے کے صرف سے آپ کی یادگار میں میو ہسپتال کی توسیع منظور کی گئی جس میں والیان ملک اور پبلک

کی طرف سے بھی معتد بہ چندہ وصول ہوا اور ایک آل انڈیا میموریل دہلی میں قرار پایا جس کا سنگ بنیاد ۸ر دسمبر ۱۹۱۱ء کو ملک معظم جارج پنجم نے اپنے دست مبارک سے رکھا۔

۷ مئی کو سینٹ جیمس پیلس میں دوپہر کو ارکان و عمائدین سلطنت جمع ہوئے اور جارج پنجم کی تخت نشینی کا اعلان فرمایا اس دربار میں حضور ملک معظم مع ملکہ معظمہ میری کے تشریف فرما ہوئے اور تخت نشین ہوئے۔ بعد مراسم تخت نشینی کے ذیل کی تقریر ایک پُر درد لہجے میں فرمائی ہے۔

"میرا دل اس وقت رنج و محن کا مخزن بنا ہوا ہے۔ بولنے کا یارا نہیں مگر کیا کروں اس وقت کا فرض مجبور کرتا ہے کہ کچھ کہوں اور جو کہوں تو یہ کہ والد محترم کی وفات کی خبر وحشت اثر کا اعلان عام ہو۔ اس سانحۂ جانکاہ سے جو غم کا پہاڑ ہم پر اور کل ماتحت قلمرو پر آپڑا ہے اُس کا اندمال ہماری ہونے والی رعایا کا اظہار ہمدردی ہے جو ہمارے غم میں شریک ہو کر اپنے اُس فرماں روا کے ماتم میں حصہ لے رہی ہے جس نے ان کی خوشی اور ترقی کو اپنی خوشی اور ترقی سمجھ رکھا تھا۔ کیا کہوں ان کے انتقال سے ہمارے سر پر سے نہ صرف پدر بزرگوار کا سایہ اُٹھ گیا بلکہ ہمارا اعلیٰ درجے کا اتالیق اور جلیل القدر مشیر بھی کھویا گیا ہے۔ والدہ مکرمہ کے ساتھ رعایا کی طرف سے جو ہمدردی ہو رہی ہے اُس نے میرا دل اور بھی بڑھا دیا ہے۔ والد بزرگوار نے عنان حکومت اپنے ہاتھ میں لینے سے پہلے فرمایا تھا کہ دم واپسیں تک رعایا کے سود و بہبود کا خیال رکھوں گا چنانچہ جس خوش اسلوبی سے اُنھوں نے اس کو پورا کیا ہے وہ اظہر من الشمس ہے۔ میں بھی یہ وعدہ کرتا ہوں کہ میری زندگی کا اصول یہی ہوگا اور اُنھیں کے نقش قدم پر چل کر ممالک غیر کے تعلقات کو اپنی رعایا کی بہبودی کی غرض سے اور بھی مستحکم کروں گا۔ ما بدولت کو ان بھاری ذمہ داریوں کا بڑا ہی خیال ہے جن کا بوجھ دفعتاً ہمارے سر پر آپڑا ہے اور ہم کو پوری توقع ہے کہ پارلیمنٹ جزائر برطانیہ کے رہنے والوں اور سمندر پار کی رعایا ہمارے فرض حکومت کی سرانجام دہی میں خاص مدد سے دریغ نہ کریں گے اور ہمیں اُمید واثق ہے کہ پروردگار عالم عالمیان رعایا کی دعاؤں کے اثر سے میری ذات میں ایسی طاقت و ہدایت نمایاں فرمائیں گے جس سے

تمام گتھیاں سلجھ جائیں گی۔ ہماری تسکین خاطر کے لیئے یہ بات کم کچھ کم نہیں ہے کہ ہماری ملکہ نے بھی ہماری رعایا کے سود و بہبود کے ان جملہ امور میں ہماری مدد کا خاص اظہار کیا ہے۔"

ملکہ[۱] معظمہ الگزینڈرا کا قوم سے درد بھرا خطاب

May 10th 1910

Buckingham Palace

From the depth of my poor x broken heart I wish to express to x the whole nation & our kind x People we love so well, my deep — x felt — thanks for all their x touching sympathy in my over — x whelming sorrow and unspeakable x anguish — not alone have I lost x every thing in him, my beloved x husband but the nation too x has suffered irreparable loss x in their best friend, father & x Sovereign thus suddenly called x away — may God give us all His devine help to bear this Keenest x of losses. Which he has seen x fit to lay upon us — "His will be x done". Give me a thought in

---

[۱] یہ خط ملکہ معظمہ الگزینڈرا کے دست خاص کا لکھا ہوا ہے جس کا فوٹو چھاپ کر تقسیم کیا گیا تھا۔ اگرچہ ہم نے اس خط کا ترجمہ تابہ امکان بہتر سے بہتر کیا ہے لیکن پھر بھی کلام الملوک ملوک الکلام اس لیئے اصل خط بھی نقل کر دیا ہے کہ انگریزی داں اصحاب اس سے متمتع ہوں۔ آپ کی ولادت یکم دسمبر ۱۸۴۴ء کو ہوئی تھی حیات ہے آپ کا سن شریف (۶۵) سال کا ہے اور بہ افضال الٰہی صحیح و سلامت ہیں (من المصنف) ۱۲

your prayers which will sustain & comfort me in all I have to go through —

Let me take this opportunity of expressing my heartfelt thanks for all the touching letters & tokens of sympathy I have received from all classes high & low, rich & poor, which are so numerous that I fear it will be impossible for me ever to thank every body individually. I confide my dear Son into your care who I know will follow in his dear Father's footsteps, begging you to show him the true loyalty & devotion you showed his dear Father — I know that both my dear son and daughter-in-law will do their utmost to merit & keep it —

Alexandra

ترجمہ

۱۰ رمئی ۱۹۱۰ء

بکنگھم پیلس

اپنے بیکس و مغموم دل کی تہ سے اپنی تمام قوم و رعایا کے مہربان جن سے ہم کو خاص
محبت ہے اُن کی دل پر اثر کرنے والی ہم دردی کا شکریہ ادا کرتی ہوں جنھوں
نے میرے صدمہ ہوش ربا و ناقابل اظہار حادثے میں ظاہر کی ہے میری استدعا ہے

شوہر محبوب کے ساتھ ختم ہو گئی قوم کو بھی ایک سچے دوست اور باپ اور بادشاہ کے دفعتہً چلے جانے سے ایسا نقصان پونہچا ہے کہ اس کی تلافی ناممکن ہے۔ اللہ تعالیٰ اپنی قدرت کاملہ سے اس صدمۂ عظیم کی برداشت کی قوت ہم سب کو عطا فرمائے جو اُس نے ہمارے مناسب حال تصور فرمایا۔ "مشیت ایزدی میں چارہ نہیں"۔ آپ لوگ اپنی دعائیں مجھے یاد رکھیں جس سے میرے ہر حال میں تقویت اور تسلی ہو۔ مجھے اس بات کا موقع دیجیے کہ میرے پاس جن لوگوں کے جاں گداز خطوط تعزیت آئے ہیں اور جنھوں نے اظہار ہمدردی کیا ہے میں اُن کا دلی شکریہ ادا کروں۔ ان میں سب ہی درجے کے آدمی ہیں عالی خاندان بھی ہیں معمولی اشخاص بھی۔ امیر بھی ہیں غریب بھی۔ جو اس قدر کثیر التعداد ہیں کہ ہر ایک کا شکریہ فرداً فرداً ادا کرنا ناممکن ہے۔ میں اپنے فرزند دلبند کو آپ صاحبوں کے سپرد کرتی ہوں۔ مجھے یقین ہے کہ وہ اپنے والد کے قدم بقدم چلے گا اور آپ لوگوں سے استدعا کرتی ہوں کہ جیسی سچی وفاداری اور اطاعت اُس کے پیارے باپ کے ساتھ کی ہے ایسی ہی اس لڑکے کے ساتھ بھی کریں گے مجھے یقین ہے کہ میرا فرزند دلبند اور میری بہو دونوں حتی الامکان اپنے آپ کو مستحق و اہل ثابت کریں گے"۔

الگزینڈرا۔

تجہیز و تدفین

جب تک آپ کا دفن ہو آپ کا جسد مبارک فیلڈ مارشل کے لباس میں رکھا رہا اور ہر روز ایک خاص وقت پر دعا کے بعد حسرت نصیب اہل خاندان کو چہرۂ مبارک کی زیارت کرائی جاتی تھی۔ اعلان شاہی کی رو سے تدفین کی تاریخ ۲۰ مئی سنہ ۱۹۱۰ء یوم جمعہ مقرر کی گئی اور حکم دیا گیا تھا کہ اس عالم گیر ماتم کے روز ٹھیک ایک بجے دن کے ہر جگہ دعائے مغفرت مانگی جائے۔ چنانچہ شاہانہ تزک و احتشام کے ساتھ توپ گاڑی پر جنازہ رکھکر فوجی جلوس کے ساتھ سینٹ جارج کے گرجا کے قبرستان کی طرف روانہ ہوا جس کے ساتھ خودمختار فرماں روا۔ سفیر۔ نمایندے قیصر جرمن و ولی عہد دولت عثمانیہ کے علاوہ ہر قسم کے بے تعداد لوگ شامل تھے۔ قبرستان میں پونہچ کر آرچ بشپ آف کنٹربری نے پہلے انجیل کا کچھ

حضور پُر نور مرحوم کے کچھ حالات اس طرح بیان کیے کہ سننے والوں کے دل ہل گئے۔ چنانچہ ایک طرف آنکھیں اور دوسری طرف رومال تر بتر تھے معظم و مصیبت زدہ ملکۂ الگزینڈرا گھٹنے ٹیک کر دعاے مغفرت میں مصروف تھیں۔ جب جنازے کو پیوند خاک کرنے کا موقع آیا تو صندوق جنازے پر سے لوازم شہنشاہی الگ کر لیے گئے اور گارٹر کنگ ایٹ آرمز نے دستور کے مطابق شہنشاہ متوفی کی تدفین کے بعد شہنشاہ موجودہ کا نام نامی علی رؤس الاشہاد سنایا۔ اس کے بعد قصر بکنگھم میں ایک بڑی بھاری شاہانہ دعوت دی گئی جس میں قیصر جرمن کے علاوہ سات آٹھ بادشاہ اور ڈیڑھ سو کے قریب امرا و ارکان سلطنت شریک تھے۔ ملک معظم جارج پنجم نے اول بری و بحری فوج کی نسبت اپنی ذاتی خصوصیات کا موزوں الفاظ میں ذکر کرتے ہوئے نوآبادیوں کے ایڈریس کے جواب میں اتحاد و یک جہتی کے بے نظیر اور قابل قدر خیالات کا اظہار فرمایا جس سے اُن کے خلوص و محبت میں ترقی ہو اور ہندوستانی رؤسا اور رعایا کے اظہار عقیدت کی نسبت ارشاد فرمایا۔

پیام ملک معظم جارج پنجم

"والد مکرم کے انتقال پر ملال کی خبر وحشت اثر سن کر والیان ریاست و رعایاے ہند نے جو پیام بھیجا ہے اس میں جس خاص ہمدردی و خیر خواہی کا ذکر کیا گیا ہے ہم اس کا تہ دل سے شکریہ ادا کرتے ہیں اور اس عالم گیر ماتم کا جس طریق پر اظہار کیا گیا ہے اس سے ہمارے دل پر خاص اثر ہوا ہے۔ ہم اپنی سیاحت ہندوستان کے زمانے کو دلچسپی سے یاد کرتے ہیں اور ہندوستان کی بہبودی کا ہمیشہ خیال رکھتے ہیں۔ ما بدولت کو اپنے ذاتی تجربے سے بخوبی معلوم ہے کہ والیان ریاست اور رعایاے ہند کو ہمارے تاج کی خیر خواہی کا کیسا بھاری خیال ہے اور ہم چاہتے ہیں کہ جس اطاعت کا اظہار ہماری جانشینی کے موقع پر کیا گیا ہے اس کا اعتراف خاص طور پر ہو کیونکہ ما بدولت کو بھی اپنی ہندوستانی رعایا کی بہبودی کا اسی طرح خیال ہے جس طرح جدہ مکرمہ اور والد مکرم کو تھا۔"

قرار پایا کہ چھ مہینے تک یعنی نومبر ۱۹۱۱ء تک بادشاہ آنجہانی کا ماتم رکھا جاوے اور اس کے بعد جشن تاج پوشی کی باضابطہ تاریخ مقرر ہو۔

پارلیمنٹ میں سب سے پہلی تقریر

"اے ارکین و عائد سلطنت و معزز اصحاب!

ما بدولت اپنے عہد کی اس سب سے پہلی پارلیمنٹ کے افتتاح کرنے سے پہلے اُس بھاری نقصان کا ذکر کرنا ضروری سمجھتے ہیں جو اس مملکت کو والد مکرم کے انتقال پُر ملال سے ہوا۔ ابھی کوئی ایک برس بھی نہیں گزرا ہوگا جب اُنھوں نے اپنے تخت کی سپیچ دی تھی اور کسی کو خواب و خیال بھی نہ تھا کہ آپ کی زندگی وفا نہ کرے گی اور جس مستعدی سے آپ اپنی رعایا کی خدمت کر رہے تھے اس قدر سریع الزوال ہوگی۔ رضا بقضا اب شہنشاہ عالم و عالمیان کے حکم کے آگے سر تسلیم خم کرنے میں آنجہانی کی مثال کو نمونہ قرار دے کر بڑے زور سے کہتا ہوں کہ ایسے وقت میں جب کہ چاروں طرف مجھ پر غم و الم کا پہاڑ ٹوٹ پڑا تھا۔ ہر طرف سے وفادار اور جاں نثار رعایا کے ہمدردی سے بھرے ہوئے تعزیت ناموں نے میری ہمت بڑھادی۔ اب میرے محترم چچا ڈیوک آف کناٹ بھی جنوبی افریقہ والے مشن سے تشریف لے آئے ہیں جہاں کے مختلف شہروں اور قصبوں سے جب اُن کا گزر ہوا تو بڑی خوشی کا مقام ہے کہ ہر ایک جماعت نے آپ کا خاطر خواہ استقبال کیا۔ واضح رہے کہ ہمارا تعلق ممالک غیر سے دوستانہ رہے گا۔ ہم ابھی سے بڑے اشتیاق کے ساتھ اُس کانفرنس کا انتظار کرتے ہیں جس میں ہمارے وزرائے سلطنت خاص مع وزیران خاص انگلینڈ میں آئندہ ماہ مئی میں اس غرض سے اجلاس کریں گے کہ وہ اہم امور جو سلطنت کی طرف سے اُن کی تحویل میں دیئے جائیں اُن پر غور کریں۔ ہمارا یہ بھی ارادہ ہے کہ یہاں کی تاج پوشی کے بعد ایک دفعہ پھر ہندوستان جائیں اور جلسۂ تاج پوشی وہاں بھی خود بہ نفس نفیس رچانے کریں۔ عن قریب آپ کے سامنے ایسی تجاویز بھی پیش ہوں گی جن کی رو سے دار العوام و دار الامراء کے باہمی تعلقات کو ایسی صورت بدلایا جا … عمل کار روائی بطور احسن ظہور پذیر ہو۔ جن مقاصد کے حصول کے لئے ابھی ارشا

ہو چکا ہے آپ کے روبرو ایسے وسائل سے پیش کیے جائیں گے جو پارسال کے اجلاس میں اس سے پہلے اسی غرض سے پیش ہو چکے ہیں کہ جن کبر سنوں باوجود ازکار رفتہ اور کبر سنی کے غریب ریلیف فنڈ سے امداد حاصل کرنے کا نہیں سمجھا جاتا اور جو خاص مستحق پیشہ ور اور ازکار رفتہ تاجروں کے روزینہ کے متعلق ہے۔ میں دعا کرتا ہوں کہ پروردگار ہماری محنتوں میں برکت دے ۔

ضمیمۂ چہارم

ملک معظم جارج پنجم دام سلطنتہم کے مختصر حالات

آپ کی ولادت شب درمیانی ۲ ۔ و ۳ جون ۱۸۶۵ء کی شب درمیانی میں ایک بج کر اٹھارہ منٹ کو مارلبرو ہوس کے قلعۂ بالمورل میں ہوئی ۔ آپ ایک ہی مہینے کے تھے کہ جس کمرے میں آپ اپنی والدہ ماجدہ کی آغوش میں آرام فرما رہے تھے چھت کو آگ لگ گئی لیکن فوراً خبر ہوگئی ۔ آپ کو اور آپ کی والدہ کو معاً دوسرے کمرے میں بھیج دیا گیا اور چھت اُدھڑوا دینے سے آگ فرو ہو گئی ۔ خداوند تعالیٰ نے آپ کو اور آپ کی والدہ کو بال بال بچایا ۔ آپ کے اصطباغ کی رسم ۷ جولائی ۱۸۶۵ء کو ونڈزر کیسل کے سینٹ جمیس گرجا میں بڑی کروفر سے ہوئی ۔ آپ کی دادی صاحبہ نے نرس کی گود سے آپ کو لے کر آرچ بسپ آف کنٹربری کے سامنے اصطباغ کے لیے پیش کیا ۔ آپ کے دینی باپ ڈیوک آف کیمبرج اور دینی ماں اُن کی ڈچس تھیں ۔ آپ کے بڑے بھائی پرنس البرٹ کی اور آپ کی تعلیم ساتھ ساتھ ہوتی تھی ۔ حرف شناسی کے بعد آپ کی تعلیم پادری ڈبلیو ۔ پک آف النسلو کے سپرد کی گئی اور اُنھیں جتلا دیا گیا کہ تعلیم میں شہزادگی کی خصوصیت کا لحاظ نہ رہے بلکہ جس طرح دنیا جہان کے بچے پڑھتے ہیں یہ بھی پڑھائے جائیں چنانچہ پادری صاحب علاوہ تعلیم

بھیجی کے دینی تعلیم پر بھی زور دیا کرتے تھے۔ اخلاقی تعلیم والدین نے اپنے ذمے
رکھی اور واقعی بات بھی یہی ہے کہ ماں باپ جیسی دل سوزی اور کون کر سکتا ہے۔ دونوں شہزادوں کا
والا اتبار البرٹ اور جارج ایک ساتھ رہتے ایک ساتھ پڑھتے ایک جان دو
قالب تھے بشپ وسبر فورس نے چھٹپنے ہی میں یہ حکم لگا دیا تھا کہ وہ بڑا
اپنے باپ کی طرح کسی قدر ملول رہتا ہے چھوٹا خوش مزاج تیز اور زندہ دل ہے" ایک
اور مستند شخص نے لکھا ہے کہ "پرنس البرٹ کا وقار زیادہ تھا۔ مخلوق اُن کو خاص
نظر سے دیکھتی تھی (خاص کر اس وجہ سے کہ آگے چل کر بادشاہ ہونے والے تھے)
دونوں کی تعلیم ایک ہی طریقے پر تھی۔ گو دونوں کی عمر میں تھوڑی سی چھٹائی بڑائی
تھی مگر چھوٹے صاحب قوی الجثہ تن درست اور تنومند ہونے سے بڑے بھائی
کے برابر ہی سر ابر معلوم دیتے تھے بلکہ وہ اپنی حاضر جوابی۔ باریک بینی اور جرأت
کے سبب تمام اُن مشاغل میں جن میں زیادہ سرگرمی اور آمادگی درکار تھی زیادہ نمودار
اور ممتاز رہا کرتے تھے" ایک تیسرے صاحب کہتے ہیں۔ دونوں بھائیوں کو اس
بات کا موقع دیا جاتا تھا کہ تا بہ امکان ہنسی خوشی سے رہیں چنانچہ جس طرح ان کے والد
ولی عہدی کے زمانے میں سینڈرنگھم میں رہا کرتے تھے ان کو بھی وہیں رکھا گیا
تھا۔ ان دونوں میں استقلال۔ گرم جوشی۔ فراخ دلی۔ راست بازی کوٹ کوٹ کر
بھری تھی چنانچہ کسی قصور کے اعتراف یا اصول کی پابندی میں وہ کبھی مستقل مزاجی اور
دیانت داری کو ہاتھ سے نہ دیتے تھے۔ ایک اور مورخ نے بچپنے کے حالات
میں لکھا ہے کہ وہ پرنس جارج کی شوخی طبع اور تیزی عام طور پر مشہور ہے۔ ایک مرتبہ
ملکہ وکٹوریا کے ساتھ ناشتے میں جارج بھی تھے اور کچھ شرارت کر رہے تھے۔ آپ
کو بچوں کی بے موقع شرارت پسند نہ تھی۔ پہلے تو آپ نے دو ایک دفعہ منع کیا
لیکن جب نہ مانا تو کہا میز کے نیچے چلے جاؤ اور جب تک تم اچھے بچے نہ بنو خبردار
میز کے نیچے سے نہ نکلنا۔ نیچے تو بیٹھے ہی آپ نے کیا کیا کہ میز کے نیچے گھس سارے
کپڑے اتار ننگے چم ہو گئے۔ تھوڑی دیر بعد دادی صاحبہ نے فرمایا۔ اچھا اب
باہر نکل آؤ۔ باہر نکلے تو اس حیثیت سے۔ ملکہ معظمہ دیکھ کر بے اختیار مسکرا دیں اور
کہا کہ کپڑے پہنو۔ جب آپ کپڑے پہن چکے تو پیار کر کے اپنے برابر بٹھا لیا اور

کہا کہ وہ صاحب زادے جو پہلے خود دوسروں کا حکم ماننا سیکھتے ہیں وہی آگے چل کر حکم کرنا بھی سیکھتے ہیں۔ ڈچز آف کیمبرج اپنے روزنامچے میں لکھتی ہیں کہ وکٹوریا اپنے بچوں کو ہمیشہ علیحدہ رکھتی تھیں اس لیئے بچوں کو اہل دربار سے اختلاط کا بہت کم موقعہ ملتا تھا۔ ان دونوں بھائیوں کی تعلیم میں پیار اور محبت سے کام لیا گیا ہے۔ انھیں ان کی والدہ تقریباً ہر موقع پر اپنے ساتھ رکھتی تھیں جس سے ان کا میل جول اہل دربار سے بہ آسانی ہو گیا تھا۔ بچوں کو اپنے والدین سے قدرتی محبت ہوتی ہے ایک مرتبہ ملکہ وکٹوریا تشریف فرما تھیں اور ڈچز آف کیمبرج بھی پاس بیٹھی تھیں اور ایک اور لیڈی بھی تھیں کہ اتنے میں پرنس جارج کھیلتے کھیلتے آن نکلے تیسری لیڈی صاحب نے شہزادے کو اپنے پاس بلایا اور باتوں باتوں میں پوچھا کہ بھلا یہ تو بتاؤ کہ مردوں میں تمھیں کون سا نام بھلا معلوم ہوتا ہے۔ شہزادے نے کہا۔ ایڈورڈ۔ لیڈی۔ اور بھلا عورتوں میں؟۔ جارج۔ الگزینڈرا۔ اور جب کتابوں میں سے عمدہ کتاب کا نام پوچھا تو کہا "میری اٹ" جس میں سمندروں کے عجائبات ہیں اسی سے قیافہ شناسوں نے تاڑ لیا کہ ان کا نام بحری قابلیتوں میں خوب چمکے گا۔ قبل اس کے کہ ان کو بحری کالج میں داخل کیا جائے اس اصول پر کہ امیر غریب سب کو اپنا کام آپ کرنے کی عادت ڈالنی چاہیئے ان دونوں نونہالوں کو باغ باغیچے کھیتی باڑی مویشیوں کی دیکھ ریکھ اور پرورش یہ ساری باتیں سکھائی گئیں۔ سینڈ رنگھم تو آپ کے والدین کا گھر ہی تھا مگر دونوں شہزادے کوپن ہیگن (دارالخلافہ ڈنمارک) اپنی ننھیال کو بھی جایا کرتے تھے جہاں سیر و شکار کا مشغلہ رہتا تھا۔ گرمائی تعطیلیں اپنے خلیرے بھائیوں قیصر جرمن اور زار روس کے ساتھ بسر کرتے تھے پھر لندن کے مارلبرو ہوس میں آجاتے اور برسات کا موسم اپنی دادی کے ساتھ آئل آف وائٹ کے مشہور قلعے اسبرن ہال میں بسر کرتے۔ کچھ عرصے بعد پادری جان نیل ڈالٹن آپ کے اتالیق مقرر ہوئے جنھوں نے پرنس کی تعلیم ایسی خوش اسلوبی سے انجام دی کہ آپ کے والد ماجد بہت خوش ہوئے جب خدا رکھے آپ ہوشیار ہوئے اور آپ کی باقاعدہ تعلیم کا وقت آیا تو عام خیال یہ تھا کہ دوسرے شہزادوں کی طرح آپ ایٹن کالج میں داخل کیئے جائیں گے مگر آپ کے والد ماجد نے جدۂ امجدہ کے صلاح اور مشورے سے ونڈزر کے کپتان

پادری ڈولٹن کی نگرانی میں دونوں بھائیوں کو جون ۱۸۷۷ء کو بحری جنگی تجربہ حاصل کرنے کے لیئے برطانیہ نامی جہاز پر بھیج دیا جو سو برس سے بحری سکول کا کام دیتا ہے جس میں دو تین سو لڑکے تعلیم پاتے ہیں۔ اس بات کی تاکید کردی گئی تھی کہ ان کی تعلیم میں کوئی خاص امتیاز شہزادگی کا نہ کیا جائے بلکہ سب طلبا میں ملے جلے رہیں ہاں صرف سونے بیٹھنے کا کمرہ الگ دیا جائے جب پرنس تعلیمی کورس سے فارغ ہوئے تو ۸۲-۱۸۷۹ء میں بیکانٹی نامی جہاز پر دنیا کی سیاحت کی اور مئی ۱۸۸۰ء کو لندن واپس تشریف لائے۔ ابھی آن کر دو ہی مہینے ہوئے تھے کہ یکم جولائی ۱۸۸۰ء کو پھر اسی جہاز پر بحری قواعد میں شرکت کی غرض سے چلے گئے وہاں سے ۱۴ر اگست کو واپس آئے۔ ۱۰ ستمبر کو اسی جہاز پر جنوبی امریکہ جنوبی افریقہ۔ آسٹریلیا۔ چین۔ جاپان کے سفر پر روانہ ہوئے۔ پرنسوں کو آسٹریلیا بہت پسند آیا چنانچہ انھوں نے اپنے اپنے روزنامچے میں لکھا ہے کہ وطن کے بعد ہمیں آسٹریلیا بڑا پسند آیا۔ ایڈیلیڈ میں آپ سیر کو جا رہے تھے۔ شہر کے باہر کوئی ایک بزرگ صورت ایک بڑا سا جھنڈا لیئے ہوئے گھوڑے پر سوار جا رہے تھے۔ گھوڑا بدکا۔ بڈھا بے چارہ بے طور گرا۔ آپ فوراً گاڑی سے اترے اور اس شخص کو اٹھا کر کمال مہربانی سے پوچھا کہیں آپ کو چوٹ تو نہیں لگی؟ اور اپنی گاڑی میں اسے بٹھلا کر سرائے تک پونہچا دیا۔ (۴۲۷۴۲) میل کا سفر طے کر کے آپ ۲۱ر اکتوبر کو یوکوہامہ (جاپان) پونہچے۔ جہاں جاپان کے بادشاہ میکاڈو نے آپ کے نزول اجلال کے لیئے ایک شاہانہ محل آراستہ کر رکھا تھا۔ آپ کو شاہانہ جلوس کے ساتھ اس محل میں پونہچایا گیا۔ باہمی ملاقاتوں کے علاوہ بڑی خاطر مدارات ہوئی۔ شہر میں روشنی کی گئی۔ رعایا نے بھی آپ کا شاہی اعزاز کیا۔ آپ نے مشہور مقامات کی سیر فرمائی اور مختلف کھیل تماشے ملاحظہ فرمائے۔ آسٹریلیا سے جو عجیب و غریب جانور ہمراہ لائے تھے وہ شاہ میکاڈو کو بطور تحفہ دیئے۔ شاہ میکاڈو کو مع جاپانی افسروں کے جہاز پر دعوت دی گئی۔ جاپان میں ہاتھ گدوانے کا بہت رواج ہے آپ نے بھی ہاتھ گدوایا یہاں پروں کے پھول بڑی نفاست سے بنتے ہیں آپ نے

بھی ایک گلدستہ بنواکر اپنی والدہ ماجدہ کے لیئے بھجوایا۔ آخری نومبر میں آپ
بیکانٹی جہاز چھوڑ کر فلاؤر نامی جہاز پر سوار ہوکر چین کی طرف روانہ
ہوئے۔ جہاں آپ کے واسطے بڑی بڑی تیاریاں کی گئیں تھیں شنگھائی
میں آپ نے شکار کھیلا۔ ہانگ کانگ میں کرسمس ہوا۔ نوروز کو سنگاپور
روانہ ہوئے۔ یہاں آپ کی مدارات میں چھ لاکھ روپیہ صرف ہوا۔ جب سیام
پہنچے تو بادشاہ کی دختر لورہ خود مختار شاہزادے اور والیان ریاست تعلیا
کو آئے۔ بادشاہ سیام نے ملکہ معظمہ کے نام خط دیا اور طلائی طشت نذر بھجوایا
اور شہزادوں کو چھوٹے چھوٹے خوب صورت طلائی پیالے دیئے۔ سلطان جہور
نے آپ کو بڑے اہتمام سے اپنا مہمان کیا جہاں بودھ مذہب کے مندروں اور قدیم
عمارتوں کا آپ نے ملاحظہ فرمایا۔ سفر بیت المقدس یکم مارچ ۱۸۸۲ء کو پرنس
سوئیز پہنچے جہاں ایم ڈی۔ لیسپس جو اسماعیلیہ میں آپ کا منتظر تھا
نہر سوئیز کا راستہ صاف کرا رکھا تھا۔ دو روز بعد اسماعیلیہ پہنچے اور جب تک
بیکانٹی جہاز اسکندریہ میں واپس نہیں پہنچا خدیو مصر کے مہمان رہے جنہوں
نے آپ کے استقبال اور مہمان داری کی بڑی تیاریاں کیں تھیں۔ اہرام مصر
کی سیر فرمائی۔ بڑے مینار پر جب شہزادوں نے ۱۸۶۲ء کی سیاحت کے
زمانے کے اپنے والد کے دستخط دیکھے تو وہیں دونوں بھائیوں نے اپنے
دستخط بھی کردیئے اور اس سنگین پختہ عمارت کو ملاحظہ فرمایا جہاں بڑے بڑے
بادشاہوں اور نامور لوگوں کی نعشیں ہزاروں برس سے ایسا مسالا لگاکر محفوظ
کی گئی ہیں جو اب تک صحیح وسالم معلوم دیتی ہیں اس سیاحت میں برگش بے
ہمراہ رکاب تھے جو مقامی حالات سے آپ کو واقف کرتے جاتے تھے۔ خدیو کی
کشتی میں آبشار کا ملاحظہ فرمایا۔ پھر قاہرہ میں خاص طور پر ملاقات ہوئی جس
میں آپ نے خدیو کی مہمان نوازی کا شکریہ ادا فرمایا یہاں سے بیت المقدس
تشریف لے گئے میجر کانڈی جو ۱۸۶۲ء میں آپ کے والد کے ساتھ اس
سفر میں تھے وہی شہزادوں کی معیت میں بھی تھے۔ سب سے پہلے جافہ
اُترے۔ آخر مارچ میں برٹش کانسل کے ساتھ علاقہ شام کا سفر کیا

مسٹر سورٹ نے جو آپ کے والد کے ساتھ بھی رہے یہاں کی سیر کرائی۔ آپ کی سیاحت کے متعلق ملکہ معظمہ نے سلطان المعظم کو ایک اشتیاق نامہ لکھا کہ یہاں شہزادہ ویلز کو وہ تمام مقامات متبرکہ دکھلانے کی اجازت دیجیے کہ جو ۱۸۶۲ء میں ان کے والد ایلبرٹ ایڈورڈ کو دکھلائے گئے تھے۔ چنانچہ سلطان المعظم کی جانب سے بلحاظ روابط و اتحاد خاص ہر ایک موقع پر پرنسوں کے شایان شان خاطر و مدارات کی گئی۔ رؤف پاشا مع ایک دستہ فوج یروشلم سے حیران پر استقبال کے لیئے موجود تھے۔ جنھوں نے نہایت عمدگی سے مقابر و معابد کی سیر کرائی۔ حیران میں آپ نے تارپین کا وہ درخت دیکھا جو حضرت ابراہیمؑ کے نام سے مشہور ہے جس پر پرنس جارج چڑھے بھی چنانچہ اس درخت پر چڑھنے کے ساتھ ہی وہ تمام قدیم واقعات جو انجیل مقدس میں درج تھے آنکھوں کے سامنے پھر گئے۔ وہاں سے بیروت واپس ہوئے اور سلطان ٹرکی کے علاقے سے رخصت ہونے سے پہلے بذریعہ تار سلطان معظم کی مدارات کا شکریہ کرتے ہوئے رؤف پاشا اور احمد علی بیگ مصاحبین کی خدمات کا اعتراف بھی فرمایا اور مصاحبین کو تمغے اور تحائف بھی عطا فرمائے۔ ایتھنز دار الخلافہ یونان جاتے ہوئے سفر کی تکان کے سبب درد سر اور تپ کی شکایت سے پرنس جارج کا مزاج وہاں کچھ ناساز ہو گیا اور اسی حالت میں ۱۱ مئی کو جہاز ایتھنز پہنچا۔ شاہ یونان مع ملکہ جہاز پر استقبال کو تشریف لائے اور فوراً شاہی ڈاکٹر کو مقرر کیا چونکہ مزاج عالی بے حظ تھا پرنس ایلبرٹ وکٹر کو اپنے ساتھ لے گئے جہاں وہ ماموں ممانی سے ملے اور ایتھنز کے علاوہ الٹیکا کے مناظر بھی دیکھے۔ ۱۲ مئی کو کریٹ ہو کر بحر الکاہل کی کشتیوں کی دوڑ دیکھی۔ امتحان سر پر آ پہنچا تھا صرف دو مہینے رہ گئے تھے ۲ جون کو کرفیو روانہ ہوئے ولنا اور جبرالٹر کی سیر فرماتے ہوئے بندرگاہ لنسز بل پہنچے آسبورن پر آپ کے والد و والدہ اور چند ممبران خاندان شاہی لینے آئے تھے جہاز سے اتر سب کے سب ملکہ معظمہ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ ۸ اگست کو آرچ بشپ آف سیٹ نے دینیات میں آپ کا امتحان لیا اور آپ کی

اصلی قابلیت سے سرفراز ہوئے اور اسی دن سہ پہر کو وِنڈسر کیسل میں دونوں شہزادوں کی کنفرمیشن کی رسم ادا ہوئی جس کے خاتمہ پر آرچ بشپ نے ایک جامع اور نافع اور موثر تقریر کے خاتمے پر ارشاد فرمایا: "اے شہزادو! خدا کرے تمھارے ہاتھوں وہ باتیں ظاہر ہوں جو سچّے شہزادوں کے سزاوار ہو سکتی ہیں۔ کام کرنے کے لیئے آپ کے سامنے ایک وسیع میدان ہے اور بہت کچھ بھلائی تم کر سکتے ہو"

ایگزیکٹو لیف یعنی کاروباری زندگی

پرنس جارج جب اپنے بھائی پرنس وکٹر کے ساتھ جہازی تجربہ اور دنیا کے بہت سے حصے کی سیر فرما چکے تو بڑے بھائی تو ولی عہد تھے ہی آپ نے اپنے لیئے بحری ملازمت کو پسند فرمایا۔ یکم مئی ۱۸۸۶ء کو آپ کینڈا جہاز کے لفٹننٹ ہوئے۔ ۱۸۸۹ء میں ٹارپیڈو نمبر (۷۹) کے کمانڈر ہوئے۔ ۲۰ جون ۱۸۹۱ء کو تھرسٹل کے کمانڈر ہوئے۔ حسب اتفاق ایک دن آپ کا جہاز سالونیکا میں کوئلہ لینے کے لیئے لنگر انداز ہوا تو وہاں کے ایک مقامی ترکی پاشا نے یہ سن کر کہ ملکہ معظمہ کا پوتا اس جہاز پر ہے کپتان سے مل کر پرنس سے ملنے کی خواہش کی۔ کپتان نے آپ کو بلوا بھیجا آپ کوئلہ بھروا رہے تھے بے کپڑے بدلے ویسے ہی فوراً چلے آئے۔ ترکی افسر نے آپ کے سیاہی آلود لباس کی وجہ سے آپ کو نہیں پہچانا اور متعجب ہو کر کہا کہ یہ کون ہیں؟ میں تو شہزادے سے ملنا چاہتا ہوں۔ کپتان نے کہا یہی پرنس جارج ہیں۔ ترکی افسر۔ اللہ اکبر بادشاہ کا پوتا اور یہ کام! کپتان۔ خدمت سے عظمت ہے اور ادائے فرائض میں چھوٹے بڑے سب برابر ہیں۔

ترکی افسر۔ سچ ہے۔ "ہر کہ خدمت کرد او مخدوم شد"

بے شک یہ ایک عمدہ مثال ہے مبارک ہے وہ ملک جہاں کے فرماں رواؤں کی یہ حالت ہو اور یہ دنیا میں نام آوری پیدا نہ کریں گے اور ترقی نہ کریں گے تو کون کرے گا تھرسٹل جہاز کی کپتانی کے زمانے میں کسی ایک دوسرے جہاز پر ایک شخص ملازم تھا جو اپنی نافرمانی اور بدچلنی کے سبب سے کئی دفعہ جرمانے دینے کے علاوہ قید بھی بھگت چکا تھا چنانچہ اس کے اعمال نامے میں ان امور کا اندراج تھا۔ اس کی حالت پر ترس کھا کر اس کو اپنے جہاز پر بدلوا لیا اور اس کا اعمالنامہ دیکھ کر کہا دیکھو یہ باتیں

ایک بہادر سپاہی کے لیے کیسی نازیبا ہیں اگر تم مجھ سے پکا وعدہ کرو کہ اب سے ایسے کام نہ کروگے تو تمھارے اعمال نامے کی کسی کو خبر بھی نہ ہوگی۔ آپ کی ہمدردی کا اُس پر اتنا بڑا اثر ہوا کہ اُس نے اپنی ساری حرکات ناشائستہ سے توبہ کر لی آپ نے اُسی وقت اُس کا اعمال نامہ اُس کے روبرو ہی چاک فرمادیا۔ حسب معمول ہر شام سیر سپاٹے کو لوگ شہر گئے یہ بے چارہ بھکڑ پراگندہ روزی پراگندہ دل جہاز پر ہی پڑا رہا۔ جب آپ کو اُس کی تنگ دستی کا حال معلوم ہوا تو اُسے بلا کر ایک پونڈ دیا اور کہا کہ تم بھی سیر کر آؤ۔ بالآخر آپ کے اس سلوک کا ایسا عمدہ اثر ہوا کہ وہ سچ مچ کا ایک نیک اور محنتی شخص بن گیا اور تھوڑے ہی عرصے میں وہ ترقی کرتے کرتے میجری کے عہدے پر جا پونہچا۔

۱۸۹۱ء میں شہزادہ جارج جہاز کے مستقل کمانڈر ہوگئے۔

شہزادہ ایلبرٹ وکٹر کا انتقال اور پرنس جارج کی ولی عہدی

جھک گیا ای فورٹ ولیم آج کیوں جھنڈا ترا
بکسی چھائی ہوئی ہے تجھ پہ کیوں ای انڈیا
کہہ تو ای انگلینڈ و یورپ تجھ پہ کیا صدمہ پڑا
کس لیے غمگیں ہے افریقہ و ای ایشیا
کیوں گلی کوچوں میں ای لندن ترے ماتم ہے آج
مرگیا ہے کون عالی جاہ کس کا غم ہے آج

قیصر انگلینڈ و ہندوستاں کے دل پہ ہے الم — ہیں پرنس آف ویلز روتے آہ بھر کر دم بدم
ہے پرنسس آف ویلز کے دل پر ہوا کوئی ستم — سارا شاہی خاندان ہے مبتلائے درد و غم
پھول سے چہرے سبھوں کے یک بیک کمھلا گئے — کون سی آئی ہوا دل جس سے یوں مرجھا گئے
آج ہیں غمگیں گورنر جنرل ہندوستاں — اور چھوٹے لاٹ سارے رنج میں ہیں بے گماں
صاحبان ملک کے بازو پہ ہے غم کا نشاں — افسران ملکی و فوجی ہیں معروف فغاں
کس کے مرنے نے زمانے کو تہ و بالا کیا؟ — رنج میں ہے کل رعیت موت تو نے کیا کیا؟
ہے جنازہ کس کا اُٹھا ہے بصد عز و وقار؟ — ہیں پرنس آف ویلز روتے ساتھ جس کے زار زار
ہیں پرنسس ویلز جس کو دیکھ کر یوں بے قرار — سُن کے جس کا حال ہے ساری رعایا دلفگار
یہ جنازہ حضرت شہزادہ وکٹر کا ہے — جو بڑا پوتا ہماری ہند کی قیصر کا ہے

اٹھ گیا شہزادۂ وکٹر جہاں سے ہائے ہائے — کیا سخت افسوس ہے ایسے جواں کو موت آئے
سلطنت کی آنکھ کے تارے پہ یاں اندھیر چھائے — عیش و عشرت کا پیالا یوں قبر کے کونے میں جائے
کیا ہیبت ناک ہے ہر کام تیرا اے اجل — کس قدر بدنام دیکھا نام تیرا اے اجل
اُس کی وہ صورت وہ حسن اور وہ جوانی ہائے ہائے — اُن کی وہ ماں قیصرہ ساری زندگانی ہائے ہائے
کر دیا اے موت تو نے کس کو فانی ہائے ہائے — رہ گیا ہے اُس کا غم اُس کی نشانی ہائے ہائے
بولتی تصویر اے افسوس یوں خاموش ہو — یوں اجل بے ہوش کر دے اُس کو جو ذی ہوش ہو
یاد ہے کچھ تجھ کو سن چونسٹھ کی ماہ جنوری — تیرے آنے کی ہوئی تھی کیسی دنیا میں خوشی
آٹھویں تاریخ شہزادے کی پیدائش کی تھی — آج اے سن بانوے کچھ اپنے دل میں سوچ بھی
یہ جوانی اور مرنا سخت تر افسوس ہے — یورپ تا ہند جس کا گھر ہے گھر افسوس ہے
اے جہاں! پورے نہیں گزرے ابھی تک تین سال — آئے تھے ہندوستان میں وکٹر فرخندہ فال
دیکھ کر شہزادۂ مرحوم کا خلق و جمال — ہند کی ساری رعایا ہو گئی تھی بس نہال
کل جو تھا موجود سب میں آج وہ معدوم ہے — کل جو تھا زندہ سلامت آج وہ مرحوم ہے
تھا ابھی لاہور میں جو اک شفاخانہ کھلا — آپ کے ہی نام سے اُس کی ہوئی تھی ابتدا
واں سے ملتی تھی مریضوں اور غریبوں کو دوا — آن میں واں آن کر ہر دکھ سے پاتے تھے شفا
یہ شفاخانہ تھا جس کے سبب وہ مر گیا — داغ مرگ نوجوانی سب کے دل پر دھر گیا
سارے رائل فیملی میں یہ ہی پہلے شخص تھے — خاندان میں اپنے جو شادی کو راضی ہو گئے
تھیں پرنسس میڈی آف ٹیک اُن کی لیڈی ہونے کو — تھوڑے ہی سے دن اب باقی رہے تھے بیاہ کے
پھول کھلنے بھی نہ پائے پھول خود کملا گیا — بیاہ سے پہلے ہی پہلے موت کا دن آ گیا
یہ وہ کم صدمہ نہیں ہے جس کی ہم سب تاب لائیں — یہ وہ صدمہ ہی نہیں ہے جس کو جلدی بھول جائیں
کیوں نہ ماریں غم سے چیخیں کیوں نہ ہم آنسو بہائیں — پر خدا کے حکم سے مجبور ارشد سر جھکائیں
جو خدا چاہے کرے کچھ بس نہیں انسان کا — میہماں دنیا میں ہے یہ آدمی کچھ آن کا
یا خدا دے حضرت قیصر کو روز افزوں حیات — اور پرنس آف ویلز کی بے غم رہے دنیا میں ذات
دے پرنس ویلز کو بیٹے کے صدمے سے نجات — بخش دے شہزادہ وکٹر کی روح پاک مغفرت

لطف عیسیٰ آسماں پر حامی و غمخوار ہو
مرنے والا ہے اکیلا تو ہی اس کا یار ہو

پرنس البرٹ وکٹر ولی عہد ہونے سے ڈیوک آف کلیرنس کہلاتے تھے
کی نسبت ڈیوک آف ٹیک کی صاحب زادی پرنسس وکٹوریا میری
سے ہو چکی تھی ماہ ۱۸۹۱ء میں کرسمس کے تہوار کے وقت آپ کو کچھ انفلوانزا کی شکایت
تھی اور مزاج بشاش نہ تھا۔ بعد میں شکایت بڑھ گئی اور ۱۴ر جنوری ۱۸۹۲ء کو یہ موذی
مرض جان لے کر ہی ٹلا۔ پرنس وکٹر کی جواں مرگی سے سارا خاندان نہیں سارا
انگلستان اور ہندوستان ماتم کدہ بن گیا یہ تہرا تہرا صدمہ تھا ایک نوجواں مرگی۔
دوسرے ولی عہد کا اٹھ جانا تیسرے شادی میں خانہ بربادی ہو جانا تسلی ہے تو
محض اس بات سے کہ یہ مرحلہ ہر کہ ومہ کو درپیش ہے۔ کوئی آگے کوئی پیچھے سب
کو یہ سفر ناگزیر ہے۔ پرنس جارج کو بڑے بھائی اپنے قوت بازو کے دفعۃً اٹھ
جانے کا بڑا قلق ہوا۔ آپ کو بہ صیغہ ضروری جہاز کی خدمت پر سے طلب کر لیا گیا۔
۲۵ر مئی ۱۸۹۲ء کو پرنس کو حضور ملکہ معظمہ نے ایڈورڈ ہفتم کا ولی عہد تسلیم
فرما کر ڈیوک آف یارک۔ ارل آف انورنیس سکاٹ لینڈ اور بیرن آف کلارنی
آئرلینڈ کے خطابات دیئے۔ ۱۷ر جون ۱۸۹۲ء کو آپ نے ولی عہدی کا حلف
لیا اور ۱۸۹۳ء میں ہوس آف لارڈز میں آپ بطور ڈیوک آف یارک کے
شریک ہوئے۔

شادی چوں کہ آپ کا سن شریف تیس کے لگ بھگ تھا آپ کی
شادی کی نسبت چو طرف خیال دوڑایا گیا بہتر سے بہتر
یہی بات قرار پائی کہ پرنس وکٹر کی منگیتر سے بہتر اور کون ہے۔ پرنس وکٹر سے
نسبت قرار داد ہو کر ان کی موت نے جو کھنڈت ڈال دی اشک شوئی بھی ہو جائے گی
۳ر مئی ۱۸۹۳ء کو اس انعقاد کا شاہی اعلان بھی نافذ ہو گیا اور ۶ر جولائی کی تاریخ
شادی قرار پائی۔ اس شادی کی بہار کا بیان صفحۂ قرطاس پر خارج از امکان ہے۔ بڑی
دھوم دھام سے جلوس نکلا۔ ساری سڑکیں اور رستے پٹے پڑے تھے۔ شاہ
ڈنمارک۔ شہزادہ ۔۔۔ پرنس جرمن اور دیگر سلطنتوں کے سفیر۔ ہز ہائینس
مہاراجہ کپور تھلہ۔ ٹھاکر صاحب گونڈل۔ ہز ہائینس سر آغا خان اور سارے مہمان
معہ ملکہ شاہی اس مبارک تقریب میں شریک تھے۔ بکنگھم محل میں شاہانہ

خدمت ہوئی۔

اس شادی سے لوگ نہال نہال تھے۔ دولہا دلہن کے دیدار کے واسطے بے قرار۔ ملکہ معظمہ آنجہانی کو اپنی عزیز رعایا کی دل جوئی فرض اولین تھا چنانچہ حضور ممدوحہ محل کی چھت پر مع دولہا دلہن کے بر آمد ہوئیں اور رعایا کو خوب دل بھرکر دولہا دلہن اور عروسی جوڑے کے دیکھنے کا موقع دیا۔ مسٹر گلیڈسٹون وزیراعظم نے ملکہ معظمہ کو مبارک باد دیتے ہوئے کہا کہ ”پرنس جارج گو ابھی کم سن ہیں مگر چشم بد دور اپنی صفات حمیدہ اور خصائل پسندیدہ کے سبب رعایا کے دلوں کو مسخر کر چکے ہیں۔ انھوں نے اپنی ساری عمر ملک کی اس خاص بحری خدمت کی انجام دہی میں صرف کی ہے جس پر ان کے اہل وطن کو بجا ناز ہے۔“

حضور ملکہ معظمہ کا اعلان

چونکہ ملکہ معظمہ نے اپنے پیارے پوتے کی شادی خانہ آبادی پر رعایا برایا کا سچا جوش اور خلوص عقیدت کو بہت بڑھا ہوا پایا آپ نے مراحم خسروانہ سے یہ فرمان عطوفت نشان صادر فرمایا:-

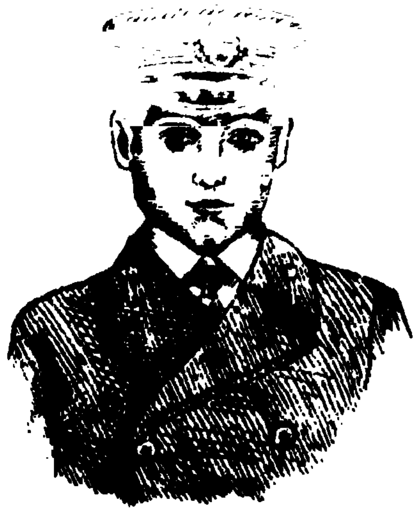
”مابدولت اپنی رعایا کے اس جوش مسرت کے اظہار پر ازحد خوش ہیں جو انھوں نے ہمارے پوتے کی شادی کے موقع پر ظاہر کی ہے۔ واقعی یہ کوئی نئی بات نہیں ہے کیوں کہ ہماری رعایا ہماری شادی وغم میں ہمیشہ ہمدردی کا اظہار کرتی رہی ہے۔ مابدولت اپنی رعایا کی ہمدردی سے بخوبی آگاہ ہیں کیوں کہ ایسا رشتۂ اتحاد جو رعایا اور شاہ کے مابین ہوتا ہے استحکام سلطنت کا باعث ہوتا ہے۔ حضور مابدولت اپنی رعایا کی اس دعا میں تہ دل سے شریک ہیں کہ جو ہمارے پیارے شہزادوں کی خوشی اور سلامتی کے لیئے دہ مثار ہے ہیں۔“

پانچ بجے شام کے قریب ایک چار اسپہ گاڑی میں دولہا اور دلہن سوار ہوکر سینڈرنگھم کو روانہ ہوئے اور سارے رستے ان پر پھولوں کی بچھاور ہوتی رہی۔ کیمبرج میں مبارک باد کا ایڈریس پیش کیا گیا۔ آپ کو جس قدر خطاب ملے ان کے ساتھ کوئی نقدی عطیات نہ تھے سوائے ڈیوک آف کارنوال کے کہ اس کی نو لاکھ روپیہ سالانہ آمدنی تھی۔

آپ کی بیگم صاحبہ کا بھی نو لاکھ وظیفہ مقرر کیا گیا۔

اولاد

(۱) پرنس ایڈورڈ البرٹ کرسچن جارج اینڈریو پیٹرک ڈیوڈ
پرنس آف ویلز ولادت
۲۳ جون ۱۸۹۴ء (۲) البرٹ
فریڈرک آرتھر جارج پیدائش ۱۴ دسمبر ۱۸۹۵ء
(۳) وکٹوریا الگزینڈرا الیس میری (پرنسس میری)
ولادت ۲۵ اپریل ۱۸۹۷ء (۴)
ہنری ولیم فریڈرک البرٹ پیدائش
۳۱ مارچ ۱۹۰۰ء (۵) جارج ایڈورڈ
الگزینڈر ایڈمنڈ ولادت ۲۰ دسمبر ۱۹۰۲ء
(۶) جان چارلس فرینسس ولادت
۱۲ جولائی ۱۹۰۵ء وفات ۱۹۱۹ء



شاہزادۂ ویلز

شادی سے ولی عہدی تک

۱۸۹۷ء میں آپ مع اپنی بیگم صاحب کے سرکاری طور پر آیرلینڈ تشریف لے گئے

گورنمنٹ ہوس میں جہاں آپ ٹھیرے تھے آیرلینڈ والوں نے ایڈریس پیش کیا بڑی شاندار دعوت ہوئی۔ آپ کوئی ایک ہفتے تک ڈبلن دارالخلافہ آیرلینڈ میں تشریف فرمارہے اور مختلف مقامات کی سیر فرمائی اور مناسب تقریریں کیں۔ پھر ۱۸۹۹ء اور ۱۹۱۱ء میں پرائیوٹ طور پر آیرلینڈ کی سیر کو تشریف لے گئے بیسویں صدی کے شروع میں بحر ہند وغیرہ کی نوآبادیوں میں سلطنت کے اعلیٰ تعلقات کے متعلق بالکل نئی تحریکیں شروع ہوئیں دور دور کے علاقوں سے جنرل گارڈن کی مدد اور خرطوم کی واپسی کے لیئے فوجیں آئیں جن میں نہ صرف آیرلینڈ اور کینیڈا ہی شامل تھے بلکہ نیوزیلینڈ۔ لنکا۔ طسمانیہ اور سنگاپور کی پلٹنیں بھی شریک تھیں چنانچہ ان نوآبادیوں کے لوگوں نے اپنی وفاداری اور نمک حلالی کے صلے میں پارلیمنٹ ملنے کی

خواہش کی یکم جنوری ۱۹۰۱ء کو کوئین وکٹوریا نے ان کی درخواست کو شرف قبولیت بخشا اور اعلان فرمادیا کہ جزائر نیو ساؤتھ ویلز و وکٹوریا جنوبی و غربی آسٹریلیا۔ کوئینز لینڈ اور طسمانیہ کو حکومت متحدہ آسٹریلین کامن ویلتھ کے نام سے عطا کی جائے جس کے افتتاح کے لیئے پرنس جارج ڈیوک آف یارک مقرر ہوئے لیکن اسی اثنا میں کوئین وکٹوریا کی وفات کا سانحہ پیش آیا اور خیال ہوا کہ اب شاید پرنس نہ جاسکیں لیکن آخر کار یہی بات ٹھیری کہ ملکۂ آنجہانی کے فرمان کی تعمیل ہونی چاہیئے اور ملک معظم ایڈورڈ ہفتم نے عنان حکومت اپنے دست قدرت میں لیتے ہی ارشاد فرمایا کہ "مابدولت کو اگرچہ اس زمانے میں اپنے لخت جگر کی جدائی شاق ہوگی مگر اس خیال سے کہ والدۂ مکرمہ کی خواہشات کی تکمیل ہونی چاہیئے اور چوں کہ انھیں اور ان کے ساتھ مابدولت کو بھی اپنی رعایائے آنروے بحور سے خاص دل آویزی ہی اس لیئے ہم نے قرار دیا ہی کہ آسٹریلیا کا دورہ موقوف نہ ہو بلکہ اس میں نیوزیلینڈ کا دورہ بھی شامل ہو" پرنس کی روانگی کے لیے اوفر امی جہاز آراستہ و پیراستہ کیا گیا جس میں چھاپے خانہ۔ لائبریری اور شفا خانہ بھی تھا چھوٹے بڑے افسر ملا کر سوا پانسو ہمراہی تھے۔ ۱۶ مارچ ۱۹۰۱ء کو پرنس مع اپنی بیگم صاحبہ کے روانہ ہوئے۔ ۲۰ مارچ کو جبرالٹر میں پہنچے وہاں کے گورنر نے بڑا اہتمام کیا جبرالٹر سے مالٹا اور مالٹا سے عدن پہنچے جہاں پانچ میل تک سڑک کے دو رویہ آرائش کی گئی تھی۔ مختلف مقامات کے عرب سوار۔ سومالی لینڈ کے حکام اور افواج استقبال کے لیئے موجود تھے مختلف سلطنتوں کے جہازوں سٹیمروں پر ویلکم (خوش آمدید) کے پھریرے اُڑ رہے تھے۔ لنگر کے پہنچتے ہی (۲۱) توپوں کی سلامی ہوئی۔ عدن میں آپ نے آتش خیز پہاڑی چشموں اور تالابوں کی سیر کے بعد شہر کے مشہور مقامات ملاحظہ کیئے جس کے بعد سٹریچی ولشا نے ایڈریس پیش کیا اور پرنس کی طرف سے اکابر او حکام کو دعوت دی گئی یہاں سے سیلون روانہ ہوئے کلمبو پہنچتے پر شینگھالیوں نے ایڈریس پیش کیا مختلف مقامات کے ملاحظہ کے

بعدہ دربار عام ہوا جس میں والیان ریاستہائے سیلون نے اطاعت وفرماں برداری
کا اظہار کیا عرابی پاشا جو بطور اسیر سلطانی یہاں تھے وہ بھی باریاب ہوئے۔ جن کو
معاف فرما کر اپنے وطن مالوف بھجوا دیا۔ سنگاپور میں سلاطین ملایا سے ملاقات
ہوئی۔ سنگاپور کے گرد کے جزائر کی بھی سیر فرمائی۔ ۶ مئی کو آپ کا جہاز ملبورن
کے بندر پر لنگر انداز ہوا جہاں آسٹریلیا کے چار جہازوں نے سلامی دی اور (۲۵)
ہزار لڑکوں نے جو سمندر کے کنارے جمع تھے ہپ ہپ ہرا کے نعرے لگائے
اس موقع پر بے حد مجمع تھا اور گرد و نواح سے پونے چار لاکھ آدمی سمٹ آئے
تھے۔ شاہی سواری کا بڑا بھاری جلوس نکلا ایک بڑا سلسلہ فوج اور نفیس گاڑیوں کا
تھا شہزادے مع خاتون محترمہ کے ایک پرتکلف گاڑی میں سوار تھے آپ کے پیچھے
بہت سی گاڑیاں تھیں۔ جلوس کے دوسرے دن نمائش گاہ والے مکان میں دربار
لیوی ہوا لارڈ ہوپ ٹون گورنر جنرل نے ایڈریس پڑھا جس کے جواب میں
شہزادے نے فرمایا۔ "اگرچہ جدہ ماجدہ کی زندگی میں ہی میرا یہاں آکر پارلیمنٹ کا افتتاح
کرنا قرار پا چکا تھا مگر اُن کے فوری انتقال پر ملال سے سب کو یہی خیال پیدا ہوا کہ شاید
میرا یہاں آنا ملتوی رہے لیکن والد مکرم نے اس فرمان کو پورا کرنے کا اعلان اپنی پہلی سپیچ
میں فرمایا۔ جنگ ٹرینسوال میں جس قدر امداد آسٹریلیا کے بہادروں نے دی وہ
ابدالآباد تک بھولنے والی نہیں۔ آسٹریلیا تاج برطانیہ کا ایک درخشندہ جواہر ہے۔ اس
کی سرسبزی میں گورنمنٹ انگریزی کی سرسبزی ہے اور اس کی بہتری و خوشی ہمیشہ فرمانر
روائے تخت برطانیہ کو ملحوظ خاطر ہے۔ اب میں والد مکرم کی طرف سے اس امر کا اظہار ضروری
سمجھتا ہوں کہ آپ لوگوں کو جنگ ٹرینسوال میں ہمدردی کی وجہ سے میں آپ کو
متحدہ کامن ویلتھ دینے کا اعلان کرتا ہوں تاکہ جو اختیارات اس پارلیمنٹ کو حاصل ہوں انہیں
عمل میں لانے میں تاج برطانیہ کی خیر خواہی اور رعایا دولت مندی کو ترقی ہو اور آخیر میں ہم
احکم الحاکمین خداوند عالم و عالمیان سے دعا کرتے ہیں کہ یہ اتحاد جو آسٹریلیا اور گورنمنٹ
انگلشیہ کے مابین قائم ہوا ہے۔ رعایائے آسٹریلیا کی ترقی اور بہبودی کے حق میں اور بھی
مفید ثابت ہو اور اس گورنمنٹ عالیہ کو اور بھی قوت اور استحکام حاصل ہو۔" پھر
کوئینز لینڈ۔ نیوساؤتھ ویلز کے صدر مقامات کے دورے کے بعد جزائر

ماریشش۔ جاوا۔ نیوزی لینڈ۔ کیوبک۔ طسمانیہ وغیرہ پہنچے۔ جنوبی سے
سے جنوبی افریقہ تشریف لے گئے راستے میں جزیرہ ماریشش میں چا
روز مقام رہا۔ ۱۳ اگست کو ڈربن پونچ کر سرکاری فوج کا ملاحظہ کیا جس میں لارڈ
بھی شریک تھے۔ زولو قوم کے پچپن سرداروں نے سلامی دی چوں کہ بوئرو
سے جنگ چھڑے تھوڑے ہی دن گزرے تھے اس لیئے دربار میں تقریر میں آپ
نے فرمایا۔ "وہ خدا کرے زمانہ جو بڑے بڑے غموں کو بھلادینے والا ہے یہاں کے باشندو
کو بھی کامل صبر عطا فرمائے اور یہ ملک جلد ان مصائب سے نجات پائے۔ سرداران
حبش کے ایڈریس کے جواب میں فرمایا۔ "ہماری دادی صاحبہ آں جہانی کو جو محبت
اپنی رعایا سے تھی والد مکرم بھی آسے بوجہ احسن قائم رکھیں گے انھوں نے اپنی والدہ
محترمہ کا برتاؤ رعایا سے دیکھا ہے ان شاء اللہ آن کے قدم بقدم چلیں گے اور انھیں
کی مثال کا نمونہ بنا کر حبش کی رعایا پر خاص توجہ مبذول فرمائیں گے۔ کیپ ٹاؤن
کے لڑکوں کی دعوت ہوئی انھوں نے بڑے خلوص سے ایک ٹٹو آپ کو نذر دیا۔
"یہ ناچیز تحفہ اپنے شہزادے پرنس ایڈی (موجودہ ولی عہد ملک معظم جارج پنجم) کے
لئے قبول فرمایئے۔" یہاں کی یونیورسٹی نے آپ کو چینسلر مقرر کیا۔ یہاں آپ آٹاوا
گئے جہاں لارڈ منٹو گورنر جنرل تھے (جو ہندوستان میں بھی سنہ ۱۹۰۵ء تک گورنر
جنرل رہے) اس نو آبادی کے دارالصدر کیوبک نے بھی ایڈریس دیا اور
یہاں کی مشہور یونیورسٹی نے آپ کو ایل ایل ڈی کی ڈگری دی مشہور تاریخی
مقامات کی سیاحت کے بعد آٹاوہ یونیورسٹی اور دیگر درس گاہوں کو ملاحظہ فرمایا
پھر ونکوور اور وکٹوریا دیکھنے کے بعد اس لمبے سفر کا خاتمہ ہوا۔ واپسی کے وقت
آپ ٹارنٹو۔ آبشار نیاگرا دیکھ کر کنسنگٹن ہو کر سینٹ لارنس پونچے۔ ۱۸
اکتوبر کو ہیلی فیکس اور ۲۱ کو نیو فونڈلینڈ ہوتے ہوئے مع الخیر والعافیت وطن ہوا
ہوئے۔ چوں کہ ۹ نومبر سنہ ۱۹۰۱ء کو آپ کی عدم موجودگی میں آپ کو باقاعدہ طور پر
ولی عہد ارل آف چیسٹر مقرر کیا گیا تھا اس لیئے لندن کی تشریف آوری
پر آپ کا جلوس شاہی حیثیت سے بڑی دھوم دھام سے نکلا۔ سفر سے واپسی پر
گلڈ ہال میں آپ نے ایک معرکۃ الآرا اسپیچ فرمائی جس میں سفر کے تجربات نوآبادیوں

تحصیلات اور وہاں کے لوگوں کی وفاداری اور خیر خواہی کے حالات حب وطنی رسالہ جات وفوج کی قواعد اور سب کیفیتیں مفصل بیان فرمانے کے بعد آخر میں یہ فرمایا کہ "اگر ہمارے انگلستان کے کاریگران لوگوں کی ضرورت کے مطابق مال تیار کریں اور ان منڈیوں کو ہاتھ میں رکھیں تو معقول فائدے اٹھا سکتے ہیں" اس کے بعد آپ چند سال وطن ہی رہے۔ اگرچہ آپ کی دلی خواہش تھی کہ سلطنت کے اُن حصوں کو دیکھیں جو باقی رہ گئے ہیں لیکن ملک معظم کی ناگہانی علالت کی وجہ سے جشن تاج پوشی رک گیا تو ایسی نازک حالت میں آپ کیسے جا سکتے تھے۔

ولی عہد کی حیثیت سے ہندوستان کی سیاحت

جب آپ تاج پوشی کے دربار پر باضابطہ ولی عہد مقرر ہوئے تو آپ کے والد ماجد نے خواہش ظاہر فرمائی کہ آپ ہندوستان جاکر دیکھیں چنانچہ لارڈ کرزن وائسرائے نے یکم جنوری ۱۹۰۳ء کی دربار تاجپوشی کی سپیچ میں اس بات کا اعلان فرما دیا تھا۔ ملک معظم نے اواخر ۱۹۰۵ء آپ کی سیاحت کا وقت مقرر فرمایا اور یہ بھی مژدہ اہل ہند کو سنایا کہ آپ کی لیڈی صاحبہ بھی ساتھ ہوں گی۔ رینوون نامی جہاز جس میں ڈیوک آف کاناٹ ہندوستان تشریف لائے تھے وہی آپ کے لیئے آراستہ کیا گیا جس میں کھانے۔ سونے۔ نشست۔ ناچ۔ ہسپتال۔ لیبرری اور دیگر ضروریات کے کمرے جدا جدا سجائے گئے۔ آپ کے مصاحبین میں سر والٹر لارنس اور کئی نامور اصحاب تھے اور اسی طرح لیڈی صاحبہ کے ساتھ چند نامور لیڈیاں تھیں۔ ملک معظم نے آپ کی سیاحت کا تفصیلی پروگرام اپنی ذاتی نگرانی میں مرتب فرمادیا تھا اور یہ بھی اعلان فرما دیا تھا کہ کوئی تحفہ قبول نہ کریں گے البتہ میونسپلٹیوں اور دیگر جماعتوں کے ایڈریس مع کاسکٹ (صندوقچی) کے منظور فرمائیں گے۔

۹ نومبر ۱۹۰۵ء کو آپ کا جہاز مع خدم و حشم کے سہ پہر کے وقت بندرگاہ بمبئی میں پہنچا۔ لارڈ اور لیڈی کرزن استقبال کے لیئے موجود تھے۔ آنریبل سر فیروز شاہ مہتہ نے کارپوریشن کی طرف سے مبارک باد کا ایڈریس پڑھا جس میں اس طرف بھی اشارہ تھا کہ شہنشاہ بیگم شاہی خاندان کی پہلی لیڈی ہیں جنہوں نے سرزمین

ہندوستان کو اپنے قدوم میمنت لزوم سے مفتخر فرمایا۔ ولی عہد بہادر کا جواب۔ "کوئی بیس برس ہوئے ہوں گے جب کہ والد مکرم نے اس جگہ تحریر فرمائی تھی۔ اگرچہ اُن کی سیاحت کا زمانہ مثل خواب ہی مگر وہ اُس کو فراموش نہیں کرتے وہی اشتیاق مجھے بھی کشاں کشاں لایا ہی اور میں تہ دل سے مشکور ہوں کہ آپ نے اس خواب کو سچ کر دکھایا ہی۔ والد مکرم کے قدم بقدم چلنے سے اس بارے میں ہم پرانی روایات کو مستحکم کر دیا ہی اور مجھے اُمید ہی کہ ہماری آیندہ نسلیں بھی اس کی تقلید کریں گی۔ میں نے پدر بزرگوار اور جدہ ماجدہ سے ہندوستان اور ہندوستان والوں سے محبت ترکہ میں پائی ہی اور ایام طفولیت سے ہندوستان کے ساتھ مہربانی سخاوت خوش اخلاقی اور بہادری کو منسوب کرتے آئے ہیں اور ہم بوثوق کہتے ہیں کہ یہ ابتدائی خیالات آیندہ چند ماہ کے تجربے سے اور مضبوط ہو جائیں گے۔"

بمبئی میں شاندار جلوس کے علاوہ پبلک نے نہایت پرجوش استقبال کیا۔ والیان ریاست ہندو مسلمان پارسی جنٹلمینوں سے ملاقاتیں کیں۔ کئی ملوں (پتلی گھر) اور خاص خاص حرفتی کارخانوں کو ملاحظہ فرمایا ایک عالیشان دربار میں شرکت فرمائی اور چھ روز کے قیام کے بعد اندور تشریف لے گئے یہاں سرکار عالیہ بیگم صاحب بھوپال مہاراجہ صاحبان ریواں۔ اوچھا۔ دیتیا۔ چرکھاری سے ملاقات فرمائی اور ایک شاندار دربار میں ان والیان کو تمغے پہنائے جو ملک معظم نے بھجوائے تھے۔ رزیڈنسی میں ایک گارڈن پارٹی ہوئی جس میں مہاراجہ دیتیا کے ایک ہاتھی نے خوب خوب کرتب دکھائے۔ شام کو غربا کو کھانا کھلایا گیا۔ ملکر کے رسالے اور بھوپال کے لانسرز کی قواعد بہت پسند آئی۔ ملک معظم کی یادگار میں کنگ ایڈورڈ ہال کا افتتاح فرمایا۔ اودی پور میں آپ نے زرہ بکتر والے بہادر سپاہی اور تیس گھوڑوں ساندنیوں اور ہاتھیوں پر سوار ملاحظہ فرمائے۔ ہز ہائنس کی صرف ایک ہی سالی سن کو اور نیز اُن کی قادر نشانہ بازی پر تحسین و آفرین کی۔ یہیں خورد سال ٹھاکر صاحب بیدالہ بھی باریاب ہوئے جو وہی تلوار لگائے ہوئے تھے جو اُن کے والد کو غدر کی وفاداری خدمات کے صلے میں ملی تھی۔ اور نیز اوپر کی جھیل کا نظارہ بہت پسند آیا۔ جے پور تشریف فرما ہوئے مہاراجہ صاحب بہادر کو ولایت میں شرف باریابی حاصل ہو چکا تھا یہاں شاہی دعوت

کے علاوہ کشمیر کا شکار بھی ہوا۔ مہاراجہ صاحب نے آپ کی تشریف آوری کی یادگار
میں انڈین ہیمن ریلیف فنڈ میں عطیہ سابقہ کے علاوہ تین لاکھ روپیہ عطا فرمایا۔
مہاراجہ نے اپنی تلوار نکال کر آپ کے قدموں پر رکھدی۔ بیکانیر۔ یہاں کے مہاراجہ
صاحب کو بھی ولایت سے نیاز حاصل تھا۔ بڑا پُرجوش استقبال ہوا۔ جنگلی کبوتروں اور
سور کا شکار رہا۔ آپ کی تشریف آوری کی مسرت میں اپنی فوج کا بقیہ نصف حصہ
بھی امپیریل سروس میں دے دیا۔ شاہزادے صاحب نے بیکانیر کیمل کور
کی تعریف فرمائی۔ لاہور یہاں لفٹنٹ گورنر بہادر پنجاب اور دیگر حکام کے علاوہ والیان ریاست
ہائے کشمیر۔ پٹیالہ۔ بہاولپور۔ جیند۔ نابھہ۔ کپورتھلہ۔ منڈی۔
سرمور۔ مالیر کوٹلہ۔ فرید کوٹ۔ چمبہ۔ سکیت وغیرہ استقبال
میں شریک تھے۔ سارا شہر آراستہ تھا۔ میونسپلٹی اور پنجاب ایسوسی ایشن کی
طرف سے ایڈریس پیش ہوئے۔ شہر میں بھی جلوس نکلا۔ والیان ریاست اور
بعض معززین کو شرف باریابی دیا گیا۔ چھاؤنی میاں میر میں فوجی قواعد ملاحظہ
فرمائی جس میں ریاستوں کی فوجیں شامل تھیں۔ لاہور کے چار روزہ قیام کے بعد
پشاور کا نمبر آیا۔ یہاں تمام سرحدی رؤسا و قبائل حاضر تھے۔ آپ نے
درۂ خیبر۔ لنڈی کوتل۔ علی مسجد وغیرہ سرحدی مقامات کو بھی ملاحظہ فرمایا۔
آفریدی جرگوں نے نہایت خلوص و عقیدت سے عرض کیا کہ ہمارے سر اور
ہماری جائدادیں حضور پر نثار ہیں اور اپنے دستور کے موافق شہد کے چھتے
اور بھیڑیں نذر دیں۔ راولپنڈی میں لارڈ کچنر کمانڈر انچیف نے
آپ کو (۲۵) ہزار فوج کی مشقی جنگ دکھلائی۔ جموں میں بڑی دھوم دھام
رہی دعوت اور روشنی بڑی پُرلطف تھی۔ آپ کی تشریف آوری کی یادگار
میں پرنس آف ویلز کالج قایم ہوا۔ غربا کو کھانا کھلایا گیا۔ آپ نے چار ہزار
امپیریل سروس ٹروپس کا ملاحظہ فرمایا۔ امرتسر میں دربار صاحب کا
مشہور سنہری مندر اور خالصہ کالج ملاحظہ فرمایا اور ایڈریس قبول فرمایا۔
جس کیسکٹ میں ایڈریس تھا اُس پر دربار صاحب کا نہایت خوب صورت
نقشہ کندہ تھا۔ دہلی۔ تاریخی مقام ہے۔ قلعہ۔ قطب صاحب کی لاٹ۔ ہمایوں اور

صفدر جنگ کے مقبرے، جامع مسجد۔ غدر کی یادگاروں میں سے فلیگ سٹاف ٹاور، ہندو راؤ کا مکان سب جگہیں ملاحظۂ اقدس سے گزریں۔ مقامی رؤسا بھی باریاب ہوئے۔ آگرہ۔ بڑی چیز تاج گنج اور دوسری مشہور عمارتیں مثل قلعہ و مقبرۂ اعتماد الدولہ سکندرہ وغیرہ ملاحظہ ہوئیں اور ملکۂ وکٹوریا کے سنگی مجسمہ کا افتتاح فرمایا۔ ۲۰ دسمبر گوالیار۔ یہاں کے مہاراجہ سے بھی آپ کی پہلی ملاقات تھی آپ نے ایک بہت بڑا نادر جلوس ہاتھیوں کا نکالا۔ ہاتھیوں کے زرو پہلی سنہری ہودے اور عماریاں اور اُن کی سجاوٹ اور جھلمل جھلمل کرتی ہوئی جھولیں سے عجیب کروفر اور ایک نادر نظارہ تھا۔ دوسرے دن دربار میں ہز ہائینس تعظیماً اپنی مسند سے نیچے اُتر آئے۔ فوجی قواعد دکھلائی اور اس خوبی سے کام کیا کہ لوگ دنگ رہ گئے۔ ریاست کے دو عمدہ کالج دکھلائے۔ پھر شکار ہوا جس میں آپ نے ایک شیر مارا۔ بڑا دن بھی یہیں ہوا۔ شب میں بڑی بھاری دعوت ہوئی لکھنؤ میں سر جیمس لاٹوش لفٹنٹ گورنر نے مع تعلقہ دار صاحبان اودھ استقبال کیا۔ بڑا بھاری جلوس نکالا گیا جس کے بعد رزیڈنسی اور دیگر مشہور عمارات کا ملاحظہ ہوا اور تعلقہ دار صاحبوں کا ایڈریس قبول فرمایا۔ یہاں آپ نے شاہ مینا کے میدان میں مڈیکل کالج کا سنگ بنیاد اپنے دست مبارک سے رکھا جو تعلقہ داران اودھ نے آپ کی تشریف آوری کی یادگار میں قایم کرنا تجویز کیا تھا اور جس کے لیئے سر ہارکورٹ بٹلر جیوڈیشل سکرٹری موجودہ لفٹنٹ گورنر بہادر نے بڑی سعی فرمائی اور تعلقہ دار صاحبان اودھ کی دریا دلی سے بارہ لاکھ روپئے کی خطیر رقم ایک قلیل عرصے میں جمع ہوگئی۔ اس چندے میں بڑی بھاری بھاری رقمیں راجہ سر تصدق رسول خاں۔ راجہ سر علی محمد خاں محمود آباد اور مہاراجہ صاحب بلرام پور کی تھیں۔ ۲۹ دسمبر سے ۶ جنوری تک کلکتہ مقام رہا۔ لارڈ منٹو گورنر جنرل نے مراسم استقبال کے ساتھ ایک ایڈریس پیش کیا۔ امپیریل کیڈٹ کور کے ممبروں کو دیکھ کر آپ بہت خوش ہوئے۔ گورنمنٹ ہوس میں ایک دربار لیوی بڑے اعلیٰ پیمانے پر ہوا جس میں بڑے بڑے مقامی لوگ حاضر تھے۔ حضور نے کنگز اون رجمنٹ کو جھنڈے تقسیم فرمائے۔ گھوڑ دوڑ

ملاحظہ فرمائی۔ یکم جنوری سنہ ۱۹۰۶ء میں کلکتہ میدان میں بڑی بھاری پریڈ ہوئی اور دوسرے اسی میدان میں ہندوستانیوں کے کھیل تماشے اور جلسے ہوئے۔ کلکتہ کے صوبہ کے رؤسا کے علاوہ تبت کے تاشی لامہ۔ بھوٹان اور سکم کے رؤسا بھی موجود تھے۔ وکٹوریا میموریل ہال کا سنگ بنیادی رکھتے وقت حضور نے ارشاد فرمایا "ہم یہاں آج ایک بہت بڑے رنج ومحنت کی یادگار قائم کرنے کے لیئے جمع ہوئے ہیں۔ اس وسیع اور بوقلمون ملک میں مجھ کو اور میری بیگم کو قریبًا ہر روز اس بات کا ثبوت ملتا ہے کہ ہندوستان نے کس وسیع طریق پر اپنی اول ملکہ قیصرہ کی محبت کا جواب دیا ہے۔ اس عجیب وغریب طریقۂ اظہار شکر گزاری نے ہمارے لیئے ایک لازمی طور سے فخر اور گرم جوشانہ امیدوں کو پیدا کردیا ہے۔ تاج محل جس نے ہم کو مسرور ومفتون کردیا اپنی خوبیوں میں آپ ہی نظیر ہے لیکن آیندہ نسلوں کے زمانے میں ایک بہت بڑی ملکہ کی یادگار جس کی ہمدردی نے فاصلے اور وسعت کی دیواریں توڑ دیں ایک مورخ کے دل میں ویسے ہی خیالات پیدا کردے گی جو تاج محل کو دیکھنے سے پیدا ہوتے ہیں"

مہاراجہ سر رامیشور سنگھ بہادر آف دربھنگہ نے شہزادہ والاجاہ کے حضور میں ایک لاکھ روپیہ کی گراں قدر رقم اس غرض سے پیش کی تھی کہ حضور جس کار خیر میں پسند فرمائیں اسے لگادیں۔ اس میں سے نوے ہزار روپیئے آپ نے مڈیکل کالج کو مرحمت فرمائے۔ کلکتہ سے دار جلنگ دیکھ کر ۹ جنوری کو آپ بارک پور میں رہے اور برہما جاتے جاتے دو دن رنگون میں اقامت فرمائی۔ مانڈلے۔ میں آپ نے ہاتھیوں کے جنگل سے بڑی بڑی شہتیریں لانے ان کے اٹھانے اور چڑھانے کے عجیب وغریب کام دیکھے کہ حضرت انسان بھی حیوانات کو کس طرح سدھا کر اپنے قابو میں کرلیتے اور کس خوبی سے اپنا کام نکالتے ہیں۔ مانڈلے جو ہزار مندروں کے لیئے مشہور ہے یہاں کے مشہور شوے ڈیگن اور ارکان کے مندر حضور نے ملاحظہ فرمائے۔ یہاں کی جھیلوں اور دلدلوں میں بطوں کا شکار رہا۔ مدراس۔ یہاں کے گورنر لارڈ ایمپتھل نے مع والیان ریاست کے استقبال فرمایا۔ گونڈ (ایک جنگلی قوم) لوگوں کا عجیب وغریب ناچ آپ کو ملاحظہ کرایا گیا۔ شاہی دعوت۔ جلوس اور روشنی سب قابل دید تھی۔ میسور۔ دعوت ہوئی۔ ٹیکنیکل کالج سرنگاپٹن میں حیدر علی خاں

اور ٹیپو سلطان کا مقبرہ ملاحظہ فرمایا اور ہاتھیوں کی گرفتاری کا تماشہ جو کھیدا کہلاتا ہے اور بڑی بہار کا تماشہ ہے دیکھا۔ ۸ فروری کو حیدر آباد دکن ہندوستان کی سب سے بڑی ریاست میں قدم رنجہ فرمایا۔ ریلوے سٹیشن پر حضور پُر نور اعلیٰ حضرت بندگان عالی متعالی نواب میر محبوب علی خاں بہادر مرحوم و مغفور نے بہ نفس نفیس استقبال فرمایا۔ جلوس سے سواری آئی دوسرے دن صبح سویرے سکندر آباد میں بڑی فوجی چھاؤنی ہے پریڈ ہوئی جس میں کوینز اون رجمینٹ کو جھنڈے تقسیم کیئے گئے۔ حضور پُر نور باوجود اپنی صاحبزادی کی سخت علالت کے نہایت استقلال سے شریک رہے۔ اسی دوران میں آپ کو خبر انتقال کی بھی پہنچی مگر آپ نے ایسا ضبط کیا کہ ذرا بھی ظاہر نہ ہونے دیا۔ شاہزادے کی مہمان داری کا انتظام بڑے اعلیٰ پیمانے پر تھا گو حضور پُر نور کو اپنی بڑی صاحبزادی کی جواں مرگی کا سخت صدمہ تھا مگر آپ نے فرمایا کہ سارے لوازمہ مہمان داری کے پوری طرح ادا کیئے جائیں۔ گو ساری تقاریب حسب پروگرام ہوئیں مگر اداسی چھا گئی تھی۔ جب شاہزادے کو یہ معلوم ہوا تو آپ نے بڑا افسوس کیا اور گہری ہمدردی کا اظہار فرمایا اور شہزادی صاحبہ محل میں تعزیت کو تشریف لے گئیں۔ چوں کہ راقم بھی ان تقاریب میں حاضر تھا مجھے یہ بھی معلوم ہوا کہ شاہزادہ والا جاہ نے ریذیڈنٹ صاحب سے یہ بھی فرمایا کہ آپ نے ہم کو صاحبزادی صاحبہ کی ایسی شدید علالت کی اطلاع نہیں دی تھی ورنہ ہم اس موقع پر اپنا آنا ملتوی کر دیتے۔ شکار بھی ہوا جس میں آپ نے ایک شیر دو چیتے اور ایک تیندوا مارا۔ وکٹوریا زنانہ ہاسپٹل کا افتتاح بھی آپ نے فرمایا۔ ۱۷ فروری کو سواری بادبہاری الور آئی یہاں بھی پورا پورا انتظام تھا۔ مشہور مقامات ملاحظہ ہوئے اور دعوت ہوئی بنارس میں شان دار جلوس نکلا مشہور مقامات ملاحظہ ہوئے۔ گنگا میں روشنی کی بڑی بہار رہی۔ جن بہادر گورکھوں نے کانگڑے کے زلزلے میں نمایاں خدمات کی تھیں ان کو تمغے مرحمت ہوئے۔ ہندو کالج کا ملاحظہ ہوا۔ مسز اینی بسنٹ کے ہال میں چائے نوشی فرمائی۔ بنارس کے بعد نیپال کا قصد کیا مگر وہاں ہیضہ پھوٹ پڑنے سے ملتوی رہا اور بجائے اس کے دوبارہ گوالیار میں دو ہفتے تک آپ مصروف سیر و شکار رہے جہاں راجہ صاحب بہادر نے جنگلات میں کافی انتظام فرمایا۔

۱۰ مارچ کو آپ محمڈن کالج علی گڑھ مسلمانوں کی سب سے بڑی تعلیم گاہ میں تشریف لائے ہز ہائینس سر آغا خاں اور نواب محسن الملک بہادر مع ٹرسٹیوں اور معززین کے استقبال کیا۔ آپ نے کالج کو بڑے شوق سے ملاحظہ فرمایا اور ایڈریس بھی قبول کیا اور سرسید علیہ الرحمہ کی قبر پر تشریف لے گئے۔ بعد میں تمام ٹرسٹیان کالج کے ساتھ لنچ تناول فرما کر عزت افزائی کی۔ شملہ کی سیر فرمائی۔ ۱۲ مارچ کو کوئیٹہ تشریف لے گئے جہاں سرحدی سرداروں نے آپ کا بڑے تپاک سے استقبال کیا۔ خان قلات اور جام لسبیلا سے بھی ملاقات کی۔

سیاحت ہند بخیر و خوبی ختم فرما کر ۱۷ مارچ کو آپ کراچی میں داخل ہوئے یہاں آپ نے کوئین وکٹوریا کے سنگ مرمر کے مجسمہ کا افتتاح فرمایا۔ بلوچی رجمنٹ نمبر (۱۳۰) کا ملاحظہ فرمایا جس کے کرنل خود بدولت ہی ہیں اور حکم شاہی کے مطابق خطابات اور تمغے مرحمت فرمائے اس تمام سفر میں مہاراجہ کرنیل سر پرتاب سنگھ بہادر مہاراجہ ایدر آپ کے ہمراہ تھے جو یہاں سے رخصت ہوئے۔ علی گڑھ ہندو اور خالصہ کالجوں میں آپ نے اپنی تصاویر کو اپنے دستخط سے مزین فرما کر بطور یادگار دیں اور ہر جگہ کے معابد گاہوں میں معقول تعداد نے بھی چڑھائے۔ ۱۹ مارچ کو آپ کراچی سے اُسی جہاز میں جس میں کہ تشریف لائے تھے روانہ ہوئے۔ کراچی سے رخصت ہوتے وقت آپ نے یہ تقریر فرمائی۔

"جو لوگ میدانی ملکوں کی سخت تکلیف رساں آب و ہوا میں رہ کر اپنی زندگی بسر کرتے ہیں میں نے اُن کی حالتوں کو فراموش نہیں کیا۔ ہم کو بخوبی معلوم ہے کہ قحط کے دنوں میں صابر اور محنتی کاشتکاروں پر کیا کیا گزرتی ہے" راستے میں مصر دیکھتے ہوئے پورٹ سعید کی بندرگاہ پر رونق افروز ہوئے وہاں آپ کے صاحبزادے اپنے والدین سے ملنے کے لیے موجود تھے۔ لندن پہنچے تو بڑا بھاری استقبال ہوا وزیر ہند۔ وزیر اعظم لارڈ کرزن کے علاوہ حضور ملک معظم مع ملکہ الگزینڈرا موجود تھے۔ بخیر و خوبی سفر ختم ہونے پر ویسٹ منسٹر ایبی میں نماز شکرانہ ادا کی گئی۔ آپ کی مع الخیر واپسی پر گلڈ ہال میں ایک بڑی پرتکلف دعوت دی گئی جس میں بڑے بڑے عمرائے انگلستان کے علاوہ چند ہندوستانی معززین بھی موجود تھے۔ آپ نے ایک بہت بڑی اسپیچ اس سفر کے متعلق دی جس کا اقتباس یہ ہے۔

"اگر کوئی مجھ سے پوچھے کہ اس ہندوستان کے سفر کا میرے دل پر کیا اثر ہوا تو میں فوراً یہ جواب دوں گا کہ ہندوستان کی سیر کو جب ہم لوگ جاتے ہیں تو اُس کی وسعت کا مطلق لحاظ نہیں کرتے۔ اُس کا رقبہ روس کو چھوڑ کر کل یورپ کے برابر ہے جس میں تیس کروڑ مختلف قوموں فرقوں اور نسلوں کے لوگ بستے ہیں جن کی شائستگی کا معیار جدا اور خیالات مختلف ہیں۔ ہندوستان کی وسعت۔ اُس کی عظمت۔ اُس کی مختلف آب و ہوا۔ سر بفلک برف سے ڈھکے ہوئے پہاڑ نا متناہی ریگستان۔ بڑے بڑے دریا۔ عظیم الشان عمارات اور قدیم روایات نے ہم کو محوِ حیرت بنا دیا۔ ہندوستانیوں کا صبر و استقلال۔ سیدھی سادی زندگی۔ اطاعت شعاری۔ عقیدت مندی۔ مذہبی جوش کا خاص خاصہ ہے۔ ہم سے یہ بات مخفی نہیں رہی کہ ہمارے انصاف اور ایمان داری پر ہندوستانیوں کو کافی بھروسہ ہے۔ جہاں تک ہم نے ہندوستانیوں کو دیکھا اور اُن کی نسبت سُنا ہے ہم اُس کو مدِ نظر رکھتے ہوئے یہ کہے بغیر نہیں رہ سکتے کہ اگر طرزِ حکومت میں ہمدردی کا عنصر اور بڑھا دیا جاوے تو ہندوستان کی حکومت بہت ہی آسان ہو جاوے اور اس کے ساتھ ہی بطور پیشین گوئی کہتے ہیں کہ اگر ایسا کیا جاوے تو جو معاوضہ ہندوستانیوں کی طرف سے پیش کیا جائے گا وہ متناصہ ہوگا۔ وہ انگریز جو ہندوستان میں حکومت کرنے کے لیے جاتے ہیں انھیں چاہیے کہ ہندوستان جا کر خود اہلِ ہند کی ضروریات کو دریافت کریں اور حاکم و محکوم میں ایسا رشتۂ اتحاد قائم کریں جس سے انگلستان اور ہندوستان کے باہمی تعلقات اور بھی مستحکم ہو جائیں۔" آپ کی زبان سے نکلے ہوئے الفاظ بے اثر نہ رہے اس کے بعد ہی ۲ نومبر ۱۹۰۸ء کو پنجاہ سالہ زمان سلطنت کا اعلان شائع فرمایا۔ (جو دوسری جگہ درج ہوا ہے) جس میں حضور ملکہ معظمہ کا مشہور فرمان ۱۸۵۷ء کا دہرایا گیا۔ ۱۹۰۹ء میں توسیع کونسل کا قانون پاس کر کے وائسریگل لیجسلیٹو کونسل میں ہندوستانی ممبروں کی تعداد بڑھا دی اور وائسرائے کی اگزیکیوٹو کونسل میں بھی ایک ہندوستانی کا تقرر منظور ہوا۔ سکریٹری آف سٹیٹ کی کونسل میں بھی دو ہندوستانیوں کا شمول ہوا۔ پریوی کونسل میں رائٹ آنریبل سید امیر علی کو لیا گیا۔ آپ نے چلتے چلاتے ارشاد فرمایا تھا کہ وہ ہمیشہ ہندوستان اور ہندوستانیوں کو گوشۂ خاطر میں رکھیں گے

بادشاہوں کا قول قول ہوتا ہے آپ نے اس وعدے کو خوب نبا ہا حیدرآباد دکن میں جب رود موسی کی طغیانی کی بلائے بے درماں آئی تو آپ ہی نے سب سے پہلے حضور نظام کو ہمدردی کا پیام بھیجا۔ جو معزز ہندوستانی اس کے بعد انگلستان پہنچے اُن کو محل شاہی میں مدعو فرما کر اعزاز باریابی بخشا چنانچہ والیان ریاست اور رؤسا کے علاوہ قابل ترین آدمیوں میں سے بھی آنریبل مسٹر گوکھلے کو بھی اپنے محل خاص میں کھانے پر مدعو فرما کر سرفراز فرمایا۔

سیاحت ہند کے بعد کچھ عرصے تک آپ وطن میں رہے۔ سنہ ۱۹۰۶ء میں آپ اپنی چچیری بہن یوجین وکٹوریا آف بٹن برگ کی شادی کی تقریب میں سپین تشریف لے گئے۔ جب دولھا دلہن گرجا سے واپس آرہے تھے اور اُن کے بعد کی گاڑی میں آپ تھے کسی نے دونوں گاڑیوں کے بیچوں بیچ تاک کر بم پھینکا مگر فضل خدا شامل حال تھا کسی کو صدمہ نہ پہنچا البتہ چند ادھر اُدھر کے آدمی قربان ہوگئے۔ پھر آپ اپنے بہنوئی پرنس چارلس آف ڈنمارک کے ناروے کے بادشاہ ہونے پر تاجپوشی کی تقریب میں مع بیگم صاحبہ کے تشریف لے گئے تھے کچھ عرصہ بعد بطور نائب ملک معظم کیوبک اور کینیڈا کے ٹرسینٹری تہوار میں تشریف لے گئے جہاں آپ نے ایک عظیم الشان فوج کا بیرہم کی بلندیوں سے ملاحظہ فرمایا۔ سنہ ۱۹۰۹ء میں اپنی ذات جاگیر کارنوال کا سوٹہ پر پانچ دن میں دورہ کرکے کاشتکاروں سے نہایت رحم و انصاف کا برتاؤ کیا اور اپنی تقریر کے دوران میں فرمایا کہ "میں اس کو اپنا فرض اولین سمجھتا ہوں کہ تم لوگوں کے آرام و خوشی کا بندوبست کروں تاکہ میرے کاشتکار پہلے مجھ کو اپنا دوست سمجھیں اور بعد کو آقا مجھ کو یقین ہے کہ ان کا آرام اور خوشی میری بھی خوشی کا باعث ہوگا"

ذاتی حالات

بالکل بے تکلفانہ اور سادی سودی گزران کرتے ہیں کسی پر شاہی دباؤ ڈالنے کے روادار نہیں۔ امیر غریب سے ملتے ہیں بڑی کشادہ پیشانی اور کریمانہ اخلاق سے۔ ع۔ نہد شاخ پر میوہ سر بر زمین کے پورے مصداق ہیں۔ گفتگو میں اگرچہ محتاط ہیں مگر جب تقریر کرنے لگتے ہیں تو ہو بہو نقشہ سامنے کھڑا کر دیتے ہیں۔ آپ کا کلام بالکل صاف و سلیس چھوٹے چھوٹے

جلوں کا عام فہم اور بڑا پراثر ہوتا ہے۔ ہر معاملے پر نہایت فراخ دلی اور صفائی قلب کا اظہار رائے فرماتے ہیں جس سے الجھا ہوا معاملہ بھی سلجھ جاتا ہے۔ ہمدردی اور فیاضی دونوں صفات اللہ تعالیٰ نے آپ میں کوٹ کوٹ کر بھر دی ہیں۔ مصائب اور حوادث میں سب سے پہلے آپ کا دست کرم بڑھتا ہے ۱۸۹۷ء کے ہندوستانی کے قحط اور ۱۹۰۴ء کے کانگڑے کے زلزلے میں آپ نے ہمدردی کا تار دیا اور مصیبت زدوں کے لیئے ولایت میں چندہ کھولا۔ اسی طرح ہسپتالوں محتاجوں اور غرباء کے ہر قسم کے کاموں میں امداد دیا کرتے ہیں۔ تعلیم کے کاموں سے بھی آپ کو بڑی دل چسپی ہے چنانچہ آپ نے اپنی تاجپوشی کی یادگار میں پچاس لاکھ روپیہ سالانہ کی بیش قرار امداد منظور فرمائی۔ کتب تواریخ سے آپ کو خاص دل چسپی ہے۔ باوجود بادشاہ ہونے کے بھی جب کبھی آپ کو کوئی پرانا رفیق یا بحری فوج کا ملازم مل جاتا ہے تو آپ اُس سے بڑے تپاک سے ملتے ہیں اور جن رئیسوں سے بزمان ولی عہدی تعارف ہو گیا تھا بادشاہ ہونے پر بڑے خلوص سے ملے چنانچہ ہز ہائنس مہاراجہ صاحب بہادر بیکانیر کو بمنزلہ ایڈی کانگ مقرر فرمایا۔ اور منشی عبدالکریم صاحب سی آئی ای انڈین سکرٹری حضور ملکہ معظمہ کے پوتے کو خاص شرف باریابی بخشنے کے واقعات آپ کی قدما پروری کی عمدہ مثالیں ہیں۔ کھیلوں میں کرکٹ۔ بلیرڈ۔ گھوڑدوڑ۔ باکسنگ اور شکار کی طرف میلان طبع ہے پرانے ٹکٹ جمع کرنے کا آپ کو بڑا انداق ہے۔

جارج آر۔ آئی

اعلان شاہی دربارہ تقرر تاریخ تاجپوشی

جیسا کہ ہم اعلان شاہی مطبوعہ ۱۹ جولائی ۱۹۱۰ء میں مع اور امور کے اپنے شاہی ارادے کا اظہار شہنشاہی دربار تاجپوشی منعقد کرنے کے متعلق کر چکے ہیں جس کے مطابق ہماری پیاری ملکہ آیندہ جون میں ویسٹ منسٹر کے گرجا میں کوئین تسلیم کی جائیں گی۔ ہم نے اس مبارک تقریب کو خداوند تعالیٰ کی برکات عنایا سے منعقد کرنے کے لیئے ۲۲ جون ۱۹۱۱ء یوم پنجشنبہ قرار دیا ہے۔

بلکہ ہم اس اعلان شاہی کے ذریعے صرف اطلاع دیتے بلکہ اس تقریب سعید پر فرائض مقرر کرتے ہوئے اپنی پیاری رعایا کو حکم دیتے ہیں کہ وہ فرائض جس جس عہدے اور منزلت اور جس جس قسم کے یا جن جن لوگوں خواہ افسران ماتحتوں اور مہمانوں کے متعلق ہوں ہمارے دربار کارونیشن میں خدمات انجام دینے اور اس تقریب کو کامیاب بنانے میں مدد دیں۔

اس موقع پر کل تین تقریبیں ہوں گی جن کے جواب دہ ڈیوٹی ہوں گے اور ہر ایک شخص جس کے متعلق کسی فرض کی ادائی عائد کی گئی ہو وہ خود یا اس کے ماتحت اُسے بحسن وخوبی انجام دیں ورنہ اگر بغیر عذر اور ہماری اجازت کے کسی نے کوتاہی کی تو اس کا خمیازہ بھگتنا پڑے گا جس کی بابت ہم بعد میں سوچیں گے۔

جیسا کہ ہم نے اس اعلان شاہی میں اظہار کیا ہے اور اس سے پہلے ۱۹ر جولائی کے اعلان میں ظاہر کر چکے ہیں کسی طرح بھی ہمارا ارادہ تبدیل نہ ہوگا کیوں کہ ہم اس خیال کو شاہی مرضی خیال کرکے دربار تاجپوشی کو جو وسٹ منسٹر ہال میں منعقد ہوگا ایک مسرت آمیز تقریب خیال کرتے ہیں۔ مابدولت کی پیشگاہ سینٹ جیمس سے آج ۷ر نومبر ۱۹۱۰ء کو مابدولت کے جلوس کے سال اول میں صادر ہوا۔ خدا وند تعالیٰ حضور ملک معظم کو سلامت رکھے۔

چوں کہ جون کا مہینا موسم خوش گوار ہونے سے برس کی رانی کہلاتا ہے اس لئے عموماً رسم تاجپوشی اسی مبارک مہینے میں کی جاتی ہے۔ جلوس کی گزرگاہوں پر آرائش اور زیبائش کا انتظام بڑے بھاری پیمانے پر کیا گیا۔ ویسٹ منسٹر ابی میں سات ہزار مہمان جلیل القدر کی نشست کا بندوبست کیا گیا۔ تمام یورپ کے سلاطین اور سفراء کو دعوت دی گئی جن میں سے بہت سے شریک ہوئے۔ ملکہ وکٹوریا کی تاجپوشی پر ساڑھے دس لاکھ اور ایڈورڈ ہفتم کے وقت میں پونے اُنیس لاکھ صرف ہوئے لیکن اس دفعہ بہت بڑا اہتمام تھا اور (۵۰) لاکھ روپیہ صرف ہوا۔ دربار کا وقت ساڑھے نو بجے مقرر تھا مگر آٹھ بجے تک اکثر صاحبان نے اپنی اپنی جگہ سنبھال لی تھی۔ ٹھیک ساڑھے نو بجے سواری مبارک بسواری بگھی رونق افروز ہوئی اور ہال کا مغربی دروازہ آپ کی آمد کے لئے کھول دیا گیا۔ سب سے اول ولی عہد جرمنی اور شہزادیاں آئیں جب وہ بیٹھ لیں تو بگل بجا جس کے ساتھ ہی شاہی خاندان کے

مہمانوں کی آمد شروع ہوئی جن میں سب سے پہلے حضور علی عہد بہادر تشریف
لاکر صف اول میں متمکن ہوئے آپ کے ایک طرف ڈیوک آف کناٹ اور پرنس
آرتھر اور دوسری طرف پرنسس اور پرنسس جلوہ فرما تھیں پھر آرچ بشپ کا اور حضور ملک معظم
رونق افروز ہوتے ہی سب حاضرین سروقد مؤدب کھڑے ہوگئے بعد میں ملکہ معظمہ
بڑی شان وشوکت سے تشریف لائیں۔ اس کے بعد ملک معظم اور ملکہ معظمہ سنگھاسن
پر تشریف فرما ہوئے اور مراسم تاجپوشی اصول مقررہ کے موافق ادا ہوئے جو بہت
طول طویل ہیں شائقین خواہان تفصیل انگریزی کتابوں میں ملاحظہ فرمائیں۔ بعد اختتام مراسم
پھر اسی جلوس اور شان وشوکت سے جیسے کہ سواری باد بہاری رونق افروز ہوئی تھی
شاہی گاڑیوں پر سوار ہوکر رعایائے مشتاق کے جم غفیر کے سلاموں کا جواب دیتے
ہوئے محل بکنگھم کو تشریف لے گئے۔ شب میں بڑی بھاری دعوت محل شاہی میں ہوئی
غربا کی ایک بڑی تعداد کو بھی کھانا کھلایا گیا۔ شہر میں روشنی کی گئی اور آتش بازی چھوڑی
گئی۔ دربار سے فراغت کے بعد ہندوستانی رؤسا کی باریابی ہوئی جن میں مہاراجہ
صاحب بہادر اندور۔ مہاراجہ صاحب بہادر بڑودہ۔ ٹھاکر صاحب بہادر گونڈل۔ ٹھاکر
صاحب بہادر شاہ پورہ۔ سر آغا خاں تھے۔ لندن کی تاجپوشی کا وہ جشن جس میں بیتا لیس
لاکھ صرف ہوئے ہوں اس کا بیان بیتالیس سطروں میں کیسے سما سکتا ہے لہذا جو کچھ
لکھا گیا اس کو محض ایک جھلک سمجھنا چاہیئے اس قابل دید اور پر تکلف جشن کی جس کا انصرام
بڑے کروفر سے لندن میں ہوا۔ چوں کہ ملک معظم نے ملک ہندوستان میں بمقام شہر دہلی
بہ نفس نفیس رونق افروز ہوکر اپنی تاجپوشی کی تقریب ہمایوں کا انعقاد فرمایا لہذا اس کی
کیفیت حصہ اول میں درج کی گئی ہے۔

سنہ ۱۹۱۴ء میں جب کہ دنیا کی ساری قومیں ایک ایسی ہولناک لڑائی میں جس کی نظیر تاریخ
میں نہیں ملتی ایک دوسرے کو تکا بوٹی کر رہی تھیں اس معرکہ عظیم میں غنیم نے ہندوستان
کی قابل قدر دلی وفاداری کو خوب دیکھ لیا۔ کتنی سپاہیوں کو وکٹوریا کراس ملی
ہندوستانی فوج کے ہر طبقے نے یورپ۔ ایشیا اور افریقہ میں بلا تفریق ملت
و مذہب خواہ ہندو ہو یا مسلمان یا سکھ یورپینوں کے ساتھ ایک جان و قالب
ہوکر اس طرح مل کر حقیقی اور برادرانہ امداد کی ہے کہ بھروسہ اور اعتماد کا سبیہ ہوگیا

اور حضور ملک معظم کا ارشاد بہت بجا ہے کہ ہندوستانی رعایا کے خانگی اور پبلک تعلقات میں آیندہ روز بروز اتحاد اور موافقت کا عنصر غالب رہے گا۔ توقع کی جاتی ہے کہ حضور اقدس و اعلیٰ جو بہ مشاورت اپنے دانش مند وزرا اور ارکان سلطنت کے وقتاً فوقتاً اصلاحات فرما رہے ہیں وہ ملک اور رعایا برایا کے حق میں مفید ثابت ہوں گی اور ہر آنے والا ویسرائے جو سلطنت کے نظم و نسق کے بار گراں کو اپنے دوش پہ لے خداوند کریم اُسے ایسی عقل سلیم اور وہ دانش مندی بخشے جس کی ضرورت ایسی ایک سلطنت کے لیئے نہایت ضروری ہے جس کی نظیر دنیا میں نہیں ہے اور نیز یہ کہ ہندوستان کی تمام مختلف قومیں اپنے بادشاہ اور حکام کو پوری وفادارانہ امداد دیں جس کے بدون کسی سلطنت کی ترقی ناممکن ہے۔ جنگ کے آغاز میں جو اعلان شاہی ۱۹۱۴ء میں شائع ہوا ہے وہ اور ۱۹۱۹ء کا وہ اعلان عطوفت نشان جو مسٹر مانٹیگو وزیر ہند اور لارڈ چیمسفورڈ والیسرائے کی تجویزوں پر صادر ہوا ہے نہایت غور سے پڑھنے کے قابل ہے:۔

۱۹۱۴ء کا پیغام شاہی من جانب ملک معظم جارج پنجم

حضرت ممدوح کی بالذات حکمراں گورنمنٹوں اور رعایا کے نام

گزشتہ چند ہفتوں سے ما بدولت کی سلطنت کے کل لوگ خواہ وہ ہوم سلطنت کے ہوں یا ماوراء البحر کے یک دل اور یک جہت ہو کر اس حملے کی مقاومت اور انسداد کے لیئے جو قیام سویلیزیشن اور امن انسانی پر کیا گیا ہے ایسے آمادہ ہو گئے ہیں کہ جس کی نظیر نہیں ہے۔ یہ مصیبت ناک معرکہ میرا برپا کیا ہوا نہیں ہے۔ میری ساری پکار امن کی طرف تھی۔ میرے وزراء نے ایسے جھگڑے کو جس کو میری سلطنت سے تعلق نہ تھا ٹھنڈا کرنے اور اختلاف مٹانے کی سر توڑ کوشش کی۔ اگر میں اُن معاہدات کے علی الرغم علیحدہ ہو جاتا جس کی ایک فریق میری سلطنت تھی۔ سرزمین بلجیم ویران ہو جاتی اور اُس کے پرخچے اُڑ جاتے۔ جب کہ فرنچ قوم کا وجود خود معرض خطر میں تھا تو میں گویا اپنی وقعت کھو دیتا اور اپنی سلطنت اور نسل انسانی کی آزادی کو تباہ کرتا۔ میں خوش ہوں کہ

میری سلطنت کا ہر حصہ اس فیصلے میں میرے ہم خیال ہے۔ معاہدات کی اہمیت۔ حکم راقول اور لوگوں کے مواثیق کا سب سے مقدم خیال رکھنا برطانیۂ اعظم اور اُس کی سلطنت کی ہمیشہ سے میراث رہی ہے۔ میری خود حکم ران سلطنتوں کی رعایا نے بلا شائبۂ شک ظاہر کر دیا ہے کہ وہ دل و جان سے اس اہم فیصلے سے ہم زبان ہیں جس کے اختیار کرنے کی ضرورت داعی تھی۔ ماوراء البحر کی سلطنتوں کی وفاداری اور جان نثاری کے متعلق میرے ذاتی علم نے مجھے اس اُمید پر آمادہ کر دیا ہے کہ وہ بطیب خاطر بڑی کوششیں کریں گے اور بڑے نقصانات برداشت کریں گے جو معرکۂ حالیہ کے ساتھ مستلزم ہیں۔ جس طرح پورے طور پر اُنھوں نے اپنی خدمات اور ذرائع آمدنی مابدولت کے اختیار میں دے دئیے ہیں اس نے مجھے احسان مندی سے مملو کر دیا ہے اور مجھے فخر ہے کہ میں دنیا پر اس امر کے اظہار کے قابل ہوا ہوں کہ میرے ماوراء البحر کے لوگ بھی اس حق بہ جانب معاملے کو کام یاب انجام پر پونہچانے کے لیئے ایسے ہی تلے ہوئے ہیں جیسے کہ ممالک متحدہ کے لوگ۔

کینڈا کی سلطنت۔ آسٹریلیا کی جمہوری سلطنت اور نیوزیلینڈ کی سلطنت نے اپنی بحری افواج مابدولت کے اختیار میں تفویض کر دی ہیں جو سلطنت کے لیئے اب تک بھی اچھی خدمات کرتے رہے ہیں۔

کینڈا۔ آسٹریلیا اور نیوزیلینڈ میں زبردست حملہ آور لشکر محافظ کی خدمات کے لیئے تیار کیئے جا رہے ہیں اور جنوبی افریقہ کی یونین نے تمام انگریزی افواج کو سبک دوش کر کے تمام اہم فوجی ذمہ داریاں اپنے ذمے لے لی ہیں جن کا انصرام سلطنت کے لیئے بے انتہا قیمتی ہوگا۔

نیو فونڈلینڈ نے اپنی بحری شاہی رزرو فوج کی شاخ کی تعداد کو المضاعف کر دیا ہے اور محاذ کی عملی کارروائی میں حصہ لینے کے لیئے ایک (معقول) تعداد سپاہیوں کی بھیج رہے ہیں۔

کینڈا کی سلطنت اور پراونشل گورنمنٹوں کی جانب سے سامان رسد کے کثیر التعداد اور قابل قدر تحائف میرے بحری اور فوجی دونوں لشکروں اور ممالک متحدہ کی مصائب کی تخفیف کے لیئے روانہ ہو چکے ہیں جن کا لڑائی کی ہلچل میں ہونا لازمی ہے

اس طریقے سے میری سلطنت کے ماورا البحر کے تمام حصص نے باوجودیکہ اُن کے حالات اور مواقع مختلف ہیں اصول اتحاد سلطنت کو یقینی طور پر ثابت کر دیا ہے۔

ہندوستانی رؤسا اور رعایا کے نام

اُن بہت سے واقعات میں سے جن کے سبب سے ماہدولت کی سلطنت کے باشندے ایک دم اتحاد اور راست بازی کی محافظت کے لیئے اُٹھ کھڑے ہوئے ہیں کسی چیز نے میرے دل پر اس سے زیادہ اثر نہیں کیا ہے جتنا کہ اُس ولولۂ جاں نثاری نے جو میرے تخت کے ساتھ رعایا اور باج گزار رؤسا و والیان ہند دونوں نے ظاہر کیا ہے اور نیز اُن کے جان و مال کے فیاضانہ پیشکش نے جو اُنھوں نے سلطنت کے معرکے میں کیا ہے۔

اس معرکے میں پیش قدمی کے لیئے اُن کے ہم آہنگ مطالبے نے میرے دل پر خاص اثر کیا ہے اور اُس محبت اور خلوص کو اعلیٰ ترین درجے پر پونہچا دیا ہے جس سے میں بخوبی جانتا ہوں کہ ہمیشہ سے ہندوستانی رعایا کو اور ماہدولت کو وابستہ کر دیا ہے۔ ہندوستان کا وہ قابل قدر پیغام خیر سگالی اور یگانگت جو انگریزی قوم کو فروری ۱۹۱۲ء میں میری واپسی کے وقت دہلی میں میرے دربار تاجپوشی کے سنجیدہ مراسم کے بعد پیش کیا تھا مجھے یاد ہے اور اس آزمایش کی گھڑی میں میں ایک بھرپور ثمرہ اور ایک شریفانہ ایفاء اُس اطمینان کا جو آپ نے دلایا تھا کہ برطانیۂ اعظم اور ہندوستان کا سنجوگ ناقابل انفکاک طور پر جوڑا گیا ہے پاتا ہوں۔

اعلان شاہی

بجانب جارج پنجم بفضل ایزدی تاجدار دولتہائے متحدہ برطانیہ عظمےٰ و آئرلینڈ و مقبوضات برطانوی ماورائے بحر شاہ۔ دین پناہ شہنشاہ ہند کی طرف سے ماہدولت کے [illegible] اور گورنر جنرل ہندوستانی والیان ریاست اور ماہدولت کی تمام [illegible] ہند بلا امتیاز نسل و مذہب کو بعد از سلام واضح ہو۔ کہ [illegible] ہندوستان کی تاریخ میں آج سے ایک نیا دور شروع ہوتا ہے ماہدولت

ایک ایسے قانون کی شاہی منظوری عطا کی ہے۔ جو اُن عظیم تواریخی تدابیر میں شامل ہوگا
جو اس سلطنت کی پارلیمنٹ نے ہندوستان کے نظام حکومت کی بہتری اور اُس کے
باشندگان کے اطمینان کی افزونی کے لیئے وقتاً فوقتاً منظور کی ہیں۔ ۱۷۷۳ء کے
ایکٹ آنریبل ایسٹ انڈیا کمپنی بہادر کے زیر تحت باقاعدہ نظم ونسق اور عدل وانصاف
کے انتظام کی غرض سے وضع کیئے گئے تھے۔ ۱۸۳۳ء کے ایکٹ نے ہندوستانیوں
کے لیئے سرکاری عہدوں اور ملازمت کے دروازے کھول دئے تھے۔ ۱۸۵۸ء کے
ایکٹ کی رو سے عنانِ حکومت کمپنی بہادر کے ہاتھ سے نکلکر تاج برطانیہ کی طرف منتقل
کر دی گئی۔ اور ہندوستان کی موجودہ پبلک زندگی کی بنیاد پڑی۔ ۱۸۶۱ء کے ایکٹ
نے ہندوستان میں نیابتی مجالس کا بیج بویا اور اُس بیج نے ۱۹۰۹ء کے ایکٹ سے
نشو ونما حاصل کی۔ جو ایکٹ اب قانون کی صورت میں منظور کیا گیا ہے اُس کے
زیر اثر باشندگان کے منتخب شدہ نمائندوں کو حکومت میں مخصوص حصہ تفویض
کیا جاتا ہے۔ اور یہ ایکٹ بعد میں کمل ذمہ دارانہ حکومت کا راستہ بتاتا ہے۔ اگر جیسا کہ مابدولت
کو کامل اُمید ہے۔ وہ پالیسی جو اس ایکٹ کی رو سے اختیار کی جاتی ہے۔ اپنے مقصد
میں کامیاب ہوئی تو اُس کے نتائج انسانی ترقی کی تاریخ میں نہایت اہم ہوں گے
اور اس وقت مناسب اور برمحل ہے کہ مابدولت تمھیں آج اس امر کی دعوت دیں کہ ماضی
پر غور کرو۔ اور ہمارے ساتھ آیندہ کی اُمیدوں میں شریک ہو۔

(۲) جب سے ہندوستان کی خیر و فلاح ہمیں تفویض کی گئی ہے۔ ہمارے شہنشاہی گھرانے
اور ہمارے خاندان نے اس کو ایک مقدس امانت تصور کیا ہے۔ ۱۸۵۸ء میں ملکہ معظمہ
وکٹوریا آنجہانی نے باضابطہ طور پر اپنے آپ کو اپنی ہندوستانی رعایا کے ساتھ اُنہیں فرائض
کے احساسات سے وابستہ کیا۔ جن سے وہ اپنی دوسری رعایا سے وابستہ تھیں۔ اور ان کو
ان کی مذہبی آزادی اور قانون کی مساوی اور غیر جانبدار حفاظت کا یقین دلایا۔ اُس
پیغام میں جو ہمارے پیارے والد معظم شاہ ایڈورڈ ہفتم نے ۱۹۰۳ء میں ہندوستانیوں کے
نام ارسال فرمایا تھا۔ اعلان کیا تھا کہ ان کا مصمم ارادہ ہے کہ اپنی ہمدردانہ اور منصفانہ انتظام
حکومت کے اصولوں کو غیر متغیر انداز سے برقرار رکھا جائے۔ پھر ۱۹۰۸ء کے [illegible]
اعلیٰحضرت آنجہانی نے گزشتہ پچاس سال کے وعدوں کی تجدید کی [illegible]

ایک نظر بازگشت ڈالی جو ان کی وجہ سے ہندوستان کی بہبودی میں ہوئے تھے۔ ماہدولت نے ہندوستان کے والیان ریاست اور باشندگان کے نام ایک پیغام بھیجا تھا جس میں ماہدولت نے ان کی وفاداری اور اطاعت کا اعتراف کیا تھا کہ ہندوستان کی خوشحالی اور شادمانی ہمارے لئے ہمیشہ انتہائی دلچسپی اور وابستگی کا موجب ہوگی۔ ایک سال بعد ماہدولت نے علیاحضرت شہنشاہ بیگم کی معیت میں ہندوستان کا سفر کیا۔ اور اپنی اس ہمدردی کا جو ماہدولت کو اس کے باشندوں کے ساتھ ہے اور اپنی اس آرزو کا جو ماہدولت کے دل میں ان کی بہتری کے لئے ہے ثبوت دیا۔

(۳) یہ وہ جذبات محبت و شفقت ہیں جن سے ماہدولت اور ہمارے پیشرو متاثر ہوتے رہے ہیں۔ ساتھ ہی پارلیمنٹ اور اس قلمرو کے باشندگان اور ہمارے جو عہدہ دار ہندوستان میں ہیں۔ ہندوستان کی اخلاقی اور مادی ترقی کے لئے یکساں سرگرمی سے مستعد رہی ہیں ہم نے ہندوستان کے لوگوں کو ان کثیر التعداد برکات سے مستفیض کرنے کی کوشش کی ہے۔ جو خدائے تعالیٰ نے ہمیں عطا کی ہیں۔ لیکن ابھی تک ایک عطیہ باقی ہے جس کے بغیر کسی ملک کی ترقی مکمل نہیں ہوسکتی۔ اس عطیہ سے ملک کے باشندگان کا اپنے معاملات کا انتظام اور اپنے مفاد کی حفاظت کرنے کا حق مراد ہے۔ بیرونی حملوں کے خلاف ہندوستانی مدافعت کا کام تو امپیریل مفاد اور افتخار کا مشترکہ فرض ہے۔ مگر اس کے اندرونی معاملات کا انصرام ایک ایسا بوجھ ہے جو ہندوستان جائز طور پر اپنے کندھوں پر اٹھانے کی تمنا کرسکتا ہے یہ بارگراں تمام و کمال حیثیت سے اس وقت تک نہیں اٹھایا جاسکتا جب تک کہ وقت کے گذرنے اور تجربہ کے حاصل ہونے سے لوگوں میں اس کے اٹھانے کی طاقت پیدا نہ ہوجائے لیکن اب ان کو تجربہ کی ترقی اور انجام دہی کی قابلیت کے ساتھ ساتھ ذمہ داری کی زیادتی کا موقع دیا جائے گا۔

(۴) ماہدولت کی نیابتی مجالس کے حصول کے واسطے اپنے باشندگان ہند کی روز افزوں تمنا کو سمجھتے ہیں۔ اور اسے ہمدردی سے ملاحظہ کرتے رہتے ہیں۔ یہ تمنا قلیل ابتدا سے شروع ہوکر ملک کے سمجھدار طبقہ میں اپنے اثر کو رفتہ رفتہ مضبوط کرتی گئی ہے۔ تحریک ہذا آئینی حدود کے اندر رہ کر اخلاص اور جرأت سے ترقی کرتی گئی ہے۔ اور اس بدنامی کو مٹاکر زندہ رہی ہے۔ جو بعض اوقات مختلف مقامات پر نافرمان لوگوں کے رویہ سے جو محب الوطنی کے

جیسا میں سرکشانہ افعال کا ارتکاب کرتے رہے ہیں۔ اس خواہش پر عائد ہوتی ہے اسی آرزو کا یہی نصب العین ہے جن کے لیئے برطانوی اقوام کی دولت مشترکہ جنگ عظیم میں لڑتی رہی ہے اور زیادہ تقویت پہنچی ہے۔ اور اس حصے سے جو ہندوستان نے ہماری مشترکہ جدوجہد اندیشوں اور فتوحات میں لیا ہے۔ اسے اپنے دعوے میں تائید حاصل ہوتی ہے۔ حقیقت میں سیاسی ذمہ داری کی خواہش کا سرچشمہ ہندوستان کے ساتھ برطانوی تعلق کی بنیاد میں موجود ہے۔ انسانی تواریخ اور خیالات کے زیادہ گہرے اور زیادہ وسیع مطالعے جس کا موقع اس تعلق سے ہندوستانی لوگوں کو حاصل ہوا ہے۔ لازمی طور پر اس آرزو کو پیدا کردیا ہے۔ اس کے بغیر ہندوستان میں اہل برطانیہ کا کام نامکمل رہ جاتا ہے۔ اس لیئے وہ تدابیر دانشمندانہ تھیں جن سے کئی سال پہلے نیابتی مجالس کا آغاز کردیا گیا تھا۔ ان کے حلقۂ اثر کو منزل بمنزل وسیع کیا گیا۔ تا اینکہ اب ہمیں نظر آرہا ہے کہ ذمہ دارانہ حکومت کی راہ میں ایک اور قدم بڑھایا گیا ہے۔

(۵) اسی ہمدردی اور بیش از بیش دلچسپی کے ساتھ ما بدولت اس راہ پر ترقی کے متمنی ہوں گے۔ یہ راستہ آسان نہیں اور منزل مقصود کی جانب قدم زن ہونے میں ما بدولت کی رعایائے ہند کے تمام طبقوں اور قوموں کو اس میں بردباری اور استقلال کی ضرورت ہوگی۔ ما بدولت کو اعتماد ہے کہ یہ اعلیٰ صفات یقینی طور پر پیدا ہوجائیں گی۔ ہم نئی مجالس عامہ پر اعتماد کرتے ہیں کہ وہ ان لوگوں کی خواہشات کی دانشمندی سے ترجمانی کریں گی جن کے وہ نمائندے ہیں اور ان عوام کے مفاد کو بھول نہ جائیں گی جنھیں ابھی حقوق انتخاب نہیں دیئے جاسکتے۔ ما بدولت لوگوں کے لیڈروں یعنی آئندہ کے وزراء پر اعتماد کرتے ہیں کہ وہ اس ذمہ داری کے لیئے تیار ہوں گے غلط فہمیوں کو برداشت کریں گے اور سلطنت کے مشترکہ مفاد کی خاطر بہت ایثار سے کام لیں گے اور اس امر کو یاد رکھیں گے کہ صحیح حب الوطنی فرقہ بندی اور جماعت وار حدود کی پابندیوں سے بالاتر ہے۔ اور مجلس قانونی کا اعتماد قایم رکھ کر غیر ضروری اختلاف کو دور کرنے اور عادل اور مہربان حکومت کے ضروری معیار کو قایم رکھنے کے لئے ما بدولت کے عہدہ داروں کے ساتھ مشترکہ بہبودی کی خاطر شریک کار ہوں گے اس کے ساتھ ہی ما بدولت اپنے عہدہ داروں سے متوقع ہیں کہ وہ اپنے نئے شرکائے کار کا احترام کریں گے۔ اور ان کے ساتھ [illegible] اور ہم آہنگی سے کام کریں گے۔ باشندوں اور ان کے نمائندوں کو آزادانہ مجالس کی جانب پر اس پیش قدمی میں امداد دیں گے۔ اور ان نئے کاموں میں زمانہ ماضی کی طرح ما بدولت کی

ممالک کی ایسی اعلیٰ خدمت کے اعلیٰ ترین مقصد پورا کرنے کا تازہ موقع پائیں گے۔

اس موقع پر ہماری یہ صادق آرزو ہے کہ جہاں تک ممکن ہو۔ ہماری رعایا اور اُن لوگوں کے درمیان جو ہماری طرف سے حکومت کے ذمہ دار ہیں۔ رنجش کے تمام نشانات محو کر دیئے جائیں جو لوگ زمانہ ماضی میں سیاسی ترقی کی سرگرمی میں قانون کی خلاف ورزی کر چکے ہیں ان کو چاہیئے کہ مستقبل میں قانون کا احترام کریں۔ اور جو باامن اور باقاعدہ حکومت رکھنے کے لیئے ذمہ دار ہیں۔ ان کے لیئے یہ ممکن ہونا چاہیئے کہ ان ناجائز سرگرمیوں کو فراموش کر سکیں۔ جن کا اُنہیں انسداد کرنا پڑا تھا۔ ایک نیا دور شروع ہو رہا ہے۔ لازم ہے کہ اس کا ایک مشترکہ مقصد کے لیئے ہماری رعایا اور حکام کی باہمی شرکت کے عزم سے آغاز ہو۔ اس لیئے ہم اپنے وائسرائے کو ہدایت کرتے ہیں کہ وہ ہماری طرف سے اور ہمارے نام پر سیاسی مجرموں پر انتہائی وسعت تک مراحم خسروانہ کا استعمال کریں جو وائسرائے کی رائے میں امن عامہ کے متناقض نہ ہو۔ ہماری آرزو ہے کہ اس شرط پر اس رعایت کو اُن اشخاص تک وسیع کر دیا جائے جو گورنمنٹ کے خلاف جرائم کے پاداش میں یا خاص فوری قوانین کے ماتحت مقید ہیں۔ یا جن کی آزادی پر پابندیاں عائد کی گئی ہیں۔ ہمیں یقین ہے کہ ان لوگوں کو جو اس سے مستفیض ہوں۔ آئندہ روش اس ترحم کی موزونیت کو ثابت کر دے گی اور ہماری تمام رعایا اس قسم کی روش اختیار کرے گی جس سے آئندہ اس قسم کے جرائم کے لیئے قوانین کا نفاذ غیر ضروری ہو جائے۔

برطانوی ہند میں نئے نظام ترکیبی کے نفاذ کے ساتھ ساتھ ہی مابدولت نے بخوشی والیان ریاست کی ایوان مشاورت کی قیام کے لیئے منظوری عطا فرمائی ہے۔ مابدولت کو اعتماد ہے کہ ان کے مشورے ریاستوں اور ان کے والیان کے لیئے دائمی طور پر مفید ہوں گے۔ ان مفاد کو ترقی دیں گے۔ جو ان کے علاقوں اور برٹش انڈیا میں مشترک ہیں۔ اور بحیثیت مجموعی سلطنت کے لیئے فائدہ مند ہوں گے۔ مابدولت اس موقع پر دوبارہ پھر ہندوستان کے والیان ریاست کو مصمم کا یقین دلاتے ہیں کہ ان کے استحقاقات حقوق اور مراتب کو بدستور سابق برقرار رکھا جائے گا۔ مابدولت کا ارادہ ہے کہ اپنے فرزند دلبند پرنس آف ویلز کو آئندہ موسم سرما میں ہندوستان بھیجیں کہ مابدولت کی طرف سے والیان ریاست کے نئے ایوان مشاورت اور برطانوی ہند میں نئے نظام ترکیبی کی افتتاحی رسم ادا کریں۔ مابدولت کی دعا ہے کہ ان کو ان لوگوں میں بلا جھجکی اعتماد و نظر آئے جن پر ملک کی آئندہ خدمت گذاری منحصر ہے تاکہ اُن کی محنتیں بار آور

ہوں اور اُن کا نظام حکومت تدریجی ترقی سے وابستہ ہو۔ ما بدولت اپنی تمام رعایا کے ساتھ ہم آواز ہو کر خدائے بزرگ و برتر کے حضور میں دعا کرتے ہیں کہ اس کی مشیت اور ہدایت سے ہندوستان آگے سے زیادہ خوش حالی اور فارغ البالی حاصل کرے اور اُسے سیاسی آزادی کی انتہائی وسعت نصیب ہو۔ ۲۵ دسمبر ۱۹۱۹ء

(ضمیمہ چہارم تمام ہوا)

خاتمہ

در شمار ارچہ نیاورد کسے حافظ را
شکر کیں محنت بے حد و حساب آخر شد

نَحْمَدُكَ اَللّٰهُمَّ اَنْ مَنَنْتَ عَلَيْنَا بِنَيْلِ الْاَوْطَارِ وَنَشْكُرُكَ اَنْ اَحْسَنْتَ اِلَيْنَا[1] بِمَا تَشْحَذُ الْاَذْهَانُ مِنْ جَلِيْلِ الْاَسْفَارِ وَنُصَلِّيْ وَنُسَلِّمُ عَلٰى نَبِيِّكَ الْمُرْسَلِ بِمَا هُوَ اَبْهٰى مِنْ نَيِّرَاتِ الدَّرَارِيْ وَعَلٰى اٰلِهٖ وَاَصْحَابِهٖ وَاَتْبَاعِهِمُ الْمُسْتَعِيْنِيْنَ عَلَى اغْتِنَامِ الْمَفَاخِرِ بِعَوْنِ الْبَارِيْ۔

اَنْتُمْ لِلْهُدٰى كَوَاكِبُ عِلْمٍ فِي اقْتِدَاءٍ اِنْ غَابَتِ الْاَقْمَارُ
يَا حُبًّا لِلّٰهِ دَوْلَةً قَدْ حَوَتْكُمْ كُلَّ عِزٍّ وَكَذَا دَ فِيْهِ الْفَخَارُ

دو برس کی لگاتار محنت کے بعد خدا خدا کر کے آج میں اس کہنے کے قابل ہوا کہ ع ایں بار گراں بود ادا شد چہ بجا شد۔ یعنی میں کتاب کی تدوین سے فارغ ہوا۔ اگر میں اس انتظار میں رہتا کہ کتاب

---

[1] اے اللہ ہم تیری حمد و ثنا کرتے ہیں اس احسان کے لیے کہ تو ہمارے مقاصد بر لایا اور ہم تیرا شکر کرتے ہیں اس بات پر کہ تو نے ہم پر احسان کیا کہ جس سے لوگوں کے ذہن تیز ہو جائیں گے جیسا کہ بڑی کتابوں کے مطالعے سے ہوتا تھا اور صلوٰۃ اور سلام تیرے بھیجے ہوئے نبی پر جو ایسے اوصاف والے ہیں کہ روشن تر ہیں ستاروں اور شمس و قمر سے اور اُن کی آل و اصحاب پر اور تابعین پر۔ ہم تجھ ہی سے استمداد کرتے ہیں اُن فخروں پر جو تیری مدد سے ہم کو حاصل ہوئے ہیں۔ تم دنیا میں علم کے ستارے ہو اگر چاند سورج غائب ہو جائیں تو تمھاری روشنی سے پیروی کی جا سکتی ہے۔ سوچو اللہ کی محبت بھی کیسی دولت ہے جو تمام عزتوں پر فخر مزید کے ساتھ حاوی ہے۔ ۱۲

رہے ہوتے عجب کچھ تو شاید میری زندگی وفا نہ کرتی ع تا سالِ دگر کہ مرد و زندہ کہ ماند؟
خدا کا شکر ہے کہ تصنیف اور چھپائی دونوں کام ساتھ ساتھ چلتے رہے جس سے اُمید بندھتی ہے کہ دیر سویر کتاب شائع ہو جائے گی۔ جلدی کے مارے کہ کسی طرح یہ کام سلٹ جائے کتاب بہ تفاریق چار جگہ چھپ رہی ہے اور چار ہی کاتب لکھ رہے ہیں لیکن لکھائی اور چھپائی نہ میرے ہاتھ کا کام ہے نہ میرے بس میں ہے۔ تقاضا اور تقاضائے شدید اور مصارف کی برداشت میرا کام ہے اُس میں فرو گذاشت نہیں اب جن کے ہاتھ میں کام ہے خدا اُنھیں توفیق دے کہ تن دہی سے اُسے انجام کو پہنچائیں اور خاکسار کو زحمت مزید کے انتظار سے بچائیں۔ انواع و اقسام کی جو جو دقتیں کاتبوں کی بے جا ناز برداری اور اہل مطابع کی خلاف توقع سہل انگاری کی بو مجھے پیش آئیں اور پیش آ رہی ہیں نہایت دل آزار اور دل شکن ہیں۔ مگر سہ

چہ تواں کرد مرد ماں اینند   باہمیں مرد ماں بباید ساخت

میں حصہ اول میں منشی اشتیاق احمد صاحب چشتی نظامی کا شکریہ ادا کر چکا ہوں مگر کچھ اور صاحبوں نے بھی میرا ہاتھ بٹایا ہے اُن کی مشارکت کا اعتراف بھی من لم یشکر الناس فلم یشکر اللہ تقاضائے انصاف ہے منشی حافظ محمد یوسف صاحب اور عزیزی اختر حسن صاحب اور میری عزیز مخدرات عصمت حامدہ بیگم اور اشرف جہاں بیگم صاحبان بھی میرے دلی شکریہ اور امتنان کی مستحق ہیں کہ اُنھوں نے کاپیوں اور پروف کے مقابلے اور تصحیح میں کافی مدد دی۔ جزاہم اللہ احسن الجزاء۔ اتنی بڑی کتاب کا لکھنا جس کی تین ضخیم جلدیں ہیں۔ سیکڑوں کتابوں کی اُلٹ پلٹ۔ مقامات اور عمارات کی دیکھ بھال کے لئے دوا دوش پر جب نظر کرتا ہوں تو بےچارہ کوئی داد دے یا نہ دے میں خود کہتا ہوں ع از ایں تن ضعیف مرا ایں گماں نبود۔ مگر فضل خدا شامل حال تھا یہ مشکل آسان ہو گئی۔ سہ

بہ ہر کارے کہ ہمت بستہ گردد   اگر خارے بود گلدستہ گردد

خدا کرے کہ کتاب لوگوں کی پسند آئے تو میری محنت ٹھکانے لگے اور مراد بر آئے والسلام

دہلی مارچ ۱۹۲۰ء   بشیر الفقیر الی اللہ عز شانہٗ

(بقلم [illegible])

انگریزی سلطنت کے بعض اہم تاریخی واقعات

سنہ	خلاصہ
۱	۲
	(ایسٹ انڈیا کمپنی کا عہد)
۳۱ دسمبر سنہ ۱۶۰۰ء	ملکہ الزبتھ کا چارٹر (فرمان)
سنہ ۱۶۰۰ء	چارلس دوم کا چارٹر (فرمان)
سنہ ۱۷۰۸ء	ہم سر کمپنیوں کا انضمام۔
سنہ ۱۷۷۳ء	ریگولیٹنگ ایکٹ (گورنر جنرل بنگال)
سنہ ۱۷۸۴ء	پٹ کا انڈیا ایکٹ (بورڈ آف کنٹرول)
سنہ ۱۷۹۳ء	تجدید چارٹر
سنہ ۱۸۱۳ء	" (ہند کی تجارت کھول دی گئی)
سنہ ۱۸۳۳ء	" (کمپنی کے تجارتی حقوق کی تنسیخ۔ چین کی تجارت کا اجراء)
سنہ ۱۸۵۳ء	سول سروس کا امتحان مقابلہ
سنہ ۱۸۷۴ء	باقاعدہ طور پر کمپنی کا توڑا جانا۔
سنہ ۱۸۵۷ء	غدر۔ (ہندوستان براہ راست تاج شاہی کے تحت میں)
سنہ ۱۸۵۹ء	رنٹ ایکٹ۔
سنہ ۱۸۶۰ء	تعزیرات ہند۔
سنہ ۱۸۶۱ء	قانون کونسل۔ سول سروس ہند کا قانون۔ ہائی کورٹوں کا چارٹر
سنہ ۱۸۶۳ء	امیر دوست محمد خاں کا انتقال اور امیر شیر علی خاں کی جانشینی
سنہ ۱۸۶۶ء	اوڑیسہ کا قحط
سنہ ۱۸۶۹	نہر سوئز کا افتتاح۔
سنہ ۱۸۷۵-۷۶	ہز رائل ہائینس شاہزادہ ویلز کی سیاحت ہند
سنہ ۱۸۷۶ء	کوئیٹہ پر قبضہ
یکم جنوری سنہ ۱۸۷۷ء	دربار قیصری۔

سنہ	خلاصہ
۱	۲
۱۸۷۷ء	جنوبی اور مغربی ہندوستان میں قحط
۱۸۷۸-۸۰ء	دوسری جنگ افغانستان۔
۱۸۸۵ء	معاملات پنجدہ۔ تیسری جنگ برمھا۔
یکم جنوری ۱۸۸۶ء	برمھا کے بالائی حصے کا شمول۔
۱۸۹۰ء	پرنس ایلبرٹ وکٹر کی تشریف آوری ہندوستان میں۔
۱۴ جنوری ۱۸۹۲ء	" " " کا انتقال پُر ملال۔
۱۸۹۵ء	مہم چترال۔
۱۸۹۶ء	بمبئی میں طاعون کا شیوع۔
۱۸۹۸ء	مہم تیراہ۔
۱۸۹۹ء	ترویج سکۂ طلائی۔
۱۹۰۰ء	قحط
۱۹۰۱ء	ملکہ معظمہ وکٹوریا کا انتقال اور شہنشاہ معظم ایڈورڈ ہفتم کی تخت نشینی امیر عبدالرحمن خاں کی وفات اور امیر حبیب اللہ خاں کی جانشینی
یکم جنوری ۱۹۰۳ء	دربار تاجپوشی ملک معظم ایڈورڈ ہفتم
۱۹۰۴ء	مہم تبت۔ یونیورسٹیوں کا قانون۔
۱۹۰۵ء	بنگال کی تجزی۔
نومبر ۱۹۰۵ء	پرنس جارج کی سیاحت ہند بطور ولی عہد۔
۶ جنوری ۱۹۰۷ء	دہلی میں ہز مجسٹی امیر حبیب اللہ خاں کی تشریف آوری۔
۱۹۰۹ء	خیالات باغیانہ۔ انڈیا کونسل ایکٹ۔
۱۹۱۰ء	شاہ ایڈورڈ ہفتم کا انتقال اور ملک معظم جارج پنجم کی تخت نشینی۔
۱۲ دسمبر ۱۹۱۱ء	ملک معظم و ملکہ معظمہ کی ہندوستان میں رونق افروزی۔ دربار تاجپوشی۔
۱۹۱۲ء	لارڈ ہارڈنگ گورنر جنرل پر بم اندازی سے قاتلانہ حملہ

سنہ	خلاصہ
۱	۲
۴ر اگست ۱۹۱۴ء	یورپ کی عظیم الشان جنگ - جرمن وار کا آغاز -
۱۱ر نومبر ۱۹۱۸ء	اختتام جنگ یورپ -
۱۹۱۹ء	ہز میجسٹی امیر حبیب اللہ خاں کا قتل اور ہز میجسٹی امیر امان اللہ خاں کی جانشینی - کابل وار کا آغاز اور مصالحت پر اختتام - شاہی اعلان مورخہ ۲۵ر دسمبر ۱۹۱۹ء

گورنر جنرل صاحبان کی فہرست

نمبر	سنہ	نام گورنر جنرل بہادر
۱	۲	۳
		(۱) بنگال کے فورٹ ولیم کے گورنر جنرل حسب ریگولیشن ایکٹ بابت ۱۷۷۳ء
۱	اکتوبر ۱۷۷۴ء	رائیٹ آنریبل وارن ہیسٹنگز سکوایر - (یکم فروری ۱۷۸۵ء سر جان میکفرسن)
۲	ستمبر ۱۷۸۶ء	ارل (مارکوئیس) کارنوالس
۳	اگست ۱۷۹۳ء	سر جان شور (لارڈ ٹین متوتھ) - (مارچ ۱۷۹۸ء سر ایلیورڈ کلارک)
۴	مئی ۱۷۹۸ء	ارل آف مارننگٹن (مارکوئیس ولزلی)
	۳۰ جولائی ۱۸۰۵ء	مارکوئیس کارنوالس (دوبارہ) - (۵ر اکتوبر ۱۸۰۵ء سر جارج بارلو)
۵	۱۸۰۷ء	بیرن (ارل آف) منٹو اول -
۶	۴ر اکتوبر ۱۸۱۳ء	ارل آف مائیرا (مارکوئیس آف ہیسٹنگز - یکم جنوری ۱۸۲۳ء - جان ایڈم سکوائر)
۷	یکم اگست ۱۸۲۳ء	بیرن (ارل) ایمہرسٹ (۱۰ر مارچ ۱۸۲۸ء ولیم بٹر ورتھ بیلی سکوائر)

۱	۲ سنہ	۳ نام گورنر جنرل بہادر
۸	جولائی ۱۸۲۸ء	لارڈ ولیم کیونڈش بنٹنک۔
		(۲) گورنر جنرل ہند حسب چارٹر ایکٹ ۱۸۳۳ء
	۱۸۳۳ء	لارڈ ولیم کیونڈش بنٹنک ۲۰ مارچ ۱۸۳۵ء سر چارلس (لارڈ) مٹکاف
۹	یکم مارچ ۱۸۳۶ء	بیرن (ارل آف) آکلینڈ۔
۱۰	۱۸۴۲ء	بیرن (ارل آف) الن برو۔
۱۱	۱۸۴۴ء	سر ہنری (وائی کونٹ) ہارڈنگ۔
۱۲	۱۸۴۸ء	ارل (مارکوئیس) آف ڈلہوزی۔
۱۳	۱۸۵۶ء	وائی کونٹ (ارل) کیننگ۔
		(۳) گورنر جنرل ووائسرائے حسب اعلان ملکہ معظمہ کوئین وکٹوریا
	یکم نومبر ۱۸۵۸ء	ارل کیننگ۔
۱۴	۱۸۶۲ء	ارل آف ایلجن اول۔ (۱۸۶۳ء سر رابرٹ نیپیر (لارڈ نیپیر آف میگڈالا) ۱۸۶۳ء سر ولیم ڈینزن۔
۱۵	۱۸۶۴ء	سر جان (لارڈ) لارنس۔
۱۶	۱۸۶۹ء	ارل آف میو۔ (۱۸۷۲ء سر جان سٹریچی (۱۸۷۲ء لارڈ نیپیر آف مرچسٹون)
۱۷	۱۸۷۲ء	بیرن (ارل آف) نارتھ بروک۔
۱۸	۱۸۷۶ء	بیرن (ارل) آف لٹن
۱۹	۱۸۸۰ء	مارکوئیس آف رپن
۲۰	۱۸۸۴ء	ارل آف ڈفرن (مارکوئیس آف ڈفرن اینڈ آوا)
۲۱	۱۸۸۸ء	مارکوئیس آف لینس ڈاؤن۔
۲۲	۱۸۹۴ء	ارل آف ایلجن دوم۔
۲۳	۶ جنوری ۱۸۹۹ء	بیرن (ارل) کرزن آف کڈلسٹن۔ (۱۹۰۴ء لارڈ ایمپتھل)
	۱۹۰۴ء	بیرن (ارل) کرزن آف کڈلسٹن دوبارہ

نمبر	سنہ	نام گورنر جنرل بہادر
۱	۲	۳
۲۴	سنہ ۱۹۰۵ء	ارل آف منٹو (ثانی)۔
۲۵	سنہ ۱۹۱۰ء	بیرن ہارڈنگ آف پنشرسٹ۔
۲۶	اپریل سنہ ۱۹۱۶ء	لارڈ چیمسفورڈ (موجودہ وائسرائے وگورنر جنرل)

نوٹ:۔ جن ناموں کے نیچے خط کھنچا ہوا ہے وہ عارضی اور قایم مقام تھے۔

نوٹ ۱۔ جو صاحب قانون بدلنے پر بدستور قایم رہے اُن پر جداگانہ نمبر نہیں ڈالا گیا۔ استنے وائسرایوں میں صرف ایک لارڈ کرزن ہی ایسے تھے جو ولایت تشریف لے گئے اور دوبارہ گورجنرلی پر آئے۔ ۱۲

انگلستان کے بادشاہوں کی فہرست

نمبر	نام بادشاہ	زمانۂ سلطنت	نمبر	نام بادشاہ	زمانۂ سلطنت
۱	۲	۳	۱	۲	۳
۱	ولیم اول	۱۰۶۶ء-۸۷	۱۲	رچرڈ دوم	۱۳۷۷ء-۹۹
۲	ولیم دوم	۱۰۸۷ء-۱۱۰۰	۱۳	ہنری چہارم	۱۳۹۹ء-۱۴۱۳
۳	ہنری اول	۱۱۰۰ء-۳۵	۱۴	ہنری پنجم	۱۴۱۳ء-۲۲
۴	سٹیفن (آف بلا)	۱۱۳۵ء-۵۴	۱۵	ہنری ششم	۱۴۲۲ء-۶۱
۵	ہنری دوم	۱۱۵۴ء-۸۹	۱۶	ایڈورڈ چہارم	۱۴۶۱ء-۸۳
۶	رچرڈ اول	۱۱۸۹ء-۹۹	۱۷	ایڈورڈ پنجم	۱۴۸۳ء
۷	جان (لیکلینڈ)	۱۱۹۹ء-۱۲۱۶	۱۸	رچرڈ سوم	۱۴۸۳ء-۸۵
۸	ہنری سوم	۱۲۱۶ء-۷۲	۱۹	ہنری ہفتم	۱۴۸۵ء-۱۵۰۹
۹	ایڈورڈ اول	۱۲۷۲ء-۱۳۰۷	۲۰	ہنری ہشتم	۱۵۰۹ء-۴۷
۱۰	ایڈورڈ دوم	۱۳۰۷ء-۲۷	۲۱	ایڈورڈ ششم	۱۵۴۷ء-۵۳
۱۱	ایڈورڈ سوم	۱۳۲۷ء-۷۷	۲۲	میری اول	۱۵۵۳ء-۵۸

نمبر	نام بادشاہ	زمانۂ سلطنت	نمبر	نام بادشاہ	زمانۂ سلطنت
۱	۲	۳	۱	۲	۳
۲۳	الزبتھ	۱۶۰۳ – ۱۵۵۸ء	۳۱	جارج دوم	۶۰ – ۱۷۲۷ء
۲۴	جیمس اول	۲۵ – ۱۶۰۳ء	۳۲	جارج سوم	۱۸۲۰ – ۱۷۶۰
۲۵	چارلس اول	۴۹ – ۱۶۲۵ء	۳۳	جارج چہارم	۳۰ – ۱۸۲۰
۲۶	چارلس دوم	۸۵ – ۱۶۴۹ء	۳۴	ولیم چہارم	۳۷ – ۱۸۳۰ء
۲۷	جیمس دوم	۸۸ – ۱۶۸۵ء	۳۵	وکٹوریا	۱۹۰۱ – ۱۸۳۷ء
۲۸	ولیم سوم اور میری دوم	مختصر وقفہ کے بعد ۱۷۰۲ – ۱۶۸۹ء	۳۶	ایڈورڈ ہفتم	۱۹۱۰ – ۱۹۰۱ء
۲۹	اینی	۱۴ – ۱۷۰۲ء	۳۷	جارج پنجم	۱۹۱۰ء
۳۰	جارج اول	۲۷ – ۱۷۱۴ء			

شاہا بقائے عمر تو باشد ہزار سال — لیکن بایں حساب بصد حشمت و جلال
سالے ہزار ماہ و ماہے ہزار سال — یوم ہزار سال و ساعت ہزار سال

نظم

اے سرزمین دہلی چمکا ترا ستارہ — پھر پائے تخت شاہی سلطان نے سنوارا
گیتی فروز اب ہے وہ خسرو معظم — یورپ کے دل سے نکلا ارمان اک ہمارا
دنیا تھے سے کرے گو جس نے کیسا منور — خورشید بن کے چمکا مغرب سے وہ ستارا
تعلیم اس نے دی ہے یہ گرمی نگہ سے — علمی ترقیوں کا بڑھتا چلا ہے پارا
موجودہ سلطنت کے دیکھو آکے کارنامے — اب خواب ہو گئے ہیں افسانہائے دارا
گزرے ہوئے سلاطین ہیں پردۂ عدم میں — کرتی ہیں آن کی روحیں اس جشن کا نظارا
برطانیہ حکومت کرتی ہے ناز جس پر — وہ آفتاب اب ہے دہلی میں جلوہ آرا
وہ کان عدل گستر سلطان جارج پنجم — دنیا ہے ایک پیکر اور جان جارج پنجم
گر نقش سلطنت کی تنویر ہے تو یہ ہے — انصاف کی مجسم تصویر ہے تو یہ ہے
[illegible] حکومت اس کی — تدبیر ہے تو یہ ہے تقدیر ہے تو یہ ہے
دنیا کو [illegible] فروغ سطوت — اس خواب سلطنت کی تعبیر ہے تو یہ ہے

جن دیکھنے کے قابل ہے سرنوشت انہیں کی — قدرت کے ہو قلم کی تحریر ہے تو یہ ہے
شایاں ہے اس کی شاہی دنیا ہے سب اسی کی — اجمال ہے تو یہ ہے تفسیر ہے تو یہ ہے
اس کی نگہ کی ہیبت ہے دشمنوں پہ غالب — ترکش میں تیرے دنیا گر تیر ہے تو یہ ہے
دنیا کی ساری قومو اس پر فدا ہو دل سے — حق میں تمہارے کوئی اکسیر ہے تو یہ ہے
یہ نغمہائے مدحت ہوں کے مجھے مبارک — سلطان کی پابوسی دہلی کو یہ مبارک

(محمد ہادی عزیز لکھنوی)

فہرست ان اردو اور فارسی کتابوں کی جن سے مدد لی گئی

نمبر	نام کتاب	مصنف	نمبر	نام کتاب	مصنف
۱	۲	۳	۱	۲	۳
۱	آثار الصنادید ۱۸۴۷ء	سرسید احمد خاں	۱۲	استشفاع والتوسل بآثار الصالحین وسید الرسول	پیرجی محمد عمر صاحب
۲	اخبار الاخیار ۱۲۸۰ھ	شیخ عبد الحق محدث دہلوی			
۳	اخبار الاخیار	ظہیر الدین احمد عرف محمد اشرف علی لکھنوی	۱۳	دیوان ذوق	مرتبہ شمس العلماء مولوی محمد حسین آزاد
۴	یادگار دہلی ۱۹۰۵ء	سید احمد دہلوی	۱۴	آب حیات ۱۸۷۹ء	
۵	دہلی گائیڈ	سید حسن نظامی	۱۵	مجمع الواصلین ۱۲۶۵ھ	ابو عبداللہ فاضل اکبرآبادی
۶	روضۃ الاقطاب	صاحبزادہ مرزا بلاقی	۱۶	دیوان غالب	نظامی پریس بدایوں
	سوانح عمری حضرت نظام الدین اولیا		۱۷	یادگار غالب	شمس العلماء مولوی الطاف حسین صاحب حالی
۷	فوائد الفواد		۱۸	مرآۃ الحقائق	منشی برکت علی
۸	سیر الاولیاء		۱۹	تاریخ دربار تاجپوشی ۱۹۱۱ء	شمس العلماء مولوی نذیر احمد
۹	سیر المحتشم		۲۰	یادگار دربار تاجپوشی ۱۹۱۱ء	منشی دین محمد ایڈیٹر میونسپل گزٹ لاہور
۱۰	دربار اکبری ۱۸۹۸ء	شمس العلماء مولوی محمد حسین آزاد			
۱۱	تذکرۃ العابدین عرف امداد العارفین	حاجی محمد نذیر احمد [illegible]	۲۱	سوانح دہلی ۱۸۹۴ء	شہزادہ مرزا احمد اختر گورگانی خلف مرزا [illegible] بہادر خلف سراج الدین بہادر شاہ

نمبر	نام کتاب	مصنف
۱	۲	۳
۲۲	عجائب الاسفار شیخ ابن بطوطہ کا سفرنامہ ۱۸۹۸ء	خان بہادر پیرزادہ مولوی محمد حسین ایم اے
۲۳	خواتین ۱۹۱۴ء	حافظ محمد اسلم جیراجپوری
۲۴	تذکرات حصہ اول و دوم ۱۹۱۵ء	سید ظہور الحسن قومی پریس دہلی
۲۵	تاریخ دربار دہلی ۱۹۱۲ء	״
۲۶	تاریخ بیجانگر ۱۹۱۰ء	خاکسار بشیر الدین احمد
۲۷	واقعات مملکت بیجاپور ۱۹۱۵ء	״
۲۸	حیات قیصرہ ۱۹۰۱ء	״
۲۹	ذکر شہنشاہ جارج پنجم	خان بہادر قاضی عزیز الدین
۳۰	مفتاح التواریخ ۱۸۶۲ء	ٹامس ولیم بیل صاحب
۳۱	سیاحت ہند ۱۹۰۹ء	حافظ عبد الرحمن امرتسری
۳۲	کلیات شیفتہ و حسرتی ۱۹۱۶ء	نواب محمد اسحٰق خاں
۳۳	آثار اکبری ۱۳۲۴ھ	محمد سعید احمد مارہروی

نمبر	نام کتاب	مصنف
۱	۲	۳
۳۴	یادگار داغ	اکبر علی خاں افسوں شاہجہاں پوری
۳۵	صحیفۂ زریں ۱۹۰۲ء	نولکشور پریس لکھنؤ
۳۶	آئین اکبری	
۳۷	تاریخ فرشتہ لکھنؤ	۱۹۰۵ء
۳۸	ماثر الامراء	نواب شمس الدولہ شاہنواز خاں
۳۹	مزارات اولیائے دہلی ۹۱-۱۸۸۱ء / ۱۸۶۹-۷۴	محمد عالم شاہ
۴۰	منتخب اللباب	خافی خاں
۴۱	تاریخ فیروز شاہی	شمس سراج عفیف
۴۲	اورنگ زیب عالمگیر پر ایک نظر	شمس العلماء شبلی نعمانی
۴۳	فغان دہلی ۱۳۱۳ھ	غدر کے متعلق متفرق نظموں کا مجموعہ
۴۴	حضور ملک معظم ایڈورڈ ہفتم کے مختصر حالات	[illegible] آگرہ

List of works consulted [illegible Urdu]

۱ Archaeological Survey of India Report of the year 1871-72 Delhi and Agra Vol: IV by Beglar and Carlleyle under the Superintendence of Major General A. Cunningham C.S.I. Director General of Archaeological Survey of India 1874

2 The Archaeology and Monumental remains of Delhi by Carr Stephens. 1876

3 Life of H.M. Queen Victoria, G. Barnett Smith 1887

4 Picturesque India, W.S. Caine 1891

5 Delhi: past & present. H.C. Fanshaw. 1902

6 Seven Cities of Delhi: Gordon Risley Hearn. 1906

7 Keen's Handbook of visitors to Delhi. 1906

8 Royal tour in India 1905-6, Stanely Reed 1906

9 Storia do Mogor, 1658-1708, Niccolo Manucci 1908

10 Sketches of Rulers of India Vol: IV Babar, Akbar & Aurangzib, G.D. Oswell. 1908

11 Life of Akbar. Col: Malleson. 1908

12 Lane Poole's Life of Aurangzeb

13 Delhi the Imperial City, Renton Denning 1911

14 All about Delhi, G.A. Natesan & Co. 1911

15 Coronation Durbar. Pundit Banke Rae 1911

16. The Book of the Coronation Cassell & Co. 1911

17 Delhi Durbar Railway, Burt & Freeland 1911

18 History of India, Sri Hemalota Devi. 1911

19	Imperial Coronation Durbar. 2 Vols. 1911
20	The Portrait Book of our Kings & Queens Khosla Bros. 1911
21	The King & Queen in India, Stanely Reed Hara & Passos 1911. 19..
22	A Handbook to Agra & the Taj, E. V. Havell 1912
23	Delhi Museum Catalogue. 1913
24	Indian History. E. Marsden. 1914
25	The Historical Record of the Imperial Visit to India 1911. Compiled from Official Records 1914
26	Easy Stories from Indian History. E. Marsden 1915
27	The Oxford Students History of India Vincent A. Smith. 1916
28	History of India, Ram Prasad & Man Mohan 1916
29	History of India, Thompson.
30	The King's Indian Allies, St Nihal Singh 1916
31	List of Muhammadan & Hindu Monuments Shahjahanabad Vols I & II Gordon Sanderson 1915-16
32	V. R. I. Her Life and Empire, Marquis of Lorne, His Grace the Duke of Argyll.
33	Edward VII, his Life & Times, Sir Richard Hol..
34	From Cradle to Crown, J. E. Vincent.
35	King Edward VII, Thomas Nelson & Sons.
36	George V Our Sailor King, Robert Hudson
37	Medieval India, S. Lane Poole.
38	Report of Lady Hardinge Medical College and Hospital for Women and Children 1918

تقاریظ اور قطعات تاریخی

میرے جن کرم فرماؤں نے ازراہِ ذرہ نوازی میری نئی کتاب کو سراہا ہے اور فرطِ محبت سے تقریظیں اور قطعات تعریفی لکھ کر میرا حوصلہ بڑھایا ہے میں اُن سب صاحبوں کی اس عنایت بے غایت کا تہ دل سے شکر گزار اور ممنون ہوں تع کرم کردی الہی زندہ باشی۔ کئی چھوٹے چھوٹے قطعات تاریخی اصل کتاب میں بجا بجا ملی درج کر دیئے گئے ہیں جو ذرا بڑے تھے یا جن کی گنجایش نہ نکل سکی یہاں وہ لکھے جاتے ہیں۔ تقدم و تاخر قطعات میں کسی کو ترجیح بلا موقع دینا مرکز خاطر نہیں میرے گوشۂ دل میں سب کی یکساں جگہ ہے۔

تقریظ دل پذیر و پُر تاثیر از قلم چکیدہ رقم جناب خواجہ حسن صاحب نظامی دام مجدہم

"غریب دہلی کی ایک اور تصویر"

بیچاری دہلی کی بگڑی سنوری شکل کی بیسیوں تصویریں مسلمانوں اور انگریزوں نے اتاری ہیں یعنی دہلی کی تاریخی۔ عمارتی۔ تمدنی و سیاسی سرگزشت چند یورپین و مسلمان مصنفوں نے کتابیں لکھی ہیں مگر نئی تصویر۔ نئی تاریخ۔ نئی سرگزشت۔ ابھی حال میں تیار ہوئی ہے جو دہلی کے مشہور محقق اور مورخ کی قلم سے لکھی گئی ہے۔ مولانا بشیر الدین احمد صاحب خلف شمس العلما مولانا حافظ نذیر احمد صاحب مرحوم ایک لائق اور محنتی مصنف ہیں۔ ان کے والد ماجد نے جو سرمایہ اردو زبان میں علمی و اصلاحی کارناموں کا چھوڑا ہے مولانا بشیر الدین احمد صاحب اُس کی حفاظت ہی میں کوشش نہیں کرتے بلکہ رات دن اضافہ کی سعی کر رہے ہیں۔ وہ اپنے پدر بزرگ کے اکلوتے وارث ہیں اور سچ یہ ہے اُن کی موجودہ علمی و ادبی خدمات اور اُن کے والد کی شہرۂ آفاق کارگزاریوں کا لحاظ کر کے اُن کو وارث الادب بالکل جائز خطاب دیا ہے جو ہندوستان کے تمام اخبارات میں شائع ہو چکا ہے۔ مولانا بشیر الدین احمد صاحب ریاست حیدرآباد میں کلکٹر تھے پنشن لے کر گھر پر آئے تو آرام طلبی اور عیش و عشرت میں وقت برباد نہ کیا جو آج کل بے فکر دولت مندوں کا ایک لازمی شعار ہو گیا ہے بلکہ رات دن تصنیف و تالیف میں مصروف رہنے لگے۔ چنانچہ چند سال کے عرصہ میں دس بارہ کتابیں انھوں نے تیار کر لیں جن میں زیادہ حصہ خانگی و نسوانی اصلاح کا ہے جس سے مولانا کو خاص مناسبت و دلچسپی ہے اور جو اُن کے والد کا مقصود زندگی بھی تھا۔ مولانا کی ان اصلاحی اور تمدنی کتابوں کو ملک میں خاص رغبت سے پڑھا جاتا ہے اور صرف پبلک ہی ان کو پسند نہیں کرتی بلکہ سلطنت میں بھی یہ کتابیں مقبول ہیں اور ابھی حال میں گزشتہ سال صوبۂ دہلی کی گورنمنٹ نے ایک معقول انعام ان کی ایک اصلاحی کتاب پر دیا ہے۔ مولانا کو آثارِ قدیم اور قدامت کے تذکروں سے ایک دلی لگاؤ ہے۔ قیام دکن کے زمانہ میں انھوں نے تاریخ بیجاپور کے نام ایک نہایت ضخیم کتاب لکھی تھی

جو اُنکی دونوں قی ہے کہ میں اُٹھا کر چلوں تو ہانپ جاؤں۔ اس میں سلاطین دکن کے تذکرے اور آثار قدیم کے حالات و تصاویر ہیں اور معلوم ہوتا ہے کہ مصنف نے نہایت محنت و تلاش سے اس کو تیار کیا ہوگا۔ اب گورنمنٹ دہلی کی خواہش سے اُنھوں نے دہلی کے آثار پر ایک زبردست اور تاریخ بیجاپور کے طریقے پر مستند کتاب لکھی ہے۔ جس میں دہلی قدیم و دہلی جدید کے تمام جزو و کل حالات ہیں اور جو ایسی عمدہ ترتیب سے قلم بند ہوئے ہیں کہ اس کتاب کو دہلی کی تصویر کہہ سکتے ہیں جیسا کہ میں نے عنوان میں عرض کیا۔ انگریزوں نے جو کتابیں دہلی پر لکھیں اُن کو ناپسند نہیں کیا جاتا مگر اس کتاب کو جو مولانا بشیر الدین احمد صاحب نے لکھی ہے یقیناً بہت پسند کیا جائے گا کیوں کہ یہ اردو زبان میں ہے اور ایسے شخص نے لکھی ہے جو انگریزوں کی بہ نسبت دہلی کو اور اس کے حالات کو زیادہ گہرائی سے دیکھ سکتا تھا اور دلی تعلق سے قلم بند کر سکتا تھا جیسا کہ کیا گیا ہے۔ اگر انسان کوئی مشین ہے۔ تو مولانا بشیر الدین احمد صاحب تیکھنے کی مشین ہیں[1] جو اتنی جلدی تصنیف تیار کر دیتے ہیں جس پر انگریزی مشینوں کی بنی ہوئی اشیاء کا یہ مشہور اشتہاری فقرہ صادق آتا ہے "ہاتھوں کے چھوئے بغیر تیار ہوئی"۔ میں نہیں جانتا وہ اس کبر سنی میں اتنا زیادہ۔ اتنا جلدی اور اتنا عمدہ کام کیوں کر کر سکتے ہیں؟ مجھ کو بھی دو ہفتے میں ایک مستقل اور دو سو صفحے کی تصنیف تیار کر دینے کا ملکہ ہے مگر مولانا مذکور کی تیز نگاری کے سامنے میری سریع النویسی بھی مات ہے۔

مجھے امید ہے کہ مولانا کی یہ تازہ تصنیف دہلی کی یادگاروں میں ایک مفید دلچسپ اور مستقل یادگار ہوگی اور آئندہ نسلیں اس سے اخذ کرنے کا فائدہ اُٹھائیں گی جس طرح کہ آثار الصنادید مصنفۂ سر سید احمد خاں مرحوم سے فائدہ اُٹھایا جاتا ہے یہی میری دعا ہے اور یہی میری آخری اور دلی خواہش ہے۔

[1] اگر یہی مشینوں کی رفتار ہے کہ دو برس تک گئے تو مشین نہیں چھکڑا ہے جو جوں کی چال چلتا ہے لیکن بات یہ ہے کہ خواجہ صاحب کی عنایت مہر و کرم نے میرے معائب کو بھی محاسن میں ڈھال لے گئی۔ ابھی حضرت ہاتھوں کے چھوئے بغیر چہ معنی قبلہ یہاں تو ہاتھوں کے علاوہ پاؤں بھی گھسیٹتے گھسیٹتے چھالے پڑ گئے کیوں کہ عمارت کے دیکھنے کو کوسوں سوسی نہیں پیدل چلنا پڑا! لیکن جس تکلیف اور زحمت کے بعد راحت ہو ایسی تکلیف بھی اچھی۔ سچ میں بتاؤں۔

(رباعی) خوش رہتے ہیں گھر میں کامرانوں کی طرح ہیں ضعف سے لوٹتے پہلوانوں کی طرح

(بقیہ نوٹ بر صفحہ آیندہ)

تقریظ عربی تحریر فاضل اجل و عالم بے بدل مولوی فاضل و منشی فاضل جناب مولوی نور محمد صاحب مدرس فارسی و عربی سینٹ سٹیفنز ہائی سکول دہلی

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الحمد للہ وسلام علی عبادہ الذین اصطفی

اِعلم ان اللہ خلق السموات والارض فقال لہما ائتیا طوعا او کرہا قالتا اتینا طائعین وجعل فیہما الشمس ضیاء والقمر نورا وجعل الارض ذات قرار وبث فیہا من کل زوج بہیج وتجری الانہار تجری تحتہا۔ لتکون من اسباب المعیشة لسکان البر وجعل کل شیء من الماء حیا۔ وخلق الانسان وجعلہ خلیفة فی الارض وانزل معہ العدل والمیزان وعلمہ ما لا یعلم واختصہ بالسلطنة والنبوة وسخر لہ کل شیء وکرمہ تکریما والہمہ دقة الصنائع واتخاذ للتناسل وبناء البیوت وتوالدوا وتکاثروا حتی ملئت الارض عنہم طولا وعرضا وعمروا الامصار والمدن المشیدة وجاءت القرون وفنت ثم جاءت الاخری ومہمت رسوم الفناء مسلط علیہم وہم فی غفلة منہ والبشری لمن اخلص بعبادة زالمی وصدق بالحسنی والذین یتقون ویعملون حق عبادتہ یسکنون فی الارض ...

(بقیہ نوٹ صفحہ گزشتہ) دل ان سے کدورت ان کے ہیں جو کرتے ہیں تیر   ہنس بدل کے پیری کو جوانوں کی طرح

ہ ایں کار از تو آید و مرداں چنیں کنند۔

ہ دیکھیے کہیں نظر نہ لگ جائے ع۔ چہ نسبت خاک را با عالم پاک۔ جناب والا آپ نے سنا ہوگا کہ دور کے ڈھول سہاونے ع عالم ہمہ افسانہ ما دارد و ما ہیچ۔

ہ جو کاتبوں اور مطبع والوں کی مہربانی سے باسی ہو گئی۔

ہ میں کہاں اور کہاں یہ ہوائے بہشت۔ تا زکجا دیدم طلعت زشت۔ ہاں مگر آپ جیسے بزرگوں کی دعا نے کر ہمت مضبوط کر دی۔ سہ

نا بریں مقصد عالی نتوانیم رسید   ہاں مگر لطف شما پیش نہد گامے چند۔۱۲

منہ المصنف ۱۲

وينظرون الى آثار الذين سبقوهم في الفناء وحصونهم المحصنة وصروحهم المشيدة التي أصبحت اليوم خاوية على عروشها فتقشعر جلودهم ثم تلين قلوبهم بذكر الله ولما كان دهلي من أعظم مناظر الأرض وأكبرها وليس لها عديل على وجه الأرض في الآثار القديمة وأهرام مصر عند تلامح ملوكها كشيء لا يعتد به وكم من بئر مستلق بها وقصر مشيد ومساكن من حصن وصرح بها لا يعلم بانيها وعماراتها القديمة خارجة عن حد الاحصاء واقعة مسافة طولها سبعة وعشر ميلا وعرضها تسعة أميال هي أم البلاد ومشهورة في أكناف العالم المتمدن لأنها مرجع الملوك ومقر سلطنتهم وصنفت في تحرير آثارها القديمة العجيبة كتب بكثرة أساميها ولكنها ما أحاطت لعجائبها وغرائبها ومن هذا إذا يسئل أحد عن الكتاب الذي أحاط بجملة الآثار وعمارات الدهلي لا يقول في جوابه إن الكتاب كذا وكذا كان لهدايتك في ذلك المقصد العالي بل يقول قولا منبئا بالعدم وجود الكتاب هكذا وكنا على سبيل الانتظار لوجود الكتاب المحيط على أخبار الذين خلوا من الصناديد في هذه البلدة الطيبة والملوك وآثارهم وحصونهم وصروحهم المشيدة فالحمد لله الذي يتبع بعض الناس على البعض في الفناء وخلق الموت والحيوة للبلاء على أن عطف قلب العلامة الحبر النحرير وصاحب الفضل العظيم المولانا المولوي **بشير الدين احمد** خلف شمس العلماء المولينا المولوي **نذير احمد الدهلوي** الذي اسمه السامي شائع معروف في أكناف الهند إلى تسويد هذا الكتاب الجامع لبيان جميع الأمكنة المقدسة من الحصون والمقابر والمساجد التي بعضها قائمة والأخرى على سبيل الفناء والحق أن في مناظرها عبرة لمناظريها والبيان بجميع الملوك الذين تمكنوا على سرير سلطنتها من أول يوم جعلها الله قائمة الهند ولله در المصنف إذ حرر هذا الكتاب الجامع الذي أغنانا من كتب الأخر لمعرفة تلك العجائب والعجب كل العجب أنه ما من رطب ولا يابس

إِلَّا هُوَ جَامِعَهُ وَمِنْ سَلَاسَةِ عِبَارَتِهِ وَصِحَّةِ بَيَانِهِ
أَجْدَرُ بِأَنْ يَكُونَ عِنْدَ كُلِّ شَائِقٍ بِأَخْبَارِ الَّذِينَ
خَلَوْا مِنَ الْأُمَمِ فِي هٰذِهِ الْبُقْعَةِ الْمُقَدَّسَةِ (دِهْلِي) نُسْخَةٌ يَتَلَكَّوْ عِنْدَ مِنْهَا
إِنَّ خَيْرَ جَلِيسٍ فِي الزَّمَانِ كِتَابٌ۔

کلام بلاغت نظام و فصاحت انضمام لسان العصر حضرت اکبر الہ آبادی مدظلہم العالی

ہیں علم کی محفل کی رونق دہلی میں بشیرالدین حسن[1] — عالی ہیں خیالات اُن کے بہت ہے اُن کی نظر فائز بہت
اک مرحوم ہیں اُن کے والد کی وہ بھی ہیں سعادت مند پسر — تصنیف کو جاری رکھا ہے ہیں مخزن علم و فن و ہنر
گو علم کا چرچا تھا ہر سو پیدا ہوئے لکھنے والے بھی — مبسوط و مکمل اس موسم تک دہلی کی کوئی تاریخ نہ تھی
جب گلشن علم مولانا سے تازہ و رنگیں گل یہ کھلا — "دہلی کی پہلی تاریخ" اس فقرے میں سال طبع

۱۳۳۷ھ

[1] دلی میں آپ تشریف لائے ہوئے تھے اور حضرت سلطان المشائخ کی درگاہ شریف میں جناب خواجہ حسن صاحب نظامی کے پاس فروکش تھے۔ میرے والد مرحوم سے نہ صرف جناب معز کو نیاز تھا بلکہ آپ کے خاندان سے تعلق خاص اُس زمانہ سے تھے جب کہ میرے والد الہ آباد میں ڈپٹی انسپکٹر مدارس تھے۔ اس آن بان اور اس شان کے لوگ اب پیدا نہیں۔ پرانی وضع کا نبھانا انھیں بزرگوں کا کام ہے۔ بڑے شوق سے حاضر خدمت ہوا تھا اُس سے زیادہ آپ کے خلوص اور شفقت بزرگانہ سے مالا مال آیا۔ باپ کو کیسے دیکھتا کہ مرچکے تھے اُن کے دیکھنے اور جاننے والوں کو دیکھ کر دل مضطر کو تسکین ہوئی۔ آپ نے جب سنا کہ نذیر احمد کا لڑکا ہے باوجودیکہ علیل و مضمحل تھے کھڑے ہوکر گلے لگایا۔ مجھے باپ کی محبت یاد آئی۔ ان کی نورانی شکل دیکھ کر آنکھوں میں آنسو بھر آئے۔ اُس روز ایسی حالت تھی کہ بہتیرا کہنا چاہا مگر زبان نکل گئی کچھ نہ کہا گیا۔ دوسری ملاقات میں مدعا سے عرض دی الاظہار عرض کرنا چاہا پاس ادب اور آپ کی بیماری نے زبان پکڑلی۔ شکر ہے ختم ہوتی ہیں بطور تبرک آپ کے قطعہ تاریخی کا طلبگار تھا۔ جذب علم پوری کا مادہ "دہلی کی پہلی تاریخ" جو بہترین تھا آپ کی خدمت میں اس شعر سے پیش کیا کہ زحمت جستجو اور طبیعت پہ تفکر کا بار نہ ہو مع نظم کردینے کی خواہش کی۔ قصہ مختصر تیسری ملاقات میں یہ مرحلہ حسب منشاء خاطر طے ہوا۔ قطعہ توشہ مرحمت ہوا۔

قطعاتِ تاریخی نوشتۂ جناب رگھو راؤ صاحب جذب منصبدار عالم پوری (ضلع رائچور)

بے شک اک جناب بشیر احمد نے / لکھی ہے دہلی کی اچھی تاریخ
اس کی تاریخ جو کوئی پوچھے / کہہ دو تم "دہلی کی پہلی تاریخ"

۱۳۳۷ھ

وله

کیا مجھ سے ہو ثنائے جناب بشیر دین / روشن ہیں مہر کی طرح جب آپ کے صفات
محسن جہاں بھر کے ہیں زیبا نہیں ہے شک / ہاں کر چکے ہیں وقف جہاں آپ اپنی ذات
تصنیف کردہ جتنی کتب ہیں انھیں جہاں / آنکھوں سے بس لگاتا ہے مثلِ تبرکات
ہر نقطہ بے نظیر ہے ہر بات لاجواب / ہر فقرے میں ہے آپ کے اک کوزۂ نبات
بعض آپ کی کتب اٹھاتے ہیں ایکساں / مردانِ علم دوست ہوں یا ہوں مخدرات
خاموش کیسے بیٹھیں گے عالم میں بے نظیر / اور خوب جانتے ہیں کہ دنیا ہے بے ثبات
تاریخ تین جلدوں میں لکھی ہے بے نظیر / کوزے میں بند کر دیئے دنیا کے واقعات
اس طرح سے کسی نے مفصل لکھی نہیں / اب تک قدیم دارِ حکومت کے واقعات
میں کیا کہ اک جہاں ہے مصنف کا مدح خواں / سچ ہے بقا ہے نام بھی ہے دائمی حیات
تاریخ اس کتاب کی یوں جذب نے کہی / "چھاپے گئے یہ خطۂ دہلی کے واقعات"

۱۳۳۷ھ

(بقیہ نوٹ صفحہ گزشتہ) ورنہ جناب معزز کی ناسازی گیا اسے زحمت کی متقاضی نہ تھی میری ناچیز تصنیف کو چار چاند لگ گئے۔ آپ نے مجھ ناچیز کو بن داموں خرید لیا۔ ؎

دل بدست آور کہ حجِ اکبر است
از ہزاراں کعبہ یک دل بہتر است — من المصنف ۱۲

۵ گئے میں اکثر محققین نے دو دی لی ہیں اس حساب سے دس بڑھ جاتے ہیں لیکن بعض بعض مثالیں (دو سو) اعداد محسوب کرنے کی بھی ملیں گی اور اس مادے میں شقِ آخر بھی اختیار کی گئی ہے ۱۲

قطعات تاریخی از قلم سراپا کرم جناب ابو الکمال مولوی محمد صدیق حسن صاحب سفیر نگروی

بشیر احمد دہلوی نے لکھی ہے — یہ تاریخ دہلی کی با حسن تحسین
مصنف مؤلف مورخ ہیں کامل — ہر اک میں ہے حاصل انھیں حق تدریس
یہ اپنے زمانے کے علامۂ دہر — یہ اپنے زمانے کے سحبان و قسیس
مفید زمانہ سفیر ان کی تصنیف — بنا سے ادب کو ہے اک فصل تاسیس
نکالا جب اک سن کو دل میں سے نے — "لکھی اس کی تاریخ" تیرہ سو سینتیس
۱۳۳۷

(۲) (۲۰۰) رقم کی ہے بشیر الدین نے تاریخ — (۷) زمانے بھر میں یہ بہتر سے بہتر
(۲) بنایا ہے دلہن دلی کو تیکن — (۱) ابھی پردے میں ہے پردے کے اندر
(۴) در نایاب مضمون مرصع — (۳۰) لگا کر سر پہ دیباچے کا جھومر
(۴۰) مزین طبع کے زیور سے ہو کر — (۲) پری بن کر جب آئے گی باہر
(۵۰) نگاہ برق کو خیرہ کرے گی — (۲۰) گریں گی بجلیاں حاسد کے دل پر
(۹۰) صحیح ہیں واقعات اس میں تمام سب — (۳۰) کہ خود موقع پہ کی تحقیق جا کر
(۶۰) سنی بھی اور دیکھی بھی ہیں میں نے — (۴۰) تواریخی کتب دنیا کی اکثر
(۶۰۰) خدا شاہد کہ یہ تاریخ دہلی — (۴۰۰) تواریخوں میں ہے بہتر سے بہتر
(۷۰۰) عمارات کہن کا تازہ فوٹو — (۶۰) سلاطین سلف کی زندہ پیکر
(۹۰۰) خزینہ پر ز معلومات نادر — (۴) دفینہ پر ز گوہر ہائے خوشتر
(۵) ہوئی تاریخ کی جب فکر مجھکو — (۸) حروف اشعار سے اول کے لے کر
(۶۰) سب اعداد ان کے جب میں نے ملائے — (۵) ہوئے پیدا سن عیسی سراسر
(۶۰) سن ہجری ہے مصرع ہائے آخر — (۱۰) شروع کے حرف اول سے اٹھا کر
(۷۰) عدد ابجد کی رو سے جب نکالے — (۱۰) کیئے حاصل سن ہجری سراسر
(۸۰) حساب ابجد کا ہے تاریخیں دونوں — (۲۰) سفیر اس قطعہ سے نکلیں برابر
۱۹۱۹ — ۱۳۳۷

(۳) یہ تاریخ دہلی کی جامع کتاب — بشیر احمد دہلوی نے لکھی
ہے اس کی تاریخ برجستہ تم — "کہو خوب تاریخ دہلی چھپی"

قطعۂ تاریخ نوشتہ جناب مولوی حکیم لطیف احمد صاحب سلمہ رئیس مہتھلی ضلع سارن

شہیر زماں مولوی ال ال ڈی ہی تصنیف و تالیف میراث جن کی
بشیر ان کے بیٹے ہیں حق دار جائز کہ یہ دولت لازوال اُن سے پائی
دکن میں رہے مدتوں یہ کلکٹر وظیفہ ملا اُن کو خواہش پر اپنی
ہوئے قوم کے کام میں آکے مصروف دعائیں لگے لینے خلق خدا کی
شب و روز مشغول تصنیف و تالیف یہی ان کا روزہ یہی ان کی روزی
ذہانت میں یکتا متانت میں فائق ہے پُر زور ان کی طبیعت غضب کی
تمام ان کا عالم میں ہے نام روشن کہاں ہے نہیں روشنی ان کے ہم کی
نظیر و مثال ان کی عالم میں عنقا عرب سے عجم تک نہیں کچھ یہ مخفی
مقولہ ہے لوگوں کا میرا عقیدہ کہ ہیں اس زمانے میں یہ فخر دہلی
اٹھائے قلم سامنے ان کے آئے کسی کو اگر کچھ ہو دعوائے علمی
اگر وارث الالسنہ ان کو کہئے تو اردو زباں ان کے گھر کی ہے لونڈی
وطن کے ہی خواہ و حامی و ہمدرد شب و روز ہے فکر اصلاح قومی
تمامی قلم رو میں علم و عمل کے رکھی اپنے والد کی آباد کرسی
ضرورت بہت رہبری کی ابھی ہے خدا ان کو دے زندگی خضر کی سی
جو دہلی کے دل میں تھی مدت سے حسرت اب ان کے قلم کی بدولت وہ نکلی
بصد جہاندار ی جا ہے تجسیم بصد کامیابی یہ تاریخ لکھی

۱ہ تاریخ گوئی میں آپ کو بڑا ملکہ ہے نظم آپ کی بہت برجستہ آمد ہوتی ہے۔ نہ میں نے آپ کو کبھی دیکھا نہ آپ نے مجھے مگر سالہا سال سے دور بیٹھے دوستی کو ایسا نباہ رہے ہیں کہ جیسا اس کا حق ہے آپ کی خوش اخلاقی اور قابلیت نے میرے دل میں خاص جگہ پیدا کی ہے۔ آپ نہ صرف میری ہر کتاب پر کئی کئی تاریخیں لکھ دیتے ہیں بلکہ ہر بچے کی پیدائش اور اُن کی تقاریب شادی وغیرہ پر بھی اظہار محبت فرماتے ہیں غرض خاکسار کو اس قدر زیر بار احسان کیا ہے کہ آپ کے شکریہ سے عہدہ برآ ہونا ناممکن ہے۔ آپ نے ایک چھوڑ کئی قطعے لکھے ہیں۔ ایک یہاں اور تین اور جگہ حسب موقعہ اس کتاب میں آگئے ہیں۔ ۱۲ من المصنف۔

خدا اس کے بیٹے کو ... [illegible]
پر ... [illegible]

سیرِ ہند اخلاق تہذیب جو ہیں
لکھی ہیں انھوں نے کتابیں بہت سا

مگر اس میں شاید ہی ایسی کوئی ہو
کہ جس نے لکھی ہو نہ تاریخ جس کی

اب اس تازہ تصنیف کا ذکر سن کر
ہوئی دل میں پیدا پھر اک گدگدی سی

کسی سے نہ پوچھا نہ سوچا نہ سمجھا
نہ کچھ اس میں فکرِ رسا سے مدد لی

مصنف کی خوش نیتی کی بدولت
ہوئی اے لطیف اس میں تائید یعنی

کہا زیہر سالِ الہی فلک سے
ندا آئی "اذکارِ شاہانِ دہلی"

پھر اب عیسوی کوئی پوچھے تو کہہ دو
کہ ہے درج "التاریخ تاریخ دہلی"
۱۹۱۹ء

تاریخ طبع زاد جناب برکت شیر خاں صاحب ادیب میرٹھی

سابق ایڈیٹر ہمدرد و مصنف کتب متعددہ

اے بشیر الدین احمد دہلوی
آپ کے اوصاف ہوں کیوں کر بیاں

جانشینِ علامۂ دوراں ہیں آپ[1]
کیوں نہ ہوں پھر نکتہ سنج و نکتہ داں

خوبیاں ہر صنف کی مرحوم سے
ورثہ والا میں آئیں بے گماں

اس زمانے میں نہیں دیکھا سنا
دلنشیں وقوی اثر نادر بیاں

وہ وہ لکھی ہیں کتابیں لاجواب
معترف خوبی کا جن کی اک جہاں

آپ کی تصنیف میں پاتے ہیں ہم
مستند دلی کی ٹکسالی زباں

فہم میں آجائے فوراً دیکھ کر
اتنا سیدھا سادہ عمدہ ہے بیاں

کچھ نہیں تعقید الجھن نہ انتشار
نثر ہے اک چشمۂ شیریں رواں

صاف اور شستہ عبارت دیکھ کر
نقشِ حیرت کیوں نہ ہوں اہلِ زباں

خوب کی تحریر یہ تاریخ تو
دہلی والوں کی ہے جس میں داستاں

ہم نشیں ... [illegible] ... ہوئے
... [illegible] ...

[1] یعنی میرے والد مرحوم - ۱۲

اُن کی صنعت اُن کے فن اُن کے کمال — کارنامے سب کے کرتی ہے عیاں
مدح خواں جن کا جہاں ہے آج تک — کرتی ہے اُن کی بیاں یہ خوبیاں
کچھ ہیں ایسے بھی نہیں جن کا مزار — نام باقی ہے نہیں لیکن نشاں
دامن صحرا میں ہیں آسودہ خواب — خاک تک جن کی نہیں دامن کشاں
کون تھے کیا جانے کس کا ڈھیر ہے — بے خبر ہیں مرد و زن خورد و کلاں
دیتی ہے سب کا پتہ تاریخ یہ — تھے یہاں ابن فلاں ابن فلاں
کیں مصنف نے بہت جانکاہیاں — اجر دے اس کا خداوند جہاں
بالیقیں مجموعۂ خوبی ہے یہ — کیوں نہ ہو منظور چشم مردماں
لکھ کے سن طبع یہ کہتے ہیں قیصر — لطف سے لبریز ہے گو داستاں
خوب ہے تاریخ بے مثل اے ادیب — ہے نمونہ یادگار رفتگاں

١٣٣٨ھ

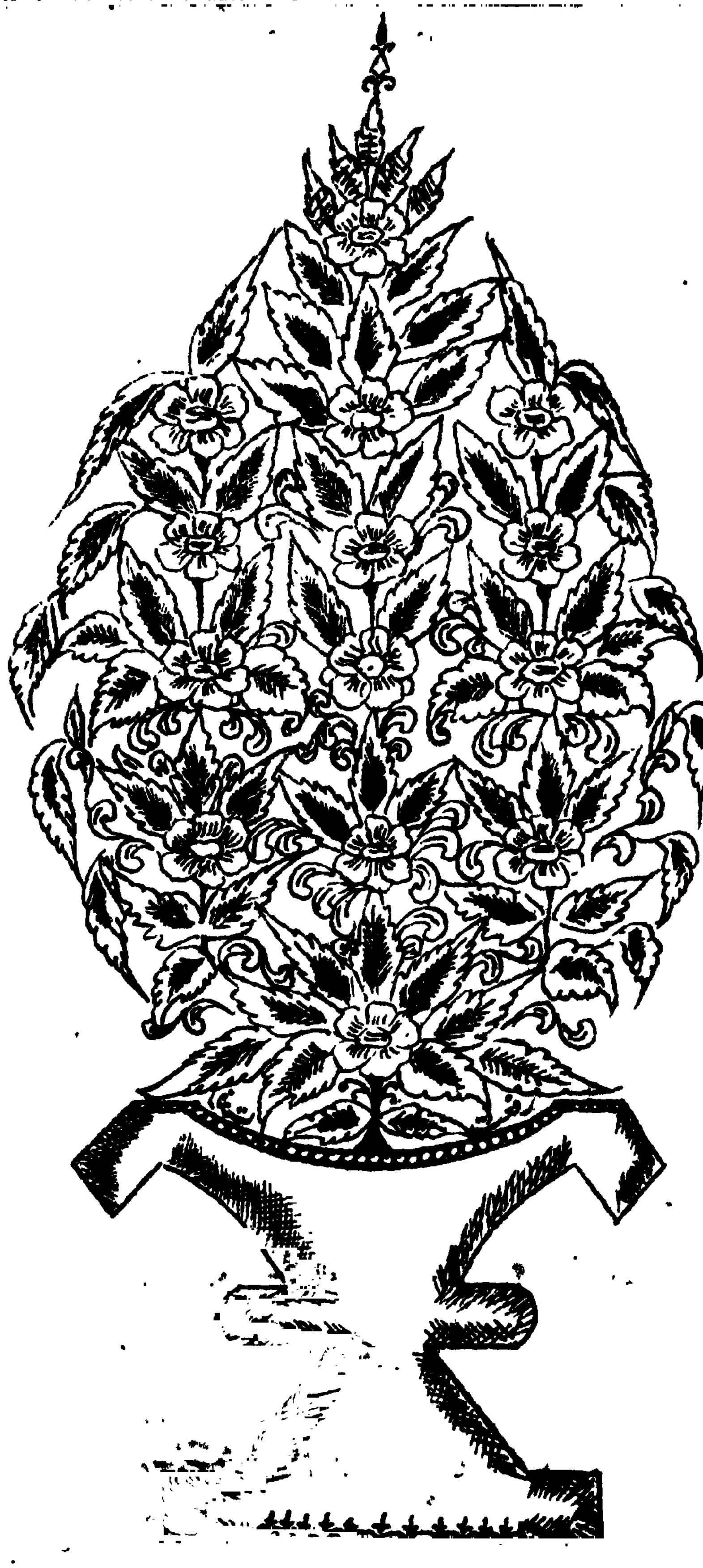
تاریخ قلم زدہ جناب رفعت شیر خاں صاحب لبیب فرزند ادیب صاحب کاتب کتاب ہذا

وہ تاریخ دہلی لکھی آپ نے — مفصل لکھا جس میں دہلی کا حال
ہے تصنیف بھی آپ کی بے مثل — کہ جس طرح سے آپ ہیں بے مثال
ہوئی فکر تاریخ کی جب مجھے — فلک پر تجسس میں پہونچا خیال
بشارت دی ہاتف نے یہ اے لبیب — کہ لکھ دیجیے تاریخ اہل کمال

١٣ ٤ ٣٨

الحمد للہ علی احسانہ کہ حصۂ سوم واقعات دار الحکومت دہلی مع ضمیموں کے ختم ہوا

نوٹ — [illegible] کتاب [illegible] میں شائع ہو جائے گی [illegible] ایک سال [illegible]
[illegible] تاریخ [illegible] ایک سال [illegible]



HISTORY

OF

DELHI THE IMPERIAL CITY

A MOST COMPREHENSIVE ACCOUNT OF THE HISTORY AND ARCHÆOLOGY OF DELHI

(WITH NUMEROUS ILLUSTRATIONS)

BY

BASHIR-UD-DIN AHMAD, M.R.A.S.,

FIRST TALUKDAR (COLLECTOR AND DISTRICT MAGISTRATE) RET.

H. E. H. THE NIZAM'S GOVERNMENT,

AUTHOR OF THE HISTORIES OF VIJAYANAGAR AND BIJAPUR, IQBAL DULHAN, HUSN-E-MUASHRAT, ISLAH-E-MAISHAT, ETC., ETC., AND TRANSLATOR OF DR. STALL'S SELF AND SEX SERIES.

VOL. III.

Archæology (*continued*)

DELHI

1919

1st Edition] [1,000 Copies.

I. M. H. P., Delhi.

اعلان

(بموجب کاپی رائٹ ایکٹ ۱۹۱۴ء جملہ حقوق بحق بشیرالدین احمد محفوظ ہیں)

مولوی نذیر احمد صاحب بالقابہ کی تصانیف

قرآن شریف مترجم کلاں ۲۲×۲۹ - دو صفحہ مع فرہنگ الفاظ اردو حاشیہ کاغذ سفید ولایتی کاغذ خانی جلد معہ ...

" " " " ..... صفحہ حاشیہ شدہ ....

" " ایک صفحہ پر متن دوسرے پر ترجمہ

حمائل مترجم ۲۲×۲۹ ترجمہ بین السطور مع فرہنگ

ادعیۃ القرآن - قرآن شریف کی عام دعائیں مع خواص - دہ سورہ - الحقوق والفرائض - ہر سہ حصص - جس میں اسلام کے تمام مسائل ہیں - اجتہاد - جس میں ثابت کیا گیا ہے کہ دنیا میں اسلام ہی سچا مذہب ہے - حیات النذیر - مولوی نذیر احمد صاحب کی مفصل سوانح عمری مع فوٹو اور دو عکسی خطوط کے - نظم بے نذیر - مولوی صاحب موصوف کی کل نظموں کا مجموعہ - مراۃ العروس - توبۃ النصوح - بنات النعش - محصنات - رویائے صادقہ - ابن الوقت - ایامیٰ - موعظۂ حسنہ - مجموعۂ خطوط - منتخب الحکایات - چند پند - صرف صغیر فارسی کی گریمر - نصاب خسرو - یعنی خالق باری - رسم الخط - قواعد املا نویسی - مبادی الحکمۃ - منطق کا اردو رسالہ - مایغنیک فی الصرف - عربی گریمر - مجموعۂ لکچر - دو جلد جس میں (۴۴) لکچر ہیں - مطالب القرآن تفسیر کا پہلا حصہ

خاکسار کی تصانیف

واقعات مملکت بیجاپور - تین حصے - ۱۲۸۷ صفحے (۶۶) فوٹو - دکن کی مکمل تاریخ جس پر ہزار روپیہ انعام ملا - منظورہ ٹکسٹ بک کمیٹی پنجاب - اقبال دلہن - حسن معاشرت - اصلاح معیشت - منظورہ ٹکسٹ بک کمیٹیاں پنجاب و ممالک متحدہ - یہ تینوں کتابیں لڑکیوں اور مستورات کے لئے ازبس مفید ہیں - اصلاح معیشت پر سرکار سے تین سو روپے انعام ملا ہے - حرز طفلان - لڑکوں کے لئے - نشاط عمر - نوجوانوں کے لئے - عصائے پیری - ادھیڑ عمر کے لوگوں کے لئے - بچیوں سے دو دو باتیں - لڑکیوں کے لئے - یہ چاروں کتابیں بیش بہا نصائح اور اخلاقی تعلیم کی ہیں - عزم بالجزم - استقامت ارادہ پر ایک چھوٹا سا رسالہ -

کا پتہ

بشیرالدین احمد تعلقہ دار پنشنر - گھاری باولی دہلی